خواتین
کا
فقہی انسائیکلوپیڈیا

عقائد، عبادات، نکاح طلاق اور روز مرہ پیش
آنے والے خواتین کے مسائل کا مستند علمی شاہکار

مُرتب
مولانا محمد عبد المعبود
جامع مسجد پھولوں والی، رحمٰن پورہ راولپنڈی

خواتین
کا
فقہی انسائیکلوپیڈیا

عقائد، عبادات، نکاح طلاق
اور روزمرّہ پیش آنے والے خواتین
کے مسائل کا مستند علمی شاہکار

مُرتّب
مولانا محمد عبدالمعبود
جامع مسجد پھولوں والی، رحمٰن پورہ راولپنڈی

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

نام کتاب: ــــــــ خواتین کا فقہی انسائیکلوپیڈیا

مُرتّب ــــــــ مولانا محمد عبدالمعبود

ناشر: ــــــــ مکتبہ رحمانیہ

مطبع لٹل سٹار پرنٹرز

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

شرفِ انتساب

صدیقۂ کائنات،

رفیقۂ سید کائناتؐ،

محبوبۂ محبوبِ خدا

ام المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے اس کاوش کو منسوب کرتا ہوں۔

جنہوں نے آفتابِ نبوت سے کسبِ فیض کیا اور علم و عرفاں کی ایسی شمع روشن کی جس کی تابانی میں مسلم خواتین قیامت تک راہ ہدایت پر گامزن رہیں گی۔

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

ربیع الاول ۱۴۲۶ھ/۴ مئی ۲۰۰۵ء

پیش لفظ

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ۔ اما بعد۔

ہادیٔ عالم، معلم اعظم سید نا محمد ﷺ نے بنی نوع انسان کی فلاح و کامرانی کے لئے قرآنی تعلیمات کی لازوال دولت سے سرفراز فرمایا۔ قرآنی علوم مرد و زن، امیر غریب، شاہ و گدا، دولت مند اور فقیر ہر کس و ناکس کے لئے یکساں طور پر مفید، مؤثر اور ضروری ہیں۔ اگر چہ مرد حضرات نے ان علوم میں جو دست رس، مہارت اور کمال حاصل کیا۔ ان رفیع مراتب کو خواتین کی اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ تاہم ہر دور میں خواتین میں بھی قرآنی اور آسمانی علوم سے بہرہ یاب ہونے کا جذبہ بیدار رہا۔

چونکہ رب تعالیٰ نے ''عورت'' کی گود کو انسان کی تربیت اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنے کا پہلا مکتب بنایا ہے۔ اس لئے پیش نظر کتاب میں خواتین ہی کی دینی، اسلامی اخلاقی اور تہذیبی راہنمائی کے لئے فقہی مسائل کا مستند ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے انشاء اللہ العزیز خواتین دینی مسائل سے آگاہی اور تجسس کے لئے ضخیم وعظیم کتابوں سے مستغنی ہو کر اسی ''خواتین کا فقہی انسائیکلوپیڈیا'' سے عقائد، عبادات، نکاح و طلاق اور روزمرہ پیش آنے والے جملہ مسائل کا بھر پور استفادہ کر سکیں گی۔

اللہ رب العزت اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مسلم خواتین کے لئے اسے مفید اور نافع بنائے۔ آمین۔

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

ربیع الاول ۱۴۲۶ھ/مئی ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدا سازم بنامِ پاک، آں بے ابتداء

کتاب نما

ایمانیات

عقائد وافکار

نبوت ورسالت

بدعات و رسومات

کتاب الطہارت

نجاست کا بیان

برتن کی طہارت

وضو کا بیان

وضو کے مسائل

تیمّم کا بیان

غسل کے احکام

غسل کے مسائل

موجباتِ غسل

ناپاکی میں ذکر اذکار

حیض کا بیان

استحاضہ کی تعریف

نفاس کے احکام

سیلانِ رحم

اسقاطِ حمل کے احکام

کتاب الصلوٰۃ

نماز کی اہمیت

فرائضِ نماز

مکروہاتِ نماز

مفسداتِ نماز

اوقاتِ نماز

نماز کے مکروہ اوقات

اذان کا بیان

ستر پوشی

قیام

نیت کا بیان

تکبیر تحریمہ

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

بیمار کی نماز

نماز جمعہ

نمازِ عید

مسافر کی نماز

قضا نمازیں

سجدۂ سہو

سجدۂ تلاوت

نفل نمازیں

نماز تہجد

کفن کا بیان

جنازہ اٹھانے کا بیان

نماز جنازہ

تدفین

تعزیت

زیارت القبور

ایصال ثواب

کتاب الزکوٰۃ

زیور کی زکوٰۃ

کتاب الصوم

روزہ کا بیان

سحری، افطاری

خواتین کے مخصوص مسائل

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

روزہ توڑنے والی چیزیں

روزہ توڑنے کا کفارہ

کن وجوہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟

اعتکاف کا بیان

کتاب الحج

فضیلت حج

کتاب النکاح

نکاح کے مسائل واحکام

منگنی کی شرعی حیثیت

فون پر نکاح کی شرعی حیثیت

بغیر ولی کی اجازت کے نکاح

جبر و اکراہ سے نکاح

رضاعت کا بیان

خون دینے سے حرمت کے مسائل

رسم و رواج

جہیز

حق مہر

دعوت ولیمہ

حقوق الزوجین

طلاق کے احکام

طلاق رجعی

خلع

حلالہ کی شرعی حیثیت

ظہار کا حکم

تنسیخ نکاح

طلاق سے مکر جانا

نامرد کی بیوی کا حکم

عدت کے احکام

ٹیسٹ ٹیوب بے بی

خاندانی منصوبہ بندی

ثبوت نسب

پرورش اولاد

نان ونفقہ کے احکام

بناؤ سنگھار

اخلاق حسنہ

قربانی کے مسائل

ایام قربانی

قربانی کے جانور

ذبح کرنے اور گوشت کا حکم

قربانی کا گوشت

عقیقہ

❀❀❀

ایمانیات

(۱) توحید

(۲) رسالت

(۳) حشرونشر

(۴) تقدیر

توحید باری تعالیٰ

جلیل القدر محدث مولانا محمد منظور نعمانی المتوفی ــــہ نے توحید، شرک اور عبادت کی تشریح بیحد دلنشیں انداز میں فرمائی ہے۔

سوال: اسلام کے نقطہ نظر میں توحیدِ باری تعالیٰ کا مقصود و مفہوم کیا ہے؟

الجواب: اللہ کی توحید کا مسئلہ ایسا ہے جس میں بہت سی قومیں گمراہ ہوئی ہیں۔ اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور تعلیم کا یہ خاص موضوع رہا ہے اور قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں تو اس مسئلہ کی ایسی تکمیل اور تفصیل بیان کی گئی ہے کہ کوئی گوشہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ شرک میں وہی شخص گرفتار ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور جس کو صفاتِ الٰہی کا صحیح علم ہو جائے، اس سے کبھی شرک نہیں ہوسکتا۔

مثلاً جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے، اللہ ہی پالنے والا ہے، اللہ ہی رزق دیتا ہے، اللہ ہی اولاد دیتا ہے، اللہ ہی مارتا اور جلاتا ہے، اللہ ہی تندرست اور بیمار کرتا ہے، اللہ ہی امیر یا غریب بناتا ہے، غرض اس دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے کرنے سے ہوتا ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین رکھتا ہو، ظاہر ہے وہ نہ اللہ کے سوا کسی سے اپنی حاجتیں مانگے گا، نہ کسی کی عبادت کرے گا، نہ کسی کو راضی اور خوش کرنے کے لئے نذریں اور منتیں مانے گا۔

تفہیم توحید کا اسلوب:

سوال: قرآن و حدیث میں توحید باری تعالیٰ سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کیا انداز بیان اور اسلوب اختیار کیا گیا ہے؟

الجواب: قرآن شریف میں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں بھی توحید کو سمجھانے اور دل میں بٹھانے کے لئے ایک تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ بندے یہ جان لیں، کہ جب اللہ کی ایسی شان ہے اور اس میں یہ سب صفتیں موجود ہیں، تو بس وہی بندگی اور عبادت کے لائق ہے۔ قرآن شریف کے اس طریقہ تعلیم اور طریقہ بیان کو سب سے پہلے آپ سورۂ فاتحہ میں دیکھئے! .... پہلے بندوں سے کہلوایا گیا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾

ہر قسم کی حمد و ثناء اسی اللہ کے لیے ہے۔ جو ساری کائنات کا رب اور پروردگار ہے، بڑی رحمت والا اور مہربان

ہے، انصاف کے دن کا مالک ہے، یعنی ایک آنے والے دن میں اصلی جزا اور سزا وہی دینے والا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی یہ صفات بیان کرا کے آگے کہلایا گیا کہ:
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ○
یعنی جب اللہ تعالیٰ ہی رب اور پالنے والا ہے اور ہماری زندگی کی ساری ضرورتیں وہی مہیا کرتا ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان بھی ہے اور ان صفاتِ جمال کے ساتھ وہی آخرت والی زندگی میں جزا اور سزا دینے والا صاحب جلال و جبروت حاکم بھی ہے، تو بس پھر اسی کی عبادت ہم کریں گے اور اپنی ضرورتوں میں صرف اسی سے مدد مانگیں گے۔

تفہیم توحید کا انداز دیگر:

اور کہیں بیان توحید کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے توحید کا ذکر کیا گیا اور یہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ ہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور بس وہی الٰہ اور معبود ہے اور اس کے بعد بطور دلیل اور سند کے اللہ کی شان اور صفات بیان کی گئی، مثلاً آیت الکرسی میں پہلے فرمایا گیا: ’’اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ‘‘۔ (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور آگے اس کی صفات اور اس کی شان کو اس طرح بیان فرمایا گیا:

’’اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ‘‘ یعنی وہی زندہ جاوید ہے اور اسی کی زندگی اپنی ذاتی زندگی ہے اور اس کے سوا جن کو زندگی ملی ہے وہ اسی کی دی ہوئی ہے اور عارضی ہے اور وہی زندہ جاوید ہستی اس ساری کائنات کو تھامے ہوئے اور سنبھالے ہوئے ہے' (الحی القیوم کا یہی مطلب ہے)۔ آگے فرمایا: ’’لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ‘‘ نہ اسے اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی ہے' یعنی وہ ہمہ وقت بیدار اور باخبر ہے' کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ اس کی طرف اپنی کسی ضرورت کے لئے متوجہ ہو اور وہ اس وقت اپنے آرام میں اور اونگھ یا نیند کی حالت میں ہو' اونگھ یا نیند جیسی چیزوں کا اس کے پاس گزر ہی نہیں۔ ’’لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ‘‘۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے' وہی سب کا مالک و مختار ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے:۔ ’’مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ‘‘ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش بھی کر سکے' یعنی کسی کی بھی یہ مجال نہیں۔ ’’یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ‘‘۔ جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور ان سے غائب اور اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور مخلوقات اور بندوں کے علم کا حال یہ ہے کہ اللہ کے بے نہایت علم میں سے وہ کسی ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے' الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے' تو وہ بس اسی کو اور اس کے بتانے کے بقدر ہی جان سکتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہے: وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ○‘‘ اس کا تخت حکمت زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھایا ہوا ہے اور ان کے تھامنے سے وہ تھکتا نہیں اور وہ اونچی شان والا' بڑی عظمت والا ہے۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا اس آیت الکرسی میں پہلے توحید کا ذکر کیا گیا: (اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ) اور اس کے بعد اللہ کی وہ شان اور وہ صفتیں بیان کی گئیں۔ جن کے جاننے کے بعد آدمی خود بخود اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صرف یہی ہستی الٰہ و معبود ہے اور عبادت اور بندگی اسی کا حق ہے۔

اسی طرح سورۂ اخلاص میں پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی گئی:۔

"قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ○" یعنی کہو اور اقرار کرو کہ وہ اللہ ایک ہے' یکتا ہے اور اس کے بعد اس کی وہ صفات بیان کی گئیں جن کو جاننے کے بعد آدمی خود اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے' فرمایا گیا: اَللّٰہُ الصَّمَدُ ○ یعنی اللہ بے نیاز ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور اس کے علاوہ سارے موجودات اس کے محتاج ہیں۔ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" نہ کوئی اس کی اولاد' نہ وہ کسی کی اولاد: "وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ" ○ اور کوئی اس کے برابر اور ہمسر نہیں۔

ان چھوٹے چھوٹے جملوں میں اللہ کی جو شان اور صفت بیان کی گئی ہے اس کو جاننے کے بعد آدمی خود بخود یہ سمجھ سکتا ہے کہ الٰہ اور معبود بننے کے لائق صرف یہی ذات ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں' اور نہ کوئی اس کی جنس ہے اور نہ کوئی اس کے مانند اور ہمسر ہے۔

یہ ہم نے قرآن مجید کے بیان توحید کے متعلق ایک اصولی بات کہی ہے' اس سے توحید اور قرآن مجید کے توحیدی مضامین کو سمجھنے کے لئے ایک راستہ کھل جاتا ہے۔

توحید کا اقل درجہ:

سوال: توحید کا اقل درجہ کیا ہے؟

الجواب: توحید کا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کا ایک درجہ تو وہ ہے۔ جس کو بہت سے مشرکین بھی مانتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کے بیان کے مطابق وہ کافی نہیں' مثلاً اتنی بات کہ زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے' ایسا نہیں ہے کہ کچھ چیزیں کسی نے پیدا کی ہوں اور کچھ کسی نے۔ خود قرآن مجید میں جابجا اس کی شہادت موجود ہے کہ اتنی بات عرب کے مشرک بھی مانتے تھے۔

مشرکین بھی توحید کے قائل تھے:

سوال: کیا مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے؟

الجواب: قرآنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی توحید کا کسی حد تک اقرار کرتے تھے۔ اگر ان مشرکین سے پوچھا جائے کہ بتلاؤ زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ کہیں گے اور اقرار کریں گے کہ اللہ نے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ [1]

---

[1] سورۂ عنکبوت: ع۔ ۶

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ یہ بھی مانتے اور اقرار کرتے تھے کہ اس سارے کارخانہ کو چلانے والا بھی اللہ ہی ہے' وہی روزی دیتا ہے' وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا گیا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ﴾[1]

یعنی اے پیغمبر! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ بتاؤ کون تمہیں زمین و آسمان سے روزی دیتا ہے اور کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور کس کا ان چیزوں پر اختیار ہے اور کون زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور کون ہے جو اس تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ تو آپ جب ان سے یہ پوچھیں گے تو وہ صاف کہیں گے کہ یہ سب کرنے والا صرف ایک اللہ ہے!

بہر حال اتنی توحید کے قائل عرب کے مشرک بھی تھے۔

شرک کی نوعیت:

تو اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پھر ان کا شرک کیا تھا؟ قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و منتظم یعنی اس پورے کارخانۂ ہستی کو چلانے والا ماننے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ جن ہستیوں کو ہم دیوی اور دیوتا مانتے ہیں وہ اگرچہ اسی اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور مخلوق ہیں' لیکن ان کا اللہ سے ایسا خاص تعلق ہے' کہ اگر وہ کسی کو کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور کسی سے کچھ چھیننا چاہیں تو چھین سکتے ہیں' کسی کو دولت دے کر امیر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' کسی سے دولت چھین کر اس بیچارے کو غریب وفقیر بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں' اسی طرح اگر کسی کو بیمار یا تندرست کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' کسی کو اولاد دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ الغرض یہ مشرکین سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص تعلق کی وجہ سے ہمارے ان دیوتاؤں کو ایسے جزوی کاموں کے اختیارات دے دیئے ہیں اور اس بناء پر وہ نہیں راضی اور خوش رکھنے کے لئے ان کی عبادت کرتے تھے' نذریں منتیں مانتے تھے' چڑھاوے چڑھاتے تھے' ان کی مورتیوں کے گرد طواف کرتے تھے اور اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں ان سے مدد مانگتے تھے' تو قرآن پاک نے ان کے اسی خیال اور اسی طرز عمل کو شرک قرار دیا ہے اور اکثر قوموں' ملکوں کے مشرکوں میں یہی شرک رہا ہے' ایسے مشرک دنیا میں غالباً بہت کم ہوئے ہیں۔ جن کا عقیدہ یہ ہو کہ اس دنیا کے پیدا کرنے اور چلانے میں اللہ کا کوئی ساتھی اور شریک ہے اور جہاں تک ہماری معلومات ہیں کسی مشرک قوم نے بھی اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر نہیں سمجھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا مشرکین عرب کے متعلق تو قرآن وحدیث میں صاف صاف اس کی شہادت موجود ہے اور قرآن مجید ہی میں ان کے اس طرز عمل کا تذکرہ کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ جب وہ کشتی میں دریا کا سفر کرتے تھے اور اس کی موجیں خطرہ کی صورت پیدا کر دیتی تھیں تو وہ اپنے سب

---

[1] سورۂ یونس: ع۴

دیوتاؤں کو بھول جاتے تھے اور صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے اور اسی سے آس لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا۔

﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾[1]

''جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت اور آفت آتی ہے تو اللہ کے سوا اپنے ان سب دیوتاؤں کو تم بھول جاتے ہو' جن کو تم دوسرے موقعوں پر پکارا کرتے ہو''۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا گیا۔

﴿ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾[2]

''اور جب سمندر کی موجیں بادلوں کی طرح ان کو گھیر لیتی ہیں' تو اس وقت وہ اپنے اعتقاد کو اللہ کے لیے خالص کر کے بس اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔''

بہر حال مشرکین عرب کے قول سے بھی اور عمل سے بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اللہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ کو سب سے بالا اور برتر سمجھتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کو اللہ کی مخلوق اور اللہ کا مملوک جانتے تھے۔

مشرکین کا تلبیہ:

سوال: مشرکین حج وعمرہ کے لئے تلبیہ کس طرح پڑھتے تھے؟

الجواب: حدیث کی کتابوں میں مشرکین عرب کا تلبیہ بھی نقل کیا گیا ہے' جو وہ اپنے مشرکانہ حج میں پڑھتے تھے' اس کے آخری الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں۔ ''الا شریكاً هو لك تملكه وما ملك''۔ (ترمذی) یعنی وہ اپنے حج کے تلبیہ میں اللہ تعالیٰ سے کہتے تھے کہ:

''اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں' آپ کا کوئی شریک نہیں' ہاں ایسے شریک ہیں جو آپ کی ملکیت میں ہیں' آپ ان کے مالک ہیں اور ان چیزوں کے بھی جن کے وہ مالک ہیں۔''

مشرکین کے شرک کی حقیقت:

سوال: مشرکین عرب کے شرک کی حقیقت کیا تھی؟

الجواب: مشرکین عرب کا شرک اس نوعیت کا نہیں تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح دنیا کا خالق یا رازق سمجھتے ہوں' یا کسی حیثیت یا کسی صفت میں بھی اللہ کے برابر کہتے ہوں' بلکہ ان کا شرک یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک اور مدبر ومنتظم ماننے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق اور تقرب کی وجہ سے ہمارے ان دیوتاؤں کو بھی کچھ جزوی اختیارات حاصل ہیں اور یہ چاہیں تو بناو بگاڑ سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر یہ ان کو خوش کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے' یعنی سجدہ اور طواف جیسے اعمال کرتے تھے' نذریں اور منتیں مانتے تھے' چڑھاوے چڑھاتے تھے اور

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل: ع-۷ [2] سورۂ لقمان: ع-۴

ان سے حاجتیں اور مرادیں مانگتے تھے' پس ان کا یہی عمل شرک تھا اور اکثر مشرک قوموں میں اسی قسم کا شرک رہا ہے' اور اسی وجہ سے قرآن پاک میں اسی شرک کا رد زیادہ کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًاo ﴾[1]

''اور ان مشرکوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود بنالئے ہیں جو کوئی چیز بھی نہیں بنا سکتے اور وہ خود اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور دوسروں کا کیا ذکر خود اپنے نفع نقصان پر بھی انہیں اختیار نہیں اور نہ اس دنیا کے مرنے جینے پر اور نہ حیات بعد الموت پر انہیں کوئی اختیار ہے' (یعنی ان کے قبضہ اور اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍo ﴾[2]

اے پیغمبر! ان مشرکوں سے کہئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا مالک و مختار سمجھتے ہو' وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں' نہ آسمانوں میں' نہ زمین میں اور ان میں ان کا کوئی ساجھا بھی نہیں اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

یعنی زمین و آسمان کی کوئی ذرہ برابر چیز بھی تو ان کی ملکیت ہے' نہ اس کی ملکیت میں اللہ کے ساتھ ان کی کوئی شرکت ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ بغیر ملکیت اور شرکت کے خدا ان سے کسی معاملہ میں مدد لیتا ہو اور سورۂ بنی اسرائیل میں ایک جگہ فرمایا گیا۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًاo ﴾[3]

''اے پیغمبرؐ! ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ کے سوا جن کو تم نے مالک و مختار اور قابل عبادت سمجھ رکھا ہے انہیں تمہاری کسی تکلیف کے دور کرنے اور ہٹا دینے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے (یعنی یہ محض تمہاری خام خیالی ہے)۔

اور سورۂ یونس کے آخری رکوع میں بڑے اہتمام اور بڑی تفصیل کے ساتھ فرمایا گیا ہے:-

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَo وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَّلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَo وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ

---

[1] سورۂ فرقان: ع-۱ [2] سورۂ سباء: ع-۳ [3] سورۂ بنی اسرائیل: ع-۶

يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝[1]

''اے نبیؐ! آپ کہئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہے تو سن لو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میرا طریقہ اور میرا دین یہ ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت اور پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہیں کروں گا' بلکہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا' جو تمہیں موت دینے والا ہے اور مجھے اسی اللہ کا حکم ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں اور یہ کہ تم سیدھا کرو اپنا رخ اللہ کی اطاعت اور عبادت کے لئے سب طرف سے یکسو ہو کر اور ہرگز نہ ہو' مشرکوں میں سے اور نہ پکارو اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی تکلیف دے سکتی ہیں اور اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور یقین کرو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کو دور کر سکنے والا نہیں' اور اگر وہ تمہارے لئے کسی بھلائی کا ارادہ کرے اور اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اس کے فضل وکرم کو روک سکنے والا اور ہٹانے والا کوئی نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نوازے اور نصیب فرمائے' وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔''

پس ان آیتوں میں اور ان کے علاوہ سینکڑوں آیتوں میں مشرکین عرب کے جس شرک کا رد کیا گیا ہے' وہ یہی ہے کہ وہ کچھ ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگرچہ یہ اللہ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ لیکن اللہ کے ساتھ ان کا تعلق اور اس کے کارخانہ میں ان کا ایسا عمل ودخل ہے کہ یہ ہماری تکلیفیں دور کر سکتے ہیں اور دولت اور عزت اور اولاد جیسی چیزیں ہمیں دے سکتے ہیں اور اسی عقیدے کی بنا پر وہ اپنی حاجتیں ان سے مانگتے تھے۔ دعائیں کرتے تھے اور انہیں خوش کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے تھے' یعنی جس طرح اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور اپنی عاجزی اس کے سامنے ظاہر کرنے کے لئے اس کی عبادت اور پرستش کی جاتی ہے' اسی طرح وہ اپنے ان معبودوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو قرآن پاک نے ان کے اس عقیدے کو بھی شرک قرار دیا اور عبادت واستعانت کے ان کے عمل کو بھی اور ان کو دعوت دی کہ اللہ کے سوا کسی کو وہ نفع وضرر کا مالک ومختار اور اپنے اختیار اور ارادے سے متصرف نہ سمجھیں اور عبادت واستعانت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

مشرکین کے معبود

سوال: مشرکین عرب نے جن ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا تھا' کیا وہ محض بت ہی تھے؟

الجواب: بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مشرک لوگ یہ سارے معاملات پتھر کی مورتیوں ہی کے ساتھ کرتے تھے' لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ پتھر کی یہ مورتیاں ان کی اصل معبود نہیں تھیں' بلکہ مشرکین کا یہ مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ عمل ان بزرگ روحوں

---

[1] سورۂ یونس: ع-۱۱

اوران روحانی ہستیوں کے ساتھ تھا' جن سے یہ پتھر کے بت منسوب تھے۔قرآن مجید سورۂ نوح میں قوم نوح کے چند بتوں کے نام یہ آئے ہیں: ودٗ سواع' یغوث' یعوق' نسر اوران کے متعلق روایات میں ہے کہ دراصل یہ نام چند بزرگوں کے ہیں' جو واقعی بزرگ اوراہل اللہ تھے' جب وہ انتقال کر گئے' تو کچھ زمانہ کے بعدان کے عقیدت مندوں نے ان کی یاد کے لئے نشانی کے طور پران کے مجسمے بنائے اوران کی تعظیم کرنے لگے' بعد کی نسلوں کو شیطان نے ان کی عبادت کے راستہ پر لگا دیا' اسی طرح مشرکین عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے' وہ بت بھی کچھ روحانی ہستیوں کی نشانی یا یادگار سمجھے جاتے تھے اور دراصل عبادت ان روحانی ہستیوں کی کی جاتی تھی اورانہیں کو حاجت روااورمشکل کشا سمجھا جاتا تھا' جس طرح ہندوؤں میں مثلاً کرشن جی یارامچندر جی کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے' تو عبادت اور پوجا اس مورتی کی مقصودنہیں ہوتی' بلکہ کرشن جی اور رامچندر جی کی شخصیت کی عبادت مقصود ہوتی ہے'اوراس مورتی کوان کے دھیان اوران کی پوجا کا ذریعہ بنایا جاتا ہےاوراسی نسبت سےاس کا احترام کیا جاتا ہےاورجس طرح کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے جاہل تعزیوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں' ان کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اور سنا ہے کہ ان پر عرضیاں تک لٹکاتے ہیں اوران کے ساتھ وہ سب حرکتیں کرتے ہیں جو بت پرست اپنے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں' لیکن یہ تعزیہ داراورتعزیہ پرست دراصل کاغذاور بانس سے بنے ہوئے اس تعزیہ میں کوئی غیبی طاقت نہیں سمجھتے' بلکہ یہ وہ سب کچھ امام حسینؓ کے نام پر کرتے ہیں اورتعزیہ کوان کی نشانی اور یادگار سمجھتے ہیں' تو یہ بالکل وہی بت پرستوں والی منطق ہے۔ ہاں بعض نہایت احمق قسم کے گنوار سنا ہے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بانس اور کاغذ سے بنے ہوئے تعزیہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں' تو اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مشرکوں میں بھی بعض اتنے احمق تھے جواپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے پتھر کے بتوں ہی کو حاجت روا سمجھتے تھے اوراس لئے براہِ راست ان ہی کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ٥ ﴾[1]

''کیاتم پتھر کی تراشی ہوئی ان مورتیوں کو معبود بناتے ہوجن کوخودتم نے اپنے ہاتھوں سے تراشااور بنایا ہے۔

تو ایسی آیتیں دراصل اسی احمق طبقہ کے مشرکوں سے متعلق ہیں جو پتھر کے بتوں ہی میں کرشمہ سمجھتے تھے اوران ہی سے اپنی حاجتیں مانگتے اوران کی عبادتیں کرتے تھے اور جومشرک اتنے احمق نہیں تھے اور وہ پتھر کے بتوں کو اصل معبودنہیں سمجھتے تھے' بلکہ کچھ واقعی یا فرضی بزرگ روحوں اور روحانی ہستیوں کو نفع وضرر کا مختار اور حاجت روا سمجھتے تھے اورانہی کی دراصل عبادت کرتے تھےاور بتوں کوصرف ان کی نشانی یاان کی جلوہ گاہ سمجھتے تھے'ان سے فرمایا گیا۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ ﴾[2]

''جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو'وہ تو تمہاری ہی طرح ہمارے بندے ہیں۔

---

[1] سورۂ الصافات: ۳۷ [2] سورۂ اعراف: ع-۲۴

اور ایک دوسرے موقع پر سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ وہ تو خود ہمارے محتاج ہیں' ہمارے در کے بھکاری ہیں' اپنی ضرورتیں ہم سے مانگتے ہیں' ہمارے قرب کے طلبگار رہتے ہیں اور اس راستے میں برابر کوشش کرتے رہتے ہیں اور ہمارے رحم کے امیدوار اور ہمارے عذاب سے ترساں ولرزاں رہنے والے ہیں' آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ﴾[1]

''پس اس قسم کی آیتوں میں ان مشرکوں کے شرک کا رد کیا گیا ہے جو بتوں کو اصلی معبود اور حاجت روا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کچھ مقرب روحانی ہستیوں کو ایسا سمجھتے تھے' اور بتوں کو ان کا نمائندہ یا ان کی نشانی یا جلوہ گاہ سمجھتے تھے اور افسوس ہے کہ یہی حال بہت سے مسلمان کہلانے والے جاہل تعزیہ پرستوں اور قبر پرستوں کا بھی ہے' وہ بزرگانِ دین کے متعلق اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی بناء پر ان کی قبروں اور تعزیوں کے سامنے جھکتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔

قرآنی تدابیر:

سوال: بنی نوع انسان کو شیطانی دھوکہ وفریب سے بچانے کے لئے قرآن نے کیا تدابیر اختیار کی ہیں؟

الجواب: شیطان کے مکر وفریب سے نکالنے کی صورت یہی ہے کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے نہ پیدائش' نہ پرورش' نہ موت نہ حیات' نہ تندرستی' نہ بیماری' نہ امیری' نہ غریبی' نہ عزت' نہ ذلت' بلکہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور وہی کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور ساری کائنات اسی کی محتاج ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌo تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍo ﴾[2]

کہو' اے اللہ! سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک! تو ہی ہے' جس کو چاہے حکومت و بادشاہت دے اور جس سے تو چاہے چھین لے' جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی اور ذلت دے' ہر خیر اور ہر قسم کی بھلائی صرف تیرے ہی قبضہ اور اختیار میں ہے (اور صرف خیر اور بھلائی ہی نہیں' بلکہ) ہر چیز (خواہ بھلی ہو یا بری) تیری قدرت میں ہے' تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور رات دن کا یہ نظام تیرے ہی چلانے سے چل رہا ہے اور تو ہی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل: ع-٦ [2] سورۂ آل عمران: ع-٣

جس کو تو چاہے بے حساب روزی دیتا ہے!

اور کہیں کہا گیا:

﴿ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾[۱]

''ہر چیز کا اختیار صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

کہیں فرمایا گیا:

﴿ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾[۲]

زمین و آسمان کے سارے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔

کہیں فرمایا گیا:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ﴾[۳]

اللہ آدمیوں کے لئے جس رحمت کا دروازہ کھولے اور جو نعمت کسی کو دینا چاہے کوئی نہیں ہے اسے روکنے والا اور جو وہ نہ دینا چاہے اور روکے تو کوئی نہیں ہے اس کے بعد اس کو دینے والا اور جاری کرنے والا۔

قرآن مجید میں مشرکوں کو شرک سے بچانے کے لئے زیادہ تر یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے' یعنی ان کو بتلایا گیا ہے کہ شیطان نے تمہیں یہ غلط باور کرا رکھا ہے کہ کسی اور کے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے اور اللہ کے سوا اور بھی کوئی ایسی ہستی ہے۔ جس کے قبضہ میں تمہارا بناؤ بگاڑ اور تمہاری حاجتیں ہیں' یہ شیطان کا نرا دھوکہ ہے' تمہارا نفع نقصان اور تمہاری ساری حاجتیں اللہ کے' اور صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں' لہٰذا بس اللہ ہی کو اپنا حاجت روا سمجھو اور جو مانگنا ہو' اسی سے مانگو' اور اسی کی عبادت کرو۔

توحید اور شرک سے متعلق دو اہم سوال:

اس موقع پر دو باتیں اور بھی ایسی ہیں جن کا سمجھ لینا ضروری ہے' ایک یہ کہ عبادت کیا ہے؟ جس کا غیر اللہ کے لئے کرنا شرک ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ اس عالم اسباب میں ہم بہت سی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور کام لیتے ہیں' جیسے پانی سے پیاس بجھاتے ہیں' آگ اور سورج سے روشنی اور گرمی حاصل کرتے ہیں' دوا سے شفا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح اپنے جیسے بہت سے آدمیوں سے ہم بہت سے موقعوں پر مدد لیتے ہیں' مثلاً حکیموں' ڈاکٹروں سے علاج میں مدد لیتے ہیں' مقدمات میں وکیلوں سے مدد لیتے ہیں' اسی طرح اپنے کاموں میں نوکروں' مزدوروں سے مدد لیتے ہیں' علیٰ ہذا القیاس بہت سے غریب اور فقیر امیروں سے مدد کے اور اعانت کے طالب ہوتے ہیں' تو اس کی کیا حیثیت ہے اور یہ شرک کیوں نہیں ہے؟ پہلے آپ دوسری بات کو سمجھ لیجئے!

---

[۱] سورۂ یٰسین ع-۵ [۲] سورۂ شوریٰ: ع-۲ [۳] سورۂ فاطر: ع-۱

عالم اسباب سے امداد:

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں جن چیزوں میں یہ خاصیتیں اور جو تاثیریں رکھ دی ہیں' جیسے پانی میں پیاس بجھانے کی تاثیر اور آگ اور سورج میں روشنی اور گرمی پہنچانے کی تاثیر اور دوا میں مرض کو دور کرنے کی تاثیر' تو سب جانتے ہیں کہ ان تاثیروں میں خود ان چیزوں کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے ان کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے' اس لئے ان سے کام لینے میں شرک کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ان چیزوں کی حیثیت تو ہمارے خادموں کی ہے اور ان سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم اپنے جانوروں گھوڑوں اور گدھوں سے کام لیتے ہیں۔

اسی طرح جن بندوں کو اللہ نے کوئی ایسی قابلیت دی ہے۔ جس سے وہ دوسروں کو بھی کوئی نفع یا امداد پہنچا سکتے ہیں' جیسے حکیم' ڈاکٹر' وکیل وغیرہ تو ان کے متعلق ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں ہے اور ان کے اپنے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ بھی ہماری ہی طرح اللہ کے محتاج بندے ہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اللہ نے انہیں اس عالم اسباب میں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم ان سے فلاں کام میں مدد لے سکتے ہیں' اس بناء پر ان سے کام لینے اور اعانت حاصل کرنے میں بھی شرک کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا' شرک جب ہوتا ہے جس کسی ہستی کو اللہ کے قائم کیئے ہوئے اس ظاہری سلسلہ اسباب سے الگ غیبی طور پر اپنے ارادہ اور اختیار سے کارفرما اور متصرف سمجھا جائے اور اس اعتقاد کی بناء پر اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے اور اسے راضی کرنے کے لئے اس کی عبادت کی جائے۔

عبادت کی حقیقت:

دوسرا سوال عبادت کے متعلق تھا کہ عبادت کسے کہتے ہیں؟ عبادت دین اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے' کسی ہستی کو غیبی طور پر نفع وضرر کا مختار اور حاجت روا سمجھ کر اسے راضی اور خوش کرنے کے لئے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جو تعبدی اور تعظیمی کام کئے جاتے ہیں' جیسے سجدہ' طواف' نذر' قربانی اور اس کے نام کی وظیفہ خوانی وغیرہ وغیرہ تو ایسے اعمال کو دین کی خاص اصطلاح میں عبادت کہتے ہیں اور یہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے[1] اور جو کوئی کسی غیر کے ساتھ ایسا معاملہ کرے وہ بلاشبہ مشرک ہے' اور پہلے تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ اکثر مشرک قوموں کا شرک یہی رہا ہے' کہ انہوں نے اللہ کے سوا بھی کچھ ہستیوں کو نفع وضرر کا مختار سمجھا اور ان کے راضی کرنے کے لئے ان کی عبادت کو ضروری جانا۔

---

[1] واضح رہے کہ اصل عربی زبان میں عبادت کے ایک معنی اطاعت وفرمانبرداری کے بھی ہیں اور ان دونوں معنوں میں ایک کھلا ہوا اور عام فہم فرق یہ ہے کہ اصطلاحی عبادت اللہ کے سوا کسی کی بھی جائز نہیں' بلکہ مطلقاً شرک ہے اور شرک عظیم ہے' لیکن اطاعت مخلوق کی بھی جائز ہے' بلکہ بعض اطاعتوں کا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم ہے' مثلاً رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے۔ اسی طرح اولاد کو ماں باپ کی اور بیوی کو شوہر کی خدمت و اطاعت کا حکم ہے۔ پس جو لوگ اصطلاحی عبادت اور عبادت بمعنی اطاعت کے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور دونوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں وہ دین کی تشریح میں بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس سے توحید اور شرک کے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ انشاء اللہ آگے عبادات کے بیان میں عبادت کے مطلب ومقصد پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

خاتم النبیین ﷺ کی تکمیل توحید:

توحید اور شرک کے سلسلہ میں ایک خاص بات یہ بھی قابل ذکر اور یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور اب کبھی کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ توحید کی تعلیم کو اس قدر مکمل کر دیا ہے۔ جس کے بعد شرک تو کیا' شائبہ شرک کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں رہی اور ان سب راستوں کو بند کر دیا گیا جن سے شیطان شرک کو لا سکتا تھا۔

سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو شیطان نے ان کے بارے میں گمراہ کیا' کہ وہ ان کو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہنے لگی' اسی طرح یہ امت شیطان کے فریب میں آ کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی مشرکانہ عقیدہ قائم نہ کر بیٹھے' حضور ﷺ نے اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے صاف صاف فرما دیا ہے۔

((لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبدالله ورسوله))(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

یعنی نصاریٰ نے جس طرح اپنے پیغمبر عیسیٰ بن مریم کو حد سے بڑھایا تم میرے ساتھ یہ معاملہ نہ کرو' میں بس اللہ کا بندہ ہوں' اس لئے مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہو۔

بعض اگلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا' آپ نے ان کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی امت کو آگاہی دی اور فرمایا۔

((ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائهم مساجد فلا تتخذوا القبور مساجد انی انهاکم عن ذالك))(صحیح مسلم)

تم سے پہلی بعض امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا' تم ایسا نہ کرنا دیکھو خبردار! میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں!

اور اپنے آخری مرض میں اللہ سے دعا فرمائی۔

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا يُّعْبَدُ))(موطا امام مالک)

اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا' جس کی پوجا کی جائے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ بعض صحابہ نے کسی ملک میں دیکھا کہ لوگ اپنے اکابر کو سجدہ کرتے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم آپ کو سجدہ کریں' آپ نے پہلے ان سے پوچھا کہ بتاؤ جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو کیا تم میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟ ان صحابی کو چونکہ قبر کے سجدہ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کی توحید میں اس کی کوئی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی' اس لئے انہوں نے صاف فرمایا کہ میں حضور کی قبر کو تو سجدہ نہیں کروں

گا' تو آپ نے ان سے فرمایا۔

((فَلَا تَفْعَلُوْا))(ابوداؤد)

یعنی جب تم جانتے ہو کہ میں ایک فانی ہستی ہوں اور ایک دن مر کر قبر میں جانے والا ہوں' اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے' تو پھر ایسے شخص کے لئے سجدہ کی کیا گنجائش ہے۔

ایک دوسرے صحابی (سلمان فارسیؓ) نے جب آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو ان سے بھی آپؐ نے ایسی ہی بات کہی اور آخر میں فرمایا۔

((فَلَا تَسْجُدْلِیْ وَاسْجُدْ لِلْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْت))(دیلمی' کنز العمال)

پس تم مجھے سجدہ نہ کرو' بلکہ سجدہ اسی اللہ کے لئے مخصوص رکھو' جو ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے اور جس کو کبھی فنا اور موت نہیں ہے۔

اور سجدہ تو سجدہ' حدیثوں میں ہے کہ آپ نے اپنے لئے صحابہ کو قیام تعظیمی سے بھی منع فرمایا' دراصل یہ سارے احکام اور یہ ساری احتیاطیں اسی لئے تھیں کہ شرک کے لئے کوئی گنجائش اور کوئی رستہ باقی نہ رہ جائے۔

آنحضرت ﷺ کی اس سلسلہ کی روک تھام اور راہ بندی کا اندازہ اس واقعہ سے خوب کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جس دن وفات ہوئی' اتفاق سے اسی دن سورج کو گرہن لگا۔ حضور ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں پرانے جاہلی اعتقادات اور خیالات کے مطابق لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ سورج کو یہ گرہن میرے گھر کی اس غمی کی وجہ سے لگا ہے' اس لئے آپ نے اعلان کرا کے تمام مسلمانوں کو اسی وقت مسجد میں جمع کیا اور سورج گرہن کی نماز پڑھنے کے بعد خطبہ دیا' جس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔

﴿ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ ﴾

لوگو! حقیقت یہ ہے کہ سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کی موت و حیات سے ان کے گرہن کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ دراصل عقیدۂ توحید ہی کی حفاظت کے لئے حضورؐ نے فرمایا۔

آپؐ نے اس کو بھی برداشت نہیں کیا کہ کسی کو سورج کے گرہن میں آنے کے متعلق یہ خیال ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی غمی کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔ اسی طرح شریعت کے احکام میں بھی توحید کی حفاظت کا اور شرک کی روک تھام کا انتہائی لحاظ کیا گیا ہے۔

مثلاً سورج کے طلوع اور غروب کے وقت اور نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرما دیا گیا' تا کہ آفتاب پرستوں سے ظاہری مشابہت بھی نہ ہو اور کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

اسی کی دوسری مثال یہ دیکھئے' ہر نماز میں رکوع وسجدہ ضروری ہے اور بغیر رکوع وسجدہ کے' گویا نماز ہوتی ہی نہیں' لیکن جنازہ کی نماز میں سے رکوع وسجدہ نکال لیا گیا' تا کہ کسی دیکھنے والے کو بھی یہ شبہ نہ ہو کہ ہم اس میت کے سامنے جھک رہے ہیں' یا سجدہ کر رہے ہیں۔

اللہ کی شان ہے اور شیطان کی کامیابی لائق صد رنج اور قابل عبرت ہے کہ جس دین میں شرک کے راستوں کو اس طرح بند کیا گیا تھا' اسی کے نام لیواؤں میں شرک کی تمام وہ قسمیں آج موجود ہیں۔ جن میں اگلی امتیں مبتلا ہو کر مشرک ہوئی تھیں۔[1]

---

[1] دین وشریعت ص ۴۵ تا ص ۶۱

شرک کی تعریف

لغوی تحقیق:

امام حسین بن محمد بن مفضل بن محمد المعروف امام راغب اصفہانی التوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں۔

الشرکة والمشارکة کے معنی دوملکیتوں کو باہم ملا دینے کے ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ ایک چیز میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے شریک ہونے کے ہیں۔خواہ وہ چیز مادی ہو یا معنوی۔مثلاً انسان اور فرس (گھوڑا) کا حیوانیت میں شریک ہونا' یا دوگھوڑوں کا سرخ یا سیاہ رنگ کا ہونا۔

اور **شرکته وشارکته وتشارکوا** اور **اشترکوا** کے معنی باہم شریک ہونے کے ہیں اور **اشرکته فی کذا** کے معنی شریک بنالینا کے ہیں۔قرآن مجید میں ہے۔

﴿ **واشرکه فی امری** ﴾(۱۶ ع ۱۰)

اوراسے میرے کام میں شریک کر۔

حدیث شریف میں ہے۔

((**اللهم اشرکنا فی دعاء الصلحین**))

ترجمہ:اے اللہ! ہمیں نیک لوگوں کی دعا میں شریک کر۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کوفرمایا۔

((**انی شرفتك وفضلتك علي جميع خلقي واشركتك في امري**))

ترجمہ: میں نے تمہیں تمام مخلوق پر شرف بخشا اور تجھے اپنے کام میں شریک کرلیا۔

یعنی میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر ہوتا رہے گا اور میں نے اپنی اطاعت کے ساتھ تمہاری اطاعت کا بھی حکم دیا۔[1]

❀ ❀ ❀

---

[1] مفردات القرآن ج۱ص۵۳۵

اقسامِ شرک

امام راغب اصفہانی نے شرک کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

''دین میں شرک دو قسم پر ہے۔ شرکِ عظیم یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور یہ سب سے بڑا کفر ہے۔

دوم۔ شرک اصغر کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔[1]

شرک عظیم کی دو قسمیں ہیں۔ شرک اعتقادی، شرک عملی یا فعلی۔

شرک اعتقادی بھی دو قسم پر ہے۔ شرک فی العلم یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو عالم الغیب یا حاضر و ناظر جاننا۔

دوسرا شرک فی التصرف ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مافوق الاسباب یعنی نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا۔

شرک فعلی پانچ اقسام پر مشتمل ہے۔ (۱) شرک فی الذات، (۲) شرک فی الصفات، (۳) شرک فی العبادت، (۴) شرک فی الاطاعت اور (۵) شرک فی العادت۔[2]

شاہ اسماعیل شہیدؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ نے شرک کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں۔

(۱) شرک فی العلم (۲) شرک فی التصرف (۳) شرک فی العبادت (۴) شرک فی العادت۔[3]

شیخ القرآن مولانا غلام اللہؒ المتوفی ۱۹۸۰ء ان چار اقسام کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

(۱) شرک فی العلم (۲) شرک فی التصرف (۳) شرک فعلی (۴) شرک فی الدعاء۔[4]

۱-اشراک فی العلم:

ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا اور ہر چیز کی خبر ہر وقت رکھنی، دور ہو یا نزدیک چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہ میں، یہ اللہ ہی کی شان ہے اور کسی کی یہ شان نہیں سو جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دہائی دے اور دشمن پر اس کا

---

[1] مفردات القرآن ج ۱ ص ۵۳۵
[2] توحید و شرک کی حقیقت ص ۳۱۶
[3] تقویۃ الایمان
[4] مقدمہ جواہر القرآن ص ۴۰

نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں' زبان سے یا دل سے' یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں۔ جیسے بیماری' تندرستی' کشائش وتنگی' مرنا جینا' غم و خوشی' سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے۔ وہ سب سے واقف ہے اس قسم کی باتیں شرک ہیں۔ اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا علم کسی اور کو ثابت کرنا' سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے خواہ پیر شہید سے رکھے خواہ امام سے خواہ بھوت (جن) و پری سے' پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے' غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۲- اشراک فی التصرف:

عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا' فتح و شکست دینی مرادیں پوری کرنی حاجتیں برلانی' بلائیں ٹالنی' مشکل میں دستگیری کرنی' برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی نبی' ولی کی' پیر شہید کی' بھوت اور پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے' اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہے اور اس کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا' سو یہ محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۳- اشراک فی العبادت:

بعض تعظیم کے کام اللہ نے اپنے لئے خاص کئے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا' اور اس کے گھر کی طرف دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتوں اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا اور اس کی طرف سجدہ کرنا اور اس کی طرف جانور لے جانا اور وہاں منتیں ماننی اور اس پر غلاف ڈالنا' اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنی اور التجا کرنا اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر (حجر اسود) کو بوسہ دینا اور اس کی دیوار سے اپنا منہ ملنا' اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی اور اس کے گرد روشنی کرنی اور اس کا مجاور بن کر اس کی خدمت میں مشغول رہنا' جیسے جھاڑو دینی' روشنی کرنی' فرش بچھانا' پانی پلانا۔ وضو غسل کا لوگوں کے لئے سامان درست کرنا اور اس کے کنوئیں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا' غائبوں کے لئے لے جانا۔ رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا' وہاں شکار نہ کرنا' درخت نہ کاٹنا' گھاس نہ اکھاڑنا مویشی نہ چگانا' یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو یا

بھوت اور پری کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی تھان کو یا کسی چلے کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوئے یا جانور چڑھائے یا ایسے مکانوں میں دور دور سے قصد کر کے جائے' یا وہاں روشنی کرے' غلاف ڈالے' چادر چڑھائے' قبر کو بوسہ دے' مورچھل جھلے' اس پر شامیانہ کھڑا کرے' چوکھٹ کو بوسہ دے' ہاتھ باندھ کر التجا کرے۔ مراد مانگے' مجاور بن کے بیٹھ رہے رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے' وہاں کے جنگل کا ادب کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔ اس کو شرک فی العبادت کہتے ہیں' یعنی اللہ کی سی تعظیم کرنا پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۴-اشراک فی العادت:

اللہ نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں' جیسے ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا اور جب اولاد ہو تو اس کے شکر میں اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کا نام عبداللہ' عبدالرحمٰن' خدا بخش (وغیرہ) رکھنا کھیت اور باغ میں تھوڑا بہت اس کے نام کا رکھنا' ریوڑ میں سے کچھ اس کی نیاز کر رکھنا اور کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا اور برائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے۔ جیسے قحط اور ارزانی' صحت و بیماری' فتح وشکست' اقبال و ادبار غمی اور خوشی یہ سب اس کے اختیار میں سمجھنا اور اپنا ارادہ جس کام کا بیان کرنا ہو تو پہلے اس کے ارادہ کا ذکر کر دینا' مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کر دیں گے اور جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی کے نام کی قسم کھانی' اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بنائی ہیں' پھر جو کوئی کسی انبیاء و اولیاء اماموں اور شہیدوں کی یا بھوت اور پری کی' اس قسم کی تعظیم کرے' بسم اللہ کی جگہ ان کا نام لے' جب اولاد ہو ان کی نذر و نیاز کرے' اپنی اولاد کا نام عبدالنبی امام بخش پیر بخش (وغیرہ) رکھے' جو کھیتی باڑی سے آئے پہلے ان کی نیاز دے۔ ان کے نام کے جانور ٹھہرا دے' پھر ان جانوروں کا ادب کرے' دانہ وغیرہ سے نہ ہانکے لکڑی پتھر سے نہ مارے اور برائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے اس کو ان کی طرف نسبت کرے کہ فلاں کی پھٹکار میں دیوانہ ہو گیا۔ فلانے کو ایسا راندا کہ محتاج ہو گیا' فلانے کو نواز دیا تو فتح و اقبال مل گیا' قحط فلاں ستارے کے سبب سے پڑا۔ فلاں کام جو فلاں دن شروع کیا تھا یا فلاں ساعت میں سو پورا نہ ہوا یا یوں کہے اللہ و رسول چاہے گا تو میں آؤں گا یا پیر چاہے گا تو یہ بات ہو جائے گی' اسے یا معبود' داتا' بے پروا' خداوند خدائیگاں' مالک الملک' شہنشاہ بولے' یا پیغمبر کی یا علماء کی' یا امام کی' یا پیر کی' یا ان کی قبروں کی قسم کھائے سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو اشراک فی العادت کہتے ہیں۔ یعنی اپنی عادت (روزمرہ) کے کاموں میں جو اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے سو غیر کی کرے ان چاروں طرح کے شرک کا قرآن و حدیث میں صریح ذکر ہے۔[1]

---

[1] ''تقویۃ الایمان'' پہلا باب۔

۵-شرک فی الاطاعت:

شرک فی الصفات (شرک فی العلم اور شرک فی التصرف) شرک فی العبادت اور شرک فی العادت کا ذکر ہو چکا اب شرک فی الاطاعت سے متعلق عرض ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ۔

ایک قوم تھی اس کے بعض بعضوں کی عبادت کرتے تھے۔ یعنی اہل کتاب۔

((كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ))

وہ اپنے احبار اور رہبان کی عبادت کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

((اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون اللّٰه))

انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو خدا کے سوا رب بنا رکھا ہے۔

اور مسند (امام احمدؒ) اور ترمذی میں ہے کہ عدیؓ بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کرتے حضورؐ نے فرمایا۔

((بلى انهم احلوا لهم الحرام وحرموا عليهم الحلال فاتبعوهم فذلك عبادتهم اياهم))

ہاں! احبار و رہبان نے ان کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا اور انہوں نے ان کی متابعت کر لی۔ یہی ان کی احبار و رہبان کی عبادت تھی۔

(یہ نقل کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔)

((فالجهلة من الاحبار و الرهبان ومشائخ الضلال يدخلون في هذا الذم والتوبيخ))[۱]

پس جاہل دینی پیشوا گوشہ نشین بزرگ اور گمراہ مشائخ (سبھی) اس مذمت اور اس زجر و توبیخ میں داخل ہیں۔

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ وہ لوگ احبار و رہبان کی (معروف طریقے سے تو) عبادت نہیں کرتے تھے۔

((ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه))

(رواہ الترمذی)[۲]

لیکن جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے وہ اس کو حلال سمجھ لیتے اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے وہ اس کو حرام سمجھ لیتے۔ (یہی گویا ان کی عبادت تھی)۔

---

۱ تفسیر ابن کثیرؒ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۳۷۷۔

۲ ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم حدیث نمبر ۸۲۰

شارح ''سیرت ابن ہشام'' امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں کہ:

جب قبیلہ خزاعہ نے قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکال دیا خود بیت اللہ کے متولی بن بیٹھے تو اس قبیلہ کے سردار عمرو بن لُحَیّ کو عرب نے اپنا رب بنالیا وہ ان کے لئے جو بھی بدعت ایجاد کرتا تھا وہ اسے شریعت بنا لیتے تھے۔

((لانه كان يطعم الناس ويكسوهم فى الموسم فربما نحر فى الموسم عشرة الاف بدنة وكسا عشرة الاف حلة))[1]

کیونکہ وہ لوگوں کو حج کے ایام میں خوب کھلایا اور لباس پہنایا کرتا تھا بسا اوقات ایک حج کے موقعے پر وہ دس ہزار اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلاتا تھا اور دس ہزار نئے جوڑے لوگوں کو پہناتا تھا۔

اس ملعون نے جو بھی دین ابراہیمؑ میں تغیر وتبدل کیا۔ جو بھی بدعت ایجاد کی۔ لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ تو گویا عرب نے اسے اپنا رب بنالیا۔

اس مردود جہنمی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((لقد رايته يجر قصبه فى النار يؤذى اهل النار ريح قصبه)) (ابن جرير عبدالرزاق وغيره)

میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ اس کی انتڑیوں کی بدبو سے دوزخی تکلیف میں مبتلا ہیں۔

تو یہود ونصاریٰ اور اہل عرب نے اپنے احبار ورہبان اور عمرو بن لحی کی اطاعت بایں طور کی کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو ان کے حرام کہہ دینے سے حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو ان کے حلال کہہ دینے سے حلال کر دیا تو نبی کریمؐ نے اسے ان کی عبادت قرار دیا' یہود ونصاریٰ کے متعلق فرمایا ذلك عبادتهم یہ شرک فی الاطاعت ہے۔[2]

❀ ❀ ❀

---

[1] حاشیہ ''سیرت ابن ہشام'' جلد اول ص ۸۹ طبع مصر۔

[2] توحید' شرک کی حقیقت ص ۳۱٦ تا ص ۳۲۱

عقائد وافکار

اللہ پر ایمان:

س: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تفصیلات کیا ہیں؟

الجواب: اللہ جل مجدہ کی ذات پر ایمان لانے کی تفصیلات قرآن میں مختلف اسلوب میں بیان کی گئی ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ اس کی ذات وصفات اور حقوق واختیار میں اس کا ساجھی اور شریک نہیں۔

۲- کائنات کے ذرہ ذرہ کا خالق یعنی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے پیدا کئے بغیر خود بخود وجود میں آ گئی ہو۔

۳- اللہ ہی ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے۔ وہی اقتدار کا سرچشمہ ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے۔ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

۵- موت اور زندگی اس کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے زندگی عطا فرمائے اور جسے چاہے زندہ رکھے۔

۶- نفع ونقصان کا مالک اللہ ہی ہے۔ وہ جسے مصیبت، نقصان اور رنج وغم میں مبتلا کرنا چاہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اور جسے وہ نفع اور بھلائی پہنچانا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

ایمان کی حقیقت:

س: ایمان کیا ہے۔ حدیث کی روشنی میں وضاحت کریں؟

ج: حدیث جبرئیلؑ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پہلا سوال یہ تھا۔ اسلام کیا ہے؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اسلام کے پانچ ارکان ذکر فرمائے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دوسرا سوال یہ تھا کہ ایمان کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اچھی بری تقدیر پر''۔[۱]

ایمان ایک نور ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تصدیق سے دل میں آ جاتا ہے اور جب یہ نور دل میں آتا ہے، تو کفر وعناد

---

۱ صحیح بخاری ج۱ص۱۲، مسلم ج۱ص ۲۷۔

اور رسوم جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور آدمی ان تمام چیزوں کو جن کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے۔ نور بصیرت سے قطعی سچی سمجھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے۔ جس کو میں لے کر آیا ہوں۔

آپ کے لائے ہوئے دین میں سب سے زیادہ اہم تر یہ چھ باتیں ہیں۔ جن کا ذکر اس حدیث میں فرمایا ہے۔ پورے دین کا خلاصہ انہی چھ باتوں میں آجاتا ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا سمجھے' وہ اپنے وجود' اور اپنی ذات و صفات میں ہر نقص اور عیب سے پاک اور تمام کمالات سے متصف ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے ارادہ ومشیت کی تابع ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کائنات کے سارے تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

۲- فرشتوں پر ایمان یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نورانی مخلوق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ ہر حکم بجالاتے ہیں اور جس کو جس کام پر اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے وہ ایک لحہ کے لئے بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔

۳- رسولوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور انہیں اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ برگزیدہ انسانوں کو چن لیا' انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔

انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی خبریں رسولوں کے ذریعہ ہی پہنچتی ہیں۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ بلکہ آپ ہی کا لایا ہوا دین قیامت تک رہے گا۔

۴- کتابوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت بندوں کی ہدایت کے لئے بہت سے آسمانی ہدایت نامے عطا کئے۔ ان میں سے چار زیادہ مشہور ہیں۔ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ انجیل جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور قرآن مجید جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا۔

یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا۔ اب اس کی پیروی سارے انسانوں پر لازم ہے اور اس میں ساری انسانیت کی نجات ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب سے روگردانی کرے گا وہ ناکام ونامراد ہوگا۔

۵- قیامت پر ایمان یہ کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔ زمین وآسمان فنا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور اس دنیا میں لوگوں نے جو نیک یا برے عمل کئے ہیں۔ سب کا حساب وکتاب ہوگا۔

میزان عدالت قائم ہوگی اور ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائیں گی۔

جس شخص کے نیک عملوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پروانہ ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مقام میں رہے گا۔ جس کو جنت کہتے ہیں اور جس شخص کی برائیوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا پروانہ ملے گا اور وہ گرفتار ہو کر خدائی قید خانے میں جس کا نام جہنم ہے۔ سزا پائے گا اور کافر اور بے ایمان لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ دنیا میں جس شخص نے کسی دوسرے پر ظلم کیا ہوگا۔ اس سے رشوت لی ہوگی۔ اس کا مال ناحق کھایا ہوگا اس کے ساتھ بدزبانی کی ہوگی یا اس کی بے آبروئی کی ہوگی۔ قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا اور مظلوم کو ظالم سے پورا پورا بدلا دلایا جائے گا۔ الغرض خدا تعالیٰ کے انصاف کے دن کا نام قیامت ہے۔ جس میں نیک و بد کو چھانٹ دیا جائے گا۔ ہر شخص کو اپنی پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

۶۔ ''اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانے'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارنامہ عالم آپ سے آپ نہیں چل رہا۔ بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ اس کائنات میں جو خوشگوار یا ناگوار واقعات پیش آتے ہیں۔ وہ سب اس کے ارادہ و مشیت اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کے تمام حالات اس علیم و خبیر کے علم میں ہیں اور کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان تمام حالات کو جو پیش آنے والے تھے لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا۔ بس اس کائنات میں جو کچھ بھی وقوع میں آ رہا ہے۔ وہ اسی علم ازلی کے مطابق پیش آ رہا ہے۔ نیز اسی کی قدرت اور اسی کی مشیت سے پیش آ رہا ہے۔ الغرض کائنات کا جو نظام حق تعالیٰ شانہ نے ازل ہی سے تجویز کر رکھا تھا۔ یہ کائنات اس طے شدہ نظام کے مطابق چل رہی ہے''۔[1]

اسلام کی تعریف کیا ہے؟

س: اسلام کا معنی اور اس کی تعریف کیا ہے؟

ج: ''اسلام'' کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا' اور بالکل اسی کے تابع فرمان ہو جانا اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے ''دین'' کا نام اسلام اسی لیے ہے کہ اس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے اور یہی ہے اصل حقیقت ''دین اسلام'' کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے فرمایا گیا۔ والھکم الہ واحد فلہ اسلموا۔ (حج ع ۵)

تمہارا اللہ وہی الہ واحد ہے۔ لہٰذا تم اسی کے ''مسلم'' یعنی مطیع ہو جاؤ اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ ''من احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للّٰہ'' (نساء: ۱۷) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح ''مسلم بندہ'' ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے۔ ''ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۱۷' ۱۸۔

منه وهو في الاخرة من الخاسرين"۔ (آل عمران: ع۹) (یعنی جس نے "اسلام" کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھاٹے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا)۔ بہرحال "اسلام" کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کردے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس "اسلام" کے لیے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس "حقیقت اسلام" کے "پیکر محسوس" کی سی ہوتی ہے اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی تازگی بھی انہیں سے ہوتی ہے اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں اور ظاہری نظر انہی "ارکان" کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات "اسلام" کو بنایا ہے اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اسلام" کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے۔ اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج بیت اللہ کو "ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے۔ "**بني الاسلام علي خمس**" الخ (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے۔)

بہرحال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں "اسلام" کے جواب میں بیان فرمایا۔ "ارکان اسلام" ہیں اور یہی گویا "اسلام" کے لیے "پیکر محسوس" ہیں۔ اسی واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

س: ایمان کا معنی اور تعریف بیان کریں۔

ج: ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلاتِ ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ بہرحال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے۔ جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس و ادراک (آنکھ' ناک' کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد' اور مبدا و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات' وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے۔ جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ "**كل ما جاء به الرسول من عند الله**" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا

جائے۔لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نفس ایمان کے لیے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے۔البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لیے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ‘ ملائکہ‘ اللہ کی کتابیں‘ اللہ کے رسول‘ روز قیامت اور ہر خیر وشر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں۔جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحۃ اور تعین کے ساتھ فرمایا اور قرآنِ پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے۔

﴿ امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل امن باللّٰه وملئکته وکتبه ورسله ﴾

(بقرہ:ع ۴۰)

ترجمہ: رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب ’’مومنوں‘‘ کا بھی‘ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر۔‘‘

﴿ ومن یکفر باللّٰه وملئکته وکتبه ورسله والیوم الاخر فقد ضل ضلالا بعیدا ﴾ (نساء:ع ۲۰)

ترجمہ: جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

ان امور ششگانہ میں سے ’’تقدیر خیر وشر‘‘ کا ذکر قرآنِ پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے۔لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃ بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿ قل کل من عند اللّٰه ﴾ (نساء:ع ۱۰)

’’اے پیغمبر آپ اعلان فرما دیجیے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿فمن یرد اللّٰه ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقاً حرجاً﴾

(انعام:ع ۱۴)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ’’اسلام‘‘ کے ماننے اور قبول کرنے کے لیے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے۔اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے۔

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہ لاشریک‘ خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا

یقین کیا جائے' عیب ونقص کی ہر بات سے پاک' اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملئکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے۔ بل عباد مکرمون۔ (انبیاء:ع۲) بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں۔ جس میں شر اور شرارت اور عصیان وبغاوت کا عنصر ہی نہیں' بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے۔ ﴿لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون﴾ (تحریم:ع۲) وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ان کو دیا جاتا ہو وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں ہیں۔ جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔[1]

س: توحید کا تقاضا کیا ہے؟

ج: اللہ جل مجدہ اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ اس لئے عبودیت کے تمام حقوق اسی کے سپرد کر دینا اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے خود کو اس کے سپرد کر دینا۔

قرآن مجید میں توحید خداوندی کے تین اساسی اور بنیادی پہلو واشگاف الفاظ میں اجاگر کئے ہیں۔

۱- توحید فی الربوبیت

۲- توحید فی الصفات

۳- توحید فی العبادات

رب تعالیٰ:

امام نسفیؒ المتوفی ۱۰۷ھ فرماتے ہیں۔

((ھو الخالق ابتداء والمربی غذاء' والغافر انتھاء' وھو اسم اللّٰہ الاعظم))[2]

ترجمہ: رب کا معنی ہے۔ ہر ایک چیز کو پیدا کرنے والا اور پھر بتدریج اسے حد کمال تک پہنچانے والا اور موقع کے مطابق اس کی ضروریات پوری کرنے والا اور اسے مضرتوں سے بچانے والا۔

نظام ربوبیت:

س: رب کسے کہا جاتا ہے اور نظام ربوبیت کیا ہے؟

ج: کسی چیز کو اس کے نقطہ آغاز سے بتدریج مقام تکمیل تک پہنچانا اور اس کی پوری نگہداشت کرنا' ربوبیت کہلاتا ہے۔ عام معنوں میں ''نشوونما دینے والا' پروان چڑھانے والا کے ہوں گے۔ یعنی ربوبیت کے معنی کسی شے کی ابتداء سے انتہاء تک تمام مراحل میں اس کی نگہداشت وپرداخت کرنا' پرورش کرنا اور اسے تکمیل تک پہنچانا۔

قطرے کو گہر ہونے تک' بیج کو تناور درخت بننے تک' آب وگل سے انسانی صورت اختیار کرنے تک جتنے بھی مراحل

---

[1] معارف الحدیث ج۱ص۶۰ تا ۶۳۔ [2] تفسیر نسفی ج۱ص۶

ہیں ان میں اس کی نگہداشت و پرداخت کرنا۔ اس کے حسبِ حال وہ اسباب فراہم کرنا جو اس کی ضرورت کے کفیل ہوں اور جس پر اس کی زندگی اور بقاء کا انحصار ہو۔

یہی نظام ربوبیت کا کرشمہ کہ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی پرورش کے لئے دودھ کے دو چشمے ابل پڑیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

﴿ اللّٰہ الذی خلقکم من ضعف وجعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ ط یخلق ما یشآء ط وھو العلیم القدیر ﴾[۱]

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ناتوانی کی حالت میں۔ پھر ناتوانی کی حالت کے بعد توانائی عطا کی۔ پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا آ گیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا قوت والا ہے۔ زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔

﴿ خلق السموات والارض بالحق وصورکم فاحسن صورکم ﴾[۲]

ترجمہ: اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ (شکل وصورت) بنایا اور عمدہ نقشہ بنایا۔

﴿ وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا ﴾[۳]

ترجمہ: اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر سب کو الگ الگ اندازہ پر رکھا۔

﴿ اللّٰہ خالق کل شیء وھو علی کل شیء وکیل ﴾[۴]

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

﴿ الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی ﴾[۵]

ترجمہ: وہ رب تعالیٰ جس نے سب کو پیدا کیا اور صحیح تناسب سے بنایا' اور جس نے (نظام تقدیر سے ہر چیز کی پرورش کی) خاص انداز مقرر کیا۔ پھر (ان اشیاء کو فطرت اور جبلت کے ذریعے) ہدایت عطا فرمائی۔

ربوبیت کے اسی منظّم نظام کو مومنین کی زندگی کا معیار قرار دیا گیا۔ جس کا اعلان زبان نبوت سے ان الفاظ میں کرایا گیا۔

﴿ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ﴾[۶]

ترجمہ: کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور رب کی تلاش کروں۔ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔

جب آدمی رب تعالیٰ کی ربوبیت میں توحید کا اقرار کرتا ہے تو وہ دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس اکیلے پروردگار کے

---

[۱] سورۂ روم: ع-۶
[۲] سورۂ تغابن: ع-۱
[۳] سورۂ فرقان: ع-۱
[۴] سورۂ زمر: ع۶
[۵] سورۂ اعلیٰ: ۲-۳
[۶] سورۂ انعام: ۱۶۵

قوانین پروردگاری کو اپنی زندگی میں منعکس کرتا ہے۔

فرشتے:

(۱) فرشتے حق تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں۔ (۲) حق تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہیں۔ جس چیز کا ان کو حکم ہوتا ہے۔ اس کو بجالاتے ہیں۔ (۳) حق تعالیٰ کی رسالت اور سفارت اور تبلیغ احکام کی دولت سے مشرف ہیں۔ (۴) پیغمبروں پر حق تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعہ نازل ہوتے رہے (۵) نہایت امانت اور حفاظت کے ساتھ پہنچانے والے ہیں اور خطا اور غلطی سے مامون اور محفوظ ہیں۔ فرشتوں نے جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب حق اور صدق اور صواب ہے۔ اس میں ذرہ برابر کسی غلطی کا احتمال اور اشتباہ نہیں۔ (۶) کھانے پینے اور پہننے اور زن و مرد اور توالد و تناسل سے پاک ہیں۔ (۷) نورانی ہیں نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں۔ بدن ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے۔ (۸) فرشتے بہت ہیں ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (۹) ہر وقت اللہ کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی عبادت میں سست نہیں ہوتے۔ (۱۰) خدا تعالیٰ نے جس کام پر ان کو مقرر کر دیا ہے۔ وہ ہی کام کرتے ہیں۔[۱]

تقدیر پر ایمان:

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ چار باتوں پر ایمان نہ لائے۔ اول اس امر کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے بارے میں گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مجھے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ دوم اس بات پر ایمان لائے کہ مرنا ضروری ہے۔ سوم مرنے کے بعد جی اٹھنے پر' چہارم تقدیر پر ایمان لائے۔[۲]

تقدیر پر ایمان لانا۔ یعنی اس کو ماننا کہ اللہ جل شانہ نے کائنات عالم کے بناؤ بگاڑ اور عدم و وجود کے متعلق اندازے مقرر فرمائے ہیں کہ ایسا ایسا ہوگا۔ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی خیر و شر مقرر فرمائی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہر چیز کے متعلق طے فرما دیا ہے کہ ایسا ایسا ہوگا۔ اسے تقدیر کہتے ہیں اور اس پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ المتوفی ــــــــ لکھتے ہیں۔ قضا و قدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کا یقین اور اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر اور شر کو اور ایمان اور کفر کو اور ہدایت اور ضلالت کو اور اطاعت اور معصیت کو مقدر فرما دیا ہے اور اس کو لکھ دیا ہے۔ اب عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ سب اس کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ اس کو پہلے ہی سے علی وجہ الکمال والتمام اس کا علم تھا۔

تقدیر کے معنی لغت میں اندازہ کرنے کے ہیں۔ جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے۔ اس کو سمجھ لیتے ہیں اور ایک اندازہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً اگر مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تاکہ مکان کی عمارت اس نقشہ کے مطابق بنائی جائے۔

---

[۱] عقائد اسلام ص ۵۳ [۲] ترمذی ج ۲ ص ۳۷ ابواب القدر' ابن ماجہ ص ۹

عقیدۂ آخرت

جن حقیقتوں پر ہمارے لئے ایمان لانا ضروری ہے۔ان میں سے ایک آخرت کا عقیدہ ہے۔قرآن مجید میں اکثر مقامات پر''ایمان باللہ'' کے ساتھ''ایمان بالیوم الآخر'' کا ذکر کیا جاتا ہے' مثلاً کہیں فرمایا گیا ہے۔

﴿ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾

کہیں ارشاد ہوا۔

﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بتلائی ہوئی اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے اور اس پر یقین کیا جائے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی اور ایک اور عالم آنے والا ہے اور وہاں انسان کو اس دنیا میں کئے ہوئے اس کے برے اور بھلے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی' یہ اس عقیدہ کا اجمال ہے' قرآن وحدیث میں اس کی پوری پوری تفصیل فرمائی گئی ہے۔

آخرت کے بارے میں اتنی اجمالی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں خود بھی آ سکتی ہے کہ ہماری اس زندگی کے بعد کوئی اور ایسی زندگی ضرور ہونی چاہئے جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملے' کیونکہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ عمر بھر بڑی بڑی برائیاں کرتے ہیں' ڈاکے ڈالتے ہیں' غریبوں کا خون چوستے ہیں' رشوتیں لیتے ہیں کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں' لوگوں کے حق مارتے ہیں اور زندگی بھر عیش اڑاتے رہتے ہیں اور اسی حال میں مر جاتے ہیں' اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بیچارے بڑی نیکی کی زندگی گزارتے ہیں' کسی پر ظلم نہیں کرتے' کسی کے ساتھ دغا اور دھوکا نہیں کرتے' کسی کا حق نہیں مارتے' اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں' اس کی مخلوق کی خدمت بھی کرتے ہیں' اس کے باوجود ان کی زندگی تنگی اور تکلیف سے گزرتی ہے' کبھی کوئی بیماری آزاری ہے' کبھی کوئی تکلیف اور پریشانی ہے اور اسی حال میں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

تو جب یہ دنیا اللہ کی پیدا کی ہوئی دنیا ہے اور وہ ہمارے سب اچھے برے اعمال کو دیکھتا ہے اور ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں اس دنیا میں نہ نیکوں کو ان کی نیکی کا صلہ اور انعام مل رہا ہے اور نہ مجرموں پاپیوں کو ان کے پاپ اور ظلم کی

کوئی سزا دی جا رہی ہے تو خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پھر اللہ کی طرف سے یہ جزا اور سزا کسی دوسری زندگی میں ملنی چاہئے' یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے یہاں ایسا اندھیر ہو کہ نہ نیکوں کی نیکی کی کوئی قدر ہو اور نہ ظالموں اور بدکاروں کی بدمعاشی اور بدکاری اور ان کے ظلم و ستم پر کوئی باز پرس ہو اور سارے پارساؤں اور پرہیزگاروں اور چوروں ڈاکوؤں کے ساتھ اندھیر نگری والا ایک ہی برتاؤ ہو' اللہ تعالیٰ کی ہستی تو بہت بلند ہے۔ یہ طرز عمل تو کسی بھلے آدمی کے بھی شایانِ شان نہیں کہ وہ شریفوں اور شریروں اور ظالموں اور مظلوموں کے ساتھ ایک ہی سا برتاؤ کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿ افنجعل المسلمین کالمجرمین ﴾ (سورۂ قلم: ع۲)

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں۔

الغرض اس دنیا میں جزا اور سزا کے نہ ہونے سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہئے جس میں لوگوں کو ان کے کئے کی جزا اور سزا ملے۔

یہی بات ایک دوسرے عنوان سے اور دوسرے طریقوں پر یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز کے کچھ خواص اور آثار ہیں' مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے پانی کی خاصیت بجھانا اور صفائی کرنا ہے' اسی طرح ہر جڑی بوٹی میں بھی کچھ خاصیتیں ہیں' ایسے ہی انسان کے مادی اعمال کے بھی خواص اور آثار ہیں جو لازماً ظاہر ہو کے رہتے ہیں' مثلاً وہ کھانا کھاتا ہے تو اس سے اس کی بھوک مرتی ہے آسودگی آتی ہے' اسی طرح پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے' اگر کوئی سخت چیز کھالی جائے تو پیٹ میں درد ہو جاتا ہے' بہت زیادہ کھالیا جائے تو بدہضمی ہو جاتی ہے' زہر کھانے سے آدمی مر جاتا ہے' دوا استعمال کرنے سے مرض جاتا رہتا ہے' کوئی ٹانک اور مقوی دوا کھانے سے طاقت اور توانائی آ جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کے اخلاقی اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اس کے مادی اعمال سے زیادہ اہم اور اعلیٰ ہیں' اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے اخلاقی اعمال کا کوئی اثر کوئی نتیجہ اور کوئی خاصیت ہی نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنا کھانا خود کھانے کے بجائے کسی دوسرے بھوکے کو کھلا دیتا ہے اور خود بھوکا رہتا ہے یا کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اور خود پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے' یا کسی لاوارث بیمار کی محض اللہ واسطے خدمت اور تیمارداری کرتا ہے' یا غریبوں یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے اور اپنی محنت سے کمایا ہوا مال ان پر خرچ کرتا ہے' پھر اس سب کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی بھی کرتا ہے۔ تو انسانی عقل اور فطرت کا یہ کھلا ہوا تقاضا اور فیصلہ ہے کہ ان نیک اعمال کے بھی اثرات اور نتائج ظاہر ہونے چاہئیں اور وہ مادی اعمال کے نتائج و آثار سے بہت زیادہ اہم اور اعلیٰ ہونے چاہئیں۔

اسی طرح اگر ایک شخص ظلم کرتا ہے' زیردستوں اور کمزوروں کو ستاتا ہے' امانت میں خیانت اور معاملات میں دھوکہ بازی کرتا ہے' رشوت لیتا ہے یا ڈاکے ڈالتا ہے' قزاقی کرتا ہے' بے رحم ہے' بے درد ہے' جلاد ہے' اللہ کے بے گناہ بندوں کا خون بہاتا ہے' اللہ کو کبھی بھولے سے یاد نہیں کرتا' غرض اپنے وقت کا فرعون اور نمرود ہے' تو ہماری عقل کہتی ہے کہ اس کی ان

بداعمالیوں کے نتائج بھی نہایت سنگین ہونے چاہئیں اور سامنے آنے چاہئیں۔ آخر انسان جب اپنی معمولی سے معمولی ہر مادی غلطی کا خمیازہ بھگتتا ہے تو اتنی بڑی بڑی اخلاقی غلط کاریوں کا نتیجہ نہ بھگتے گا۔

گندم از گندم بروید جوز جو

از مکافاتِ عمل غافل مشو

اسی کو قرآن مجید نے ایک جگہ فرمایا۔

﴿ ام حسب الذین اجترحوا السیأت ان نجعلهم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سوآء محیاهم ومماتهم سآء ما یحکمون ﴾ (جاثیہ: ع-۲)

جن لوگوں نے پیٹ بھر کے بدکاریاں اور بدمعاشیاں کی ہیں' کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان مجرموں کو اپنے ان نیک بندوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور ان کا انجام اور جینا مرنا برابر اور یکساں ہوگا' بہت نادرست اور بالکل بیہودہ ہے ان کا یہ خیال۔

بہرحال جب ہم یہ بات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ انسان کے مادی اعمال کا نتیجہ اور اثر تو یہاں ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کے اخلاقی اور روحانی اعمال کا کوئی اثر اور کوئی نتیجہ یہاں ظاہر نہیں ہوتا' تو ہماری عقل وفطرت اور ہماری سمجھ بوجھ ضروری قرار دیتی ہے کہ پھر اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہئے جس میں ان اچھے یا برے اخلاقی اور روحانی اعمال کے آثار وخواص اور نتائج ظاہر ہوں اور انسانوں کو ان کی نیکوکاریوں اور بدکاریوں کی جزا اور سزا ملے۔

جزا اور سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دیجاتی؟:

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر اسی دنیا میں ہر برائی اور بھلائی کی سزا اور جزا مل جایا کرتی' تو پھر یہ زندگی امتحانی زندگی نہ رہتی' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کی دنیا بنایا ہے اور جزا وسزا کو یعنی عذاب وثواب کو غیب کے پردہ میں رکھ کر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی یہاں میرے احکام کی فرمانبرداری کرے گا اور نیکی کی زندگی گزارے گا' میں اس کو آئندہ زندگی میں یہ انعام دوں گا اور جو کوئی سرکشی کرے گا اور نافرمانی وبدکرداری کی زندگی گذارے گا میں اس کو ایسی ایسی سزائیں دوں گا' تو اگر بالفرض ہر برائی بھلائی کا بدلہ اسی دنیا میں ہاتھ کے ہاتھ اور نقد مل جایا کرتا' تو یہ امتحان نہیں ہوسکتا تھا' پھر تو ہر آدمی نافرمانی سے اسی طرح بچتا جس طرح آگ میں کودنے سے ہر ایک بچتا ہے اور نیکی کرنے کے لئے ہر ایک اسی طرح مجبور ہوتا جس طرح کھانے پینے کے لئے مجبور ہوتا ہے اور پھر عذاب وثواب بے معنی ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک وجہ جزا اور سزا کو دوسرے عالم میں رکھنے کی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو جو صلہ اور انعام دینا چاہتا ہے اور جیسی چین وآرام والی زندگی انہیں بخشنا چاہتا ہے۔ اس دنیا میں اس کا کوئی امکان ہی نہیں ہے اور اسی طرح اپنے نافرمانوں کو وہ جو سخت ترین سزا اور عذاب دینا چاہتا ہے۔ اس کی برداشت کی بھی ہماری اس دنیا میں طاقت

نہیں ہے یعنی وہ اتنا سخت ہے کہ اگر وہ اس دنیا میں ظاہر ہو جائے تو یہاں کا سارا چین و آرام ختم ہو جائے اور یہ دنیا سوخت ہو کر رہ جائے یہ دنیا تو بڑی کمزور اور بہت محدود طاقت رکھنے والی دنیا ہے اور پھر اس کا نظام ایسا ہے کہ اس میں راحتیں اور تکلیفیں ملی جلی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو ان کی روحانی اور اخلاقی نیکیوں کے صلہ میں جو چین و آرام کی زندگی دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسی ہی جگہ اور ایسے ہی کسی عالم میں ممکن ہے جہاں کسی تکلیف کا گذر نہ ہو اور وہاں صرف بہار ہی بہار ہو اور اسی طرح اپنے مجرموں اور نافرمانوں کو ان کی اخلاقی اور روحانی بدکرداریوں کی جو سخت سزا اور جو دردناک عذاب وہ دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسے ہی عالم میں ممکن ہے جہاں بس دکھ ہی دکھ اور تکلیف ہی تکلیف ہو۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ بندوں کے اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا اس دنیوی زندگی کے بعد والی زندگی میں اور دوسرے عالم میں دے گا' بس وہی عالم آخرت کا عالم ہے اور اس کے دو حصے ہیں' ایک جنت اور ایک دوزخ' جنت میں اللہ کے انعام اور اس کے خاص فضل و کرم کا ظہور ہوگا اور دوزخ میں اس کے صرف قہر و غضب کا ظہور ہوگا اور یہ دونوں ظہور اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گے اور بس وہیں پوری الٰہی شان ظاہر ہوگی۔

اللہ کی شان اور اس کے جلال و جمال کے ظہور کے لئے بھی آخرت کی ضرورت ہے!

تو عالم آخرت کی اور جنت و دوزخ کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اللہ کے مہر و قہر اور جلال و جمال کا ظہور اعلیٰ پیمانہ پر ہو سکے' ہماری اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اگرچہ ظہور ہے' لیکن پورے ظہور کی اس دنیا میں برداشت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ظہور بہت محدود ہے' یعنی یہاں اللہ کی جن جمالی صفات کا ظہور ہو رہا ہے وہ بھی محدود ہے اور جن جلالی صفات کا ظہور ہو رہا ہے وہ بھی محدود ہے' پورے اور کامل ظہور کی ہماری یہ دنیا تاب ہی نہیں لا سکتی بہر حال اس لئے بھی ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلال و جمال کا کامل ظہور ہو سکے۔

- دراصل یہ ظہور ہی تو عالم کی تخلیق کا خاص مقصد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ بساط اسی لئے بچھائی ہے کہ اس کی صفاتِ کمال کا ظہور ہو' پس آخرت کو اگر نہ مانا جائے تو یہ مقصد کہاں پورا ہوگا' لہٰذا اس وجہ سے بھی اس دنیا کے خاتمہ کے بعد عالم آخرت کا برپا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔

عقیدۂ آخرت کا اثر انسان کی زندگی پر:

انسانی اعمال کی جزا و سزا کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور قہر و مہر کے کامل ظور کے لئے عالم آخرت کا ازروئے عقل ضروری ہونا تو معلوم ہو چکا' اس کے بعد اس پر بھی غور کیجئے کہ انسانی زندگی کے سدھار میں عقیدۂ آخرت کو کتنا دخل ہے' دنیا کی تاریخ سے واقفیت اور غور و فکر کی کچھ صلاحیت رکھنے والا کوئی آدمی بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ برائیوں اور بداخلاقیوں سے انسانوں کو آخرت کا یقین و ایمان جس قدر بچاتا ہے اور بچا سکتا ہے کوئی دوسری چیز اور کوئی دوسرا انسانی انتظام اس قدر نہیں بچا سکتا۔

بے شک حکومت کا قانون اور تہذیبی ترقی یا برائی بھلائی کا احساس اور نفس کی شرافت بھی انسان کو برائیوں اور بد اخلاقیوں سے بچانے والی چیزیں ہیں۔ لیکن یہ اتنی مؤثر اور کارگر نہیں ہوتیں جتنا کہ مرنے کے بعد کی جزاوسزا کا یقین اور آخرت پر ایمان بشرطیکہ زندہ یقین اور حقیقی ایمان ہو صرف نام کا ایمان اور بے جان عقیدہ نہ ہو۔

یہ کوئی خالی منطق کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ برائیوں اور بداخلاقیوں کی گنجائش اسی معاشرہ میں ہوتی ہے۔ جو آخرت اور مرنے کے بعد کی اللہ کے سامنے پیشی اور جزاوسزا کے یقین سے خالی ہو ورنہ جن کے دلوں میں یقین وایمان کا نور موجود ہو ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ برے خیالات اور برے وسوسوں سے بھی گھبراتے ہیں اور اپنے دل کو برائی کے خیال سے بھی پاک رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جو لوگ دنیا کی تاریخ سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ پاکیزہ ستھری اور مہذب و مبارک زندگی ان ہی بندگانِ الٰہ کی رہی ہے جو مرنے کے بعد کی پیشی اور آخرت کی جزاوسزا پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقین آدمی کو برائی کے ارادہ سے وہاں بھی روکتا ہے جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو اور دنیا میں کسی قانونی پکڑ اور سزا کا خطرہ نہ ہو۔

الغرض اس دنیا کے خاتمہ کے بعد عالمِ آخرت کا برپا ہونا اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کی بتائی ہوئی ایک حقیقت بھی ہے اور خود ہماری عقل کا تقاضا بھی ہے اور اس پر ایمان وعقیدہ ہماری ایک بہت بڑی مصلحت بھی ہے۔

آخرت کی تفصیلات نبوت ہی کے راستہ سے معلوم ہوسکتی ہیں!

لیکن جزاوسزا کے اس عالم کی تفصیلات نبوت ہی کے راستہ سے معلوم ہوسکتی ہیں اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے سب پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو آخرت کی اور جنت دوزخ کی ضروری تفصیلات بتلائی تھیں لیکن ان امتوں نے پوری طرح ان کو محفوظ نہیں رکھا اور اب محفوظ اور مستند بیان صرف اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اور ان کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید کا ہے جو جوں کا توں محفوظ ہے اور اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہے۔ جس سے عقل انسانی انکار کر سکے اور وہ ناممکن اور محال ہو۔

ہاں چونکہ عالمِ آخرت کی چیزیں ہماری دیکھی بھالی نہیں ہیں اور ہم نے ان کا کبھی تجربہ اور مشاہدہ نہیں کیا ہے اس لئے وہ ہمیں اچنبھے کی سی معلوم ہوتی ہیں اور ان کا سمجھنا بعض لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ لیکن یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بچے سے جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں ہو اگر کسی آلہ کے ذریعہ یہ کہا جائے کہ اے بچے! تو عنقریب ایک ایسی دنیا میں آنے والا ہے جہاں لاکھوں میل کی زمین ہے اور اس سے بھی بڑے سمندر ہیں اور آسمان ہے چاند سورج اور لاکھوں ستارے ہیں اور وہاں ہوائی جہاز اڑتے ہیں ریلیں دوڑتی ہیں اور لڑائیاں ہوتی ہیں جن میں توپیں گرجتی ہیں اور ایٹم بم چلتے ہیں تو وہ بچہ اگر کسی طرح ان باتوں کو سمجھ بھی لے تو اس کے لئے ان باتوں کا یقین کرنا بڑا مشکل ہوگا کیونکہ وہ جس

دنیا میں ہے اور جس کو دیکھتا اور جانتا ہے وہ تو بس اس کے ماں کے پیٹ کی ایک بالشت بھر کی دنیا ہے۔

بالکل ایسا ہی معاملہ آخرت کے بارے میں اس دنیا کے انسانوں کا ہے واقعہ یہ ہے کہ عالم آخرت اس دنیا کے مقابلہ میں اسی طرح بے حد وسیع اور بے انتہا ترقی یافتہ ہوگا' جس طرح ماں کے پیٹ کے مقابلہ میں ہماری یہ زمین و آسمان والی دنیا بے حد وسیع اور ترقی یافتہ ہے۔

بہر حال نبوت کے راستہ آخرت کے متعلق جو تفصیلات ہمیں معلوم ہوئیں ہیں' وہ سب یقینی اور حق ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی ناممکن اور محال نہیں ہے۔ ہاں چونکہ یہاں ہمارا علم اور مشاہدہ بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض لوگوں کو وہ باتیں اچنبھے کی سی معلوم ہوتی ہے اور کم عقل لوگ اپنی نادانی سے ان میں شبہ کرتے ہیں۔ لیکن ایمان کا اور عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہی ہے کہ اللہ نے اور اس کے صادق و مصدق رسول نے آخرت کے بارے میں اور وہاں کی جزا سزا کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس سب کو حق مانا جائے اور اس پر یقین کیا جائے۔

یہ بالکل عقلی اور فطری بات ہے کہ جس چیز کو ہم نہیں جانتے اور ہم نے خود اس کو نہیں دیکھا اس کے متعلق ہم ان سچے لوگوں کے بیان پر اعتماد کریں جن کو اس کا علم کسی مستند ذریعہ سے ہوگیا ہے' یا جنہوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جن کی سچائی اور پاکبازی بھی ثابت ہو چکی ہے' پس مرنے کے بعد عالم برزخ اور قبر کے بارے میں اور پھر قیامت کے بارے میں اور حشر نشر اور حساب کے بارے میں اور جنت دوزخ کے بارہ میں جو کچھ قرآن پاک نے اور رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے اس سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہم کو یقین ہے کہ وہ سب کچھ بالکل اسی طرح ہونے والا ہے جس طرح کہ بتلایا گیا ہے۔ بس یہی معنی ہیں آخرت پر ایمان لانے کے۔ امنا باللّٰہ و بالیوم الاخر۔

نبوت و رسالت

رسالت کی اہمیت وضرورت:

جب اللہ کو اور آخرت کو ماننے کے بعد ہمارے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ اس دنیا میں ہم اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری والی زندگی گزاریں تو ہم اس کے محتاج ہوگئے کہ کسی طرح سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ اللہ کے احکام ہمارے لئے کیا ہیں اور اس کی طرف سے کن کاموں کی اجازت ہے اور کن کاموں اور کن باتوں کی ممانعت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو براہ راست یہ باتیں بتلاتا نہیں اور جو تھوڑی سی عقل اور سمجھ بوجھ انسانوں کو ملی ہوئی ہے وہ اس دنیا کی روز مرہ کی ضرورتوں کے لئے تو کسی حد تک کافی ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا اس کے بس میں بالکل نہیں کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور وہ کن کاموں سے راضی اور کن سے ناراض ہوتا ہے۔ پس ہماری اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت اور پیغمبری کا سلسلہ قائم فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری ضرورت کے لئے سورج پیدا فرمایا جس سے ہم گرمی اور روشنی حاصل کرتے ہیں اور جس طرح اس نے ہمارے لئے غذا کی پیداوار کا نظام قائم کیا' اسی طرح اس نے ہماری اور صرف ہماری ضرورت کے لئے نبوت کا نظام قائم فرمایا' یعنی طے فرمایا کہ اپنے خاص اور منتخب نمائندوں کے ذریعہ عام بندوں تک وہ اپنی ہدایت اور اپنا قانون پہنچایا کرے گا۔ پس معلوم ہوا کہ نبوت و شریعت درحقیقت خود ہماری ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت و ربوبیت کا تقاضہ ہے بالکل اسی طرح جس طرح کہ سورج اور ہوا پانی وغیرہ ہماری ضرورتیں ہیں اور اللہ کی رحمت و ربوبیت نے ہماری ضرورت کے لئے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

پس وہ لوگ بڑے جاہل اور حقیقت ناشناس ہیں جو دین اور شریعت کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بوجھ ہے جو اللہ کی طرف سے انسانوں پر لاد دیا گیا ہے اور اس کا تعلق اللہ کی بس صفتِ حاکمیت اور مالکیت سے ہے۔ بہر حال نبوت اور شریعت ہماری ضرورت اور اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے' کیونکہ بندے اسی کے راستہ سے اللہ کی رضا کے مقام تک اور جنت تک پہنچیں گے۔

نبی انسان ہوتا ہے:

اور بعضوں نے خیال کیا کہ نبی فرشتہ ہونا چاہئے کیونکہ فرشتہ اللہ کی بڑی مقدس اور سراپا نورانی مخلوق ہے۔ لیکن ان لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ نبی اور پیغمبر کے لئے مقدس ہونے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ جن

انسانوں کی ہدایت کا کام اس کو کرنا ہے وہ ان کے رجحانات' ان کے مزاج اور ان کے احساسات اور جذبات سے واقف ہو اور فرشتے بے شک مقدس اور نورانی تو ہیں' لیکن انسانی جذبات اور احساسات اور انسانی مزاج اور اس کی خواہشات سے وہ بیچارے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہیں' بلکہ وہ تو ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ مثلاً بھوک' پیاس' غصہ' حسد' نفسانی شہوت ان چیزوں کی حقیقت کو فرشتہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ بات معمولی غور و فکر سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انسان کی زندگی میں بہت سی کیفیتیں ایسی ہیں جو اسی وقت سمجھ میں آتی ہیں۔ جب انسان ان سے گزرتا ہے' مثلاً جس شخص میں شہوت کا مادہ ہی نہ ہو یعنی وہ فطرتاً اس سے خالی ہو' وہ شہوت کی حقیقت کو سمجھنے سے بالکل قاصر رہے گا' اسی طرح جس شخص نے کبھی سوتے میں خواب نہ دیکھا ہو' اس کو ہزار سمجھایا جائے وہ خواب کی حقیقت کو کبھی نہیں سمجھ سکتا اور ایک شہوت یا خواب ہی پر منحصر نہیں اکثر انسانی احساسات کا حال یہی ہے جس نے کبھی آم نہیں چکھا' اس کو کسی طرح آم کا ذائقہ نہیں سمجھایا جا سکتا' مادرزاد اندھے کو گلاب کے پھول کی رنگت اور اس کی حسین صورت دو گھنٹے کی تقریر سے بھی نہیں سمجھائی جا سکتی۔ بہر حال انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو ہدایت کرنے والا ہو وہ انسان کے حالات سے اور اس کے رجحانات اور احساسات سے پوری طرح واقف ہو اور یہ بات چونکہ انسان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ہمیشہ انسانوں ہی میں سے بھیجے اور جو بے وقوف اور احمق یہ کہتے تھے کہ نبی فرشتہ ہونا چاہئے' قرآن مجید میں ان سے کہا گیا کہ:

((قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السمآء ملکا رسولا))

(بنی اسرائیل: ع-۱۱)

اس کا مطلب یہی ہے کہ نبی اور رسول اسی جنس میں سے ہونا چاہئے' جن کی طرف اور جن کی ہدایت کے لئے وہ بھیجا جائے' تو اگر زمین میں بجائے انسانوں کے فرشتے آباد ہوتے اور رسول ان کی ہدایت کے لئے بھیجنا ہوتا تو ہم کسی فرشتہ ہی کو نبی بنا کر بھیجتے' لیکن جب زمین میں مستقل آبادی انسانوں ہی کی ہے اور ان ہی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نبی کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت تو انسان ہی سے پوری ہو سکتی ہے' کیونکہ وہی انسانوں کے مسائل اور ان کے احوال اور ان کے طبعی تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اگر نبی کو اوتار یا فرشتہ مانا جائے تو اس معیار سے ہماری عقل ان کی زندگی میں حیرتناک نقائص اور کمزوریاں محسوس کرے گی' پھر ان کا کھانا پینا' مریمؑ کے پیٹ سے پیدا ہونا' یہودیوں کا ان کو طرح طرح سے ستا سکنا اور ان کی بے انتہا توہین و تذلیل کرنا (اور انجیلوں کے بیان کے مطابق) ان کا سولی پر چڑھایا جانا۔ یہ سب باتیں بجائے کمال کے نقائص نظر آئیں گی' جن کی کوئی توجیہ بھی نہ کی جا سکے گی۔ بلکہ پھر تو ان کے معجزات میں بھی کوئی ندرت اور خصوصیت نہیں رہے گی' کیونکہ اللہ کی قدرت کے تو ان معجزوں سے بھی بڑے بڑے نمونے دنیا کے اس کارخانہ میں ہم ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔

الغرض اس مسئلہ پر جو شخص کچھ بھی غور کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے آنے والے نبی

اور رسول ان ہی کی جنس سے ہونے چاہئیں اور نبیوں اور رسولوں کو اللہ یا اللہ کا اوتار یا فرشتہ قرار دینا ایک جاہلانہ اور احمقانہ گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جا بجا اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جتنے پیغمبر بھی اس دنیا میں بھیجے وہ سب انسان ہی تھے۔

قرآن مجید کا اعلان کہ سارے پیغمبر انسان ہی تھے:

﴿ ما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم ﴾ (سورۂ یوسف: ع-۱۲)

اے رسول! ہم نے تم سے پہلے بھی جو پیغمبر بھیجے وہ سب آدمی ہی تھے، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے!

اور خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بار بار اس کا اعلان کرایا کہ میں تو بس انسانوں میں سے ایک انسان ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ع۱۰)

میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہوں، اور اللہ کا پیغمبر۔

﴿ قل انما انا بشر مثلكم ﴾ (الکہف: ع-۱۲)

آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تو بس تم جیسا ایک انسان ہی ہوں۔

قرآن مجید نے اس مسئلہ کو اتنا روشن کیا ہے کہ سارے نبیوں کا انسان اور بشر ہونا مسلمانوں کے ایمان کا جزو ہو گیا ہے۔ اسلامی عقائد کی کتابوں میں نبی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور اپنا پیغام دے کر اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے اور پیغمبرانہ ذمہ داریاں اس کے سپرد کرتا ہے۔

یہاں تک کی گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا کہ نبوت و رسالت ہماری زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی اور رسول انسانوں ہی میں سے ہونا چاہیے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی عقیدہ اور قرآن مجید کی تعلیم بھی یہی ہے۔

دنیا میں انبیاءؑ برابر آتے رہے ہیں:

اس کے بعد آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو بڑا رحیم و کریم ہے اور جس نے انسان کے لئے وہ سب چیزیں پیدا کیں ہیں۔ جن کی انسان کو اپنی زندگی میں ضرورت ہے، اس نے انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت کو بھی ہمیشہ پورا کیا ہے یعنی جب سے اس دنیا میں انسانوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اسی وقت سے نبوت کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ضرورتِ وقت کے مطابق مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں اور علاقوں میں اس کے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ ہم یہ تو نہیں بتلا سکتے ہیں کہ کل پیغمبر کتنے آئے قرآن مجید میں ان کی تعداد نہیں بتلائی گئی اور نہ اس کی ضرورت تھی، لیکن یہ صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ کوئی ملک اور کوئی مقام ایسا نہیں جہاں ہم نے رسول نہ بھیجا ہو۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ﴾ (یونس:ع-۵)

یعنی ہر قوم کے واسطے پیغمبر آئے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا۔

﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ (فاطر:ع-۳)

یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس ہمارا رسول نہ پہنچا ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ﴾ (نحل:ع-۵)

یعنی ہم نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں۔

ان پیغمبروں میں سے چند خاص پیغمبروں کے نام اور ان کے کچھ احوال بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے ہیں اور باقیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا' لیکن ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان سب پر ایمان لائیں اور ان سب کو یکساں طور پر اللہ کے راست باز اور پاک باز بندے سمجھیں اور ان سب کا ادب کریں' ان کے بغیر ہم مومن نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں ایمان والوں کا اصول اور عقیدہ یہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ (بقرہ:ع-۴۰)

کہ ہم اللہ کے پیغمبروں میں کوئی تفریق نہیں کرتے' بلکہ سب کو مانتے ہیں۔

﴿ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ ﴾ (مسند احمد وشعب الایمان للبیہقی (مشکوۃ)

''یعنی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ السلام بھی اگر آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی شریعت کی پیروی کرنی ہوتی۔

اور یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحیح حدیثوں کی اطلاع کے مطابق اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کا عمل شریعتِ محمدیؐ ہی پر ہوگا کیونکہ اس زمانہ اور اس دور کے لئے حکم الٰہی یہی ہے اور پہلی شریعتوں اور پہلے الٰہی قوانین کو خود اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دے دیا ہے اور اب ان پر چلنا گویا اللہ کی نافرمانی ہے۔

بہر حال یہ ایک ایمانی اصول ہے کہ ایمان تو بلا تفریق اللہ کے سب پیغمبروں پر لایا جائے اور سب کا ادب واحترام یکساں طور پر کیا جائے' چاہے وہ کسی قوم اور کسی زمانہ میں اور کسی ملک میں آئے ہوں اور چاہے ان کی زبان کوئی رہی ہو' لیکن پیروی ہر زمانہ میں صرف اس پیغمبر کی شریعت کی کی جائے جو اس دور اور اس زمانہ کا پیغمبر ہو رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ میرا کام تو صرف اللہ کی بات کو جوں کا توں پہنچانا ہے' مجھے کسی ترمیم وتبدیلی کا بالکل اختیار نہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ (یونس:ع-۲)

یعنی میں اپنی طرف سے ذرا بھی ردو بدل نہیں کر سکتا' اللہ تعالٰی کی طرف سے جو کچھ مجھے وحی کی جاتی ہے اور جو کچھ حکم بھیجا جاتا ہے۔ میں تو بالکل اسی کی پیروی کرتا ہوں۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾[1] (النجم:ع-۱)

یعنی ہمارے یہ رسول دین کی جو تعلیم دیتے ہیں تو یہ ان کے اپنے جی کی باتیں نہیں ہیں' بلکہ یہ وحی ہے جو ہماری طرف سے ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

❀ ❀ ❀

---

[1] دین وشریعت ص۷۲ تا ۸۱

رحمتِ کائنات ﷺ کی بعثت

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر زید مجدہ کے رشحاتِ قلم

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ جن کی تعلیم وتربیت بارگاہِ صمدیت سے کی جاتی ہے اور پھر انہی کے واسطے سے مخلوق خدا دائرہ علم وعمل سے آشنا اور مستفید ہوتی ہے۔ ان میں گونا گوں کمالات اور معجزات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں صفاتِ کمال اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ میں جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن ہر ایک نبی اور رسول کے کمالات کا ایک مخصوص رنگ اور اس کی پاکباز زندگی کی ایک نئی شان ہے جو اسے دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے الگ اور ممتاز کرتی ہے' مثلاً کسی کی نبوت ورسالت' سطوت اور شوکت اور سلطنت وحکومت کی قبا میں نمایاں ہوتی ہے تو کسی کی فقر وفاقہ کی کملی اور حب مساکین کی شکل میں' کسی میں جاہ وجلال کا ظہور ہے تو کسی میں محبوبیت اور جمال کا' کسی نے خلوت اور انقطاع کی صورت میں اعلان حق کیا تو کسی نے جلوت اور تعلقات کی کثرت میں مخلوق خدا کی دینی تربیت کی' غرضیکہ صفاتِ کمال کی جامعیت کے باوجود ہر ایک نبی اور رسول میں کوئی نہ کوئی صفت ایسی ضرور غالب رہی ہے۔ جو ان کے لیے دیگر تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مابہ الامتیاز بنی رہی ہے۔ ہم تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں' اور ان سب کے پیغمبر ہونے کا دل میں یقین اور زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کرنے اور کفر وشرک کو مٹانے اور حرص وہوا کی باطنی چالیں درست کرنے کے لیے انتھک کوشش فرمائی' ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے بتائے اور ہمارے جذبات واحساسات اور ارادوں کے نقشے درست کرنے کی بلیغ سعی کی' ہمارے نفوس اور قلوب کے عروج وتنزل کے صحیح اسباب سے ہمیں روشناس کرایا' جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور بہترین معاشرت کی تکمیل ہوئی جس سے اخلاق وسیرت انسانیت کا جوہر نمایاں ہوا' نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش ونگار ٹھہرے خدا وبندہ کا تعلق باہم مضبوط ہوا اور روز الست کا بھولا ہوا سبق اور وعدہ ہمیں یاد آیا۔ اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز واسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی روحانی تکمیل کو پہنچ سکتی تھی؟ اس لیے اس چنیدہ اور پاک طبقۂ انسانی کے احسانات اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کے بعد ہم سب پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لیے ہر فرد انس وجن پر خواہ وہ کسی قوم اور صنف سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کی شکر گذاری کا اظہار لازم اور واجب ہے۔ اسی کا نام اسلام کی

زبان میں صلوٰۃ وسلام ہے جو ہمیشہ سے طریق مشروع پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی کے ساتھ ہم ادا کرتے آئے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ اَجْمَعِيْنَ۔

فی الحقیقت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پاک تعلیمات کے یہی روحانی تغیرات دنیا کے اصلی اور صحیح انقلابات ہیں۔ جن سے کائنات انس وجن کا نقشہ بدلا ہے اور جن کی بدولت دنیا کی سعادت و ہدایت کا قیام اور عالم کو ابدی روحانیت حاصل ہوئی ہے۔ ان روحانی انقلابات کے آگے مادی انقلابات بالکل ہیچ ہیں ان کی ہستی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ زمین کے چند رقبوں کو بدل دیں یا چند لاکھ نفوس کو نیست و نابود کر دیں۔ لیکن یہ روحانی انقلابات کروڑوں نفوس کے ان اعتقادات و اعمال کو بدل دیتے ہیں۔ جو صدیوں سے ان کے دلوں میں جاگزیں ہوتے ہیں اور ان عالمگیر گمراہیوں اور تاریکیوں کو مٹا دیتے ہیں۔ جو تمام سطح زمین پر چھائی ہوتی ہیں۔ دریاؤں کو خشک کر دینا آسان ہے اور زمین کو سمندر بنا دینا کچھ مشکل نہیں پر کروڑوں روحوں اور دلوں کو اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ بدل دینا بہت ہی زیادہ مشکل ہے، جس کی قوت مادہ کی طاقتوں کو نہیں دی گئی۔ سکندرِ اعظم نے نصف دنیا تو فتح کر لی، لیکن وہ ایک دل کو بھی فتح نہ کر سکا۔ رومیوں نے بڑے بڑے عظیم الشان شہر تو بسا دیئے مگر وہ دلوں کی اجڑی ہوئی بستی کو نہ بسا سکے۔ بخت نصر نے ایک پوری قوم کو سالہا سال تک تو قید کر لیا پر وہ ان میں سے ایک دل کو بھی اپنا غلام نہ بنا سکا۔ ایرانیوں نے بابل کے لاکھوں انسانوں کو تو قتل کر دیا، لیکن وہ ایک روح کی گمراہی کو بھی قتل نہ کر سکے۔ تاتاریوں کے عظیم فتنہ نے لاکھوں ناکردہ گناہ نفوس کو تو صفحہ ہستی سے نابود کر دیا مگر وہ بدی اور برائی کے ایک پیکر کو بھی مٹا نہ سکے، اقوام یورپ کی حیرت انگیز مسیحائی اور ہولناک سائنسی ترقی نے مشرق اور مغرب کے ڈانڈے تو ملا دیئے۔ معہذا ان کی طاقت یہ نہ کر سکی کہ ایک نفس کو بھی اس کے مالک حقیقی اور جانِ آفرین سے ملا دے حالانکہ وہ اس سے دور نہیں ہے۔ نحن اقرب اليه من حبل الوريد۔ موجودہ سائنس کے ہوشربا طلسم نے بیسیوں من کے ہوائی جہاز اور راکٹ بلکہ مصنوعی سیارے تو فضائے آسمانی میں اڑا دیئے۔ لیکن ابلیس لعین کی ناپاک کوششوں کے ایک پرزہ کی دھجیاں بھی وہ جو میں نہ بکھیر سکے۔ بتایئے ان مادی انقلابات نے قیام امن کا کون سا عملی ثبوت پیش کیا ہے؟ یا بدیوں کے کتنے لشکروں کو شکست دی اور فسق و فجور اور ضلالتوں کے کتنے بت توڑے ہیں؟ ان انقلابات کی فتح و تسخیر جسم اور زمین کی ہوتی ہے۔ مگر روحانی انقلابات قلب و روح کا احاطہ کرتے ہیں۔ جن سے دلوں کی اجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوتی ہیں۔ وہ زمین کی تبدیلیاں ہیں۔ جن کو زمین والے انجام دیتے ہیں۔ مگر یہ آسمانی تبدیلی ہے۔ جو رحمٰن و رحیم کی طرف سے بتوسط حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پایہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ یہ نفوس قدسیہ بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے کیونکہ اس عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم تھیں۔ تاہم وہ دوام و بقاء کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ ان کے بعد دنیا پر تقریباً چھ صدیاں ضلالت کے سناٹے اور کفر و شرک کی خاموشی کی گذر چکی تھیں۔ تقدیس الٰہی کا وہ خاص مقام جو وادی غیر ذی زرع یعنی بن کھیتی کی سرزمین میں

کعبہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور رحمتِ حق کا وہ گہوارہ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام جیسے پاک معماروں کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ دنیا کے بت کدوں میں وہ سب سے بڑا اور عظیم بتکدہ بن گیا تھا۔ جہالت و ضلالت کے تاریک اور گھنگھور بادل تہ بہ تہ جمع ہوتے اور کفر و شرک کی بارش برسا جاتے' کسی قوم یا کسی خاندان' کسی ملک یا کسی سرزمین کی تخصیص نہیں' عرب ہو یا عجم' مشرق ہو یا مغرب' کائنات کا ذرہ ذرہ خوابِ غفلت میں سرشار اور پردۂ ظلمت میں مستور تھا۔ شکل و صورت میں اگرچہ وہ انسان تھے مگر خصائل اور شمائل میں وہ حیوانوں سے بھی بدتر تھے۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

کوئی لات و منات پر شیدا تھا تو کوئی عزیٰ اور نائلہ پر کوئی مہادیو اور کرشن کی مورتیوں کا پجاری تھا۔ تو کوئی شمس و قمر اور آگ پر مفتون' کوئی احبار و رہبان کو ارباب بنائے بیٹھا تھا تو کوئی اہرمن اور یزدان کی ثنویت کا قائل تھا کوئی کاہن و منجم سے غیب کی باتیں پوچھتا تو کوئی عشق و معاشقہ اور مدح و ہجو کی شاعرانہ داستانیں سننے کا شائق' غرض ربع مسکوں کا چپہ چپہ خدائے واحد اور مالکِ حقیقی کو فراموش کر کے خود ساختہ اصنام و اوثان پرستی میں منہمک اور احبار و رہبان کی عبادت میں مشغول و مصروف تھا۔ اس وقت شجر زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی' تہذیب و تمدن کے پھول وحشت اور بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسن عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہر انسانیت کی سرسبزی اور شادابی کا کہیں نشان باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب و اخلاق کے برائے نام حدود تو باقی تھے۔ لیکن فصلیں بالکل اجڑ چکی تھیں اس وحشت اور سراسیمگی کے عالم میں خاسر و نامراد انسان ادھر ادھر مارا مارا پھرتا تھا۔ لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں روحانی زندگی کا نشان اور تازگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور صرف ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں۔ متی نصر الله۔ یہ وقت تھا کہ فطرت کے اٹل قانون کے مطابق اس افسردگی اور پژمردگی کو پھر سے تازگی اور شگفتگی میں بدل دیا جاتا اب وہ وقت آ گیا تھا کہ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دیئے گئے تھے۔ یکا یک کھل جائیں۔ چنانچہ رب ذوالمنن کا سحاب کرم رحمت باری کا مہبط اعظم بحر سخا' پیکر ہدیٰ اور رہبر صادق زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لیے ۹[1] ربیع الاول کے مقدس مہینے میں کوہ سعیر اور فاران کی چوٹیوں پر جھوم جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھلکھلا کر برسا' جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی' عمرانیت اور مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت اور لطافت پیدا ہو گئی۔ عالم کے اطراف و جوانب نور نبوت اور آفتابِ رسالت کی بے پایاں روشنی سے منور ہو گئے اور توحید خالص کا علم بلند ہوا۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی اور سرکشی کی بادِ سموم عدل و انصاف کی جاں بخش نسیم سحری میں بدل گئی' ظلمت کدوں کی ظلمت مٹ گئی۔ بتکدوں

---

[1] محققین علماء نے آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول لکھی اور ثابت کی ہے مگر اکثر مؤرخین کے ہاں ۱۲ ربیع الاول مشہور ہے۔

کے بت فنا ہو گئے۔ آتشکدوں کی آتش بجھ گئی اور سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو ان کے حقیقی مالک اور آقا کے آگے سر اور جبین نیاز جھکانے کا شرف نصیب ہوا' فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی' نفوس کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے زمین کو مبارکباد دی کہ تیرے بخت بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذاتِ اطہر واعظم اور اس بلند پایہ اور بزرگ ترین مقدس ہستی کی پابوسی کی سعادت نصیب ہوگئی۔ جو عالم موجودات کے سلسلہ میں ارتقاء کی آخری منزل ہے' شرف ومجد انسانیت کی آخری کڑی ہے جو علم وبصیرت کے اس افق اعلیٰ پر جلوہ گر ہے کہ عقل ودانش' فکر ونظر کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہوسکتی جو دانش اور حکمت برہانی کے اس مقام بلند پر فائز ہے۔ جہاں غیب اور شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ وہ دیکھئے عالم میں خدا تعالیٰ کی تعلیم وہدایت کا شاہد کوہ صفا پر کھڑا ہے' نکوکاروں کو فلاح وسعادت کا مبشر بشارتیں سنا رہا ہے۔ جو ابھی تک بے خبر ہیں اور ان کو ہشیار اور بیدار کرنے والا نذیر' خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والا داعی دعوتِ حق پیش کر رہا ہے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھئے رہبر راہِ صداقت' ہادی صراط مستقیم اور داعی حق سوق عکاظ میں کھڑا ہو کر ایک گم کردہ راہ قوم کے سامنے اپنی حجت اور دلیل قائم کر رہا ہے' رشد وہدایت پر لانے کے لئے نور صداقت سے ان کے قلوب کو روشن کر رہا ہے' حکمت اور موعظہ حسنہ کا دل نشین اور مؤثر پیرایہ اختیار کر کے قولوا لا الہ الا اللہ کا سبق پیش کر رہا ہے تاکہ تشنہ کامانِ رشد وہدایت کو سیرابی نصیب ہو اور توحید خالص ان کے سویدائے قلب میں اتر جائے۔ تصور کی عینک سے دیکھئے ہادی برحق طائف کی گلیوں میں خدا کا آخری پیغام فلاح ونجاح کا آخری سرچشمہ ابلاغ واعلانِ حق کا بحر بے پایاں' توحید الٰہی کی آخری شمع قرآن مجید اور فرقانِ حمید ان کو سنا رہا ہے۔ جس نے مذہبی دنیا کے تمام قوانین کو یک قلم منسوخ کر دیا' وہ حق وباطل میں امتیاز' شرک وتوحید میں تفریق' کھرے اور کھوٹے میں تمیز دینے آیا ہے۔ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے' جس کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی باون تولہ پاؤ رتی ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے' نہ معجزانہ فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے اس کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہوسکتی ہے۔ جس مفہوم اور مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا گیا ہے' محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے' الفاظ کی قبا' معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن عقائد واعمال' اصول وفروع اور اخلاق ونصائح پر قرآن کریم مشتمل ہے' اور جو دلائل اور براہین اثباتِ دعاوی کے لیے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ سب علم وحکمت کے کانٹے میں تلے ہوئے ہیں' مبالغہ اور تصنع سے یکسر خالی ہیں۔ قرآنی حقائق اور دلائل ایسے مضبوط اور محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے' ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اس میں ضروریات اور مہمات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یہ نہیں کہ اجمال وابہام کی وجہ سے یہ کتاب ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ گئی ہو۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کے کلام میں توقع کی جاسکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ پاک کتاب کے ذریعہ ہادی برحق نے صدیوں کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا کر دلوں کی بستی

میں وہ آتش شوق بھڑکائی جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس کی صدائے حق نے ظلم و عصیاں کے محلوں میں زلزلہ طاری کر دیا اور جہالت و ضلالت کی ایک ایک زنجیر کو کاٹ کر رکھ دیا وہ انقلاب پیدا کیا جس نے ریت کے ایک ایک ذرہ کو ہلا دیا ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

الحاصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاک سلسلہ کی آخری کڑی اور قصرِ نبوت کی سب سے آخری خشت جس نے ابدی طور پر قصرِ نبوت کو مکمل کر دیا ہے' حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی مبارک صورت میں اس دنیا کے سامنے رونما ہو چکی ہے' قیامت تک دنیا کی تمام قوموں کے لیے آپ کی پیش کردہ کتاب اور سیرت طیبہ اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہے اور ہر حیثیت سے مکمل اور ہمیشہ کے لیے محفوظ اور نا قابل ترمیم و تنسیخ ہے۔ آپ کی سیرتِ طیبہ اور حیات نیرہ میں کوئی پر پیچ وخم راہ نہیں کوئی راز مستور نہیں' کوئی سِرّ پس پردہ نہیں ۔ ایک جگمگاتے ہوئے چراغ کی روشنی (سراجاً منیراً) جو ایک طرف خود اس چراغ کے ہر پہلو کو دیدۂ بینا کے سامنے بے نقاب کر دیتی ہے اور دوسری طرف ہر شے کا اصلی مقام بھی متعین کر دیتی ہے۔ لیکن جس طرح نام نہاد مسلمانوں نے نور مبین (قرآن کریم) جیسے نیر درخشندہ کو خود ساختہ تصورات اور تخیلات کے سیاہ بادلوں میں چھپا رکھا ہے اور اس کی روشنی سے نہ صرف اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے محروم کر دیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے سیرت طیبہ کے جگمگاتے چراغ کو بھی اپنے باطل معتقدات اور توہمات کے تہ و بالا دبیز پردوں میں مستور کر رکھا ہے۔ آج ساری دنیا اس روشنی کے لیے مضطرب و بے قرار پھر رہی ہے اور آنے والے مہیب اور ہولناک طوفانوں سے نجات صرف کتاب و سنت ہی پر عمل پیرا ہونے سے مل سکتی ہے اور بس ۔

ہواؤں کا رخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عموماً اور جناب امام الانبیاء اور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً جو جو مزایا اور فضائل عطا فرمائے ہیں۔ وہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر اور ہماری عقل و دانش سے وراء الوراء ہیں' ان کو گننے والا گنے تو کیسے' ان کی تہ تک پہنچے تو کیونکر؟ اس قادر مطلق نے جن صفات سے آپ کو نوازا اور جو جو عنایات آپ پر کیں۔ اور جو جو علوم اور اسرار و حکم آپ کو مرحمت فرمائے' خدا کی مخلوق میں ان خصائص اور انعامات میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں ہے اور بلا مبالغہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر خزانوں کا مالک اور ان میں متصرف اور اسی طرح عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان اوصاف میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں کیونکہ علم غیب صرف خاصہ خداوندی ہے۔ جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سید ولد آدم فخر الرسل خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک زبان سے اپنی اٹل اور محکم کتاب کے ذریعہ قانون کلی کے طور پر یہ صریح اعلان کروایا کہ:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (الانعام: ع-۵)

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں جانتا ہوں غیب اور نہ میں کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں میں نہیں پیروی کرتا مگر صرف اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے تو کہہ دے کب برابر ہوسکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا' سو کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے منصب اور اس کے خواص ولوازم پر روشنی ڈالی ہے۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نبوت اور رسالت کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدوراتِ الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ قدرت میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے تو وہ ضرور ہی کر دکھائے اور یہ بھی نہیں کہ تمام معلومات غیبیہ اور شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا جائے کہ تم جو کچھ پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے اور یہ بھی نہیں کہ وہ نوع بشر کے علاوہ کوئی اور نوع ہو اور ملک فرشتہ اور نور ہونے کی وجہ سے لوازم اور خواص بشریہ سے اپنی براءت اور نزاہت کا ثبوت پیش کرے' اس آیت کریمہ میں بصراحت یہ امور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ:

۱- نبی اللہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک اور مختار کل اور متصرف فی الامور نہیں ہوتا۔

۲- یہ کہ نبی اور رسول عالم الغیب نہیں ہوتا کہ ہر ہر ذرہ اس کے علم میں ہو۔

۳- یہ کہ نبی اور رسول ملک' فرشتہ اور نور نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ))(اوکما قال مسلم ج ۲ ص ۴۱۳' ورواہ احمد ج ۶ ص ۶۸' ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۱ ومنتخب کنز العمال برمسند احمد ج ۲ ص ۴۵۳' الجامع الصغیر ج ۲ ص ۵)

کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

جب بحکم خداوندی جناب نبی کریم ﷺ نے اپنے ملک اور فرشتہ ہونے کی نفی کی تو گویا صراحت کے ساتھ اپنے نور ہونے کی نفی بھی کر دی۔[1]

عصمتِ انبیاء:

تمام انبیاء کرام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے۔ انبیاء کی عصمت اور نزاہت کا

---

[1] ازالۃ الریب ص ۶۳ تا ص ۱۷

اعتقاد جزو ایمان ہے۔ اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مطلقاً اور بے چون و چرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور نہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا اور نہ انبیاء کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیتا۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾[1]

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾[2]

ترجمہ: تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

﴿ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

دست اوراحق چودست خویش خواند　　تاید اللہ فوق ایدیھم براند

معصوم وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا مصطفیٰ اور مرتضیٰ یعنی اخلاق اور عادات اور افعال اور ملکات اور تمام احوال میں من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور اس کا باطن مادۂ معصیت سے بالکلیہ پاک ہو۔ یعنی مادۂ شیطانی اور نفسانی سے اس کا قلب بالکلیہ پاک اور منزہ ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے۔ جس سے مراد من کل الوجوہ ارتضاء اور اصطفاء اور اخلاص کامل ہے۔ اور من کل الوجوہ پاک وصاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلا شرکت غیر خالص اللہ کا بندہ وہی ہوسکتا ہے کہ جس کا باطن، نفس اور شیطان کی بندگی سے بالکلیہ پاک ہو اور اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔[4]

❀ ❀ ❀

---

[1]　[2]　[3]

[4] عقائد الاسلام ادریسی ص ۴۵، ۴۶

حیات انبیاء

س: کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے۔

ج: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کیساتھ برزخی نہیں ہے۔[1]

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو قبر و برزخ میں روح کے تعلق سے انہی اجسام مطہرہ کے ساتھ حیات عطا فرمائی ہے۔ جو قبل الموت اس عالم شہادت (دنیا) میں تھے۔ انبیائے کرام کی حیات کو برزخی دنیوی حیات سے تعبیر کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عالم برزخ میں ان کو دنیوی اجسام کے ساتھ ہی حیات حاصل ہے نہ یہ کہ صرف ارواح کی حیات ہے (کیونکہ روحیں تو کفار کی بھی زندہ ہیں) اور نہ یہ کہ اجسام مثالیہ کے ساتھ ان کو حیات حاصل ہے۔ اس میں برزخی آثار و کیفیات غالب ہیں اور جسمانی برزخی حیات کی وجہ سے وہ زائرین کا سلام و کلام سنتے ہیں۔[3]

حضورؐ کے والدین کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ

سید عالم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی آپ کے والدین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ان دونوں نے آپ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا' تاہم ان کے ایمان لانے کے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ امام سہیلیؒ المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں۔

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے التجا فرمائی کہ میرے والدین کو زندہ فرمانا کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کیا وہ ایمان لائے اور پھر فوت ہو گئے۔

---

[1] المہند علی المفند ص ۱۳
[2] خطبات حکیم الاسلام ج ۸ ص ۴۴۴
[3] خارجی فتنہ ج ۲ ص ۵۰۷

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ نہ تو وہ کسی کام یا چیز سے عاجز ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کی رحمت سے بعید ہے اور اس کے نبی ﷺ اس کی خصوصی فضل وعنایات اور رحمتوں کے بہت زیادہ حق دار ہیں۔ وہ اپنے فضل سے جس نعمت سے چاہے آپ کو نوازے۔

ایک روایت میں ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جب حجۃ الوداع کے لئے گئے اور آپ اپنی والدہ محترمہ کی قبر کے پاس سے گذرے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ پریشان تھے۔ آپ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ تھوڑی سی دیر بعد آپ کا چہرہ کھل گیا اور مسکراہٹ آپ کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی پریشانی اور غم ورنج سرور اور خوشی میں کیسے بدل گیا۔ آپ نے فرمایا میری گذارش پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا اور مجھ پر ایمان لانے کے بعد پھر دونوں فوت ہوگئے۔[۱]

علامہ قسطلانیؒ المتوفی ۹۲۳ھ اور علامہ زرقانیؒ التوفی ۱۱۲۲ھ نے نقد و جرح کے ساتھ مفصل روایات نقل فرمائی ہیں۔ حضرات علماء کرام مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی ج اول کی طرف رجوع فرمائیں۔

س: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا زمانہ' زمانہ فترۃ تھا' اسی زمانہ فترۃ میں رسول اللہ ﷺ کے ابوین شریفین فوت ہوئے ہیں تو ان کے بارہ میں علماء کا اختلاف کیوں ہے؟

ج: علامہ جلال الدین سیوطی اور دیگر علماء نے ان کے ایمان کے ثبوت میں کتابیں لکھی ہیں۔
سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق علماء کے تین مسلک ہیں۔

(۱) باوجود کفر و شرک کے بھی وہ سزاوار عذاب نہیں۔ بلکہ ان کا معاملہ صبیان وغیرہ کی طرح ہے۔

(۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین شریفین کو انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد پھر فوت ہوگئے۔

(۳) آپ کے ابوین شریفین نے خود اپنی عقل سے ملت ابراہیمی سن کر شرک کی برائی معلوم کی اور شرک کو ترک کر کے توحید کے معتقد بن گئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات حمیدہ سنتے رہتے تھے اور آپ کی آمد کے منتظر رہے۔[۲]

---

۱ سہیلی ج ا ص ۱۱۳۔

۲ فتاویٰ عزیزی اردو ص ۲۹۶

توقف بہتر ہے:

س: ایک آدمی کہتا ہے کہ متقدمین علماء کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایماندار ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ کتب کلام اور محدثین ومفسرین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے اور متاخرین علماء کرام مثل جلال الدین سیوطیؒ ان کے ایمان کے قائل ہیں اور تین طرح سے ان کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔

ج: سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس میں تحقیق اور صحیح صورت یہی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ یہ معاملہ عقائد میں شامل نہیں ہے نہ ہی ایمان اور دین کا جزو ہے۔ ہر چہ بادا باد۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔

ہمیں دین کے ضروری مسائل کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اس معاملہ میں لب کشائی نہیں کرنی چاہیے اگر وہ مومن تھے تو ان کے ایمان کا انکار کرنا بھی خطا ہے اور اس کے برعکس بھی روا نہیں ہے[1]

س: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اہل سنت کے علماء کا کیا عقیدہ ہے؟

ج: بعضوں نے انہیں کافر وناری کہا اور بعض کے نزدیک یہ جنتی ہیں اور اس میں تین مسلک ہیں۔

۱- ان کی وفات کفر وشرک پر ہوئی۔ لیکن سزا نہ پائیں گے۔ اس لئے کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت سے پہلے وفات کر گئے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک ہم رسول نہیں بھیج لیتے کسی گروہ پر عذاب نہیں کرتے۔

۲- ان کی وفات کفر وشرک پر ہوئی۔ لیکن پھر زندہ کئے گئے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

۳- ان دونوں نے اپنی عقل سے یا دین ابراہیمی کے استماع سے شرک کی برائی کو جانا اور توحید کا اعتقاد کر کے بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سن کے آپ کی ولادت کے انتظار میں رہے اور قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ اگر آپ کے بعثت کے زمانے کو پائیں گے تو ایمان لائیں گے۔ پس گو ایمان تفصیلی ان حضرات کا ثابت نہیں۔ مگر ایمان اجمالی ثابت ہے۔[2]

۴- یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور حساس ہے۔ محققین نے اس میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام سیوطیؒ نے تین رسائل اس مسئلہ پر لکھے ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کا ایمان ثابت کیا ہے۔ اگر کسی کو ان کی

---

۱ امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۸۸

۲ مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۳

تحقیق پر اطمینان نہ ہو۔ تب بھی خاموشی بہتر ہے۔

قبر و حشر میں یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟[۱]

❀ ❀ ❀

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۲۵

صحابہ کی امتیازی شان

س: صحابہ کرام کی امتیازی شان اور مقام کیا ہے؟

ج: صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کو ایمان اور اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال فرمایا اور سب سے پہلے صحابہ کرام کی آنکھوں کو حضور پرنور کے جمال بے مثال سے روشن اور منور کیا۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہزار بار بوسہ زنم دستِ خویش را — کودامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت صد ہزار سعادت کا موجب ہے۔ پس ان لوگوں کی سعادت اور خوش نصیبی کا کیا پوچھنا جو دن اور رات میں بحالت بیداری سینکڑوں اور ہزاروں بار صد ہزار عشق ومحبت کے ساتھ حضور پرنور کے جمال اور کمال کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضور پرنور کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور دین اور ملت کی تقویت اور اعانت کے لئے ان کو منتخب کیا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا — اور اللہ نے ان کے لئے تقویٰ اور پرہیز گاری کی خصلت کو لازم کر دیا کہ تقویٰ اور پرہیز گاری ان سے جدا نہ ہو سکے اور صحابہ ہی تقویٰ اور پرہیز گاری کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور وہی سب سے زیادہ اس کے اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کون کس کا اہل ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیز گار نہیں اور صحابہ ایسے متقی اور پرہیز گار تھے کہ تقویٰ ان کے لئے لازم اور غیر منفک تھا۔

(۳) صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا اور جن حالات اور واقعات میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا وہ تمام کے تمام صحابہ کے سامنے پیش آئے اس لئے امت میں سب سے زیادہ قرآن کے سمجھنے والے صحابہ کرام ہوئے۔

(۴) صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کے اولین مخاطب ہیں جن کو اللہ نے اپنے خطاب سے نوازا۔

(۵) صحابہ کرام نے قرآن شریف اور دیگر احکام شریعت کو بلا واسطہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنا۔

(٦) صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو پانی کی طرح بہا دیا اور اللہ کے رسول کی محبت میں خویش اور اقارب اولاد اور والدین سب کو چھوڑ دیا اور آپ کی محبت میں وطن مالوف سے ہجرت کی اور عرب اور عجم سے لڑائی مول لی اور آپ کی نصرت اور حمایت میں خویش اور اقارب سے جنگ کی اور اس مقابلے میں باپ اور بیٹے اور چچا اور ماموں کسی کی پروانہیں کی۔

(٧) قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور احکام شریعت صحابہ کرام ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے اگر صحابہ کرام قرآن کریم کو جمع نہ کرتے اور احادیث اور احکام شریعت کی روایت نہ کرتے تو امت کو نہ قرآن کا علم ہوتا اور نہ حدیث کا اور نہ آپ کی شریعت کا اور نہ آپ کی نبوت کا صحابہ رسول اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔

(٨) صحابہ کرام ہی نے دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کتاب وسنت کی نشرواشاعت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ حضور پرنور کے وصال کے بعد جو بھی مسلمان ہوا وہ صحابہ کرام ہی کو دیکھ کر مسلمان ہوا اور صحابہ کرام کا اس درجہ شیدا اور عاشق بنا کہ حضور پرنور کی زیارت کے بعد صحابہ کرام کی زیارت ہی کو سعادت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ سمجھنے لگے اور جس طرح صحابی ہونا ایک منقبت تھی اسی طرح تابعی ہونا بھی ایک قابل فخر منقبت ہوگئی۔

(٩) قرآن کریم میں اہل ایمان کی جس قدر بھی صفات فاضلہ کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً مومنین اور مسلمین اور متقین اور صادقین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور قانتین اور صابرین اور شاکرین اور تائبین اور عابدین اور راکعین اور ساجدین اور آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنکر اور حافظون لحدود اللہ اور محسنین اور متوکلین اور مہتدین اور مفلحین وغیرہ وغیرہ۔

ان صفات فاضلہ کا اولین مصداق صحابہ کرام ہیں اور باقی امت کے علماء اور صلحاء اور اولیاء اور عُبّاد وزُہاد صحابہ کی تبعیت میں ان اوصاف کے مصداق ہیں۔

(١٠) جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ **کما قال تعالٰی النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل** اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف اور کمالات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں **کما قال تعالٰی ذالك مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔**

(١١) بارگاہ خداوندی سے صحابہ کرام کو دائمی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ ملا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ صحابہ کرام کے لئے بلا شرط کے رضا اور خوشنودی کا اعلان ہوا اور صحابہ کے بعد آنے والوں کے لئے یہ شرط ہوئی کہ اگر بعد میں آنے والے اخلاص کے ساتھ صحابہ کا اتباع کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوگا۔ کما قال تعالٰی۔

﴿ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذالك الفوز العظیم ﴾

جو مہاجرین اور انصار ایمان میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور جو لوگ قیامت تک مہاجرین اور انصار

کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں۔ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے لئے اولاً اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا اور ثانیاً ان کی دائمی جنت کی بشارت دی اور ثالثاً صحابہ کے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے رضا اور جنت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ بشرطیکہ بعد میں آنے والے صحابہ کی اخلاص کے ساتھ پیروی کریں۔ **والذین اتبعوھم باحسان۔**

(۱۲) **﴿ لکن الرسول والذین امنوا معه جاھدوا باموالھم وانفسھم واولئك لھم الخیرات واولئك ھم المفلحون اعداللّٰه لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ذالك الفوز العظیم ﴾** (سورۂ توبہ)

ہاں رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا ان لوگوں کے لئے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ نے ایسے باغات تیار کئے ہیں۔ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں یہ لوگ ہمیشہ انہیں میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے چار وعدے فرمائے۔ ایک خیرات وزکوٰۃ کا۔ دوم فلاح کامل کا۔ سوم جنتوں کا۔ چہارم فوز عظیم کا۔

(۱۳) **﴿ والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰه والذین اووا ونصروا اولئك ھم المؤمنون حقا لھم مغفرة ورزق کریم ﴾** (سورۂ انفال)

اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ سب لوگ سچے اور پکے مومن ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رزق کریم لکھا جا چکا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو سچا اور پکا مومن فرمایا اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام پکے اور سچے مومن تھے۔ تقیہ والے نہ تھے۔

(۱۴) **﴿ محمد رسول اللّٰه والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰه ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالك مثلھم فی التوراة ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللّٰه الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرة واجراً عظیما ﴾** (سورۂ فتح)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے اصحاب اور رفقاء کافروں پر سخت اور مسلمانوں کے حق میں نرم اور مہربان ہیں اے دیکھنے والے تو صحابہ کو رکوع اور سجدہ کرتا ہی دیکھے گا جو محض اللہ کے فضل اور اس کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہیں اور سجدہ کے نشان ان کے چہروں پر تو نمایاں طور پر دیکھے گا۔ صحابہ کے یہ اوصاف تو توریت میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی یہ مثال بیان کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر قوی اور موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی حالت اول کمزور تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت دی تا کہ دنیا میں کافروں کو صحابہ کے غیظ اور حسد سے جلائے اور آخرت میں ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کی مدح فرمائی اور یہ بھی بتلایا کہ جس طرح نبی کریم کی بشارت توریت اور انجیل میں مذکور ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور جس کو صحابہ سے غیظ آئے وہ کافر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں صحابہ کرام کا مرتبہ ہے اور جس طرح رسول اللہ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا اتباع نبی کریم کی اطاعت کا نمونہ ہے۔

لہٰذا جس طرح اسوۂ نبوی اور سنت پیغمبری کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اسوۂ صحابہ کو اسوۂ نبوی سے جدا نہیں کیا جا سکتا خدا تعالیٰ کا دین ہم تک انہیں دو واسطوں سے پہنچا ہے۔ ایک نبی اکرم ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام جو شخص صحابہ کو نہیں مانتا وہ یہ بتلائے کہ دین اس کو کس طرح پہنچا۔[1]

س: کیا صحابہ کرام معصوم تھے؟

ج: تمام انبیاء کرام کے بعد خاتم الانبیاء سرور اصفیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا مرتبہ اور مقام ہے۔ صحابہ کی محبت دین اور ایمان اور احسان ہے اور صحابہ سے بغض اور نفرت کفر اور نفاق اور فسوق اور عصیان ہے۔ جس طرح حضورؐ پر نور تمام انبیاء سے بہتر اور افضل ہیں اسی طرح حضور کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** قرآن کریم کی نص صریح ہے اور تمام امت میں سب سے افضل اور بہتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اس لئے تمام اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا درجہ اور مرتبہ ہے اور انبیاء کے بعد حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ اور افضل اور مقبول اور محبوب گروہ صحابہ کرام کا ہے اور وہ بلا شبہ مومن کامل اور صحیح الاسلام تھے۔ معاذ اللہ وہ منافق نہ تھے۔ قرآن اور حدیث ان کے ایمان اور اخلاص کی شہادت سے بھرا پڑا ہے۔ ان کا خاتمہ ایمان اور اسلام پر ہوا قیامت تک کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ نے قرآن میں ان کے لئے اپنی رضا اور

[1] عقائد اسلام ص ۹۴ تا ۹۷۔

خوشنودی کا اعلان فرمایا رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ اور دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت سنا دی گئی۔صحابہ کرام اگرچہ انبیاء کرام کی طرح معصوم نہیں مگر خدا تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا اور جنت میں ان کا جانا قطعی اور یقینی ہے۔جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔کیونکہ یہ دونوں باتیں رضائے خداوندی کا پروانہ اور جنت کی خوشخبری صحابہ کے لئے قرآن اور حدیث سے ثابت ہے ان کے علاوہ کسی کے لئے یہ دونوں باتیں قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں اس لئے بڑے سے بڑے ولی کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں ولی کا جنت میں داخل ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ظاہر کے اعتبار سے ظنی ہے۔دل کا حال اللہ کو معلوم ہے اور صحابہ کے ایمان اور دلی اخلاص کی شہادتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صحابہ کے متعلق اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا اور فعلم مافی قلوبھم میں ان کے دلی اخلاص کی شہادت دی کہ اللہ کو ان کے دلوں کا خوب حال معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ صادق اور مخلص خالص ہیں۔جن میں نفاق اور تقیہ کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلی اخلاص کی خبر دی ہے۔جس میں اس بات کو ظاہر کر دیا کہ معاذ اللہ صحابہ کا ایمان تقیہ کے طور پر نہ تھا خوب سمجھ لو۔

صحابہ معیار حق ہیں:

سوال (۱۰۹۹) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیار حق ہیں یا نہیں؟ مودودی جماعت ان کو معیارِ حق تسلیم نہیں کرتی' سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ کرامؓ اگر معیار حق ہیں تو اس کے کیا دلائل ہیں تفصیل سے بیان فرمائیں۔بینوا توجروا۔

از بارہ مولا کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: حامداً و مصلیاً ومسلماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیار حق ہیں۔اس کا معنی ومطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال وافعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں۔ان حضرات نے جو فرمایا۔یا جو دینی کام کیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ حجت اور ذریعہ فلاح ہے اور ان کے معیار حق ہونے کے دلائل بے شمار ہیں۔

قرآن میں ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ

بری جگہ ہے جانے کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ معلوم شد کہ ہر کہ خلاف راہ مومنان اختیار نمود مستحق دوزخ شد و مومنین در وقت نزولِ ایں آیت نبودند مگر صحابہ۔ (تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۰)

یعنی معلوم ہوا کہ جس نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ مستحق دوزخ ہوا اور اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صحابہ ہی تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کا طریقہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہے اور وہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔ لہٰذا جو ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا۔ وہ گمراہ ہو جائے گا۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ ﴾

وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخاطب بایں آیت صحابہ اندو ہر کہ تابع ایشاں شد نیز از ظلمات برآمد........الخ (تحفہ اثناعشریہ)

یعنی اس آیت کے مخاطبین صحابہ ہیں (کہ اللہ نے ان کو ظلمات سے نکالا) اور جو ان کے تابع ہوا وہ بھی اندھیریوں سے نکلا کیونکہ ظاہر ہے کہ جو اندھیری رات میں مشعل لے کر نکلے تو جو اس کے ہمراہ ہوتا ہے وہ بھی تاریکی سے خلاصی پالیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو صحابہ کے طریقہ پر چلے گا راہ یاب ہوگا اور جو سرمو ان کے طریقہ سے ہٹے گا گمراہ ہو جائے گا۔

ایک جگہ صحابہ کے بارے میں قرآن میں فرمایا۔ **واولئك هم المفلحون** اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں۔ **ولا شك ان تابع المفلح مفلح** ظاہر ہے کہ کامیاب کا تابع بھی کامیاب ہی ہے۔ (تحفہ اثناعشریہ ص ۶۰۱) اور ایک جگہ فرمایا **اولئك هم الراشدون** یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ **وتابع الراشد راشد** بھلے کا تابع بھی بھلا ہی ہے۔ (تحفہ اثناعشریہ ص ۶۰۱)

ان مقدس ترین حضرات کے بارے میں قرآن میں کئی جگہ **رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه** (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) آیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مقدمہ استیعاب میں فرماتے ہیں۔ **ومن رضی اللّٰه عنه لم یسخط علیه ابداً انشاء اللّٰه** (از مقام صحابہ ص ۴۴) اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو اگلی پچھلی سب چیزوں کا علم ہے وہ راضی اس شخص سے ہوتے ہیں۔ جو آئندہ زمانہ میں بھی رضائے الٰہی کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کسی کے واسطے رضائے الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور

انجام بھی حالتِ صالحہ پر ہو گا اس سے رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہو گا۔ پھر ایسے مقدس حضرات صحابہ ہمارے لئے کیونکر معیارِ حق نہ ہوں گے۔

قرآن میں ایک اور جگہ ہے۔

﴿ یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم ﴾

دلالت می کند کہ ایشاں را در آخرت ہیچ عذاب نخواہد شد و بعد از فوت پیغمبر نور ایشاں ضبط و زائل نہ خواہد شد والا نور ضبط شدہ و زوال پذیرفتہ روز قیامت چہ قسم بکار ایشاں می آید۔

ترجمہ: یوم لا یخزی........ وہ دن کہ رسوا نہیں کرے گا اللہ نبی کو اور ان کے ساتھی مومنین کو ان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہیں ہو گا اور یہ کہ پیغمبر کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہو گا ورنہ زائل شدہ اور مٹا ہوا نور قیامت کے روز ان کے کیا کام آتا۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۳۰)

حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیار حق بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے تھے میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (فرقہ) ناجی ہو گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے۔ ارشاد ہوا۔ ''ما انا علیہ واصحابی'' یہ وہ ملت ہے۔ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

اس حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ نے ما انا علیہ واصحابی فرمایا صرف ما انا علیہ نہیں فرمایا۔ کیا یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق قرار دینا نہیں ہے؟

نیز ارشاد فرمایا:

((علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ))

اپنے اوپر میرے طریقہ کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم کر لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو ''سنۃ'' کہنا اس کی دلیل ہے کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ کی سنت حجت ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت بھی حجت ہے۔ علامہ تورپشتیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

((واما ذکر سنتھم فی مقابلۃ سنتہ لانہ علم انھم لا یخطون فیما یستخرجونہ ویستنبطونہ من سنتہ بالاجتھاد ولانہ عرف ان بعض سنتہ لا تشتھر الا فی زمانھم فاضاف الیھم لبیان ان من ذھب الی رد تلک السنۃ مخطئ فاطلق القول باتباع سنتھم سداً للباب))

یعنی حضور اکرم ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت فرمایا اور ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا یہ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ جانتے تھے کہ میرے خلفاء میری سنت کو سامنے رکھ کر جو کچھ استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے۔ یا پھر اس لئے ان کے طریقہ کو سنت فرمایا کہ حضور ﷺ کی بعض سنتیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشہور ہونے والی ہیں۔ پہلے ہی سے حضور اکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی اور سد باب کر دیا کہ کوئی اس پر اعتراض نہ کر سکے اور نہ رد کر سکے۔ (الفتوحات الوہبیہ ص ۱۹۸)[1]

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا طریقہ یقیناً ہمارے لئے حجت اور معیار ہے۔ اس کے بالمقابل مودودی نے جو لکھا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے جو انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے۔ (ترجمان القرآن جنوری ۵۸ء بحوالہ مودودی مذہب ص ۶۶)

حضور کی شان میں گستاخی:

س: رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے کے باوجود بھی کیا کوئی مسلمان رہ سکتا ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کی توہین بھی کفر ہے۔ فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک کے لئے تصغیر کا صیغہ استعمال کیا۔ تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔[2]

س: ایک صوفی کے مکان پر ایک واعظ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں توہین کے الفاظ استعمال کئے جس پر اہل مجلس میں سے ایک آدمی نے کہا کہ جو کچھ تو نے فرمایا۔ بہت صحیح اور درست ہے۔ بعد ازیں ان تینوں نے ایک جلسہ عام میں اس سے توبہ کر لی۔ آیا ان کی توبہ قابل یقین ہے؟ یا نہیں اور ان کا نکاح رہا یا نہیں؟

ج: اگر کوئی شخص ایسا کلمہ زبان سے نکالے جو شرعاً توہین کا کلمہ ہے اور حکم ارتداد اس پر ہو سکتا ہو۔ تو ایسی حالت میں نکاح ان کا باقی نہیں رہا اور توبہ و اسلام لانا ان کا قبول ہے۔ بعد توبہ کے تجدید نکاح کرنی چاہیے اور پوری بات جبھی معلوم ہوگی کہ آیا اس میں تاویل ممکن ہے یا نہیں۔[3]

منکرین حدیث اسلام سے خارج ہیں:

س: کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین کہ ایک فرقہ منکرین حدیث (اہل قرآن) احادیث نبویہ کا صراحۃً انکار و تکذیب ارکانِ اسلام میں سے نماز کی تضحیک، یا پھر پنج وقتہ نماز کا انکار اور صرف دو یا تین وقتہ فرض نماز کا قائل ہونا کتب احادیث کا مذاق اڑانا۔ ایسے خیالات والا شخص مسلمان کہلائے گا یا نہیں اور ایسے خیالات والوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جا سکتا

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۷۹ تا ۸۲۔

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۵۲

[3] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱۲ ص ۳۴۸۔

ہے۔ ایسے لوگوں کے جنازے میں شریک ہونا اور ان سے شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: مدعیانِ اہل قرآن جو احادیث کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں اور نماز کی تضحیک کرتے ہیں پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا ان سے شادی بیاہ وغیرہ کسی قسم کے تعلقات رکھنا درست نہیں۔[1]

تعظیماً سجدہ:

س: زید غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیماً وعبادۃً دونوں کو حرام کہنے کے باوجود اول قسم کے سجدہ کو شرک نہیں جانتا۔ لیکن عمر دونوں قسم کے سجدوں کو حرام اور شرک کہتا ہے، کس کا قول صحیح ہے؟

ج: غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیماً وعبادۃ کرنا حرام اور کفر ہے۔ کیونکہ تعظیماً سجدہ کرنا بھی عبادۃً سجدہ کرنا ہے۔ اسی لئے در مختار میں سجدہ تعظیماً وعبادۃً دونوں کو کفر لکھا ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ متفق علیہ کفر ہے۔ البتہ اختلاف اس سجدہ میں ہے جو بطور اسلام اور تحیۃ کے ہو۔ یعنی سلام کی جگہ سجدہ کیا۔

اختلاف صرف سجدہ تحیۃ میں ہے اور سجدہ عبادت اور تعظیم باتفاق کفر ہے۔ پس درحقیقت یہ دو قسم نہیں ہیں۔ کیونکہ سجدہ عبادۃ اور تعظیم کو فقہاء ایک ہی قسم شمار فرماتے ہیں اور اس کو کفر فرماتے ہیں۔

لہٰذا اس میں قول عمر صحیح ہے۔ البتہ سجدہ تحیۃ میں اختلاف ہے کہ وہ کفر ہے یا نہیں اور حرام کبیرہ ہونے میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔[2]

شریعت کے حکم کو نہیں مانتا:

س: فرمان علی اور مہدی خان نے ایک مجلس میں کہا ہم شرع شریف کے حکم کو نہیں مانتے۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

ج: اس میں شک نہیں کہ یہ کلمہ کفر ہے اور ایسا شخص اس لائق نہیں کہ مسلمانوں کی صف میں اس کو جگہ دی جائے۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا جرم ہوسکتا ہے کہ شریعت اسلامی کے متعلق ایسے توہین آمیز الفاظ کہے۔ حقیقت میں ایسی ہی بے باکی دائمی ضلالت اور ابدی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

چونکہ صورت مسئولہ میں کلمہ مذکور مجمل ہے۔ اس لئے ایسا کلمہ کہنے والے کے کفر میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ کسی مسلمان کے قول میں جب تک بھی کوئی قابل قبول تاویل ممکن ہوسکتی ہو تو اس کو کافر بنانے سے ہمیں احتراز ہی کرنا چاہیے کہ ایمان اور کفر کا معاملہ بہت ہی نازک ہے۔[3]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۰۱ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۸۵

[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۴۰۲

حدیثِ نبوی کی توہین:

س: رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیثِ شریف کی توہین کرنا اور کہنا (نعوذ باللہ) میں اس پر پیشاب کرتا ہوں۔ ایسے آدمی کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: حضور انور ﷺ کی حدیث شریف کی توہین کرنا' اسے حقیر سمجھنا اور کتب حدیث وغیرہ کو حقیر سمجھنا کفر ہے۔ ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے۔[۱]

نماز کی توہین:

س: ایک امام نے غصہ ہو کر کہا دو رکعت دُبر میں دو گے یا چار' اس صورت میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: یہ کلمہ جو اس نے کہا کفر کا کلمہ ہے۔ اس کو چاہئے توبہ کرے اور تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے۔[۲]

شریعت کی پرواہ نہیں:

س: ایک مجلس میں چند آدمی ایک متنازع معاملہ کے فیصلہ کے لئے جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے شریعت حقہ کی توہین کی اور علانیہ کہا کہ ہم پنچائت کے فیصلہ کے مقابلہ میں شریعت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور ہم کو ایسی مسلمانی کی ضرورت نہیں جس میں پابندی ہو۔ ہم رسم برادری کو شریعت کے مقابلہ میں مقدم سمجھتے ہیں۔

آیا ایسے اعتقاد رکھنے والے اور ایسے الفاظ کہنے والے مسلمان رہے یا نہ۔ تجدید نکاح وتجدید اسلام ہونی چاہیے یا نہ؟

ج: الفاظ مذکورہ کہنے والے اشخاص کافر ہو گئے ان کو تجدید اسلام وتجدید نکاح وتوبہ واستغفار کرنا لازم ہے اور جب تک توبہ وتجدید اسلام وغیرہ نہ کریں ان کے ساتھ ملنا جلنا درست نہیں ہے۔[۳]

امام قاضی خان لکھتے ہیں۔

جب کوئی شخص جناب نبی کریم ﷺ پر کسی چیز میں عیب لگائے' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کی تصغیر نکال کر چھوٹا سا بال کہے' تو وہ بھی کافر ہوگا۔

اور امام ابو حفص الکبیرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے جناب نبی کریم ﷺ کے بالوں میں سے کسی ایک بال پر بھی عیب رکھا تو بلاشک وہ کافر ہے۔

اور ''اصل'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور انور ﷺ کو سب وشتم کرنا کفر ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کو جنون ہو گیا تھا۔ تو ''نوادر الاصول'' میں لکھا ہے کہ وہ شخص بھی کافر ہو جائے گا۔[۴]

---

۱ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۴۲۹ ۲ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۸۳

۳ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۸۳

۴ فتاویٰ قاضیخان ج ۴ ص ۸۸۲ نولکشور بحوالہ ازالۃ الریب ص

قرآن کی تحقیر:

س: دو آدمیوں کے درمیان لین دین میں جھگڑا ہوا' ایک نے دوسرے سے کہا تم قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھالو تو میں منظور کرلوں گا۔ اس نے کہا کہ قرآن شریف پر نعوذ باللہ کتے پیشاب کریں' ایسے نازیبا الفاظ کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: زید بوجہ تکلم اس کلمہ قبیحہ کے کافر و مرتد ہوا اور اس کی زوجہ نکاح سے خارج ہو گئی۔ تجدید نکاح و تجدید اسلام و توبہ و استغفار اس پر واجب ہے۔[۱]

س: امیر خان کی اپنے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ کسی چھوٹی سی بات پر لڑائی ہو گئی تھی۔ امیر خان اور اس کے بیٹوں نے چھوٹے بھائی اور اس کے گھر والوں کو مارا پیٹا اور زخمی کیا۔ آخر پولیس تک نوبت پہنچی۔ کچھ عرصہ بعد امیر خان کے چھوٹے بھائی نے جرگے کے ساتھ قرآن لے کر بڑے بھائی سے معافی مانگی کہ بڑے بھائی ہیں۔ جو غلطیاں آپ کی ہیں۔ وہ بھی میں اپنے سر لیتا ہوں۔ آپ خدا کے لئے اور قرآن پاک کے صدقے مجھے معاف فرمائیں۔ لیکن امیر خان نے پورے جرگے کے سامنے قرآن مجید کے لئے یہ توہین آمیز الفاظ استعمال کئے (قرآن مجید کیا ہے یہ تو صرف ایک چھاپہ خانے کی کتاب ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں' آپ مجھے ۷۰۰۰ ہزار دیں یا میرے ساتھ کیس لڑیں)

الف: کیا یہ بندہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ جو کلام پاک کی توہین کرے؟

ب: کیا ایسا بندہ مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' برتاؤ کرنا کیسا ہے؟

ج: قرآن مجید کی توہین کفر ہے۔ یہ شخص اپنے الفاظ کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے اور اس کا نکاح باطل ہو گیا ہے۔ اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔ مرتد کا جنازہ جائز نہیں نہ اس سے میل جول ہی جائز ہے۔[۲]

س: ایک شخص کی بیوی تلاوت قرآن شریف کی کر رہی تھی۔ اس نے زوجہ پر خفا ہو کر قرآن شریف کی بے ادبی ہاتھ اور زبان سے کی۔ وہ شخص مسلمان رہا یا نہیں۔ اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

ج: قرآن شریف کی توہین اور استخفاف کرنا کفر و ارتداد ہے اور کفر و ارتداد احد الزوجین (یعنی میاں بیوی میں سے جو بھی مرتکب ہو) موجب فسخ نکاح ہے۔[۳]

صحابۂ رسول کی بے ادبی:

س: ایک صوفی صاحب اپنی تقریر میں حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور حضرت ابوسفیان کو جو حضورؐ کے وقت میں موجود تھے۔ مردود و ملعون اور دوزخی بتلاتے ہیں اور سمجھانے پر اصرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو تمام عمر رسول اللہ ﷺ سے جنگ

---

[۱] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۴۳۔ [۲] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۴۸

[۳] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۳۶۳

وجدال کرتے رہے، اور ہمیشہ سخت دشمن رہے۔ حتیٰ کہ اسی حال میں مر گئے، ایمان اور اسلام نصیب نہیں ہوا۔

ج: ابو سفیان اور عکرمہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور عکرمہ نے اسلام کے بعد بہت سے غزوات اور جہاد کئے اور شہید ہوئے ہیں۔ جو شخص حضرات صحابہ کی بے ادبی کرے وہ فاسق ہے۔[1]

صحابہؓ کا مذاق اڑانا:

س: جو شخص صحابہ کا مذاق اڑائے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے نام مبارک کے معنی بلی چلی کے کرے، نیز یہ بھی کہے کہ میں ان کی حدیث نہیں مانتا۔ کیا وہ مسلمان ہے؟

ج: جو شخص کسی صحابی کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ بدترین فاسق ہے۔ اس کو اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ ورنہ اس کے حق میں سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے اور جو شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو .... معدودے چند کے سوا........ گمراہ سمجھتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتا ہے، وہ کافر اور زندیق ہے اور یہ کہتا کہ میں صحابی کی حدیث کو نہیں مانتا۔ نعوذ باللہ۔ اس صحابیؓ پر فسق کی تہمت لگانا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ دین کا ایک بڑا حصہ ان کی روایات سے منقول ہے۔ ان کا مذاق اڑانا اور ان کی روایات کو قبول کرنے سے انکار کرنا نفاق کا شعبہ اور دین سے انحراف کی علامت ہے۔[2]

صحابہؓ کی تکفیر:

س: زید کہتا ہے کہ صحابہؓ کو کافر کہنے والا شخص ملعون ہے۔ اہل سنت والجماعت سے خارج نہ ہوگا۔ عمر کہتا ہے کہ صحابہ کو کافر کہنے والا شخص کافر ہے۔ کس کا قول صحیح ہے؟

ج: صحابہؓ کو کافر کہنے والا کافر اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔[3]

سیدنا معاویہؓ کی شان میں گستاخی:

س: بعض لوگ محرم میں اپنی بیویوں کو شیعوں کی مجالس میں بھیجتے ہیں تاکہ ذکر حسین میں شرکت ہو سکے۔ تو کیا وہ شرعاً مجرم ہیں اور کتنے مجرم ہیں؟

ج: ایسی مجالس میں شرکت کرنا اور بیوی کو بھیجنا جائز نہیں۔ اول تو یہ مجالس خود جائز نہیں ہیں۔ مزید برآں یہ کہ ان مجالس میں کئی محرمات شرعیہ (حرام کاموں) کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان مجالس کی صحیح حقیقت کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے۔

یہ نمائش، یہ تماشے، یہ تنوع کاریاں ‏ ‏ یہ شعار ناروا یہ ساز یہ تیاریاں
لباس نو میں اپنی شان و شوکت کی نمود ‏ ‏ نئے پردوں میں اوہام قدامت کی نمود

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۲ ص ۱۵۸

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۴۹ ‏ ‏ [3] ایضاً۔

یہ ڈھول و باجوں کا ہنگامہ حشر آفرین تال و سر کے ساتھ نوحوں کی صدائے نازنین
یہ زیارت کے بہانے یہ نظارہ بازیاں قومیت سازی کے پردے میں زمانہ سازیاں

مدعاء اس سے کچھ بجز عرض ریا کاری نہیں
اور کیا ہے یہ جو توہین عزاداری نہیں[1]

❀ ❀ ❀

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۳۶

اہل سنت والجماعت کی تعریف

س: اہل سنت والجماعت کی تعریف کیا ہے؟

ج: اہل سنت والجماعت میں تین لفظ ہیں۔ پہلا لفظ ''اہل'' ہے جس کے معنی اشخاص، افراد اور گروہ کے ہیں۔ دوسرا لفظ ''سنت'' ہے۔ جس کے معنی طریقہ کے ہیں۔ تیسرا لفظ ''جماعت ہے۔ جس سے صحابہ کرام کی جماعت مراد ہے۔

لہٰذا اہل سنت والجماعت اس گروہ کا نام ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کی سنت اور جماعت صحابہؓ کے طریقے پر ہو۔[1]

''اہل سنت والجماعت وہ مسلمان ہیں۔ جو عقائد و احکام میں حضرات صحابہ کرام کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ یہ تو اس لقب کے معنی ہوئے اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری امام ابومنصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ (فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد)[2]

علامہ زین الدین ابن نجیم رحمہ اللہ المتوفی ـــــہ نقل فرماتے ہیں۔

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص میری سنت اور صحابہ کی جماعت کے طریقے پر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے درجات بلند کرے گا۔ اس کے ہر قدم پر دس نیکیاں عطا کرے گا اور اس کے درجات بلند کرے گا۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آدمی کو کیسے معلوم ہو گا کہ وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ اپنے اندر دس چیزیں پائے گا۔ تو وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہو گا۔

(۱) پنج وقتہ نماز با جماعت ادا کرے گا۔ (۲) کسی صحابی کی برائی یا تنقیص شان نہ کرے۔ (۳) مسلمان بادشاہ کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے۔ (۴) اپنے ایمان میں شک نہ کرے۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہو۔ (۶) اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑا نہ کرے۔ (۷) کسی مسلمان کلمہ گو کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہے۔ (۸) اہل قبلہ کی نماز جنازہ کو نہ چھوڑے (۹) سفر و حضر میں موزوں پر مسح کو جائز سمجھے۔ (۱۰) ہر نیک و فاجر امام کے پیچھے نماز پڑھے۔[3]

---

[1] عقائد اسلام ص ۱۷۵

[2] امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۷۷

[3] البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۲

اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ

س: اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ مدلل اور مفصل بیان فرمائیں؟

ج: بیشک اللہ تعالیٰ کے دین کا نام اسلام ہے اور اسلام پر ایمان لانے والوں کا نام بھی خود اللہ تعالیٰ نے مسلم (مسلمان) رکھا ہے۔ لیکن جب اسلام کے نام پر ہی اعدائے اسلام نے غیر اسلامی باطل عقائد ونظریات اختیار کئے اور ان کی اشاعت و تبلیغ میں سرگرمیاں اختیار کیں، تو سلف صالحین نے دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز کے لئے اہل حق کا نام ''اہل سنت والجماعت'' مشہور کیا اور آج تک حق پرست مسلمانوں کا یہی امتیازی نام ولقب چلا آتا ہے اور ''اہل سنت والجماعت'' سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری کامل ومکمل دین اسلام کو سنت رسول اور جماعت رسول یعنی صحابہ کرام کے واسطہ سے تسلیم کرتے ہیں۔

سنت کا لغوی معنیٰ:

عربی لغت میں لفظ ''سنۃ'' کے متعدد معانی ہیں۔ مثلاً (۱) صورت، سیرت، طبیعت اور طریقہ۔[۱]

(۲) المنجد میں ہے۔ **السنة، السيرة، الطريقة، الطبيعة، الشريعة الوجه او صورته۔**

(۳) ''منتہی الارب'' میں ہے۔ سنۃ بالضم روئے یا رخسارہ یا دائرۂ روئے یا صورۃ و پیشانی، وخوئے وطبیعت وروش۔

(۴) غیاث اللغات میں سنت کا معنیٰ لکھا ہے۔ راہ، روش، عادت۔

(۵) بیان اللسان میں ہے۔ سنت عادت، طبیعت، روش، طریقہ، چہرہ، صورۃ، پیشانی۔ اور سنت کی جمع سنن آتی ہے اور قرآن مجید میں لفظ سنت اور سنن دونوں مذکور ہیں۔[۲]

سنت کا شرعی معنیٰ:

حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

''گو لغوی معنیٰ کے اعتبار سے لفظ سنت کا اطلاق ہر قسم کے طریقہ، راستہ اور نمونہ وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ لیکن شرعی امور میں سنت سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ یعنی دین کا وہ طریقہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے اور سنت میں وہ تمام احکام واعمال آجاتے ہیں۔ جن کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے یا جن سے منع فرمایا ہے۔ یا جن کی طرف لوگوں کو ترغیب دی ہے۔

---

[۱] قاموس۔ [۲] بشارت الدارین ص ۴۸۴۔

چنانچہ امام راغب اصفہانی مرحوم ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں۔

((وسنة النبی طریقة التی یتحراها))

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے مراد آپ کا وہ طریقہ ہے جو آپ نے قصد و ارادہ سے اختیار فرمایا ہے اور بغیر اضافت یا صفت وغیرہ کے جب لفظ ''سنۃ'' مطلقاً بولا جاتا ہے۔ تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت ہوتی ہے۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

((والاصل فیه الطریقة والسیرة واذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بها ما امربه النبی صلی الله علیه وسلم ونهی عنه وندب الیه قولاً و فعلاً ممالم ینطق به الکتاب العزیز))

ترجمہ: اور لغت میں سنۃ کا اصلی معنی طریقہ اور سیرت ہے۔ لیکن جب شریعت میں مطلقاً سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قولاً و فعلاً وہ احکام ہوتے ہیں۔ جو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا حکم دیا ہے یا ان سے منع فرمایا ہے یا ان کی طرف دعوت دی ہے۔

اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

((والمراد بالسنة هنا اقواله وافعاله واحواله المعبر عنها بالشریعة والطریقة والحقیقة))[۱]

ترجمہ: اور سنت سے یہاں مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال ہیں، جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرعاً سنت کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے۔ جو دین و شریعت کے تمام مدارج کو محیط ہے۔[۲]

الجماعۃ کی شرعی حیثیت:

حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

''اہل السنّت والجماعت کی مذہبی اصطلاح میں جس طرح السنۃ سے مراد سنت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح الجماعۃ سے مراد بھی جماعت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح رسول کریم ''رحمۃ للعالمین'' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت' کتاب اللہ کے علوم و احکام کے حصول کا واحد واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اسی طرح جماعتِ رسول بھی مابعد کی امت تک سنت کو علمی و عملی ہر حیثیت سے صحیح طور پر پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے۔

اگر جماعتِ رسول کو شریعت اور سنت کے حصول کے لئے شرعی واسطہ نہ تسلیم کیا جائے تو پھر دین کامل اور شریعت

---

۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

۲ بشارت الدارین ص ۴۸۹

مقدسہ کے مکمل طور پر حاصل کرنے کا عالم اسباب میں اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کے الفاظ لینے والے بھی وہی لوگ ہیں اوران کے معانی اوران کی عملی صورتیں اخذ کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور ایمان لائے اور جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت نصیب ہوئی۔ جو سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہے' جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی نصرت میں وطن چھوڑے' بڑے بڑے کبرائے قوم سے ٹکر لی۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم نبویؐ تلے قربانیاں دیتے رہے۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے اور شرعی وحی کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ نے ہی قیامت تک اپنی اصلی اور جامع علمی وعملی صورت میں باقی رہنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں ہی آپ کے شاگردوں اور جانثاروں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جن کے ہونے سے نہ کسی اور نبی کی حاجت رہے اور نہ کسی نئی وحی اور شریعت کی۔

یہی جماعت محمدی امام الانبیاء والمرسلین کی مقدس امانت ووراثت کی من کل الوجوہ امین وضامن بن جائے اور ایسی جماعت صحابہ کی شرعی اور دینی عظمت اور مابعد کی امت کے لئے ان کی مقتدائیت اور پیشوائیت کا تذکرہ قرآن حکیم میں جا بجا ملتا ہے۔[1]

اہل سنت والجماعت کا مصداق کون؟

س: اہل سنت والجماعت کا مصداق کونسا فرقہ اور لوگ ہیں؟

ج: اہل سنت والجماعت وفرقہ ناجیہ اور فرقہ اہل حق وہ ہے۔ جو پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب خصوصاً خلفاء راشدین کے طریقے اور سنت کا مطیع ومتبع ہو جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

((وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار' الاملة واحدة' قالوا وما هی یا رسول اللّٰه قال ما انا علیه واصحابی))[2]

ترجمہ: میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور بجز ایک فرقے کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ! وہ ایک فرقہ کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

مطلب یہ کہ کتاب وسنت کی اتباع کرنے والا فرقہ نجات پانے والا اور اہل سنت والجماعت ہے۔

''کلهم فی النار'' کے معنی یہ ہیں کہ بداعتقادی کی بنا پر جہنم میں جائیں گے۔ پھر جن کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا نہ ہو

---

[1] بشارت الدارین ص ۵۰۰ [2] ترمذی ج ۲ ص ۸۹۔ ابواب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ

وہ اپنی سزا بھگت کر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔[۱]

اور توضیح وتلویح میں ہے۔

((السواد الاعظم عامة المسلمين ممن هو امة مطلقة والمراد بالامة المطلقة اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقهم طريق الرسول ﷺ واصحابه دون اهل البدع))[۲]

ترجمہ: سواد اعظم سے اہل سنت والجماعت مراد ہیں۔ جن کا طریقہ وہ ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ تھا۔ اہل بدعت ان میں سے خارج ہیں۔

اور شیخ احمد رومیؒ فرماتے ہیں۔

((لان المراد بالامة المطلقة اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقهم طريق النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه دون اهل البدع والضلال' كما قال النبى صلى الله عليه وسلم امتى من استن بسنتى))[۳]

ترجمہ: امت مطلقہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہ ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ تھا' اہل بدعت وضلال مراد نہیں۔

جیسا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت وہ ہے جس نے میرا طریقہ اختیار کیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

((وشک نیست کہ فرقہ ملتزم اتباع اصحاب آں سرور اند علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اہلسنت و جماعت اند' شکر اللہ سعیہم))[۴]

ترجمہ: اور اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ فرقہ جس نے آپؐ کے اصحاب کی اتباع ضروری ٹھہرائی وہی اہل سنت والجماعت ہے۔ خدا پاک ان کی مساعی کو مشکور فرمائے۔

اور حضرت غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔

((فعل المومن اتباع السنة والجماعة' فالسنة ما سنه رسول الله ﷺ والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله ﷺ فى خلافة الائمة الاربعة الخلفاء الراشدين المهديين رحمة الله عليهم اجمعين))[۵]

---

۱ مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۷۰ مکتوب ۴۸
۲ توضیح وتلویح ص ۳۵۰
۳ مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۳۱
۴ مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۲ مکتوب ۸۰
۵ غنیۃ الطالبین ص ۱۴۲

ترجمہ: مومن بندہ پر لازم ہے کہ اہل سنت و الجماعت کی اتباع کرے۔ سنت وہ طریقہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے اور جماعت یہ ہے کہ جس پر خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے زمانہ خلافت میں اتفاق کیا اور یہ اصحاب سیدھی راہ بتلانے والے تھے اور ان کو بھی سیدھی راہ بتلائی گئی۔ ان سب پر خدا کی رحمت ہو۔

اور جن کا عمل خلافِ سنت ہے اور سنت کے خلاف اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کے پابند ہیں اور ان کو اسلامی اعمال اور نیکی کے کام اور دین کے کام سمجھ کر کر رہے ہیں۔ جیسے تعزیہ داری۔ دھوم دھام سے عرس وصندل اور قبروں کے سامنے سجدے اور مزاروں کے طواف اور غیر اللہ کی نذر و نیاز وغیرہ بدعت کرنے والے اور ان کو ترقی دینے والے ہیں۔

ان پر اہل سنت والجماعت کی تعریف چسپاں نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا ''اہل بدعت نے اہل سنت کا جو لقب ظاہر کیا ہے۔ یہ ان کے نام کے ساتھ موزوں نہیں' جیسا کہ کفار نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ساحر' شاعر' دیوانہ' آسیب زدہ' اور کاہن رکھا تھا (معاذ اللہ) یہ سب نام حضورؐ کی صفات کے ساتھ بالکل چسپاں نہ تھے۔ آپؐ پر کسی طرح صادق نہ آتے تھے۔ اسی طرح اہل بدعت پر اہل سنت کا لقب صادق نہیں آتا۔

اہل بدعت کی نشانی حضرت غوث اعظمؒ نے یہ بیان کی ہے کہ حدیث وسنت کے طریقہ پر چلنے والوں کی برائی اور غیبت کرتے ہیں۔

((**فعلامة اهل البدع الوقيعة فى اهل العصر**))[1]

اور شیخ احمد رومیؒ فرماتے ہیں۔

اہل بدعت لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ امت مطلقہ میں داخل نہیں۔[2]

تکملہ بحر الرائق[3] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے حدیث کا خلاصہ منقول ہے کہ جس میں دس علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ وہ دس علامتیں یہ ہیں۔

(۱) پنجگانہ نماز با جماعت پڑھتا ہو۔ (۲) صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے' نہ کسی میں عیب نکالے۔ (۳) مسلمان بادشاہ کے خلاف تلوار نہ اٹھائے۔ (۴) اپنے ایمان میں شک نہ کرے۔ (۵) خدا کے دین میں کج بحثی نہ کرے۔ (۶) اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہو کہ جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے۔ (۷) کسی گناہ کی وجہ سے اہل توحید میں سے کسی کی تکفیر نہ کرے۔ (۸) اہل قبلہ میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ نہ چھوڑتا ہو۔ (۹) سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل ہو۔ (۱۰) ہر نیک وگنہگار کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتا ہو۔[4]

---

[1] غنیۃ الطالبین ص۱۴۳۔ [2] مجالس الابرار ص۱۲۱

[3] تکملہ بحر الرائق ج۸ ص۱۸۲ [4] فتاویٰ رحیمیہ ج۱ ص ۶۷ تا ۷۰

بدعات و رسومات

بدعت کی تعریف:

س: کیا ہر نئی چیز بدعت ہے؟ بدعت کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "کل بدعة ضلالة" (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے "بدعۃ" کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن وحدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن وحدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء وفقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو "بدعت" اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر وثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل و وصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تاکہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کرسکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن وحدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ بات بداھۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء و شارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ "بدعت سیئہ" ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے "کل بدعة ضلالة" مطلب یہ ہے کہ ہر "بدعت سیئہ" گمراہی ہے...... اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب وسنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ "بدعت حسنہ" ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح و جائز...... پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل و وصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں۔ اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی کے قبیل سے ہے ناجائز

نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

لیکن علمائے محققین بدعت کی مذکورہ بالا تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف ان کی تقسیم کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں' ان کا کہنا ہے کہ ایمان وکفر اور صلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ کی طرح ''بدعۃ'' ایک خاص دینی اصطلاح ہے اور اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور اگر وہ کوئی عمل ہے تو اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھا جائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو' نہ کتاب وسنت کی نص' نہ قیاس اور اجتہاد واستحسان جو شریعت میں معتبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تشریح کی بناء پر ان نئی ایجادات کا استعمال اور وہ نئی باتیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں اور جن کو امر دینی نہیں سمجھا جاتا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتیں' جیسے کہ ریل' موٹر' ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر اور اس طرح کی دوسری جدید چیزوں کا استعمال....... اسی طرح جس زمانے میں دینی مقاصد کی تحصیل وتکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے جن جدید وسائل کا استعمال کرنا ضروری ہو' وہ بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گے' جیسے قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا تا کہ عوام بھی صحیح تلاوت کر سکیں اور کتب حدیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا' اور فقہ کی تدوین اور مختلف زبانوں میں حسب ضرورت دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف واشاعت کا اہتمام اور دینی مدارس اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ' یہ سب چیزیں بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گی۔ کیونکہ اگرچہ یہ عہد نبوی میں نہیں تھیں۔ لیکن جب اہم دینی مقاصد کی تحصیل وتکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے یہ ضروری اور ناگزیر ہوگئیں۔ تو یہ شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہوگئیں۔ جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے۔ لیکن جب اس کے لئے پانی کا تلاش کرنا یا کنویں سے نکالنا ضروری ہو تو وہ بھی شرعاً واجب ہوگا' دین وشریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی فرض وواجب کے ادا کرنے کے لئے جو کچھ کرنا ضروری اور ناگزیر ہو' وہ بھی واجب ہے' لہٰذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ یہ سب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔

بدعت کی یہی تشریح وتعریف صحیح ہے اور اس بناء پر ہر بدعت ضلالت ہے جیسا کہ زیر تشریح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ''کل بدعۃ ضلالۃ'' (ہر بدعت گمراہی ہے)

اس موضوع پر نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم ومحقق' امام ابو اسحاق ابراہیم شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور بدعت کی پہلی والی تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرح اس کی تقسیم کے نظریہ کو بڑے محکم دلائل سے رد کیا ہے' اس ضخیم کتاب کا یہی موضوع ہے....... ہمارے اس ملک کے عظیم ترین عارف ومصلح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بہت سے مکتوبات میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ جن علماء نے بدعت کو دو خانوں (حسنہ اور سیئہ) میں تقسیم کیا ہے' ان سے بڑی علمی غلطی ہوئی ہے' بدعت حسنہ کوئی چیز

نہیں ہے' بدعت ہمیشہ سیۂ اور ضلالت ہی ہوتی ہے' اگر کسی کو کسی بدعت میں نورانیت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے احساس و ادراک کی غلطی ہے' بدعت میں صرف ظلمت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع پر شرح و بسط سے کلام کیا ہے اور وہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے۔

(۱۴) ((**عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد**)) (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:

بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ان محدثات اور نو ایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیل سے ہو یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے' جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان امر دینی یعنی رضائے الٰہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو' نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو' نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو..... حدیث کے لفظ "**فی امرنا هذا**" اور "**ما لیس منه**" کا مفاد اور مطلب یہی ہے' پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو دینی اور وسیلۂ رضائے الٰہی و ثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا' ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ جیسے نئی نئی قسم کے کھانے' نئے طرز کے لباس' جدید طرز کے مکانات اور سفر کے نئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا' اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو و لعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا' ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں' ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق' قابل رد اور بدعت ہیں' موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں' جیسے تیجہ' دسواں' بیسواں' چالیسواں' برسی' ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ' بڑے پیر صاحب کی گیارہویں' بارہویں' بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے۔ اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث "**من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد**" کا مصداق اور مردود بدعات و محدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار و فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور

حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت وبخشش سے قطعی محروم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔"ان اللّٰہلا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشآء"

(۱۵) ((عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَلَوْ كَانَ عَبْداً حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافاً كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) (رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجة الاانهما لم یذکرا الصلوة)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہماری طرف رخ فرمالیا اور ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو' اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے اوپر لازم کر لینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی و پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا' اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (مسند احمد' سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح:

ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں' اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات کا ہے' آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ ﷺ نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابہ کرام نے اندازہ کیا کہ شاید آپ ﷺ پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے' اس بناء پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت

فرمایئے!......آپ ﷺ نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقویٰ کی یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی' اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگرچہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو...... دین میں تقویٰ کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار وافتراق پیدا ہوگا اور انارکی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر وخلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ ورسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔(لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی حالت میں جب کہ کسی کو آپ ﷺ کی امت میں اختلاف وافتراق کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا فرما دیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے' یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب و رفقاء جو آپ کے بعد ۲۵-۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا......اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہو چلی ہے' امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں.....اللہ تعالیٰ حق وہدایت اور آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی کی پابندی:

(۱۶) ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ........)) (رواه فی شرح السنة وقال النووی فی اربعينه هذا حديث صحيح رويناه فی كتاب الحجة باسناد صحيح مشكوة المصابيح)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (حقیقی) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت وتعلیم کے تابع نہ ہو جائیں۔(اس حدیث کو امام محی السنۃ بغویؒ نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے اور امام نوویؒ نے اپنی کتاب ''اربعین'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے۔ ہم نے اس کو کتاب الحجۃ میں صحیح اسناد کے ساتھ

روایت کیا ہے)

تشریح:

حدیث کا پیغام اور مدعیٰ یہ ہے کہ حقیقی مومن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات و رجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت وتعلیم (کتاب وسنت) کے تابع ہو جائیں' یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے۔ اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے' وہ اس کی فکر اور اپنے کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔

((عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ)) (رواه فی المؤطا)

ترجمہ: حضرت امام مالک بن انس سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو چیزیں تمہارے میں چھوڑی ہیں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں) کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح:

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ میرے بعد میری لائی ہوئی کتاب اللہ اور میری سنت میری قائم مقام ہوں گی' امت جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہیوں سے محفوظ اور راہِ ہدایت پر مستقیم رہے گی۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار ذکر کی جا چکی ہے کہ کبھی کبھی کوئی تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس واسطہ کا ذکر نہیں کرتے جن سے ان کو وہ حدیث پہنچی ہے' اس طرح روایت کرنے کو محدثین کی اصطلاح میں ''ارسال'' کہا جاتا ہے اور ایسی حدیث کو ''مرسل''........ یہ حدیث امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں اسی طرح روایت کی ہے' وہ خود تبع تابعین میں سے ہیں' انہوں نے کسی صحابی کو بھی نہیں پایا ہاں تابعین کو پایا ہے اور انہی کے ذریعہ ان کی حدیثیں پہنچی ہیں........ یہ حدیث انہوں نے درمیانی راویوں کا ذکر کئے بغیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے' ایسا وہ جب ہی کرتے ہیں' جب ان کے نزدیک حدیث روایت کے لحاظ سے صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے......لیکن حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں یہی مضمون قریب قریب انہیں الفاظ میں پوری سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے......کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے سنن بیہقی کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے:

((يَااَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ))[1]

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۸۷

ترجمہ: اے لوگو! میں وہ (سامان ہدایت) چھوڑ کر جاؤں گا۔ جس سے اگر تم وابستہ رہے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے' اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

نیز اسی کنز العمال میں اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔[1]

کتاب اللہ کی طرح ''سنت'' بھی واجب الاتباع ہے:

رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ کسی زمانے میں کچھ کھاتے پیتے پیٹ بھرے بےفکرے فتنہ پرداز لوگ امت میں یہ گمراہی پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ دینی حجت اور واجب الاتباع صرف ''کتاب اللہ'' ہے' اس کے علاوہ کوئی چیز' خود رسول اللہ ﷺ کی بھی کوئی تعلیم و ہدایت واجب الاتباع نہیں........آپ نے اس فتنہ کے بارے میں امت کو واضح آگاہی اور ہدایات دیں۔

((عن المقدام بن معديكرب قال قال رسول الله ﷺ الا انى اوتيت القرآن ومثله معه الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله))

(رواہ ابوداؤد والدارمی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی........آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو' اس میں جس چیز کو حلال بنایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے' جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے' اس کے سوا کچھ نہیں)......(آگے رسول اللہ ﷺ نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے' وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد' مسند دارمی' سنن ابن ماجہ)

تشریح:

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو وحی آتی تھی۔ اس کی دو صورتیں تھیں۔

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۷۳

ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں اس کو ''وحی متلو'' کہا جاتا ہے (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے......دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القا اور الہام ہوتا تھا' آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے' اس کو ''وحی غیر متلو'' کہا جاتا ہے (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ ﷺ کی عام دینی ہدایات وارشادات کی حیثیت یہی ہے' الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے' اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ چیز منکشف فرما دی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے' وہ دینی حکم ہی نہیں ہے........رسول اللہ ﷺ نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں......قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی تعلیم اور احکام ہیں' ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہو سکتا' رسول اللہ ﷺ کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں' مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے' لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں' اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے' لیکن یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے' یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے......الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے......اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے........یہ حدیث اس حیثیت سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے۔ جس کا آپ ﷺ کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

((عن ابی رافع قال قال رسول اللہ ﷺ لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ))

(رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم

میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنے شاندار تخت پر تکیہ لگائے (متکبرانہ انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے' جس میں' میں نے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے' ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا۔

(مسند احمد' سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' دلائل النبوۃ بیہقی)

تشریح:

اس حدیث کا مدعا اور پیغام بھی وہی ہے جو حضرت مقدام بن معدیکرب کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے اور دونوں حدیثوں کے الفاظ انداز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس گمراہی (انکار حدیث) کے اصل علمبردار ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس دنیا کے ساز و سامان کی فراوانی ہوگی اور ان کے طور طریقے متکبرانہ ہوں گے جو اس بات کی علامت ہوگی کہ عیش دنیا نے ان کو خدا سے غافل اور آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے...... اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے۔

امت کیلئے رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہی اسوۂ حسنہ ہے:

((عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ)) (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرام میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول کیا ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے' لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں' ہاں ہم گنہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا' دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلا ناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا' تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا' نکاح شادی

کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:

جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے' اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حال ہوگا...... لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا' لیکن از راہ عقیدت و ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں...... ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی...... آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے' اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں' دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں' میری بیویاں ہیں' ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں...... زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں' اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا' فرشتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے۔ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے۔ ان کے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمدورفت...... لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام

کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں...... یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے اور اسی میں کمال ہے' اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے......حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت دینی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطۂ نظر غلط اور طریقہ محمدی کے خلاف ہے' جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے تھے۔ غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا اور یہ کار نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا.....اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

تو آپ فرماتے ''افلا اکون عبداشکورا''........اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے' جس کو ''صوم وصال'' کہا جاتا ہے......الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔[1]

بدعت کی توضیح:

علامہ محمد یوسف لدھیانوی شہید کے ارشادات میں بدعت کی توضیح۔

ان تین زمانوں کے بعد جو چیزیں وجود میں آئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کو خود مقصود سمجھا جاتا ہے۔ دوسری وہ جو خود مقصود بالذات نہیں' بلکہ کسی مامور شرعی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر ان کو کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں دین کا علم سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے بے شمار فضائل آئے ہیں اور اس کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب حصول علم کے وہ ذرائع جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئے ان کو اختیار کرنا بدعت نہیں کہلائے گا۔ (بشرطیکہ وہ بذات خود جائز ہوں) کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ مامور شرعی کا ذریعہ محض ہیں۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں جہاد کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ تو جن ذرائع سے جہاد کیا جاتا ہے اور جو ہتھیار جہاد میں استعمال کئے جاتے ہیں ان کو اختیار کرنا محض اس لئے ''بدعت'' نہیں کہلائے گا کہ آنحضرت ﷺ وصحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں یہ آلات و ذرائع نہیں تھے کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں نہ ان کو بذات خود دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

---

[1] معارف الحدیث ج ۷ ص ۴۴ تا ۵۳

اسی طرح سفر حج بہت بڑی عبادت ہے۔ مگر سفر کے جدید ذرائع اختیار کرنا بدعت نہیں۔ کیونکہ ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں بیٹھنے کو بذات خود عبادت نہیں سمجھا جاتا' بلکہ حصول عبادت کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

الغرض جو چیزیں مامورات شرعیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا استعمال جائز ہے' لیکن کسی چیز کو بذات خود دین کے کام کی حیثیت سے ایجاد کرنا بدعت ہے۔

چہارم: قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں بہت سے مسائل شریعت کے اصول وقواعد ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اہل استنباط کو ان اصول وقواعد کی روشنی میں ان نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو بعد میں رونما ہونے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل میں ائمہ ہدیٰ نے جو مسائل قرآن وسنت سے نکالے ان کو بھی بدعت نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ سب قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ہی ثابت کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم' سنت نبوی' تعامل صحابہ وتابعین کے بعد ائمہ اجتہاد کے اجتہادی مسائل کو بھی دین کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے اور ''اجتہاد'' بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک غیر مستقل شرعی دلیل ہے۔

پنجم: جو بات نہ قرآن کریم سے ثابت ہو' نہ حدیث نبویؐ سے نہ تعامل صحابہ وتابعین سے اور نہ فقہائے امت کے اجتہاد وقیاس سے وہ دین سے خارج ہے۔ اس کو نہ کسی بزرگ کے کشف والہام سے ''دین'' بنایا جا سکتا ہے اور نہ کسی پڑھے لکھے کی قیاس آرائی سے..... کیونکہ شریعت کے دلائل یہی چار ہیں جو میں نے اوپر ذکر کئے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو شرعی دلیل کی حیثیت سے پیش کرنا بذات خود ''بدعت'' ہے۔ چہ جائیکہ اس سے دین کی کسی چیز کو ثابت کیا جائے۔

(۶) ''بدعت'' کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی' دوسری عملی........ اعتقادی بدعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد ونظریات رکھے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ وتابعین کے خلاف ہوں۔ ''ظلمات بعضها فوق بعض'' کے مطابق۔ آگے ان کی بہت سی قسمیں بن جاتی ہیں' بعض صریح کفر ہیں۔ جیسے قادیانیوں کا یہ عقیدہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ...... نعوذ باللہ .... نبوت کا دروازہ کھلا ہے یا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ وغیرہ اور بعض اعتقادی بدعتیں کفر تو نہیں' مگر ان کو ضلالت وگمراہی کہا جائے گا۔

عملی بدعت یہ کہ کسی عقیدے میں تو تبدیلی نہ ہو۔ مگر بعض اعمال ایسے اختیار کئے جائیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ نے ''بدعت'' کی جتنی مذمت فرمائی ہے شائد کفر وشرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی برائی نہیں بیان فرمائی....... اس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں میں مضمون کے شروع میں نقل کر چکا ہوں اور اگر مزید نقل کروں گا تو یہ مضمون زیادہ طویل ہو جائے گا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کو آنحضرت ﷺ نے مردود ملعون اور ضلالت وگمراہی فرمایا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرے یا اس میں مبتلا ہو وہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں کس قدر ذلیل

آدمی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرض ونفل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ''الجماعت'' سے ایک بالشت بھی دور ہٹا اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا...... (مشکوۃ شریف ص ۳۱)

ان ارشادات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بظاہر معمولی سی بدعت سے بھی کس قدر نفرت تھی۔

رہا یہ کہ ''بدعت'' اس قدر مبغوض چیز کیوں ہے؟ اکابر امت نے اس پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

اول: یہ کہ دین اسلام کی تکمیل آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ہو چکی اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہ کا قرب و رضا حاصل ہو سکتی تھی ان کو آنحضرت ﷺ نے بیان فرما دیا۔ اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ کا دین نعوذ باللہ ناقص ہے اور قرب و رضائے خداوندی کا جو راستہ اس احمق کو معلوم ہوا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) معلوم نہیں ہوا۔ یا وہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس مبتدع کو ہوا وہ نہ تو آنحضرت ﷺ کو ہوا اور نہ صحابہؓ وتابعینؒ کو...... نعوذ باللہ۔

الغرض جو کام آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ وتابعینؒ نے نہیں کیا آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صالحین پر بلکہ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین پر حملہ کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہے؟

دوم: بدعت کے علاوہ آدمی جو گناہ بھی کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں۔ وہ اس گناہ پر پشیمان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ مگر ''بدعت'' ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو غلطی سمجھ کر نہیں بلکہ ایک ''اچھائی'' سمجھ کر کرتا ہے اور شیطان اس گناہ کو اس کی نظر میں ایسا خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنی غلط روی کا کبھی احساس ہی نہ ہو پائے اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہگاروں اور پاپیوں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دستگیری کرے اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے۔

سوم: آدمی کو بدعت کی نحوست اور تاریکی سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

((مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ))

(رواہ احمد مشکوۃ ص ۳۱)

ترجمہ: جب کوئی قوم کوئی سی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اس کی مثل سنت ان سے اٹھا لی جاتی ہے۔ اس لئے چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا بظاہر اچھی سے اچھی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

((ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیامة)) (رواہ الدارمی عن حسان موقوفاً مشکوٰۃ ص ۳۱)

ترجمہ: جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بقدر سنت اس سے چھین لیتے ہیں اور پھر قیامت تک اسے ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

اور سنت سے اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ بدعت میں مبتلا ہونے کے بعد قلب کی نورانیت وصلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ آدمی حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اس کی مثال اس اناڑی کی سی ہو جاتی ہے۔ جس کو کسی نوسرباز نے روپیہ بڑھانے کا جھانسہ دے کر اس سے اصلی نوٹ چھین لئے ہوں اور جعلی نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھما دی ہو۔ وہ احمق خوش ہے کہ اسے ایک کے بدلے میں سو مل گئے مگر یہ خوشی اس وقت تک ہے جب تک وہ انہیں لے کر بازار کا رخ نہیں کرتا۔ بازار جاتے ہی اس کو نہ صرف کاغذ کے ان بے قیمت پرزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی' بلکہ جعلی کرنسی کے الزام میں اسے ہتھکڑی بھی لگا دی جائے گی........ خوب سمجھ لیجئے کہ آخرت کے بازار میں صرف اور صرف محمد ﷺ کی سنت کا سکہ چلے گا اور جن لوگوں نے بدعتوں کی جعلی کرنسیوں کے انبار لگا رکھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہوگی' بلکہ سکہ محمدؐ کے مقابلے میں جعلی کرنسی بنانے اور رکھنے کے الزام میں پابند سلاسل کر دیئے جائیں گے........ حدیث نبویؐ میں ارشاد ہے کہ:

''میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ میرے پاس وہاں آئیں گے۔ جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ مجھے جواب ملے گا کہ ''آپ نہیں جانتے انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا۔'' یہ جواب سن کر میں کہوں گا۔

((سحقاً سحقاً لمن غیر بعدی)) (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۴۸۸)

ترجمہ: پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سبب ہے کہ اکابر امت کو ''بدعت'' سے سخت تنفر تھا۔ امام غزالیؒ امور عادیہ میں آنحضرت ﷺ کی پیروی اور اتباع سنت کی تاکید کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ میں اتباع سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا تھا اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں بلاعذر اتباع سنت چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے

اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی''۔ (تبلیغ دین ترجمہ اربعین ص۴۲)

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں۔

از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بتضرع وزاری و التجاء وافتقار و ذل و انکسار درسر و جہار مسائی می نماید کہ ہرچہ در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین او نبودہ .... علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات .... اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ باو مستند اند گرفتار آں عمل محدث نگر وائلہ و مفتون حسن آں مبتدع نکناد بحرمۃ سید المختار و آلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

بندہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے تضرع اور زاری، التجاء وافتقار اور ذلت و انکسار کیساتھ، خفیہ اور علانیہ درخواست کرتا ہے کہ دین میں جو بات بھی نئی پیدا کی گئی ہے اور جو بدعت بھی گھڑ لی گئی ہے جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی اگرچہ وہ چیز روشنی میں سفیدہ صبح کی طرح ہو اللہ تعالیٰ اس بندۂ ضعیف اور اس کے متعلقین کو اس نئے ایجاد شدہ کام میں گرفتار نہ فرمائے اور اس کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بطفیل سید مختار اور آل ابرار کے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

یہ ناکارہ حضرت مجددؒ کی یہ دعاء اپنے لئے آپ کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دہراتا ہے۔

چہارم: آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی سُحْقاً سُحْقاً لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِیْ۔ (پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل دیا) سے ''بدعت'' کے مذموم ہونے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ ''بدعت'' سے دین میں تحریف وتغیر لازم آتا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ دین قیامت تک کے لئے نازل کیا ہے اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو اس کا مکلف کیا ہے۔ یہ تکلیف اسی وقت تک قائم رہتی ہے۔ جب کہ یہ دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ بھی ہو اور جس طرح پہلے دین لوگوں کی آراء وخواہشات کی نذر ہو کر مسخ ہو گئے اور ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اس دین کو یہ حادثہ پیش نہ آئے۔

پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے کہ یہ دین ہر دور میں انسانی خواہشات کی آمیزش اور بدعات کی ملاوٹ سے پاک رہے اور اہل بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد وغبار ڈالنے کی کوشش کریں۔ علمائے ربانیین کی ایک

جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے۔[۱]

مجلسِ میلاد کی ابتداء:

س: محفل میلاد شریف و قیام میلاد اور عود ولوبان سلگانے فرش و چوکی بچھانے اور تاریخ معین کرنے وغیرہ بہ ہیئت مشہورہ ومروجہ اس زمانہ میں' آیا اس طریقہ سے محفل میلاد جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے؟ دلیل ادلہٗ اربعہ سے بینوا توجروا۔

ج: یہ محفل چونکہ زمانۂ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور زمانۂ تابعین و تبع تابعین اور زمانۂ مجتہدین علیہ الرحمۃ میں نہیں ہوئی۔

اس کا ایجاد بعد چھ سو سال کے ایک بادشاہ نے کیا۔ اس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ مجلس بدعت ضلالہ ہے۔ اس کے عدم جواز میں صاحبِ مدخل وغیرہ علماء پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب بھی بہت رسائل وفتاویٰ طبع ہو چکے ہیں۔ زیادہ دلیل کی حاجت نہیں۔ عدم جواز کے واسطے یہ دلیل بس ہے کہ کسی نے قرونِ خیر میں اس کو نہیں کیا۔[۲]

محفلِ مولود شریف:

س: مولود شریف ایک محفل آرائش میں پڑھنا' اور کھڑا ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح پڑھا جائے کہ کبھی کچھ بیان بعبارت نثر اور کبھی چند اشعارِ نعت بعبارت نظم پڑھی جائیں یہ بھی جائز ہیں یا نہیں اور ثواب ہے یا بدعت۔

ج: ذکرِ ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر از کار خیر کے ثواب اور افضل ہے۔ اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو۔ اس سے بہتر کیا ہے۔ قال الشاعر ؎

وذكرك للمشتاقِ خير شراب وكل شراب دونه كسراب

البتہ ہمارے زمانے میں قیودات و شنائع کے ساتھ مروج ہے۔ اس طرح بے شک بدعت ہے اور بوجوہ ذیل ناجائز ہے۔

اولاً: یہ کہ اکثر مولود خواں جاہل ہوتا ہے اور روایتیں غلط اور موضوع بیان کرتا ہے اور سب قاری وسامعین تحت وعید من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار (الحدیث) داخل ہوتے ہیں۔

ثانیاً: اس کا اہتمام اسی طرح کیا جاتا ہے۔ جیسے ضروریات دین کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کہیں قالین وفروش' کہیں چوکی ومسند' کہیں شامیانہ' کہیں گلاب پاش' کہیں شیرینی' کہیں قندیل و فانوس' جھاڑ' چمنی' گلاس' کہیں لوبان سلگانا اور بہت سے امورِ غیر ضروریہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر ان سامانوں کے مولود کرنے کو پھیکا سمجھتے ہیں۔ ان چیزوں کا ناحق اسراف بیجا ہوتا ہے۔

---

[۱] اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۹۳ تا ۹۹ [۲] فتاویٰ رشیدیہ جدید ص۲۱۲

﴿ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ﴾ الایۃ۔

ثالثاً: یہ کہ تعیین وتقیید اور ولادت کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اور کسی دن مولود میں فضیلت نہیں۔ غیر مقید کو مقید سمجھنا اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بدعت قبیحہ ہے۔[1]

مروجہ میلاد:

س: ہمارے ہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ مروجہ میلاد کیوں ناجائز ہے؟ حالانکہ اس سے آنحضرت ﷺ کا تذکار مقدس ہوتا ہے۔ پھر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے رسالہ ہفت مسئلہ میں اس کو جائز فرمایا ہے۔ جب کہ دیگر اکابر دیو بند مروجہ میلاد کو بدعات اور مفاسد کی بنا پر بدعت کہتے ہیں۔

ج: اول: اس میں تو نہ کوئی شک وشبہ ہے نہ اختلاف کی گنجائش کہ آنحضرت ﷺ کا تذکار مقدس اعلیٰ ترین مندوبات میں سے ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ "میلاد" کے نام سے جو محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ ان میں بہت سی باتیں ایسی ایجاد کر لی گئی ہیں۔ جو حدود شرع سے متجاوز ہیں۔ یعنی مروجہ میلاد دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک مستحب ومندوب یعنی تذکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوم وہ خلاف شرع خرافات جو اس کے ساتھ چسپاں کر دی گئی ہیں اور جن کے بغیر میلاد کو میلاد ہی نہیں سمجھا جاتا۔ گویا ان کو "لازمہ میلاد" کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

دوم: جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے مباح یا مندوب ہو، مگر عام طور سے اس کے ساتھ قبیح عوارض چسپاں کر لئے جاتے ہوں۔ اس کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ اس میں ذوق کا اختلاف ایک فطری چیز ہے۔ جس کی نظر نفس مندوب پر ہوگی اس کا ذوق یہ فیصلہ کرے گا ان عوارض سے تو بے شک احتراز کرنا چاہئے۔ مگر نفس مندوب کو کیوں چھوڑا جائے۔

بخلاف اس کے جس کی نظر عوام کے جذبات ورجحانات پر ہوگی اس کا فتویٰ یہ ہوگا کہ خواص تو ان عوارض سے بلاشبہ احتراز کریں گے۔ لیکن عوام کو ان عوارض سے روکنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس لئے عوام کو اس سیلاب سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے سامنے بند باندھ دیا جائے۔

یہ دونوں ذوق اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور ان کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں۔ کیونکہ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ نفس مندوب کے قائل ہیں۔ خلاف شرع عوارض کے جواز کے وہ بھی قائل نہیں اور جو عدم جواز کے قائل ہیں۔ وہ بھی نفس مندوب کو ناجائز نہیں کہتے۔ البتہ خلاف شرع عوارض کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں۔

سوم: اس ذوقی اختلاف کے رونما ہونے کے بعد لوگوں کے تین فریق ہو جاتے ہیں۔ ایک فریق تو ان بزرگوں کے قول وفعل کو سند بنا کر اپنی بدعات کے جواز پر استدلال کرتا ہے۔ دوسرا فریق خود ان بزرگوں کو مبتدع قرار دے کر ان پر

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۴۹

طعن و ملامت کرتا ہے اور تیسرا فریق کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات کو سند اور حجت سمجھتا ہے اور ان بزرگوں کے قول و فعل کی ایسی توجیہ کرتا ہے کہ ان پر طعن و ملامت کی گنجائش نہ رہے اور اگر بالفرض کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آئے تب بھی یہ سمجھ کر کہ یہ بزرگ معصوم نہیں ہیں۔ ان پر زبان طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ پہلے دونوں مسلک افراط و تفریط کے ہیں اور تیسرا مسلک اعتدال کا ہے۔

ان امور کے بعد گذارش ہے کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے فعل سے اہل بدعت کا استدلال قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ہماری گفتگو ''میلاد'' کے ان طریقوں میں ہے۔ جن کا تماشا دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس میلاد کو تو حضرت حاجی صاحبؒ بھی جائز نہیں کہتے اور جس کو حاجی صاحب جائز کہتے ہیں۔ وہ اہل بدعت کے ہاں پایا نہیں جاتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ ''مسیح موعود'' کا آنا مسلمان ہمیشہ مانتے آئے ہیں اور میں ''مسیح موعود'' ہوں' لہٰذا قرآن وحدیث کی ساری پیشگوئیاں میرے حق میں ہیں۔ پس اگر مرزا قادیانی' قرآن وحدیث والا ''مسیح موعود'' نہیں اور اس کا قرآن وحدیث کو اپنی ذات پر چسپاں کرنا غلط ہے۔ تو ٹھیک اسی طرح اہل بدعت کے ہاں بھی حضرت حاجی صاحبؒ والا ''میلاد'' نہیں۔ اس لئے حضرت حاجی صاحب کے قول و فعل کو اپنے ''میلاد'' پر چسپاں کرنا محض مغالطہ ہے۔

بہر حال صحیح اور اعتدال کا مسلک وہی ہے۔ جو حضرات اکابر دیوبند نے اختیار کیا کہ نہ ہم مروجہ میلاد کو صحیح کہتے ہیں اور نہ ان اکابر کو مبتدع کہتے ہیں۔ یہ تو مسئلہ کی مختصر وضاحت تھی۔[1]

عید میلاد النبیؐ:

۱۲/ ربیع الاول کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''جشن عید'' منایا جاتا ہے اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں۔

(۱) آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ آپؐ کی ولادت آپؐ کی صغرسنی۔ آپؐ کا شباب۔ آپؐ کی بعثت' آپؐ کی دعوت' آپؐ کا جہاد' آپؐ کی قربانی۔ آپؐ کا ذکر و فکر' آپؐ کی عبادت و نماز' آپؐ کے اخلاق و شمائل' آپؐ کی صورت و سیرت' آپؐ کا زہد و تقویٰ' آپؐ کا علم و خشیت' آپؐ کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' سونا جاگنا' آپؐ کی صلح و جنگ' خفگی و غصہ' رحمت و شفقت' تبسم و مسکراہٹ' الغرض آپؐ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون امت کے لئے اسوۂ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا' اس کا مذاکرہ کرنا' دعوت دینا امت کا فرض ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح آپؐ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپؐ کے احباب و اصحاب'

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱۰ ص ۳۳۲ تا ۳۳۵

ازواج واولاد، خدام وعمال، آپ کا لباس و پوشاک، آپ کے ہتھیاروں، آپ کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے۔ کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا پہلے حصہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیات طیبہ کا دوسرا حصہ .... جسے قرآن کریم نے امت کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' فرمایا ہے........ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ بہمہ خوبی وزیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں اور آپ کے جمال جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟....... اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو...... یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے۔ اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(۳) آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ کے ہر امتی کی صورت وسیرت چال ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپ کی سیرت کا مرقع بن جائے اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقعہ ملے آنحضرت ﷺ کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کے بابرکت اعمال واخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے اور آپ کی زندگی کے ہر نقش قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے اور آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل و مجلس میں آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا۔ واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف ہے........ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے۔ جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا۔ اس درخت کے نیچے آرام کرتے اور جہاں آنحضرت ﷺ فطری ضرورت کے لئے اترے تھے۔ خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اترتے اور جس طرح آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے اس کی نقل اتارتے...... رضی اللہ عنہ

یہی عاشقان رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے دم قدم سے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ صرف اوراق کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی اور اس کی بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے۔ مگر ان کی شکل وصورت اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرت نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں۔ اس لئے کہ وہاں ''ہر روز'' روز عید اور ہر شب ''شب برات'' کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبی'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جب ان کی ہر محفل ومجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا اور جب ان کا ہر قول وعمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آ سکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت ﷺ کے مبارک دور سے بعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا...... الحمد للہ یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو کا کل سنوارتے ہیں اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایسے لوگ کم ہیں۔ جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں۔

کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ قرض انہوں نے پورا ادا کر دیا' اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے۔ مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے اور روزمرہ نہیں بلکہ ہر لحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے۔ مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے' نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

(۵) میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبی'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ ''محفل میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابو سعید مظفر اور ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا۔ جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

(۱) بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔

(۲) علماء و صلحاء کا اجتماع۔

(۳) اور ختم محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل و ثقہ۔ واللہ اعلم۔

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز وعدم جواز کی بحث چلی' علامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے ''بدعت سیئہ'' قرار دیا اور دیگر علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز واستحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو نہ صرف ''علماء صلحاء کے اجتماع'' تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آ کر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

(۶) سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے۔ اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقان رسول'' کہلاتے ہیں اور جو لوگ اس نو ایجاد شعار اسلام سے نا آشنا ہوں ان کو دشمنان رسول تصور کیا جاتا ہے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

(۷) دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیان مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر ''عید میلاد'' منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح ومزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج۔ نمود ونمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں۔ وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے اور عقائد حقہ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت سے ''انسان سازی'' کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے۔ جن

کے بارے کہا گیا ہے۔

''جگمگاتے درودیوار دل بےنور ہیں''

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا' بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبیٰ ہے۔ جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں ''**اکلها دائم و ظلها**'' کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام اور کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قدر آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیا کی ہے۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرامؑ کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہو گی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟ چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت ﷺ صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندان تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کمتری پیدا ہوا۔ اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ''یوم ولادت'' کا جشن منانے لگی۔ یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے امت نے اسے ''بدعت'' قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

(۸) اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے ''عید'' کا نام دیتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میری قبر کو ''عید'' نہ بنانا''۔ اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ''عید'' بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبیؐ'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ''عید'' کے دو دن مقرر کئے ہیں۔عید الفطر اور عید الاضحیٰ اگر آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت ﷺ خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے اور اگر آنحضرت ﷺ کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپؐ نہ سہی' خلفائے راشدینؓ ہی آپؐ کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشن عید میلاد النبیؐ'' نام ڈالتے' مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا' اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی۔ انہیں آپؐ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔ ستم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے۔بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں۔بعض ۸ ربیع الاول اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے ''جشن عید'' کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت ﷺ دنیا سے داغ مفارقت دے گئے۔ اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشن عید'' آنحضرت ﷺ کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت ﷺ کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شائد ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہر حال میں اس دن کو ''عید'' کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

(۹) اور پھر یہ ''عید'' جس طرح آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے' بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں' موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں بیان کی جاتی ہیں' شور و شغب ہوتا ہے۔نمازیں غارت ہوتی ہیں اور نا معلوم کیا کیا ہوتا ہے' کاش! آنحضرت ﷺ کے نام پر جو ''بدعت'' ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپؐ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔ **فیاغوبة الاسلام! (ہائے' اسلام کی بیچارگی!)**

(۱۰) اب میں اس ''عید میلاد النبیؐ'' کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں' کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں ''عید میلاد النبیؐ'' کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور ''بیت اللہ'' کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ **فیا اسفاہ!**

''جشن عید میلاد'' کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع

کر دیا گیا ہے۔

اول: اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاریؒ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچ وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی' کپڑا' مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت ﷺ کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نان شبینہ سے محروم اور جان وتن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم' اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے ''اخوان الشیاطین'' فرمایا تھا مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

ع ''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست''

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقعہ پر تعزیہ علم' دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ ﷺ کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

تیسرے اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضہ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے۔ جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوع سوانگ میں اصل روضہ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو

جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آ جاتا ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اس کی توڑ پھوڑ کر دینا کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی' نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے: جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد "بدعت" کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضہ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں۔ جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے۔ وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعاء وتضرع گریہ وزاری اور توبہ استغفار میں گزارتے .... اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا........ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا۔

التعریف لیس بشیء۔ یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں۔

"چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں"۔ (ص ۱۷۶ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ ''میری قبر کو عید نہ بنالینا'' اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اورانہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمہ اللہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء اولیاء کے قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں' خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں''۔ (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ ص ۷)

اور البحر الرائق' کفایہ شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ ''جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے''۔ (الجنۃ لاہل السنۃ ص ۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ ''جشن عید میلاد'' کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت۔ اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد جب آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپؐ پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہر حال میں اس کو نہ صرف ''بدعت'' بلکہ ''تحریف فی الدین'' تصور کرتا ہوں اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں۔ جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے بارے میں فرمایا ہے۔

''بہ نظر انصاف بیند کہ اگر فرضا'' حضرات ایشاں دریں زمان دنیا زندہ می بودند وایں مجلس واجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند وایں اجتماع راپسندند یا نہ پایۂ یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودند' مقصود فقیر اعلام''۔

جشن ولادت یا وفات؟

س: ہمارے ہاں ۱۲/ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا یوم ولادت بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے' اس کی شرعی حیثیت کیا ہے نیز یہ جشن ولادت ہے یا وفات؟

ج: ہمارے یہاں ربیع الاول میں ''سیرت النبی ﷺ'' کے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ''جشن عید میلاد النبی'' بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ چراغاں ہوتا ہے۔ جھنڈیاں لگتی ہیں۔ جلسے ہوتے ہیں۔ جلوس نکلتے ہیں۔ ان تمام امور کو آنحضرت ﷺ کے حق محبت کی ادائیگی سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل فکر کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ

کی تاریخ ولادت میں مشہور قول ۱۲ ربیع الاول کا ہے' لیکن محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸ ربیع الاول کو ہوئی اور آپ کی وفات شریفہ راجح اور مشہور قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ گویا ربیع الاول کا مہینہ اور اس کی بارہ تاریخ صرف آپ کا یوم ولادت نہیں بلکہ یوم وفات بھی ہے۔ جو لوگ اس مہینے اور اس تاریخ میں ''جشن عید'' مناتے ہیں انہیں سو بار سوچنا چاہئے کہ کیا وہ اپنے محبوب ﷺ کی وفات پر تو ''جشن عید'' نہیں منا رہے؟ مسلمان بڑی بھولی بھالی قوم ہے' دشمنان دین کے خوشنما عنوانات پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت ﷺ کا مرض وفات شروع ہوا دشمنوں کو اس کی خوشی ہوئی اور اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹنا شروع کیں۔ ادھر مسلمانوں کے کان میں چپکے سے یہ پھونک دیا کہ اس دن آنحضور سرور کون و مکان ﷺ نے ''غسل صحت'' فرمایا تھا اور آپ سیر و تفریح کے لئے تشریف لے گئے تھے' ناواقف مسلمانوں نے دشمن کی اڑائی ہوئی اس ہوائی کو ''حرف قرآن'' سمجھ کر قبول کر لیا اور اس دن گھر گھر مٹھایاں بٹنے لگیں۔ جس طرح ''یوم مرض'' کو ''یوم صحت'' مشہور کر کے دشمنان رسول ﷺ نے خود حضور ﷺ کے امتی کہلانے والوں سے اس دن مٹھائیاں تقسیم کرائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے ''یوم وفات'' کو ''یوم میلاد'' مشہور کر کے مسلمانوں کو اس دن ''جشن عید'' منانے کی راہ پر لگا دیا۔ شیطان اس قوم سے کتنا خوش ہوگا جو نبی کریم ﷺ کے مرض موت پر مٹھائیاں تقسیم کرتی ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے دن ''جشن'' مناتی ہے؟ کیا دنیا کی کوئی غیرت مند قوم ایسی ہوگی جو اپنے مقتدا اور پیشوا کے یوم وفات پر ''جشن عید'' مناتی ہو؟ اگر نہیں تو سوال یہ ہے کہ مسلمان ''بارہ وفات'' کو ''جشن عید'' کس کے اشارے پر مناتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کا حکم دیا تھا؟ کیا رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے فرما گئے تھے کہ میری وفات کے دن کو ''عید'' بنا لینا؟ کیا خلفائے راشدین' صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اس دن ''جشن عید'' منایا؟ کیا حدیث و فقہ کی کسی کتاب میں مذکور ہے کہ ''بارہ وفات'' کا دن اسلام میں ''عید'' کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کہ اس دن مسلمانوں کو سرکاری طور پر چھٹی کرنی چاہئے اور ''جشن عید'' منانا چاہئے؟

''جشن عید'' منانا روافض کے ماتم محرم کی تقلید ہے اور کسی کی برسی منانا (خواہ پیدائش کی ہو یا وفات کی) خود خلاف عقل و دانش ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> نوع پانزدہم امثال متجددہ را یک چیز بعینہ دانستن۔ وایں وہم خیلے بر ضعیف العقول غلبہ دارد حتی کہ آب دریا و شعلہ چراغ و آب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب و یک شعلہ خیال کنند' و اکثر شیعہ در عادات خود منہمک ایں خیال اند' مثلاً روز عاشورا در ہر سال کہ بیاید آں را روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام گمان برند و احکام ماتم و نوحہ و شیون و گریہ و زارے۔ و فغان و بیقرارے آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال برمیت خود ایں عمل نمایند حالانکہ عقل بالبداھت میداند کہ زمان امر سیال غیر قارست ہرگز جزاو ثبات و قرار ندارد و اعادۂ معدوم محال و شہادت حضرت امام در روزے شدہ بود کہ این روز ازاں روز فاصلہ ہزار و دو صد

سال دارد ایں روز را باآن روز چہ اتحاد و کدام مناسبت و روز عید الفطر و عید النحر را بریں قیاس نباید کرد کہ درآں جامایہ سرور و شادے سال بسال متجد دست یعنی اداء روزہ رمضان و ادائے حج خانہ کعبہ کہ (شکر النعمة المتجددة) سال بسال فرحت و سرور نو پیدا مے شود ولہذا اعیاد شرائع بریں وہم فاسد نیا مدہ بلکہ اکثر عقلاء نیز نوروز مہرجان و امثال ایں تجددات و تغیرات آسمانی را عید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود و موجب تجدد احکام میباشد و علی ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین و تعید بعید غدیر و امثال ذالک مبنی بر ہمیں وہم فاسد ست از ینجا معلوم شد کہ روز نزول آیۃ (**اليوم اكملت لكم دينكم**) و روز نزول وحی و شب معراج را چرا در شرع عید قرار نداده اند و عید الفطر و عید النحر را اقرار دادہ اند و روز تولد و وفات ہیچ نبی را عید نگر دانید ند و چرا صوم یوم عاشورا کہ در سال اول بموافقت یہود آنحضرت ﷺ بجا آوردہ بودند منسوخ شد دریں ہمہ ہمیں سر ست کہ وہم راد خلے نباشد بدون تجدد نعمت حقیقۃ سرور و فرحت نمودن یا غم و ماتم کردن خلاف عقل خالص از شوائب وہم است۔ (تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۳۵۱)

ترجمہ: نوع پانزدہم نئی نئی امثال کو ایک چیز بعینہ جاننا اور یہ وہم کرنا ضعیف العقول پر بہت غلبہ رکھتا ہے یہاں تک کہ دریا کے پانی اور شعلہ اور چراغ اور آب فوارہ کو اکثر لوگ ایک آگ اور ایک شعلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر شیعہ ان خیالات کے عادتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے۔ ہر سال روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں اور احکام ماتم اور شیون اور گریہ وزاری اور فغان و بے قراری شروع کرتے ہیں عورتوں کی طرح کہ ہر سال اپنی میت پر یہ عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار ہے یعنی قرار نہ پکڑنے والا کوئی جز اس کا ثابت و قائم نہیں رہتا اور اس زمانہ کو لوٹانا بھی محال ہے اور شہادت حضرت امامؑ کی جس دن ہوئی اس دن سے اس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا۔ پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہو گیا اور کون سی مناسبت ہو گئی۔

عید الفطر اور عید قربان کو اس پر قیاس کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شکر النعمۃ المتجددہ (یعنی شکر ہے نئی نئی نعمت کا) سال در سال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتا ہے۔ اسی واسطے عیدین شریعت کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔ بلکہ اکثر عقلاء نے بھی نوروز اور مہرجان اور امثال اس کی نئی باتوں اور تغیر آسمانی کو خیال کر کے عید اختیار کی ہے کہ ہر سال ایک چیز نئی پیدا ہوتی ہے اس پر نئے نئے احکام کئے جاتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین اور تعید بعید غدیر اور مثل ان کے سب کی بناء وہم فاسد پر ہے اور اسی موقع سے

معلوم ہوا کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم** اور جس دن وحی نازل ہوئی اور شب معراج' ان روزوں کو شرع میں کیوں نہیں عید ٹھہرایا ہے اور عید الفطر اور عید قربان کو عید ٹھہرایا وہ دن بھی تو بڑی خوشی کے تھے۔ ایسے ہی کسی نبی کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روزہ عاشوراء کا کہ اول سال یہود کی موافقت سے آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا کیوں منسوخ ہوا۔ ان سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقہ کی فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا اس عقل کے خلاف ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے۔ (ترجمہ تحفہ اثناعشریہ ص ۴۲۶)

علاوہ ازیں اس قسم کے جشنوں میں وقت برباد ہوتا ہے۔ ہزاروں روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں۔ نمود و نمائش ہوتی ہے۔ مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ بے حجابی و بے پردگی ہوتی ہے۔ ذرا غور کیجئے کیا ان تمام باتوں کو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے کوئی جوڑ ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کے مقدس نام پر ان تمام چیزوں کو روا رکھنا کتنا بڑا ظلم ہے؟

آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ کا وجود سامی سراپا رحمت ہے (حق تعالیٰ شانہ کی مزید عنایت در عنایت یہ کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کی امت میں شامل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ **اللهم فلك الحمد ولك الشكر**) مگر اس رحمت سے فائدہ اٹھانے والے وہی خوش قسمت ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی سنت و سیرت کو اپنانے اور آپ کے مقدس اسوۂ حسنہ پر گامزن ہونے کی توفیق ارزانی کی جاتی ہے کہ یہی آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد وحید ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہر امتی کے لئے مینارۂ نور ہے اور دین و دنیا کی فلاح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات' آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور آپ ﷺ کے احکام و ارشادات کے اتباع پر موقوف ہے اور اس کی ضرورت صرف نماز روزہ وغیرہ عبادات تک محدود نہیں۔ بلکہ عقائد و عبادات معاملات و معاشرت' اخلاق و عادات اور شکل و شمائل الغرض زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔

امت مسلمہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا التزام متعدد وجوہ سے ضروری ہے۔

اول: حق تعالیٰ شانہ نے بار بار تاکیدات بلیغہ کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کا حکم فرمایا ہے بلکہ اپنی اطاعت و بندگی کو آنحضرت ﷺ کی اطاعت و اتباع کے ساتھ مشروط فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ **ومن يطع الرسول فقد اطاع الله** ﴾ (النساء:۸۰)

دوم: ہم لوگ "**لا اله الا الله محمد رسول الله**" کا عہد کر کے آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں اور ہمارے اس ایمانی عہد کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ایک ایک فیصلے پر دل و جان سے راضی ہوں' آپ ﷺ کے ایک ایک حکم کی

تعمیل کریں اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنائیں۔حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

﴿ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما ﴾ (النساء:٦٥)

سوم: آنحضرت ﷺ ہر امتی کے لئے محبوب ہیں اور یہ محبت شرط ایمان ہے۔ارشاد نبوی ہے۔

((والذی نفسی بیده لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین))(صحیح بخاری' کتاب الایمان باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

اور محبت کا خاصہ ہے کہ ایک محبّ صادق اپنے محبوب کی ہر ہر ادا پر مرمٹتا ہے اور اسے محبوب کی تمام ادائیں محبوب ہوتی ہیں۔ یہ نہ ہو تو دعویٰ محبت محض لاف و گزاف ہے۔ پس ہماری ایمانی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائیں۔آپ ﷺ کی ایک ایک ادا پر مرمٹیں۔اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو زندہ کریں۔ اس کے بغیر ہمیں بارگاہ الٰہی سے محبت نبوی ﷺ کی سند نہیں مل سکتی۔

چہارم: آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کمال انسانیت کا نقطہ معراج ہے اور آپ ﷺ کی تمام ادائیں' تمام سنتیں اور آپ کا پورا اسوۂ حسنہ مظہر کمال بھی ہیں اور مظہر جمال بھی پس جو شخص جس قدر آنحضرت ﷺ کی پیروی کرے گا اور اسے جس قدر اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی اقتدا و اتباع نصیب ہوگی اسی قدر کمال انسانیت سے بہرہ ور ہوگا اور جس قدر اسے اسوۂ نبوی ﷺ سے بُعد ہوگا اسی قدر وہ کمالات انسانیت سے گرا ہوا ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ''انسان کامل'' کے لئے معیار اور نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس نہ صرف اہل ایمان کو بلکہ پوری انسانیت کو لازم ہے کہ کمال انسانی کی معراج تک پہنچنے کے لئے اس ''انسان کامل'' ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کرے۔ واللہ اعلم۔

یہ اس امت پر حق تعالیٰ شانہ کا احسان عظیم ہے کہ آنحضرت ﷺ محبوب رب العالمین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مکمل ریکارڈ امت کے سامنے اس طرح موجود ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاکیزہ شمائل اور احادیث کا مستند ذخیرہ موجود ہے اور ہر دور میں اکابر اور حضرات محدثین نے اسے اپنے اپنے انداز میں مرتب فرمایا ہے تاکہ امت ہر شعبہ زندگی میں آنحضرت ﷺ کی ہدایات وارشادات سے واقف ہو' آپ ﷺ کے اقوال وافعال کی پیروی کو اپنا مقصد زندگی بنائے اور اسوۂ نبوی ﷺ کے قالب میں اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالے۔

موجودہ دور میں جبکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے مغایرت بڑھتی جارہی ہے اور مسلمان اپنے دین کی تعلیمات اور اپنے مقدس نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریقے اپنا رہے ہیں' اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو چند روزہ جشن منانے کے بجائے ان کی متاع گم گشتہ کی طرف بار بار بلایا جائے اور انہیں اسلامی تعلیمات

اور سرکار دو عالم ﷺ کی سنتوں کی دعوت دی جائے کیونکہ مسلمانوں کی دنیوی واخروی ہر طرح کی صلاح وفلاح اتباع سنت ہی میں مضمر ہے۔[1]

انگوٹھا چومنا:

س: اذان اور اقامت میں اسم گرامی محمدؐ پر انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھنا آیا جائز' مستحب' واجب یا فرض ہے؟ جو شخص ایسا کرنے سے منع کرے اس کا کیا حکم ہے' اگر رکھنا جائز نہیں تو کیا مکروہ تحریمی یا حرام ہے؟

ج: اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارہ میں روایت کیا ہے۔ وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل عبارت کے لکھتے ہیں۔

((وذكر ذلك الجراحي واطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء))

(انتھی ج۱ ص۲۶۷)

مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔

یہ عبارت شامی کی ہے۔

((ونقل بعضهم ان القهستاني كتب على هامش نسخته ان هذا مختص بالاذان واما في الاقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع))[2] (ج۱ ص۲۶۷)[3]

س: اذان کے وقت محمد رسول اللہ کہنے پر ہاتھ چومنا کیسا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ آنکھوں میں لگانے سے دکھتی نہیں؟

ج: اذان کے وقت جو عادت ہے انگوٹھوں کے چومنے کی۔ یہ فی نفسہ آشوب چشم کا عمل تھا۔ لیکن لوگ اس کو ثواب اور تعظیم اسم مبارک نبوی ﷺ سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس لئے بدعت ہے۔ اگر اعتقاد نہ ہو تو دوسرے کو شبہ پڑے گا۔ اس لئے درست نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔[4]

مقاصد حسنہ سخاوی میں ان روایات کی تحقیق ہے۔ ان کا مضمون صرف یہ ہے کہ یہ عمل رمد یعنی آشوب چشم کا ہے۔ مگر اب لوگ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔ تو بدعت ہونا ظاہر ہے اور صحیح نیت پر بھی تشبہ ہے اہل بدعت کے ساتھ اس لئے ترک لازم ہے۔[5]

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۸ ص۱۴۱ تا ۱۴۸

۲ شامی ج۱ ص۳۹۳ مطبوعہ المکتبۃ الماجدیہ کوئٹہ

۳ امداد الفتاویٰ ج۵ ص۲۵۹

۴ امداد الفتاویٰ ج۱ ص۲۵۹

۵ ایضاً۔

س: اذان میں کلمہ شہادت سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا جائز ہے یا نہ؟
۲- کس حدیث سے یہ ثابت ہے اور اس حدیث کو کسی محدث نے صحیح اور درست فرمایا ہے؟
۳- کیا ائمہ اربعہ میں کسی امام نے اس عمل کو جائز فرمایا ہے اور اس کے مستحب ہونے کا قول کیا ہے؟
۴- بعض علماء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کے کسی قول یا فعل کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں کسی عمل کو مستحب کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟
۵- بعض علماء فقہ حنفی کی مستند کتاب ردالمختار شامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو مستحب فرمایا ہے۔ اسی طرح صاحب مقاصد حسنہ اور صاحبِ مسند الفردوس کے متعلق کہتے ہیں۔ کیا یہ نسبت صحیح ہے یا غلط؟

ج: ۱- قرآنِ کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت، اور ائمہ اربعہ میں سے کسی امام سے اس فعل کا ثبوت نہیں اور لوگ اس کو ضروری اور عملاً واجب سمجھتے ہیں۔ اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے۔ لہٰذا موجودہ زمانہ میں جائز قرار دینا قواعد شرعیہ کے خلاف ہے، کسی اجماعی امر مستحب کو بھی درجہ واجب میں پہنچا دیا جائے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ عوام الناس کا اعتقاد محفوظ رہے۔ حدیث:

((عبداللّٰہ بن مسعودؓ لا یجعل احدکم نصیبا للشیطان من صلوته ان لا ینصرف الاعن یمینه))

کے تحت علماء نے لکھا ہے۔

((وفی هذا الحدیث دلیل علی من اعتقد الوجوب فی امر لیس بواجب شرعاً او عمل معاملة الواجب معه یکون هذا حظامن الشیطان وبدعة مذمومة)) (بذل المجہود ج۲ ص۱۵۶)

۲- صحاح ستہ کی کسی حدیث میں بلکہ ان کے علاوہ بھی کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔

((وذکر ذلك الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء))

(شامی ج۱ ص۲۶۷)

۳- کسی امام نے اس کے مستحب ہونے کا قول نہیں کیا۔
۴- ثبوت استحباب کے لئے دلیل شرعی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک حکم شرعی ہے۔ بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوگا۔ علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں۔

((والمستحب وهو ماورد به دلیل ندب یخصه کما فی التحریر)) (ج۱ ص۹۶)

لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ کسی عالم غیر مجتہد نے غیر دلیل کو دلیل سمجھتے ہوئے کسی فعل مستحب کو مستحب کہا ہو۔ جب تحقیق سے اس دلیل کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے گا۔ تو فعل مذکور کا مستحب ہونا بھی منتفی ہو جائے گا۔ بعض علماء کا اسے مستحب کہنا ہوسکتا

ہے استحباب لغوی کے قبیل سے ہو نہ کہ استحباب شرعی کے قبیل سے۔ کیونکہ دلیل شرعی مقتضی استحباب موجود نہیں۔ جیسا کہ آگے مذکور ہوتا ہے۔

۵- علامہ شامیؒ نے جس جس جگہ یہ نقل کیا ہے اس مقام پر یہ بھی نقل کیا ہے۔

ولم یصح من کل ھذا شیء۔ (ج۱ ص۲۶۷) کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح نہیں۔

یہ خیال کیا جائے کہ اگرچہ اس میں حدیث نہیں ہے۔ لیکن استدلال کے لئے حدیثِ حسن بھی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیثِ حسن موجود بھی تو ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی حسن بلکہ ضعیف قابل عمل حدیث بھی موجود نہیں۔ واضح رہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا تین شرطوں سے جائز ہوتا ہے۔

۱- ضعف شدید نہ ہو۔

۲- یہ عمل کسی اصل عام کے تحت داخل ہو۔

۳- اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ کیا جائے۔

اور مسئلہ زیر بحث میں یہ تینوں شرطیں تقریباً مفقود ہیں۔ کیونکہ ایسی روایات میں شدید ضعف ہے۔ بلکہ موضوع ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

((الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشھادۃ کلھا موضوعات)) (تیسیر المقال للسیوطی)

اور عوام سنت بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں۔ الغرض یہ فعل قرآن کریم حدیث پاک، تعامل صحابہؓ اجماعِ امت، اقوال ائمہ سے کسی دلیل کے ساتھ ثابت نہیں۔[1]

ماتمی جلوس:

س: ماتمی جلوس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے۔ کب اور کیسے ایجاد ہوئے؟ نیز یہ کہ حالیہ واقعات میں علمائے اہل سنت نے کیا تجاویز پیش کیں؟

ج: محرم کے ماتمی جلوسوں کی بدعت چوتھی صدی کے وسط میں معز الدولہ دیلمی نے ایجاد کی شیعوں کی مستند کتاب منتہی الامال (ص۴۵۳ ج۱) میں ہے۔

''جملہ (ای مؤرخین) نقل کردہ اند کہ ۳۵۲ھ (سی صد و پنجاہ و دو) روز عاشورا معز الدولہ دیلمی امر کرد اہل بغداد را بہ نوحہ ولطمہ و ماتم برامام حسین و آنکہ زنہا مویہارا پریشان وصورتہارا سیاہ کنند و بازارہا را بہ بندند، وبرد کانہا پلاس آویزاں نمائند، وطباخین طبخ نہ کنند وزنہائے شیعہ بیروں آمدند در حالیکہ صورتہا را بہ سیاہی

---

[1] خیر الفتاوی ج۱ ص۵۸۰ تا ۵۸۲

دیگر وغیرہ سیاہ کردہ بودند وسینہ می زدند' ونوحہ می کردند' سالہا چنیں بود۔ اہل سنت عاجز شدند از منع آن لکون السلطان مع الشیعۃ''

ترجمہ: سب مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ ۳۵۲ھ میں عاشورہ کے دن معز الدولہ دیلمی نے اہل بغداد کو امام حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنے چہرہ پیٹنے اور ماتم کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ عورتیں سر کے بال کھول کر اور منہ کالے کر کے نکلیں' بازار بند رکھے جائیں' دکانوں پر ٹاٹ لٹکائے جائیں اور طباخ کھانا نہ پکائیں۔ چنانچہ شیعہ خواتین نے اس شان سے جلوس نکالا کہ دیگ وغیرہ کی سیاہی سے منہ کالے کئے ہوئے تھے اور سینہ کوبی ونوحہ کرتی ہوئی جارہی تھیں۔ سالہا سال تک یہی رواج رہا اور اہل سنت اس (بدعت) کو روکنے سے عاجز رہے' کیونکہ بادشاہ شیعوں کا طرفدار تھا''۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ۳۵۲ھ کے ذیل میں یہی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے۔

((فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن بويه قبحه الله ان تغلق الاسواق' وان يلبس النساء المسوح من الشعر' وان يخرجن فی الاسواق حاسرات عن وجوههن ناشرات شعورهن يلطمن وجوههن ينحن على الحسين بن علی بن ابی طالب ولم يكن اهل السنة منع ذلك لكثرة الشيعة وظهورهم وكون السلطان معهم)) (البدایہ والنہایہ ص۲۴۳ ج۱۱)

ترجمہ: ''اس سال (۳۵۲ھ) کی محرم دسویں تاریخ کو معز الدولہ بن بویہ دیلمی نے حکم دیا کہ بازار بند رکھے جائیں عورتیں بالوں کے ٹاٹ پہنیں اور ننگے سر ننگے منہ' بالوں کو کھولے ہوئے' چہرے پیٹتی ہوئیں اور حضرت حسین پر نوحہ کرتی' بازاروں میں نکلیں۔ اہل سنت کو اس سے روکنا ممکن نہ ہوا' شیعوں کی کثرت و غلبہ کی وجہ سے اور اس بناء پر کہ حکمران ان کے ساتھ تھا''۔

اس سے واضح ہے کہ چوتھی صدی کے وسط تک امت ان ماتمی جلوسوں سے یکسر ناآشنا تھی۔ اس طویل عرصہ میں کسی سنی امام نے تو درکنار کسی شیعہ مقتداء نے بھی اس بدعت کو روا نہیں رکھا' ظاہر ہے کہ ان ماتمی جلوسوں میں اگر ذرا بھی خیر کا پہلو ہوتا تو خیر القرون کے حضرات اس سے محروم نہ رہتے' حافظ ابن کثیرؒ کے بقول:

((وهذا تكلف لا حاجة اليه فی الاسلام' ولو كان هذا امرا محموداً لفعله خير القرون وصدر هذه الامة وخيرتها وهم اولٰی به ولو كان خير ما سبقونا اليه واهل السنة يقتدون ولا يبتدعون)) (البدایہ والنہایہ ص۲۵۴ ج۱۱)

ترجمہ: اور یہ ایک ایسا تکلف ہے جس کی اسلام میں کوئی حاجت وگنجائش نہیں ورنہ اگر یہ امر لائق تعریف ہوتا تو خیر القرون اور صدر اول کے حضرات جو بعد کی امت سے بہتر وافضل تھے وہ اس کو ضرور کرتے کہ وہ

خیر و صلاح کے زیادہ مستحق تھے پس اگر یہ خیر کی بات ہوتی تو وہ یقیناً اس میں سبقت لے جاتے اور اہل سنت' سلف صالحین کی اقتدا کرتے ہیں' ان کے طریقہ کے خلاف نئی بدعتیں اختراع نہیں کیا کرتے۔

الغرض جب ایک خود غرض حکمران نے اس بدعت کو حکومت واقتدار کے زور سے جاری کیا اور شیعوں نے اس کو جزو ایمان بنالیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اگلے ہی سال یہ ماتمی جلوس سنی شیعہ فساد کا اکھاڑا بن گیا اور قاتلین حسین نے ہر سال ماتمی جلوسوں کی شکل میں معرکہ کربلاء برپا کرنا شروع کر دیا۔ حافظ ابن کثیر ۳۵۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:

((ثم دخلت سنة ثلاث وخمسين وثلاث مائة فى عاشر المحرم منها عملت الرافضة عزأ الحسين كما تقدم فى السنة الماضية فاقتتل الروافض اهل السنة فى هذا اليوم قتا لا شديدا وانتهبت الاموال)) (البدایہ والنہایہ: ص۲۵۳ ج۱۱)

ترجمہ: ''پھر ۳۵۳ھ شروع ہوا تو رافضیوں نے دس محرم کو گزشتہ سال کے مطابق ماتمی جلوس نکالا پس اس دن روافض اور اہل سنت کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور مال لوٹے گئے''۔

چونکہ فتنہ فساد ان ماتمی جلوسوں کا لازمہ ہے۔ اس لئے اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں اس بدعت سیۂ کا کوئی وجود نہیں حتیٰ کہ خود شیعی ایران میں بھی اس بدعت کا یہ رنگ نہیں جو ہمارے ہاں کربلائی ماتمیوں نے اختیار کر رکھا ہے' حال ہی میں ایران کے صدر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا جس میں کہا گیا:

''علم اور تعزیہ غیر اسلامی ہے'' عاشورہ کی مروجہ رسوم غلط ہیں''ایران کے صدر خامنہ ای کی تنقید''۔

تہران (خصوصی رپورٹ) ایران کے صدر خامنہ ای نے کہا ہے کہ یوم عاشورہ پر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد تازہ کرنے کے مروجہ طریقے یکسر غلط اور غیر اسلامی ہیں۔ اسلام آباد کے انگریزی اخبار ''مسلم'' کی رپورٹ کے مطابق ایرانی سربراہ مملکت نے نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ طریقہ نمود و نمائش پر مبنی اور اسلامی اصولوں کے منافی ہے فضول خرچی اور اسراف ہمیں امام حسین کے راستے سے دور کر دیتا ہے۔ انہوں نے علم اور تعزیہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواہ یہ محراب و گنبد کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں۔ یاد تازہ کرنے کی اسلامی شکل نہیں ان نمائشی چیزوں پر رقم خرچ کرنا حرام ہے اور عاشورہ کی روح کے منافی ہے کیونکہ یوم عاشورہ تفریح کا دن نہیں ہے۔

امام خمینی کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر خامنہ ای نے کہا کہ مذہبی تقریبات کے دوران لاؤڈ اسپیکر کو بہت اونچی آواز میں استعمال نہیں کرنا چاہئے اور عزاداری کے مقام پر بھی پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہئے۔ لوگوں کو ماتم کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس رسم کو لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہونا چاہئے''۔ (روزنامہ جنگ کراچی پیر ۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ہندو پاک میں یہ ماتمی جلوس انگریزوں کے زمانے میں بھی نکلتے رہے اور ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں بھی ان کا سلسلہ جاری رہا۔ اہل سنت نے اکثر و بیشتر فراخدلی و رواداری سے کام لیا اور فضا کو پر امن رکھنے کی کوشش کی لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود کبھی یہ بدعت فتنہ وفساد سے مبرا نہیں رہی۔ انگریزوں کے دور میں تو ان ماتمی جلوسوں کی اجازت قابل فہم تھی کہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' ۔انگریزی سیاست کی کلید تھی۔لیکن یہ بات نا قابل فہم ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس فتنہ و فساد کی جڑ کو کیوں باقی رکھا گیا جو ہر سال بہت سی قیمتی جانوں کے ضیاع اور ملک کے دوطبقوں کے درمیان کشیدگی اور منافرت کا موجب ہے؟ بظاہر اس بدعت سیئہ کو جاری رکھنے کے چند اسباب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ ہمارے ارباب حل و عقد نے ان ماتمی جلوسوں کے حسن و قبح پر نہ تو اسلامی نقطہ نظر سے غور کیا اور نہ ان معاشرتی نقصانات اور مضرتوں کا جائزہ لیا جو ان تمام ماتمی جلوسوں کے لازمی نتائج کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ایک نظام جو انگریزوں کے زمانے سے چلا آتا تھا انہوں نے بس اسی کو جوں کا توں برقرار رکھنا ضروری سمجھا اور اس میں کسی تبدیلی کو شان حکمرانی کے خلاف تصور کیا۔ عاشورائے محرم میں جو قتل و غارت اور فتنہ وفساد ہوتا ہے وہ ان کے خیال میں کوئی غیر معمولی بات نہیں جس پر کسی پریشانی کا اظہار کیا جائے یا اسے غور وفکر کے لائق سمجھا جائے' دوسرا سبب یہ کہ اہل سنت کی جانب سے ہمیشہ فراخ قلبی و رواداری کا مظاہرہ کیا گیا۔ اور ان شرانگیز ماتمی جلوسوں پر پابندی کا مطالبہ نہیں کیا گیا اور ہمارے حکمرانوں کا مزاج ہے کہ جب تک مطالبہ کی تحریک نہ اٹھائی جائے وہ کسی مسئلہ کو سنجیدہ غور وفکر کا مستحق نہیں سمجھتے۔

جناب صدر کراچی تشریف لائے اور مختلف طبقات سے ملاقاتیں فرمائیں سب سے پہلے شیعوں کو شرف باریابی بخشا گیا' آخر میں مولانا محمد بنوری' مولانا مفتی ولی حسن اور مفتی محمد رفیع عثانی صاحب کی باری آئی۔مولانا مفتی محمد رفیع عثانی نے نہایت متانت وسنجیدگی اور بڑی خوبصورتی سے صورتحال کا تجزیہ پیش کیا۔لیکن اہل سنت کی اشک شوئی کا کوئی سامان نہ ہوا۔

اہل سنت بجا طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ:

۱- ان ماتمی جلوسوں پر پابندی عائد کی جائے۔

۲- جن شرپسندوں نے قومی و نجی املاک کو نقصان پہنچایا ہے ان کو رہزنی وڈکیتی کی سزا دی جائے۔

۳- اہل سنت کے جن املاک کا نقصان ہوا ان کا پورا معاوضہ دلایا جائے۔

۴- اہل سنت کے جن رہنماؤں کو ''جرم بے گناہی'' میں نظر بند کیا گیا ہے ان کو رہا کیا جائے۔[۱]

کونڈوں کی حقیقت:

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ۲۲ رجب کو کونڈا کرنے کی رسم کا کیا حکم ہے؟ اور شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟

---

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۱۳۴ تا ۱۳۹

ج: کونڈوں کی مروج رسم دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲ رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔ (طبری، استیعاب)

۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا۔ اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو۔ بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہؓ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں۔ جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔

جب اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انہوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ من گھڑت ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر کے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔[1]

۲۲ رجب نہ امام جعفر رحمہ اللہ کا یوم ولادت ہے نہ یوم وفات۔ بلکہ یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ہے۔ (طبری، استیعاب)

اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ تقیہ اور جھوٹ ان کا شعار خاص ہے۔ پہلے اس تاریخ کو اعلانیہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ جب سنیوں کا غلبہ ہوا تو عام تقسیم بند کر دی اور گھر میں پکا کر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلا کر کھلاتے ہیں۔

سنیوں کو ہرگز اس رسم میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس دن خیرات نیک مقصد کے تحت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں تشبہ بالروافض ہے۔ نیز ان کے مکروہ ترین عمل کو تقویت دینا ہے۔ جس عمل کی بنیادی غرض ہی صحابی رسول کی توہین ہو اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا ہو اسے رسم بد کہنے میں حرج ہی کیا ہے۔[2]

ختم قرآن کے لئے اعلان:

س: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو مسجد میں بعد نماز جنازہ یا قبرستان میں تدفین کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ فلاں مسجد میں فلاں نماز کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوگی اور یہ طریقہ کئی سالوں

---

[1] احسن الفتاوی ج ۱ ص ۳۶۷ [2] خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷۲

سے جاری ہے۔

اور بعض مرتبہ امام مسجد کے نہ بیٹھنے پر ان کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور بعض مرتبہ اس اعلان کے علاوہ اعزاء واقرباء کو قرآن خوانی میں شرکت کی خصوصی طور پر دعوت دی جاتی ہے تو اس طریقہ سے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا جس سے اجتماعی التزام مترشح ہوتا ہے' تداعی میں داخل ہو کر حسب ذیل امداد الفتاویٰ کے فتویٰ کا مصداق ہوگا یا نہیں؟

س: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقات متعینہ قرآن شریف پڑھا جائے تو جائز ہے۔ تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

ج: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔ فقط۔ (امداد الفتاویٰ ج ا باب الجنائز)

ج: وھوالموفق للصواب۔

شامی میں اس قسم کی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایہ سے نقل فرماتے ہیں۔

((هذه الافعال كلها للسمعة والرياء ' فيحترز عنها لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالى))

(شامی ج ا ص ۸۴۲)

ترجمہ: یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ ایسے رواجی کاموں میں اخلاص وللّٰہیت نہیں ہوتی۔

شرح سفر السعادت میں ہے۔

وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ بر سر گور' و نہ غیر آں' وایں مجموع بدعت است۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام وغیرہم سلفِ صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر۔ یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ صورت مروجہ ٹھیک نہیں۔ ہاں احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں۔ (الی قولہ)

چاہے تین مرتبہ قل ھواللہ ہی پڑھ کر بخش دیں' جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں۔ اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا۔ خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج ا ص ۲۱۵)

لہٰذا آپ کے یہاں کا دستور خلاف سنت اور قابل ترک ہے۔ اس کا اماموں کو پابند بنانا ظلم اور زیادتی ہے۔[1]

بچوں کو کالا ڈورا ڈالنا:

س: لوگ عموماً چھوٹے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالے رنگ کا ڈورا یا پھر کالا کاجل کا ٹکہ نما لگا دیتے ہیں کیا یہ عمل شرعی لحاظ سے درست ہے؟

ج: اگر اعتقاد کی خرابی نہ ہو تو جائز ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ بدنما کر دیا جائے تا کہ نظر نہ لگے۔

سورج گرہن اور حاملہ عورت:

س: ہمارے معاشرے میں یہ بات بہت مشہور ہے اور اکثر لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں کہ جب چاند کو گرہن لگتا ہے یا سورج کو گرہن لگتا ہے تو حاملہ عورت یا اس کا خاوند (اس دن یا رات کو جب سورج یا چاند کو گرہن لگتا ہے) آرام کے سوا کوئی کام بھی نہ کریں مثلاً اگر خاوند دن کو لکڑیاں کاٹے یا رات کو وہ الٹا سو جائے تو جب بچہ پیدا ہوگا تو اس کے جسم کا کوئی نہ کوئی حصہ کٹا ہوا ہوگا یا وہ لنگڑا ہوگا یا اس کا ہاتھ نہیں ہوگا وغیرہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس دن یا رات کو کیا کرنا چاہئے؟

ج: حدیث میں اس موقع پر صدقہ و خیرات، توبہ و استغفار، نماز اور دعا کا حکم ہے، دوسری باتوں کا ذکر نہیں اس لئے ان کو شرعی چیز سمجھ کر نہ کیا جائے۔

گرہن کے وقت حاملہ جانوروں کے گلے سے رسیاں نکالنا:

س: چاند اور سورج گرہن کی کتاب و سنت کی نظر میں کیا حقیقت ہے، قرآن اور سنت کی روشنی میں بتائیں کہ یہ درست ہے یا کہ غلط کہ جب سورج یا چاند کو گرہن لگتا ہے، تو حاملہ گائے بھینس، بکری اور دیگر جانداروں کے گلے سے رسے یا سنگل کھول دینے چاہئیں یا یہ صرف توہمات ہی ہیں؟

ج: چاند گرہن اور سورج گرہن کو حدیث پاک میں قدرت خداوندی کی ایسی نشانیاں فرمایا گیا ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتے ہیں اور اس موقعہ پر نماز، صدقہ خیرات، اور توبہ و استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ باقی سوال میں جس رسم کا تذکرہ ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ توہم پرستی ہے جو ہندو معاشرے سے ہمارے یہاں منتقل ہوئی ہے، واللہ اعلم۔

عیدی مانگنے کی شرعی حیثیت:

س: عید کے دنوں میں جس کو دیکھو عیدی لینے پر تلا ہوا ہوتا ہے، خیر بچوں کا تو کیا کہنا، گوشت والے کو دیکھو سبزی والے کو دیکھو........ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس طرح جو عیدی لوگ لیتے ہیں وہ حرام ہے یا اس کی کوئی شرعی حیثیت

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۱۸۱ تا ۱۸۳

بھی ہے؟

ج: عیدی مانگنا تو جائز نہیں' البتہ خوشی سے بچوں کو' ماتحتوں کو' ملازموں کو' ہدیہ دے دیا جائے تو بہت اچھا ہے مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے نہ اس کو سنت تصور کیا جائے۔

سالگرہ کی رسم انگریزوں کی ایجاد ہے:

س: بڑے گھرانوں اور عموماً متوسط گھرانوں میں بھی بچوں کی سالگرہ منائی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟ رشتہ داروں اور دوست احباب کو مدعو کرلیا جاتا ہے جو اپنے ساتھ بچے کے لئے تحفے تحائف لے کر آتے ہیں خواتین وحضرات بلاتمیز محرم وغیر محرم کے ایک ہی ہال میں کرسیوں پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ یا ایک بڑی میز کے گرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بچہ ایک بڑا سا کیک کاٹتا ہے اور پھر تالیوں کی گونج میں ''سالگرہ مبارک ہو'' کی آوازیں آتی ہیں اور جناب تحفے تحائف کے ساتھ ساتھ پرتکلف چائے اور دیگر لوازمات کا دور چلتا ہے۔

ج: سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے اور جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ بہت سے ناجائز امور کا مجموعہ ہے۔

سالگرہ کی رسم میں شرکت کرنا:

س: ایک شخص خود سالگرہ نہیں مناتا۔ لیکن اس کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز اسے سالگرہ میں شرکت کی دعوت دیتا ہے' کیا اسے شرکت کرنی چاہئے کیونکہ اسلام یوں تو دوسروں کی خوشیوں میں شرکت اور دعوتوں میں جانے کو ترجیح دیتا ہے؟

ج: فضول چیزوں میں شرکت بھی فضول ہے۔

س: میں ڈی ایم سی کی طالبہ ہوں کالج میں جس لڑکی کی سالگرہ ہوتی ہے وہ کالج ہی میں ٹریٹ (دعوت) دیتی ہے کیا ٹریٹ میں شرکت کرنی چاہئے؟

ج: فضول چیزوں میں شرکت بھی فضول ہے۔

س: اگر شرکت نہ کریں اور وہ خود جس کی سالگرہ ہو آ کر ہمیں کیک اور دوسری اشیاء دے تو کھا لینی چاہئے؟ یا انکار کر دینا چاہئے؟

ج: اگر اس فضول میں شرکت مطلوب ہو تو کھا لیا جائے۔ ورنہ انکار کر دیا جائے۔

س: اگر سالگرہ میں جانا مناسب نہیں ہے تو صرف سالگرہ کا تحفہ اس دعوت کے بعد یا پہلے دے دینا کیسا ہے؟ کیونکہ لوگ پھر یہ کہیں گے کہ تحفہ نہ دینا پڑے اس لئے نہیں آئے۔ حالانکہ اسلام تو خود اجازت دیتا ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے؟

ج: تحفہ دینا اچھی بات ہے' لیکن سالگرہ کی بنا پر دینا بدعت ہے۔

س: ہم خود سالگرہ نہ منائیں، لیکن کوئی دوسرا ہمیں کارڈ یا تحفہ دے (سالگرہ کا) تو اسے قبول کرنا چاہئے؟ یا انکار کر دینا چاہئے؟ حالانکہ انکار کرنا کچھ عجیب سا لگے گا۔

ج: اوپر لکھ چکا ہوں، انکار کرنا عجیب اس لئے لگتا ہے کہ دل و دماغ میں انگریزیت رچ بس گئی ہے، اسلام اور اسلامی تمدن، نکل چکا ہے۔

س: کالج میں عموماً سالگرہ کی مبارک باد دینے کے لئے سالگرہ کے کارڈز دیئے جاتے ہیں، کیا وہ دینا درست ہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ درست ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی خوشیوں میں شرکت کا اظہار ہے؟

ج: یہ بھی اسی فضول رسم کی شاخ ہے۔ جب سالگرہ کی خوشی بے معنی ہے تو اس میں شرکت بھی بے معنی ہے۔

مکان کی بنیاد میں خون ڈالنا:

س: میں نے ایک عدد پلاٹ خریدا ہے اور میں اس کو بنوانا چاہتا ہوں، میں نے اس کی بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تو ہمارے بہت رشتے دار کہنے لگے، کہ اس کی بنیادوں میں بکرے کو کاٹ کر اس کا خون ڈالنا اور گوشت غریبوں میں تقسیم کر دینا اچھا ہے۔

اور بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ بنیادوں میں تھوڑا سا سونا یا چاندی ڈالو ورنہ آئے دن بیمار رہو گے، میں نے جہاں پلاٹ لیا ہے وہاں بہت سے مکان بنے ہیں اور زیادہ تر لوگوں نے بکرے وغیرہ کا خون بنیادوں میں ڈالا ہے، میں نے اس سلسلے میں اپنے استاد سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میاں خون اور سونا یا چاندی بنیادوں میں ڈالنا سب ہندوانی رسمیں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: آپ کے استاد صاحب نے صحیح فرمایا ہے مکان کی بنیاد پر بکرے کا خون یا سونا چاندی ڈالنے کی کوئی شرعی اصل نہیں۔

نئے عیسوی سال کی آمد پر خوشی:

س: کیا نئے عیسوی سال کی آمد پر خوشی منانا جائز ہے؟

ج: عیسائیوں کی رسم ہے اور مسلمان جہالت کی وجہ سے مناتے ہیں۔

دریا میں صدقہ کی نیت سے پیسے گرانا:

س: دریا کے پلوں سے گزرتے ہوئے اکثر مسافر پانی میں روپے پیسے بہا دیتے ہیں، کیا یہ عمل صدقہ کی طرح دافع بلا ہے؟

ج: یہ صدقہ نہیں، بلکہ مال کو ضائع کرنا ہے، اس لئے کار ثواب نہیں، بلکہ موجب وبال ہے۔

مخصوص راتوں میں روشنی کرنا اور جھنڈیاں لگانا:

س: کیا ستائیسویں رمضان کی شب اور بارہ ربیع الاول کی شب کو روشنیوں اور جھنڈیوں کا انتظام کرنا باعث ثواب ہے؟

ج: خاص راتوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کے انتظام کو فقہاء نے بدعت اور اسراف (فضول خرچی) کہا ہے۔

مایوں اور مہندی کی رسمیں:

س: آج کل شادی کی تقریبات میں طرح طرح کی رسومات کی قید لگائی جاتی ہے معلوم نہیں کہ یہ کہاں سے آئی ہیں۔ لیکن اگر ان سے منع کرو تو جواب ملتا ہے کہ نئے نئے مولوی نئے نئے فتوے' جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دلہن کو شادی سے چند دن پہلے پیلے رنگ کا جوڑا پہنا کر گھر کے ایک کونے میں بٹھا دیا جاتا ہے' اس حصے میں جہاں دلہن ہو اسے پردے میں کر دیا جاتا ہے (چادر وغیرہ سے) حتیٰ کہ باپ' بھائی وغیرہ یعنی محارم شرعی سے بھی اسے پردہ کرایا جاتا ہے اور باپ' بھائی وغیرہ (یعنی محارم) سے پردہ نہ کرانے کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ (چاہے شادی کے دنوں سے پہلے وہ لڑکی بے پردہ ہو کر کالج ہی کیوں نہ جاتی ہو) اس رسم کا خواتین بہت زیادہ اہتمام کرتی ہیں اور اسے ''مایوں بٹھانا'' کے نام سے یاد کرتی ہیں' اگر کم دن بٹھایا جائے تو بھی بہت زیادہ اعتراض کرتی ہیں کہ صرف دو دن پہلے مایوں بٹھایا' اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا اس کا کسی بھی طرح سے اہتمام کرنا چاہئے یا کہ اسے بالکل ہی ترک کر دینا صحیح ہے؟

ج: ''مایوں بٹھانے'' کی رسم کی کوئی شرعی اصل نہیں' ممکن ہے جس شخص نے یہ رسم ایجاد کی ہے اس کا مقصد یہ ہو کہ لڑکی کو تنہا بیٹھنے' کم کھانے اور کم بولنے' بلکہ نہ بولنے کی عادت ہو جائے اور اسے سسرال جا کر پریشانی نہ ہو۔ بہرحال' اس کو ضروری سمجھنا اور محارم شرعی تک سے پردہ کرا دینا نہایت بے ہودہ بات ہے' اگر غور کیا جائے تو یہ رسم لڑکی کے حق میں ''قید تنہائی'' بلکہ زندہ درگور کرنے سے کم نہیں۔ تعجب ہے کہ روشنی کے زمانہ میں تاریک دور کی یہ رسم خواتین اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور کسی کو اس کی قباحت کا احساس نہیں ہوتا۔

س: اسی طرح سے ایک رسم ''مہندی'' کے نام سے موسوم کی جاتی ہے ہوتا کچھ اس طرح ہے' کہ ایک دن دولہا کے گھر والے مہندی لے کر دلہن کے گھر آتے ہیں اور دوسرے دن دلہن والے' دولہا کے گھر مہندی لے کر جاتے ہیں' اس رسم میں عورتوں اور مردوں کا جو اختلاط ہوتا ہے اور جس طرح کے حالات اس وقت ہوتے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں' یعنی حد درجہ کی بے حیائی وہاں برتی جاتی ہے' اور اگر کہا جائے کہ یہ رسم ہندوؤں کی ہے اسے نہ کرو تو بعض لوگ تو اس رسم کو اپنے ہی گھر منعقد کر لیتے ہیں (یعنی ایک دوسرے کے گھر جانے کی ضرورت نہیں رہتی) مگر کرتے ضرور ہیں' جوان لڑکیاں بے پردہ ہو کر گانے گاتی ہیں اور بڑے بڑے حضرات جو اپنے آپ کو بہت زیادہ دیندار کہتے ہیں' ان کے گھروں میں بھی اس رسم کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ج: مہندی کی رسم جن لوازمات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے یہ بھی دور جاہلیت کی یادگار ہے' جس کی طرف اوپر اشارہ کر چکا ہوں اور یہ تقریب جو بظاہر بڑی معصوم نظر آتی ہے بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے' اس لئے پڑھی لکھی خصوصاً دیندار خواتین کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے اور اس کو یکسر بند کر دینا چاہئے' بچی کے مہندی لگانا تو برائی نہیں' لیکن اس کے لئے تقریبات منعقد کرنا اور لوگوں کو دعوتیں دینا' جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا شوخ انگیز اور بھڑکیلے لباس پہن کر بے محابا ایک

دوسرے کے سامنے جانا بے شرمی و بے حیائی کا مرقع ہے۔

شادی کی رسومات کو قدرت کے باوجود نہ روکنا:

س: شادی کی رسومات کو اگر روکنے کی قدرت ہو تو بھی ان کو اپنے گھروں میں ہونے دینا کیسا ہے؟ یعنی ان رسومات سے روکا نہ جائے بلکہ ناجائز سمجھتے ہوئے بھی کرایا جائے تو اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز ان رسومات کو کس حد تک روکا جائے؟ آیا کہ بالکل ہونے ہی نہ دیا جائے یا صرف یہ کہہ دینا (بھئی یہ کام نہیں ہوگا اس گھر میں) بھی کافی ہے؟

ج: ایمان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکا جائے' درمیانہ درجہ یہ ہے کہ زبان سے روکا جائے' اور سب سے کمزور درجہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ سے یا زبان سے منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو کم سے کم دل سے برا سمجھے' جو لوگ قدرت کے باوجود ایسے حرام کاموں سے نہیں روکتے' نہ دل سے برا جانتے ہیں ان میں آخری درجہ کا بھی ایمان نہیں۔

شادی کی مووی بنانا:

س: شادی میں فوٹو گرامی کی رسم بھی انتہائی ضروری ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ تصویر کشی حرام ہے' لوگ اس کے کرنے سے دریغ نہیں کرتے' آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا جو تصویریں کم علمی کے باعث پہلے بنوائی جا چکی ہیں' ان کا دیکھنا یا ان کا رکھنا کیسا ہے؟ آیا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے یا انہیں رکھ سکتے ہیں اور جو ان تصاویر کو سنبھال کر رکھے گا اور ان کی حرمت ثابت ہونے کے باوجود انہیں جلاتا نہیں ہے۔ اس کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

ج: تصویر بنانا' دیکھنا اور رکھنا شرعاً حرام ہے' تصویر بنائی ہی نہ جائے اور جو بے ضرورت ہو اس کو تلف کر دیا جائے' اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا جائے۔

س: فوٹو گرافی کے علاوہ (مووی بنانا) یعنی ویڈیو کیمرے کے ذریعے سے تصویر کشی کرنا کیسا ہے' اس کا بنوانا' اس کا دیکھنا اور اس کا رکھنا کیسا ہے' اگر بنانے والا اپنا محرم ہی ہو تو پھر کیسا ہے؟ (یعنی بے پردگی نہیں ہوگی)۔

ج: ''مووی بنانا'' بھی تصویر سازی میں داخل ہے' ایسی تقریبات' جن میں ایسے حرام امور کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لی جائے' موجب لعنت ہیں اور ایسی شادی کا انجام ''خانہ بربادی'' کے سوا کچھ نہیں نکلتا' ایسی خرافات سے توبہ کرنی چاہئے۔

عذر کی وجہ سے انگلیاں چٹخانا:

س: میری اور میری دوسری بہنوں کی انگلیاں چٹخانے کی عادت ہے اگر انگلیاں چٹخائے ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ ہو جائے تو ہاتھوں میں درد ہونے لگتا ہے جبکہ ہماری امی اس حرکت سے سخت منع کرتی ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ انگلیاں چٹخانا حرام ہے۔ آپ براہِ کرم مجھے یہ بتائیں کہ کیا واقعی یہ حرکت کرنا حرام ہے یا شریعت میں اس کے متعلق کوئی حکم ہے؟

ج: انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے اور اس کی عادت بہت بری ہے۔

رات کو انگلیاں چٹخانا:

س: کیا انگلی چٹخانا گناہ ہے؟ کیونکہ ہمارے ایک دوست نے کہا کہ رات میں انگلی نہیں چٹخانا چاہئے اس سے فرشتے نہیں آتے' کیونکہ انگلی چٹخانا نحوست کی علامت ہے تو آپ بتائیے کہ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

ج: انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔

ماں کے دودھ نہ بخشنے کی حقیقت:

س: اولاد کے لئے ماں کے دودھ بخشنے کی جو روایات ہم ایک عرصے سے سنتے آئے ہیں' قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آج کل مائیں اولاد کی پرورش ڈبوں کے دودھ پر کرتی ہیں وہ کس طرح دودھ بخشیں گی؟

ج: دودھ بخشنے کی روایت تو کہیں میری نظر سے نہیں گزری' غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کا حق اتنا بڑا ہے کہ آدمی اس کو ادا نہیں کرسکتا۔ الا یہ کہ ماں اپنا حق معاف کردے۔

عید کارڈ کی شرعی حیثیت:

س: عید کارڈ کا رواج ہمارے ہاں کب سے ہوا؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کی لکھائی چھپائی اور تقسیم پر جو لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے کیا یہ اسراف بے جا نہیں؟ شاید یہ رسم قبیح بھی غیر ملکی دور اقتدار کی نشانی ہے کیونکہ قیمتی کاغذ کی شکل میں لاکھوں روپیہ غیر ملکوں کو چلا جاتا ہے اور غیر ملکی آقاؤں کی دی ہوئی تعلیم کا حامل ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ اس میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔ شادی کارڈ کی شکل میں صرف ہونے والا روپیہ بھی اس ذیل میں آتا ہے' ان کارڈوں کا خریدار بے تحاشہ روپیہ اس مد میں صرف کرتا ہے جبکہ مرسل الیہ کو کچھ بھی نہیں ملتا کیا عید کی مبارکباد سادہ خط میں نہیں دی جاسکتی؟

ج: یہ تو معلوم نہیں کہ عید کارڈ کی رسم کب سے جاری ہوئی' مگر اس کے فضول اور بے جا اسراف ہونے میں کوئی شبہ نہیں' اسی طرح شادی کارڈ بھی فضول ہیں' آپ کے خیالات قابل قدر ہیں۔[1]

منت ماننا کیوں منع ہے؟

س: بعض لوگوں سے سنا ہے کہ نذر کی شریعت میں ممانعت آئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: حدیث میں نذر سے جو ممانعت کی گئی ہے۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ نذر مان لینے سے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے۔ حدیث میں اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا گیا ہے کہ نذر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہیں ٹلتی۔ دوم یہ کہ بندے کا یہ کہنا کہ اگر میرے مریض کو شفا ہو جائے تو میں اتنے روزے رکھوں گا۔ یا اتنا مال صدقہ کروں گا۔ یہ ظاہری صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودے بازی ہے اور یہ عبدیت کی شان نہیں۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج اول۔ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱۰ ص ۲۵۱

کعبہ کی نیاز:

س: "والبدن جعلنها لکم من شعائر اللّٰہ" کعبہ کی نیاز کے اونٹ' ہر تفسیر اور ترجمہ میں کعبہ کی نیاز یا کعبہ پر چڑھانے یعنی قربانی کرنے کے اونٹ لکھا ہے' جو ترجمہ ہے۔ والھدی والقلائد کا۔ سوال یہ ہے کہ کعبہ شریف بھی تو غیر اللہ ہے پھر اس کی نیاز کیسے ہو سکتی ہے؟

ج: کعبہ بیت اللہ ہے۔ اس لئے کعبہ کی نیاز دراصل رب کعبہ کی نیاز ہے۔[1]

کیا نبی کی نیاز اللہ کی نیاز کہلائے گی:

س: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' ان کی نیاز بھی رب کعبہ کی نیاز ہے۔ اسی طرح تمام اولیاء کی نیاز سے پھر کیوں منع کیا جاتا ہے؟

ج: بہت نفیس سوال ہے۔ ہدی کے جانور رب کعبہ کی نیاز ہے ان کی نیاز کی جگہ مشاعر حج یعنی حرم شریف ہے۔ اس لئے مجازاً ان کو کعبہ کی نیاز کے جانور کہا جاتا ہے۔

بخلاف آنحضرت ﷺ اور اولیاء کرامؒ کے کہ ان کی نیاز اللہ کے لئے شرع میں معبود نہیں۔ اس لئے درمختار میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو نذریں لائی جاتی ہیں۔ اگر اس سے مقصود وہاں کے فقراء پر صدقہ ہو تو یہ نذر اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے جائز ہے اور اگر خود اولیاء اللہ کی نذر گزارنی مقصود ہو تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔

اس کی مثال بیت اللہ کی طرف سجدہ ہے کہ سجدہ تو حق تعالیٰ شانہ کو کیا جاتا ہے اور جہتِ سجدہ بیت اللہ ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو سجدہ جائز نہیں۔[2]

❀ ❀ ❀

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱۰ ص ۲۵۱ [2] ایضاً۔

توہم پرستی

اسلام میں بدشگونی کا کوئی تصور نہیں:

س: عام خیال یہ ہے کہ اگر کبھی دودھ وغیرہ گر جائے یا پھر طاق اعداد مثلاً ۳، ۵، ۷ وغیرہ یا پھر اسی طرح دنوں کے بارے میں جن میں منگل، بدھ، ہفتہ وغیرہ آتے ہیں انہیں مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ عام زبان میں بدشگونی کہا جاتا ہے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں بدشگونی کی کیا حیثیت ہے؟

ج: اسلام میں نحوست اور بدشگونی کا کوئی تصور نہیں۔ یہ محض توہم پرستی ہے۔ حدیث شریف میں بدشگونی کے عقیدہ کی تردید فرمائی گئی ہے۔ سب سے بڑی نحوست انسان کی اپنی بدعملیاں اور فسق و فجور ہے۔ جو آج مختلف طریقوں سے گھر گھر میں ہو رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہ بدعملیاں اور نافرمانیاں خدا کے قہر اور لعنت کی موجب ہیں۔ ان سے بچنا چاہئے۔[1]

اسلام نحوست کا قائل نہیں:

س: ہمارے مذہب اسلام میں نحوست کی کیا اہمیت ہے۔ بعض لوگ پاؤں پر پاؤں رکھنے کو نحوست سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ انگلیاں چٹخانے کو نحوست سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ جمائیاں لینے کو نحوست سمجھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں کام کے لئے فلاں دن منحوس ہے۔

ج: اسلام نحوست کا قائل نہیں۔ اس لئے کسی کام یا دن کو منحوس سمجھنا غلط ہے۔ نحوست اگر ہے تو انسان کی اپنی بدعملی میں ہے۔ پاؤں پر پاؤں رکھنا جائز ہے۔ انگلیاں چٹخانا نامناسب ہے اور اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔[2]

لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس سمجھنا:

س: جن گھروں میں لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں وہاں زیادہ لوگ خوش نہیں ہوتے بلکہ رسماً ہی خوش ہوتے ہیں لڑکوں کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ کیونکہ لڑکی ہو یا لڑکا یہ تو اللہ ہی کی مرضی ہے لیکن جس نے لڑکی کو جنا اس کی تو گویا مصیبت ہی آ گئی اور وہ ''منحوس'' ٹھہرتی ہے کیا ہم واپس جاہلیت کی طرف نہیں لوٹ رہے؟ جبکہ لڑکی کو دفن کر دیا جاتا تھا۔

ج: لڑکوں کی پیدائش پر زیادہ خوشی تو ایک طبعی امر ہے لیکن لڑکیوں کو یا ان کی ماں کو منحوس سمجھنا یا ان کے ساتھ حقارت

---

[1] آپ کے مسائل ج ا ص ۳۵۸ تا ص ۳۵۹ [2] ایضاً۔

آمیز سلوک کرنا گناہ ہے۔[1]

عورتوں کو مختلف رنگوں کے کپڑے پہننا جائز ہے؟

س: ہمارے بزرگ چند رنگوں کے کپڑے اور چوڑیاں (مثلاً کالے، نیلے) رنگ کی پہننے سے منع کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ فلاں رنگ کے کپڑے پہننے سے مصیبت آجاتی ہے یہ کہاں تک درست ہے؟

ج: مختلف رنگ کی چوڑیاں اور کپڑے پہننا جائز ہے اور یہ خیال کہ فلاں رنگ سے مصیبت آئے گی محض توہم پرستی ہے، رنگوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اعمال سے انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول یا مردود ہوتا ہے۔[2]

مہینوں کی نحوست:

س: اسلام میں نحوست منحوس وغیرہ نہیں جبکہ ایک حدیث ماہ صفر کو منحوس قرار دے رہی ہے۔ حدیث کا ثبوت کراچی میں بہت تعداد میں بانٹے گئے کاغذ سے ہوا۔

ج: ماہ صفر منحوس نہیں اسے تو ''صفر المظفر'' کہا گیا ہے۔ یعنی کامیابی اور خیر و برکت کا مہینہ۔ ماہ صفر کی نحوست کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں۔ جو پرچے بعض لوگوں نے شائع کئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔[3]

محرم میں شادی:

س: ہمارے ہاں لوگ ماہ محرم میں شادی کرنے کو ناجائز کہتے ہیں کیا شرعاً یہ درست ہے؟

ج: ماہ محرم میں شادی کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہے۔ اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں۔ ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں۔ ان میں شرکت حرام ہے۔

''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ مسلم راتشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔

یعنی مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔[4]

س: دسویں تاریخ محرم کو شادی بیاہ کرنا بچوں کی ختنہ کرنا اور شادی کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز ہے۔ شریعت میں اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، باقی واقعہ شہادت کا غم وہ ایسی چیز ہیں کہ صرف اسی دن ہوا کرے، جس کو اس واقعہ کا غم ہے وہ ہمیشہ غم رکھتا ہے اور شریعت میں سوائے خاوند کے کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں رکھا گیا۔

کما ورد فی الحدیث المعتبر۔ لہٰذا نکاح شادی ولیمہ وغیرہ اس دن میں اور تمام عشرہ محرم میں بلاشبہ جائز ہے۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۳۵۸ تا ۳۵۹ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۳۵۹
[4] فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۹۱ [5] امداد المفتیین ج ا ص ۹۶

کیا صفر میں نحوست ہے؟

س: عورتوں کا خیال اور اعتقاد یہ ہے کہ صفر کا مہینہ اور خصوصاً ابتدائی ۱۳ دن منحوس اور نا مبارک ہیں۔ ان دنوں میں عقد نکاح، خطبہ اور سفر نہ کرنا چاہئے، ورنہ نقصان ہوگا۔ کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

ج: مذکورہ خیالات اور عقائد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان خیالات کی سخت الفاظ میں تردید فرمائی۔ واقع میں وقت، دن، مہینہ یا تاریخ منحوس نہیں ہوتے، نحوست بندوں کے اعمال وافعال پر منحصر ہے۔ جس وقت کو بندوں نے عبادت میں مشغول رکھا وہ وقت اس کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا ہے وہ ان کے لئے منحوس ہوتا ہے۔ حقیقت میں مبارک عبادات ہیں اور منحوس معصیات ہیں۔

الغرض ماہ صفر منحوس نہیں ہے۔ مگر منحوس ہمارے اعمال اور غیر اسلامی عقائد ہیں۔ ان تمام کو ترک کرنا اور ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ ماہ صفر اور اس کے ابتدائی تیرہ دنوں کو منحوس سمجھ کر شادی، منگنی (خِطبہ) سفر وغیرہ کاموں سے رک جانا سخت گناہ کا کام ہے۔ نصاب الاحتساب میں ہے کہ کوئی شخص سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور کوے کی آواز سن کر سفر سے رک جائے، تو بزرگوں کے نزدیک وہ شخص کافر شمار ہوتا ہے۔[1]

آنحضرت ﷺ نے جاہلیت کے باطل عقائد کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔

"لا عدوٰی" امراض کی تعدی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ غلط ہے اور فرمایا "لاطیرۃ" بد فالی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی سامنے سے بلی، یا عورت، یا کانا آدمی آجائے تو کام نہیں ہوگا۔ ایسا عقیدہ باطل ہے۔

آپ نے فرمایا "والطیرۃ شرك" بدفالی شرک کا کام ہے۔ بدفالی شرک کا کام ہے۔ بدفالی شرک کا کام ہے۔ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا "ولا هامة" یعنی الو کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جہاں پر الو بولتا ہے وہ گھر برباد ہو جاتا ہے۔

اس لئے آنحضرت ﷺ نے "ولا هامة" فرما کر اس عقیدہ کو باطل ٹھہرایا۔ اس کے بعد پھر فرمایا "ولاصفر" اور صفر کے مہینہ کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے۔[2]

مشرکین ماہ صفر کو تیرہ تاریخوں تک منحوس سمجھتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی۔ افسوس! مسلمان اسلام اور پیغمبر اسلام کے فرمان کے خلاف مشرکین کے عقیدہ کی اقتدا کر رہے ہیں۔[3]

---

[1] مجالس الابرار م ۳۹ ص ۲۴۸ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۷ باب لا هامة، کتاب الطب۔

[3] فتاویٰ رحیمیہ ج ا ص ۱۱۷، ۱۱۸

صفر کا آخری چہار شنبہ:

س: ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ جو آخری بدھ (چہار شنبہ) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اسکول اور مدارس میں تعطیل کی جاتی ہے اور اس کو خوشی کے دن کے طور سے منایا جاتا ہے۔ اس کی کوئی اصل ہے؟

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو مرض سے شفا پائی اور غسل فرما کر سیر وتفریح فرمائی۔ اس لئے مسلمانوں کو اس کی خوشی منانا چاہئے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: مذکورہ چیزیں بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہیں۔ مسلمانوں کے لئے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔

شمس التواریخ وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ صفر سہ شنبہ کو اسامہ بن زیدؓ امیر لشکر مقرر کئے گئے۔ ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ بیمار ہو چکے تھے۔ لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اسامہؓ کو دیا۔ ابھی کوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر اور چہار شنبہ اور اوّل شب پنج شنبہ میں آپ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اسی دن وقت عشاء سے آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ رصفر چہار شنبہ کے روز آنحضرت ﷺ کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا۔ یہ دن مسلمانوں کے لئے خوشی کا نہیں ہے البتہ یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا' خوشیاں منانا۔ مدارس وغیرہ میں تعطیل کرنا۔ یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب آخری چہار شنبہ کو نہیں مانتے۔ دیکھئے احکام شریعت میں مذکورہ ذیل سوال و جواب ہے۔

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز آنحضرت ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی۔ بنابر اس کے اس روز کھانا شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں.......لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟

ج: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں۔ نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے۔ بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ احکام شریعت ج ۲ ص ۵۰۔[2]

محرم' صفر' رمضان وشعبان میں شادی کرنا:

س: ہماری برادری کا کہنا ہے کہ چند مہینے ایسے ہیں جن میں شادی کرنا منع ہے۔ جیسے محرم' صفر' رمضان' شعبان وغیرہ۔ میں

---

[1] شمس التواریخ ج ۲ ص ۱۰۰۵ تا ۱۰۰۸۔ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۱۹' ۱۲۰

پوچھنا چاہتا ہوں کہ حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ان مہینوں میں شریعت نے شادی کو جائز قرار دیا ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو کرنے والا کیا گناہ گار ہوگا؟

ج: شریعت میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں شادی سے منع کیا گیا ہو۔[۱]

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا:

س: کیا صفر کا مہینہ خصوصی طور پر ابتدائی تیرہ دن جس کو عرف میں تیرہ تیزی کہا جاتا ہے یہ منحوس ہے؟

ج: صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا جاہلیت کی رسم ہے۔ مسلمان تو اس کو ''صفر المظفر'' اور ''صفر الخیر'' سمجھتے ہیں۔ یعنی خیر اور کامیابی کا مہینہ۔[۲]

شعبان میں شادی:

س: ہمارے بزرگوں اور عام لوگوں کا کہنا ہے کہ شعبان المعظم چونکہ شب براءت کا مہینہ ہے اس لئے شعبان میں نکاح جائز نہیں اور شادی بیاہ منع ہے؟

ج: قطعاً غلط اور بیہودہ خیال ہے۔ اسلام نے کوئی مہینہ ایسا نہیں بتایا جس میں نکاح ناجائز ہو۔[۳]

کیا محرم، صفر میں شادیاں رنج وغم کا باعث ہوتی ہیں:

س: محرم، صفر، شعبان میں چونکہ شہادت حسینؓ اور اس کے علاوہ بڑے سانحات ہوئے ان کے اندر شادی کرنا نامناسب ہے اس لئے کہ شادی ایک خوشی کا سبب ہے اور ان سانحات کا غم تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے اور مشاہدات سے ثابت ہے کہ ان مہینوں میں کی جانے والی شادیاں کسی نہ کسی سبب سے رنج وغم کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس میں کسی عقیدے کا کیا سوال۔

ج: ان مہینوں میں شادی نہ کرنا اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینے منحوس ہیں۔ اسلام اس نظریہ کا قائل نہیں۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینے میں عقد نکاح ممنوع ہوگیا ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا وصال ہوا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی بزرگ تر تھے اس سے یہ لازم آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی میں بھی نکاح نہ کیا جائے۔ پھر شہادت کے مہینے کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بھی غلط ہے۔[۴]

عیدین کے درمیان شادی:

س: میں نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ عید الفطر اور بقر عید کے درمیان شادی نہیں کرنی چاہئے بلکہ بقر عید کے بعد شادی کرنی چاہئے اگر شادی ہو جائے تو دولہا دلہن سکھ سے نہیں رہتے آپ یہ بتائیں کہ یہ درست ہے یا غلط؟

ج: بالکل غلط عقیدہ ہے۔[۵]

---

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج اول۔ [۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔ [۴] ایضاً۔ [۵] ایضاً۔

کیا منگل، بدھ کو سرمہ لگانا ناجائز ہے:

س: میں نے سنا ہے کہ ہفتہ میں صرف پانچ دن سرمہ لگانا جائز ہے اور دو دن لگانا جائز نہیں۔ مثلاً منگل اور بدھ کے دن۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: ہفتہ کے سارے دنوں میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے۔ جو خیال آپ نے لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔[1]

نوروز کا تہوار:

س: ۲۱ مارچ کو جو ''نوروز'' منایا جاتا ہے کیا اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی کوئی حقیقت ہے؟ کراچی سے شائع ہونے والے روزنامے ''ڈان گجراتی'' میں نوروز کی بڑی دینی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے حوالے سے اس میں بتایا گیا ہے کہ ازل سے اب تک جتنے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں وہ سب اسی روز ہوئے۔ اسی روز سورج کو روشنی ملی، اسی روز ہوا چلائی گئی، اسی روز حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی، اسی روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت شکنی کی، وغیرہ وغیرہ۔ ازروئے حدیث نوروز کے اعمال بھی بتائے گئے کہ اس روز روزہ رکھنا چاہئے، نہانا چاہئے، نئے کپڑے پہننے چاہئیں، خوشبو لگانی چاہئے اور بعد نماز ظہر چار رکعت نماز نوروز دو دو رکعت کی نیت سے ادا کرنی چاہئے۔ پہلی دو رکعت کی پہلی رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد دس بار سورۃ القدر اور دوسری رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد دس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھنی چاہئے۔ دوسری دو رکعت میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد دس مرتبہ سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد دس مرتبہ سورۃ الناس اور دس مرتبہ سورۃ الفلق پڑھنی چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ آخر دو رکعت کی پہلی رکعت میں ایک ہی سورت دس بار اور دوسری رکعت میں دو سورتیں دس دس بار اور وہ بھی الٹی ترتیب سے یعنی سورۃ الناس پہلے اور سورۃ الفلق بعد میں کیا یہ درست ہے؟ چونکہ یہ باتیں قرآن وحدیث کے حوالے کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ لہٰذا آپ کو زحمت دے رہا ہوں براہِ کرم بذریعہ ''جنگ'' کی آئندہ اشاعت میں اس مسئلے کی وضاحت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔ شکریہ۔

ج: ہماری شریعت میں نوروز کی کوئی اہمیت نہیں اور ''ڈان گجراتی'' کے حوالے سے جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔ نوروز کی تعظیم مجوسیوں اور شیعوں کا شعار ہے۔[2]

رات کو جھاڑو دینا:۔

س: سنا ہے کہ رات کو جھاڑو دینا گناہ ہے کیا کاروباری لحاظ سے شریعت کے مطابق رات کو جھاڑو دینا اور جھاڑو سے فرش دھونا جائز ہے؟

ج: رات کو جھاڑو دینے کا گناہ میں نے کہیں نہیں پڑھا۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج اول

[2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

عصر کے بعد جھاڑو دینا:

س: ہمارے بزرگ کہتے ہیں کہ (۱) عصر کی اذان کے تھوڑی دیر بعد جھاڑو نہیں دینا چاہئے۔ یعنی اس کے بعد کسی بھی وقت جھاڑو نہیں دینی چاہئے اس طرح کرنے سے مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ (۲) چپل کے اوپر چپل نہیں رکھنی چاہئے۔ (۳) جھاڑو کھڑی نہیں کرنی چاہئے۔ (۴) چارپائی پر چادر لمبائی والی جانب کھڑے ہو کر نہیں بچھانی چاہئے۔

ج: یہ ساری باتیں شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ان کی حیثیت توہم پرستی کی ہے۔[1]

توہم پرستی کی چند مثالیں:

س: میں نے اکثر اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ رات کے وقت چوٹی نہ کرو، جھاڑو نہ دو، ناخن نہ کاٹو، منگل کو بال اور ناخن جسم سے الگ نہ کرو، ان سب باتوں سے نیستی آتی ہے۔ کھانا کھا کر جھاڑو نہ دو، رزق اڑتا ہے۔ میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔

ج: یہ محض توہمات ہیں۔ شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔[2]

الٹی چپل کو سیدھا کرنا:

س: ہم نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ راستے میں جو چپل الٹی پڑی ہو اسے سیدھا کر دینا چاہئے کیونکہ ''نعوذ باللہ'' اس سے اوپر لعنت جاتی ہے تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا الٹی چپل سیدھی کرنی چاہئے؟

ج: الٹی چیز کو سیدھا کرنا تو اچھی بات ہے لیکن آگے آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی کوئی اصل نہیں محض لغو بات ہے۔[3]

استخارہ جائز اور فال ناجائز:

س: کیا استخارہ لینا کسی بھی کام کرنے سے پہلے اور فال کھلوانا شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے؟

ج: سنت طریقے کے مطابق استخارہ تو مسنون ہے حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہے اور فال کھلوانا ناجائز ہے۔[4]

قرآن مجید سے فال نکالنا:

س: ہم چار بہنیں ہیں، والد چار سال پہلے انتقال کر چکے ہیں، والدہ حیات ہیں، میں سب سے چھوٹی ہوں، مجھ سے بڑی تینوں بہنیں غیر شادی شدہ ہیں ایک اہم بات یہ ہے کہ ہم سنی (مسلمان) گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں ہمارے کچھ دور کے رشتہ دار ہیں جو کہ قادیانیوں میں سے ہیں، ہمارا ان کے ساتھ کوئی خاص میل جول نہیں ہے، میرے والد کی وفات کے بعد ان لوگوں نے میری بڑی بہن کے لئے اپنے بیٹے کا رشتہ بھیجا، امی نے انکار تو نہ کیا (اقرار بھی نہ کیا) لیکن سوچنے کے لئے کچھ وقت مانگا، میری امی کو میری نانی نے مشورہ دیا کہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا جائے، آپ کو ایک بات بتاؤں کہ میرے ابو میں چند ایسی عادتیں تھیں جن کی وجہ سے نہ صرف امی بلکہ ہم چاروں بھی بہت پریشان تھیں۔ امی نے قرآن مجید سے ابو کے بارے میں سوال پوچھا تو اس میں واضح طور پر جواب تھا کہ ''بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا

---

[1] آپ کے مسائل ج اول [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

ہے سوایک خاص وقت (یعنی اس کے مرنے کے وقت) تک اس کی حالت کا انتظار کرلو''۔ (سورۃ المومنون کی ۲۵ ویں آیت) سو میرا باپ مرنے تک صحیح نہ ہوسکا قرآن میں واضح طور پر جواب مل گیا تھا اس لئے ہم سب کو پختہ یقین تھا کہ ہم کو قرآن پاک ہی صحیح مشورہ دے گا' اس لئے جب یہ رشتہ آیا تو امی نے بہت ہی پریشانی کے عالم میں یہ سوال پوچھا کہ ''ہم مسلمان ہیں اور لڑکا غیر مسلم ماں باپ کا بیٹا ہے۔ اس لئے تھوڑی سی خلش ہے کیا ہم وہاں ہاں کردیں؟ تو قرآن پاک میں یہ جواب آیا تھا کہ ''اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی' کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں دائمی نعمت ہو گی (اور) ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے''۔ (سورۃ التوبہ :۳۱) سب کو یہ جواب پڑھ کر کچھ تسلی ہوئی لیکن بعض رشتہ دار اور خود میری بہن صرف اس وجہ سے انکاری تھے کہ وہ غیر مسلم ہیں اس لئے امی مزید پریشان ہوگئی ہیں اور بیمار پڑ گئی ہیں امی نے ایک مرتبہ پھر قرآن مجید میں پوچھا تو آپ یقین نہیں کریں گے کہ اس میں واضح طور پر یہ الفاظ تھے کہ ''آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے''۔ (سورۃ التوبہ کی چالیسویں آیت) چونکہ قرآن مجید چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اور ہمارا قرآن پاک چھوٹا ہے اس لئے صفحہ جب شروع ہوتا ہے تو یہی الفاظ جو میں نے بیان کئے ہیں الگ الگ صفحات پر درج ہیں' یہ میں آپ کو اس لئے بتا رہی ہوں کہ جب آپ ان آیات کا ترجمہ پڑھیں گے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے قرآن مجید میں وہ آگے پیچھے ہوں۔

آپ بھی مسلمان ہیں اور قرآن مجید کے ایک ایک حرف پر یقین رکھتے ہیں' مجھے احساس ہے کہ آپ دوسرے علماء کی طرح غیر مسلموں کو برا سمجھتے ہیں' ہم بہت پریشان ہیں' اب انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہم نے قرآن سے پوچھ لیا تو سمجھیں کہ اللہ سے پوچھ لیا اور اگر ہم نے نہ کردی تو اللہ تعالیٰ نہ جانے ہمارے لئے کون سی سزائیں منتخب کرے گا؟ مجھے احساس ہے کہ آپ کا کیا جواب ہوگا لیکن بس آپ میری یہ مشکل حل کردیں۔ آیا ہم قرآن مجید سے پوچھنے کے باوجود ''نہ'' کر سکتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں وہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔

ج: آپ کے سوال میں چند امور توجہ طلب ہیں ان کو الگ الگ لکھتا ہوں:

اول: قادیانی باجماع امت مرتد اور زندیق ہیں' کسی مسلمان لڑکی کا' کسی کافر سے نکاح نہیں ہوسکتا اس لئے اپنی بچی کافر کے حوالے ہرگز نہ کیجئے ورنہ ساری عمر زنا اور بدکاری کا وبال ہوگا اور اس گناہ میں آپ دونوں ماں بیٹی بھی شریک ہوں گی۔

دوم: قرآن مجید سے فال دیکھنا حرام اور گناہ ہے اور اس فال کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا نادانی ہے کیونکہ قرآن مجید کے صفحے مختلف ہوسکتے ہیں ایک شخص فال کھولے گا تو کوئی آیت نکلے گی اور دوسرا کھولے گا تو وہ دوسری آیت نکلے گی۔ جو مضمون میں پہلی آیت سے مختلف ہوگی پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم سے فال نکال کر کسی شخص نے کوئی کام کیا اور اس کا انجام اچھا نہ نکلا تو قرآن کریم سے بدعقیدگی پیدا ہوگی جس کا نتیجہ کفر تک نکل سکتا ہے۔ بہرحال علمائے امت نے اس کو ناجائز اور گناہ فرمایا ہے چنانچہ مفتی کفایت اللہ کے مجموعہ فتاوی ''کفایۃ المفتی'' میں ہے۔

س: ایک لڑکی کے کچھ زیورات کسی نے اتار لئے لوگوں کا خیال ایک شخص کی طرف گیا اور فال کلام مجید سے نکالی گئی اور اسی شخص کا نام نکلا جس کی طرف خیال گیا تھا اس کو جب معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جا کر قرآن مجید کے چند ورق پھاڑ لئے اور ان پر پیشاب کر دیا۔ (نعوذ باللہ) اور کہنے لگا کہ قرآن مجید بھی جھوٹا اور مولوی سالا بھی جھوٹا۔ آیا یہ شخص اسلام میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہوسکتا ہے تو کیسے؟''۔

ج: شریعت میں فال نکالنا منع ہے اور اس کے منع ہونے کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ممکن ہے کہ نام غلط نکلے اور پھر جس کا نام نکلے خدانخواستہ کہیں وہ ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جیسی کہ اس شخص نے کی۔ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو آپ نے دیکھا جس شخص نے کلام مجید اور مولویوں کے ساتھ ایسی گستاخیاں کی ہیں وہ کافر ہے لیکن نہ ایسا کافر کہ کبھی اسلام میں داخل نہ ہو سکے بلکہ جدید توبہ سے وہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔ آئندہ فال نکالنے سے احتراز کرنا چاہئے تا کہ فال نکال کر نام نکالنے والے اس شخص کی طرح خود بھی اور جس کا نام نکلا تھا اسے بھی گناہ گار نہ کریں۔ اس شخص سے توبہ کرانے کے بعد اس کی بیوی سے تجدید نکاح لازم ہے''۔ (کفایۃ المفتی ص ۱۲۹' ج ۹)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ج: قرآن مجید سے فال نکالنی ناجائز ہے فال نکالنی اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب (مثلاً دیوان حافظ یا گلستان وغیرہ) سے بھی ناجائز ہے مگر قرآن مجید سے نکالنی تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے''۔ (کفایۃ المفتی ص ۲۲۱' ج ۹)

ایک اور جگہ مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

''چور کا نام نکالنے کے لئے قرآن مجید سے فال لینا ناجائز ہے اور اس کو یہ سمجھنا کہ یہ قرآن مجید کو ماننا یا نہ ماننا ہے' غلط ہے۔ اس لئے حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ تم قرآن مجید کو مانتے ہو تو زید کے دس روپے دے دو کیونکہ قرآن مجید نے تمہیں چور بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں تھا''۔ (ایضاً ص ۲۲۳)

پس آپ کا اور آپ کی والدہ کا اس ناجائز فعل کو حجت سمجھنا قطعاً غلط اور گناہ ہے' اس سے توبہ کرنی چاہئے۔

سوم: آپ کی والدہ نے آپ کے والد صاحب کے بارے میں سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۲۵ کی جو یہ فال نکالی تھی!

''بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ سو ایک خاص وقت (یعنی اس کے مرنے کے وقت) تک اس کی حالت کا انتظار کرلو''۔

قرآن مجید کھول کر اس سے آگے پیچھے پڑھ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کا قول نقل کیا ہے جو وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ اب اگر یہ قول صحیح ہے تو آپ کے والد صاحب کی مثال نوح علیہ السلام کی ہوئی اور آپ کی والدہ کی مثال قوم نوح کے کافروں کی ہوئی' کیا آپ اور

آپ کی والدہ اس مثال کو اپنے لئے پسند کریں گی؟ فرمان خدا (جس کا آپ حوالہ دے رہی ہیں) تو یہ ہے کہ اس فقرہ کے کہنے والے کافر ہیں اور جس شخص کے بارے میں یہ فقرہ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔ میں تو قرآن کریم کے لفظ لفظ پر ایمان رکھتا ہوں کیا آپ بھی اس فرمان خدا پر ایمان رکھیں گی؟

چہارم: اب کافرلڑکے کے بارے میں آپ کی والدہ نے سورۂ توبہ کی جو فال نکالی اس کو دیکھئے اس سے اوپر کی آیت میں ان اہل ایمان کا ذکر ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا' چنانچہ ارشاد ہے ''جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا''۔ انہی کے بارے میں فرمایا ہے۔

''ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے' اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی' کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں دائمی نعمت ہوگی اور ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے''۔

کیا دنیا کا کوئی عقل مند ان آیات کو جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے کامل اہل ایمان اور مہاجرین و مجاہدین کے بارے میں نازل ہوئیں فال کھول کر فاسقوں' بدکاروں اور کافروں' مرتدوں پر چسپاں کرنے لگے گا اور اس کو فرمان الٰہی سمجھ کر لوگوں کے سامنے کرے گا؟ اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ' اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے) اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا' سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں''۔ (التوبہ:۲۳)

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ جو کافر' کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں' خواہ وہ تمہارے کیسے ہی عزیز ہوں' خواہ باپ' بھائی اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں' ان کو اپنا دوست و رفیق نہ بناؤ اور ان سے محبت و مودت کا کوئی رشتہ نہ رکھو اور تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا نام ظالموں اور خدا کے نافرمانوں میں لکھا جائے گا۔ اب بتایئے کہ جن قادیانی مرتدوں نے ایمان پر کفر کو ترجیح دے رکھی ہے اور جنہوں نے قادیان کے غلام احمد کو (نعوذ باللہ) ''محمد رسول اللہ'' بنا رکھا ہے' ایسے کافروں کو اپنی بیٹی اور بہن دے کر آپ کس زمرے میں شمار ہوں گی؟ اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں کا نام ظالم رکھتا ہے' آپ اپنے لئے کون سا نام پسند کریں گی؟

پنجم: آپ کی امی نے تیسری فال قادیانیوں کے کافر قرار دیئے جانے پر نکالی اور اس میں یہ الفاظ نکلے۔

''آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے''۔

ذرا اس پوری آیت کو پڑھ کر دیکھئے کہ یہ کس کے بارے میں ہے؟ یہ آیت مقدسہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہے'

مکہ کے کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال دیا تھا اس کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو فرماتے ہیں۔

''اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے''۔

مکہ سے نکالنے والے مکہ کے کافر تھے اور جن کو نکالا گیا وہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ آپ کی امی فال کے ذریعہ قادیانیوں پر اس آیت کو چسپاں کر کے قادیانیوں کو نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کا مماثل بنا رہی ہیں اور تمام امت مسلمہ کو، جس نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے مکہ کے کافر بنا رہی ہیں یہ ہیں آپ کی امی کی کھولی ہوئی فال کے کرشمے اور لطف یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے معنی و مفہوم سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ان کرشموں کو خدا کا فرمان بتا رہی ہیں۔ خدا کے لئے ان باتوں سے توبہ کیجئے اور اپنا ایمان برباد نہ کیجئے۔ اس قادیانی مرتد کو ہرگز لڑکی نہ دیجئے کیونکہ میں اوپر فرمان خداوندی نقل کر چکا ہوں کہ ایسے کافروں سے دوستی اور رشتہ ناطہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ظالم اور نافرمان ٹھہرایا ہے۔ اگر آپ نے اس فرمان الٰہی کی پروانہ کی اور لڑکی قادیانی مرتد کو دے دی تو اس ظلم کی ایسی سزا دنیا و آخرت میں ملے گی کہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی اسے یاد رکھیں گی۔[1]

دست شناسی اور اسلام:

س: اسلام کی رو سے دست شناسی جائز ہے یا نہیں اس کا سیکھنا اور ہاتھ دیکھ کر مستقبل کا حال بتانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: ان چیزوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔[2]

دست شناسی کی کمائی کھانا:

س: علم نجوم پر لکھی ہوئی کتابیں (پامسٹری) وغیرہ پڑھ کر لوگوں کے ہاتھ دیکھ کر حالات بتانا یعنی پیش گوئیاں کرنا اور اس پیشہ سے کمائی کرنا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے؟

ج: جائز نہیں۔[3]

ستاروں کا علم:

س: کیا ستاروں کے علم کو درست اور صحیح سمجھا جا سکتا ہے اور کیا اس پر یقین کرنے سے ایمان پر کوئی فرق تو نہیں پڑتا؟

ج: ستاروں کا علم یقینی نہیں اور پھر ستارے بذات خود مؤثر بھی نہیں اس لئے اس پر یقین کرنے کی ممانعت ہے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج ا ص ۳۶۳ تا ۳۶۸ [2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

نجوم پر اعتقاد کفر ہے:

س: میں نے اپنے لڑکے کی شادی کا پیغام ایک عزیز کے ہاں دیا انہوں نے کچھ دن بعد جواب دیا کہ میں نے علم الاعداد اور ستاروں کا حساب نکلوایا ہے میں مجبور ہوں کہ بچوں کے ستارے آپس میں نہیں ملتے۔ اس لئے میری طرف سے انکار سمجھیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ از روئے شرع ان کا یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

ج: نجوم پر اعتقاد تو کفر ہے۔[1]

س: اکثر اہل نجوم کہتے ہیں کہ سال میں ایک دن ایک مقررہ وقت ایسا آتا ہے کہ اس مقررہ وقت میں جو دعا بھی مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے اور ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اس مقررہ وقت میں ان پڑھ لوگوں کی اکثریت دعائیں مانگنے میں مصروف رہتی ہے۔ مہربانی فرما کر بتایئے کہ کیا دعائیں صرف ایک مقررہ وقت میں اور وہ بھی سال میں ایک دن قبول ہوتی ہیں؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سال کے باقی دنوں میں دعائیں نہ مانگی جائیں؟

ج: اسلام کے نقطۂ نظر سے تو چوبیس گھنٹے میں ایک وقت (جس کی تعیین نہیں کی گئی) ایسا آتا ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ باقی نجوم پر مجھے نہ عقیدہ ہے نہ عقیدہ رکھنے کو صحیح سمجھتا ہوں۔[2]

برجوں اور ستاروں میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں:

س: اپنی قسمت کا حال دریافت کرنا یا اخبارات وغیرہ میں جو کیفیات یا حالات درج کئے جاتے ہیں کہ فلاں برج والے کے ساتھ یہ ہوگا وہ ہوگا پڑھنا یا معلوم کرنا درست ہے اور اس بات پر یقین رکھنا کہ فلاں تاریخ کو پیدا ہونے والے کا برج فلاں ہے گناہ ہے؟

ج: اہل اسلام کے نزدیک نہ تو کوئی شخص کسی کی قسمت کا صحیح صحیح حال بتا سکتا ہے نہ برجوں اور ستاروں میں کوئی ذاتی تاثیر ہے۔ ان باتوں پر یقین کرنا گناہ ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ پریشان رہتے اور توہم پرست بن جاتے ہیں۔[3]

نجومی کو ہاتھ دکھانا:

س: جناب مولانا صاحب ہمیں ہاتھ دکھانے کا بہت شوق ہے۔ ہر دیکھنے والے کو دکھاتے ہیں۔ بتایئے کہ یہ باتیں ماننی چاہئیں یا نہیں؟

ج: ہاتھ دکھانے کا شوق بڑا غلط ہے اور ایک بے مقصد کام بھی اور اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے۔ جس شخص کو اس کی لت پڑ جائے وہ ہمیشہ پریشان رہے گا اور ان لوگوں کی انٹ شنٹ باتوں میں الجھا رہے گا۔[4]

منجم سے مستقبل کا حال پوچھنا:

س: میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ستاروں کے علم پڑھنے سے یعنی جس طرح اخبارات اور رسالوں میں دیا ہوا

---

[1] آپ کے مسائل ج ا ص ۳۶۳ تا ۳۶۸ [2] آپ کے مسائل ج اول [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

ہوتا ہے کہ ''یہ ہفتہ آپ کا کیسا رہے گا'' پڑھنے سے خدا تعالیٰ اس شخص کی ۴۰ دن تک دعا قبول نہیں کرتا جب میں نے یہ بات اپنے ایک عزیز دوست کو بتائی تو وہ کہنے لگا کہ یہ سب فضول باتیں ہیں کہ خداوند تعالیٰ ۴۰ دن تک دعا قبول نہیں کرتا ویسے ستاروں کے علم پر تو میں یقین نہیں رکھتا کیونکہ ایسی باتوں پر یقین رکھنے سے ایمان پر دیمک لگ جاتی ہے تو اس سلسلے میں بتایئے کہ کس کا نظریہ درست ہے؟

ج: اس سوال کا جواب رسول اللہ ﷺ دے چکے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی ''عراف'' کے پاس گیا پس اس سے کوئی بات دریافت کی تو ۴۰ دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۳ ج ۲)[۱]

ستاروں کے ذریعہ فال نکالنا:

س: ایک لڑکے کا رشتہ طے ہوا۔ لڑکی والوں نے تمام معلومات بھی کر لیں کہ لڑکا ٹھیک ٹھاک اور نیک ہے۔ پھر لڑکی والوں نے کہا کہ ہم تین دن بعد جواب دیں گے۔ ان کے گھرانے کے کوئی بزرگ ہیں جو امام مسجد بھی ہیں اور لڑکی والے ہر کام ان کے مشورے سے کرتے ہیں۔ جمعرات کے دن رات کو امام صاحب نے کوئی وظیفہ کیا اور جمعہ کو لڑکی والوں کو کہا کہ اس لڑکے اور لڑکی کا ستارہ آپس میں نہیں ملتا یہاں شادی نہ کی جائے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے آگاہ فرمائیں۔

ج: اسلام ستارہ شناسی کا قائل نہیں نہ اس پر یقین رکھتا ہے۔ بلکہ حدیث میں اس پر بہت سخت مذمت آئی ہے۔ وہ بزرگ اگر نیک اور باشرع ہیں تو ان کو استخارہ کے ذریعہ معلوم ہوا ہوگا جو یقینی اور قطعی نہیں اور اگر وہ کسی عمل کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں تو یہ جائز نہیں۔[۲]

علم الاعداد پر یقین رکھنا:

س: آپ نے اخبار جنگ میں ایک صاحب کے ہاتھ دکھا کر قسمت معلوم کرنے پر جو کچھ لکھا ہے میں اس سے بالکل مطمئن ہوں مگر علم الاعداد اور علم نجوم میں بڑا فرق ہوتا ہے اس علم میں یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص کے نام کو بحساب ابجد ایک عدد کی صورت میں سامنے لایا جاتا ہے اور پھر جب ''عدد'' سامنے آ جاتا ہے تو علم الاعداد کا جاننے والا اس شخص کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کر سکتا ہے۔ ویسے بنیادی بات تو یہ ہے کہ اگر اس علم کو محض علم جاننے تک لیا جائے اور اگر اس میں کچھ غلط باتیں لکھی ہوں تو ان پر یقین نہ کیا جائے تو کیا یہ گناہ ہی ہوگا؟

ج: علم نجوم اور علم الاعداد میں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ وہاں ستاروں کی گردش اور ان کے اوضاع (اجتماع وافتراق) سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہاں بحساب جمل اعداد نکال کر ان اعداد سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ گویا علم نجوم میں ستاروں کو انسانی قسمت پر اثر انداز سمجھا جاتا ہے اور علم الاعداد میں نام کے اعداد کی تاثیرات کے نظریہ پر ایمان رکھا جاتا ہے، اول تو یہ ان چیزوں کو مؤثر حقیقی سمجھنا ہی کفر ہے۔ علاوہ ازیں محض اٹکل پچو اتفاقی امور کو قطعی

---

۱ آپ کے مسائل ج ۱ ص ۳۷۰ ۲ ایضاً۔

ویقینی سمجھنا بھی غلط ہے لہٰذا اس علم پر یقین رکھنا گناہ ہے اگر فرض کیجئے کہ اس سے اعتقاد کی خرابی کا اندیشہ نہ ہو نہ اس سے کسی مسلمان کو ضرر پہنچے، نہ اس کو یقینی اور قطعی سمجھا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سیکھنا گناہ نہیں مگر ان شرائط کے باوجود اس کے فعل عبث ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ ان چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے آدمی دین و دنیا کی ضروری چیزوں پر توجہ نہیں دے سکتا۔[1]

ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا:

س: قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا چاہئے یا نہیں؟

ج: قرآن وحدیث کی روشنی میں ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا درست نہیں۔[2]

الو بولنا اور نحوست:

س: اگر کسی مکان کی چھت پر الو بیٹھ جائے یا کوئی شخص الو دیکھ لے تو اس پر تباہیاں اور مصیبتیں آنا شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک منحوس جانور ہے۔ اس کے برعکس مغرب کے لوگ اسے گھروں میں پالتے ہیں، مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟

ج: نحوست کا تصور اسلام میں نہیں ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ الو ویرانہ چاہتا ہے۔ جب کوئی قوم یا فرد اپنی بدعملیوں کے سبب اس کا مستحق ہو کہ اس پر تباہی نازل ہو تو الو کا بولنا اس کی علامت ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ الو کا بولنا تباہی و مصیبت کا سبب نہیں بلکہ انسان کی بدعملیاں اس کا سبب ہیں۔[3]

شادی پر دروازے میں تیل ڈالنا:

س: یوں تو ہمارے معاشرے میں بہت سی سماجی برائیاں ہیں۔ لیکن شادی بیاہ کے معاملوں میں ہمارے توہم پرست لوگ حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ شادی والے دن جب دولہا میاں دلہن کو لے کر گھر آتا ہے تو دولہا اور دلہن اس وقت تک گھر کے دروازے کے اندر نہیں آسکتے جب تک گھر کے دروازے کے دونوں طرف تیل نہ پھینک دیا جائے۔ بعد ازاں دلہن اس وقت تک کسی کام کو ہاتھ نہیں لگا سکتی جب تک ایک خاص قسم کا کھانا جس میں بہت سی اجناس شامل ہوتی ہیں پکا نہیں لیتی۔ میرے خیال میں یہ سراسر توہم پرستی اور فضول رسمیں ہیں کیونکہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں ایسے کسی رسم و رواج کا پتہ نہیں ملتا۔ برائے مہربانی آپ شریعت کی رو سے بتائیں کہ اسلامی معاشرے میں ایسی رسوم کی کیا حیثیت ہے؟

ج: آپ نے جن رسموں کا ذکر کیا ہے وہ بلاشبہ توہم پرستی ہے غالباً یہ اور اس قسم کی دوسری رسمیں ہندو معاشرے سے لی گئی ہیں۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج۱ ص۳۷۱ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

[4] آپ کے مسائل ج۱ ص۳۷۲

غروب آفتاب کے فوراً بعد بتی جلانا:

س: بعد غروب آفتاب فوراً بتی یا چراغ جلانا ضروری ہے یا نہیں اگر چہ کچھ کچھ اجالا رہتا ہی ہو۔ بعض لوگ بغیر بتی جلائے مغرب کی نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتے اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے۔

ج: یہ توہم پرستی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔[1]

منگل اور جمعہ کے دن کپڑے دھونا:

س: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ اور منگل کو کپڑے نہیں دھونا چاہئیں۔ ایسا کرنے سے رزق (آمدنی) میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

ج: بالکل غلط توہم پرستی ہے۔[2]

ہاتھ دکھا کر قسمت معلوم کرنا:

س: ہاتھ دیکھ کر جو لوگ باتیں بتاتے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہوتی ہیں؟ اور کیا ان پر یقین کرنا چاہئے؟

ج: ایسے لوگوں کے پاس جانا گناہ اور ان کی باتوں پر یقین کرنا کفر ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص کسی عرّاف نجومی یا قیافہ شناس کے پاس گیا اور اس سے کوئی بات دریافت کی تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ مسند احمدؒ اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین شخصوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد ﷺ پر نازل شدہ دین سے بری ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے۔[3]

آنکھوں کا پھڑکنا:

س: میں نے سنا ہے کہ سیدھی آنکھ پھڑکے تو کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے اور بائیں پھڑکے تو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب دیں؟

ج: قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ محض بے اصل بات ہے۔[4]

کیا عصر و مغرب کے درمیان مردے کھانا کھاتے ہیں؟

س: کیا عصر کی نماز سے مغرب کی نماز کے دوران کھانا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اس وقت مردے کھانا کھاتے ہیں۔

ج: عصر و مغرب کے درمیان کھانا پینا جائز ہے اور اس وقت مردوں کا کھانا جو آپ نے لکھا ہے وہ فضول بات ہے۔[5]

توہم پرستی کی باتیں:

س: عام طور پر ہمارے گھروں میں یہ توہم پرستی ہے اگر دیوار پر کوّا آکر بیٹھے تو کوئی آنے والا ہوتا ہے۔ پاؤں پر جھاڑو

---

[1] آپ کے مسائل ج۱ص۳۷۲ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج۱ص۳۷۳ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

لگنا یا لگانا برا فعل ہے۔شام کے وقت جھاڑو دینے سے گھر کی نیکیاں بھی چلی جاتی ہیں۔ دودھ گرنا بری بات ہے۔ کیونکہ دودھ پوت (بیٹے) سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

مثال: ایک عورت بیٹھی ہوئی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔قریب ہی دودھ چولہے یا انگیٹھی پر گرم ہو رہا ہے۔ اگر وہ ابل کر گرنے لگے تو بیٹے کو تو دور پھینک دے گی اور پہلے دودھ کو بچائے گی۔

اگر کوئی اتفاق سے کنگھی کر کے اس میں جو بال لگ جاتے ہیں وہ گھر میں کسی ایک کونے میں ڈال دے اور پھر کسی خاتون کی اس پر نظر پڑ جائے تو وہ کہے گی کہ کسی نے ہم پر جادو ٹونہ کرایا ہے۔ایسی ہی ہزاروں توہم پرستیاں ہمارے معاشرے میں داخل ہو چکی ہیں۔اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد قدیم زمانے سے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ رہے ہیں۔ ان ہی کی رسومات بھی ہمارے ماحول میں داخل ہوگئی ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی اصلاح فرمائیں۔

ج: ہمارے دین میں تو ہم پرستی اور بدشگونی کی کوئی گنجائش نہیں۔آپ نے جتنی مثالیں لکھی ہیں یہ سب غلط ہیں۔ البتہ دودھ خدا کی نعمت ہے اس کو ضائع ہونے سے بچانا اور اس کے لئے جلدی سے دوڑنا بالکل درست ہے۔عورت کے سر کے بالوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو پھینکا نہ جائے تا کہ کسی نامحرم کی نظر ان پر نہ پڑے۔ باقی یہ بھی صحیح ہے کہ بعض لوگ عورت کے بالوں کے ذریعہ جادو کرتے ہیں مگر ہر ایک کے بارے میں یہ بدگمانی کرنا بالکل غلط ہے۔[1]

شیطان کو نماز سے روکنے کے لئے جائے نماز کا کونا الٹنا غلط ہے:

س: شیطان مسلمانوں کو عبادت سے روکنے کے لئے وسوسوں کے ذریعے بہکاتا ہے اور خود عبادت کرتا ہے اس کو عبادت سے روکنے کے لئے ہم نماز کے بعد جائے نماز کا کونا الٹ دیتے ہیں۔اس طرح عبادت سے روک دینے کے عمل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج: اس سوال میں آپ کو دو غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ایک یہ کہ شیطان دوسروں کو عبادت سے روکتا ہے مگر خود عبادت کرتا ہے۔شیطان کا عبادت کرنا غلط ہے' عبادت تو حکم الٰہی بجا لانے کا نام ہے جبکہ شیطان حکم الٰہی کا سب سے بڑا نافرمان ہے اس لئے یہ خیال کہ شیطان عبادت کرتا ہے بالکل غلط ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ کہ مصلّٰی کا کونا الٹنا شیطان کو عبادت سے روکنے کے لئے ہے' یہ قطعاً غلط ہے۔مصلّٰی کا کونا الٹنے کا رواج تو اس لئے ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلا ضرورت جائے نماز بچھی نہ رہے اور وہ خراب نہ ہو۔عوام جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز نہ الٹی جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے یہ بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے۔[2]

نقصان ہونے پر کہنا کہ کوئی منحوس صبح ملا ہوگا:

س: جب کسی شخص کو کسی کام میں نقصان ہوتا ہے یا کسی مقصد میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ یہ جملہ کہتا ہے کہ ''آج صبح سویرے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۱ ص ۳۷۴ [2] ایضاً۔

نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی'' جبکہ انسان صبح سویرے بستر پر آنکھ کھلنے کے بعد سب سے پہلے اپنے ہی گھر کے کسی فرد کی شکل دیکھتا ہے تو کیا گھر کا کوئی آدمی اس قدر منحوس ہو سکتا ہے کہ صرف اس کی شکل دیکھ لینے سے سارا دن نحوست میں گزرتا ہے؟

ج: اسلام میں نحوست کا تصور نہیں۔ یہ محض توہم پرستی ہے۔

الٹے دانت نکلنے پر بدشگونی:

س: بچے کے دانت اگر الٹے نکلتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ ننھیال یا ماموؤں پر بھاری پڑتے ہیں۔ اس کی اصل کیا ہے؟

ج: اس کی کوئی اصل نہیں محض توہم پرستی ہے۔

عورت کا روٹی پکاتے ہوئے کھالینا:

س: میری امی کہتی ہیں کہ جب عورت روٹی پکاتی ہے تو اسے حکم ہے کہ تمام روٹیاں پکا کر ہاتھ سے لگا ہوا آٹا اتار کر روٹی کھائے۔ عورت کو جائز نہیں کہ وہ روٹیاں پکاتے پکاتے کھانے لگے۔ یعنی آدھی روٹیاں پکائیں اور کھانا شروع کر دیا تو ایسا کرنے والی عورت جنت میں داخل نہ ہو سکے گی۔ آپ بتائیے کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟

ج: آپ کی امی کی نصیحت تو ٹھیک ہے مگر مسئلہ غلط ہے۔ عورت کو روٹی پکانے کے دوران بھی کھانا کھالینا شرعاً جائز ہے۔

عصر اور مغرب کے درمیان کھانا پینا:

س: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ کھانا پینا نہیں چاہئے کیونکہ نزع کے وقت انسان کو ایسا محسوس ہو گا کہ عصر و مغرب کا درمیانہ وقت ہے اور شیطان شراب کا پیالہ پینے کو دے گا تو جن لوگوں کو عصر و مغرب کے درمیان کھانے پینے کی عادت ہو گی وہ شراب کا پیالہ پی لیں گے اور جن کو عادت نہ ہو گی وہ شراب پینے سے پرہیز کریں گے (نیز اس وقفہ عصر و مغرب کے درمیان کچھ نہ کھانے پینے سے روزے کا ثواب ملتا ہے) برائے مہربانی اس سوال کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دے کر ایک الجھن سے نجات دلائیں۔

ج: یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ عصر و مغرب کے درمیان کھانے پینے میں کوئی کراہت نہیں۔[1]

کالی بلی کا راستہ کاٹنا:

س: ۱: بزرگوں سے سنا ہے کہ اگر کاٹا ہوا ناخن کسی کے پاؤں کے نیچے آ جائے تو وہ شخص اس شخص کا (جس نے ناخن کاٹا ہے) دشمن بن جاتا ہے؟

۲: جناب کیا پتلیوں کا پھڑکنا کسی خوشی یا غمی کا سبب بنتا ہے؟

۳: اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو کیا آگے جانا خطرے کا باعث بن جائے گا؟

---

[1] آپ کے مسائل ج اص ۳۷۶

ج: یہ تینوں باتیں محض توہم پرستی کی مد میں آتی ہیں۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

زمین پر گرم پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوتا:

س: زمین پر گرم پانی وغیرہ گرانا منع ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہے زمین کو تکلیف ہوتی ہے۔

ج: محض غلط خیال ہے۔[1]

نمک زمین پر گرنا:

س: کیا نمک اگر زمین پر گر جائے (یعنی پیروں کے نیچے آئے) تو روز قیامت پلکوں سے اٹھانا پڑے گا؟

ج: نمک بھی خدا کی نعمت ہے اس کو زمین پر نہیں گرانا چاہئے۔ لیکن جو سزا آپ نے لکھی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔[2]

پتھروں کا انسان کی زندگی پر اثر ہونا:

س: ہم جو انگوٹھی وغیرہ پہنتے ہیں اور اس میں اپنے نام کے ستارے کے حساب سے پتھر لگواتے ہیں۔ مثال کے طور پر عقیق، فیروزہ، وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ اسلام کی رو سے جائز ہے اور کیا کوئی پتھر کا پہننا بھی سنت ہے؟

ج: پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ انسان کے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔[3]

فیروزہ پتھر حضرت عمرؓ کے قاتل فیروزہ کے نام پر ہے:

س: لعل، یاقوت، زمرد، عقیق اور سب سے بڑھ کر فیروزہ کے نگ کو انگوٹھی میں پہننے سے کیا حالات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اور اس کا پہننا اور اس پر یقین رکھنا جائز ہے؟

ج: پتھروں کو کامیابی و ناکامی میں کوئی دخل نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام فیروز تھا۔ اس کے نام کو عام کرنے کے لئے سبائیوں نے "فیروزہ" کو متبرک پتھر کی حیثیت سے پیش کیا۔ پتھروں کے بارے میں نحس وسعد کا تصور سبائی افکار کا شاخسانہ ہے۔[4]

پتھروں کی اصلیت:

س: میری خالہ جان چاندی کی انگوٹھی میں فیروزہ کا پتھر پہننا چاہتی ہیں۔ آپ برائے مہربانی ذرا پتھروں کی اصلیت کے بارے میں وضاحت کریں۔ ان کا واقعی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا یہ سب داستانیں ہیں۔ اگر ان کا وجود ہے تو فیروزہ پتھر کس وقت، کس دن اور کس دھات میں پہننا مبارک ہے؟

ج: پتھروں سے آدمی مبارک نہیں ہوتا۔ انسان کے اعمال اس کو مبارک یا ملعون بناتے ہیں۔ پتھروں کو مبارک و نامبارک سمجھنا عقیدے کا فساد ہے جس سے توبہ کرنی چاہئے۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل ج۱ ص۳۷۶ [2] آپ کے مسائل ج۱ ص۳۷۷

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

اپریل فول:

س: اپریل فول منانا یعنی لوگوں کو جھوٹ بول کر فریب دینا یا ہنسنا ہنسانا کیسا ہے؟

ج: یہ نصاریٰ کی سنت ہے۔ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

((ويل للذی يحدث فيكذب ليضحك به القوم ويل له ويل له))[1]

ترجمہ: اس آدمی کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

((لا يؤمن العبد الايمان كله حتى يترك الكذب فی المزاحة ويترك المراء وان كان صادقاً))[2]

ترجمہ: کوئی بندہ پورے پورے ایمان کا حامل نہیں ہوگا۔ جب تک وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کرے۔ خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں۔ (خواہ صرف انداز جھوٹ کا ہو اگرچہ واقع میں سچ ہو)

اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بڑی خیانت ہے۔ کیونکہ آدمی اللہ اور لوگوں کا امین ہے۔ اس کو سچ ہی بولنا چاہئے۔ جھوٹ بولنا امانت کے منافی ہے۔

حدیث میں ہے۔

((كبرت خيانتك ان تحدث اخاك حديثا هولك مصدق، وانت له كاذب))[3]

ترجمہ: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو۔ حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔[4]

س: آپ سے ایک اہم مسئلہ کی بابت دریافت کرنا ہے۔ مسلمانوں کے لئے نصاریٰ کی پیروی اپریل فول منانا یعنی لوگوں کو جھوٹ بول کر فریب دینا، یا ہنسنا ہنسانا جائز ہے کہ نہیں جبکہ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔

((ويل للذی يحدث فيكذب ليضحك به القوم ويل له ويل له))

یعنی ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اس مقصد کے لئے جھوٹی بات کرے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے اس کے لئے ہلاکت ہے۔ اس کے لئے ہلاکت ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

((لا يؤمن العبد الايمان كله حتى يترك الكذب فی مزاحه، ويترك المراء وان كان صادقاً)) (کنز العمال حدیث نمبر ۸۲۲۹)

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الادب، باب فی الکذب
[2] مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۵۲، ۳۶۴
[3] ابوداؤد
[4] فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۳۵۱

یعنی بندہ اس وقت تک پورا ایمان دار نہیں ہوسکتا' جب تک مزاح میں بھی غلط بیانی نہ چھوڑ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑے۔

گزشتہ سال ''اپریل فول'' کے طور پر فائر بریگیڈ کو ٹیلی فون کئے گئے فلاں فلاں جگہ آگ لگ گئی ہے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ محض مذاق تھا۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یکم اپریل کو واقعتاً کوئی حادثہ ہو جائے اور خبر سننے والا اس کو مذاق سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہ دے۔

ج: یہ جناب نے ایک اہم ترین مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس میں آج کل بہت لوگ مبتلا ہیں۔ ''اپریل فول'' کی رسم مغرب سے ہمارے یہاں آئی ہے اور یہ بہت سے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔

اول: اس دن صریح جھوٹ بولنے کو لوگ جائز سمجھتے ہیں' جھوٹ کو اگر گناہ سمجھ کر بولا جائے تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر اس کو حلال اور جائز سمجھ کر بولا جائے۔ تو اندیشہ کفر ہے۔ جھوٹ کی برائی اور مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید نے ''**لعنت اللّٰہ علی الکاذبین**'' فرمایا ہے۔

گویا جو لوگ ''اپریل فول'' مناتے ہیں وہ قرآن میں ملعون ٹھہرائے گئے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ کی' رسولوں کی' فرشتوں کی' انسانوں کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہے۔

دوم: اس میں خیانت کا بھی گناہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

((**کبرت خیانة ان تحدث اخاك حدیثاً هولك مصدق وانت به کاذب**))

(رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۴۱۳)

ترجمہ: بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک بات کہو' جس میں وہ تمہیں سچا سمجھے۔ حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔

اور خیانت کا کبیرہ گناہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

سوم: اس میں دوسرے کو دھوکہ دینا ہے' یہ بھی گناہ کبیرہ ہے' حدیث شریف میں ہے۔

من غش فلیس منا۔ جو شخص ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) دھوکا دے وہ ہم سے نہیں۔

چہارم: اس میں مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ہے۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

''بے شک جو لوگ ناحق ایذا پہنچاتے ہیں۔ مومن مردوں اور عورتوں کو انہوں نے بہتان اور بڑا گناہ اٹھایا۔

پنجم: اپریل فول منانا گمراہ اور بے دین قوموں کی مشابہت ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم۔ جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہوگا۔

پس جو لوگ فیشن کے طور پر اپریل فول مناتے ہیں۔ ان کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ قیامت کے دن یہود و

نصاریٰ کی صف میں اٹھائے جائیں۔ جب یہ اتنے بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے۔تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے معمولی عقل بھی دی ہو وہ انگریزوں کی اندھی تقلید میں اس کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔

اس لئے تمام بھائیوں کو نہ صرف اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ بلکہ مسلمانوں کے مقتدا لوگوں کا فرض ہے کہ ''اپریل فول'' پر قانونی پابندی کا مطالبہ کریں اور ہمارے مسلمان حکام کا فرض ہے کہ اس باطل رسم کو سختی سے روکیں۔[1]

مکڑی مارنا اور اس کے جالے صاف کرنا:

س: کہتے ہیں کہ مکڑی کو نہیں مارنا چاہئے' کیونکہ اس نے غار ثور پر جالا تن کر حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی' گاہے گاہے گھر میں ان کی وجہ سے بہت جالے ہو جاتے ہیں' جسے نحوست کہتے ہیں۔تو شرعاً ان کے مارنے کی اجازت ہے؟

ج: مکڑی کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو زمین میں گھر بناتی ہے۔ وہ موذی ہے۔اس کو مارنے کی اجازت ہے۔ روح المعانی میں ہے۔

''اور جو گھروں میں جالا تنتی ہے وہ موذی جانور نہیں ہے۔ بلاضرورت اسے تکلیف پہنچانے اور مارنے سے خصوصاً جبکہ مذکور واقعہ مشہور ہے۔احتراز کرنا چاہئے۔

روح المعانی میں مزید ہے۔

''یعنی مکڑی کو نہ مارنا چاہئے۔ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے' تو مکڑیوں نے جمع ہو کر فوراً جالا بن دیا' اس لیے تم ان کو قتل نہ کرو''۔(روح المعانی ج۲۰ص۱۶۱)

گھر میں اگر مکڑی کے جالے ہو گئے ہوں۔تو صاف کر سکتے ہیں۔ثعلبی اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے۔مکڑی کے جالوں سے اپنے گھروں کو صاف رکھا کرو۔ کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر پیدا ہوتا ہے۔

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس اثر کا ثبوت ہو تو یہی دلیل ہے۔ ورنہ جالے صاف کرنا مستحب ہی ہے۔ اس لئے کہ اس میں نظافت ہے۔(روح المعانی ج۲۰ص۱۶۱)[2]

❀ ❀ ❀

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۱ص۳۹۹ تا ۴۰۰

[2] فتاویٰ رحیمیہ ج۲ص۴۲۳

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الاية)

علم و دانش

علم:

س: دینی اصطلاح اور قرآن وحدیث کی رو سے مسلمانوں کو کون سے علم کا حاصل کرنا لازمی ہے؟

ج: دینی اصطلاح اور قرآن وحدیث کی زبان سے مراد وہی علم ہوتا ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے۔

اللہ کے کسی نبی ورسول پر ایمان لانے اور ان کو نبی ورسول مان لینے کے بعد سب سے پہلا فرض آدمی پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے اور جاننے کی کوشش کرے کہ میرے لئے یہ پیغمبر کیا تعلیم وہدایت لے کر آئے ہیں۔ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا چھوڑنا ہے۔

سارے دین کی بنیاد اسی علم پر ہے۔ اس لئے اس کا سیکھنا اور سیکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ ہے۔ یہ سیکھنا سکھانا زبانی بات چیت اور مشاہدہ سے بھی ہوسکتا ہے' جیسا کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے قریبی دور میں تھا۔ صحابہ کرام کا سارا علم وہی تھا جو ان کو خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے اور آپ کے افعال واعمال کا مشاہدہ سے یا اسی طرح آپ کے فیض یافتہ دوسرے صحابہ کرام سے حاصل ہوا تھا۔ علیٰ ہذا اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا۔ جو صحابہ کرام کی صحبت وسماع سے حاصل ہوا تھا اور یہ علم نوشت وخواند اور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہوسکتا ہے' جیسا کہ بعد کے زمانوں میں اس کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا اور پڑھانا رہا اور اب بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا ہر اس شخص کے لئے فرض وواجب بتلایا ہے۔ جو آپ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان لائے اور اللہ کا دین اسلام قبول کرے اور اس علم کے حاصل کرنے میں محنت ومشقت کو آپ نے ایک طرح کا ''فی سبیل اللہ'' جہاد اور قرب الٰہی کا خاص الخاص وسیلہ اور اس بارے میں غفلت وبے پروائی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے۔

یہ علم انبیاء علیہم السلام اور خاص کر رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث اور اس پوری کائنات کی سب سے زیادہ عزیز اور

قیمتی دولت ہے اور جو خوش نصیب بندے اس کو حاصل کریں اور اس کا حق ادا کریں' تو وہ وارثین انبیاء ہیں۔ آسمان کے فرشتوں سے لے کر زمین کی چیونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں تک تمام مخلوقات ان سے محبت رکھتی اور ان کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس میراث کو غلط اغراض کے لئے استعمال کریں۔ وہ بدترین مجرم اور خداوندی غضب وعذاب کے مستحق ہیں۔[1]

اسلام نے انسان پر کونسا علم فرض کیا ہے:

س: سوال یہ ہے کہ اسلام نے ہم پر کون سا علم فرض کیا ہے۔ کیا وہ علم جو آج کل تعلیمی اداروں میں حاصل کر رہے ہیں یا کوئی اور؟

ج: آج کل تعلیم گاہوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ علم نہیں۔ بلکہ ہنر' پیشہ اور فن ہے۔ وہ بذات خود نہ اچھا ہے نہ برا۔ اس کا انحصار اس کے صحیح یا غلط مقصد اور استعمال پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس علم کو فرض قرار دیا ہے' جس کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور جس کے حصول کی ترغیب دی اس سے دین کا علم مراد ہے اور اسی کے حکم میں ہوگا وہ علم بھی جو دین کے لئے وسیلہ وذریعہ کی حیثیت رکھتا ہو۔[2]

بچیوں کی تعلیم:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

رہی لڑکیوں کی تعلیم۔ سو اگر گھر کے مرد ذی علم ہوں' تو وہ پڑھا دیں۔ ورنہ اگر مستورات پڑھی ہوئی ہوں تو خود پڑھائیں' ورنہ دوسری نیک بیبیوں سے پڑھوائیں اور نصاب وہی ہو جو میں نے ذکر کیا ہے۔

اور یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ زنانہ مکتب قائم کیا جائے' جیسے مردانے مکتب باقاعدہ ہوتے ہیں۔ اس باب میں واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان واقعات نے یقین دلا دیا ہے کہ ایسے مکاتب کا اثر اچھا نہیں ہوتا اور امتحان ہو جانے کے بعد ہمیں وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا مقناطیس کی کشش کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں' بلکہ خاص تعلق کے موقع پر تعلیم ہونا چاہئے لڑکیوں کی۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ خاص تعلق کے گھر میں جتنی حفاظت ہوتی ہے وہ عام جگہ نہیں ہوسکتی۔

لیکن یہ میری رائے ہے' میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اگر تجربہ سے دوسری تجویز مفاسد سے خالی ہو۔ تو اس پر عمل کیا جائے۔ مگر عورتوں کو تعلیم ضرور دینا چاہئے۔ لیکن مذہبی تعلیم نہ کہ جدید تعلیم۔[3]

---

[1] معارف الحدیث ج ۸ ص ۲۹

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۴

[3] اصلاح النساء ص ۱۵۳

زنانہ مدارس کا قیام ضروری ہے:

درج ذیل استفتاء حکومت افغانستان کی وزارت معارف نے جمعیۃ علماء ہند سے طلب کیا تھا۔

س: حقیقت شناس علمائے حق پر یہ بات روشن ہے کہ اس زمانہ میں کوئی ایک اسلامی وشرعی مرکز نہ ہونے کی وجہ سے ہر ملک کے مسلمانوں کی دینی وشرعی ضرورتیں اور احکام مختلف فیہ ہو گئے ہیں اور فروعی مسائل میں متقدمین ومتاخرین کے اختلافِ رائے کی وجہ سے کسی قطعی فیصلے پر جلد پہنچنا دشوار ہو گیا ہے۔

خاص کر وہ فقہی وعقلی مسائل جو اس زمانے میں اجتماعی طور پر امتِ محمدیہ کو پیش آ رہے ہیں ان پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ متعدد مقامات سے استفتاء طلب نہ کئے جائیں۔ ان سینکڑوں مسائل میں سے ایک مسئلہ تعلیم نسواں کا ہے جو مقامی علماء کی رائے کی بنا پر معرض التواء میں ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ ہندوستان' ایران' ترکستان' قفقاز' ترکی عرب و افریقہ کے بیشتر علماء عام اسکولوں میں اور خاص کر زنانہ اسکولوں میں لڑکیوں کی تعلیم کو جائز اور ضروری (بدعت حسنہ) قرار دیتے ہیں۔ لیکن علمائے افغانستان تمام دنیائے اسلام کے علماء سے اس کے جواز واستحسان کے لیے واضح اور قوی دلائل طلب کرتے ہیں۔ اس بنا پر ہماری واجب الاطاعت حکومت کی وزارت معارف کی طرف سے مذکورہ بالا مسئلے میں آپ کا مدلل فتویٰ مطلوب ہے کہ آیا اجتماعی طور پر اسکولوں کالجوں میں لڑکیوں کو تعلیم دلانا شرعاً مستحسن ہے یا نہیں؟ اور اس کو جاری کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

رہنمایانِ دین کو اتنا ذہن نشین کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلے کی تحقیق میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے۔

(۱) لڑکیوں کی عمر بلوغ بلحاظ آب وہوا' نسل اور پیشوں کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟ مشتہاۃ کب ہوتی ہے؟ اور مشتہاۃ کا ستر کس قدر ہے؟

(۲) لڑکیوں کی تربیت کے حقوق والدین پر قبل بلوغ کیا کیا ہیں؟ اور بعد بلوغ کس قدر ہیں؟ یعنی لڑکیوں کو شریعت نے کس عمر میں خود مختار قرار دیا ہے؟ اور کس عمر تک باپ کی ولایت میں رکھا ہے؟

(۳) سترعورت کی تفصیل کیا ہے؟ مکلف ہونے سے پہلے اور بعد' تاہل سے پہلے اور بعد' اجانب سے اور محارم سے کتنا ستر ہے؟ اور کیا کیا فرق ہے۔ اسی طرح پردہ کے کیا کیا حدود وشرائط شریعت نے اور اسلامی معاشرے نے مقرر کئے ہیں؟

(۴) وہ فرض اور مستحب علوم جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہوتے ہیں کون کون سے ہیں؟ شریعت نے ان کے حصول کے لئے لزوم وجواز کے کیا درجات مقرر کئے ہیں؟

(۵) ائمہ اربعہ کے مسلک کے لحاظ سے عورتوں کا اجتماع کس حد تک ممنوع ہے؟ اور کن مقامات میں؟

(٦) عورتوں کے حقوق شرعی کے علاوہ محض اجتماعی وشہری حقوق عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کیا کیا ہونے چاہئیں؟ اور موجودہ طرز تمدن کی ضرورتوں کے پیش نظر کون کون سے علوم وفنون اور ہنر درجہ بدرجہ ضروری ہیں؟

(٧) مذکورہ بالا مسائل میں تمام اہل سنت کے مذاہب اور خاص کر مذہبِ حنفیہ کے مطابق حکم دیا جائے اور قابل عمل بنانے کا سہل طریقہ ارشاد فرمایا جائے۔

غرضیکہ مذکورہ بالا مسئلہ اخلاقی واجتماعی مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس کا فیصلہ دین وشریعت سے مضبوط دلائل کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ہمارے مقامی علماء عالم اسلام کے اور بھی بہت سے اہم ترین اور مختلف فیہ مسائل میں آپ سے استصواب کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً خلافت اور اسلامی مرکزیت کی تشکیل اور مقامِ خلافت کی تعیین اور اسی قسم کے اور بہت سے پیچیدہ مسائل بشرط امکان تمام علمائے امت کے اجماع کے ساتھ حل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

(نوٹ) فتویٰ ہذا کی تائید میں اگر اسلامی تاریخ سے بھی کچھ شواہد پیش کئے جائیں تو موجب ممنونیت ہوگا۔

ج: اس کے نام اور تعریف کے ساتھ پاک اور بلند ہے وہ بارگاہِ منعم حقیقی جل شانہ وعز سلطانہ جس نے انسان کو لباس علم اور زیور ہنر سے آراستہ کر کے اس کی عظمت کے جھنڈے کو بفرمان "ولقد کرمنا بنی آدم" بلند کیا۔ اور اولادِ آدم کے سینوں کو امانت ربانی اور ودیعت رحمانی کا مستقر بنا کر خداداد علوم کی روشنی سے منور کیا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کو کنتم خیر امۃ اخرجت للناس سے سرفرازی بخشی اور اس امت کے علماء کو انبیاء ومرسلین کی میراث سے بہرہ مند فرما کر اوران کے لئے اسلام کی مکمل اور آخری شریعت نازل فرما کر "**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی**" کی مہر لگا دی۔ خاتم الانبیاء سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے شریعت اسلام کو ایک واضح روشن اور معتدل شریعت بنایا جا چکا تھا۔ دنیا وآخرت کا کوئی ایسا باب نہیں چھوڑا جس کے متعلقہ احکام وضاحت کے ساتھ بیان نہ فرمائے ہوں اور نفسیات واجتماعیات کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا جس کی حقیقت کا انکشاف نہ کیا ہو۔ دین کی مکمل تعلیم مسلمانوں کی نجات کی کفیل اور ارشادات نبوی کا مینار ان کے لئے بہترین رہنما ہے۔ ائمہ مجتہدین کی تصانیف مفصل احکام ومسائل سے معمور اور اغیار کی تلبیس سے دور ہیں۔

دنیا کی غیر مسلم اقوام نے اسلام کی تعلیم وتہذیب سے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے اور حامیان تمدن وتہذیب نے اسلام کی رہنمائی میں ہی پناہ لی ہے اسلام ایک ایسا مضبوط کلچر رکھتا ہے جو تغیرات زمانہ کے ساتھ متغیر نہیں ہوسکتا اور اس کی تازگی ورعنائی میں حوادث کی گرم ہواؤں سے کوئی پژمردگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ مومن کے قد وقامت پر پروردگارِ عالم اور کارکنان قضاء وقدر نے جو مخصوص ثقافتی لباس چست کیا ہے واللہ اس کو کبھی بوسیدگی وکہنگی لاحق نہ ہوسکے گی۔

مختلف انسانی طبقات جو اجتماعیات میں حقیقت واحدہ کے ارکان کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک رکن کا ایک خاص درجہ مقرر اور ہر ایک کا ایک موقف ومقام معین ومقدر ہے۔ اگر مرد کو خاص خاص اعزازات بخشے گئے ہیں تو عورت کو

بھی خاص خاص امتیازات عطا فرمائے گئے ہیں۔

بعض کام مردوں کے مناسب ہیں اور بعض کام عورتوں کے لائق ہیں' اجتماعی زندگی میں مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا حدود مقرر ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو اپنے اپنے مقام اور حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور یہ ایک ایسی نا قابل تردید بات ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

عورتوں کو تعلیم کا مسئلہ جو آج کل زیر بحث ہے۔ اس کے دو حصے ہیں ایک تو یہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہئے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ان کو تعلیم دینے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ صورت اول میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ حصول علم اسلام کے فرائض میں سے ہے۔ تحصیل علم کی فرضیت کا خطاب اور انفرادی و اجتماعی آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر کا حکم صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ علم کی روشنی حاصل کرنے کی ضرورت صرف مردوں یا کسی ایک صنف کے لئے منحصر نہیں ہے کیونکہ علم حیاتِ انسانی کے لوازم میں سے ہے۔

کوئی انسان مرد ہو یا عورت جو علم سے بہرہ مند نہیں ہے وہ حقیقۃً حیاتِ انسانی سے محروم ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے عالم کو زندہ اور جاہل کو مردہ کہا ہے جیسا کہ فرمایا "**وما یستوی الاحیاء ولا الاموات**" اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة**"۔[1]

بڑی بڑی صحابیات نے تحصیل علم کے لئے سخت جدوجہد فرمائی ہے اور سلف میں سے بہت سی صالحات نے علم حاصل کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ ان پاک طینت مخدراتِ عصمت نے استفادۂ علم کے لئے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس سے گلے شکوے کئے اور کہا کہ ہمارے مقابلے میں مردوں نے آپ کو گھیر لیا ہے۔ پس آپ ہم کو بھی اپنا ایک دن عطا فرمایئے۔ چنانچہ مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ آپ ایک صحابیہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں بہت سی عورتوں کا اجتماع ہوا اور آپ نے ان کو احکام شریعت کی تعلیم دی۔

اسی طرح ایک عید کے موقعہ پر آپ نے عید کا خطبہ دیا اور پھر خیال ہوا کہ عورتیں خطبہ نہیں سن سکیں۔ لہٰذا آپ خود بہ نفس نفیس عورتوں کے اجتماع کے قریب تشریف لے گئے اور دوبارہ خطبہ دیا۔

پس علوم ضروریہ کی تحصیل کی فرضیت اور علوم مستحبہ کے حصول کا استحباب اور مباح علوم کے اکتساب کی اباحت عورتوں کے لئے محل تردد نہیں ہے اور اس مسئلہ میں عورتوں مردوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے کوئی دلیل شریعت مقدسہ میں موجود نہیں ہے۔

---

[1] لفظ مسلمہ جو اکثر روایتوں میں نہیں ہے۔ اگر صحیح تسلیم نہ کیا جائے تب بھی ثبوت حکم میں خلل واقع نہ ہوگا' کیونکہ شریعت میں خطابات کا عموم ذکور و اناث کو شامل ہوا کرتا ہے۔ پس مسلم سے مراد صاحب اسلام ہے خواہ مرد ہو یا عورت' جیسا کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده اور اسی قسم کے دیگر نصوص صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ واللہ اعلم (منہ)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم دلانے کی صورت اور طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ پس اس پر بحث کرنے سے پہلے تمہید ذیل پر غور کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو انواع و اقسام کی احتیاجات و خواہشات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور ازدواج وغیرہ انسان کی فطری ضرورتیں ہیں۔ لیکن ہر ایک ضرورت پوری کرنے کے لئے کچھ حدود اور ضابطے مقرر ہیں، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بھوک کے وقت غیر کا مال یا کوئی حرام چیز کھالے یا پیاس کے وقت ناپاک یا حرام مشروب پی لے اور جائز نہیں کہ جائز و حلال عورت کے سوا کسی عورت سے حظ نفس حاصل کرے۔

جس طرح معاش حاصل کرنے کے لئے جائز طریقے مقرر ہیں۔ اسی طرح زوجہ حاصل کرنے کے لئے بھی خاص حدود ہیں اور جس طرح کہ تحصیل رزق و لباس کے مقررہ طریقوں سے تجاوز کرنا جرائم و ظلم، عدوان وغصب، سرقہ و رشوت کی طرف لے جاتا ہے اور خالق کے غضب کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح صنفی تعلقات کے حدود سے تجاوز کرنا بدکاری، و بدنگاہی اور ناجائز اختلاط کی طرف لے جاتا ہے اور منتقم حقیقی کے عقاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

یہ ناجائز اختلاط کا فتنہ چونکہ عظیم الشان فتنہ ہے اور اس کے نتائج بہت تباہ کن ہوتے ہیں اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس باب میں بہت زیادہ احتیاط مد نظر رکھی ہے اور مردوں اور عورتوں کو دواعی فساد سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت رسالت پناہ ﷺ کو خطاب فرماتا ہے۔

((قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم))

اور فرمایا۔

((وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الاماظهر منها وليضربن بخمر هن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الالبعولتهن او آباء هن))

اور حضرت رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو مردوں کے اجتماعات میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ عورت کا کوٹھڑی کے اندر نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے اور گھر کے صحن کی نماز مسجدِ محلّہ کی نماز سے اور مسجد محلّہ کی نماز مسجد جامع کی نماز سے بہتر ہے اور عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا۔ بلکہ مطلقاً گھروں سے بلاضرورت عورتوں کے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ فرمایا۔

((المرأة عورة وانها اذا خرجت استشرفها الشيطان وانها اقرب ما تكون الى الله وهى فى قعر بيتها)) (رواہ الطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد)

اور فرمایا:

((ما من امرأة تخرج فى شهرة من الطيب فينظر الرجال اليها الا لم تزل فى سخط الله حتى ترجع الى بيتها)) (مجمع الزوائد من الطبرانی)

ان تمام نصوص شرعیہ سے واضح ہے کہ جو آزادی مردوں کو دی گئی ہے۔ شریعت مطہرہ نے عورتوں کے لئے جائز نہیں رکھی اور صنفی تعلقات کی حدود سے تجاوز کرنے کے اسباب اور اس کے مفاسد کے سدباب کے لئے بے انتہا سعی بلیغ فرمائی ہے۔ بے شک احکام خداوندی کی اطاعت اور ارشادات نبوی کی تعمیل کی برکت سے دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا معاشرہ بدکاری وفواحش سے پاک اور محفوظ ہے۔ پر وہ جو مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسی تہذیب و معاشرہ کا ایک حصہ اور شعبہ ہے۔ صنفی بگاڑ جو ایشیاء یورپ افریقہ اور امریکہ کی غیر مسلم اقوام میں دیکھا جا رہا ہے۔ شرفائے اہل اسلام کے اندر اس کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

خاص کر اس باب میں اگر مسلم قوم تمام اقوام عالم پر فوقیت کا ناز کرے اور فخر کرے تو زیبا ہے۔ دور حاضر کی عورتوں کی مطلق العنانی سے ممالک یورپ میں جو تباہی برپا ہے وہ دنیا پر روشن ہے۔ اس عہد پرفتن میں سلاطین اسلام کے ذمہ واجب ہے کہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان کو تنزل کی پستی سے اوج ترقی پر پہنچانے کی کوشش کریں۔

زمانہ حاضر کے مقتضیات نے عورتوں کے اندر تعلیم کی توسیع و اشاعت کی شدید ضرورت پیدا کر دی ہے۔ وہ اہم فوائد جو ان کی تعلیم کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں وہ محض ان کی جہالت کی وجہ سے فوت ہو رہے ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حدود الٰہیہ کی نگہداری اور شعائر اسلامیہ اور ترویج سنت نبوی کی پاسداری اور قومی تہذیب و معاشرہ کا باقی رکھنا دوسرے تمام امور سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ کیونکہ سلاطین اسلام خدائے واحد کے سائے اور انبیاء کے قائم مقام ہیں اور کسی چیز کا سایہ اس چیز کے مطابق ہی ہونا چاہئے۔

ان امور کے پیش نظر لازم آیا کہ سلاطین اسلام سب سے پہلے اور بذات خود دین کا احیاء کریں اور اسلامی تہذیب کے راستے اختیار کریں اور سلف صالحین کے آداب معاشرۃ کی حفاظت ضروری سمجھیں اور لڑکیوں کو اتنی آزادی نہ دیں کہ وہ زنانِ یورپ کے عادات و اطوار سیکھ کر اسلامی معاشرۃ اور اسلاف کی تہذیب کو خیر باد کہہ دیں اور پھر اس آزادی کے خطرناک نتائج ان کو بھگتنے پڑیں۔

اگر مسلم قوم اسلامی قوانین وشعائر کو چھوڑ کر ترقی کرے (بشرطیکہ اس کو ترقی مانا جائے) تو یہ ترقی اسلام کی اور مسلم قوم کی ترقی نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اس امت کے متاخرین ہرگز ترقی نہ کر سکیں گے جب تک کہ متقدمین کے اسوۂ حسنہ کو اختیار نہ کریں۔ امور مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے استفتاء کا جواب یہ ہے کہ۔

زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کا تعلیم کے لئے وہاں جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا اور کتابت سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں کیونکہ ان کا مبنیٰ تعلیم وتعلم کی تنظیم وتشکیل ہے۔ تعلیم کے لئے اجتماعی طور پر عورتوں کا ایک مقام پر جمع ہونا احادیث سے ثابت ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب اس عنوان کا باندھا ہے کہ ھل یجعل للنساء یوما علی حدۃ اور اس کے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس سے تحصیل

علم کے لئے کسی مکان میں عورتوں کا اجتماع ثابت ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ اجتماعی طور پر تعلیم جس قدر مفید ہے انفرادی طریقے سے اتنی مفید نہیں۔

زنانہ مدارس کی تشکیل اگر قرون اولیٰ میں نہیں تھی تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ لڑکوں کے اسکول اور مدرسے بھی زمانہ ماضی میں نہ تھے۔ پھر بھی امت محمدیہ کے تمام علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور مردانہ مدارس کے اندر پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں۔

فرائض اسلامیہ اور واجبات شرعیہ خواہ عبادات میں سے ہوں خواہ معاملات میں سے ان کی تعلیم فرض ہے اور علوم مستحبہ مثلاً صلحاء وعلماء کے تذکرے اور عبرت آموز تاریخی روایات اور اخلاقیات وغیرہ کی تعلیم مستحب ہے اور فنون مباحہ کی تعلیم مباح ہے۔

سلطان اسلام ظل اللہ کا فرض ہے کہ اسلامی طرز معاشرت کی حفاظت کرے اور زنانہ مدارس کے حالات کی نگرانی اور مفاسد وفتن کی روک تھام کو اپنے ذمہ لازم سمجھے اور رعایا کا فرض ہے کہ ظل اللہ کی اطاعت کریں۔ اگر ہر کام کو حدود شناسی کے ساتھ عمدہ طریقے سے انجام دیا جائے تو ملک وقوم کو انشاء اللہ بہت فائدہ پہنچے گا۔

زنانہ اسکولوں کے اجرا کا طریقہ پادشاہ اسلام بمشورۂ ارکان دولت وعلمائے ملت وحکمائے امت طے کرے خاص کر افغانستان کے حالات کو مدنظر رکھ کر جو طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کیا جائے۔

اجمالاً یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمدورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم و تربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔

(۱) بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے۔ یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلّف ہو جانا ممکن ہے اور جسمانی قوت واستعداد اور نوعیت آب وہوا اور نسلی وقومی خصوصیات کے اختلاف سے بلوغ ومکلفیت کی عمروں میں اختلاف ہوتا ہے۔ ارباب بصیرت مختلف مقامات کے مطابق عمر بلوغ متعین کر سکتے ہیں۔

مشتہات کے درجات بھی احوال و مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں ہوسکتا ہے کہ سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہات ہو جائے اور ہوسکتا ہے کہ گیارہ بارہ سال تک مشتہات نہ ہو۔

لڑکیوں کے لئے ستر عورت کا حکم یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں ستر واجب ہو جاتا ہے اور دس سال کی لڑکی کے لئے ستر کی حد مثل بالغہ عورت کے ہے۔ درمختار میں ہے ثم کبالغ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں۔

((ای عورته تکون بعد العشرة کعورة البالغین))

اور صاحب ردالمحتار نے درجہ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

((واختلفوا فی حد المشتهاة وصحح الزيلعي وغيره انه لا اعتبار بالسن عن السبع علی ماقيل اوالتسع وانما المعتبران تصلح للجماع بان تکون عبلة ضخمة والعبلة المرأة التامة الخلق))

(۲) باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو غذا لباس اور تادیب و تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ چند درجات پر منقسم ہیں۔ فرائض و واجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق و معاشرۃ اور روزگار اور پیشہ و ہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی و طبعی درجات کے مطابق مستحب اور مباح ہے۔

باب کا حق ہے کہ اولاد کو فرائض و واجبات شرعیہ کے سیکھنے پر مجبور کرے اور ضرورت ہو تو سزا دے۔

((قال النبی ﷺ علموا الصبی الصلوة ابن سبع سنین واضربوه علیها ابن عشرة (ترمذی) وقال النبی صلی الله علیه لان یؤدب الرجل ولده خیر من ان یتصدق بصاع (ترمذی) وقال صلی الله علیه وسلم ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن)) (ترمذی)

(۳) عورتوں کے لئے جو ستر کہ نماز میں شرط ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ تمام جسم پر مشتمل ہے۔ اور پردۂ عرفی کہ شعار عصمت ہے' چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کو بھی شامل ہے کیونکہ چہرے سے ہی فتنے کا قوی تعلق ہے اور حکم اپنی علت پر ہی جاری ہوتا ہے۔ اس پردہ عرفی کے وجوب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان افعمیا وان انتما۔ البتہ اجنبی اور محرم کے فرق کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ محارم میں بدنیتی کا احتمال نہیں ہوتا اور معاشرتی ضروریات کشف حجاب کی اجازت کی مقتضی ہیں۔ اسی طرح چھوٹے لڑکوں اور زیادہ سے زیادہ نو سال کی لڑکیوں اور زیادہ عمر والوں کے درمیان بھی فرق ہے جس کے بارے میں کچھ اشارات اوپر گزر چکے ہیں۔ لیکن قبل تاہل اور بعد تاہل کا فرق میری نظر سے نہیں گزرا۔

(۴) شرعی فرائض و واجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے' خواہ وہ علوم عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں خواہ معاشرۃ اور تہذیب و تمدن سے اور مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح۔ جیسا کہ نمبر۲ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۵) محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے۔ اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض و غایت مفید ہو تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اسی وجہ سے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے اور بلا ضرورت شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے اور ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد محلہ سے بلکہ مسجد نبوی سے بھی بہتر قرار دیا ہے۔

(۶) اجتماعی و تمدنی حیثیت سے محترم خواتین کے صرف اتنے ہی حقوق ہیں کہ وہ حقوق دینیہ کی ادائیگی کے بعد شوہر

اور اقارب کے حقوق بجالائیں اولاد کی تربیت امور خانہ داری میں دلچسپی لیں۔ اجنبی سوسائٹی سے دور رہیں اور اگر کوئی ہنر آتا ہو اور فرصت ملے تو اس میں مشغول رہیں۔ بیباکانہ مردانہ اجتماعات اور جلسوں میں شریک ہونا اور بے حجابانہ لہو ولعب کے مجمعوں میں جانا اور غیر مردوں سے بے تکلف ہونا نہ صرف یہ کہ نسوانی خصوصیات کو فنا کر دے گا بلکہ اسلامی تہذیب کو بھی تباہ کر دے گا۔

(۷) یہ جو کچھ مسائل لکھے گئے اکابر حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں۔ ہر مضمون کے متعلقہ دلائل وشواہد مشائخ مذہب کی تصانیف میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ وکفاہ۔ ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ۔[۱]

صنف نازک اور مغربی تعلیم کی تباہ کاریاں:

س: کیا خواتین کو مروجہ عصری علوم اور مغربی تعلیم سے آراستہ کرنا شرعاً ناجائز ہے' اس کے کیا کیا مفاسد ہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیں؟

ج: مغربی تہذیب اور اس کے طرز تعلیم نے صنف نازک کو اقتصادی' معاشرتی' سماجی اور اخلاقی میدان میں کس طرح پامال کیا ہے' اس کے ناموس اور تقدس کو حرص وآز کی قربان گاہ پر کس طرح بھینٹ چڑھایا ہے۔ اس کی معصومیت' حیا اور شرافت کو مغربیت کی فسوں کاری سے کس طرح شکار کیا ہے۔ اس کے وقار' اس کی عزت' اس کی اقدار اور وفادارانہ روایات کو دور حاضر نے کس طرح کچل کر رکھ دیا ہے' اس کے احساسات' جذبات اور تصورات کو اضطراب' بے چینی اور بے اطمینانی کے کس اندھیرے غار میں ڈال دیا ہے۔ ان سوالات کے جوابات آج اخبار کے صفحات میں ''ہر دیکھنے والی نظر'' کے سامنے بکھرے پڑے ہیں' لیکن مغربی افیون کا نشہ پڑھنے والوں کو ان پر غور وفکر کی مہلت نہیں دیتا۔ ہمیں لکھتے پڑھتے اور کہتے سنتے بھی شرم آتی ہے کہ مغربی تاجروں نے ''صنف انسانیت'' کو تعلیم وتہذیب' فیشن اور کلچر' مساوات اور حقوق کے پرفریب نعروں سے تجارتی منڈی میں فروختنی سامان کی حیثیت دے ڈالی ہے۔ زندگی کا کون سا شعبہ ہے' جس میں ''عورت'' کے نام' نغمہ وکلام' شکل وصورت اور تصویر اور فوٹو کو فروغ تجارت کا ذریعہ نہیں بنایا ہے۔ عورت کے فطری فرائض بدستور اس کے ذمہ ہیں۔ خانہ داری اور نسل انسانی کی پرورش کا پورا بوجھ وہ اب بھی اٹھاتی ہے' لیکن ظلم پیشہ' سہل پسند اور آرام طلب ''مرد'' نے ''وزارت'' سے لے کر ہسپتال کے نرسنگ سسٹم تک زندگی کے ایک ایک شعبہ کا بوجھ بھی اس مظلوم اور ناتواں کے نحیف کندھوں پر ڈال دیا ہے۔

مرد وزن کی الگ الگ فطری تخلیق' الگ الگ جسمانی ساخت' الگ الگ ذہنی صلاحیت' الگ الگ جذبات واحساسات' الگ الگ طرز نشست وبرخاست کا فطری تقاضا یہ تھا کہ ان دونوں کے فطری فرائض بھی الگ الگ ہوتے'

---

[۱] کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۵ تا ص ۴۰

دونوں کا میدان عمل ہی الگ الگ ہوتا' دونوں کے حقوق و واجبات بھی الگ الگ ہوتے۔ دونوں کی زندگی کا دائرہ کار بھی الگ الگ ہوتا نیز جس طرح عورت اپنے فطری فرائض بجالانے پر بہر حال مجبور ہے' اسی طرح عقل و انصاف کا تقاضا اور نوامیس فطرت کی اپیل ہے کہ وہ مرد اپنے فطری فرائض کے میدان میں مکمل طور پر خود مصروف تگ و تاز ہونے کا بار خود اٹھائے اور صنف نازک کو ''اندرون خانہ'' سے باہر نکال کر ''بیرون خانہ'' رسوا نہ کرے۔

مرد اور عورت بلاشبہ انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ لیکن یہ گاڑی اپنی فطری رفتار کے ساتھ اسی وقت چل سکے گی جبکہ ان دونوں پہیوں کو اس گاڑی کے دونوں جانب فٹ کیا جائے۔ گھر کے اندر عورت ہو اور گھر سے باہر مرد ہو۔ لیکن اگر ان دونوں کو ایک ہی جانب فٹ کر دیا جائے یا بٹوارا کر لیا جائے کہ مرد بھی نصف گھر سے باہر کے فرائض انجام دے اور نصف گھر کے اندر کے۔ اسی طرح عورت کی زندگی کو اندر اور باہر کے فرائض کی دوعملی میں بانٹ دیا جائے تو یا تو یہ گاڑی سرے سے چلے گی ہی نہیں یا اگر چلے بھی تو فطری رفتار سے نہیں چلے گی۔ بلکہ اس کی رفتار میں کجی' ہچکولے' بے اطمینانی اور سردردی کا اتنا عظیم طوفان ہوگا کہ انسانی زندگی نمونہ جنت نہیں بلکہ سراپا جہنم زار بن کر رہ جائے گی۔

آج مغرب کے ارزاں فروشوں نے صنف نازک کے گراں مایہ اقدار کو جن سستے داموں بیچ کر زندگی کے جہنم کا ایندھن خریدا ہے۔ اس سے مشرق و مغرب بیک زبان لرزہ براندام اور نالہ کناں ہیں' اس نے ''صنف ضعیف'' کے طبعی میدان عمل پر اس شدت سے قہقہہ لگایا کہ عورت کو مجبوراً اپنا فطری مقام چھوڑ کر سست وجود اور کسل پسند ''مرد'' کے میدان عمل میں آنا پڑا' اور قانون فطرت نے جو ذمہ داری صرف اور صرف مرد پر ڈالی تھی۔ اس مظلوم کو مردوں کے دوش بدوش اس کا نصف بار اٹھانا پڑا۔ اس جذبہ وفاداری کے تحت جب عورت گھر سے نکل کر ''بیرون خانہ زندگی'' میں گامزن ہوئی تو قدم قدم پر اس کی نسوانیت کا مذاق اڑایا گیا۔ سب سے پہلے اس کے سامنے ''تعلیم'' کے خوش کن عنوان سے سکول' کالج اور یونیورسٹی کے دروازے کھولے گئے اور معصوم بچیوں کو آزادانہ طور پر لڑکوں کی صفوں میں بیٹھ کر نئی طرز زندگی سیکھنے پر مجبور کیا گیا۔ مخلوط تعلیم نے جس کا رواج اگرچہ کئی جگہ بند کر دیا گیا ہے لیکن ابھی تک اس کی برائی اور نفرت سے کماحقہ واقفیت کی نعمت سے لوگ آشنا نہیں ہو سکے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق' عادات' اطوار اور جذبات میں جو زہر گھولا گیا ہے اس کے لئے شواہد اور دلائل پیش کرنا غیر ضروری ہے' اخبار کے صفحات اور عدالتوں کے ریمارکس اس پر شاہد ہیں۔ اس مرحلہ میں (الا ماشاء اللہ) جو نسوانیت کی مٹی پلید ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اس پر انسانیت بشرطیکہ وہ کسی میں موجود بھی ہو' سر پیٹ کر رہ جاتی ہے اور حیاء اور عصمت کی دیوی' اپنا دامن چاک کر لیتی ہے اس مرحلہ میں کتنی ہی دوشیزاؤں کو اپنے عزت مآب والدین سے باغی ہو جانا پڑا' کتنے ہی باعزت خاندانوں کو ذلت اور رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جانا پڑا اور کتنے ہی گھرانوں کو اپنی شرافت اور برتری کی معراج سے دناءت اور پستی کے تہ خانوں میں گم ہو جانا پڑا۔

خدا خدا کر کے تعلیم ختم ہوئی۔ اب ملازمت کی تلاش کا مرحلہ پیش آیا' اس مرحلہ میں کن کن لوگوں سے ملاقاتیں کرنا

پڑیں، کن کن حیا سوز محفلوں میں حاضری دینا پڑی۔ کن کن شریفوں کے خندہ زیر لب کا نشانہ بننا پڑا' ایک طویل داستان ہے' جو ہر اس خاتون کے سر سے گذرتی ہے جسے یہ مرحلہ پیش آیا ہو مشرقی مذاق میں اس مرحلہ کی تعبیر یوں ہے ۔

کر کے بی اے اب رشیدہ ڈھونڈتی ہے نوکری
لینے کے دینے پڑے اس گھر کی ویرانی بھی دیکھ

روزنامہ کوہستان لاہور ۲۳ ستمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت (خواتین کا اخبار) میں ایک قابل احترام خاتون کا ایک مضمون اسی موضوع پر نظر سے گذرا' جس میں مذکورہ بالا مرحلہ میں صنف نازک کی لا علاج پریشانیوں کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔ مجھے دوسروں کی خبر نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اپنی ایک بہن کی عجیب وغریب پریشانی احوال کو پڑھ کر دل ڈوب گیا' گردن جھک گئی' اور دماغ میں نفسیاتی بحران کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! شاطر فرنگ کتنا بڑا ظالم تھا۔ جس نے مشرقی خاتون کو ''جنت خانہ'' سے باہر نکال کر اس کے تمام تر ضعف اور فطری ناتوانی کے باوجود اسے بے اطمینانی و بے چینی کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی بہن کی دردناک کہانی کے چند اجزاء یہاں نقل کر دوں۔ محترمہ لکھتی ہیں۔

''جی چاہتا ہے اپنی ڈگریوں کو اٹھا کر بھاڑ میں جھونک دوں۔ سیما نے اپنی ایم اے تک کی ڈگریاں میز پر زور سے پٹخ دیں اور کرسی پر گر کر پیشانی کا پسینہ پونچھنے لگی' کیوں خیر تو ہے؟ میں نے حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ آج ڈگریوں کی کم بختی کیوں آ گئی۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے تو تم نے دن رات ایک کر دیئے۔ تمہارے چہرے پر کھنڈی ہوئی یہ زردی اور ہمیشہ کی سردردی ان ڈگریوں ہی نے تو دی ہے''۔

ان ڈگریوں کے حاصل کرنے پر اسے مجبوراً دن رات ایک کر دینا پڑا تھا اور جس کے نتیجہ میں چہرے کی زردی اور دائمی سردردی میں وہ بیچاری مبتلا ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سوال کا جواب اس کی طرف سے کیا دیا گیا؟ ذرا اسے پڑھئے اور صنف نازک کی ''غیر فطری پریشانیوں'' کا اندازہ کیجئے۔

''محترمہ لکھتی ہیں کہ یہ سوال سن کر وہ رو دینے کے انداز میں کہنے لگی۔ یہی تو دکھ کی بات ہے۔ ان ڈگریوں کو حاصل کرنے کا مقصد اگر فریم کروا کے دیوار پر آویزاں کرنا ہے تو پھر ٹھیک ہے' بڑی سے بڑی ڈگری لو' اعلیٰ سے اعلیٰ فریم میں لگاؤ اور گھروں میں لٹکا لو' پر اگر کوئی غریب چاہے کہ اس کی محنت کا ثمر مل جائے تو مشکل ہے' ڈگریوں کو ماتھے پر سجا کر در در کی خاک چھانو' سکول' کالج اور دفتروں کی چوکھٹیں گھساؤ' مگر سولہ سال کی محنت کے عوض ملی ہوئی یہ سند تمہیں کہیں نوکری نہ دلا سکے گی۔''

یہ تو اس تعلیم کا صرف ایک پہلو ہے' اس کا دوسرا پہلو اس سے بڑھ کر سنجیدہ وغور وفکر کا مستحق ہے۔ اس کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

''اور پھر تم جانتی ہو' وہ سنجیدگی سے بولی۔ یہ وہ زمانہ نہیں جس میں معمولی پڑھی لکھی گھر گرہستی کو سمجھنے والی عورت ہی آورش سمجھی جاتی ہو۔ آج عظمت اور بڑائی کا معیار بدل گیا ہے۔ کسی بھی اخبار کے اشتہاروں کے کالم میں دیکھ لو۔ ضرورت رشتہ کے عنوان سے دیئے گئے اشتہار میں لیڈی ڈاکٹر اور پروفیسر کو کس طرح ترجیح دی گئی ہوتی ہے۔''

گویا اس تعلیم نے معاشرت و اقتصاد ہی کو نہیں سماج کو بھی متاثر کیا ہے۔ ذہنیت بدل کر رکھ دی۔ مزاج بگاڑ دیئے' اقدار کو مجروح کر دیا۔ کل تک جن چیزوں کو سماجی تعلقات اور رشتہ مناکحت کے لئے معیار قرار دیا جاتا تھا' اور وہ واقعتاً معیار تھیں بھی۔ اس تعلیمی ہیضہ نے ان تمام پر خط تنسیخ کھینچ دیا' شرافت اور بلندی کا معیار شستہ اخلاق' پاکیزہ عادات' عفت و عصمت' اقدار و اطوار نہیں رہے بلکہ صرف ایک معیار باقی رہ گیا۔ یعنی وہ لیڈی ڈاکٹر؟ یا پروفیسر؟ کس منصب پر فائز ہے اور ماہوار کتنے روپے کماتی ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ممکن ہے جن لوگوں کو ان تلخیوں سے دو چار نہ ہونا پڑا ہو' انہیں یہ ''داستان درد'' بے وزن معلوم ہو۔ لیکن جن کے سر سے یہ گذری ہے ان کی شہادت کو آخر کیسے نظر انداز کر دیا جائے۔ تعلیم جدید کے قصیدہ خوانوں کو اپنی درد مند بیٹی اور بہن کا یہ بیان پورے غور و فکر سے پڑھ کر اپنے موقف پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ محترمہ لکھتی ہیں:

''برسوں اسی میدان میں دھکے کھانے کے بعد جب زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سولہ برس کی محنت کا ثمرہ صرف کاغذ کا ایک پرزہ ہے جو زندگی کے لق و دق صحرا میں کسی وقعت کا حامل نہیں' یہ تو کسی کام بھی نہیں آسکتا پھر جی چاہتا ہے۔ کاش ڈھنگ سے برتن مانجنے ہی سیکھ لئے ہوتے یا ہاتھ میں کوئی اور ہنر ہوتا کہ آج بے بسی اور محتاجی کا احساس یوں شدت سے کچوکے نہ لگاتا''۔

اس پر بس نہیں اس تعلیم نے صنف نازک کے جذبات پر جو گہرا زخم کیا ہے اسے معلوم کرنے کے لئے بدلتی ہوئی معاشرت پر بالاخانوں میں بیٹھ کر فخر کرنے والوں کو اپنی بہن کا یہ پیغام سن لینا چاہئے' اس پیغام میں اگر تلخی کی جھلک اور بڑے کڑوے لہجے کی چبھن ہو تو انہیں سوچنا چاہئے کہ یہ کس کی آواز ہے۔ محترمہ لکھتی ہیں:

''میں پوچھتی ہوں' کہاں ہیں وہ لوگ جو گھر کی چار دیواری میں مستور' معمولی سی تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی عورت کو آورش جان کر اسے احساسات کے سب سے بلند استحان پر بٹھا لیا کرتے تھے۔ آج زندگی کی اقدار ہی بدل گئیں۔ غریبوں کو چاہئے کہ اپنی لڑکیوں کو نرسیں بنوایا کریں یا پھر پرائمری اسکولوں میں تیس روپے ماہوار پر استانیاں لگا دیا کریں' اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ شروع میں ہی ان کا ہر احساس مٹا دیا جائے۔ یا شعور ہونے سے پہلے ہی ان کا شعور ختم کر دیا جائے تاکہ وہ زندگی میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتی ہوئی پاگل نہ ہو جائیں۔ کاغذ کے پرزوں کو سینے سے لگا لگا کر ان کی

حسیات چوٹ نہ کھا جائیں''۔

اس تعلیم کے فضائل کی گنتی میں سرفہرست معیار زندگی کے بلند کرنے کا نام لیا جاتا ہے اور بڑے بے سروپا دلائل سے سمجھایا جاتا ہے کہ جب تک تعلیم عام نہ ہوگی زندگی کا معیار بلند نہیں ہوسکتا اگر معیار زندگی سے چند بڑے لوگوں کا معیار زندگی مراد ہے تو اور بات ہے' ورنہ اگر مجموعی زندگی کا اوسط مراد ہے تو معاف کیجئے یہ دلیل واقعات سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ اس الٹ تعلیم سے معیار زندگی کے بلند کرنے کی امید باندھ لینا خواب خیالی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ آخر امریکہ بہادر سے زیادہ تعلیم کہاں عام ہوگی؟ اور معیار زندگی کہاں بلند ہوگا۔ لیکن امریکی صدر آنجہانی کنیڈی نے اعتراف کیا تھا کہ امریکہ میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں پیٹ بھر کر دو دفعہ کھانا میسر نہیں۔ یہی معیار زندگی کا ہوا ہے جس کے لئے معصوم صنف نازک کو گوناگوں پیچیدگیوں میں جکڑ دیا گیا ہے حالانکہ خود ''معیار زندگی'' کے لئے کسی کے پاس کوئی ''معیار'' نہیں ہے کہ آخر یہ ہے کیا بلا؟ اس کے حدود کیا ہیں؟ یہ کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں جا کر ختم ہونے کا نام لیتی ہے۔ محترمہ نے کیا خوب لکھا ہے:

> ''سیما بے بسی سے ہنس دی اور بڑے سپاٹ لہجے میں بولی۔ لوگ پوچھتے ہیں تمہیں کیا معیار زندگی بلند کرنا ہے؟ انہیں کیا بتاؤں کہ یہاں تو زندگی کا سرے سے کوئی معیار ہی نہیں ہے اسے اونچا کیا کریں۔ ہم تو چاہتے ہیں زندگی اگر زندگی بن کر گزر جائے تو غنیمت ہے''۔

اور یہ اس ''تعلیم جدید'' کے ایک مرحلہ کا ذکر ہے یعنی ڈگری حاصل کرنے کے بعد نوکری کی تلاش۔ اس مرحلہ کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ سب تو نہیں لیکن ''بڑے لوگ'' اپنی بیٹیوں کو یہاں سے مغرب کی یونیورسٹیوں میں بھیج دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مشرقی عورت مغربی ماحول میں جا کر تعلیم کے ساتھ کیا کیا سیکھ آتی ہوگی؟ اس کے لئے وہیں کی معاشرت پر نظر کر لینا ہی کافی سبق آموز ہے اور یہاں آ کر یہ ''بڑے گھر کی خواتین'' مغربی طور طریقوں کی جو تبلیغ فرماتی ہیں۔ وہ کافی حد تک عبرت ناک ہے اور ان تعلیمی مراحل کو طے کرنے کے بعد اگر کسی خوش بخت کو کوئی ملازمت میسر آ ہی گئی تو سمجھا جاتا ہے کہ مقصد زندگی حاصل ہو گیا ہے' بلاشبہ مزعومہ مقصد ضرور حاصل ہو گیا ہوگا' لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ زندگی برباد ہو کر رہ گئی' اور صحیح لفظوں میں عورت کی زندگی مرد کی حرص و ہوا کا نشانہ بن گئی۔ ذرا زندگی کے ہر شعبہ کی طرف نظر دوڑاؤ' جہاں جہاں عورت کو جکڑا گیا ہے' دکانیں نہیں سجتیں' جب تک انہیں بیٹی اور دلہن کی عریاں اور نیم عریاں تصاویر سے آراستہ نہ کیا جائے۔ کلب گھروں کی رونق عورتوں سے ہے۔ سینما ہال کی شان و شوکت عورتوں سے ہے۔ تفریحی پروگراموں میں عورت کا استعمال' غیر ملکی مہمانوں کی آمد ہو تو بچیوں کا استقبال' ناچ اور ڈرامے کا طوفان ہو تو عورت حاضر' ریڈیو اسٹیشن پر اناؤنسری کی خدمت ہو تو عورت درکار' کتابوں اور رسالوں کی زینت عورت سے' اخبار اور مجلّات کا کاروبار عورت کے دم قدم سے۔

سیاسیات میں صدارت اور وزارت کے لئے عورت' غیر ملکی وفود اور سفارت کے لئے عورت' ہوائی مہمانوں کی میزبان ملت کی بہن اور بیٹی' ہسپتالوں میں غیر محرم مردوں کی عیادت اور مرہم پٹی کرنے والی قوم کی نونہال' دفتروں میں افسران بالا کے ماتحت کام کرنے والی ملت کی خواتین' اور بعض نجی معاملات میں خدمت بجالانے والی قوم کی بہو بیٹیاں' ہائے اکبر مرحوم اگر آج ہوتا تو کیا کچھ نہ کہتا۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اف: زمانے کا تغیر' کبھی مسلمان' غیرت مند مسلمان اس منحوس تعلیم کے ابتدائی اثرات کو دیکھ کر ''غیرت قومی'' سے گڑ جایا کرتا تھا۔ لیکن آج کا مسلمان کہلانے والا' جس کے لئے عورتوں کے منہ کا نقاب پردۂ عقل کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس کے انتہائی ''آثار بد'' پر بھی ماتم نہیں کرتا' وہ اس تعلیمی فضا کی پیدا کردہ ذہنی اور اخلاقی انارکی کو آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ سسکتی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کی آہ و فریاد اور نالہ و گریہ اپنے کانوں سے سنتا ہے لیکن بڑے فخریہ انداز میں کہتا ہے۔

سعودی عرب میں شاہ فیصل کے دور میں جس وسیع پیمانے پر اصلاحات ہو رہی ہیں۔ اس کی خبریں ہمارے ہاں برابر چھپتی رہتی ہیں۔ ۲۷ رمئی کے پاکستان ٹائمز میں ''سعودی عرب کا بدلتا ہوا معاشرہ'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار ''لڑکیوں کی تعلیم'' کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

''۱۹۶۱ء میں درعیہ میں لڑکیوں کے مدرسے کی پہلی جماعت شروع کی گئی اس میں صرف ۱۲ طالبات تھیں اور لوگ اس بدعت سے کچھ متوحش سے تھے۔ اب اس قسم کے ۱۴ دیہی مراکز میں ۱۵۱۶ دن کی اور ۹۵۲ رات کی جماعتیں ہیں''

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ ان سالوں میں سعودی خواتین عزلت کی زندگی سے نکل کر عوامی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگی ہیں' وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد قومی تعمیر کے کاموں میں شریک ہو رہی ہیں' ان کے لئے مدارس میں بحیثیت استانیوں کے' سماجی بہبود کے اداروں میں بطور سماجی کارکنوں کے اور ہسپتالوں میں بحیثیت نرسوں کے برابر مواقع نکل رہے ہیں' (فکر و نظر جلد ۳ ش ۹-۱۰ ص ۶۳۰) اس بنائے افتخار پر اس کے سوا اور کیا عرض کر سکتے ہیں۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر[1]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۰۳ تا ۲۱۲

مسلمان عورت جدید علوم حاصل کر سکتی ہے:

س: میں الحمد للہ پردہ کرتی ہوں لیکن میں کمپیوٹر سائنس کی تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ اسلام میں جدید تعلیم حاصل کرنے پر کوئی پابندی تو نہیں۔ جبکہ یہ تعلیم ایسی ہے کہ آدمی گھر بیٹھے کما سکتا ہے اس کو مرد کے ماحول میں ملازمت کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ جبکہ کمپیوٹر کے سامنے وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ ایک ایسا کام ہے کہ ہم جو فالتو وقت ٹی وی وغیرہ کے آگے گزار کر گناہ حاصل کرتے ہیں اس کے یعنی (کمپیوٹر) کے سامنے بیٹھ کر ان لغویات سے بچ سکتے ہیں۔ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ وہ علم جو دنیاوی عزت حاصل کرنے کے لئے لیا جائے اس کے لئے عذاب ہے لیکن میرے دل میں یہ خیال ہے کہ ہم مسلمان عورتوں کو پردے میں رہتے ہوئے ایسے علوم ضرور سیکھنے چاہئیں کہ ہم کسی بھی طرح ترقی یافتہ قوموں سے پیچھے نہ رہیں۔ نیز اپنے پیروں پر ہم خود کھڑے ہو جائیں۔ نیز وہ لوگ جو پردہ دار عورتوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہ دقیانوسی عورتیں ہیں ان کو کیا پتہ کہ کمپیوٹر وغیرہ کیا ہوتا ہے؟ یا یہ کہ ان کو ایسی تعلیم سے کیا واسطہ؟ امید ہے کہ آپ میرا نظریہ سمجھ گئے ہوں گے میرا نظریہ یہ ہے کہ ایسی تعلیم کو عورت مرد کے ماحول میں نکل کر کام کرنے کے بجائے گھر میں بیٹھ کر کما لے۔ یہ زیادہ بہتر ہے کہ نہیں۔ جو وقت اور جو حالات آپ دیکھ رہے ہیں آپ کی نظر میں کیا عورت کو ایسی تعلیم حاصل کرنی چاہئے کہ وہ آپ اپنے پیروں پر خود کھڑی ہو جائے۔ یہ بتائیے کہ نبی پاک ﷺ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ جو ہمارے نبی کا فیصلہ ہوگا وہی ہمارا انشاء اللہ فیصلہ ہوگا۔ اگر آپ مجھے مطمئن کر دیں تو میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔

ج: آپ کے خیالات ماشاء اللہ بہت صحیح ہیں کمپیوٹر کی تعلیم ہو یا کوئی دوسری تعلیم اگر خواتین ان علوم کو باپردہ حاصل کریں تو کوئی حرج نہیں۔ تعلیم کے دوران یا ملازمت کے دوران نامحرموں سے اختلاط نہ ہو۔[1]

کونسا علم حاصل کرنا ضروری ہے:

س: علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ملے علم حاصل کرو کا فقرہ کیا علم دین کے لئے کہا گیا ہے؟
کیا یہ دنیا کے تمام علوم کے لئے کہا گیا ہے؟
کیا مرد اور عورتوں پر دنیوی علوم حاصل کرنا فرض ہے؟

ج: اول تو یہ حدیث ہی موضوع اور باطل ہے۔ علاوہ ازیں انبیاء کرام علیہم اسلام کی دعوت کا موضوع دنیا کا علم ہے ہی نہیں۔ وہ تو آخرت کی دعوت دیتے ہیں اور انسانیت کو ان عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات کی تعلیم دیتے ہیں جن سے ان کی آخرت بگڑے نہیں، بلکہ سنور جائے۔ اس لئے جو علوم آج کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''علم حاصل کرو'' میں داخل نہیں، ان کا حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ضروری ہے یا

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۴

غیر ضروری؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔

۲- دینی علم بقدر ضرورت حاصل کرنا تو سب پر فرض ہے اور دنیاوی علوم کسب معاش کے لئے ہیں اور کسب معاش عورتوں کے ذمہ نہیں بلکہ مردوں کے ذمہ ہے' ان کی تعلیم اتنی کافی ہے کہ دینی رسائل پڑھ سکے اور لکھ پڑھ سکے۔ باقی سب زائد ہے۔[۱]

کالجوں میں محبت کا کھیل اور اسلامی تعلیمات:

س: کیا محبت کوئی حقیقت ہے (میری مراد وہ محبت ہے جس کا ہمارے کالجز اور یونیورسٹیز میں بڑا چرچا ہے' اور بڑے بڑے عقل منداسے سچ سمجھتے ہیں)۔

۲- کیا اسلام بھی اسے حقیقت سمجھتا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں ان لڑکیوں کو اچھا سمجھا جاتا ہے جو شادی سے پہلے کسی مرد کا خیال تک اپنے دل میں نہیں لاتیں۔ میں بھی اس پر یقین رکھتی ہوں اور اس کے مطابق عمل کرتی ہوں لیکن جب سے میں نے کالج میں داخلہ لیا وہ بھی بحالت مجبوری تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس سلسلے میں پچھلے سات آٹھ مہینوں سے میں بہت پریشان ہوں اور ہر دوسرے روز روتی ہوں لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اس سلسلے میں اسلام کیا سیدھا راستہ بتاتا ہے؟ برائے مہربانی تسلی بخش جواب دیجئے گا میں آپ کی بہت احسان مند ہوں گی۔

ج: اسلام میں مرد و عورت کے رشتہ محبت کی شکل نکاح تجویز کی گئی ہے' اس کے علاوہ اسلام ''دوستی'' کی اجازت نہیں دیتا۔ ہماری تعلیم گاہوں میں لڑکے لڑکیاں جس محبت کی نمائش کرتی ہیں' یہ اسلام کی تعلیم نہیں بلکہ مغرب کی نقالی ہے' اور یہ ''منقش سانپ'' جس کو ڈس لیتا ہے وہ اس کے زہر کی تلخی تادم آخر محسوس کرتا ہے۔ مغرب کو اسی محبت کے کھیل نے جنسی انارکی کے جہنم میں' دھکیلا ہے' ہمارے نوجوانوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے۔[۲]

دینی تعلیم کیلئے والدین کی اجازت ضروری نہیں:

س: آج کل گھروں میں صرف دنیاوی تعلیم ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ دین کی باتیں تو والدین بتاتے ہی نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے ماحول میں جانا چاہتا ہو جہاں اس کے علم میں اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہو اور گھر والے اس کو نہ جانے دیتے ہوں تو کیا ان کی اطاعت جائز ہے؟

ج: دین کا ضروری علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور اگر گھر والے کسی شرعی فرض کے ادا کرنے سے مانع ہوں تو ان کی اطاعت جائز نہیں۔[۳]

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۵

۲ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۶

۳ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۷

دینی تعلیم کا تقاضہ:

س: میں بارہویں جماعت پاس کر کے اب دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت سے یہ دریافت کرنا تھا کہ میں نیت کیا رکھوں اور دین کی تعلیم حاصل کرنے کا اصل مقصود کیا ہے اور طالب علم اور استاد کا تعلق کیسا ہونا چاہئے؟ طالب علم ہونے کے ناطے استاد کے احترام اور ادب کے بارے میں کچھ ضروری باتیں جو دین کا علم حاصل کرنے میں ضروری ہوتی ہیں اگر حضرت سمجھا دیں تو میرے لئے بڑی کرم نوازی ہوگی۔

ج: دینی تعلیم سے مقصود صرف ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے ان پر عمل کرنا اور رضائے الٰہی کے مطابق زندگی گزارنا۔ بس رضائے الٰہی کی نیت کی جائے، علم کے آداب کے لئے ایک رسالہ ''تعلیم المتعلم'' اور دوسرا رسالہ ''آداب المتعلمین'' چھپا ہوا موجود ہے اس کو خرید کر پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔[1]

مخلوط تعلیم کتنی عمر تک جائز ہے؟

س: دینی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا جہاں تک پتہ چلتا ہے اور آج کل کے نظام تعلیم سے موازنہ کرتا ہوں تو ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ الف۔ کیا مخلوط تعلیم کا جواز شریعت میں ہے؟ اگر ہے تو کتنی عمر تک کے بچے بچیاں اکٹھے بیٹھ کر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں؟ اگر جواز شریعت میں نہیں تو پھر ذمہ دار افراد علیحدہ انتظام کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ علماء حق اس پر زور دیتے ہیں۔

ج: دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کر دینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے۔ دور جدید میں مخلوط تعلیم بے خدا تہذیب کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ جو ناگفتنی قباحتوں پر مشتمل ہے۔ معلوم نہیں ہمارے مقتدر حضرات اس نظام تعلیم میں کیوں تبدیلی نہیں فرماتے۔ جبکہ جداگانہ تعلیم کا مطالبہ صرف علمائے کرام ہی کا نہیں طلبہ اور طالبات کا بھی ہے۔[2]

مخلوط نظام تعلیم کا گناہ کس پر ہوگا:

س: میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں دوسرے اسکولوں کی طرح ہمارے اسکول میں بھی (کو۔ ایجوکیشن) مخلوط نظام تعلیم ہے۔ یہ وبا کراچی میں تو بہت زیادہ ہے۔ جناب! میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ دین کے مسائل پوچھنے میں ہم مسلمانوں کو شرم نہیں کرنی چاہئے۔ غرض یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں لڑکے اور لڑکیاں بہت جلد بالغ ہو جاتے ہیں۔ باقی رہی سہی کسر وی سی آر اور ٹیلی ویژن نے پوری کر دی ہے۔

جناب والا! ہماری کلاس میں بالغ لڑکے اور لڑکیاں جب مل کر بیٹھتے ہیں تو دونوں کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۸ [2] ایضاً۔

اس کے علاوہ لڑکیاں اپنے دوست لڑکوں کو اس وقت اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہیں جب کہ ان کے گھر والے گھر میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہمارے اسکول میں مرد اور عورت اکھٹے تعلیم دیتے ہیں۔ جب خوبصورت عورت استانی پڑھانے کے لئے خوب ''میک اپ'' کے ساتھ سامنے آتی ہے تو اس وقت بھی لڑکوں کو بہت برے برے خیالات آتے ہیں۔ اسی طرح جب مرد استاد لڑکیوں کے سامنے آتے ہوں گے تو ان کے دلوں کا کیا حال ہوگا۔ جناب چند سالوں میں بہت عجیب وغریب واقعات پیش آئے جن کو زبان پر اور قلم کی زد میں لاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مثلاً ہمارے اسکول میں لڑکے لڑکیوں کے درمیان بد اخلاقی کے کچھ ایسے سنگین واقعات پیش آئے کہ ان کو اسکول سے خارج کرنا پڑا اور کتنے واقعات ایسے ہیں جو ہوتے ہیں لیکن ہر ایک دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈالتے ہوئے اسے منظر عام پر نہیں لاتا۔

۱- کیا پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اس میں مخلوط نظام تعلیم شرعاً جائز ہے؟

۲- کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے غیر محرم مردوں اور عورتوں کو آپس میں مل جل کر تعلیم دینے تعلیم حاصل کرنے یا بینکوں میں ملازم یا کسی اور ادارے میں کام کرنے کی اجازت دی ہے جبکہ ایسے میں تمام عورتیں بے پردہ ہوں؟

۳- کیا پاکستان میں پردہ کا کوئی قانون نافذ نہیں؟

۴- کیا مخلوط نظام تعلیم سے اسلام کا مذاق نہیں اڑایا جارہا ہے؟

۵- کیا مخلوط نظام تعلیم اور مخلوط ملازمتوں کا گناہ ارباب حکومت پر ہے' لڑکوں پر ہے یا لڑکیوں پر ہے؟ مردوں پر ہے یا عورتوں پر ہے ان میں سے کون سب سے زیادہ عذاب الٰہی کا مستحق ہے؟

ج: آپ کا خط کسی تبصرے کا محتاج نہیں' یہ حکومت کی' والدین کی اور معاشرے کے حساس افراد کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے اور ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے' جو کہ مخلوط (کو۔ایجوکیشن) اسکولوں اور اداروں میں اپنے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دلوانا فخر سمجھتے ہیں اور ان کے بہترین مستقبل کی ضمانت سمجھتے ہیں' ان والدین کو سوچنا چاہئے کہ کہیں یہ مخلوط نظام تعلیم ان کے بچوں کی عزتوں کا جنازہ نہ نکال دے اور کہیں ان کے بہترین مستقبل کے سہانے خواب ڈھیر نہ ہوجائیں۔[1]

مرد' عورت کے اکھٹا حج کرنے سے مخلوط تعلیم کا جواز نہیں ملتا:

س: گزارش یہ ہے کہ روزنامہ جنگ کراچی میں ایک خاتون کا انٹرویو شائع ہوا ہے' اس کے انٹرویو میں ایک سوال و جواب یہ ہے۔

س: پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے مگر یہاں پر اسلامی نقطہ نظر سے خواتین کے لئے تعلیمی ماحول کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہے۔ جیسے خواتین یونیورسٹی کا قیام عمل میں نہ لانا وغیرہ اس سلسلے میں آپ کچھ اظہار خیال فرمائیے؟

پاکستان میں ہر لحاظ سے تعلیمی ماحول خوشگوار ہے۔ میں دراصل اس کی حمایت میں نہیں ہوں۔ کیونکہ جب ہم نے خود

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۲۱۸ تا ۲۱۹

مردوں کے شانہ بشانہ چلنا ہے تو پھر یہ علیحدگی کیوں‘ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے ’’حج‘‘ جب اس میں خواتین علیحدہ نہیں ہوتیں تو تعلیم حاصل کرنے میں کیوں علیحدہ ہوں اور ہماری قوم بڑی مہذب و شائستہ ہے‘ میں نہیں سمجھتی کہ خواتین کو مخلوط تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش آتی ہے۔ جب میں نے انجینئرنگ کی تو میں واحد لڑکی تھی اور ایک ہزار لڑکے تھے مگر مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ زمانہ طالب علمی میں طلبہ و طالبات ایک دوسرے کے بہت معاون و مددگار رہوتے ہیں‘‘۔

حضرت! اب سوال یہ ہے کہ کیا مخلوط تعلیم حج کی طرح جائز ہے؟

اس خاتون کا مخلوط تعلیم کو حج جیسے اہم اور دینی فریضہ پر قیاس کر کے مخلوط تعلیم کو صحیح قرار دینا کیسا ہے؟ اور کیا واقعی خواتین کو مخلوط تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی؟ امید واثق ہے آپ تشفی فرمائیں گے۔

ج: حج کے مقامات تو مرد و عورت کے لئے ایک ہی ہیں‘ اس لئے مرد و عورت دونوں کو اکٹھے مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں لیکن حکم وہاں بھی یہی ہے کہ عورتیں حتی الوسع حجاب کا اہتمام رکھیں۔ مردوں کے ساتھ اختلاط نہ کریں اور مرد نامحرم عورتوں کو نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ پھر وہاں کے مقامات بھی مقدس‘ ماحول بھی مقدس اور جذبات بھی مقدس و معصوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف بھی غالب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس تعلیم گاہوں کا جیسا ماحول ہے سب کو معلوم ہے۔ پھر وہاں لڑکے لڑکیاں بن ٹھن کر جاتی ہیں۔ جذبات بھی ہیجانی ہوتے ہیں۔ اس لئے تعلیم گاہوں کو خانہ کعبہ اور دیگر مقامات مقدسہ پر قیاس کرنا کھلی حماقت ہے۔

شریعت کی رو سے مسلمان لڑکیوں کو انگلش پڑھانا کیسا ہے؟

س: مسلمان لڑکیوں کو انگلش پڑھانا کیسا ہے؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

ج: انگلش میں نام اور پتہ لکھ سکے اتنا سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں‘ کبھی شوہر سفر میں ہو اور اس کو خط لکھنے میں انگلش پتہ کی ضرورت ہو تو غیر کے پاس جانا نہ پڑے لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں داخل کر کے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرانا جائز نہیں ہے کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے۔ (اثمهما اكبر من نفعهما) تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد و اخلاق و عادات بگڑ جاتے ہیں۔ آزادی‘ بے شرمی‘ بے حیائی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مرحوم اکبر الہ آبادی نے فرمایا ہے۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر   گرا گئیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ’’اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔

(خطبۂ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰ء)

اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں' حالانکہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے' جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں بہ استثناء شاذ و نادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے' نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔'' (فضل العلم والعمل ص ۸)

اور فرماتے ہیں ''مدارس اسلامیہ میں بیکار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجہ انگریزی میں مشغول رہنے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہوگی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو' یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل' بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان متزلزل ہو اور اللہ اور رسولؐ اور صحابہؓ و بزرگانِ دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانے میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے اور یہ ترجیح ایک محبِ دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے۔ ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔ (حقوق العلم ص ۶۳-۶۴)

اور آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ''ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! علی گڑھ کالج میں لڑکوں کو داخل کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دین سے برباد نہ ہو جائیں' فرمایا ''میاں ہوگا تو وہی جو اللہ کو منظور ہوگا' مگر ظاہری اسباب میں یہ داخلہ بھی ایک قوی سبب ہے بربادی کا اور اس بنا پر کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر اور اس میں جسم کا ضرر ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ص ۱۰۷)

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! کشمیر میں بھنگی کا پیشہ مسلمان کرتے ہیں' بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اب کچھ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا ہے مطلب یہ کہ تعلیم کے بعد یہ پیشہ چھوڑ دیں گے۔ فرمایا کہ کس قسم کی تعلیم؟ عرض کیا انگریزی ہی کی تعلیم کے اسکول کھولے گئے ہیں' فرمایا کہ اگر یہ بھنگی کا پیشہ چھوٹ جائے گا تو یہ انگریزی تعلیم کا پیشہ اس سے بدتر ہے۔ اب تک تو ظاہری نجاست تھی اور یہ باطنی نجاست ہوگی' اکثر یہ دیکھا ہے کہ اس تعلیم سے عقائد خراب ہو جاتے ہیں۔

(ملفوظات ص ۲۳۶ ملفوظات ص ۲۷۳ ج ۵)

(۱) ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ ''ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔ (مسلمانانِ ہند ص ۱۴۲)

(۲) گاندھی جی لکھتے ہیں ''ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو' (خطبۂ صدارت مولانا شیخ الہندؒ جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰ھ)

(۳) سرسید مرحوم لکھتے ہیں ''اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ

عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔'' (اسباب بغاوتِ ہند)

(۴) سر عبداللہ ہارون سندھ کی مسلمان طلبہ کی تعلیمی کانفرنس کی صدارتی تقریر میں فرماتے ہیں۔ ''تعلیم کا موجودہ طریقہ جسے لارڈ میکالے نے رائج کیا تھا ہر اس چیز کو تباہ کر چکا جو ہمیں عزیز تھی۔'' (روز نامہ ''انجام'' دہلی ۲۰ رفروری ۱۹۴۱ء)

(۵) آنریبل مسٹر فضل حق وزیر اعظم صوبہ بنگال نے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل منعقدہ پٹنہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جس قسم کی تعلیم (کالج اور اسکولوں میں ان کو دی گئی ہے دراصل اس نے ان کو نہ دنیا کا رکھا ہے نہ دین کا۔ اگر ایک مسلمان بچہ نے اونچی سے اونچی تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لی لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے؟ مفید اس وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے۔ کیا خوب کہا ہے اکبر الہ آبادی نے ۔

فلسفی کہتا ہے کیا پروا ہے گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں' بھائی یہ گیا تو سب گیا

(''مدینہ'' (سہ روزہ) بجنور ۹ راکتوبر ۱۹۳۸ء)

(۶) مسلم لیگی اخبار ''منشور'' (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض ۹ رجون ۱۹۴۰ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ ''گذشتہ تیس برس سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ اسلامی کلچر' اخلاقی اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلد ہیں۔

(۷) علامہ ''اقبال'' مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز — حالؔی سے مخاطب ہوئے یوں سعدیؔ شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر — درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں — تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمئ آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر — رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحبِ اعجاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا — آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل — دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی — فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر و زمیں تازہ
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی — ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضورِ شہ یثرب میں نہ کرنا — سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

خرمانتواں یافت ازاں خارکہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم

شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔

((قاعده خامسة وهى درأ المفاسد اولٰى من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً لان اعتناء الشرع المنهيات اشد من اعتناء ه بالمامورات)) (ص۱۱۴)

وضواور غسل میں غرغرہ کرنا سنت ہے۔ لیکن حلق میں پانی چلے جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے۔ اسی طرح بالوں کا خلال سنت ہے۔ مگر بالوں کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالتِ احرام میں خلال مکروہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت تھی' مگر بعد میں خرابی پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا اور حضرت عائشہؓ نے مذکورہ فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں نے جو حالت بنالی ہے اگر آنحضرت ﷺ نے اس کو ملاحظہ فرمایا ہوتا تو (پہلے ہی) ان کو مسجد سے روک دیتے (اجازت نہ دیتے)

((ان عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد)) (ابوداؤد شریف ج۱ص۹۱)

مذکورہ قانون کے مطابق جب عورتوں کے لئے مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ناجائز ٹھہرا تو ان کو انگریزی پڑھانا اور کالجوں میں داخل کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ جب کہ یہاں دین کا ضرر کہیں زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تعلیم دلانا جس سے دین و ایمان پر برا اثر پڑتا ہو جو غیر اسلامی کلچر' غیر اسلامی اخلاق و عادات اختیار کرنے کا ذریعہ بنتی ہو ہر ایک کے لئے ناجائز ہے' لڑکی ہو یا لڑکا البتہ یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کی فطرت اثر بد کو جلد قبول کر لیتی ہے اور مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں بھی ان پر نہیں ہوتیں تو ان کو انگریزی تعلیم سے علیحدہ رہنا چاہئے اور انہیں انگریزی اسکول اور کالج کی ہوا بھی نہ لگنی چاہیے' ہاں لڑکے اگر مذہبی بنیادی ضروری تعلیم پوری طرح حاصل کر لیں اور اسلامی تمدن' اسلامی اخلاق اور عادات پر بھی مضبوطی سے قائم رہیں تو بے شک ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جتنی چاہیں انگریزی کی ڈگریاں حاصل کریں۔

بقول اکبر الٰہ آبادی ۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے غباروں میں اڑو' چرخ پے جھولو
بس ایک سخن بندۂ ناچیز کار ہے یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مگر موجود دور میں یہ گارنٹی بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے پس اسلامی عقائد اور اسلامی اخلاق وغیرہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کا یقین نہ ہو اور اثر بد اور برے ماحول سے محفوظ رہنے کا بھی پورا اطمینان نہ ہو تو جس طرح مہلک مرض اور مفسدِ صحت آب و ہوا سے اولاد کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ تعلیم اور کلچر سے بھی ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

اولاد کی خیر خواہی اس میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی کی فکر دنیا کی درستگی کی فکر سے زیادہ ہو بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔

((صديق الانسان من يسعى فى عمارة اخرته وان كان فيه ضرر لدنياه وعدوه من يسعى فى خسارة اخرته وان كان فيه نفع لدنياه)) (مجالس الابرار ص ۵۰۰ م ۸۵)

(یعنی) آدمی کا دوست وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی کی کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کو انگریزی تعلیم دلوانا:

س: آج کل ہمارے یہاں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو کالج میں بھیجتے ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ کالج کے داخلہ کے بعد ان کے لباس، رہن سہن، چال ڈھال، غرض کہ ہر چیز میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ شرم و حیا بھی جاتی رہتی ہے اور اس سے والدین کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہماری لڑکی کوئی اونچی ڈگری حاصل کرے اور کوئی اونچی سے اونچی دنیوی ملازمت مل جائے تو اس غرض سے اپنی لڑکی کو اس تعلیم میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟

ج: لڑکیوں کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ ان کے دشمن ہیں دوست نہیں ہو سکتے۔ ''مجالس الابرار میں ہے۔

((فصديق الانسان من يسعى فى عمارة اخرته وان كان فيه ضرر لدنياه وعدوه من يسعى فى خسارة اخرته وان كان فيه نفع لدنياه وقد قال الله تعالىٰ وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان))

(یعنی) آدمی کا دوست وہی ہے جو اس کی آخرت کی اصلاح اور درستی میں کوشاں ہو اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو۔ (م ۸۵ ص ۵۰۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر ہے اور اس میں جسم کا ضرر، ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۱۰۷، ملفوظ ۳۲۱)

اس میں شک نہیں کہ کالج جانے والی لڑکی پہلے درجہ کی آزاد' بے پردہ اور بے حیاء بے شرم بن جاتی ہے' یہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول کا اکثری نتیجہ ہے' مرحوم سرسید کو جو انگلش کے بڑے حامی تھے تجربہ نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ ''لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ عورتوں کو بد چلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔ (اسباب بغاوت ہند)

جب لڑکی کی حیا گئی تو سب کچھ گیا' حیا تو ایمان کی شاخ اور اس کا جزء ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے۔

((ان الحیاء والایمان قرناء جمیعاً فاذا رفع احدھما رفع الاخر)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(یعنی) حیا اور ایمان یہ دونوں اکٹھے رہنے والے جوڑی دار ہیں' جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔

اب آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ اس کے دوست ہیں یا دشمن؟ والدین کے لئے تو قرآن حکیم میں یہ تعلیم ہے۔ **قوا انفسکم واھلیکم نارا** یعنی تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم) اور ماں باپ کا حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ میں جھونکے جا رہے ہیں اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اولاد کے بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے' اولاد کی زندگی بنانا بگاڑنا والدین کے ہاتھ میں ہے۔ اولاد کو جیسی تعلیم و تربیت دی جائے گی' اولاد ویسی ہی بنے گی' حدیث شریف میں ہے۔

((ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ اویمجسانہ))

یعنی ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (کہ دین اسلام قبول کرنے کی بوجہ اتم اس میں استعداد ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (تعلیم و تربیت کے ذریعہ) اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱) مانا کہ کالج میں پڑھنے والی دنیا کے کاموں میں ترقی کر سکتی ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے یقیناً وہ خسارہ میں رہے گی۔ پس بمصداق **اثمھما اکبر من نفعھما** خسارہ والا عمل حرام اور ممنوع ہوگا۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ **''من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب اخرتہ اضر بدنیاہ فآثروا ما یبقی علی ماتفنی** (یعنی) جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگا' آخرت کے اعتبار سے وہ نقصان میں ہوگا اور جو آخرت ہی کی محبت میں لگا رہے گا وہ دنیا کے اعتبار سے نقصان میں رہے گا لہٰذا باقی چیز (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دو۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ ''بندہ جس وقت دنیوی امور سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اس کا قلب حکمت سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء عبادتِ الٰہی کے لئے مددگار بن جاتے ہیں۔ لہٰذا باقی رہنے والی چیز (آخرت) کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دینا چاہیے۔ (منہاج العابدین)

اگر لڑکی بالغ نہیں ہے' مراہقہ ہے تو وہ بھی بالغہ کے حکم میں ہے' اس کو بے پردہ باہر نکلنا پھرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

((المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان)) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۰)

(یعنی) عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔

مطلب یہ کہ جیسے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ویسے ہی عورت کا دیکھنا باعثِ وسوسہ اور موجبِ فساد ہے اور حدیث میں ہے۔

((المرأة عورة فاذ اخرجت استشرفها الشیطان)) (مشکوٰۃ ص ۲۶۰)

یعنی عورت ستر ہے (جس طرح ستر چھپایا جاتا ہے عورت کو بھی چھپائے رکھنا چاہیے اور جس طرح ستر کا کھلا رکھنا برا ہے عورت کا بے پردہ رہنا اور پھرنا بھی برا ہے)

جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ (اور گناہ میں مبتلا کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے) اور حدیث میں ہے۔ **لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیه**۔ اللہ کی لعنت ہے اس پر جو (عورت کو بری نظر سے) دیکھے اور اس پر بھی جس کی طرف دیکھا جائے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۰) اور حدیث میں ہے۔ **العینان زنا هما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه النطق والیدان زنا هما البطش** یعنی آنکھیں (زنا کرتی ہیں) کہ ان کا زنا دیکھنا ہے اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا سننا ہے اور زبان (زنا کرتی ہے) کہ اس کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ (بھی زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا پکڑنا ہے۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۶)

جب لڑکی بے پردہ پھرے گی تو یہ سارے منکر پیش آئیں گے اور قدم قدم پر گنہگار ہو گی اور دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرے گی جب ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کے لئے حکم ہے۔ **وقرن فی بیوتکن** (اور اپنے گھروں میں جمی رہو) اور طبعی اور شرعی ضرورت سے نکلنا پڑے تو **یدنین علیهن من جلابیبهن** (سر سے نیچی کر لیا کریں اپنے (چہرے کے) اوپر اپنی چادریں) تو عام عورتوں کو بے پردہ پھرنے کی اجازت کیسے ہو گی؟ جب بالغہ اور مراہقہ لڑکی کو جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں تو کالج جانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور پھر ایسے لباس میں جو نہ پہننے کے برابر ہے **کاسیات عاریات ممیلات مائلات** الحدیث (یعنی) بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑا پہنے ہوئے ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں ننگی ہوتی ہیں' دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں' آگے سزا کے طور پر فرمایا کہ ایسی عورتیں جنت ہی سے محروم نہیں بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہیں' آج کل کالجی لڑکیاں اس قدر تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں جس سے ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوتا ہے' عضو کی شکل اوپر سے بجنسہ معلوم ہوتی ہے اس قسم کا کپڑا اور فیشنی لباس پہن کر غیر مردوں کے سامنے آنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

((لقوله عليه الصلوة والسلام من تأمل خلف امرأة ورأى ثيابها حتى تبين له حجم عظامها لم يرح رائحة الجنة. أقول مفاده ان رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفا لا ترى البشر منه))

(یعنی) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی عورت کے پیچھے نظر ڈالے اور اس کے کپڑے اس طرح دیکھے کہ اس کی ہڈیوں کی ضخامت نظر آئے (یعنی بدن کا انداز نمایاں ہو) وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔'' اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کپڑے کا اس طرح دیکھنا کہ عضو کی ضخامت (اور اس کا انداز) نمایاں ہو ممنوع ہے اگرچہ کپڑا ایسا گاڑھا ہو کہ اس سے بدن کی جلد نظر نہ آتی ہو۔[1] (شامی ج ۵ ص ۳۲۱)

عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا:

س: کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے محرم کے ہمراہ سفر کرنا درست ہے۔ (۲) کیا تبلیغ کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے؟ یا واجب یا سنت ہے؟

ج: تبلیغ دین ہر مسلمان پر بقدر اس کے مبلغ علم کے لازم ہے۔ لیکن تبلیغ کی غرض سے سفر کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں۔ بلکہ صرف ان لوگوں پر جو تبلیغ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور فکر معاش سے بھی فارغ ہوں۔ تبلیغ کے لئے سفر کرنا جائز ہے' فرض لازم ہر مسلمان کے ذمے نہیں ہے اور عورتوں کا تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا اور نہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں تنہا تبلیغ کے لئے سفر کریں' عورتوں کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ حج فرض کے لئے بھی بغیر محرم کے جانا جائز نہیں۔ تو صرف تبلیغ کے لئے کیسے جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔[2]

عظمتِ قرآن:

س: ہمارے یہاں لوگوں کا رجحان قرآن کریم کی تعلیم کی طرف بہت کم ہے۔ لوگ بچوں کو دوسری تعلیم بڑے ذوق شوق سے دلاتے ہیں۔ مگر قرآن کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہے۔ بعض جگہ کچھ تعلیم ہے مگر تجوید کا نام ونشان نہیں اور نہ قرآن پڑھانے والوں کی عظمت اور احترام لوگوں کے دلوں میں ہے۔ ایسے طریقے سے جواب عنایت فرمائیں کہ لوگوں کے قلوب میں قرآن مجید کی عظمت اور احترام پیدا ہو۔ اس کے پڑھانے والوں کا احترام کریں اور تجوید کا ذوق وشوق پیدا ہو اور اس کی تعلیم کی طرف توجہ دینا شروع کر دیں۔

ج: حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ قرآن کریم مومنین کے لئے بہت بڑی نعمت ہے اور یہ سب کتابوں سے افضل اور اشرف ہے۔ اس کی شرافت اور فضیلت کے لئے یہی ایک خصوصیت کافی ہے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے۔ حدیث میں ہے۔ خَیْرُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہ (مسلم شریف) یعنی اللہ کی کتاب (قرآن کریم) سب سے بہتر کلام ہے اور رحمۃ للعلمین

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱ تا ص ۳۰ [2] کفایت المفتی ج ۲ ص ۱۰ کتاب العلم۔

وخاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا ہے اوراس کی تعلیم کا فریضہ آپ کے سپرد فرمایا گیا۔ایک حدیث میں ہے۔

((فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی سَائِرِ خَلْقِهٖ)) (ترمذی شریف مشکوٰۃ ص۱۸۶)

ترجمہ: قرآن مجید کو دوسری کتابوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت ساری مخلوق پر ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے۔

((اَلْقُرْآنُ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ))

ترجمہ: قرآن اللہ کے نزدیک آسمان اور زمین (اور جو کچھ ان میں ہے) سب سے زیادہ محبوب ہے۔

قرآن کریم سارے عالم کے لئے خدا کا آخری اور مکمل قانون ہے۔اس وجہ سے آسمانی کتابوں میں سب سے افضل، اعلیٰ وارفع ہے اوراس امت کا طرۂ امتیاز ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

((اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ شَرَفًا یَتَبَاهُوْنَ وَاِنَّ بِهَاءَ اُمَّتِیْ وَشَرَفُهَا الْقُرْآنُ)) (رواہ فی الحلیۃ بحوالہ فضائل قرآن ص۲۸)

ترجمہ: ہر چیز کے لئے کوئی افتخار (شرافت کی چیز) ہوتا ہے۔جس کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں، اور میری امت کا افتخار اور رونق قرآن مجید ہے۔

دنیا میں لوگ اپنے خاندان، مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اوراس کو اپنی شرافت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کے لئے فخر کی چیز قرآن مجید ہے۔جو شخص جتنا زیادہ اس کو حاصل کرے گا۔سیکھے گا، پڑھے گا اور دوسروں کو سکھائے گا۔اس کا شرف بڑھتا ہی جائے گا اور شرف بھی ایسا کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شرف اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

دنیا میں یوں تو ہزاروں کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔لیکن قرآن کی تعلیم دینا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم کی تعلیم ہے۔کیونکہ دوسری کتابوں کی عبارتیں اور ان کے مضامین انسانی دماغوں کے تراشیدہ ہیں۔جن کا علم ہمیشہ محدود اور ناقص رہا ہے اور آئندہ بھی ناقص ہی رہے گا اور قرآن مجید اس ذات مقدسہ کے ارشاداتِ گرامی ہیں۔جس کا علم غیر محدود ہے اور آسمان و زمین اور پوری کائنات کے ہر ہر جزو کو حاوی اور شامل ہے۔لہٰذا قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے دوسری دنیوی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے والوں سے اعلیٰ واشرف قرار دیئے جائیں گے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

((خیر کم من تعلم القرآن و علمه)) (بخاری مشکوٰۃ ص۱۸۳)

ترجمہ: تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اوراس کی تعلیم دیتا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

((یَا اَبَا هُرَیْرَةَ تَعَلَّمِ الْقُرْآنَ وَعَلِّمْهُ النَّاسَ، وَلَا تَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْمَوْتُ فَاِنْ اَتَاکَ

الْمَوْتُ وَاَنْتَ كَذَالِكَ، زَارَتِ الْمَلَائِكَةُ قَبْرَكَ كَمَا يُزَارُ الْبَيْتُ الْعَتِيْقُ))

ترجمہ: اے ابو ہریرہؓ! قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور موت آنے تک زندگی بھر یہی مشغلہ رکھو پھر اگر قرآن پڑھتے پڑھاتے موت آ گئی تو ملائکہ تمہاری قبر کی زیارت (قیامت تک) کرتے رہیں گے۔ جیسے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

((اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرم الله الا فلا تنقصوا حملة القرآن حقوقهم فانهم من الله بمکان کادحملة القرآن ان یکونوا انبیاء الا انه لا یوحٰی الیهم)) (کنز العمال)

ترجمہ: حفاظِ قرآن کی عزت کرو۔ کیونکہ جس نے ان کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی۔ خبردار! حاملین قرآن کی بے حرمتی اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو۔ اس لئے کہ ان کا اللہ کے نزدیک ایسا مرتبہ ہے کہ قریب تھا کہ نبی ہو جائیں۔ مگر ان پر وحی نہیں آتی۔

ایک حدیث میں ہے۔

((حامل القرآن حامل رایة الاسلام، من اکرمه فقد اکرم الله، ومن اهانه فعلیه لعنة الله))

(کنز العمال)

ترجمہ: حامل قرآن اسلام کے علمبردار ہیں۔ جس نے اس کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کو ذلیل کیا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

((اِذا مات حامل القرآنِ اَوْحَی اللّٰهُ تعالٰی اِلَی الْاَرْضِ اَنْ لَاتَاْكُلَ لَحْمَه۔ فَتَقُوْلُ الْاَرْض كَيْفَ اٰكل لحمه وَكَلَامُكَ فِيْ جَوْفِهٖ)) (کنز العمال)

ترجمہ: حضور انور ﷺ نے فرمایا جب حامل قرآن مر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم کرتا ہے کہ وہ اس کے گوشت کو نہ کھائے، زمین عرض کرتی ہے۔ آپ کا کلام اس کے پیٹ (اور سینہ) میں ہے۔ پھر میں کس طرح اس کے گوشت کو کھا سکتی ہوں۔

نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت قرآن شریف پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے شخص سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور درجے حاصل کر اور سنوار کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ تیرا درجہ اس آیت کے ختم پر ہے۔ جس کو تو پڑھے یعنی جتنی آیتیں پڑھے گا۔ اتنے درجے ملیں گے۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

جو لوگ دنیوی ترقی کے لئے دنیوی تعلیم میں مشغول ہو کر قرآن کی نعمت سے محروم رہے وہ کس قدر خسارہ میں ہیں؟

نیز حدیث میں ہے۔ بلاشبہ وہ شخص جس کے دل میں قرآن نہ ہو وہ اجڑے ہوئے گھر جیسا ہے۔ (ترمذی)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کو یاد کیا۔ یعنی حفظ کیا اور قرآن کے حلال بتائے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتلائے ہوئے کو حرام سمجھا اور عمل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارہ میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

اللہ اکبر! قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کی اللہ کے نزدیک کس قدر عزت اور قدر و منزلت ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس کی عظمت کو کون بیان کر سکے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ نزول وحی کے وقت حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو جاتا اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کا دم گھٹ رہا ہے اور جب وحی کی آمد ختم ہو جاتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کا سر مبارک جھک جاتا تھا یہ دیکھ کر صحابہ بھی اپنا سر جھکا لیا کرتے تھے، جب یہ حالت ختم ہوتی تو سر اٹھاتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کلمہ "اولی الضرر" آپ پر نازل ہو رہا تھا تو اس وقت آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران کے اوپر تھی۔ مجھے اپنی ران پر ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہوا اور مجھے ایسا لگا جیسے میری ران چور چور ہو گئی۔

کلام الٰہی کی عظمت کے پیش نظر ہمارے اسلاف قرآن پاک کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ دارمی میں ابن ملیکہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ ادب و احترام کے خیال سے قرآن کو اپنے چہرے پر رکھتے اور فرماتے۔ ھذا کتاب ربی۔ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔

آداب تلاوت:

علماء کرام نے قرآن مجید کی تلاوت کے آداب بیان فرمائے ہیں۔

۱- مسواک اور وضو کر کے کسی یکسو جگہ نہایت ادب، سکون اور تواضع کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے۔

۲- قرآن مجید کی عظمت کے پیش نظر کسی چیز سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھے، چار زانو بیٹھے۔

۳- دل میں تصور کرے کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ پھر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت کرے۔

۴- اگر معنی سمجھتا ہے تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیات رحمت و مغفرت پر رحمت اور مغفرت کی دعا مانگے اور عذاب اور وعید کی آیات پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگے اور آیاتِ تقدیس و تنزیہ پر سبحان اللہ کہے۔

۵- تلاوت کے وقت رونے کی کوشش کرے۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف روئے اور رونے والوں جیسی صورت بنائے۔

حضور انور ﷺ تلاوت کے دوران رویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صالح مری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن پاک سنایا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

((یا صالح! هذه القراء ة فاين البكاء؟))

ترجمہ: اے صالح! یہ تو قراءت ہوئی رونا کہاں گیا؟

۶- ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔

۷- قرآن مجید کو اس کی فصیح زبان میں قواعد تجوید کے ساتھ پڑھے۔ قرآن کو صحت اور تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ تجوید کلام الٰہی سے جدا نہیں ہوسکتی۔

۸- خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش آوازی سے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

((زينوا القرآن باصواتكم))

''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کی قدر کی توفیق عطا فرمائے اور امت میں اس کی تعلیم عام فرمادے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے' اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین [1]

قرآن مجید کو بوسہ دینا:

س: بعض لوگ قرآن مجید کھولنے سے قبل اس کو بوسہ دیتے ہیں' آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

ج: قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے۔

((روى عن عمر رضى الله عنه انه كان ياخذ المصحف كل غداة' ويقبله' ويقول عهد ربى ومنشور ربى عزوجل' وكان عثمان رضى الله عنه يقبل المصحف يمسحه على وجهه))[2]

(درمختار علی الشامیہ ج۵ ص۲۴۶)

مکروہ اوقات میں تلاوت کا حکم:

س: تلاوتِ قرآن یعنی قبل طلوع وغروب آفتاب یعنی درمیان عصر ومغرب جائز ہے یا نہیں؟

ج: طلوع وغروب کے وقت تلاوتِ قرآن شریف اگرچہ جائز ہے۔ لیکن اوقات مکروہ میں بہ نسبت قراءۃ قرآن کے دعاء اور درود وتسبیح افضل ہے۔

((قال الشامى الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم والدعاء والتسبيح افضل من قراءة القرآن فى الاوقات التى نهى عن الصلوة))[3]

---

۱ فتاویٰ رحیمیہ ج۴ ص۲۴۷ تا ص۲۵۴ ۲ خیر الفتاویٰ ج۱ ص۲۴۸ ۳ امداد المفتیین ج۱ ص۱۱۷

ننگے سر تلاوت کرنا:

س: بلا ٹوپی ننگے سر قرآن مجید پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے' یا نہیں؟

ج: نہیں [۱]

ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا:

س: قرآن شریف کے ختم کے وقت سورۃ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں؟

ج: مستحسن ہے۔شرح منیہ میں ہے۔

((قراءة قل هو الله احد' ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ' وقال الفقيه ابو الليث' هذا شيء استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار' فلابأس به' الا ان يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة' انتهى))

ترجمہ: قرآن کے ختم کے وقت قل ھو اللہ احد کا تین مرتبہ پڑھنا بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا ہے اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسے اہل قرآن اور ائمہ نے مستحسن جانا ہے۔ پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔مگر یہ کہ ختم قرآن فرض نماز میں ہو تو ایک مرتبہ سے زائد نہ پڑھے۔[۲]

ختم قرآن پر سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھنا:

س: زید نے فرض نماز میں امام ہو کر تمام قرآن شریف تین چار ماہ میں پڑھا۔اخیر پارہ ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورۃ اور اخیر رکعت میں کسی قدر الٓم سے مفلحون تک پڑھا۔تو اس فرض نماز میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟

ج: اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کرے۔ مثلاً قل اعوذ برب الناس پڑھی۔تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ میں سے کچھ آیتیں پڑھیں۔

((كما في الشافي عن شرح المنية من يختم القرآن في الصلوٰة اذا فرغ من المعوذتين في الركعة الاولى يركع' ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة لان النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُ النَّاسِ الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ اَيِ الْخَاتِمُ الْمُفْتَتِحُ))[۳]

لیکن فرائض کی ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھنا تو اچھا نہیں۔یعنی خلاف اولیٰ ہے۔[۴]

قرآن مجید بے سمجھے پڑھنا کیسا ہے؟

س: قرآن شریف بے سمجھے پڑھنے سے کیا قرآن شریف کی بے عزتی ہوتی ہے اور اگر نہیں تو کیا بے سمجھے پڑھنا داخل

---

۱ امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸ ۲ مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۲

۳ رد المحتار ج ۱ ص ۴۰۴ باب صفة الصلوٰة فصل في القراءة تحت قوله وان يقرأ منكوساً

۴ فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۲ ص ۲۴۹

ثواب ہے؟

۲- قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا کیا مسلمانوں پر فرض ہے؟

۳- جو شخص مطلقاً قرآن شریف نہ پڑھا ہو تو کیا وہ گنہگار ہے۔

ج: قرآن شریف کی عبارت کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو یا بے معنی سمجھے ہو۔ موجبِ اجر وثواب ہے۔ ہاں سمجھ کر پڑھنے والے کو ثواب زیادہ ہوگا اور بے سمجھے ہوئے پڑھنے والے کو کم۔ لیکن ثواب دونوں کو ملے گا۔ یہ خیال کہ بے سمجھے ہوئے پڑھنے سے قرآن کی بے عزتی ہوتی ہے۔ غلط ہے۔ بلکہ اس میں تو اس بات کا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں قرآن مجید کی اتنی عزت ہے کہ باوجود معنی نہ سمجھنے اور معنی سے لطف اندوز نہ ہونے کے بھی وہ اس کی تلاوت میں اپنا وقت اور قوت خرچ کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو قرآن مجید کا ایک حرف پڑھے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور مثال میں فرمایا۔ کہ الم ایک حرف نہیں بلکہ تین حرف ہیں۔ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ میم ایک حرف ہے۔ تو اس کلمہ الم کے پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ باوجودیکہ اس کلمہ یعنی حروف مقطعات کے معنی کو کوئی نہیں سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ حضرت حق اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہے۔

۲- سمجھ کر قرآن شریف پڑھنا اور اس کے حلال وحرام امر ونہی کا علم حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ یعنی کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو قرآن پاک کے معانی اور مطالب سمجھتے ہوں اور وہ لوگوں کو بتاتے رہیں۔ ہر ایک مسلمان کے ذمے یہ فرض نہیں ہے۔ ہاں ہر مسلمان کے ذمے قرآن مجید کی اتنی عبارت یاد کرنی فرض ہے۔ جس سے نماز پوری ہو سکے۔

۳- اگر نماز درست ہونے کے لائق بھی قرآن مجید اس نے نہیں پڑھا اور یاد نہیں کیا۔ تو گناہگار ہوگا۔ بشرطیکہ پڑھنے اور یاد کرنے کا وقت پایا ہو اور قدرت رکھتا ہو۔ یعنی نو مسلم اس وقت تک معذور ہے کہ اسے پڑھنے اور یاد کرنے کے لائق وقت ملے اور گونگا عمر بھر کے لئے معذور ہے۔[۱]

س: کیا قرآن شریف کے محض الفاظ پڑھنے کا بھی ثواب ہوتا ہے۔ اگر ہوتا ہے اور قرآن سے سند ہے تو تحریر فرمائیں۔ ورنہ احادیث معہ حوالہ واسناد؟

ج: محض قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ فاقرؤا ما تیسر من القرآن ﴾ (مزمل:۲)

فاقرؤا امر ہے اور امر مفیدِ وجوب ہوتا ہے اور امتثال ارشاد ربانی یقیناً موجب ثواب ہے اور مخفی نہیں کہ مامور مطلق قراءت ہے۔ جو اپنے عموم کی وجہ سے قراءۃ بامعنی اور قراءۃ بلامعنی دونوں کو شامل ہے۔ پس دونوں قسم کی قراءت پر ثواب

---

۱ کفایت المفتی ج ۲ ص ۱۱

ملے گا اور جو شخص مدعی تخصیص ہو وہ اس تخصیص پر قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرے۔

نیز سورۂ فاطر رکوع ۴ میں ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾

حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے نیک بندوں کے قابل مدح اور پسندیدہ افعال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تلاوت کتاب بھی بتایا گیا ہے۔ پس حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک تلاوت ایک پسندیدہ عمل ہوا' اور اس پر ثواب ملے گا۔ اس آیت میں بھی تلاوت مطلق ہے' پس ہر دو قسم کی تلاوت کو شامل ہوگی۔ **ومن ادعی التخصیص فعلیه البیان۔**

دو آیتوں کے بعد اسی سلسلہ میں دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) **((عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قرأحرفاً من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشرا مثالها الخ))** (مشکوٰۃ ۱۸۶ ج ۱)

اس حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کے ایک حرف کی قراءت پر دس نیکیوں کا حاصل ہونا ارشاد فرمایا ہے۔

یہاں پر بھی قراءت مطلق ہے۔

(۲) **((عن جابرؓ قال خرج علینا رسول الله ﷺ ونحن نقرأ القرآن' وفینا الاعرابی والعجمی' فقال اقرؤا فكل حسن الخ))** (مشکوٰۃ ۱۹۱ ج ۱)

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں بدوی اور عجمیوں کی قراءت کو بھی ''حسن'' فرمایا' جن میں مطالبِ قرآنی اور حدود الٰہی سے جہل غالب ہوتا ہے اور خصوصاً عجمی کہ اسے اس قراءت کا سرسری ترجمہ معلوم ہونا بھی محل کلام ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے صحیح تلفظ پر بھی بظاہر قادر نہ تھے۔ پس جب اس کے باوجود ان کی قراءت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تو اس پر ثواب کیوں نہ ہوگا۔ حسن کا یہی تو معنی ہے کہ حسن عند اللہ ہے۔

الحاصل:

بے شمار نصوصِ قرآنی وحدیثی سے مطلق قراءت پر اجر وثواب ثابت ہے۔ جن میں سے بطور نمونہ مذکورہ آیات و احادیث لکھ دی گئیں اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ تصریحات شرعیہ کے علاوہ بہت سے مصالح عقلیہ بھی اس کے مقتضی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کو صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رکھا جائے جو فہم مطالبِ عالیہ کی استعداد رکھتے ہوں اور ایسی استعداد نہ رکھنے والوں پر پابندی لگا دی جائے۔ ایسا کرنے والے لوگ اسلام کے ناداں دوست ہیں۔[۱]

---

[۱] خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۹' ۲۲۰۔

دورانِ تلاوت اسم نبویؐ پر درود شریف:

س: دورانِ تلاوت اگر آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی آ جائے تو درود شریف پڑھ کر آگے گذرے یا نہ پڑھے؟

ج: افضل یہی ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت اسی کی ترتیب کے مطابق جاری رکھیں۔ البتہ تلاوت سے فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیں۔

((ولو قرأ القرآن فمرعلى اسم النبى فقراءة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلوة على النبى ﷺ فى ذلك الوقت فان فرغ ففعل فهو افضل والا فلا شىء عليه)) (شامی ج اص ۳۴۸)[1]

قرآن کا ریشمی غلاف:

س: قرآن مجید کی چولی یا جزدان خالص ریشمی کپڑے کا بنا کر اس میں عورتوں اور مردوں کو تلاوت کرنا کیسا ہے؟

ج: جائز ہے۔

((وفى رد المحتار۔ حيث عدالاستعمالات المباحة مالفه وكذا الكتابة فى ورق الحرير وكيس المصحف۔ والدراهم وما يعطى به الاوانى وما تلف فيه الثياب' وهو المسمى بقچه' ونحو ذلك مما فيه انتفاع بدون لبس او شبه اللبس)) (ردالمحتار ج۵ص ۳۴۰)[2]

قرآن میں مور کا پر رکھنا:

س: قرآن مجید میں مور کا پر رکھنا کیسا ہے؟

ج: چونکہ کوئی امر مانع نہیں۔ لہٰذا جائز ہے۔[3]

قرآن مجید گر جانے کا فدیہ:

س: اگر قرآن شریف کسی اونچی جگہ سے یا ہاتھ سے گر جائے تو کتنا فدیہ دیا جائے؟

ج: فدیہ ضروری نہیں۔[4]

بغیر وضو قرآن پڑھنا یا چھونا:

س: قرآن شریف کو چھونے یا ہاتھ میں لینے کے لئے یا کوئی آیت دیکھنے کے لئے وضو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ کیونکہ انسان بغیر وضو کے بھی پاک ہوتا ہے۔ ایک آیت کا مفہوم ہے۔ اس کتاب کو پاک لوگ چھو سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

ج: بغیر وضو قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ مگر ہاتھ لگانا جائز نہیں۔[5]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج ۱ص ۲۶۴ ۲ امداد الفتاویٰ ج ۴ص ۵۶ ۳ امداد الفتاویٰ ج ۴ص ۵۹

۴ امداد الفتاویٰ ج ۴ص ۶۰ ۵ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ص ۲۰۱

نابالغ بچے بلا وضو قرآن چھو سکتے ہیں:

س: چھوٹے بچے بچیاں مسجد' مدرسے میں قرآن پڑھتے ہیں۔ پیشاب کر کے آب دست نہیں کرتے۔ بلا وضو قرآن چھوتے ہیں۔معلم کا کہنا ہے کہ جب تک بچے پر نماز فرض نہیں ہوتی۔تب تک وہ بلا وضو قرآن چھو سکتا ہے۔

چار پانچ سال کے اکثر بچے بار بار پیشاب کو جاتے ہیں۔ریاح آتی رہتی ہے۔ان کے لئے ہر دس پندرہ منٹ بعد وضو کرنا بہت مشکل کام ہے۔دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کتنی عمر کے بچے بلا وضو قرآن چھو سکتے ہیں؟

ج: چھوٹے نابالغ بچیوں پر وضو فرض نہیں۔ان کا بلا وضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا درست ہے۔[1]

قرآنی آیات والی کتاب کو بلا وضو چھونا:

س: اقراء ڈائجسٹ میں قرآنی آیات اوران کا ترجمہ لکھا ہوتا ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ کیا اسے بغیر وضو مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح کچھ اور کتابیں یا اخبار جن میں قرآنی آیات یا صرف ان کا ترجمہ احادیث نبویؐ یا ان کا ترجمہ تحریر ہوتا ہے۔وضو کے بغیر پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

ج: دینی کتابیں جن میں آیات شریفہ درج ہوں' ان کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز ہے۔مگر آیات شریفہ کی جگہ ہاتھ نہ لگایا جائے۔[2]

بچوں کو تعلیم کے لئے سورتوں کی ترتیب بدلنا:

س: مدارس میں بچوں کو پارہ عم کی آخری سورت ''الناس'' سے الٹا پڑھایا جاتا ہے۔کیا ترتیب بدلنا اور الٹا پڑھانا جائز ہے۔

ج: چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے تاکہ وہ چھوٹی سورتوں سے شروع کرسکیں۔ایسا کرنا جائز ہے۔[3]

قرآنی حروف والی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء جانا:

س: اگر لوگ آیات قرآنی وغیرہ انگوٹھیوں پر کندہ کراتے ہیں۔ براہ کرام آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ان انگوٹھیوں کو پہن کر بیت الخلاء جاسکتے ہیں؟ یا انہیں اتار کر بیت الخلا جائیں۔ہم نے انگوٹھی پر حروف مقطعات یعنی حٰم۔ن وغیرہ کندہ کرائے ہیں۔اس کا مسئلہ بھی بتائیں۔

ج: انگوٹھی پر آیات قرآنی یا قرآنی کلمات کندہ ہوں۔تو ان کو بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ ہے۔اتار کر جانا چاہئے۔[4]

بوسیدہ مقدس اوراق:

س: قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کو کیا جائے؟ لطیف آباد میں ایک مؤذن نے قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق ایک کنستر میں رکھ کر جلائے۔جس پر مؤذن کے خلاف ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔اسے مسجد سے نکال دیا گیا اور بعد میں پولیس نے گرفتار

---

[1] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۲۰۲
[2] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۲۰۱
[3] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۱۹۳
[4] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۱۹۴

بھی کرلیا۔ آپ بتائیں کہ واقعی شریعت کی رو سے مؤذن سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ شریعت کی رو سے ایسے اوراق ضائع کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: مقدس اوراق کو بہتر یہ ہے کہ دریا میں یا کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ یا زمین میں دفن کر دیا جائے اور بصورتِ مجبوری ان کو جلا کر خاکستر (راکھ) میں پانی ملا کر کسی پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑتے ہوں۔ ڈال دیا جائے۔ آپ کے موذن نے اچھا نہیں کیا۔ لیکن اس سے زیادہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوا۔ جس کی اتنی بڑی سزا دی گئی۔ لوگ جذبات میں حدود کی رعایت نہیں کرتے۔[1]

قرآن مجید نچلی منزل میں رکھنا:

س: قرآن مجید کو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے۔ لیکن اگر مکان ایک سے زائد منزلوں پر مشتمل ہو۔ تو کیا نچلی منزل میں رکھنے سے اس کی بے ادبی نہیں ہوتی؟ جبکہ اوپر کی منزل میں لوگ چلتے پھرتے سوتے غرض ہر کام کرتے ہیں۔

ج: نچلی منزل میں قرآن کریم کے ہونے کا کوئی حرج نہیں۔

بغیر زبان ہلائے تلاوت کرنا:

س: اکثر لوگ خاص کر عورتیں تلاوت اس طرح کرتی ہیں۔ جیسے اخبار پڑھتے ہیں' آواز تو درکنار لب تک نہیں ہلتے دل میں ہی پڑھتی ہیں۔ ان سے کہو تو کہتی ہیں ہم نے دل میں پڑھ لیا ہے۔ مرد تلاوت کی آواز سنیں گے تو گناہ ہوگا۔

ج: قرآن مجید کی تلاوت کے لئے زبان سے الفاظ ادا کرنا شرط ہے۔ دل میں پڑھنے سے تلاوت نہیں ہوتی۔ تلاوت زبان سے الفاظ کی ادائیگی کا نام ہے۔ اگر زبان سے نہ پڑھے صرف دل میں خیال کرے۔ تو تلاوت کا ثواب نہیں ملے گا۔ صرف آنکھوں سے دیکھنے اور دل میں تصور کرنے کا ثواب مل جائے گا۔[2]

قرآن کی سطروں پر انگلی پھیرنا:

س: میں نے سنا اور دیکھا بھی ہے کہ اکثر ایسے لوگ جو قرآن شریف کی ہر سطر پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں' کہتے ہیں کہ اس طرح دو قرآن ختم کرنے سے ایک قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل کیا درست ہے؟

ج: اس سے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب نہیں ملتا اور قرآن مجید پر بلا وجہ انگلی پھیرنا فضول حرکت ہے۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔[3]

مسجد میں تلاوت کے آداب:

س: مسجد میں جب اور لوگ بھی نماز و تسبیح میں مشغول ہوں تو کیا تلاوت با آواز بلند جائز ہے؟

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۱۹۵ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۱۹۸-۱۹۹

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۰۵

ج: اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں۔ جس سے کسی کی نماز میں خلل پڑے۔[1]

تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کرنا:

س: جب کوئی آدمی تلاوت کر رہا ہو تو اسے سلام دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سلام دے دیا جائے تو کیا اس پر جواب دینا واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج: اس کو سلام نہ کیا جائے اور اس کے ذمہ سلام کا جواب بھی ضروری نہیں۔[2]

لیٹ کر آیت الکرسی پڑھنا:

س: میں آیت الکرسی رات کو پڑھ کر سوتی ہوں۔ بعض اوقات لیٹ جانے کے بعد پڑھتی ہوں۔ لیٹ کر پڑھنے سے بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج: لیٹ کر پڑھنا جائز ہے۔ بے ادبی نہیں ہوتی۔[3]

سورۂ توبہ میں بسم اللہ کا حکم:

س: قرآن مجید کی سورتوں میں صرف ایک سورۂ توبہ کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ پڑھے ہی سورۂ توبہ کی تلاوت شروع کر دے اور درمیان میں ہی رک کر دوسرے دن اسی جگہ سے تلاوت شروع کر دے تو بسم اللہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

ج: سورۂ براءت (توبہ) کے شروع میں بسم اللہ شریف نہ لکھنے کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کے مضامین چونکہ اس سے پہلے کی سورۂ انفال سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ہمیں خیال ہوا کہ یہ سورۂ انفال کا جز نہ ہو۔ پس احتمال جزئیت کی بنا پر بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور مستقل سورۃ ہونے کے احتمال کی بنا پر اس کو ماقبل کی سورۃ سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ گویا جز ہونے یا نہ ہونے کے دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی۔

اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اوپر سے پڑھتا چلا آ رہا ہو۔ تب تو بسم اللہ پڑھے بغیر ہی سورۂ توبہ شروع کر دے اور اگر اس سورۃ سے تلاوت شروع کی ہے تو عام معمول کے مطابق اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔ اسی طرح اگر اس سورۃ کے درمیان تلاوت روک دی تھی۔ تو آگے جب تلاوت شروع کرے تب بھی اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔[4]

ختم قرآن پر دعوت:

س: ہمارے معاشرے میں جب بچہ قرآن ختم کرتا ہے۔ تو آمین کرائی جاتی ہے۔ جس میں رشتہ داروں کو کھانا کھلایا جاتا

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۰۴
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۰۳
[3] ایضاً۔
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۰۴

ہے اور ختم کروانے والے کو تحفتاً کچھ دیا جاتا ہے۔ کیا یہ اسلام میں جائز ہے۔ کیونکہ اس میں ریا کاری کا پہلو بھی آ جاتا ہے۔

ج: ختم قرآن کی خوشی میں کھانا کھلانے کا کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب سورۃ البقرہ ختم کی تھی تو اونٹ ذبح کیا تھا۔ اسی طرح اگر محبت کی بناء پر بچے کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دے دیا جائے۔ اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن ہمارے یہاں اکثر تکلفات خلاف شرع کئے جاتے ہیں اور ان میں اخلاص و محبت کے بجائے ریا کاری اور رسم پرستی کا پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے۔[1]

ایک دن میں قرآن ختم کرنا:

س: ایک عورت یہاں پر تبلیغ کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ آپ لوگ جو عورتیں ایک ساتھ مل کر ختم پڑھتی ہیں۔ وہ ناجائز ہے۔ کیونکہ ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنا منع ہے۔ ایک قرآن کم از کم تین دن میں ختم کرنا چاہئے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بعض جگہ لوگ تراویح میں ایک رات میں پورا ختم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ لوگ بھی سخت گنہگار ہیں۔ برائے مہربانی صحیح صورت حال سے ہمیں آگاہ کریں۔

ج: حدیث میں تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تدبر و تفکر نہیں ہو سکتا۔ مطلقاً ممنوع نہیں۔ کیونکہ بہت سے سلف سے ایک رات میں قرآن کریم ختم کرنا بھی منقول ہے۔

عورتیں جو مل کر قرآن کریم ختم کرتی ہیں۔ اس میں دوسری خرابیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً عورتوں کا بن ٹھن کر آنا۔ صحیح تلاوت نہ کرنا۔ تلاوت کے دوران دنیا بھر کی باتیں نمٹانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

تاہم اگر چند آدمی مل کر ختم کریں تو حدیث کی ممانعت کے تحت داخل نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ایک آدمی کے تین دن سے پہلے ختم کرنے کو منع فرمایا ہے نہ کہ چند آدمیوں کے ختم کرنے کو۔

آپ نے جو تراویح میں ایک رات میں ختم کا جو بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ تراویح میں ایک رات میں جو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ اتنی تیزی سے پڑھا جاتا ہے کہ الفاظ صحیح طور پر سمجھ نہیں آتے۔ اس طرح پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے۔[2]

قرآن کی تعلیم پر اجرت:

س: میں جمعیت تعلیم القرآن کی طرف سے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہوں۔ لوگوں کو تعلیم مفت دی جاتی ہے اور قاعدے بھی مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن مجھے تنخواہ جمعیت کی طرف سے ملتی ہے۔ جبکہ میں قرآن پڑھانے کا پیسہ لینا حرام سمجھتی ہوں۔ میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ مجھے لوگوں نے کہا تم بچوں کو قرآن کی تعلیم دو۔ ہر بچے سے دس دس روپے لو۔ تمہارا گزارا ہو جائے گا۔ لیکن میرا ضمیر کہتا ہے کہ میں بھوکی رہوں گی۔ لیکن کبھی پیسے لے کر قرآن نہیں پڑھاؤں گی۔

اب جبکہ ایک اسلامی ادارے کی طرف سے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہوں۔ تو میرا اس طرح قرآن کی تعلیم پر تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ میرا دل مطمئن نہیں ہے اس تنخواہ سے۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ پاک تو اپنی رحمت سے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۲۶ [2] ایضاً۔

مجھے کہیں اور سروس دلا دے۔ تو جتنے عرصہ میں تنخواہ لے کر قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اتنے عرصہ بغیر تنخواہ کے تعلیم دوں گی۔ آپ مجھے بتائیں کہ قرآن کی تعلیم کے پیسے لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: قرآن مجید کی تعلیم پر تنخواہ لینا جائز ہے۔ اس لئے آپ کو جو جمعیت تعلیم القرآن کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے۔ اس کو وظیفہ سمجھ کر قبول کر لیا کریں اور قرآن مجید رضائے الٰہی کے لئے پڑھائیں۔[1]

مرد استاد سے عورتوں کو قرآن پڑھانے کی عملی تربیت دینا:

س: خواتین اساتذہ کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے کی عملی تربیت مرد اساتذہ سے دلوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ استاذ اور شاگرد کے درمیان کسی قسم کا پردہ بھی حائل نہ ہو۔ نیز کیا یہ عذر معقول ہے کہ خواتین کی تربیت کے لئے خواتین اساتذہ موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا مرد اساتذہ سے تعلیم دلوائی جاری ہے۔

ج: اگر ناظرہ تعلیم دینا اس قدر ضروری ہے تو کیا پردہ کا خیال رکھنا اس سے زیادہ ضروری نہیں؟ ایک ضروری کام کو انجام دینے کے لئے شریعت کے اتنے اہم اصول کی خلاف ورزی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ناظرہ تعلیم اس قدر اہم ہے اور یقیناً ہے تو پردہ اور دیگر اسلامی اور اخلاقی امور کا خیال رکھتے ہوئے کسی دیندار، متقی اور بڑی عمر کے بزرگ سے چند عورتوں کو ناظرہ تعلیم کی تربیت اس طرح دی جائے کہ آگے چل کر وہ خواتین دوسری عورتوں کو اس تعلیم کی تربیت دے سکیں۔[2]

نامحرم سے قرآن کس طرح پڑھے؟

س: قاری صاحب جو نامحرم ہوتا ہے سے کوئی لڑکی قرآن پاک حفظ کرنا چاہے، تو آپ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ گناہ تو نہیں ہوگا؟ کیونکہ میری کزن قاری صاحب سے قرآن شریف حفظ کر رہی ہے۔

ج: نامحرم حافظ سے قرآن کریم یاد کرنا پردہ کے ساتھ ہو تو گنجائش ہے۔ بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ مثلاً دونوں کے درمیان تنہائی نہ ہو۔ اگر فتنہ کا احتمال ہو تو جائز نہیں۔[3]

قریب البلوغ لڑکی کو بلا پردہ پڑھانا:

س: مراہقہ لڑکی کو قرآن مجید پڑھانا کیسا ہے؟ آج کل جو حفاظ کرام یا مولوی صاحبان مسجد میں بیٹھ کر قریب البلوغ لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں۔ ان کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: قریب البلوغ لڑکی کا حکم جوان ہی کا ہے۔ بغیر پردے کے پڑھانا موجب فتنہ ہے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۳۲
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۳۳
[3] ایضاً۔
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۳۴

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

كتاب الطهارت

الطهور شطر الايمان

نجاسات کا بیان

نجاستوں سے طہارت حاصل کرنا:

س: شریعت میں نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کے احکام کیا ہیں؟

ج: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ [1] اور اپنے کپڑے پاک کیجئے۔

حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيْفٌ، يُحِبُّ النَّظَافَةَ)) [2]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور وہ پاک چیز کو پسند کرتا ہے،

حضور انور ﷺ نے فرمایا:

((الطهور شطر الايمان)) [3]

طہارت و پاکیزگی جزو ایمان ہے۔

((الطهور نصف الايمان)) [4]

طہارت نصف ایمان ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نظافت و طہارت حاصل کیا کرو۔ کیونکہ اسلام پاکیزہ اور نظیف ہے۔ [5]

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ نجاست کو پہلے کسی چیز سے کھرچ دیں۔ پھر اسے پانی کے ساتھ مل کر دھوئیں اور پھر اسی کپڑے میں نماز پڑھیں۔ [6]

نجاست کی اقسام:

س: میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اگر تین حصے بدن کے کپڑے ناپاک ہوں اور ایک حصہ پاک ہو، تب بھی نماز قبول

---

[1] سورۂ مدثر

[2] ترمذی کتاب الاداب، باب ماجاء فی النظافۃ ج ۲ ص ۱۰۷،

[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۸ کتاب الطہارت

[4] ترمذی ج ۲ ص ۱۹۰ کتاب الدعوات

[5] کنز العمال ج ۹ ص ۱۴۹

[6] مسلم ج ۱ ص ۱۴۰

ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

ج: جی نہیں! مسئلہ سمجھنے سمجھانے میں غلطی ہوئی ہے۔ دراصل یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک یہ کہ کپڑے کو نجاست لگ جائے تو کس حد تک معاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں۔

غلیظہ اور خفیفہ

نجاست غلیظہ:

مثلاً آدمی کا پاخانہ۔ پیشاب۔ شراب۔ خون۔ جانوروں کا گوبر اور حرام جانوروں کا پیشاب وغیرہ۔ یہ سب سیال ہو تو ایک روپے کے پھیلاؤ کے بقدر معاف ہے، اور اگر گاڑھی ہو تو پانچ ماشے وزن تک معاف ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔

نجاست خفیفہ:

مثلاً (حلال جانوروں کا پیشاب) کپڑے کے چوتھائی حصے تک معاف ہے، چوتھائی کپڑے سے مراد کپڑے کا وہ حصہ ہے جس پر نجاست لگی ہو۔ مثلاً آستین الگ شمار ہوگی۔ دامن الگ شمار ہوگا۔

اور معاف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس نجاست کا دور کرنا اور کپڑے کا پاک کرنا بہرحال ضروری ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس پاک کپڑا نہ ہو اور ناپاک کپڑے کے پاک کرنے کی بھی کوئی صورت نہ ہو۔ تو آیا ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے یا کپڑا اتار کر برہنہ نماز پڑھے؟ اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ ہے کہ وہ کپڑا ایک چوتھائی پاک ہے اور تین چوتھائی ناپاک۔ ایسی صورت میں اسی کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔ برہنہ ہو کر پڑھنے کی اجازت نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کپڑا چوتھائی سے کم پاک ہو۔ اس صورت میں اختیار ہے۔ کہ خواہ اس ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے، یا کپڑا اتار کر بیٹھ کر رکوع سجدہ کے اشارے سے نماز پڑھے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کپڑا کل کا کل ناپاک ہے۔ تو اس صورت میں ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز نہ پڑھے، بلکہ کپڑا اتار کر نماز پڑھے۔ لیکن برہنہ آدمی کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ رکوع سجدہ کی جگہ اشارہ کرے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ستر چھپا سکے۔ الغرض آپ نے جو مسئلہ بزرگوں سے سنا وہ یہ ہے کہ آدمی کے پاس پاک کپڑا نہ ہو بلکہ صرف ایسا کپڑا ہو جس کے تین حصے ناپاک اور ایک حصہ پاک ہو، تو اسی کپڑے سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔[1]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۲

مقدار درہم کی تشریح:

س: درہم کے عرض اور مقدار عفو (درہم کی چوڑائی اور جو مقدار معاف ہے) کہ جس سے نماز ہو جاتی ہے، ذرا تردد ہے۔ آیا نجاست رقیقہ (بہنے والی) درہم سے کم اگر کپڑے کو یا بدن پر لگ جائے، جس مقدار سے نماز ہو جاتی ہے۔ وہ آج کل کے سکہ کے موافق کس قدر ہوتی ہے، روپیہ کے برابر۔ یا اٹھنی کے برابر یا چونی کے برابر۔ اور قعر کف جو درہم کی مساحت (یعنی ہتھیلی کی گہرائی اور درہم کی پیمائش) فقہاء تحریر فرما رہے ہیں۔ آج کل کے سکوں میں سے تقریباً کس کے برابر ہوتی ہے۔

ج: قدر درہم نجاست غلیظہ معاف ہے، اور مقدار اس کی نجاست کثیفہ میں (گاڑھی) وزن مثقال یعنی ۴½ ماشہ ہے (ساڑھے چار ماشہ) **افاد فی البحر ان الدرھم ھنا غیرہ فی باب الزکوٰۃ الخ شامی۔**

اور نجاست رقیقہ (پتلی) میں بقدر مقعر کف (ہتھیلی کی گہرائی) ہے۔ جو تقریباً ایک روپیہ (پرانے چاندی یا گلٹ کا روپیہ مراد ہے) کے دور کے برابر ہے۔

اور شامی میں منقول ہے کہ ملا مسکین نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے، کہ ہتھیلی پر پانی ڈالا جائے، ہتھیلی کو کھول کر اور پھیلا کر، جس مقدار میں پانی ٹھہر جاوے۔ وہ مقدار مقعر کف ہے (ہتھیلی کی گہرائی) اور وہی یہاں مراد ہے، سو ظاہر ہے کہ وہ مقدار ایک روپے کے برابر ہوتی ہے۔ اس کو تجربہ بھی کر لیا جائے۔[1]

نجاست غلیظہ کی قدر عفو کی تحقیق:

س: قمیص کی آستین پر چار پانچ چھینٹیں گندے پانی کی یا پیشاب کی یا اور کسی نجاست کی لگ گئیں۔ اور بھول کر اسی قمیص سے نماز پڑھ لی۔ تو نماز ہو گئی یا اعادہ واجب ہے؟

ج: اگر نجاست دلدار ہو جیسے گوبر وغیرہ تو چھینٹوں کے مجموعہ کا وزن بقدر ایک مثقال: ۵ ماشہ = ۴٫۸۶ گرام ہو یا اس سے کم ہو۔ تو نماز ہو جائے گی، پھیلاؤ میں خواہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ اگر پتلی نجاست ہو مثلاً نجس پانی یا پیشاب وغیرہ تو پھیلاؤ میں ہتھیلی کے گہراؤ کے برابر معاف ہے۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہتھیلی کے گہراؤ کی وسعت معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ لکھا ہے۔ کہ چلو میں پانی بھر کر ہتھیلی کو پھیلا دیا جائے۔ جتنی جگہ میں پانی ٹھہرا رہے اتنی وسعت مراد ہے۔ اکابر نے اس کی مقدار ایک روپیہ کے برابر تحریر فرمائی ہے۔

مگر آج کل دھات کا روپیہ بالکل غائب ہو چکا ہے۔ اور ہتھیلی کی پیمائش آسان نہیں۔ اس لئے اس کی پیمائش کو ضبط کرنے کی ضرورت محسوس کر کے بندہ نے بطریق مذکور متعدد بار احتیاط سے پیمائش کی تو قطراء ۱ انچ: ۲٫۷۵ سینٹی میٹر ہوا۔ اس کے بعد اتفاق سے ایک روپیہ دھات کا مل گیا۔ تو اس کا قطر بھی اس کے مطابق پایا۔ لہٰذا درہم کی کل پیمائش مربع ½

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۳۲

قطر × پائی = ۹۵ء۹۵ انچ = ۹۴ء۵ سینٹی میٹر ہوئی۔[۱]

کپڑا پاک کرنے کا طریقہ:

نجاست مرئیہ یعنی جو نظر آنے والی ہے، جیسے خون، پاخانہ وغیرہ اگر کپڑے پر لگ جائے، تو اسے اتنا دھونا چاہیے کہ نجاست زائل ہو جائے، چاہے جتنی مرتبہ میں زائل ہو، اگر کسی نجاست کا دھبہ نہیں اترتا یا بدبو ختم نہیں ہوتی۔ تب بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔ دھبہ یا بدبو ختم کرنا ضروری نہیں۔ اسے اتنا دھولینا کافی ہے کہ نجاست کا اثر ختم ہو جائے۔

اگر نجاست غیر مرئیہ ہو یعنی نجاست نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب یا ناپاک پانی، جو خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی ہو۔ تو اس کو بھی تین مرتبہ دھونا چاہیے۔ کپڑا پاک کرتے وقت ہر مرتبہ نچوڑنا بھی چاہیے۔

حدیث: حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں۔ کہ ایک عورت نے حضور انور ﷺ سے پوچھا کہ عورت کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اسے کھرچ کر پانی سے دھولے۔ پھر اس میں نماز پڑھ سکتی ہے۔[۲]

حدیث: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہمیں حیض آتا، تو کپڑے کو پاک کرتے وقت خون کو مل دیتیں۔ پھر اس جگہ کو پانی سے دھولیتیں، یا تمام کپڑے پر پانی بہا کر پاک کرلیتیں اور اسے پہن کر نماز پڑھتیں۔[۳]

حدیث: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے جنابت (یعنی منی کے دھبے) کو دھوتی تھی۔ پھر (اس کو پہن کر) آپ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور پانی کے دھبے آپ کے کپڑے میں ہوتے تھے۔[۴]

س: موٹا کپڑا اگر ناپاک ہو جائے اور نچوڑنے میں تکلیف نہ ہو تو اس کے نچوڑنے سے کپڑا پاک ہوگا یا نہیں؟

ج: اس صورت میں تین دفعہ دھونے اور نچوڑنے سے وہ کپڑا پاک ہو جاوے گا۔[۵]

نچوڑنے میں مبالغہ:

کپڑا اور جو چیز نچوڑی جاسکتی ہے۔ اسے دھونے میں ہر بار نچوڑنا شرط ہے۔ اور تیسری بار خوب اچھی طرح نچوڑے۔ حتی کہ اگر اس کے بعد پھر نچوڑے تو اس چیز سے پانی نہ بہے۔[۶]

اگر کسی نے ہر بار اس طرح نچوڑا کہ اس کی قوت اس سے زیادہ ہے، مگر کپڑے کو بچانے کے لئے اس نے زیادہ کوشش سے نہ نچوڑا، تو یہ جائز نہیں ہے۔

---

۱ احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۹ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵ کتاب الحیض ۳ ایضاً۔

۴ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶ کتاب الوضو ۵ فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۳۴۹

۶ فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۲۳۴

اگر کسی نے تین بار دھویا اور ہر بار نچوڑا۔ پھر اس میں سے ایک قطرہ ٹپکا۔ اور کسی چیز پر لگ گیا تو (اس کا حکم یہ ہے)۔ (ل) اگر اس نے اس کپڑے کو تیسری مرتبہ اتنی کوشش سے نچوڑ لیا تھا۔ کہ اس پھر نچوڑے تو اس کپڑے سے پانی نہ بہے، تو وہ کپڑا اور جو کچھ ٹپکا سب پاک ہیں۔ (ب) اور اگر ایسا نہیں نچوڑا تھا تو سب (کپڑا۔ ہاتھ۔ قطرہ) ناپاک ہیں۔[1]

اگر دلدار نجاست (بدن، کپڑے یا برتن کو) لگ جائے جیسے پاخانہ، خون تو اتنا دھوئے کہ نجاست چھوٹ جائے اور دھبہ جاتا رہے۔ چاہئے جتنی دفعہ میں چھوٹے۔ جب نجاست چھوٹ جائے گی تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اور بدن میں لگ گئی ہو۔ تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ اگر پہلی ہی دفعہ میں نجاست چھوٹ گئی۔ تو دو مرتبہ اور دھو لینا بہتر ہے، اگر دو مرتبہ میں چھوٹی، تو ایک مرتبہ اور دھوئے، غرضیکہ تین بار پورے کر لینا بہتر ہے۔[2]

ریشمی کپڑا دھونے میں احتیاط:

س: ریشمی کپڑا اگر دھونے سے خراب ہو، تو کس طرح پاک کیا جائے؟

ج: اس کپڑے کا دھونا بھی ضروری ہے۔ بدوں دھونے کے پاک نہ ہوگا۔ البتہ اگر بوجہ زیادہ باریک ہونے کے مبالغہ سے نہ نچوڑے تو گنجائش جواز کی ہے۔

((کمافی الدر المختار۔ ولولم یبالغ لرقته هل یطهر الاظهر نعم الخ للضرورة۔ نهر))(الدر المختار علی هامش رد المحتار باب الانجاس ج۱ص۳۰۶)

ترجمہ: اور اگر نچوڑنے میں مبالغہ نہ کیا، کپڑے کے باریک ہونے کی وجہ سے تو پاک ہوگا یا نہیں؟ ظاہر تر جواب یہ ہے کہ ہاں پاک ہوگا ضرورت کے سبب سے۔ (غایۃ الاوطار ج۱ص۱۵۷)

ٹونٹی سے کپڑے کی طہارت کا طریقہ:

س: آپ نے فرمایا تھا کہ جب ٹونٹی سے پانی ڈالا جائے تو تطہیر کے لئے عصر اور تثلیث (نچوڑنا اور تین بار دھونا) کی شرط نہیں۔ ایک مولوی صاحب کو اس میں اشکال ہے۔ لہٰذا تفصیل سے تحریر فرمائیں؟

ج: اس صورت میں عصر اور تثلیث کی شرط نہیں۔ بلکہ اس پر اتنا پانی بہا دینا کافی ہے، جتنا تین دفعہ برتن میں دھونے پر خرچ ہوتا ہے۔

((قال فی شرح التنویر۔ امالوغسل فی غدیرا وصب علیه ماء کثیرا وجری علیه الماء طهر مطلقاً۔ بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غمس))

((وفی ردالمحتار۔ وان المعتبر فی تطهیر النجاسة المرئیة زوال عینها ولو بغسلة واحدة،

---

[1] بہشتی زیور حصہ دوم ص۳

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱ص۳۶۲

ولوفی اجانة کمامرّ۔ فلا یشترط فیها تثلیث غسل ولاعصر۔ وان المعتبر غلبة الظن فی تطهیر غیر المرئیة بلاعدد علی المفتی به))

((اومع شرط التثلیث علی مامرّ ولاشك ان الغسل بالماء الجاری۔ ومافی حکمه من الغدیر اوالصب الکثیر الذی یذهب بالنجاسة اصلاً۔ ویخلفه غیره۔ مراراً بالجریات اقوٰی من الغسل فی الاجانة، التی علی خلاف القیاس، لان النجاسة فیها تلاقی الماء وتسری معه فی جمیع اجزاء الثوب فیبعد کل العبد التسویة بینهما فی اشتراط التثلیث ولیس اشترا طه حکما تعبد یاحتی یلتزم وان لم یعقل معناه۔ ولهٰذا قال الامام الحلوانی علی قیاس قول ابی یوسف فی ازار الحمام انه لوکانت النجاسة دماً اوبولاً وصب علیه الماء کفاه۔ (قوله اوصب علیه ماء کثیر) ای بحیث یخرج الماء ویخلفه غیره ثلاثاً لان الجریان بمنزلة التکرار والعصر هوالصحیح سراج (ردالمحتار ج ۱ ص۳۰۸)[۱]

مشین پر غیر مسلموں کے کپڑوں کے ساتھ دھلائی:

س: کپڑے دھونے کی مشین مشترکہ طور پر کمپنی کی طرف سے ملی ہے۔ جس پر اکثر غیر مسلم کپڑے دھوتے ہیں اگر کسی وقت کوئی مسلمان بھی اس مشین پر کپڑے دھوئے تو کیا مسلمان کے لئے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: غیر مسلموں کے کپڑے دھونے سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ آپ جب کپڑے دھولیں تو ان کو تین بار پانی میں نکال کر ہر بار خوب نچوڑ لیا کریں۔ پاک ہوجائیں گے۔[۲]

ڈرائی کلینرز کے دھلے کپڑوں کا حکم:

س: یہاں گرم کپڑے دھونے کی جو دکانیں اور فیکٹریاں ہیں' جنہیں ڈرائی کلینرز کہتے ہیں وہ خاص قسم کی مشین ہوتی ہیں۔ ان میں پیٹرول کی قسم کا خاص سیال مادہ ڈالا جاتا ہے جو کہ ان کپڑوں کو دھوتا ہے۔ وہ مادہ ایک دفعہ نیا ڈال کر بار بار اسی کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک دو ہفتہ کے بعد نیا ڈالا جاتا ہے اسی دوران دسیوں مرتبہ اس مشین میں کپڑے ڈالے جاتے ہیں' اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک؟ چونکہ اس میں ہر قسم کے کپڑے پاک' ناپاک ڈالے جاتے ہیں اور ان مشینوں کو پانی سے کبھی بھی دھویا نہیں جاتا اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ اس سے دھوئے ہوئے سارے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہوں گے۔ البتہ یقین کے درجہ میں یہ معلوم نہیں کہ اس میں ناپاک کپڑے بھی ڈالے گئے؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں کہ یہ مسئلہ یہاں بحث بنا ہوا ہے؟

ج: یہ تو ظاہر ہے کہ ان مشینوں میں جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں ان میں بہت سے ناپاک بھی ہوں گے۔ پاک وناپاک

---

[۱] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۹۷، ص ۹۸ [۲] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۶

مل کر سبھی ناپاک ہو جائیں گے۔ اور جیسا کہ معلوم ہے ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کیلئے یہ شرط ہے کہ تین مرتبہ پاک پانی میں ڈالا جائے اور ہر مرتبہ خوب نچوڑا جائے۔ ڈرائی کلینرز دکانوں میں اس تدبیر پر عمل نہیں ہوتا اس لئے وہاں کے دھلے ہوئے کپڑے پاک نہیں۔ اگر کبھی وہاں دھلانے کی نوبت آئے تو ان کو اپنے طور پر پاک کر لیا جائے۔

یہ تو اس صورت میں ہے کہ اس امر کا ظن غالب ہو کہ مشین میں پاک اور ناپاک سبھی قسم کے کپڑے ڈالے گئے اور اگر ناپاک کپڑوں کے ڈالے جانے کا ظن غالب نہ ہو تو محض شک یا تردد ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس حالت میں آپ نے کپڑا دیا تھا اسی حالت میں رہے گا۔ یعنی اگر پاک کپڑا دیا تھا تو پاک رہے گا' اور ناپاک دیا تھا تو ناپاک رہے گا۔[1]

کیا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوتے ہیں؟

س: کیا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے پاک ہو جاتے ہیں اور کیا ان سے نماز ہو سکتی ہے؟

ج: دھلائی مشین میں صابن کے پانی میں کپڑوں کو دھویا جاتا ہے اور پھر اس پانی کو نکال کر اوپر سے نیا پانی ڈالا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ کپڑوں سے صابن نکل جاتا ہے۔ اس لئے دھلائی مشین میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔[2]

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں:

س: دھوبی ہمارے کپڑے اور جائے نماز بھی دھوتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ پاک دھوتا ہے کہ نہیں۔ کیا دھلے ہوئے کپڑے اور جائے نماز بسم اللہ پڑھ کر تین بار جھاڑنے سے پاک ہو جائیں گے؟ یا ہمیں اس کے دھونے کے بعد خود پاک کرنے کے لئے دھونا ہوگا؟

ج: دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔[3]

روئی دار کپڑا پاک کرنے کا طریقہ:

س: گدے و رضائی میں نجاست غلیظہ پڑ جاوے، تو روئی نکال کر پاک کرنا شرط ہے۔ یا کیا حکم ہے؟

ج: روئی نکالنا شرط نہیں، بلکہ مع روئی تین بار دھو ڈالنا کافی ہے۔ اور نچوڑنا کچھ ضروری نہیں۔ اگر دشوار ہو۔ تو تین بار پانی بہا دینا اور ہر بار تقاطر موقوف ہو جانا کافی ہے (پانی ٹپکنا بند ہو جائے) اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا چاہئے۔

((وقدر بغسل وعصر ثلاثا فیما ینعصر و بتثلیث جفاف۔ ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر (درمختار) قولہ۔ ای غیر منعصر۔ ای۔ بان تعذر عصرہ کالخزف اوتعسر کالبساط۔ افادہ فی شرح منیہ (ردالمحتار)[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۶ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۷

[3] ایضاً۔ [4] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۲

ناپاک کپڑے کی نمی پاک کپڑے کو لگ گئی:

س: کوئی ناپاک کپڑا گیلا ہو۔ اس کے ساتھ پاک کپڑا لگ جائے، اور اس میں ناپاک کپڑے سے کچھ نمی لگ گئی ہو۔ تو یہ ناپاک ہوجائے گا یا نہیں۔ اسی طرح اگر پاک کپڑا گیلا ہے اور وہ خشک ناپاک کپڑے سے لگ جائے تو ناپاک ہوگا یا نہیں؟

ج: اگر ناپاک کپڑا عین نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ سے گیلا ہے تو نجاست کا اثر پاک کپڑے میں ظاہر ہونے سے وہ ناپاک ہوجائے گا۔ اور اگر عین نجاست سے نہیں بلکہ نجس پانی سے بھیگا ہو۔ تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ خشک کپڑے پر اتنی رطوبت آجائے کہ اسے نچوڑنے سے قطرہ گرے تو نجس ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر نجس کپڑا اتنا بھیگا ہوا ہو کہ نچوڑنے سے قطرہ گرے تو اس کی رطوبت سے خشک کپڑا ناپاک ہوجائے گا۔ اگرچہ اس خشک کپڑے سے قطرہ نہ گرے۔ قول اول اگرچہ اوسع ہے مگر قول ثانی ارجح واحوط ہے۔

اگر پاک کپڑا گیلا' ناپاک خشک کے ساتھ لگا تو یہ ناپاک نہ ہوگا۔ البتہ اگر اتنا گیلا ہو کہ اس کا پانی خشک کپڑے کو بھی ایسا تر کردے کہ دونوں کی رطوبت برابر دکھائی دے، تو پاک کپڑا بھی ناپاک ہوجائیگا۔[1]

ناپاک کپڑا دھونے کے چھینٹے ناپاک ہیں:

س:..... کپڑے دھوتے وقت ہم پر چھینٹے پڑتے ہیں تو ہمارے کپڑے پاک رہتے ہیں یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیجئے؟

ج: کپڑے اگر ناپاک ہوں تو چھینٹے بھی ناپاک ہونگے۔ اس لئے یا تو کپڑے دھوتے وقت ایسے کپڑے پہنے جائیں جو عام استعمال نہ ہوں یا ناپاک کپڑوں کو پہلے احتیاط کے ساتھ پاک کرلیا جائے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی جگہ نجاست لگی ہے اس کو تین بار دھو دیا جائے۔[2]

راستہ کے کیچڑ کا حکم:

س: سڑک پر کھڑا بارش کا پانی وغیرہ گاڑیوں کے گزرنے سے کپڑوں کو لگ جاتا ہے۔ تو کیا اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں۔ ان میں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

ج: راستہ کا کیچڑ اور نجس پانی اگر کپڑے کو لگ جائے اور وہ آدمی جسے عام طور پر بازار میں آنا جانا ہوتا ہو۔ تو وہ اگر ایسے کپڑے بغیر دھوئے نماز پڑھ لے گا تو نماز ہوجائے گی۔ بلاضرورت جائز نہیں۔ شامی میں ہے۔

((والحاصل ان الذی ینبغی انه حیث کان العفو الضرورة وعدم امکان الا حتراز ان یقال بالعفو، وان غلبت النجاسة مالم یرعینها لواصابه بلاقصد وکان ممن یذهب ویجیئ والافلا

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۹۸ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۹

ضرورۃ)) (سامیہ ج اص۲۹۹)[1]

حالتِ جنابت میں ناپاک ہونے والا کپڑا:

س: حالت جنابت میں جو کپڑا ناپاک ہوگیا ہو، اس کو غسل جنابت کے بعد پاک کرنا چاہئے۔ یا غسل جنابت سے پہلے؟ اور حالت جنابت میں کپڑا دھونے سے پاک ہوجائے گا یا نہیں؟

ج: حالت جنابت میں ناپاک کپڑے کو دھوکر پاک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لوگوں کا یہ خیال کہ جنابت کی حالت میں ناپاک کپڑا دھونے اور پاک کرنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ غلط ہے۔[2]

جنبی کا پسینہ پاک ہے:

س: گرمی کے ایام میں اگر حالت جنابت میں پسینہ آجائے تو اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

ج: جنبی کا پسینہ ناپاک نہیں ہے۔ اس پسینہ سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔

((وحکم عرق کسور (درمختار) فسور ادمی مطلقاً ولو جنباً او کافرا))(درمختار ج اص۲۰۵)[3]

جنبی کا ہاتھ پاک ہے:

س: جنبی یا جس کو احتلام ہوگیا ہو۔ غسل کرنے سے پہلے جو برتن چھوئے، وہ برتن پاک ہے یا نجس ہوگیا، دونوں کا ہاتھ پاک ہے یا نہیں؟

ج: دونوں کا ہاتھ پاک ہے۔ (اگر ہاتھ میں گندگی لگی ہو جیسے منی وغیرہ تو ناپاک ہے)[4]

ناپاک رومال سے پسینہ صاف کرنا:

س: ناپاک رومال سے منہ صاف کرنا۔ جبکہ منہ پسینہ میں تر تھا۔ جس کی وجہ سے رومال تر ہوگیا۔ تو منہ پاک ہے یا ناپاک ہوگیا؟

ج: (لف ثوب رطب نجس فی ثوب طاهر یابس فظهرت رطوبة علی ثوب طاهر، لٰکن لایسیل لو عصر لاینتجس) اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ رومال اس قدر تر ہوگیا ہے کہ نچوڑنے سے نچڑ جاوے، تو ناپاک ہوجاوے گا ورنہ نہیں۔[5]

غسل جنابت کے دوران پانی میں چھینٹیں پڑنا:

س: ایک جنبی شخص استنجاء وغیرہ کرکے غسل کرنے لگا تو غسل کرتے وقت پانی کی کچھ چھینٹیں صاف پانی والے برتن میں پڑجائیں۔ تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک ہوگیا؟

---

1. خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۴۷
2. کفایت المفتی ج ۲ص ۲۷۶
3. فتاوی دارالعلوم دیوبند ج اص ۳۲۳
4. فتاوی دارالعلوم دیوبند ج اص ۳۴۷
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند ج اص ۳۶۷

ج: وہ پانی ناپاک نہیں ہوا۔ اس سے غسل کرنا درست ہے۔

((جنب اغتسل فانتضح من غسله شئ في انائه لم يفسد عليه الماء)) (عالمگیری ج ا ص ۱۲)[1]

برتن کی طہارت

جس برتن میں کتّا منہ ڈال دے:

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کے برتن میں جب کتا مُنہ ڈالے، تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے، کہ اسے سات مرتبہ دھویا جائے ان میں سے ایک مرتبہ برتن کو مٹی کے ساتھ مانجھیں۔[2]

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات بار پانی سے دھوڈالو۔ اور آٹھویں بار مٹی کے ساتھ مانجھو۔[3]

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالے۔ تو وہ پانی گرادیں اور برتن کو تین مرتبہ دھونے کا حکم دیں۔[4]

توضیح:

احناف کے نزدیک تین مرتبہ دھونا ہی معتبر ہے۔ مذکورہ روایات کی توجیہ اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

(۱) سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا۔ جبکہ لوگ کتوں سے زیادہ مانوس تھے۔ اس تاکیدی حکم سے لوگوں کو کتوں سے نفرت دلانا مقصود تھا۔

(۲) سات مرتبہ دھونے کی روایت بھی قطعی نہیں۔ بلکہ اس میں اضطراب پایا جاتا ہے، کسی روایت میں احداهن بالتراب ہے۔ کسی میں اخراهن بالتراب ہے۔ کسی میں اولاهن بالتراب ہے اور کسی میں عفروه الثامنة بالتراب پایا جاتا ہے۔

(۳) علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں سات مرتبہ دھونے کا حکم طبی نقطۂ نظر سے ہے۔ فقہی نہیں۔ (بدایۃ المجتہد ج ا ص ۳۰)

(۴) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں سات کے عدد کا خاص فائدہ ہے۔ اصحاب کہف سات تھے۔ اور ان کی برکت سے کتا مشرف ہوا تھا۔[5]

س: کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو بغیر مٹی سے صاف کئے صرف پانی سے اگر اس کو دھویا جائے تو کیا پاک ہوگا یا نہیں؟

---

[1] خیر الفتاوی ج ا ص ۱۶۲ [2] صحیح مسلم ج ا ص

[3] ایضاً [4] دارقطنی ج ا ص ۶۶ نصب الرایہ ج ا ص ۱۳۱ [5] توضیح السنن ج ا ص ۱۰۹

ج: تین بار دھونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔ مگر سات بار دھونا اور مٹی سے مانجھنا مستحب ہے۔ اور کتے کے زہر کا علاج ہے۔[1]

کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ:

س: جھوٹا برتن کتے کا تین مرتبہ دھوڈالنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ بموجب کتب فقہ کے۔ چنانچہ ایک سند اس کی یہ بھی ہے، کہ ابن عدی نے کامل میں ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت کی ہے، کہ جس وقت کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے، پس چاہئے کہ اُس کو خالی کرے اور تین بار دھوڈالے۔

پس سائل کا مطلب یہ ہے کہ ظروف دھات، ومس، وچاندی وغیرہ وظروف گلی (مٹی) وظروف لکڑی وظروف چینی یہ سب اقسام کے برتن تین مرتبہ دھوڈالنے میں داخل ہیں اور پاک ہوجاتے ہیں یا نہیں۔ یا کچھ فرق وتفصیل ان میں ہے؟

ج: جس برتن میں نجاست جذب نہ ہو، وہ تو صرف تین بار دھونے سے پاک ہوجاتا ہے، اور جس میں جذب ہوتی ہے، جیسا مٹی کا نیا برتن اور مانند اُس کے وہ بقول مفتیٰ بہ تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ اور خشک کرنے سے مراد یہ ہے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہوجائے۔

((وقدر بتثليث جفاف۔ اى۔ انقطاع تقاطر فى غيره۔ اى غير منعصر مما يتشرب النجاسة والا بقلعها)) (درمختار)

((وان علم شربه كالخذف الجديد والجلد المدبوغ بدهن نجس، والحنطة المنتفخة بالنجس۔ فعند محمد لايطهر ابداً۔ وعند ابى يوسف ينقطع فى الماء ثلثا ويجفف كل مرة والاول اقيس، والثانى اوسع وبه يفتىٰ درر)) (شامى ج۱ ص ۲٤۱)[2]

پلاسٹک کے برتن دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں:

س: آپ جانتے ہی ہیں کہ کراچی میں کثرت سے پلاسٹک کے برتن بنتے اور استعمال ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ سن رکھا ہے کہ پلاسٹک نجس ہوجائے (یعنی ایک نجس چھینٹ بھی پڑ جائے) تو پھر پاک نہیں ہوسکتا۔ جبکہ تمام گھروں میں پلاسٹک کے برتن اور تمام غسل خانوں میں پلاسٹک کی بالٹیاں کپ اور لوٹے وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور غسل خانہ میں آپ جانتے ہی ہیں کہ چھینٹ وغیرہ ضرور پڑ ہی جاتی ہے؟

ج: یہ کس عقل مند نے کہا ہے کہ پلاسٹک کے برتن پاک نہیں ہوتے؟ جس طرح دوسرے برتن دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں اسی طرح پلاسٹک کے برتن بھی دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں۔[3]

---

۱ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۰ ۲ امداد الفتاوی ج ۲ ص ۶۲

۳ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۸۷

تانبے کے برتن کیسے پاک ہوں گے:

س: اگر تانبے کے برتن ناپاک ہوجائیں، تو دھونے سے پاک ہوجائیں گے یا قلعی کی ضرورت ہے؟

ج: دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں۔ قلعی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔[۱]

المونیم کے برتن پاک کرنے کا طریقہ:

س: المونیم کے برتن اگر ناپاک ہوجائیں، تو مانجھنے اور تین دفعہ دھونے سے پاک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

ج: وہ ظروف مانجھنے اور دھونے سے پاک ہوجائیں گے۔[۲]

مٹی کے برتن پاک کرنا:

س: مٹی کا برتن اگر ناپاک ہوجائے تو دھونے سے پاک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ج: دھونے سے پاک ہوسکتا ہے۔ تین دفعہ اس کو دھویا جائے۔[۳]

بلی کا جوٹھا مکروہ ہے:

س: اگر بلی کھانے کی کسی چیز میں منہ ڈال دے تو اس کے جوٹھے کا کیا حکم ہے؟

ج: بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔ استعمال نہ کریں، طبی طور پر بھی مضر ہے۔ اس کا جوٹھا استعمال کرنے سے برص کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کپڑے یا جسم کا کوئی حصہ بلی کو نہ چاٹنے دیں۔[۴]

گھی پاک کرنے کا طریقہ:

س: تیل یا گھی میں چوہا گر کر مر گیا، تو شرعاً کوئی تدبیر ایسی بھی ہے کہ جس سے یہ نجس گھی یا تیل پاک کرلیا جائے۔ اور اس کا استعمال کھانا، پینا اور بدن کو لگانا درست ہوجائے؟

ج: درمختار میں ہے۔ **ویطھر لبن وعسل ودھن بغلی ثلثا** (ج ۱ص ۳۰۸) اس کا حاصل یہ ہے کہ دودھ اور شہد اور تیل (میں اس کے وزن کے برابر پانی ڈال کر) تین دفعہ جوش دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔ یعنی ہر ایک دفعہ اس قدر جوش دیا جائے کہ پانی جل جائے، اور یہی حکم تیل کا ہے غیر جامد گھی کا ہے۔

اور شامی میں ہے۔ کہ تیل میں جوش دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر دفعہ پانی ڈال کر اس کو خوب ہلایا جاوے۔ پھر جب کچھ ٹھہرنے سے تیل اوپر آجائے۔ اس کو علیحدہ اٹھالیا جائے۔ اس طرح تین دفعہ کیا جائے۔[۵]

س: گھی میں کتے نے منہ ڈال دیا۔ اس کے پاک ہونے کی کیا شکل ہے؟ کس طرح استعمال میں آسکتا ہے، اسی طرح اور کھانے کی چیزیں جیسے دودھ یا کھانڈ یا گوندھا ہوا آٹا یا سوکھا آٹا کس طرح پاک ہو؟

---

۱ فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص ۳۱۳ ۲ ایضاً ۳ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۲ص ۳۲۴
۴ خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۷۱ ۵ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ص ۳۲۷

ج: جو اشیاء خشک ہیں، جیسے خشک آٹا یا تر منجمد ہیں، جیسے جما ہوا گھی یا گوندھا ہوا آٹا وغیرہ۔ اگر ایسی چیزوں میں کتا منہ ڈال دے تو جہاں جہاں اس کے منہ کی تری پہنچی ہے۔ اس کو علیحدہ کر دینا چاہئے باقی پاک ہے۔ اور جو اشیاء رقیق ہیں، جیسے دودھ، تیل یا غیر منجمد گھی وغیرہ اگر ناپاک ہو جائے، تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اس کے ہم وزن پانی اس میں ملا کر پکایا جاوے یہاں تک کہ پانی جل جاوے۔ اسی طرح تین دفعہ کیا جائے۔ (کذا فی الدر مختار ج ص ۲۹۱) [1]

شہد پاک کرنے کا طریقہ:

س: ہماری دوکان میں شہد کے بھرے ہوئے ٹین میں چوہا گر کر مر گیا۔ چوہے میں بدبو پیدا ہونے پر معلوم ہوا۔ چوہے کو فوراً نکال کر اوپر سے تقریباً آٹھ سیر شہد نکال دیا گیا۔ باقی ماندہ شہد استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں، اور اس آٹھ سیر شہد کو کیسے پاک کیا جائے؟

ج: شہد پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شہد کے برابر یا کچھ زائد پانی ڈال کر پکایا جائے، یہاں تک کہ صرف شہد رہ جائے۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا جائے۔ جو شہد نچلے حصہ میں تھا اس کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ جامد ہو۔ ورنہ سارا شہد ناپاک ہوگا، اور مذکورہ طریقہ سے پاک کیا جائے۔ [2]

سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونا:

س: میں نے بہشتی زیور میں یہ پڑھا تھا کہ آدمی جب سو کر اٹھتا ہے تو اس کے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں اور اس کو ہاتھ پاک کئے بغیر کوئی نم چیز نہیں پکڑنی چاہئے۔ پوچھنا یہ تھا کہ اگر آدمی کے ہاتھ پسینے سے بھیگے ہوئے یا نم ہوں یا اس نے سوتے میں یا غنودگی میں جسم کے ایسے حصہ کو ہاتھ لگایا جو پسینے سے بھیگا ہوا یا نم ہو تو کیا ایسی صورت میں بھی وہ اور اس کا جسم ناپاک ہو جائیں گے؟

محترم! مجھے پسینہ کچھ زیادہ ہی آتا ہے اور خاص طور پر سونے میں کسی ایک کروٹ پڑے رہنے میں وہ حصہ بھیگ جاتا ہے اب میں اپنے ہاتھ سے جو پسینے سے نم ہوتے ہیں اپنا منہ بھی کھجاتا ہوں اور چادر بھی ٹھیک کرتا ہوں غرض جسم کو کپڑوں کو بستر کو ہاتھ لگاتا ہوں؟

ج: آپ نے بہشتی زیور کے جس مسئلہ کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ: ''جب سو کر اٹھے تو جب تک گٹے تک ہاتھ نہ دھولے تب تک ہاتھ پانی میں نہ ڈالے چاہے ہاتھ پاک ہو اور چاہے ناپاک ہو۔''

آپ نے بہشتی زیور کا حوالہ دینے میں دو غلطیاں کی ہیں ایک یہ کہ جب آدمی سو کر اٹھتا ہے تو اس کے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں حالانکہ بہشتی زیور کے مذکورہ بالا مسئلہ پر سو کر اٹھنے والے کے ہاتھوں کو ناپاک نہیں کہا گیا۔ دوسری غلطی یہ کہ آپ

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۱ ص ۳۲۴ [2] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۷

نے لکھا کہ ہاتھ پاک کئے بغیر کوئی چیز نہیں پکڑنی چاہئے حالانکہ بہشتی زیور کے مذکورہ بالا مسئلہ میں یہ لکھا ہے کہ ''ہاتھ خواہ پاک ہوں یا ناپاک ان کو پانی کے برتن میں نہیں ڈالنا چاہئے نہ یہ کہ کسی چیز کو پکڑنا نہیں چاہئے۔''

سونے سے پہلے اگر بدن پاک تھا اور نیند میں جنابت کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوا تو پسینہ آنے سے نہ بدن ناپاک ہوتا ہے نہ سونے والے کے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں۔ لیکن نیند سے اٹھ کر جب تک ہاتھ نہ دھوئے جائیں ان کو پانی کے برتن میں نہیں ڈالنا چاہئے۔[1]

وضو کے پانی کے قطرے ناپاک نہیں:

س: وضو کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو فرش پر وضو کے پانی کے قطرے گرتے ہیں اس سے گناہ ملتا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ نماز کی جگہ پر پانی کے قطرے نہیں گرنے چاہئیں؟

ج: جی نہیں یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ وضو کے قطرے ناپاک نہیں ہوتے۔[2]

وضو کے چھینٹوں سے حوض ناپاک نہیں ہوتا:

س: بعض لوگوں سے سنا ہے کہ وضو کے پانی کے چھینٹوں سے بچنا چاہئے کیونکہ گرنے والا پانی ناپاک ہو جاتا ہے جبکہ بعض مساجد میں بڑے حوض ہوتے ہیں وضو کرتے وقت وضو کا پانی حوض میں گرتا ہے اس صورت میں پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج: حوض سے وضو کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چائے کہ چھینٹے حوض پر نہ گریں لیکن ان چھینٹوں سے حوض ناپاک نہیں ہوتا۔[3]

زکام میں ناک سے نکلنے والا پانی پاک ہے:

س: نزلہ اور زکام کی وجہ سے جو پانی ناک سے خارج ہوتا ہے وہ پاک ہے یا نہیں؟ اگر پاک ہے تو کس دلیل کے تحت اور ناپاک ہے تو کس دلیل کے پیش نظر؟

ج: نزلہ اور زکام کی وجہ سے جو پانی ناک سے بہتا ہے وہ نجس اور ناپاک نہیں ہے کیونکہ یہ کسی زخم سے خارج نہیں ہوتا۔ نہ کسی زخم پر سے گزر کر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[4]

شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے:

س: شیر خوار بچہ اگر کپڑوں پر پیشاب کر دے تو کپڑوں کو دھونا چاہئے یا کہ ویسے پانی گرا دینے سے صاف ہو جائیں گے؟

ج: بچے کا پیشاب ناپاک ہے اس لئے کپڑے کا پاک کرنا ضروری ہے اور پاک کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ پیشاب کی جگہ پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ اتنے پانی سے وہ کپڑا تین مرتبہ بھیگ سکے۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۴ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۵ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

بچے کا پیشاب پڑنے پر کہاں تک چیز پاک ہوسکتی ہے:

س: اگر مٹی کے برتن پر بچہ پیشاب کردے تو کیا اس برتن کو ضائع کردینا چاہئے یا نہیں؟

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی معمولی غذا پر بچہ پیشاب کردے تو لوگ اسے ضائع کردیتے ہیں۔ لیکن اگر غذا قیمتی ہو تو دھوکر کھا لیتے ہیں۔ حالانکہ پیشاب لازمی طور پر غذا کی گہرائی تک گیا ہوگا۔ ایسے موقعوں پر کیا حکم ہے؟

ج: مٹی کا برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا یعنی اس طرح دھوئے کہ ہر مرتبہ پانی ٹپکنا بند ہوجائے۔ جس غذا پر بچہ پیشاب کردے اس کا کھانا درست نہیں۔ البتہ اسے ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ کوئی جانور خود آ کر اسے کھالے۔[1]

گندگی میں گر جانیوالی گھڑی کو پاک کرنے کا طریقہ:

س: میری دستی گھڑی قیمتی واٹر پروف رات کے نو بجے فلش پاخانہ میں گر گئی۔ قیمتی ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ فکر اور پریشانی ہوئی۔ صبح نو بجے جمعدار نے فلش سے گھڑی نکال دی۔ یعنی بارہ گھنٹے کے بعد گھڑی نکالی گئی۔ اس وقت بھی وہ بالکل صحیح وقت سے چل رہی تھی۔ سوال یہ ہے کہ یہ دھوکر استعمال کی جاسکتی ہے اور اس کو پاک کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اسے ہاتھ پر باندھ کر نماز، تلاوت کرسکتے ہیں؟

ج: اگر اطمینان ہے کہ پانی اس کے اندر نہیں گیا تو صرف اوپر سے دھوکر پاک کرلینا کافی ہے ورنہ کھول کر دھولیا جائے اور پانی کے بجائے پٹرول سے پاک کرلینا بھی صحیح ہے۔[2]

روئی اور فوم کا گدا پاک کرنے کا طریقہ:

س: فوم اور روئی کے گدے کو کس طرح پاک کیا جائے اگر بستر کے طور پر استعمال کرنے سے وہ ناپاک ہوجائے کیونکہ عموماً چھوٹے بچے پیشاب کردیتے ہیں؟

ج: ایسی چیز جس کو نچوڑنا ممکن نہ ہو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھوکر رکھ دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس سے قطرے ٹپکنا بند ہوجائیں۔ اس طرح تین بار دھولیا جائے۔[3]

ناپاک کپڑے دھوپ میں سکھانے سے پاک نہیں ہوتے:

س: کہا جاتا ہے کہ نئے یا پرانے کپڑے کو حیض کے دنوں میں استعمال کرنے کے بعد دھوپ میں سکھانے کے بعد وہ پاک ہوجاتے ہیں۔

ج: اگر ناپاک ہوگئے تھے تو صرف دھوپ میں سکھانے سے پاک نہیں ہونگے ورنہ ضرورت نہیں۔ کیونکہ حیض کے ایام میں پہنے ہوئے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ سوائے اس کپڑے کے، جس کو نجاست لگ گئی ہو۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۵

[2] ایضاً ص ۸۸۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

ہاتھ پر ظاہری نجاست نہ ہونے سے برتن ناپاک نہ ہوگا:

س: جس شخص پر غسل واجب ہو اگر وہ نجاست والی جگہ اور ہاتھ وغیرہ صابن سے اچھی طرح دھولے اور اس کے بعد اگر ہاتھ کسی برتن کو لگائے یا کسی برتن میں کھانا کھائے تو وہ برتن ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج: جب اس کے ہاتھ پر ظاہری نجاست نہیں تو برتن کیوں ناپاک ہوگا۔[1]

ناپاک چھینٹوں سے کپڑے ناپاک ہونگے:

س: اگر پاک کپڑے پہن کر ناپاک کپڑے دھوئے جائیں تو ناپاک کپڑوں کے چھینٹوں سے پاک کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

ج: ناپاک چھینٹوں سے کپڑے ضرور ناپاک ہونگے۔[2]

گندے لوگوں سے مس ہونے پر کپڑوں کی پاکی:

س: میں ایک کمپونڈر ہوں اور ہمارے علاقے میں ہندو قوموں کی اکثریت ہے اور میں ڈسپنسری میں کام کرتا ہوں وہاں پر ۹۰ فیصد ہندو مریض آتے ہیں اور یہ تو میں ہندو ہونے کے ساتھ ساتھ رہن سہن میں کافی گندی ہیں۔ ڈسپنسری چھوٹی ہونے کی وجہ سے کافی کھچ پچ ہو جاتی ہے۔ اور ان کے جسم اور کپڑے میرے کپڑوں سے لگتے ہیں کیونکہ میں ایک کمپونڈر ہوں اس لئے کافی گھل مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے آپ یہ بتائیں کہ اس طرح میں ان کپڑوں میں نماز ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ کوئی حل بتائیں کہ میں اپنے کپڑے پاک رکھ سکوں۔

ج: اگر ان کے جسم پر بظاہر کوئی نجاست نہ ہو تو ان کے ساتھ آپ کے خلط ملط ہونے سے آپ کے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ بغیر کسی وسوسہ کے ان کپڑوں میں نماز پڑھیے۔[3]

ناپاک جگہ خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے:

س: بعض گھرانوں میں بلکہ اکثر گھرانوں میں چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں جو جگہ جگہ پیشاب کر دیتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس جگہ بیٹھنے یا سونے والا نماز پڑھنے کے قابل رہتا ہے۔ یاد رہے کہ وہ جگہ سائے میں خشک ہوئی ہو۔ جواب دے کر تسلی فرمائیں؟

ج: ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد نماز کیلئے پاک ہو جاتی ہے اور ایسی جگہ خشک کے ہونے کے بعد وہاں بغیر کپڑا بچھائے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ تاہم اگر طبعاً کراہت آئے تو وہاں کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لی جائے۔

س: ناپاک جگہ زمین وغیرہ کو کس طرح سے پاک کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ پختہ ہونے کی صورت میں دھو کر پاک ہو جائے گی۔ لیکن کچی جگہ مثلاً کچا صحن یا کچی چھت وغیرہ تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۸ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۹ [3] ایضاً۔

ج: زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے۔اس پر نماز پڑھنا درست ہے مگر اس سے تیمّم کرنا درست نہیں۔[1]

جس چیز کا ناپاک ہونا یقینی نہ ہو:

س: سائل اکثر کپڑے یا کوئی ناپاک چیز دھوتے وقت شک میں پڑجاتا ہے بعد میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ شک کی بنا پر دھویا ہے۔اسی طرح کوئی چیز واقعتاً ناپاک ہوجائے تب بھی پریشانی ہوتی ہے۔

ج: جس چیز کا ناپاک ہونا یقینی یا غالب نہ ہو اس کو پاک ہی سمجھا کیجئے۔خواہ کتنے ہی وسوسے آئیں ان کی پرواہ نہ کیجئے اور جس چیز کے بارے میں غالب گمان ہو کہ یہ ناپاک ہوگی اس کو پاک کرلیا کیجئے اس کے بعد وسوسہ نہ کیجئے۔[2]

پاکی میں شیطانی وسوسہ ختم کرنے کی ترکیب:

س: اگر سائل یقینی طور پر کسی ناپاک چیز کو دھوتا ہے۔مگر ایک شک ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔اس وجہ سے سائل تقریباً ہر وقت پریشان رہتا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

ج: اس شک کا علاج یہ ہے کہ آپ کپڑا یا چیز تین بار دھولیا کیجئے اور (کپڑے کو ہر بار نچوڑا بھی جائے) بس پاک ہوگئی۔اس کے بعد اگر شک ہوا کرے تو اس کی کوئی پرواہ نہ کیجئے بلکہ شیطان کو یہ کہہ کر دھتکار دیا کیجئے کہ او مردود! جب اللہ اور رسول اس کو پاک کہہ رہے ہیں تو میں تیری شک اندازی کی پرواہ کیوں کروں؟ اگر آپ نے میری اس تدبیر پر عمل کیا تو انشاء اللہ آپ کو شک اور وہم کی بیماری سے نجات مل جائیگی۔[3]

جن کپڑوں کو کتا چھو جائے ان کا حکم:

س: آج کل مسلمان انگریزوں کی طرح کتے پالتے ہیں تو اگر یہ کتے کپڑوں یا اعضا کے ساتھ لگ جائیں تو کیا وہ جگہ ناپاک ہوجائے گی اگرچہ کتے کا بدن گیلا نہ ہو؟

ج: جو لوگ شوقیہ کتے پالتے ہیں ان کے لئے پاک ناپاک کا سوال ہی نہیں۔اگر ان کو ناپاک سمجھتے تو ان سے نفرت بھی کرتے۔کتے کے بدن سے اگر کپڑا یا کوئی اور چیز مس ہوجائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتی۔جبکہ اس کے بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔خواہ اس کا بدن خشک ہو یا گیلا البتہ کتے کا لعاب جس چیز کو لگ جائے وہ ناپاک ہے اور کتا عموماً کپڑوں کو منہ لگا دیتا ہے۔پس جس کپڑے کو کتے نے منہ لگا دیا ہو وہ ناپاک ہوجائے گا۔[4]

کتے کا لعاب ناپاک ہے:

س: اگر کتا ہاتھ یا پاؤں پر زبان پھیر دے تو کیا بدن بھی پلید ہوجائے گا؟

ج: کتے کا لعاب نجس بھی ہے اور زہر بھی۔اس لئے جس جگہ کتے کا لعاب لگے وہ ناپاک ہے اور اس کا صاف کرنا لازم ہے۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۹۰ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔
[4] ایضاً۔ [5] آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۹۱

کیا چھوٹا کتا بھی پلید ہے:

س: اگر بڑا کتا پلید ہے تو چھوٹا کتا یعنی کتے کا کم عمر بچہ پلید ہے یا پاک؟

ج: چھوٹے اور بڑے کتے کا ایک ہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کتوں کے شوق کے بجائے ان سے نفرت نصیب فرمائے۔[1]

بلی کے جسم سے کپڑے چھو جائیں تو:

س: میری ایک دوست ہے جو میرے گھر آئی تھی' بلی سے بھاگ کر کرسی پر پیر اٹھا کر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا کیوں تو کہنے لگی کہ بلی اگر کپڑوں سے لگ جائے تو کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں اور نماز نہیں ہوتی۔ جبکہ میری دادی نے کہا کہ بلی اگر سوکھی ہو تو نماز ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر بلی گیلی ہو تو کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ آپ اسلام کی روشنی میں اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ج: بلی کے ساتھ کپڑے لگنے سے ناپاک نہیں ہوتے۔ خواہ بلی سوکھی ہو' یا گیلی ہو..... بشرطیکہ اس کے بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔[2]

ناپاک چربی والا صابن:

س: مردار اور حرام جانوروں کی چربی کے صابن سے طہارت ہو جاتی ہے اور نمازیں وغیرہ درست اور ٹھیک ہیں یا نہیں؟

ج: ناپاک چربی کا استعمال جائز نہیں تاہم ایسے صابن کا استعمال کرنا جس میں یہ چربی ڈالی گئی ہو جائز ہے۔ کیونکہ صابن بن جانے کے بعد اس کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔[3]

حیض ونفاس کی سفیدی:

س: حیض اور نفاس سے فارغ ہو کر جو سفیدی آتی ہے۔ وہ اگر کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو بدن و کپڑا پاک رہے گا یا نہیں؟

ج: رطوبت فرج خارج پاک ہے۔ **واما رطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً** (در) اور رطوبت فرج داخل ناپاک ہے، **ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً** (شامی باب الانجاس ص۳۲۲) پس اگر وہ سفید پانی اندر سے آیا ہے تو وہ ناپاک ہے۔ اگر قدر درہم سے زیادہ بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو دھونا چاہئے۔[4]

حکم رطوبت فرج:

س: اکثر عورتوں کو رحم سے سفید رطوبت ہمیشہ جاری رہتی ہے، کیا وہ پاک ہے یا ناپاک، اور نماز بحالت اخراج جائز ہے یا نہ، بحالت اخراج وضو ساقط تو نہیں ہو جاتا؟

ج: یہاں تین موقع ہیں۔ اور ہر جگہ کی رطوبت کا حکم جدا ہے، ایک موقع فرج خارج کا ہے۔ اس کی رطوبت درحقیقت

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ص۹۱ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ا ص ۳۰۸

پسینہ ہے۔اور وہ ظاہر ہے،اور ایک موقع فرج داخل کا باطن یعنی اُس سے آگے ہے۔یعنی رحم۔اس کی رطوبت مذی یا مثل مذی ہے،اور وہ نجس ہے۔اور ایک موقع خود فرج داخل ہے۔اس کی رطوبت میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی۔اس لئے اس کی نجاست میں اختلاف ہے،اور احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے۔

پس رطوبت مذکورۂ سوال قسم دوم ہے۔اس لئے نجس ہے،اور اگر محقق ہو جاوے کہ قسم اوّل ہے،تو طاہر ہے۔یا قسم سوم ہے،تو احتیاطاً نجس ہے،اور جو نجس ہے،ناقض وضو ہے۔البتہ اگر ہر وقت جاری رہے،اُس کا حکم معذور کا سا ہے۔[1]

پیشاب کی چھینٹوں کا حکم:

س: ایک شخص کی عمر ساٹھ سال کی ہے۔پیشاب میں عجلت ہوتی ہے،اس وجہ سے اکثر پیشاب کرنے میں ایسی چھینٹیں پائچوں پر پڑ جاتی ہیں کہ جو معلوم نہیں ہوتیں۔اس کپڑے میں نماز درست ہے یا نہیں؟

ج: ایسی باریک چھینٹیں جو معلوم نہ ہوں،معاف ہیں،ان سے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوگا۔ایسے کپڑے میں نماز صحیح ہے۔[2]

زخم کی رطوبت:

س: اگر زخم کے منہ سے رطوبت بہہ کر علیحدہ نہیں ہوئی تھی اور کپڑے کو لگ گئی۔مگر مقدار درہم سے کم ہے۔پھر پانی پڑنے سے مقدار درہم کے برابر ہوگئی،یا اس سے زائد ہوگئی۔تو وہ کپڑا پاک ہے یا نہیں اور بدن بھی پاک ہے یا نہیں؟

ج: جو پیپ زخم سے باہر نہیں تھی وہ ناپاک نہیں ہے۔اگر کپڑے یا بدن کو لگ جاوے اگرچہ مقدار درہم سے زیادہ ہو،کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا۔وہ اگر پانی پڑ کر زیادہ بھی ہو جائے۔تو کچھ حرج نہیں۔جیسا کہ درمختار میں ہے۔

((وكل ماليس بحدث ليس بنجس الخ)) (باب الانجاس ج ا ص ۲۸۸)

اور نجاست اگر درہم سے کم بدن یا کپڑے کو لگے۔اور پانی لگ کر زیادہ ہو جائے۔تو وہ مانع عن الصلوة نہیں ہے، كما في الشامي۔ وان كثر باصابة الماء الخ۔[3]

پانی کے احکام

ارشاد ربانی:

﴿ وينزل عليكم من السماء ماء ليطهر كم به ﴾[4]

ترجمہ:اور اتارتا ہے آسمان سے پانی،تا کہ تمہیں پاک کرے۔

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ا ص ۶۵ [2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۳۰۷
[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۳۰۹ [4] سورۃ الانفال:۱۱

ارشاد فرمایا:

﴿ وانزلنا من السماء ماء طهوراً ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے پاکی حاصل کرنے کا پانی آسمان سے اتارا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ الم تران الله انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع فى الارض ﴾[2]

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر چلایا وہ پانی زمین کے چشموں میں۔

کنواں پاک کرنے کا طریقہ:

س: اگر لڑکی یا لڑکے کا پیشاب کنویں میں گر جائے، تو فقہ اسلامی کی رو سے کیا حکم ہے؟

ج: کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پورا پانی نکال دیا جائے، پانی نکال دینے سے ڈول، رسی، کنویں کا گارا اور کنویں کی دیواریں سب پاک ہو جائیں گی۔[3]

س: پانی پت شہر میں کنووں میں پانی اس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ کہ ڈیڑھ ہزار ڈول نکالنے پر بھی پانی نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے سخت پریشانی ہوتی ہے۔ کوئی سہولت کا راستہ بتلایا جاوے؟

ج: ہمارے حضرات اکابر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وحضرت مولانا شیخ الهند قدس سرہ وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دوسو سے تین سو تک ڈول نکالنے سے پانی پاک ہو جاتا ہے۔ اور بوجہ سہولت کے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور یہاں ہمیشہ اسی پر عمل درآمد رہا ہے، اور اب بھی ہے۔[4]

کنویں میں کتا گر کر مر گیا:

س: ایک کنویں میں کتا گر کر مر گیا، پندرہ دن کے بعد اس کا پانی تقریباً پانچ فٹ نکالا گیا، بعض لوگوں نے وہم کیا اور اس کو پاک نہ سمجھا۔ اس کے بعد بہت سے آدمیوں کو لگا کر اور پانی نکالا گیا۔ کنواں پاک ہو گیا یا نہیں؟

ج: مفتیٰ بہ مذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ ایسا کنواں تین سو ڈول متوسط پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ لہذا جس وقت پہلے قریب پانچ فٹ پانی نکالا گیا تھا۔ اسی وقت باقی پانی اس کنویں کا پاک ہو گیا۔ کیونکہ بظاہر پانچ فٹ پانی کی مقدار تین سو ڈول سے زیادہ ہوگی۔

بہر حال اب پانی اس کنویں کا پاک ہے۔ کیونکہ دوبارہ بہت سا پانی اس کنویں کا نکل گیا ہے۔ اب کی پاکی میں اب کوئی شک نہیں۔ کذا فی الدر المختار۔[5]

---

[1] سورۃ الفرقان: ۴۸ [2] سورۃ الزمر: ۲۱ [3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲ ص ۴۵

[4] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۲۲۳ [5] ایضاً۔

ٹینکی کی تطہیر کا اصول:

س: گھریلو حوض یا ٹینکیاں اگر نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائیں، تو انہیں پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

ج: اس سلسلہ میں دو فقہی اصول سمجھ لینے چاہئیں۔ پانی دو طرح کا ہوتا ہے۔ بہتا ہوا یعنی ''جاری'' اور ٹھہرا ہوا۔ یعنی ''راکد'' پھر ٹھہرا ہوا پانی بھی یا تو زیادہ مقدار میں ہوگا یا کم۔ اگر کم ہے تو تھوڑی سی ہی نجاست گر جائے۔ تو پانی ناپاک ہو جائے گا، چاہے اس سے پانی کے اوصاف، رنگ، بُو، مزہ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اور اگر پانی جاری یا کثیر مقدار میں ہے۔ تو تھوڑی بہت نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اتنی مقدار میں نجاست گر جائے کہ پانی کے اوصاف ہی بدل جائیں، تو اب پانی ناپاک ہو جائے گا۔

پھر پانی کی کثیر یا قلیل مقدار کا تعین ایک مشکل بات تھی۔ اس لئے فقہاء امت نے اس کے لئے ایک مخصوص اور واضح حد متعین کر دی۔ کہ اگر دس ہاتھ لانبا اور چوڑا ہو، یا دوسرے لفظوں میں دہ در دہ ہو تو یہ کثیر ہوگا اور اتنی مقدار میں نہ ہو تو قلیل، اسی پر فتویٰ ہے۔

اب یہ پانی کی ٹینکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں دو طرف سے پمپ ہوں، ایک طرف سے پانی کی آمد اور دوسری طرف سے نکاسی کا تسلسل ہو، تو یہ جاری پانی کے حکم میں ہے، پانی ناپاک ہی نہ ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ کسی ایک طرف سے ٹنکی بند ہو، صرف پانی کی آمد یا پانی کی نکاسی کا سلسلہ ہو۔ لیکن مقدار میں دہ در دہ ہو تو اب بھی پانی کثیر ہونے کی وجہ سے ناپاک نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اوصاف ہی بدل جائیں۔

ہاں اگر ٹنکی مقدار میں بھی چھوٹی ہو اور پانی کی آمد و رفت کا تسلسل بھی نہ ہو تو تھوڑی سی بھی نجاست کیوں نہ گرے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس ٹنکی میں نجاست گری ہے اس میں ایک طرف سے پانی داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکال دیا جائے، جوں ہی پانی نکل جائے ٹنکی پاک ہو جائے گی۔ البتہ اگر کوئی ''ذی جسم'' نجاست گری ہو مثلاً مردہ جانور وغیرہ تو ضروری ہوگا کہ اس عمل سے پہلے اس نجاست کو نکال دیا جائے۔[1]

س: مکان کے صحن میں پانی کی ٹنکی یا چھت پر بنی ہوئی ٹنکی ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اگر زمین والی ٹنکی اور چھت کی ٹنکی اور ان دونوں کے درمیان پائپ لائن اور پھر چھت کی ٹنکی سے غسل خانوں وغیرہ تک آنے والے پائپ۔ ان سب کے مجموعہ کے طول وعرض کا کل رقبہ ۱۰۰ سو ہاتھ ہو جائے، تو کیا یہ دہ در دہ کے حکم میں ہوگا کہ نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو؟

الجواب باسم ملهم الصواب:

دونوں ٹینکیوں کے درمیانی پائپ اور اوپر کی ٹنکی سے غسل خانوں وغیرہ تک جانے والے پائپ کو دہ در دہ میں شمار

---

[1] جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۴۲، ص ۴۳

کرنا صحیح نہیں۔اس لئے کہ طول وعرض وہ معتبر ہے، جو اوپر کی چھت کے ساتھ ملصق نہ ہو۔

پائپ لائن چونکہ پانی سے بھری رہتی ہے، اس لئے اس کی مثال ایسے مسقف حوض کی ہوگی۔ جس کا پانی اس کی چھت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ نیز نچلی ٹنکی سے اوپر کی ٹنکی کی طرف جانے والی لائن جہاں اوپر کی ٹنکی میں پہنچتی ہے، وہاں اس کے پانی کا اتصال اوپر کی ٹنکی کے پانی سے نہیں ہوتا، اس لئے دونوں ٹینکیوں کے رقبہ کا بالکل الگ الگ حساب کیا جائے۔

ان ٹینکیوں کی تطہیر کا طریقہ یہ ہے کہ زمین دوز ٹنکی میں جب باہر سے پانی آرہا ہو۔ اس وقت اس کا گولہ اتار لیا جائے یا اس کے ساتھ کوئی وزن وغیرہ باندھ دیا جائے۔ تاکہ گولہ پانی کے ساتھ بلند ہوکر باہر سے آنے والے پانی کا راستہ نہ رکے، اس طرح سے بیرونی پانی آتا رہے گا..........

جب ٹنکی بھر کر اوپر سے پانی بہنے لگے۔ تو پانی جاری ہو جانے کی وجہ سے ٹنکی پاک ہوجائے گی۔ اوپر کی ٹنکی کو یوں پاک کیا جاسکتا ہے، کہ موٹر کے ذریعہ اس ٹنکی کو اس حد تک بھرا جائے کہ اوپر کے پائپ سے پانی جاری ہوجائے۔ بظاہر تطہیر کی اس صورت میں یہ اشکال معلوم ہوتا ہے کہ پانی کھینچنے کی مشین سے لے کر زمین دوز ٹنکی کے تلے تک پائپ ہوتا ہے، جو نجس پانی سے بھرا ہوگا۔ اسی طرح اوپر والی ٹینکی نجس ہوگی۔ تو اس ٹینکی سے غسلخانوں وغیرہ میں آنے والی لائن میں نجس پانی ہوگا۔ ان ٹینکیوں کو اوپر سے جاری کردینے سے ان پائپوں کے اندر کے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تو یہ اندرونی پانی کیسے پاک ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تطہیر ماء کا مسئلہ خارج از قیاس ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے، کہ کوئی چیز ایک دفعہ ناپاک ہونے کے بعد پھر کسی صورت سے بھی پاک نہ ہوسکے۔ اس لئے کہ اس کی تطہیر کے لئے جو پانی بھی اس سے ملا وہ پانی خود ناپاک ہوگیا۔ تطہیر کے شرعی قاعدہ کے مطابق نجس پانی کو جاری کردینے سے اس کے ساتھ متصل پانی بھی پاک ہوجاتا ہے۔

چنانچہ اگر حوض بہت گہرا ہو کہ اس کے اوپر کی جانب پانی جاری ہونے سے اس کی تہ تک اثر پہنچنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ تو بالاتفاق اس کے اوپر کا پانی جاری کردینے سے اس کے تلے تک کا کل پانی پاک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح پائپوں کے اندر کا پانی بھی پاک شمار ہوگا۔

ٹینکی کی تطہیر کی ایک دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ زمین دوز ٹینکی نجس ہوجائے، تو جس وقت اس میں پانی باہر سے آرہا ہو۔ اس وقت موٹر کے ذریعہ اس ٹینکی کا پانی کھینچنا شروع کردیا جائے، تو یہ ماء جاری شمار ہوگا۔ اور اوپر کی ٹینکی کو یوں پاک کیا جائے کہ موٹر کے ذریعہ اس میں پانی چڑھانا شروع کردیں۔ اور اس ٹینکی سے غسلخانوں وغیرہ کی طرف آنے والی لائن کھول دیں۔ اس صورت میں زمین دوز ٹینکی میں پانی اوپر سے داخل ہوگا اور نیچے آنے والی لائن کو کھولنے سے ٹینکی کے نچلے حصہ سے پانی خارج ہوگا۔[1]

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۴۸، ص ۴۹

کنوئیں کے نل میں نجاست گر جانے کا حکم:

س: آجکل یہ آہنی نل جو کنوئیں کا کام دیتے ہیں ایجاد ہوئے ہیں اگر ان کے اندر کوئی شخص پیشاب وغیرہ ڈال دے تو آیا یہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور پہلی شق پر ان کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

ج: **فی الدر المختار ینزح کل مائھا الذی کان فیھا وقت الوقوع بعد اخراجہ الا اذا تعذر الٰی قولہ وان تعذر نزح کلھا فیقدر مافیھا وقت ابتداء النزح قالہ الحلبی ۲۱۸ تا ۲۲۰**۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ نجاست کا واقع ہونا کنوئیں میں اُس کو نجس کر دیتا ہے سو اس میں بھی جب نجاست گر یگی ناپاک ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع نجاست کے وقت جسقدر پانی ہو اُس قدر نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ پس اس بناء پر نل کے اندر جس قدر پانی ہے اُس کے نکال دینے سے وہ پاک ہو جاویگا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نل کے نیچے زمین میں سے پانی کی آمد ہوتی ہے تو کیا وہ ناپاک نہ ہوگا بات یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا متعارف کنوؤں میں بھی علاوہ بھرے ہوئے پانی کے اُبلنے والا پانی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ فی البیر نہیں ہے اُس کا اعتبار نہیں اسی طرح جو پانی بالفعل اس آہنی کنوئیں کے اندر نہ ہو گو بطور آمد کے نیچے سے بذریعہ مسامات ارض کے اُس کے اندر آجاتا ہو وہ معتبر نہیں البتہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہو جاوے کہ اُس نل کی جڑ میں پانی مجتمع رہتا ہے تو اُس کو نجس کہیں گے اور تخمینہ سے جب اس قدر نکل جاوے کنواں پاک ہو جاویگا۔ اور عبارت مذکورہ سے ایک اور بات ثابت ہوئی کہ اگر اُس آہنی کنوے میں ایسی نجس چیز گر جاوے جو نکل نہ سکے تو اُس کا نکالنا معاف ہے پھر اُس میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ چیز ذی نجاست ہے جیسے ناپاک لکڑی یا ناپاک کپڑا یا عین نجاست ہے جیسے مُردار کی بوٹی۔ صورت اولیٰ میں بلا انتظار معاف ہے صرف پانی نکالنے سے پاک ہو جاویگا اور صورت ثانیہ میں اتنی مدت تک انتظار کریں کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہو گیا ہو پھر پانی نکال دیں۔

((فی الدر المختار بعد قولہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ متنجسۃ فی ردالمحتار واشار بقولہ متنجسۃ الٰی انہ لابدمن اخراج عین النجاسۃ میتۃ وخنزیراہ ج قلت فلو تعذر ایضاً ففی القھستانی عن الجواھر لووقع عصفور فیھا فعجزوا عن اخراجہ فما دام فیھا فنجسۃ فتترک مدۃ یعلم انہ استحال وصارحماۃ وقیل مدۃ ستۃ اشھراھ))[1] (جلد ۱ ص ۲۱۹)

دستی نلکے کی تطہیر:

س: زمین سے پانی کھینچنے والے ہینڈ پمپ میں نجاست گر جائے تو اس کو کیسے پاک کیا جائے؟ کیا تھوڑا سا پانی کھینچ دینے سے یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہو کر پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: دستی نلکے سے پانی کھینچنے سے یہ پانی ماء جاری کے حکم میں نہیں ہوگا اسلئے کہ نلکے کی جڑ میں جو پانی آرہا ہے وہ زمین

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۰

کے مسامات سے رس کر آ رہا ہے اور یہ شرعاً دخول کے حکم میں نہیں، چنانچہ اسی فرق کی بنا پر انجکشن کو مفسد صوم نہیں قرار دیا گیا، اسی طرح کنوئیں میں زمین کے مسامات سے پانی داخل ہوتا رہتا ہے اس کے باوجود کنوئیں سے چند ڈول نکالنے سے یا مشین کے ذریعہ کچھ پانی کھینچنے سے بالاتفاق کنواں پاک نہیں ہوتا، اسی طرح دستی نلکے کی تطہیر کے لئے تھوڑا سا پانی کھینچ لینا کافی نہیں۔

بعض حضرات نے دستی نلکے کو کنوئیں کے حکم میں قرار دیکر یہ فرمایا ہے کہ نلکے کے اندر کا پورا پانی نکال دینے سے نلکا پاک ہوجائے گا مگر نلکے کو کنوئیں پر قیاس کرنے میں یہ اشکال ہے کہ کنوئیں کا پانی زمین کے مسامات سے نکل کر اپنے طبعی جریان تک محدود رہتا ہے اور نلکے کے پانی کو کھینچ کر سطح زمین سے بھی اوپر لے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے نلکا برتن کے حکم میں معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کنوئیں کے تلے اور دیواروں کی تطہیر متعذر ہے اور نلکے کی تطہیر متعذر تو کجا متعسر بھی نہیں اسلئے دستی نلکے کی تطہیر کا طریقہ یہ ہے کہ جتنا پانی اس کے اندر ہے وہ نکالنے کے بعد مزید اتنا پانی نکالا جائے جس سے پورا پائپ تین بار دُھل سکتا ہو، پائپ کے اندر پانی کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے مربع 1/2 قطر × پائی × عمق۔ اس طرح پانی کا حجم معلوم کر کے اس پیمائش کے مطابق پانی نکال دیا جائے۔ اگر پانی کی گہرائی معلوم نہ ہو سکے تو ظن غالب پر عمل کیا جائے۔ سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ نلکے کے اوپر سے اتنا پانی ڈالا جائے کہ پائپ بھر کر اوپر سے پانی بہنے لگے۔ اس صورت میں یہ پانی جاری ہوجانے کی وجہ سے پاک ہوجائے گا۔

((قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالٰی ان دلوًا تنجس فافرغ فيه رجل ماءً حتی امتلأ وسال من جوانبه هل يطهر بمجرد ذلك ام لاوالذی يظهرلی الطهارة اخذ مما ذكرناه هنا ومما مرمن انه لايشترط ان يكون الجريان بمدد (وقال فی المنهية) اقول رأيت بعد كتابتی لهذا المحل فی حاشية الا شباه والنظائر فی أخر الفن الاول للعلامة الكفيری التی تلقاها عن شيخه الشيخ اسمٰعيل الحائك مفتی دمشق مانصه مسئلة اذا كان فی الكوزماء متنجس فصب عليه ماء طاهر حتی جری الماء من الانبوب بحيث يعد جرياناً ولم يتغير الماء فانه يحكم بطهارته اه منه)) (ردالمحتار ج ا ص ۱۸۰)[۱]

گٹر لائن کی آمیزش والا پانی:

س: بعض مرتبہ ہم کسی مسجد میں جاتے ہیں اور وضو کے لئے نلکا کھولتے ہیں تو شروع میں بدبُو دار پانی آتا ہے۔ پانی بظاہر صاف نظر آتا ہے۔ اور کوئی رنگ کی آمیزش نہیں ہوتی۔ لیکن پانی میں بدبوی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے۔ یا پانی ناپاک تصور ہوگا، اور اس پانی سے وضو نہیں ہوگا؟

---

[۱] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۵۰، ص ۵۱

ج: نلوں کے ذریعہ جو بدبُودار پانی آتا ہے اور پھر صاف پانی آنے لگتا ہے، اس بارے میں جب تک بدبودار پانی کی حقیقت معلوم نہ ہو، یا رنگ اور بُو سے ناپاکی کا پتہ نہ چلتا ہو، اس وقت تک اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ پانی کا بدبودار ہونا اور چیز ہے، اور ناپاک ہونا دوسری چیز ہے۔ اور اگر تحقیق ہو جائے کہ یہ پانی گٹر کا ہے، تو نل کھول دینے کے بعد وہ ''جاری پانی'' کے حکم میں ہو جائے گا۔ اور پاک ہو جائے گا۔ بس بدبودار پانی نکال دیا جائے۔ بعد میں آنے والے صاف پانی سے وضو اور غسل صحیح ہے۔[1]

ناپاک پانی صاف شفاف بنا دینے سے پاک نہیں ہوتا:

س: آج کل سائنس والوں نے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ گندی نالیوں کے پانی کو صاف وشفاف بنا دیتے ہیں۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، اب کیا یہ پانی پلید ہوگا یا نہیں؟

ج: صاف ہو جائے گا۔ پاک نہیں ہوگا۔ صاف اور پاک میں بڑا فرق ہے۔[2]

ناپاک چھینٹے والے لوٹے کو پاک کرنا:

س: اگر لوٹے میں پانی رکھا ہوا ہو اور اس پر کسی نے چھینٹے مار دیئے ہوں۔ تو پاک کرنے کے لئے اگر تین مرتبہ لوٹے کی ٹونٹی سے پانی گرا دیا جائے تو پانی پاک ہو جائیگا یا پانی پھینک دیا جائے؟

ج: محض چھینٹے پڑنے سے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ البتہ اگر چھینٹے ناپاک ہوں تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اوپر سے اور پانی ڈال دیا جائے یہاں تک کہ ٹونٹی اور کناروں سے پانی بہہ نکلے۔ بس پاک ہو جائے گا۔[3]

جھوٹے کے احکام

ہر انسان کا جھوٹا پاک ہے:

س: کیا انسان کا جھوٹا پاک ہوتا ہے؟

ج: انسان کا جھوٹا پاک ہے۔

((الأدمی فهو طاهر وسؤره طاهر سواء كان مسلماً او كافرا))[4]

ترجمہ: آدمی پاک ہے اور اس کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ اس میں مسلمان اور کافر برابر ہیں۔

((سؤر الأدمی وما يؤكل لحمه طاهر ويدخل في هذا الجنب والحائض والكافر))[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۴۶ [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۹ [5] فصل فی الآسار۔

ترجمہ: آدمی کا جھوٹا اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے، پاک ہے۔ اس حکم میں جنبی، حائضہ اور کافر داخل ہوگا۔

س: کیا کافر کا جھوٹا بھی پاک ہوسکتا ہے۔ جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نجس فرمایا ہے۔ انما المشرکون نجس۔

ج: اگر کافر نے شراب یا کوئی اور حرام چیز کھائی یا پی ہوئی نہ ہو، تو اس کا جھوٹا بھی پاک ہوتا ہے۔

فرمایا: الادمی، فھوطاھر، وسورہ طاھر۔ سواء کان مسلماً او کافراً۔

آدمی کی ذات پاک ہے۔ لہٰذا اس کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ جیسا کے درمختار میں ہے۔

((فسؤر اٰدمی مطلقا ولو جنبا او کافرا)) (درمختار ج۱ص۱۶۳)

پس جھوٹا آدمی کا مطلقاً پاک ہے، اگرچہ وہ جنبی ہو یا کافر۔

انما المشرکون نجس۔ اس میں مشرک کو اعتقادی طور پر نجس کہا گیا ہے۔ بدنی طور پر ناپاک نہیں بشرطیکہ اس کے بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر کافر کنویں میں گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ (بحرالرائق۔ رد۔ ج۱ص۱۶۳)

صاحب بحر فرماتے ہیں۔ لافرق بین المسلم والکافر[1]

((سور الأدمی طاھر بالاتفاق سواء کان مسلماً او کافراً))[2]

حضور انور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا، اور باقی ایک اعرابی کو دیا، جو آپؐ کی داہنی جانب تھا، اس اعرابی نے دودھ پیا۔ اور باقی ماندہ اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیا۔ انہوں نے بھی پیا۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا جھوٹا پاک ہے۔ اور کافر کا پاک ہونا بھی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبیلہ ثقیف کا ایک وفد حاضر ہوا۔ جسے آپ نے مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا۔ حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے، اگر مشرک نجس عین ہوتا۔ تو حضور انور ﷺ ان لوگوں کو مسجد میں قیام کی اجازت نہ دیتے۔[4]

جنبی کا جھوٹا پاک ہے:

س: کیا جنابت کی وجہ سے آدمی ناپاک ہوتا ہے اور اس کا جھوٹ پاک ہوتا ہے یا ناپاک؟

ج: جس مرد یا عورت پر جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو، اس کا جسم اس طرح ناپاک نہیں ہوجاتا۔ کہ اس سے ملنا جلنا۔ بات کرنا۔ اس کے ساتھ کھانا پینا اور بیٹھنا اٹھنا بھی ناجائز ہوجائے۔ فرضیت غسل کی حالت میں نجاست حکمیہ پائی جاتی ہے

---

[1] بحرالرائق ج۱ص۱۲۶
[2] غنیۃ شرح منیہ ص۱۶۶
[3] بحرالرائق ج۱ص۱۲۷
[4] اشرف الہدایہ ج۱ص۱۷۲

اور نجاست حکمی کی وجہ سے اس کا لعاب اور پسینہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس سے ملنا جلنا منع ہوتا ہے۔

حدیث: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ اور مجھ پر جب غسل فرض (جنابت کی وجہ سے) ہوتا تھا۔ پہلے آپ غسل فرما لیتے اور اس سے پہلے کہ میں غسل کرتی آپ ﷺ میرے قرب سے گرمی حاصل فرماتے تھے اور میں آپ کو اپنے ساتھ چمٹا لیتی تھی۔[1]

حدیث: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ کی ایک زوجہ مکرمہ (حضرت میمونہؓ) نے ایک بڑے برتن سے غسل (جنابت کا) کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس پانی سے وضو یا غسل کرنے کو تشریف لائے، تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے غسل جنابت کی حاجت تھی۔ (یعنی میں نے اس پانی سے غسل جنابت کیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان الماء لا یجنب))[2]

پانی جنبی (یعنی پلید) نہیں ہوتا۔

حدیث: ایک روایت ہے۔

''ام المومنین سیدہ میمونہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے ایک ٹب میں سے غسل جنابت کیا۔ اور اس میں پانی بچ رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس باقی ماندہ پانی سے غسل کرنے لگے۔ تو میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس پانی سے میں نے غسل کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الماء لیس علیه جنابة))

پانی میں جنابت نہیں ہوتی۔

پھر آپ نے اس پانی سے غسل فرمایا۔[3]

اسی حدیث کی ایک روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:

((ان الماء لاینجسه شیء))[4]

حدیث: حضور انور ﷺ کی حضرت حذیفہ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تو حضرت حذیفہؓ نے اپنا ہاتھ سکیڑ لیا۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں جنبی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ترمذی ج۱ ص۱۷ کتاب الطهارت باب فی الرجل یستدفئ بالمرأة بعد الغسل

[2] ابوداود ج۱ ص۸ کتاب الطهارت، باب الماء لایجنب

[3] دار قطنی ج۲ ص۵۶، کتاب الطهارت، باب استعمال الرجل فضل وضوء المرأة، مسند امام احمد ج۱ ص۲۳۵

[4] مسند امام احمد ج۱ ص۲۸۴، ص۳۰۸

((ان المسلم لیس بنجس))[1]

مسلمان پلید نہیں ہوتا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے ایک راستہ میں ملے۔ اور میں اس وقت جنبی تھا، پس میں ایک طرف کھسک گیا اور غسل کر کے آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا میں جنبی تھا اور بلا طہارت آپ کے پاس بیٹھنا مجھے پسند نہ آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

((سبحان اللّٰہ۔ ان المسلم لاینجس))[2]

حائضہ کا جھوٹا پاک ہے:

س: کیا حیض والی عورت کا جھوٹا پاک ہوتا ہے یا نجس؟

ج: حیض والی عورت کا جسم اور لعاب پاک ہے۔

حدیث: اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں، میں ماہواری کے زمانہ میں برتن سے پانی وغیرہ پی کر رسول اللہ ﷺ کو دیتی تھی، آپ ﷺ برتن میں اسی جگہ منہ لگا کر پیتے تھے، جس جگہ میرا منہ لگا تھا۔

اسی طرح گوشت والی ہڈی کو میں منہ میں لے کر دانتوں سے گوشت چھڑا کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیتی، آپ اسی جگہ منہ مبارک لگا کر گوشت چھڑاتے، جہاں میں نے منہ لگایا تھا۔[3]

اگر حائضہ کا جھوٹا پاک نہ ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ اسے کبھی بھی استعمال نہ فرماتے۔

علامہ ابن قدامہ المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں۔

((کان رسول اللّٰہ ﷺ یشرب من سؤر عائشة وھی حائض۔ ویضع فاہ علی موضع فیھا۔ وتتعرق العرق۔ وھی حائض۔ فیاخذہ النبی ﷺ ویضع فاہ علی موضع فیھا۔ وکانت تغسل رأس رسول اللّٰہ ﷺ وھی حائض))[4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کا جھوٹا پانی نوش فرما لیتے تھے۔ جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں اور آپ اسی جگہ منہ مبارک رکھ کر پانی پیتے جہاں حضرت عائشہؓ نے منہ رکھ کر پیا ہوتا۔ حضرت عائشہؓ حیض کے ایام میں ہڈی سے گوشت نوچتیں اور پھر وہ ہڈی ان سے حضور انور ﷺ لے کر اسی جگہ منہ مبارک لگا کر گوشت نوچتے جہاں سے حضرت عائشہؓ نے نوچا ہوتا۔ اور حضرت عائشہؓ ایام حیض میں رسول اللہ ﷺ کا

---

[1] ابوداود ج ۱ ص ۲۳، کتاب الطهارت، باب فی الجنب یصافح

[2] بخاری ج ۱ ص باب عرق الجنب، مسلم ج ۱ ص باب الدلیل علی ان المسلم لاینجس ابو داود ج ۱ ص ۲۳

[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳، کتاب الحیض　[4] مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۲۸۱

سر مبارک دھولیا کرتی تھیں۔

امام نووی شرح مسلم "باب الاضطجاع مع الحائض" میں لکھتے ہیں۔

"علماء نے کہا ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ سونا، اور اس کا بوسہ لینا۔ اور اس کے ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کے حصے سے نفع اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔ اور اس کا ہاتھ بہنے والی چیز (پانی وغیرہ) میں رکھنا، مکروہ نہیں۔ اور حائضہ عورت کو اپنے شوہر یا دوسرے محرم مردوں کا سر دھونا اور کنگھی کرنا مکروہ نہیں۔ اور اُس کا پکایا ہوا کھانا اور گوندھا ہوا آٹا۔ اور اس کے علاوہ بنائی ہوئی دوسری چیزیں مکروہ نہیں۔

اور حائضہ عورت کا جھوٹا اور اس کا پسینہ پاک ہے، اور یہ سب باتیں متفق علیہ ہیں اور ان باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اس کے دلائل کتاب وسنت سے ظاہر اور مشہور ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے "ان المسلم لاینجس" جب آدمی کی طہارت (مسلم ہو یا کافر) ثابت ہوگئی، تو اس کا پسینہ، تھوک اور آنسو پاک ہیں۔ خواہ وہ بے وضو ہو۔ یا جنبی، یا حیض اور نفاس والی عورت ہو۔"[۱]

غیر محرم کا جھوٹا مکروہ ہے:

س: کیا عورت کے لئے غیر محرم مرد کا اور مرد کے لئے غیر محرم عورت کا جھوٹا کھانا پینا جائز ہے؟

ج: اجنبی یعنی غیر محرم کا جھوٹا اجنبی عورت کے لئے اور غیر محرم عورت کا جھوٹا مرد کے لئے مکروہ ہے۔ اور یہ کراہیت لذت گری کی وجہ سے ہے اور غیر کی رال کا استعمال جائز نہیں جیسا کہ المجتبیٰ میں ہے، اور یہ کراہت استلذاذ کی وجہ سے ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے۔[۲]

غیر مسلم کا جھوٹا پاک ہے:

س: کیا بھنگی وغیرہ غیر مسلم کا بدن اور جھوٹا پاک ہوتا ہے یا نجس؟

ج: اسلام کا مسلمہ اصول ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے۔ اور انسان کا جھوٹا پاک ہے، خواہ مسلم ہو یا کافر۔ اس اصول کے مطابق کسی انسان کے ہاتھ پاک ہوں اور کھانا بھی پاک ہو۔ خواہ غیر مسلم نے پکایا ہو۔ اور پاک برتن میں ہو۔ اور مسلمان اس کے ساتھ کھانا کھائے، تو اس میں کوئی اصولی غلطی نہیں ہے۔[۳]

غیر مسلم کے برتنوں کا استعمال:

س: غیر مسلم کے گھر کا کھانا اور جن برتنوں میں کھاتے پیتے ہیں، ان میں مسلمان کو کھانا پینا کیسا ہے؟

ج: اگر برتنوں اور پکانے والوں کی طہارت کا یقین نہ ہو، تو وہ کھانا قطعاً منع اور حرام ہے اور اگر عدم احتیاط کی وجہ شک

---

۱ مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۴۱ ۲ درمختار ج ۱ ص ۱۶۳ کتاب الطہارت باب فی السور۔
۳ کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۵۸

ہواور قرائن بھی ایسے پائے جاتے ہوں تو غیر مسلم کا کھانا کھانا مکروہ ہے۔اس سے بچنا بہتر ہے۔جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔

مشرکین کے برتنوں کو دھوئے بغیر ان میں کھانا پینا حرام ہے۔ کیونکہ غالب اور ظاہر یہ ہی ہے ان کے برتن نجس ہوتے ہیں، اور وہ شراب کو مباح سمجھتے ہیں، اور اپنی ہانڈیوں، گلاسوں اور برتنوں میں کھاتے ہیں، ایسے برتنوں کو دھوئے بغیر ان میں کھانا حرام ہے۔[1]

حدیث: ((روی ابو ثعلبة الخشني۔ قال قلت۔ یارسول اللّٰہ ﷺ انا بارض قوم اهل کتاب۔ افناکل فی أنیتهم۔ فقال رسول اللّٰہ ﷺ۔ ان وجدتم غیرها فلاتا کلوا فیها۔ وان لم تجدوا غیرها فاغسلوها وکُلوا فیها))[2]

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، ہم اہل کتاب کی بستی میں رہتے ہیں، تو کیا ہم ان کے برتن میں (جس میں حرام چیزیں بھی کھاتے ہوں گے) کھا سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر تمہیں اس کے سوا کوئی اور برتن مل سکے، تو اس میں نہ کھاؤ۔لیکن تمہیں کوئی دوسرا برتن نہ ملے تو ان کے برتن کو دھوکر اس میں کھا سکتے ہو۔

استنجا کا بیان

قضائے حاجت ایسی ضروریات میں سے ہے۔جس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں۔ بادشاہ ہو یا فقیر۔ ولی ہو یا فاسق مسلم ہو یا کافر، یہ ضرورت ہر کسی کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔لیکن اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے، جو قضائے حاجت کا صحیح طریقہ انسانوں کو سکھاتا ہے، سرور دو عالم ﷺ نے اس کے متعلق ایک ایک چیز تفصیل سے بتائی ہے، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست۔ جو دین اتنی معمولی سی چیز کے متعلق اس قدر تفصیل سے رہنمائی کرتا ہے، جسے دوسری تہذیبوں اور ادیان نے حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، تو دوسری اہم چیزوں کے متعلق کتنی تفصیلات ہوں گی۔

اسلام کی ان تعلیمات کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑا جائے، کیونکہ اتباع شریعت اور عمل کے لحاظ سے کوئی بھی چیز معمولی نہیں۔کفار کو جب اسلام میں کوئی عیب نظر نہ آیا تو اسی خوبی کو انہوں نے عیب کے انداز میں پیش کر کے اسلام کے خلاف کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔

چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر کفار کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔تو انہوں نے بڑی حقارت اور استہزاء کے ساتھ کہا۔

---

[1] مجموعۃ الفتاوی ج ا ص ۱۴۰ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۳ کتاب الذبائح، باب صید القوس، باب ماجاء فی التصید ص ۸۲۵، باب آنیۃ المجوس ص ۸۲۶ صحیح مسلم کتاب الصید ج ۲

((لقد علمکم نبیکم کل شیءٍ حتی الخراء ة))

ترجمہ: تمہارے نبی نے تمہیں سب کچھ سکھایا۔ یہاں تک کہ پاخانہ کرنا بھی سکھایا۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑی حکمت سے انہیں اسلام کی خوبی سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

((اجل لقد نہانا رسول اللّٰہ ﷺ ان نستقبل القبلة بغائط او بول وان لا نستنجی بالیمین، وان لا یستنجی احدنا بأقل من ثلاثة احجارٍ او یستنجی برجیع او بعظم))[1]

ترجمہ: کیوں نہیں! بیشک حضور ﷺ نے پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں۔ تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں۔ یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔

حدیث: ((عن ابی ہریرۃ قال۔ قال رسول اللّٰہ ﷺ انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اعلمکم اذا اتیتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ولا تستد بروھا۔ وامر بثلثة احجارٍ، ونھٰی عن الروث والرمة، ونھٰی ان یستطیب الرجل بیمینه))[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں تم لوگوں کے لئے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کے لئے۔ (یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور ان کو زندگی کے اصول وآداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے، اسی طرح تمہاری تعلیم وتربیت میرا کام ہے۔ اس لئے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ، تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھو، نہ اس کی طرف پشت (بلکہ اس طرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو اور نہ تمہاری پیٹھ)

(حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں) اور آپ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کا حکم دیا۔ اور منع فرمایا کہ لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔

حدیث: ((عن سلمانؓ قال قیل له قد علمکم نبیکم کل شیءٍ، حتیٰ الخراء ة۔ قال فقال اجل۔ لقد نہانا ان نستقبل القبلة لغائط اوبول۔ او ان نستنجی بالیمین۔ اوان نستنجی باقل من ثلثة احجار۔ او ان نستنجی برجیع او بعظم))[3]

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے۔ بیان فرماتے ہیں۔ کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا۔ کہ تمہارے پیغمبر نے تو تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک

---

[1] سنن ابوداؤد ج ۱ ص ترمذی ج ۱ ص ۳
[2] سنن دارمی ج ۱ ص ۱۳۸ باب الاستنجاء بالاحجار سنن ابن ماجہ ص ۲۷
[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۰ باب الاستطابۃ

کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی۔

حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا، ہاں بیشک! (انہوں نے ہمیں سب ہی کچھ سکھایا ہے، اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں، چنانچہ) انہوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا کہ پاخانہ پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں، یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں، یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں، یا یہ کہ ہم استنجاء کریں (اونٹ، گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے۔

توضیح:

ان ارشادات نبوی میں چار ہدایات دی گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ، یہ قبلے کے ادب واحترام کا تقاضہ ہے، ہر مہذب آدمی جس کو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا کچھ شعور واحساس ہو۔ پیشاب یا پاخانے کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بے ادبی اور گنوار پن سمجھتا ہے۔

(۲) دوسری ہدایت آپ نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور پر کھانے پینے، لکھنے پڑھنے، لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے، اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ صلاحیت اور خاص فوقیت بخشی ہے۔ اس کو استنجے کی گندگی کی صفائی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور واحساس ہے۔ اپنے بچوں کو یہ بات سکھانی ضروری سمجھتا ہے۔

(۳) تیسری ہدایت آپ نے یہ دی ہے کہ استنجے میں صفائی کے لیے کم از کم تین پتھر استعمال کرنا چاہئیں کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی، پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اس کو صفائی کے لئے تین سے زیادہ پتھر یا ڈھیلوں کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ احادیث میں استنجے کے لئے خاص پتھر کا ذکر اس لئے آیا کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اس طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جاسکتا ہے، جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کا استعمال اس کام کے لئے نامناسب نہ ہو۔

(۴) چوتھی ہدایت آپ نے اس سلسلہ میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی ہڈی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجاء نہ کیا جائے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجاء کرلیا کرتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرما دیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجاء کرنا سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوار پن کی بات ہے۔[1]

---

[1] معارف الحدیث ج ۳ ص ۳۲ کتاب الطہارت۔

استنجاء کے آداب:

۱- اگر مخرج سے نجاست نکل کر ادھر اُدھر نہ لگی ہو تو پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے۔

۲- اگر مخرج سے ناپاکی نکل کر ادھر اُدھر لگی ہو۔ لیکن ایک درہم کی مقدار سے کم ہو۔ تو پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے۔

۳- اگر مقدار ایک درہم سے نجاست بڑھ گئی۔ تو پانی سے استنجاء کرنا واجب ہے۔

۴- صحراء جنگل یا دیہاتی ماحول میں قضائے حاجت کے لیے دور جانا چاہیے تاکہ لوگوں کو بدبو یا آواز نہ آئے۔

حدیث: ((عن مغيرة بن شعبة۔ ان النبی ﷺ كان اذا ذهب المذهب ابعد))[۱]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو دور جایا کرتے تھے۔

حدیث: ((عن جابر بن عبدالله۔ ان النبی ﷺ كان اذا اراد البراز انطلق حتى لايراه احد))[۲]

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ قضائے حاجت کے لئے اتنی دور تشریف لے جاتے کہ آپ کو کوئی نہ دیکھ سکے۔

۲- ایسی نرم جگہ پیشاب کیا جائے۔ جہاں چھینٹیں نہ اڑیں۔ اور بدن یا کپڑے ناپاک نہ ہوں۔

حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا، تو ایک دیوار کے سامنے نرم زمین پر پیشاب فرمایا۔ اور آپ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرے۔[۳]

۳- انگوٹھی، کاغذ، لاکٹ وغیرہ جس پر بھی اللہ کا پاک نام یا حضور ﷺ کا اسم گرامی یا کوئی قرآنی آیت لکھی ہوئی ہو تو اسے بیت الخلاء میں نہ لے جائے۔ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اتار دینا چاہیے۔

حدیث: ((عن انس۔ قال۔ كان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء نزع خاتمه))[۴]

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔

آپ اس لئے انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ کہ اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔[۵]

حدیث: ((عن عكرمة قال كان ابن عباس اذا دخل الخلاء ناولنی خاتمه))[۶]

ترجمہ: حضرت عکرمہ کہتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی

---

۱ ابوداؤد ج ۱ ص ۲ ترمذی ج ۱ ص ۵ ۲ ابوداؤد ج ۱ ص ۲ ۳ ابوداؤد ج ۱ ص ۲

۴ ابوداؤد ج ۱ ص ۳ ۵ بخاری ج ۲ ص ۸۷۲ کتاب اللباس ۶ ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۶

انگوٹھی مجھے دے دیتے تھے۔

حدیث:((عن مجاهد انه كان يكره للانسان ان يدخل الكنيف وعليه خاتم فيه اسم الله))[۱]

ترجمہ: حضرت مجاہد کے متعلق منقول ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے، کہ کوئی شخص بیت الخلاء میں داخل ہواور اس نے ایسی انگوٹھی پہنی ہوئی ہو جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہو۔

۴- بیت الخلاء میں بائیں پاؤں سے داخل ہو۔اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔

حدیث: ((اللهم انى اعوذبك من الخبث والخبائث))[۲]

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں نر اور مادہ شیاطین ہے۔

حدیث: ((عن انس قال: كان النبى ﷺ اذا دخل الخلاء قال: اللهم انى اعوذبك من الخبث والخبائث))[۳]

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! میں نرومادہ شیاطین سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۵- بیت الخلاء سے نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں باہر رکھے۔اور باہر نکل کر یہ دعا پڑھے:

حدیث: ((غفرانك))[۴]

اے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور یہ دعا بھی پڑھے۔

حدیث: ((الحمد لله الذى اذهب عنى الاذى وعافانى))[۵]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیا۔ اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔

حدیث: ((بسم الله، اعوذ بالله من الخبث والخبائث))[۶]

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ۔ میں نرومادہ شیاطین سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حدیث: ((عن على قال: قال رسول الله ﷺ ستر مابين الجن وعورات بنى أدم اذا دخل الكنيف ان يقول: بسم الله))[۷]

---

۱ ابن ابی شیبہ ج۱ص۱۳۶ ۲ بخاری ج۲ص۹۳۶

۳ صحیح بخاری ج۱ص۲۶ مسلم ج۱ص۱۶۳ ترمذی ج۱ص۳ ۴ ابوداؤد ج۱ص۲ ترمذی ج۱ص۳

۵ ابن ماجہ ۶ مغنی ابن قدامہ ج۱ص۲۲۸

۷ ترمذی کتاب الجمعۃ باب ما ذكر من التسمية عند دخول الخلاء بحواله مغنى ابن قدامه ج ۱ ص۲۲۸

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنات اور انسانوں کی شرمگاہ کے درمیان پردہ۔ جب بیت الخلاء میں داخل ہو، تو کہے۔ بسم اللہ۔

۶- پیشاب، پاخانہ اور استنجاء کرتے وقت زمین کے قریب ہو کر کپڑا اُٹھانا چاہئے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے، تو زمین کے بالکل قریب ہو کر کپڑا اٹھاتے تھے۔[۱]

۷- طہارت والی جگہ (جہاں غسل کرنا ہو) پیشاب نہیں کرنا چاہئے، اس سے وساوس پیدا ہوتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ (نہانے کی جگہ) میں پیشاب نہ کرے کہ پھر وہ اس میں غسل کرے گا یا وضو کرے گا۔ کیونکہ عام وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔[۲]

۸- پیشاب پاخانہ کرتے وقت بات چیت کرنا مکروہ تحریمی ہے اور گناہ ہے۔ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۴۹)

حدیث: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دو آدمی باہر نکل کر رفع حاجت کرتے ہوئے، اپنا پردہ کھولے ہوئے، آپس میں باتیں نہ کریں۔ کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔[۳]

۹- بلا عذر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت ابو قتادۃؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے۔[۴]

۱۰- راستہ میں یا سایہ والی جگہ اور پھلدار درخت کے نیچے بول و براز کرنا مکروہ ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دو لعنت والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا۔ حضور! وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جو لوگوں کے راستہ میں یا ان کے سایہ والی جگہ میں پاخانہ کرتے ہیں۔[۵]

۱۱- پیشاب کرتے وقت یہ احتیاط بیحد ضروری ہے۔ چھینٹیں بدن یا کپڑے پر نہ لگنے پائیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه))[۶]

ترجمہ: پیشاب (کی چھینٹوں) سے بچو۔ کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۱۲- استنجاء کے بعد مٹی مل کر ہاتھ صاف کرنا چاہئے یا صابن وغیرہ سے صاف کر لیں۔

---

[۱] ابوداؤد ج ۱ ص ۳ [۲] ابوداؤد ج ۱ ص ۵ [۳] ابوداؤد ج ۱ ص ۳ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۵۷

[۴] بخاری ج ۱ ص ۲۷، مسلم ج ۱ ص ۱۳۱ [۵] مسلم ج ۱ ص ۱۳۲ [۶] دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۸

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استنجاء کیا۔

((ثم مسح یده علی الارض))[1]

پھر آپ نے ہاتھ کو زمین پر ملا۔

حدیث: ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے استنجاء کیا۔

((ثم ضرب بشماله الارض فد لکها دلکا شدیداً))[2]

ترجمہ: پھر آپؐ نے ہاتھ کو زمین پر اچھی طرح مل کر صاف کیا۔

قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا بھی ممنوع ہے:

س: ایک شخص نے اپنے مکان میں نیا 'فلش' لگایا ہے، جس میں حاجت کے لئے بیٹھتے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔ کرایہ دار کا اصرار ہے کہ یہ طریق غلط ہے، اور اس کے بیٹھنے کے رُخ کو بدل دیجئے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ شرعاً اگر یہ ناجائز ہے تو گنجائش کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

ج: کرایہ دار کا اصرار درست ہے۔ بیت الخلاء کا رُخ بدل دینا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

((اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستد بروها))(بخاری ومسلم)

ترجمہ: جب پاخانہ میں جاؤ (اور حاجت کے لئے بیٹھو) تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ۔

اور فقہائے کرام فرماتے ہیں۔

((ویکره تحریماً استقبال القبلة واستدبارها، ولو فی البنیان))

(نور الایضاح ص ۳۰ الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۶)

ترجمہ: پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ آبادی سے باہر ہو یا آبادی اور عمارت کے اندر۔

لہٰذا جب تک رُخ نہ بدلا جائے، تو جہاں تک ممکن ہو قبلہ کی طرف سے مڑ کر بیٹھے۔[3]

قطب تارے کی طرف منہ کرنا:

س: قطب تارے کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: قطب تارے کی طرف منہ کر کے پیشاب پاخانہ کرنا درست ہے۔ کیونکہ یہ حکم کعبہ شریف کے لئے ہے۔ کہ اس کی طرف حاجت کے وقت استقبال واستدبار نہ ہو۔[4]

---

۱ ابوداؤد ج ۱ ص ۷ ۲ مسلم ج ۱ ص ۱۴۷ ۳ فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۱۲

۴ فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۷۷

صرف ڈھیلے سے استنجاء:

س: پیشاب پاخانہ کرنے کے بعد ڈھیلے سے صاف کرنے کے بعد پانی سے نہ دھویا اور بغیر دھوئے وضو کرکے نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

ج: اگر پیشاب مخرج سے تجاوز کر گیا اور زائد کی مقدار ایک درہم (قطر=۱ء۱انچ=۵ء۷۵ء۲سینٹی میٹر اور کل پیائش ۹۵ء۱۰ انچ= ۹۴ء۵سینٹی میٹر) سے زائد نہیں ہوئی، تو بغیر دھوئے صرف ڈھیلا استعمال کر لینے سے نماز ہو جائے گی۔ اور پاخانہ کا حکم یہ ہے کہ پتھر سے استنجا کرنے کے بعد اگر مخرج سے متجاوز نجاست کا وزن ایک مثقال (۵ ماشہ =۸۶ء۴ گرام) یا اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی۔ اگرچہ پھیلاؤ میں ایک درہم سے بھی زیادہ ہو۔

((قال فی العلائیة۔ (ویجب) ای۔ یفرض غسله (ان جاوز المخرج (نجس) مانع ویعتبر القدر المانع لصلاة فیماوراء موضع الاستنجاء لان ماعلی المخرج ساقط شرعاً، ولهذا لاتکره الصلٰوة معه)) (وفی ردالمحتار)

(قوله و لهذا الخ) استدلال علی سقوط اعتبار ماعلی المخرج وفیه ان ترك غسل ماعلی المخرج انما لایکره بعد الاستجمار، کما عرفته لامطلقاً (ردالمحتار ج١ص ٣١٤)

((وفی انجاس التنویر۔ وعفی عن قدر درهم وهو مثقال فی کثیف وفی الشامیة، ان قدر الدرهم من الکثیفة لوکان منبسطاً فی اکثر من عرض الکف لایمنع کما ذکر سیدی عبدالغنی)) (ردالمحتار ج۱ص۲۹۳) [1]

س: ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ لیکن اگر نجاست ہتھیلی کے گہراؤ یعنی روپے سے زیادہ پھیل جائے، تو ایسے وقت میں پانی سے دھونا واجب ہے، بغیر دھوئے نماز نہ ہوگی۔ اور اگر نجاست پھیلی نہ ہو تو فقط ڈھیلے سے پاک کرکے بھی نماز درست ہے۔ لیکن سنت کے خلاف ہے (بہشتی زیور ج ۲ص ۸)

کیا یہ درست ہے کہ صرف ڈھیلے سے استنجاء سنت کے خلاف ہے؟

ج: یعنی کمال سنت افضل کے خلاف ہے۔ اور نفس سنت ڈھیلوں کے استعمال سے بھی ادا ہو جائے گی۔

((قال فی الشامی ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل۔ ویلیه فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیه الا قتصار علی الحجر وتحصل السنة بالکل وان تفاوت الفضل کماافاده فی الامداد)) [2]

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ص ۱۰۷

[2] خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۷۶

صرف پانی سے استنجاء:

س: اگر بول براز کے بعد طہارت کے لئے کسی نے فقط پانی پر اکتفاء کیا اور ڈھیلے نہ لئے، تو اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

ج: صحیح ہے۔ کفایہ میں ہے۔

((ثم الاستنجاء بالا حجار سنة مؤكدة عندنا۔ حتیٰ لوتركه وصلى بغير استنجاء اجزأته صلٰوته۔ وقال الشافعي۔ بانها فريضة لوترك بالا حجار وبما يقوم مقامه لم تجز صلٰوته))

((والمسألة اخرى وهوان النجاسة اذا كانت على قدر الدرهم اواقل هل تفرض ازالتها بجواز الصلٰوة اولا، فعند نالا تفرض وعنده تفرض كمالو كانت هذه النجاسة على موضع أخر الا ان في هذا الموضع يطهر بالحجر والمدر۔ وفي سائر المواضع لايطهر الابالماء))

ترجمہ: پھر پتھر سے استنجاء کرنا ہمارے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، حتیٰ کہ اگر اُس نے چھوڑ دیا اور بلا استنجاء نماز پڑھی تو نماز جائز ہو جائے گی۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ فرض ہے۔ اگر پتھروں یا اُس کے قائم مقام چیزوں سے استنجاء نہیں کیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔

اور یہ مسئلہ دوسرے مسئلہ کی فرع ہے۔ اور وہ یہ کہ نجاست جب بقدر درہم کے یا اُس سے کم ہو، تو جواز نماز کے لئے اُس کا دفع کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ تو ہمارے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ اور اُن کے نزدیک ضروری ہے۔

جیسا کہ یہ نجاست اگر کسی دوسری جگہ ہو۔ مگر یہ کہ اس جگہ پتھر اور ڈھیلے سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور دوسری جگہوں میں صرف پانی سے۔

اور درمختار میں ہے۔

((ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر، وتحصل السنة بالكل۔ وان تفاوت الفضل۔ كما افاده في للمداد وغيره))

ترجمہ: پھر جاننا چاہئے کہ پانی اور پتھر دونوں سے استنجا زائد افضل ہے۔ اور اس کے بعد صرف پانی سے اُس کے بعد صرف پتھر سے۔ اور سنت سب سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر چہ فضل میں تفاوت ہے۔ ایسا ہی امداد وغیرہ کتب میں ہے۔[1]

س: پیشاب کے بعد جس نے صرف پانی سے استنجاء کیا اور ڈھیلے وغیرہ نہ لئے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج: پیشاب کے بعد ڈھیلے لینا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت۔ رسائل الارکان میں ہے۔

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۰

((ولیس ان یستنجی للبول و الغائط بالحجر))

پیشاب اور پاخانے کے لئے پتھر سے استنجاء کرنا مسنون ہے اور ڈھیلے اور پانی کو جمع کرنا افضل اور اعلیٰ مرتبہ ہے، پس اگر کسی نے پانی ہی پر اکتفا کیا اور دفع نجاست کا تیقن اس کو ہوگیا۔ تو طہارت حاصل ہو جائے گی۔

((فان الماء قانع للنجاسة، کذا فی البحر الرائق))

ترجمہ: کیونکہ پانی نجاست کو دور کرتا ہے، اور ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔ لہٰذا اُس کی اقتدا جائز ہے۔[1]

اور شامی میں بنحو حجر کے ذیل میں یہ لکھا ہے۔ کہ کپڑا ہو یا ڈھیلہ سب برابر ہے۔ اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اگر صرف پانی سے استنجاء کیا جاوے تو سنت ادا ہو جاوے گی۔ مگر افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے یعنی ڈھیلے یا کپڑے وغیرہ سے استنجاء کر کے پانی سے پاک کرے۔

((ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل)) (ردالمحتار ج۱ص۳۱۳)[2]

استنجاء کے بعد ہاتھ دھونا:

س: استنجاء کر لینے کے بعد ہاتھوں کو دوبارہ دھونا چاہئے یا نہ۔ اگر نہ دھویا جائے تو کیا حرج ہے؟

ج: اگر غلبہ ظن ہو کہ ہاتھ بھی صاف ہو گئے ہیں اور بدبو وغیرہ بھی ختم ہوگئی ہے۔ تو دھونا مزید نظافت کے لئے مسنون ہے۔ ورنہ ضروری نہیں۔

((ومع طهارة المغسول تطهر الید، ویشترط ازالة الرائحة عنها وعن المخرج))

(درمختار علی الشامی ج۱ص۲۳۰)

((ویغسل یده بعد الاستنجاء۔ کمایکون یغسلها قبله۔ لیکون انقٰی وانظف، وقدروی عن النبی ﷺ غسل یده بعد الاستنجاء وذلك یده علی الحائط۔ کذالك فی التنجیس))

(عالمگیری ج۱ص۲۵)[3]

چھوٹے بچوں کے لئے استقبال قبلہ:

س: کیا قضاء حاجت کے وقت چھوٹے بچوں کے لئے بھی استقبال اور استدبار قبلہ کا کوئی حکم ہے؟

ج: والدہ یا جو انہیں قضائے حاجت کرائے اسے حکم ہے کہ وہ اسے قبلہ رو یا مستد بر قبلہ لے کر نہ بیٹھے۔

((و کذا یکره للمرأة امساك صغیر لبول اوغائط نحو القبلة)) (درمختار)

(قوله امساك صغیر) هذا الکراهة تحریمیة۔ لانه قدوجد الفعل من المرأة (شامی ج۱ص۲۵۱)[4]

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ ج۱ص۱۵۰ [2] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص۳۷۴

[3] خیر الفتاوی ج۲ص۱۷۹ [4] خیر الفتاوی ج۲ص۱۸۰

س: مذہب اہل تسنن میں چھوٹے اور بڑے استنجے کی صفائی اول ڈلوں سے کیوں ہوئی ہے، آیا یہ طریقہ معمول ہے یا کسی حدیث کے موافق ہے۔مہربانی فرما کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں؟

ج: **فی نیل الاوطار باب وجوب الاستنجاء بالحجر او الماء۔**

((عن عائشةؓ ان رسول اللہﷺ قال اذا ذهب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلثة احجار، فانها تجزئ عنه۔ رواه احمدو النسائی، و ابو داود و الدار قطنی۔ وقال اسناد صحیح حسن))

((قال المصنف وهو دلیل لمن قال بکفایة الاحجار، وعدم وجوب الاستنجاء بالماء))[1]

اس حدیث سے بعض احوال میں صرف کلوخ لینے پر اکتفا کرنے کا جواز ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جب پانی نہ لیا اور موضع پیشاب کا نجس ہوا ہی تھا، جس کا پاک کرنا دلائل شرعیہ سے واجب ہے۔ **کقوله علیه السلام استنزهوا من البول۔** تو بجز کلوخ اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے۔

اس سے چھوٹا استنجاء کلوخ سے صاف ثابت ہوا۔ اور بڑا استنجاء تو اصل غرض ہی ہے کلوخ لینے سے۔ پس دونوں مدعا ثابت ہوگئے۔ اور اس کے بعد پانی لینے کی اولویت دوسری احادیث میں منصوص ہے۔[2]

عورتوں کو ڈھیلے سے استنجاء کرنا:

س: ڈھیلے سے استنجاء پیشاب و پاخانہ کی جگہ پر جس طرح مردوں کو ضروری ہے، اسی طرح سے عورتوں کو بھی ضروری ہے؟

ج: ڈھیلے وغیرہ کے ساتھ استنجاء کرنا عورتوں کو بھی ایسا ہی مستحب ہے، جیسا کہ مردوں کو۔ شامی میں ہے۔

((قلت بل صرح فی الغزنویة بانها تفعل کما یفعل الرجل الافی الاستبراء فانها لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول و الغائط تصبر ساعة لطیفة ثم تمسح قبلها و دبرها بالا حجار ثم تستنجی بالماء)) (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۱۹)

س: زید نے پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجاء سکھایا۔ لیکن پانی سے استنجاء کرنا یاد نہ رہا اور نماز پڑھ لی، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا اعادہ واجب ہے؟

ج: اگر مخرج پر پیشاب مقدار درہم یا اس سے کم لگا ہے تو نماز ہوگئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر نجاست مقدار درہم سے زیادہ لگی ہوئی ہے، تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اعادہ کیا جائے گا۔

((وان تجاوز المخرج و کان المتجاوز قدر درهم لایسمی استنجاء وجب ازالته بالماء۔ فلا یکفی الحجر بمسحه)) (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص ۲۷)[3]

---

[1] نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۸ [2] امداد الفتاوی ج ۱ ص ۸۹، ۹۰

[3] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۷۷

ٹشو پیپر کا استعمال:

س: کیا پیشاب خشک کرنے کے لئے یا دوسری نجاست کو صاف کرنے کے لئے ڈھیلوں کی جگہ آج کل بازار میں عام طور پر Toilet Tissue Paper کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جائز ہے؟ اگر کاغذ کے استعمال کے بعد پانی سے صفائی کر لی جائے، تو صفائی مکمل ہوگی یا نہیں؟

ج: جو کاغذ اسی مقصد کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال درست ہے۔ اور اس سے صفائی ہو جائے گی۔[1]

س: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ کاغذ سے استنجاء کرتے ہیں۔ جو کہ مخصوص ہوتا ہے استنجاء کے لئے، یہ از روئے فقہ کیسا ہے؟

ج: یہ کاغذ اگر لکھنے کے قابل نہیں صرف استنجاء کے لئے بنائے جاتے ہیں، تو ان سے استنجاء جائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ کاغذ کا احترام آلہ علم ہونے کی وجہ سے ہے۔[2]

ج: اگر یہ کاغذ کلوخ (مٹی کے ڈھیلوں) کی طرح جاذب ہوتے ہیں، تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو کلوخ کا ہے کہ اگر مبرز سے ادھر اُدھر پیشاب نہیں پھیلا ہے۔ یا پھیلا ہے مگر اٹھنی کی مقدار کے اندر ہی پھیلا ہے۔ تو اس (کاغذ) کے استعمال سے محض وضو کر کے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ورنہ پانی سے بھی طہارت حاصل کرنا ضروری رہے گا۔[3]

بعذر دائیں ہاتھ سے استنجاء:

س: ایک شخص بوجہ مرض فالج بایاں ہاتھ کسی کام میں نہیں لاسکتا تو وہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء وطہارت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور جب یہ ممکن نہ ہو تو کیا محض ڈھیلے پر اکتفا کرسکتا ہے۔ اور ڈھیلے کے استعمال کے بعد مزید صفائی اور کپڑوں کو دھبہ سے بچانے کے لئے کسی کپڑے یا اور شے سے طہارت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

اگر سفر میں ڈھیلا دستیاب نہ ہو تو ایک خاص قسم کا کاغذ جو انگریز اس کام میں لاتے ہیں اور ڈاکٹری اجزاء سے بنا ہے۔ اس کا استعمال بدرجہ اشد مجبوری کرنا کیسا ہے؟

ج: وہ شخص اپنے دائیں ہاتھ سے طہارت کرسکتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ڈھیلے پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، اور کپڑے سے بھی صاف کرسکتا ہے۔ اور بدرجہ مجبوری وسفر وغیرہ کاغذ مذکور سے بھی صفائی کرنا درست ہے۔

درمختار میں ہے،

((کرہ تحریما بعظم الخ۔ ویمین ولا عذر بیسراہ فلو مشلولة ولم یجد ماءً جاریا ولا صابا ترك الماء))[4]

استنجاء سے عاجز کا حکم:

س: ایک مریضہ جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے، وضو کے وقت پانی کسی دوسرے انسان سے ڈلواتی ہے۔ البتہ اعضاء

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۴۶۹
[2] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۷۶
[3] نظام الفتاوی ج ۱ ص ۲۳
[4] فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۳۷۹

وضو کو اپنے ہاتھوں سے دھو سکتی ہے۔ مگر استنجاء کرتے وقت بہت تکلیف برداشت کرتی ہے، باقاعدہ دوسرا انسان اس کو اپنی جگہ سے اٹھا کر لے جاتا ہے، پھر تکلیف کے ساتھ مریضہ خود استنجاء کرتی ہے۔ یا چارپائی کے نیچے کوئی برتن رکھ کر استنجاء کراتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مریضہ کے لئے استنجاء معاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ مندرجہ ذیل عبارت سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی آپ حضرات کی فہم وفراست اور چیز ہے۔

((فی الشامیة (کمریض الخ) فی التاتا رخانیة والرجل المریض اذالم تکن له امرأة ولا امة، وله ابن اواخ۔ وھو لایقدر علی الوضوء۔ قال یتوضأه ابنه اواخوه غیر الاستنجاء۔ فانه لایمس فرجه ویسقط عنه))

((والمرأة المریضة اذا لم یکن لهازوج، وھی لاتقدر علی الوضوء لها بنت اواخت تتوضئها ویسقط عنها الاستنجاء ا ه))

((ولا یخفیٰ ان ھذا التفصیل یجری فیمن شلت یداه۔ لانه فی حکم المریض

(شامیہ فصل الاستنجاء ج ا ص ۲۵۰)

((وفی العالمکیریه ولو شلت یده الیسری ولا یقدر ان یستنجی بها۔ ان لم یجد من یصیب الماء لا یستنجی، وان قدر علی الماء الجاری۔ یسنجی بیمینه، کذا فی الخلاصه))

(عالمگیریہ ج ا ص ۳۹ باب الاستنجاء)

گذارش یہ ہے کہ مذکورہ عبارات سے استنجاء کا معاف ہونا اس وقت معلوم ہوتا ہے، جبکہ قدرت علی استنجاء نہ ہو، اور ہاتھ شل ہو۔ نیز کوئی غیر بھی نہ ہو جس سے پانی ڈلوائے، مگر ہمارا کیا فہم ہے۔ اس لئے اپنی رائے گرامی سے واضح طور پر مطلع فرما کر مسئلہ کا صحیح حکم تحریر فرمائیں۔

ج: آپ کا خیال صحیح ہے۔ اس صورت میں استنجاء معاف نہیں۔ البتہ اگر دونوں ہاتھ شل ہوں یا ایک ہاتھ شل ہے مگر پانی ڈالنے والا نہیں اور جاری پانی بھی نہیں۔ جس میں بیٹھ کر صحیح ہاتھ سے استنجاء کر سکے، اور عورت کا شوہر یا مرد کی بیوی بھی نہیں کہ استنجاء کرائے تو استنجاء معاف ہے۔[1]

میت کا استنجاء:

س: میت کا استنجاء ڈھیلے اور پانی دونوں سے کیا جائے یا کیا؟ میں نے کتاب "جواہر نفیس" میں دیکھا ہے کہ استنجاء کرنا میت کا ڈھیلے سے مکروہ ہے اور میت کا استنجاء پانی سے کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک استنجاء میت کا خواہ ڈھیلے

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۸، ص ۱۰۹

سے خواہ پانی سے مکروہ ہے۔ اور طرفین کے نزدیک استنجاء میت کا پانی سے جائز ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: کتب فقہ میں تصریح ہے کہ استنجاء میں جمع کرنا ڈھیلے اور پانی کا سنت ہے۔ اور یہی افضل ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے۔

((فكان الجمع سنة على الاطلاق في كل زمان، وهو الصحيح وعليه الفتوى)) (ردالمحتار ج۱ص۳۱۳) پھر آگے لکھا ہے۔

((ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل۔ ويليه في الفضل الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر، وتحصل السنة بالكل)) (شامی فصل فی الاستنجاء)

پس جب کہ طرفین کے نزدیک استنجاء میت کا سنت ہے تو حسب تصریح شامی مطلقاً جمع کرنا پانی اور ڈھیلے کا افضل ہے اور سنت ہے علی الاطلاق۔ لہٰذا مکروہ کہنا استنجاء میت کا ڈھیلے سے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔[1]

گھاس وغیرہ سے استنجاء:

س: اگر کسی کھیت میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھیں تو گھاس یا کپاس وغیرہ کے پتے ڈھیلے کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: درختوں کے پتوں اور گھاس سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔

((والورق قيل انه ورق الكتابة۔ وقيل انه ورق الشجر واى ذلك كان فانه مكروه))

(بحرالرائق ج۱ص۲۵۵)[2]

کاغذ پر بول و براز:

س: بمبئی میں عام رواج ہے کہ والدہ چھوٹے بچے کو کاغذ بچھا کر پیشاب پاخانہ کے لئے بٹھاتی ہے، تو اس پر پیشاب پاخانہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سادہ کاغذ پر بول و براز کرانا کیسا ہے؟

ج: مذکورہ رواج غلط ہے۔ اس کا ترک ضروری ہے۔ کاغذ لکھا ہوا ہو یا کورا ہر صورت اس پر پیشاب وغیرہ ممنوع ہے، کہ کاغذ حصول علم کا ذریعہ ہے۔ اس بنا پر قابل احترام ہے۔

((وكذا ورق الكتابة لصقالته وتقومه وله احترام ايضاً لكونه آلة الكتابة العلم ولذ اعلله في التاتار خانية۔ بانه تعظيمه من ادب الدين الخ))

ترجمہ: جو حال درخت کے پتوں کا ہے وہی حال کاغذ کا ہے۔ یعنی کاغذ کا بھی پتوں کی طرح چکنا ہے۔ (نجاست دور نہ کرے گا۔ بلکہ اور بھی پھیلائے گا) اور قیمتی بھی ہے۔ اور شریعت میں اس کی حرمت بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ علم کا آلہ ہے۔ (شامی ج۱ص۳۱۵)[3]

---

[1] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص۳۸۱ [2] خیر الفتاوی ج۲ص۱۸۰ [3] فتاوی رحیمیہ ج۳ص۱۳

بیت الخلاء میں کلمہ پڑھنا ممنوع ہے:

س: بیت الخلاء میں استنجے کے وقت بھی کلمہ طیبہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

ج: بیت الخلاء میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں۔[1]

س: اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے دعا اور بائیں پاؤں داخل کرنا بھول جائے تو اندر جا کر کیا کرے؟

ج: زبان سے دعا نہ پڑھے دل میں پڑھ لے۔[2]

لفظ ''اللہ'' والا لاکٹ:

س: ایسے لاکٹ جن پر لفظ ''اللہ'' کندہ ہوا ہے ہر وقت گلے میں پہنے رہنا اور پہن کر باتھ روم وغیرہ میں جانا جائز ہے یا نہیں کیا اس طرح خدائے بزرگ و برتر کے نام کی بے ادبی نہیں ہوتی؟

ج: بیت الخلاء میں جانے سے پہلے انہیں اتار دینا چاہئے۔[3]

میدان میں قضائے حاجت کے وقت دعا:

س: شہروں میں تو بیت الخلاء ہوتے ہیں مگر دیہات میں نہیں ہوتے، تو دیہات میں کھلی جگہ قضائے حاجت کے لئے جائے تو دعا پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

ج: بیت الخلاء میں قدم رکھنے سے پہلے اور جنگل میں ستر کھولنے سے پہلے دعا پڑھی جائے۔[4]

وضو کا بیان

وضو کی فرضیت:

وضو بارگاہ خداوندی میں حاضری دینے اور نماز پڑھنے کا لازمی ادب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یا ایها الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلٰوة فاغسلوا وجوهكم وایدیكم الی المرافق وامسحوا برء وسكم وارجلكم الی الكعبین ﴾[5]

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھولیا کرو اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں کو دھولیا کرو۔

۱- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وضو کرے۔[6]

۲- حدیث: آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی۔[7]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۰ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۸۰
[4] ایضاً۔ [5] المائدہ: ۵ [6] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۹ [7] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۹

۳- حدیث: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، نماز جنت کی کنجی ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔[۱]

فضائل وضو:

۴- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے اچھی طرح وضو کیا، اس کے گناہ بدن سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ناخن کے نیچے سے بھی کوئی گناہ ہوا ہو تو وہ بھی ختم ہو جائیگا۔[۲]

۵- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کی اجازت ملے گی۔ اور میں سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں گا۔ میری نگاہ سامنے اُٹھے گی اور میں تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ اسی طرح دائیں، بائیں اور پیچھے ہر سمت سے اپنے امتیوں کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ حضرت نوحؑ سے لے کر آپ تک تمام نبیوں کی امتوں میں آپ اپنی امت کو کس طرح پہچان لیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ میری امت کا امتیازی نشان یہ ہوگا کہ ان کے وضو کے اعضاء روشن ہوں گے اور یہ اعزاز صرف ان ہی کو حاصل ہوگا اور اسی سے میں انہیں پہچان لوں گا۔[۳]

۶- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے اچھی طرح وضو کیا اس کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کا مسجد کی طرف چل کر جانے اور نماز پڑھنے کا ثواب الگ ہوگا۔[۴] اس کے دو نمازوں کے درمیان کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔ اور اس کی پانچوں نمازیں گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی۔

مسئلہ: امام نووی فرماتے ہیں جس آدمی کے صغیرہ گناہ نہ ہوں، کبیرہ گناہ ہوں، امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں کمی کر دیں گے۔ اور جو خوش نصیب صغیرہ وکبیرہ سے پاک ہو، اس کی نیکیوں میں اضافہ اور درجات کو بلند کر دیا جاتا ہے۔[۵]

۷- حدیث: رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

کیا تمہیں ایسے اعمال نہ بتادوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دے اور درجات بلند فرمادے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ طبیعت کی ناگواری کے باوجود اچھی طرح پورا وضو کرنا، مسجدوں کی طرف قدموں کی کثرت اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا۔[۶]

۸- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی وضو کے دوران کلی کرتا، ناک میں پانی ڈالتا اور ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور ناک کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے اور ڈاڑھی کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھونے سے اس کے ہاتھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے پوروؤں کے گناہ بھی دھل جاتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کرنے سے اس کے سر اور بالوں کے گناہ ساقط ہو جاتے

---

۱ مسند امام احمد ج ۳ ص ۳۴۰ ۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۵ ۳ مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۹۹ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۵۱
۴ صحیح مسلم ج ۱: ۱۲۱ ۵ الترغیب والترہیب ج ۱: ۱۵۲ ۶ صحیح مسلم ج ۱: ۱۲۷

ہیں۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونے سے پاؤں کے گناہ بمع انگلیوں کے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد اگر اس نے نماز پڑھی، پس اللہ کی شایان شان حمد وثنا بیان کی اور اس کی عظمت اور بزرگی بیان کی اور خشوع وخضوع اور قلبی توجہ سے نماز ادا کی تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجائے گا جس طرح پیدائش کے وقت وہ گناہوں سے پاک صاف تھا (رواہ مسلم)[1]

۹- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب مسلمان آدمی وضو کرتا ہے تو اس کے کانوں، آنکھوں اور پاؤں کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ ہاتھ دھونے سے جو گناہ ہاتھوں سے ہوئے ہوں، دُھل جاتے ہیں۔ چہرہ دھونے سے جو گناہ آنکھوں سے سرزد ہوئے ہوں، وہ نکل جاتے ہیں۔ سر اور کانوں کا مسح کرنے سے کانوں نے جو گناہ کی باتیں سنی ہیں مٹ جاتے ہیں۔ اور پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔[2]

۱۰- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے۔[3] (یعنی وضو ہوتے ہوئے پھر وضو کرتا ہے۔)

۱۱- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس آدمی نے وضو ہوتے ہوئے دوبارہ وضو کیا تو اسے دس خاص نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔[4]

۱۲- حدیث: الوضوء علی الوضوء نورٌ علیٰ نورٍ[4] وضو پر وضو کرنا نورٌ علیٰ نورٍ ہے۔

۱۳- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم وضو کرنے لگو تو بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرو۔ تمہارے محافظ فرشتے اس وقت تک برابر تمہارے لئے نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ جب تک وضو ٹوٹ نہ جائے۔[5]

وضو کی نیت:

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔ وضو کا اجر وثواب اس کی نیت پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۴- حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[6] اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

۱۵- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے وضو میں نماز اور غسل میں جنابت کے ازالہ کی نیت نہ کی اس کا وضو اور غسل کامل نہ ہوا۔[7]

مسئلہ۲: عبادات غیر مقصودہ مثلاً لباس کا دھونا، مکان صاف کرنا، بدن سے نجاست دور کرنا، وضو اور غسل وغیرہ میں نیت شرط یا فرض نہیں، البتہ مسنون ہے۔ تاکہ اجر وثواب حاصل ہوسکے۔ اور عباداتِ مقصودہ مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ میں نیت فرض اور ضروری ہے۔[8]

---

۱ الترغیب والترہیب ج۱:۱۵۴ ۲ الترغیب والترہیب ج۱:۱۵۵-۱۵۶ ۳ الترغیب والترہیب ج۱:۱۶۲
۴ الترغیب والترہیب ج۱:۱۶۳ ۵ ایضاً۔ ۶ صحیح بخاری ج۱:۲، صحیح مسلم ج۲:۱۴۰
۷ سنن بیہقی ج۱:۴۳ ۸ شرح وقایہ ج۱:۶۲، کبیری:۵۲

بسم اللہ سے وضو شروع کرنا:

۱۶- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو فرمایا۔ جب وضو کرو تو بسم اللّٰہ و الحمد للّٰہ کہہ لیا کرو۔ تمہارے نگہبان فرشتے اس وقت تک نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک وضو قائم رہے گا۔[1]

۱۷- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر شاندار کام جو بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔[2]

۱۸- حدیث: ایک روایت میں ہے کہ یوں کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْإِسْلَامِ))[3]

مسئلہ۳: افضل یہ ہے کہ پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے۔[4]

مسئلہ۴: وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اسی لئے بعض احادیث میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ احادیث تعلیم کے سلسلہ کی ہیں۔ لہذا بغیر بسم اللہ کے بھی وضو ہو جاتا ہے البتہ سنت کے خلاف ہے۔

۱۹- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وہ اچھی طرح وضو نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم دیا ہے۔ اپنے چہرہ کو دھوئے' دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، اپنے سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔[5]

۲۰- حدیث: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا (نماز پڑھی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔) آپ نے فرمایا۔ لوگوں میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ وہ وضو کرے اور تمام اعضاء وضو کے پاک کرے۔ پھر تکبیر کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور اس کی ثناء کرے اور قرآن میں سے جو چاہے پڑھے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے۔ ان دونوں احادیث مبارکہ میں آپ نے بسم اللہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ سو معلوم ہوا کہ بغیر بسم اللہ کے وضو ہو جاتا ہے۔

۲۱- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔[6]

---

[1] آثار السنن:۲۵' البنایہ ج۱:۹۰ [2] فتح القدیر ج۱:۲۰

[3] البنایہ ج۱:۹ [4] فتح القدیر ج۱:۱۹، کفایہ ج۱:۱۹

[5] ابوداؤد ج۱:۸۷۔ باب من لایقیم صلبه فی الرکوع ابن ماجہ:۳۶

[6] ابن ماجہ:۳۲

فصل تیامن

اللہ تعالیٰ نے دائیں کو فضیلت عطا فرمائی ہے بائیں پر:

۲۲- حدیث: نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((ان اللّٰہ یحب التیامن فی کل شیء حتی التنعل و الترجل))[۱]

بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز میں داہنی طرف کو پسند کرتا ہے یہاں تک کہ جوتا پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی۔

۲۳- حدیث: ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا، دائیں طرف کو پسند فرماتے۔ طہارت، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں[۲] اور وضو کرنے میں۔[۳]

۲۴- حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو دائیں طرف سے پہلے شروع کرو۔[۴]

۲۵- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں طرف سے اتارے۔ دایاں پاؤں پہننے میں اول اور اتارنے میں آخر ہونا چاہیے۔[۵]

مسئلہ ۵: علماء امت اس پر متفق ہیں ہر عزت و تکریم والا کام داہنی طرف سے شروع کیا جائے۔ مثلاً وضو، غسل، کپڑے، جوتا اور موزہ اور شلوار پہننے میں، مسجد میں داخل ہونے، مسواک کرنے، سرمہ لگانے، ناخن کاٹنے، لبیں لینے، بغلوں کے بال لینے، سرمنڈوانے، نماز میں سلام پھیرنے، بیت الخلاء سے نکلنے، کھانے پینے، مصافحہ کرنے، حجرِ اسود کا استلام کرنے، لینے اور دینے میں۔ وغیرہ

اور اس کے برعکس بائیں جانب ان کاموں میں اختیار کی جائے ناک صاف کرنے، استنجا کرنے، بیت الخلاء میں داخل ہونے، مسجد سے نکلنے، جوتا، موزہ، شلوار اور کپڑے اتارنے میں۔[۶]

---

۱ البنایہ ج۱:۱۲۷ ۲ صحیح بخاری ج۱:۶۱ ۳ صحیح بخاری، ج۲:۸۷۸ کتاب اللباس باب الترجل

۴ ابوداؤد۔ کتاب اللباس باب فی الانتعال ج۲:۱۱۸ ۵ ابوداؤد۔ کتاب اللباس باب فی الانتعال ج۲:۱۱۷

۶ البنایہ ج۱:۱۲۸

وضو کا مسنون طریقہ

۲۶- حدیث: خلیفۂ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (لوگوں کو وضو کا طریقہ سکھانے کے لئے) وضو کا پانی منگوایا اور وضو بنایا۔ پہلے تین مرتبہ اپنی دونوں ہتھیلیاں دھوئیں۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔ پھر تین مرتبہ کہنی سمیت اپنا دایاں بازو دھویا۔ پھر اسی طرح تین مرتبہ کہنی سمیت اپنا بایاں بازو دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر تین مرتبہ ٹخنوں سمیت اپنا دایاں پاؤں دھویا۔ پھر اسی طرح تین مرتبہ ٹخنوں سمیت اپنا بایاں پاؤں دھویا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔[۱]

۲۷- حدیث: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے نبی کریم ﷺ کے وضو کی بابت پوچھا گیا۔ انہوں نے پانی کا طشت منگایا اور نبی کریم ﷺ جیسا وضو کر کے لوگوں کو دکھایا۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر طشت سے پانی ڈالا اور تین مرتبہ دھویا۔ پھر طشت سے پانی لے کر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کیا۔ تین تین مرتبہ پانی لیا۔ پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ منہ دھویا۔ پھر نئے پانی سے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھ آگے لائے پھر پیچھے لے گئے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔[۲]

۲۸- حدیث: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! وضو کیونکر ہوتا ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے۔ پھر چہرہ تین مرتبہ دوھویا۔ پھر دونوں بازو تین مرتبہ دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا۔ پھر اپنی شہادت کی انگلیوں کو کانوں میں ڈالا اور کانوں کے اندرونی حصہ کا مسح کیا اور اپنے انگوٹھوں سے کانوں کے ظاہری حصہ کا مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں تین بار دھوئے۔ پھر فرمایا اس طرح وضو کیا جاتا ہے۔

وضو کے مسائل

وضو میں نیت شرط نہیں:

س: وضو کرنے کے لئے نیت کرنا ضروری ہے۔ ہم نے کتاب میں پڑھا ہے کہ منہ ہاتھ دھونے میں وہی کام کیا جاتا ہے جو وضو کرنے میں کرتے ہیں۔ اگر وضو کی نیت نہیں کی گئی تو وضو نہیں ہوگا، بلکہ صرف منہ ہاتھ دھونا ہوا۔ اس کے علاوہ وضو میں جو فرائض ہیں وہی اگر چھوٹ گئے۔ تو پھر وضو کیسے ہوا؟

---

۱ صحیح مسلم ج:۱ ۲۰ باب صفۃ الوضوء ۲ صحیح بخاری ج:۱ ۳۱ ۳ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵

ج: نیت کرنا وضو میں فرض نہیں۔ اگر منہ، ہاتھ، پاؤں دھو لئے جائیں اور سر کا مسح کرلیا جائے (کہ یہی چار چیزیں وضو میں فرض ہیں) تو وضو ہو جاتا ہے۔ البتہ وضو کا ثواب تب ملے گا جب وضو کی نیت بھی کی ہو۔[1]

زبان سے وضو کی نیت مستحب ہے:

س: وضو کرتے وقت جو نیت کرتے ہیں۔ زبان سے کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

ج: مستحب ہے۔

((قال فی التنویر۔ ومن اٰدابه الجمع بین نیة القلب وفعل اللسان۔ وفی الشرح هذا رتبة وسطی بین من سن التلفظ بالنیة وبین من کرهه لعدم نقله عن السلف)) (ردالمحتار ج۱ ص۱۱۸)[2]

وضو سے قبل اعوذ باللہ پڑھنا:

س: وضو سے قبل اعوذ باللہ الخ پڑھنا مستحب و جائز ہے۔ یا نہیں؟

ج: وضو سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے۔ بسم اللہ سے قبل اعوذ باللہ پڑھنا بھی ضعیف قول ہے۔ راجح یہی ہے کہ نہ پڑھے۔

((قال فی الشامیة: وقیل الافضل بسم اللّٰه الرحمن الرحیم بعد التعوذ، وفی المجتبیٰ یجمع بینهما)) (ردالمحتار ج۱ ص۱۰۱)[3]

س: بہشتی زیور میں ہے کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھے۔ اور اکثر رواج ہے کہ بسم اللہ کے ساتھ اعوذ باللہ بھی پڑھ لیتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو کرنے میں اعوذ باللہ پڑھنا بدعت ہے، صحیح حکم شرعی سے آگاہی بخشی جاوے؟

ج: **فی ردالمحتار۔ ((وقیل الافضل بسم اللّٰه الرحمن الرحیم بعد التعوذ، وفی المجتبیٰ یجمع بینهما، عن الفتح، وفی شرح الهدایة للعینی المروی عن رسول اللّٰه ﷺ بسم اللّٰه والحمدللّٰه۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن ابی هریرة بلسناد حسن ا ه))**

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اعوذ باللہ و بسم اللہ کا جمع کرنا افضل ہے، تو مذہب میں جس کو افضل کہا جاوے وہ بدعت کیسے ہوگا۔ البتہ حضور اقدس ﷺ کے الفاظ کا اتباع زیادہ برکت کا عمل ہے۔[4]

وضو میں ہر عضو پر بسم اللہ پڑھنا:

س: وضو میں ہر عضو پر بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟

ج: وضوء میں ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ اور کلمۂ شہادت پڑھنا مستحب ہے۔ علاوہ ازیں ہر عضو کے لئے مخصوص دعا بھی

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۸ ۲ ایضاً۔
۳ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۹ ۴ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۱۳

ماثور ہے۔ اور عضو دھونے کے بعد درود شریف بھی۔ مگر ان سب کا پڑھنا مراد نہیں بلکہ ان میں سے کوئی ایک دعا پڑھ لے۔[۱]

وضو میں ہاتھ تین مرتبہ دھونا:

س: وضو میں دونوں ہاتھ ایک مرتبہ پہلے دھوتے ہیں پھر تین مرتبہ پانی بہاتے ہیں۔ درست ہے یا کہ تین ہی مرتبہ پانی بہانا چاہئے اور دھونا نہیں چاہئے۔ یعنی چوتھی مرتبہ ہوگیا ہے، کیونکہ تین مرتبہ سے زیادہ منع ہے؟

ج: تین مرتبہ دھونا چاہئے یہی سنت ہے۔ باقی تر کرنے کے لئے ایک بار ہاتھ پھیرنا، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ اچھا ہے تاکہ تین مرتبہ پوری طرح پانی بہہ جائے۔[۲]

ہاتھ اور پاؤں کہاں سے دھونا شروع کریں:

س: وضو میں جب ہاتھوں اور پاؤں پر پانی ڈالا جائے تو کس حصہ سے ابتداء کی جائے؟

ج: ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں سے ابتداء کی جائے۔

((ومن السنن البداية من رء وس الاصابع فى اليدين والرجلين، كذافى فتح التقدير))

(عالمگیری ا ص ۴)[۳]

اعضاء وضو تین بار سے زیادہ دھونا:

س: وضو میں بعض لوگ تین بار کہنی تک ہاتھ دھوکر پھر تین مرتبہ پانی بہاتے ہیں۔ تو یہ چھ مرتبہ ہوگیا۔ وضو میں یہ فعل درست ہے یا مکروہ یا ناجائز، اور اس طرح کرنا چھ مرتبہ سمجھا جائیگا یا تین مرتبہ؟

ج: اگر تین سے زائد اس اعتقاد سے دھو رہا ہے کہ یہ ثواب یا سنت ہے۔ تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر یہ اعتقاد نہیں مگر بدون کسی داعیہ کے کر رہا ہے۔ تو عبث ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر کبھی ازالۂ شک اور طمانیت قلب کی خاطر تین سے زیادہ بار دھولیا تو کوئی کراہت نہیں البتہ مسجد اور مدرسہ کے وقف پانی سے تین بار سے زیادہ دھونا حرام ہے۔[۴]

صرف داہنے ہاتھ سے وضو کرنا:

س: فقط داہنے ہاتھ سے بلا عذر سارا وضو کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

ج: اس کی کراہت کی نہ کوئی روایت نظر سے گزری نہ درایت اس کی موجب معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اعضاء تو دونوں ہاتھ سے دُھل بھی نہیں سکتے، جیسے یدین الی المرفقین (دونوں ہاتھ کہنیوں تک) اور بعض اعضاء میں تعسر ہے (تکلیف) جیسے رجلین (دونوں پاؤں) اور روایت ہی اکتفاء کے جواز کی مؤید ہے۔

فى الدر المختار۔ فى الاداب غسل رجليه بيساره۔ فى ردالمحتار عن شرح الشيخ اسمٰعيل

---

۱ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۱۰ ۲ فتاوی دار العلوم دیوبند ج ا ص ۱۲۸

۳ خیر الفتاوی ج ۲ ص ۴۷ ۴ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۱۵

قال یفرغ الماء بیمینه علی رجلیه ویغسلهما یساره۔[۱]

بوقت عذر بائیں ہاتھ سے وضو کرنا:

س: ایک شخص کا ہاتھ ایسا ہے کہ جس سے تمام کام کرسکتا ہے۔ مگر ہاتھ منہ تک نہیں پہنچتا۔ ایک ہاتھ یعنی بائیں ہاتھ سے منہ دھوتا ہے۔ کان کا مسح بائیں طرف تو کر لیتا ہے کیا داہنے کان کا مسح بھی بائیں ہاتھ سے کرلے یا صرف بائیں کان کا مسح بلحاظ سنت ضروری ہوگا۔ داہنے کا ساقط ہو جائے گا؟

ج: ہاں داہنے کا بھی بائیں ہاتھ سے کرلے۔[۲]

سر کے مسح کی فرض مقدار:

س: سر کے مسح میں مقدار فرض کیا ہے؟ مقدار ربع رأس کے، یا مقدار تین انگلی کے؟

ج: علامہ شامی نے لکھا ہے کہ معتبر روایت فرضیت مسح ربع رأس (سر کا چوتھا حصہ) کی ہے،

((کما قال فی شرح قوله۔ ومسح ربع (الرأس) واعلم ان فی مقدار فرض المسح روایات اشهرها مافی المتن الثانیة مقدار الناصیة واختارها القدوری وفی الهدایة، وهی الربع، والتحقیق انها اقل منه الثالثة مقدار ثلٰثة اصابع۔ رواها هشام عن الامام الیٰ ان قال))

((والحاصل ان المعتمد روایة الربع۔ وعلیها مشی المتاخرین۔ کابن الهمام الخ))[۳]

صرف چوتھائی سر کا مسح:

س: جو شخص وضو میں ہمیشہ صرف چوتھائی سر کے مسح پر اکتفا کرتا ہے۔ اور کبھی سارے سر کا مسح نہیں کرتا، تو اس کے وضو کے اندر کچھ نقصان ہے کہ نہیں۔ اور اگر ہے تو یہ نقصان نماز تک پہنچے گا، یا صرف وضو ہی تک رہے گا؟

ج: ترک سنت ہے، اُس کی نماز تک یہ اثر ہوگا۔ اُس کی صحت اختلافی ہو جائے گی۔ دوسرے اس سنت کے ترک سے طہارت میں نقصان رہے گا، جس سے بعض جزئیات میں امامت کو مکروہ کہا ہے۔ کمافی ردالمختار۔

((ولعدم امکان الطهارة ایضاً فی المفلوج والاقطع والمجبوب))[۴]

گردن کا مسح:

س: جب مسح کرتے وقت سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے، ہاتھ گردن کی طرف لے جاتے وقت بھی گردن کا مسح کرلیا جاوے، یعنی ماتھے پر ہاتھ رکھ کر جو گردن کی طرف کھینچا تمام سر پر پھیر کر ساتھ ہی گردن پر اُسی وقت پھیر لیا جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث **مدهما الی القفا** کا مفہوم معلوم ہوتا ہے، اسی طرح مسح کرنا بہتر ہے یا ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب

---

۱ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۸ — ۲ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۹

۳ فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۲۵ — ۴ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۱۰

ہے۔ مذکورہ حدیث کامفہوم ومطلب کیا ہے؟

ج: اس سے مستحب ادا نہ ہوگا۔ ایک تو ترتیب نہ رہی۔ دوسرے ظہرید (ہاتھ کی پشت) سے نہ ہوا۔ اور بظہرید کی قید کتب فقہ درمختار وغیرہ میں مصرح ہے۔ اور حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اس میں مسح قفا آیا ہے۔ جو کہ راس کا جزو ہے۔ اور رقبہ اس سے خارج ہے۔ پس اس کو مسح رقبہ سے کچھ مس نہیں۔ اور اگر اس کا عموم فرض کرلیا جائے۔ تو بلوغ **قذال بامدالی القفا بمعنی الرقبة** سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قصداً تھا، بلکہ استیعاب راس میں اس کا بھی مس ہوگیا اور اگر مس کو قصداً مان لیا جائے تو ممکن ہے کہ بیان جواز پر محمول کرلیا جاوے، اس سے مستحب کا ادا ہونا لازم نہیں آتا۔[1]

گلے کا مسح بدعت ہے:

س: بعض لوگ گردن کا مسح کرتے ہوئے حلقوم یعنی گلے کا بھی مسح کرتے ہیں۔ آیا شرعاً یہ صحیح ہے یا نہیں؟

ج: گردن کا مسح مستحب ہے مگر حلقوم کا بدعت ہے۔ یہ نہ کیا جائے۔

((والثانی مسح الرقبة وهو بظهر اليدين۔ واما مسح الحلقوم فبدعة۔ كذافی البحر الرائق)) (عالمگیری ج۱ ص۴)[2]

اعضائے وضو کا تین بار دھونا:

س: ہمارے اسلامیات کے ایک استاد نے بتایا ہے کہ وضو کرتے وقت ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ منہ دھونا وغیرہ جو کہ تین دفعہ دھویا جاتا ہے، دو دو دفعہ بھی دھویا جاسکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: کامل سنت تین تین بار دھونا ہے۔ وضو دو بار دھونے بلکہ ایک ہی بار دھونے سے بھی ہوجائے گا۔ بشرطیکہ ایک بال کی جگہ بھی خشک نہ رہے۔[3]

انگلیوں کا خلال:

س: وضو میں انگلیوں کا خلال کرنا سنت مؤکدہ ہے یا نہیں، اور سنت مؤکدہ کا ترک گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔ وضو میں خلال کا ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: سنت مؤکدہ ہے۔ اور بلا عذر مع الاصرار ترک کرنا مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہے۔

((قال فی شرح التنویر۔ وتخليل (الاصابع) اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصريده اليسرى باديا بخنصر رجله اليمنى۔ وهذا بعد دخول الماء خلالها۔ فلومنضمة فرض))

((قال فی الشامية (قوله وتخليل الاصابع) هو سنة مؤكدة اتفاقاً۔ سراج)) (ردالمحتار ج۱ ص۱۰۹)[4]

---

[1] امداد الفتاوی ج۱ ص۱۲
[2] خیر الفتاوی ج۱ ص۶۵
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ ص۲۹
[4] احسن الفتاوی ج۲ ص۱۳

آب زم زم سے وضو اور غسل:

س: کیا آب زم زم سے وضو کرنا جائز ہے، یا ادب کے خلاف ہے؟

ج: جو شخص باوضو اور پاک ہو وہ اگر محض برکت کے لئے آب زم زم سے وضو یا غسل کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح کسی پاک کپڑے کو برکت کے لئے زم زم سے بھگونا بھی درست ہے۔ لیکن بے وضو آدمی کا زم زم شریف سے وضو کرنا یا کسی جنبی کا اس سے غسل کرنا مکروہ ہے۔ ضرورت کے وقت (جبکہ دوسرا پانی نہ ملے) زم زم شریف سے وضو کرنا تو جائز ہے۔ مگر غسل جنابت بہرحال مکروہ ہے۔

اسی طرح اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہو۔ اس کو زم زم شریف سے دھونا بھی مکروہ ہے، بلکہ بقول بعض حرام ہے، یہی حکم زم زم سے استنجاء کرنے کا ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے آب زم زم سے استنجاء کیا تو ان کو بواسیر ہوگئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ زم زم نہایت متبرک پانی ہے۔ اس کا ادب ضروری ہے، اس کا پینا موجب خیر و برکت ہے۔ اور چہرے پر سر اور بدن پر ڈالنا بھی موجب برکت ہے۔ لیکن نجاست زائل کرنے کے لئے استعمال کرنا ناروا ہے۔[1]

وضو میں ولاء اور ہر عضو پر دعاء:

س: وضو میں جلدی کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ اگر مستحب ہے تو ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ، کلمۂ شہادت اور ہر عضو کے لئے مستقبل ماثور دعا، علاوہ ازیں دعا رب اغفرلی ذنبی الخ کیسے پڑھ سکتا ہے؟

ج: وضو اور غسل میں ولاء سنت ہے، یعنی اتنی تاخیر نہ کرے کہ معتدل ہوا۔ میں دوسرا عضو دھونے سے قبل پہلا عضو خشک ہو جائے، اسی طرح مسح کے بعد اور تیمّم میں اتنی دیر کرنا کہ اس وقت اگر کوئی عضو دھویا ہوتا، تو وہ اتنی دیر میں خشک ہو جاتا۔ خلاف سنت ہے۔

ہر عضو پر بسم اللہ۔ کلمۂ شہادت، اور دعاء ماثور کے علاوہ ہر عضو دھونے کے بعد درود شریف بھی مستحب ہے۔ ان سب کے پڑھنے میں بھی اتنی دیر نہیں لگتی۔

علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمھم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے، کہ ان سب میں سے کوئی ایک چیز پڑھے۔ بیک وقت سب کا پڑھنا مراد نہیں۔[2]

برہنہ حالت میں وضو جائز ہے:

س: اگر برہنہ ہو کر غسل کیا جائے تو غسل ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور اگر اسی حالت میں وضو بھی کر لیا جائے تو وضو ہو جائے گا یا نہیں؟

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹ [2] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۱۴

ج: مذکورہ صورت میں غسل درست ہے۔ ایسے ہی وضو بھی درست ہے۔ اب نماز پڑھنے کے لئے دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں۔

((عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: کان النبی ﷺ لایتوضأ بعد الغسل))(ترمذی شریف ج۱ص)[1]

س: اگر کسی شخص کو غسل کی حاجت نہیں ہے، یعنی وہ پاک ہے وہ صرف نہاتا ہے۔ ظاہر ہے نہانے میں اس کا جسم سر سے لے کر پیر تک بھیگے گا۔ اس صورت میں وہ شخص بغیر وضو کئے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یاد رہے وہ شخص صرف نہایا ہے، اس نے نہ نہانے سے پہلے اور نہ نہانے کے بعد وضو بنایا ہے۔ لیکن سر سے پیر تک پانی ضرور بہایا ہے۔؟

ج: غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے۔ اس لئے غسل کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ نماز پڑھ سکتا ہے بلکہ جب تک اس غسل سے کم سے کم دو رکعت نہ پڑھ لی جائیں یا کوئی دوسری عبادت جس میں وضو شرط ہے ادا نہ کر لی جائے دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے۔[2]

س: اخبار جنگ میں آپ کے کالم میں ایک سوال کے جواب میں نہانے سے قبل یا بعد، وضو نہ کرنے کے باوجود نہانے سے وضو ہو جاتا ہے اور اس سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ بلکہ غسل کے بعد اگر دو رکعت نماز نہ پڑھی جائے اور وضو کیا جائے تو گنہگار ہوگا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی مہربانی فرما کر ذرا وضاحت سے سمجھائیں؟

ج: دو باتیں سمجھ لیجئے۔ اول یہ کہ غسل میں جب پورے بدن پر پانی بہالیا، تو وضو ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں غسل کے اندر وضو خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وضو کے بعد جب تک اس وضو کو استعمال نہ کر لیا جائے دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے۔ اور وضو کو استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وضو سے کم از کم دو رکعت نماز پڑھ لی جائے۔ یا کوئی ایسی عبادت کر لی جائے جس کے لئے وضو شرط ہے۔ مثلاً نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت۔[3]

س: جب ہم غسل کرتے ہیں تو ہم صرف انڈر وئیر استعمال کرتے ہیں۔ (اور بعض اوقات بالکل ننگے بھی ہوتے ہیں) میں نے کافی حضرات سے دریافت کیا کہ ہم جو پہلے وضو کرتے ہیں، وہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا۔ کہ کپڑے پہننے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوتی؟

ج: خدا جانے آپ نے کس سے پوچھا ہوگا۔ کسی عالم سے دریافت فرمائیے۔ غسل کر لینے کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ کوئی عالم دین قائل نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ برہنہ ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یا یہ کہ برہنہ ہونے کی حالت میں وضو نہیں ہوتا۔ یہ محض غلط ہے۔[4]

س: اگر وضو کر کے برہنہ غسل کرے، غسل خانہ یا صحن میں۔ تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] خیر الفتاوی ج۱ص۵۳
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۳۰
[3] ایضاً۔
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۳۰

ج: اگر برہنہ غسل کیا تو اس سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ستر عورت الگ فرض ہے، جب غیر تنہائی میں غسل کرے۔[1]

برہنہ غسل کرتے ہوئے "بسم اللہ" زبان سے نہ پڑھے

س: جیسے وضو کے شروع میں تسمیہ سنت ہے، ایسے غسل کے شروع میں بھی ہے، تو کیا جب برہنہ غسل کر رہا ہو اس وقت "بسم اللہ" پڑھ سکتا ہے؟

ج: برہنہ غسل کی صورت میں زبان سے "بسم اللہ" نہ پڑھے، عالمگیری میں ہے،

((ولا یسمی فی حال الانکشاف ولا فی محل النجاسة هکذا فی فتح القدیر))

(عالمگیری ج ۱ ص ۳)[2]

ناخن پالش سے وضو اور غسل نہیں ہوتا:

س: اس دور میں عورتیں جو ناخن پالش لگاتی ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ ناخن پالش لگانا جائز نہیں ہے، اس کے ہوتے ہوئے وضو نہیں ہوتا، جو کہ نماز کے لئے شرط ہے، اور نماز ارکان اسلام میں سے ہے، جب وضو ہی نہ ہوا تو نماز جو اس پر مرتب ہوتی ہے، وہ کیسے ہوگی۔ تو جواباً کہتی ہیں کہ یہ تزیین کے لئے لگائی جاتی ہے۔ جو کہ عورت کے لئے ضروری ہے۔ فقہاء کرام بھی فرماتے ہیں کہ عورت کو خاوند کے لئے ہر وقت تیار و مزین رہنا چاہئے۔ پھر کیونکر نہ لگائی جائے کیا اس کا لگانا جائز ہے یا نا جائز؟

ج: ایسی تزیین حرام ہے جو شرعی فرائض کی صحت سے مانع ہو۔ جو چیز بدن تک پانی پہنچنے سے مانع ہو اس کی موجودگی میں وضو اور غسل صحیح نہیں ہوتا۔ اگر بال برابر بھی جگہ خشک رہ گئی تو وضو اور غسل نہ ہوگا۔

حضرات فقہاء رحمھم اللہ تعالیٰ نے گندھے ہوئے خشک آٹے کو صحت وضو سے مانع قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ ناخن پالش جتنا سخت نہیں ہوتا۔ اور اس کی ضرورت بھی ہے (یعنی آٹا گندھنے کی) تو ناخن پالش کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ جتنی بھی نمازیں ناخن پالش لگا کر پڑھی ہیں وہ واجب الاعادہ ہیں (وہ سب دوبارہ پڑھنا واجب ہے) اور ساتھ ساتھ توبہ و استغفار بھی کرے۔[3]

ناخن پالش لگانا کفار کی تقلید ہے:

س: آج کل نوجوان لڑکیاں اس کشمکش میں مبتلا ہیں کہ آیا لڑکیاں جو ناخنوں کو پالش لگاتی ہیں اس کو صاف کرنے کے بعد وضو کریں یا پالش کے اوپر سے ہی وضو ہو جائے گا؟ کئی سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکیاں اور معزز نمازی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ناخنوں کی پالش صاف کئے بغیر ہی وضو ہو جائے گا؟

ج: ناخنوں سے متعلق دو بیماریاں عورتوں میں خصوصاً نوجوان لڑکیوں میں بہت ہی عام ہوتی جارہی ہیں۔ ایک ناخن

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۵۰ [2] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۷ [3] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶

بڑھانے کا مرض اور دوسرا ناخن پالش کا۔ ناخن بڑھانے سے آدمی کے ہاتھ بالکل درندوں جیسے ہوتے ہیں اور پھر ان میں گندگی بھی رہ سکتی ہے جس سے ناخنوں میں جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور مختلف النوع بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کو ''فطرت'' میں شمار کیا ہے ان میں ایک ناخن تراشنا بھی ہے۔ پس ناخن بڑھانے کا فیشن انسانی فطرت کے خلاف ہے، جس کو مسلم خواتین کافروں کی تقلید میں اپنا رہی ہیں۔ مسلم خواتین کو اس خلاف فطرت' تقلید سے پرہیز کرنا چاہئے۔

دوسرا مرض ناخن پالش کا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے عورت کے اعضاء میں فطری حسن رکھا ہے۔ ناخن پالش کا مصنوعی لبادہ محض غیر فطری چیز ہے پھر اس میں ناپاک چیزوں کی آمیزش بھی ہوتی ہے وہی ناپاک ہاتھ کھانے وغیرہ میں استعمال کرنا طبعی کراہت کی چیز ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ناخن پالش کی تہہ جم جاتی ہے اور جب تک اس کو صاف نہ کر دیا جائے پانی نیچے نہیں پہنچ سکتا۔ پس نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل۔ آدمی ناپاک کا ناپاک رہتا ہے۔ جو تعلیم یافتہ لڑکیاں اور معزز نمازی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ناخن پالش کو صاف کئے بغیر ہی وضو ہو جاتا ہے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس کو صاف کئے بغیر آدمی پاک نہیں ہوتا نہ نماز ہوگی نہ تلاوت جائز ہوگی۔

ناخن پالش والی میت کا غسل:

س: اگر کہیں موت آگئی تو ناخن پالش لگی ہوئی عورت کی میت کا غسل صحیح ہو جائے گا؟

ج: اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا اس لئے ناخن پالش صاف کر کے غسل دیا جائے۔

نیل پالش اور لپ سٹک کے ساتھ نماز:

س: چند روز قبل ہمارے گھر ''آیت کریمہ'' کا ختم تھا۔ جن میں چند رشتہ دار عورتیں آئیں جن میں کچھ فیشن میں ملبوس تھیں۔ فیشن سے مراد ناخن میں نیل پالش' بدن میں پرفیوم' ہونٹوں میں لپ اسٹک وغیرہ تھا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو نماز کیلئے کھڑی ہوگئیں جب ان سے کہا گیا کہ ان چیزوں سے وضو نہیں رہتا تو نماز کیسے ہوگی تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نیت دیکھتا ہے تو کیا مولانا صاحب نیل پالش' پرفیوم' لپ سٹک وغیرہ سے وضو برقرار رہتا ہے؟ کیا ان سب چیزوں کے استعمال کے بعد نماز ہو جاتی ہے؟ براہ مہربانی تفصیل سے جواب دیں۔ نوازش ہوگی؟

ج: خدا تعالیٰ صرف نیت کو نہیں دیکھتا بلکہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ جو کام کیا گیا وہ اس کی شریعت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ مثلاً کوئی شخص بے وضو نماز پڑھے اور یہ کہے کہ خدا نیت کو دیکھتا ہے تو اس کا یہ کہنا خدا اور رسول کا مذاق اڑانے کے ہم معنی ہوگا۔ اور ایسے شخص کی عبادت، عبادت ہی نہیں رہتی۔ اس لئے فیشن ایبل خواتین کا یہ استدلال بالکل مہمل ہے کہ خدا نیت کو دیکھتا ہے۔ ناخن پالش اور لپ اسٹک اگر بدن تک پانی کو نہ پہنچنے دے تو وضو نہیں ہوگا۔ اور جب وضو نہ ہوا تو نماز بھی نہ ہوئی۔

ناخن پالش کو موزوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں:

س:...... جس طرح وضو کر کے موزہ پہن لیا جائے تو دوسرے وضو کے وقت پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف جراب کے اوپر مسح کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح وضو کر کے ناخن پالش لگالیا جائے تو دوسرا وضو کرتے وقت اسے چھڑانے کی ضرورت تو نہیں ہے؟

ج:...... چمڑے کے موزوں پر تو مسح بالاتفاق جائز ہے۔ جرابوں پر مسح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں اور ناخن پالش کو موزوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس لئے اگر ناخن پالش لگی ہو تو وضو اور غسل نہیں ہوگا۔

ناخن پالش اور لبوں کی سرخی سے غسل اور وضو نہیں ہوتا:

س:...... جیسے کہ ناخن پالش لگانے سے وضو نہیں ہوتا اگر کبھی ہونٹوں پر ہلکی سی لالی لگی ہو تو کیا وضو ہو جاتا ہے یا اگر وضو کے بعد لگائی جائے تو اس سے نماز درست ہے؟

ج:...... ناخن پالش لگانے سے وضو اور غسل اس لئے نہیں ہوتا کہ ناخن پالش پانی کو بدن تک پہنچنے نہیں دیتی۔ لبوں کی سرخی میں بھی اگر یہی بات پائی جاتی ہے کہ وہ پانی کے جلد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو تو اس کو اتارے بغیر غسل اور وضو نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ پانی کے پہنچنے سے مانع نہیں تو غسل اور وضو ہو جائے گا۔ ہاں اگر وضو کے بعد ناخن پالش یا سرخی لگا کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن اس سے بچنا بہتر ہے۔

خوشی سے یا جبراً ناخن پالش لگانے کے مضمرات:

س:...... میں نے غسل کے فرائض میں پڑھا ہے کہ سارے جسم پر پانی اس طرح بہایا جائے کہ جس کا کائی حصہ بال برابر بھی خشک نہ رہے۔ آج کل یہ بات عام فیشن میں آگئی ہے کہ ہمارے گھروں میں عورتیں ناخنوں پر پالش کرتی ہیں جو زیادہ گاڑھی ہوتی ہے اور ناخنوں پر اس کی ایک تہہ جم جاتی ہے اور ایسے ہی بعض مرد حضرات رنگ کا کام کرتے ہیں جو جسم کے کسی حصہ پر لگ جائے تو آسانی سے نہیں اترتا۔ ایسی صورت میں ہر دو کس غسل جنابت سے پاکی حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسلام نے عورت کو اپنے شوہر کے سامنے زینت، بناؤ سنگھار کی اجازت دی ہے۔ کیا ناخن پالش لگانا جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو ایسی حالت والی عورت کے لئے نماز، تلاوت اور کھانے پینے کے لئے کیا حکم ہے؟

ج:...... ناخن پالش کی اگر تہہ جم گئی ہو تو اس کو چھڑائے بغیر وضو اور غسل نہیں ہوگا۔ یہی حکم اور چیزوں کا ہے جو پانی کے بدن تک پہنچنے سے مانع ہوں۔

س: اگر شوہر کی خوشنودی کے لئے ناخن پالش لگائی جائے اور شوہر نہ لگانے پر سختی کرے تو ایسی عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر اسلامی تعلیمات کی رو سے ناخن پالش لگانا گناہ ہے تو یہ گناہ کس کے سر پر ہے۔ بیوی پر یا شوہر پر؟ اگر یہ بات گناہ ہے تو اس گناہ کو گناہ سمجھانے کے لئے یہ ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ شوہر پر یا بیوی پر؟ حکومت کے پاس ذرائع ابلاغ

ہیں۔ان کے ذریعے اگر اس کی تشہیر کی جائے تو کیسا رہے گا؟

ج:......اگر ناخن پالش لگانے سے نمازیں غارت ہوتی ہیں اور شوہر باوجود علم کے اس سے منع نہ کرے تو مرد عورت دونوں گناہ گار ہونگے۔اگر شوہر کی خوشنودی کیلئے ناخن پالش لگالے تو وضو کرنے سے پہلے اس کو چھٹائے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے۔ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

کیا مصنوعی دانت اور ناخن پالش کے ساتھ غسل صحیح ہے:

س:......کسی مسلمان مرد یا عورت کے سونے کے دانت یا ناخن پالش لگانے کی صورت میں غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج:......مصنوعی دانتوں کے ساتھ غسل ہو جاتا ہے ان کو اتارنے کی ضرورت نہیں۔ناخن پالش لگی ہوئی ہو تو غسل نہیں ہوتا جب تک اسے اتار نہ دیا جائے۔

عورتوں کے لئے میک اپ:

س:ہماری خواتین اس بات پر بحث کرتی ہیں کہ انسان اپنی خوبصورتی کیلئے میک اپ کر سکتا ہے۔معلوم یہ کرنا ہے کہ مذہب اسلام کی رو سے خواتین کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان میک اُپ کریں جس میں سرخی، پاؤڈر، نیل پالش شامل ہے کیا اس حالت میں محفل وعظ میں شرکت کرنا، قرآن خوانی اور نماز وغیرہ پڑھنا صحیح ہے؟

ج:......عورت کیلئے میک اپ کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی فطری تخلیق میں تغیر کرنے کی کوشش ہو، جائز نہیں۔مثلاً اپنے فطری اور خلقی بالوں کے ساتھ دوسرے انسانوں کے بالوں کو ملانا، ہاں انسانوں کے علاوہ دوسرے مصنوعی بالوں کو ملانا جائز ہے، اس کے علاوہ میک اپ فطری تخلیق میں تغیر کرنے کے مترادف نہ ہو وہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس میک اپ کے ساتھ عورت غیر محرم مردوں کے سامنے نہ جائے چنانچہ اس قسم کے میک اپ میں سرخی پاؤڈر شامل ہے۔ہاں البتہ ناخن پالش سے احتراز کیا جائے کیونکہ ناخن پالش دور کئے بغیر نہ وضو ہوتا ہے اور نہ ہی غسل......ناخن پالش کو ہر وضو کے لئے ہٹانا کارِ مشکل ہے، اور جب ناخن پالش کو ہٹائے بغیر وضو یا غسل صحیح نہ ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی۔اس لئے ناخن پالش کی لعنت سے احتراز لازم ہے۔

عورتوں کے لئے مسواک کا حکم:

س: بہشتی زیور میں وضو میں مسواک کا مسنون ہونا بھی لکھا ہے، حالانکہ فقہاء عورتوں کے لئے علک کو قائم مقام مسواک کے لکھتے ہیں۔لیکن تخصیص رجال کی کوئی دلیل پائی نہیں جاتی۔احادیث میں ترغیب وفضیلت تمام بیان کی گئی ہے، رائے عالی سے مطلع فرمایا جاوے؟

ج: میرے نزدیک مسنونیت مسواک عام ہے۔ **لاطلاق الدلیل**۔ رہا اقامت علک کا مقام مسواک میں میرے نزدیک معنی اس کے جواز اقامۃ ہے نہ وجوب اقامۃ، جو مستلزم ہے نفی مشروعیت سواک کو۔لعدم دلیل الوجوب۔[1]

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ا ص ۵

س: بوقت وضوعورت کے لئے مسواک کرنا سنت ہے یا نہیں؟

ج: عورتوں کے لئے بھی مسواک سنت ہے، اگر سخت لکڑی سے تکلیف ہو تو دنداسہ استعمال کرلیں۔ اس سے بھی سنت ادا ہوجائے گی۔

((ومنها السواك وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة، لانه يطيب نكهة الفم، ويشد الانسان، ويقوى المعدة، وليكن رطبافي غلظ الخنصر وطول الشبر۔ ولايقوم الاصبع مقام الخشبة، فان لم توجد الخشبة فح يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة، كذافى المحيط والظهيرية۔ والعلك يقوم مقامه للمرأة)) (عالمگیری ج ا ص ۴)[1]

س: کیا نماز سے پہلے وضو میں مسواک کرنا عورتوں کے لئے بھی اسی طرح سنت ہے جیسے مردوں کے لئے؟

ج: مسواک خواتین کے لئے بھی سنت ہے۔ لیکن اگر ان کے مسوڑے اس کے متحمل نہ ہوں تو ان کے لئے دنداسہ کا استعمال بھی مسواک کے قائم مقام ہے۔ جبکہ مسواک کی نیت سے اس کا استعمال کریں۔[2]

ایضاً: عورتوں کے لئے بھی مسواک اسی طرح مسنون ہے جیسے مردوں کے لئے، مسواک کی اہمیت سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ عام ہیں۔ اس میں مرد عورتیں سب شامل ہیں، اس لئے عورتوں کو بھی مسواک کی سنت پر عمل کرنا چاہئے۔ اور اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

((عن عائشة انها قالت كان النبی ﷺ يستاك، فيعطينى السواك لاغسله فابدأبه فاستاك ثم اغسله وارفعه اليه))[3]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مسواک کر کے مجھے دیتے تھے دھونے کے لئے۔ میں پہلے اس سے مسواک کرتی پھر دھوکر حضور اقدس ﷺ کو دے دیتی۔

((عن كبيثة انهاجاء ت الى عائشة، فسألت عن السواك للصائم، قالت هذا سواكى فى يدى وانا صائمة))[4]

ترجمہ: حضرت کبیشہ کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر روزہ کی حالت میں مسواک کرنے کے متعلق دریافت کیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ دیکھو میرے ہاتھ میں مسواک ہے حالانکہ میں روزے سے ہوں۔

اس حدیث سے جہاں روزے کی حالت میں مسواک کرنے کا ثبوت ملتا ہے، وہیں عورتوں کے لئے مسواک کرنے

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۰ ۷
[2] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۲ ص ۳۴
[3] ابوداؤد ج ا ص ۴۸ سنن بیہقی ج ص ۳۹
[4] ابن ابی شیبہ ج ا ص ۹۵

کا بھی ثبوت ملتا ہے۔[1]

برش استعمال کرنے کا حکم:

س: مروجہ بالوں کا برش استعمال کرنے سے سنت مسواک ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

ج: اگر اتفاقاً لکڑی کی مسواک نہ ہو تو برش سے دانت صاف کر لئے جائیں۔ اصل سنت لکڑی کی مسواک ہے۔ بلا ضرورت برش سنت مسواک کے قائم مقام نہ ہوگا۔ اور اگر برش خنزیر کے بالوں کا ہو تو استعمال قطعاً حرام ہے۔ مشکوک ہو تو بھی ترک اولیٰ ہے۔[2]

ایضاً: مسواک کے دو پہلو ہیں، ایک مسواک کا اصل مقصود اور یہ ظاہر ہے کہ نظافت اور صفائی و ستھرائی ہے۔ دوسرا پہلو آلہ مسواک کا ہے۔ یعنی وہ چیز جس کے ذریعے دانتوں کی صفائی و ستھرائی کا کام لیا جائے ٹوتھ پیسٹ، برش اور منجن کے ذریعہ مسواک کی پہلی سنت ادا ہو جائے گی۔

دوسری سنت اسی وقت ادا ہوگی جبکہ مسواک لکڑی کی ہو اور اسی ہیئت کی ہو جس کی رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔[3]

س: جو شخص بلا عذر مسواک کے بالوں کا برش استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

ج: مسواک کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جو صورت علی المواظبة ثابت ہے وہ یہی ہے کہ لکڑی سے مسواک کی جائے۔ اور لکڑیوں میں بھی پیلو درخت کی لکڑی زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن اگر لکڑی کی مسواک اتفاقاً موجود نہ ہو تو انگلی سے یا موٹے کپڑے وغیرہ سے دانت صاف کر لینا مسواک کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ **قال فی الهداية، وعند فقده يعالج بالاصابع۔** اس سے ظاہر ہوا کہ برش کا اصل حکم بھی یہی ہے کہ اگر اتفاقاً مسواک موجود نہ ہو تو اس کا استعمال قائم مقام مسواک کے ہو جائے گا۔

لیکن بطور فیشن اس کی عادت ڈال لینا مناسب نہیں۔ اور نہ بلا ضرورت وہ مسواک کا قائم مقام ہوتا ہے، بالخصوص آج کل جو برش عموماً اس کام کے لئے آتے ہیں۔ اُن میں خنزیر کے بالوں کا احتمال قوی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ برش کے استعمال سے احتراز کیا جائے، کہیں مسواک ہاتھ نہ آئے تو انگلی وغیرہ سے صاف کر لینے پر اکتفا کریں۔[4] مفتی محمد شفیع

ج: برش اگر خنزیر کے بالوں کا ہے تو اس کا استعمال قطعاً حرام ہے، اور اگر مشکوک ہے تو ترک اَولی ہے اور اگر مشکوک بھی نہیں تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن بلا ضرورت سنت مسواک کے قائم مقام نہ ہوگا، کیونکہ سنت مسواک کی لکڑی ہی سے ثابت ہے۔ البتہ اگر کسی وقت لکڑی مسواک کے قابل موجود نہ ہو تو صرف انگلی سے یا موٹے کپڑے یا برش وغیرہ سے دانت صاف کر لینا اُس کے قائم مقام بضرورت ہو جاتا ہے۔ **کما فی الهداية۔ عند فقده يعالج بالا صابع۔** لیکن بلا ضرورت

---

[1] طہارت کے جدید مسائل ص ۱۹۹ [2] خیر الفتاوی ج ا ص ۵۳
[3] جدید فقہی مسائل ج ا ص ۲۷ [4] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ا ص ۱۹۱

اس کی عادت ڈالنا خلاف سنت ہے۔اور دوسری قباحت یہ ہے کہ یہ اصل شعار اہل اسلام کا نہیں ہے۔[۱]

کھڑے ہو کر بیسن میں وضو کرنا:

س: آج کل گھروں میں بیسن لگے ہوئے ہیں اور لوگ زیادہ تر بیسن سے ہی کھڑے ہو کر وضو کر لیتے ہیں، وضو کھڑے ہو کر کرنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

ج: وضو تو اس طرح بھی ہو جاتا ہے (اور وضو صحیح ہو تو اس سے نماز پڑھنا بھی صحیح ہے) لیکن افضل یہ ہے کہ قبلہ رخ بیٹھ کر وضو کرے۔[۲]

بوجہ عذر کھڑے ہو کر وضو کرنا:

س: کیا کھڑے ہو کر وضو کیا جا سکتا ہے، جبکہ بیٹھ کر وضو کرنے میں تکلیف ہو؟

ج: کھڑے ہو کر وضو کرنے میں چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے۔اس لئے حتی الوسع وضو بیٹھ کر کرنا چاہئے۔لیکن اگر مجبوری ہو تو کھڑے ہو کر وضو کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔[۳]

س: کھڑے ہوتے ہوئے آدمی وضو کر لیں، بیٹھنے میں کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اور اکثر اوقات آدمی کھڑے ہو کر وضو کرتے ہیں، تو کیا نماز ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟ کیونکہ اس جگہ میں صرف شینک سسٹم ہے اور بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے؟

ج: اگر بیٹھنے کا موقع نہ ہو تو کھڑے ہو کر وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، چھینٹوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔[۴]

وگ کا استعمال اور وضو:

س: اگر کوئی آدمی بوجہ مجبوری سر پر ''وگ'' استعمال کرتا ہو، تو وہ آدمی وضو کے دوران سر کا مسح وگ پر ہی کر سکتا ہے یا کہ وگ اتار کر اسے مسح کرنا چاہئے؟

ج: مصنوعی بالوں کا استعمال جائز نہیں۔نہ اس کے استعمال میں کوئی مجبوری ہے۔مسح ان کو اتار کر کرنا چاہئے۔اگر ان پر مسح کیا تو وہ وضو نہیں ہوگا۔[۵]

ایک وضو سے کئی عبادات:

س: اگر وضو قرآن پاک پڑھنے کی نیت سے کیا تو اس وضو سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج: وضو خواہ کسی مقصد کے لئے کیا ہو۔اس سے نماز جائز ہے، اور نہ صرف نماز، بلکہ اس وضو سے وہ تمام عبادات جائز نہیں۔جن کے لئے وضو شرط ہے۔[۶]

---

۱ فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۱۹۳ — ۲ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۳

۳ ایضاً۔ — ۴ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۳

۵ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۶ — ۶ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۱

ایک وضو سے کئی نمازیں:

س: میں عصر کے وقت وضو کر لیتی ہوں اور اسی وضو سے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ لیتی ہوں، ہماری پڑوسن کہتی ہے، ہر نماز کے لئے الگ الگ وضو کرنا چاہئے۔ دونوں میں سے کیا صحیح ہے؟

ج: اگر وضو نہ ٹوٹے تو ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں، ہر نماز کے لئے وضو ضروری نہیں۔ کر لے تو اچھا ہے۔[1]

وضو کے بعد ہاتھ منہ پونچھنا:

س: وضو کے بعد ہاتھ منہ پونچھنے سے ثواب میں کوئی کمی بیشی تو نہیں ہوتی؟

ج: نہیں۔[2]

س: وضو کر کے رومال سے بدن سکھانا درست ہے یا نہیں؟ اور بعض کہتے ہیں کہ جب داڑھی کا پانی زمین پر گرتا ہے۔ تو فرشتوں کو اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

ج: اعضاء وضو کو رومال سے پوچھنا مستحب اور آداب میں سے ہے، درمختار میں ہے۔

((ومن الادب تعاهد موقيه و كعبيه الخ والتمسح بمنديل الخ))

اور شامی نے اس سے زیادہ تفصیل بیان کی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ رومال سے پوچھنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ جائز ہے اور منہ کا پوچھنا بھی درست ہے اور داڑھی کا بھی، اور اگر نہ پونچھا جاوے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ اور یہ کہنا کہ داڑھی کا پانی گرنے سے فرشتوں کو اس کو اٹھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بے اصل ہے۔[3]

ج: وضو کے بعد رومال سے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ زیادہ نہ رگڑے تاکہ وضو کا کچھ اثر باقی رہے۔

((قال في الشامية: تحت (قوله والتمسح بمنديل) ففي الخانية۔ ولابأس به للمتوضي والمغتسل، روى عن رسول الله ﷺ انه كان يفعله ومنهم من كره ذلك ومنهم من كرهه للمتوضي دون المغتسل۔ والصحيح ماقلنا۔ الا انه ينبغي ان لايبالغ ولا يستقصي فيبقى اثر الوضوء على اعضائه)) (ردالمحتار ج۱ ص۱۲۱)[4]

وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف انگلی اٹھانا:

س: وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انگلی شہادت کو آسمان کی طرف اٹھانا کیسا ہے؟

ج: شامی ج۱ ص۱۱۹۔ میں آسمان کی طرف دیکھنے کا ذکر ہے۔ انگلی اٹھانے کا نہیں۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ ص۳۱
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ ص۳۴
[3] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ ص۱۳۱
[4] احسن الفتاوی ج۲ ص۲۵

((وان يقول بعد فراغه الی قوله۔ ناظر الی السماء))

البتہ طحطاوی[۱] میں علامہ غزنویؒ سے منقول ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ ذكر الغزنوی۔ انه يشير بسبابته حين النظر الی السماء (ص۴۳)[۲]

وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا:

س: وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

ج: وضو کرنے کے بعد جس طرح کچھ ادعیہ کا مستحب ہونا ثابت ہے۔ جیسے اللهم اجعلنی من التوابين الخ یا سبحانك اللهم وبحمدك الخ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ ان ادعیہ پڑھتے وقت نظر آسمان کی طرف ہو۔

((قال فی الرّدالمحتار تحت (قوله وان يقول بعده) وزاد فی المنية ايضاً وان يقول بعد فراغه سبحانك اللهم وبحمدك اشهدان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك واشهد ان محمدً اعبدك ورسولك، ناظراً الی السماء)) (ردالمحتار ج۱ص۹۵)[۳]

وضو کے بعد انا انزلنا پڑھنا:

س: آپ نے بہشتی زیور حصہ اوّل میں لکھا ہے، بعد وضوء کے انا انزلناه اور دعا پڑھنا چاہئے۔ اور ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس کے ثابت ہونے کی حدیث موضوع ہے، اور پڑھنا اس کا خلاف سنت ہے، آیا ہم کس کے قول کو تسلیم کریں، اور آپ نے کسی صحیح روایت سے لکھا ہو تو جواب دیں؟

ج: منیۃ المصلی میں انا انزلناه پڑھنے کو لکھا ہے۔ اور شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ نہیں لکھا کہ اس کا پڑھنا سنت یا ثواب ہے، اور ملا علی قاری اگر خلاف سنت کہتے ہیں، وہ جب ہے جب اسے کوئی سنت سمجھے، ورنہ کچھ حرج نہیں، پس تعارض نہ رہا۔[۴]

اس کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا۔ اور نہ ہی اس عمل کو خلاف سنت بتایا ہے۔ بلکہ یہ نسبت ہی ملا علی القاری کی طرف غلط ہے۔[۵]

معذور شرعی کی تعریف:

س: معذور شرعی جس کو وقتیہ وضوء سے نماز وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے، اس کی مفتی بہ تعریف کیا ہے؟ مجھے ریاح جاری رہتی ہے۔ قریب قریب کوئی نماز بدوں اس کے نہیں گزرتی۔ آیا میرے لئے صرف ایک دفعہ وضوء کر لینا ہر وقت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

---

۱ طحطاوی ص۴۳ ۲ خیر الفتاوی ج۲ص۵۵ ۳ احسن الفتاوی ج۲ص۱۱

۴ امداد الفتاوی ج۱ص۶ ۵ ایضاً۔

ج: معذور شرعی ابتداءً اس وقت ہوتا ہے کہ تمام وقت نماز میں کوئی وقت اس کو ایسا نہ مل سکے کہ وضو کر کے نماز بدوں اس عذر کے ادا کر سکے۔

((بان لایجد فی جمیع وقتھازمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث الخ))

((وھذا شرط العذر فی حق الابتداء، وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولومرة۔ وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت الخ)) (درمختار ج۱ص۲۸۱)

پس اگر ایک دفعہ بھی تعریف مذکور اس پر صادق آ گئی تو وہ معذور ہو گیا۔ پھر اس وقت تک معذور ہی رہے گا جب تک وہ عذر بالکل منقطع نہ ہو جائے، پس ایسے معذور کو وقت میں ایک دفعہ وضو کر لینا کافی ہے۔ تمام وقت میں اس عذر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ پھر خروج وقت سے وہ وضو باطل ہو جاتا ہے۔[1]

معذور کے کپڑے کا حکم:

س: صاحب عذر کے لئے ہر نماز کے وقت کپڑے دھونا یا بدلنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: کپڑے کی طہارت کا یہ حکم ہے کہ اگر اس کو یقین ہو کہ کپڑا دھونے کے بعد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک نہیں ہو گا۔ تو بالاجماع دھونا ضروری ہے۔ اور اگر دوبارہ ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا ضروری نہیں۔[2]

س: ایک شخص کے زخم سے خون رستا رہتا ہے۔ وہ کپڑا بدلتا ہے تو وہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے، یہ شخص نماز کیسے پڑھے؟

ج: اگر کپڑا دھونے یا بدلنے کے بعد نماز ختم کرنے سے پہلے پھر تر ہو جائے تو اس کا بدلنا یا دھونا واجب نہیں، ورنہ واجب ہے۔

قال فی العلائیة وان سال علی ثوبه فوق الدرھم جازله ان لایغسله۔ ان کان لوغسله تنجس قبل الفراغ منھا ای الصلوٰة ولا یتنجس قبل فراغه۔ فلا یجوز ترك غسله وھو المختار للفتویٰ۔ (رد المختار ج۱ص۲۸۲)[3]

معذور کا وضو کب تک رہتا ہے:

س: ایک آدمی جس کا ریح کے خارج ہونے سے وضوء پانچ منٹ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات تو مکمل وضوء کا وقفہ بھی نہیں ملتا۔ اسے ریح تنگ کرتی ہے۔

۱- کیا وہ اسی حالت میں وضو کرے؟

۲- وہ وضوء تہجد اور صبح کی نماز کے لئے کافی ہو گا۔ یا صبح کی نماز کے لئے جدید وضو کرے؟

۳- اگر صبح کو وضوء کیا، نماز کے بعد تلاوت و ذکر میں مصروف رہا۔ یا کسی دنیاوی کام میں۔ کیا اشراق کے لئے دونوں

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ص۲۹۸ [2] احسن الفتاویٰ ج۲ص۷۵ [3] ایضاً۔

صورتوں میں جدید وضو کرنا ہوگا۔ یا وہی صبح کی نماز والا وضوء کافی ہوگا؟

۴- نماز کے لئے وضو کیا، نماز کے بعد دیگر عبادات بھی اسی وضوء سے کرسکتا ہے؟ مثلاً وظائف وغیرہ

ج: اگر ریح اتنی دیر بھی نہیں رکتی کہ وضوء کر کے دو یا چار رکعت فرض ادا کرے۔ تو یہ شخص شرعا معذور بن جاتا ہے، فرض نماز کے وقت کے اختتام پر یہ شخص بے وضو ہوگا۔ وقت کے اندر فرض، نفل، تلاوت اور دیگر جملہ وظائف کرسکتا ہے۔

((ویبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق)) (ھندیہ ج۱ص۲۱)

ائمہ کے اختلاف کے پیش نظر بہتر یہ ہے کہ تہجد کے وضو سے فجر کی نماز نہ پڑھے، اگرچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تہجد کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

((لوتوضأ المعذور لصلوٰة العیدله ان یصلی الظھربه عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ وھوالصحیح لانھا بمنزلة صلوٰة الضحی (ھندیه ج۱ص۲۱)

فجر کے وضو سے اشراق کی نماز نہ پڑھے۔[۱]

مرض لیکوریا کے مسائل:

س: مجھے لیکوریا (سیلان الرحم) کی بیماری ہے۔ جس کی وجہ سے بار بار وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔

(۱) اگر میں بیٹھ کر نماز ادا کروں تو پانی کم خارج ہوتا ہے یا بعض وقت ہوتا ہی نہیں۔ کیا میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہوں۔

(۲) اگر میں کوئی دہشت کی آواز سنوں تو زیادہ اخراج ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھوں تو خواب میں رطوبت خارج ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ اگر خواب میں اخراج ہوجائے خواہ کسی نفسانی خواہش کے تحت نہ بھی ہو تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۳) میں نے پڑھا ہے ایسا ویسا خواب نہ بھی دیکھا ہو اگر سو کر اٹھیں تو رطوبت موجود ہونے پر غسل کرلیا جائے۔ مبادا وہ منی ہو۔ عورتوں میں کچھ پانی موجود ہوتا ہے۔ خاص کر میرے اندر بیماری کی شکایت ہے کیا میں ہر روز غسل کروں؟

(۴) بعض صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے بھی اجازت دی ہے کہ بیمار یا معذور نماز کے آخری وقت میں وضو کر کے اس وقت کی اور اگلے وقت کی نماز دونوں ایک ہی وضو سے پڑھ سکتا ہے۔ ایسی رعایت کن مریضوں کے لئے ہے۔ نیز معذور کے لیے حکم ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرے جب تک اس نماز کا وقت رہے گا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۵) کسی کی صبح کی نماز قضا ہوگئی۔ اب اس قضاء نماز کو پڑھے بغیر ظہر کی نماز ادا کرتا ہے تو یہ نماز ہوئی یا نہ۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ صبح کی نماز دوسرے روز کی صبح کے ساتھ پڑھ لی جائے تو ٹھیک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر بغیر کسی عذر کے

---

[۱] خیر الفتاویٰ ج۲ص۵۱

چاروں نمازیں پڑھ لے اور پھر دوسرے دن صبح کے وقت قضا پڑھی تو ان چاروں نمازوں کو لوٹانا چاہئے۔ کیا یہ درست ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چھ نمازیں بغیر قضا شدہ کے پڑھے تو صرف قضاء پڑھے باقیوں کو نہ لوٹائے۔ کیا یہ بھی درست ہے؟

ج: اس رطوبت کے نکلنے سے احتیاطاً وضو کر لینا چاہئے۔

۱- اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رطوبت خارج نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ **كذا في الشامية و كذا لو سال عند القيام يصلي قاعداً۔** (ج ۱ ص ۲۲۵)

۲- جب یہ یقین ہو کہ یہ رطوبت وہی ہے جو جاگتے میں بھی بوجہ بیماری خارج ہوتی رہتی ہے۔ تو ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا۔ جس مسئلہ کا سوال میں ذکر ہے وہ غیر مریض کے بارے میں ہے۔

۳- معذور ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ نماز کے پورے وقت میں اسے اتنا وقت نہ مل سکے کہ باوضوء ہو کر نماز کے فرض ادا کر لے۔ تو وہ شخص معذور بنے گا۔ یہ نماز کے وقت میں وضو کر کے نماز فرض وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔ اسی عذر (مثلاً سیلان رطوبت) سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس نماز کا وقت ختم ہوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ آئندہ نماز کے لئے دوسرا وضو کرنا ہوگا۔ مگر جو شخص بیٹھ کر خالی از عذر ہونے کی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ وہ معذور نہیں۔ (کما فی الشامیۃ والدر المختار ج ۱ ص ۲۸۳)

۴- قضاء شدہ نماز یاد آنے پر فوراً (سوائے اوقات مکروہہ کے) پڑھ لینا ضروری ہے، یاد ہوتے ہوئے اگر وقتیہ کو ادا کیا جائے تو نماز وقتیہ کی ادا صحیح نہ ہوگی، اس کا اعادہ واجب ہے۔ یہ صاحب ترتیب کے لئے ہے۔ اگر قضاء یاد نہ ہونے کی صورت میں وقتیہ پڑھ لی تو وقتیہ کی ادا صحیح ہوگی۔ قضاء کی ادائیگی کو مؤخر نہ کرے۔ چھ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کسی محرم رشتہ دار کے ذریعہ محقق عالم سے زبانی دریافت کر لیا جائے۔[1]

س: ایک عورت کو پانی خارج ہوتا ہے لیکن اس کو یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ پانی کس وقت اور کب آتا ہے، جب تک وہ اسے دیکھتی نہیں۔ کبھی تو کم بہتا ہے اور کبھی زیادہ۔ نماز شروع کرنے سے پہلے اس نے دیکھا تو کچھ بھی ناپاکی نظر نہ آئی۔ لیکن نماز کے دس منٹ بعد دیکھا تو پانی نکلا ہوا تھا، جو کہ کھال کے اندر تھا، اور اس سے شلوار گیلی نہیں ہوئی تھی۔ نماز تقریباً پونا گھنٹا تک جاری رہی، پچیس منٹ بعد دیکھا تو پانی نکلا ہوا تھا، آیا اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اسے یہ ہرگز خبر نہیں کہ یہ پانی دورانِ نماز خارج ہوا تھا یا کہ بعد از فراغت نماز۔ اگر اس سے نماز ٹوٹی ہے تو کیا ساری نماز جو اس وقت پڑھی گئی تھی لوٹائے یا صرف فرض نماز؟

ج: جب نماز کے اندر وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو نماز ہو جائے گی، ایسی مریضہ شرمگاہ کے اندر اسفنج رکھ لیا کرے۔ یہ پانی کو جذب کرتا رہے گا۔ جب تک اسفنج کے اس حصہ پر رطوبت نہیں آئے گی جو شرمگاہ کے گول سوراخ سے باہر ہے، اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹے گا۔[2]

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۵۸، ص ۵۹ [2] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۷۹

خروجِ مسہ کا حکم:

س: ایک آدمی خونی بواسیر کا مریض ہے، نماز میں مسہ جائے مقعد سے باہر نکلا مگر اس کے ساتھ خون وغیرہ کچھ نہیں نکلا۔ پھر مسہ خود بخود گم ہوگیا۔ کیا وضوٹوٹ گیا یا نہیں؟

ج: اگر یہ شخص معذورین کے حکم میں نہیں ہے۔ تو وضوٹوٹ جائے گا۔

((لعموم۔ وینقض الوُضوء کل ماخرج من السبیلین اھ))

عالمگیری میں ہے۔

((وذکر الشیخ شمس الائمۃ الحلوانیؒ ان بنفس خروجِ الدبر ینتقض الوضوء))(ج اص د)[1]

معذورین کیلئے مختصر ترین نماز:

س: بندہ پیٹ کی تکلیف کا دائمی مریض ہے۔ ریاح خارج ہوتی رہتی ہیں۔ اگر وضوء کے بعد ریاح کو اتنی دیر روک لیا جائے کہ نماز مکمل پڑھی جاسکے۔ تو پیٹ میں تکلیف پیدا ہوکر دل کی طرف آجاتی ہے۔ اور اگر ریاح کو نہ روکا جائے تو کئی دفعہ وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نماز دھرانی پڑتی ہے، یہ صورت متواتر پریشان کن ہے۔ شرعی لحاظ سے بندہ معذور ہے یا نہیں؟

ج: وضو کرکے اگر صرف نماز کی فرض رکعتیں بغیر وضوٹوٹے پڑھ سکتے ہیں، تو آپ شرعاً معذور نہیں ہوں گے۔ گو اس دوران ریاح کو معمولی طور پر روکنا بھی پڑے۔ یہ فرض رکعتیں بھی اس طرح پڑھیں کہ صرف نماز کے فرض وواجبات ادا ہوجائیں، گوسنن ومستحبات رہ جائیں، اس طرح یہ رکعتیں مزید مختصر ہوجائیں گی۔

مثلاً قیام میں صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ کوثر یا اخلاص۔ رکوع اور سجود میں ایک ایک دفعہ تسبیح اور التحیات کے بعد اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد۔ مختصر درود اور اللھم اغفرلی دعا کافی ہے، تیسری اور چوتھی رکعت کے قیام میں صرف تین تین مرتبہ سبحان اللہ۔ گو سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں۔ امید ہے کہ اس طرح آپ باوضو نماز پڑھ سکیں گے۔ اگر اس میں بھی دشواری ہو تو تفصیل لکھ کر دوبارہ جواب حاصل کرلیں۔[2]

سلسل البول والے کا حکم:

س: بندہ بالکل چھوٹی عمر سے سلسل البول کی بیماری میں مبتلا ہے، اب عمر پچیس سال ہے، آرام بالکل ہی نہیں۔ بعض اوقات قطرات ٹھہر جاتے ہیں، بعض اوقات میں قطرات مسلسل جاری رہتے ہیں حتیٰ کہ وضو بھی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ نماز پڑھ سکوں۔ مثلاً صبح صادق سے عام طور پر جو قطرات شروع ہوتے ہیں۔ تو سورج نکل آتا ہے، نماز بعد میں قضاء کرتا ہوں۔ دوسری عرض یہ ہے کہ غریب آدمی ہوں۔ دو تہہ بند رکھتا ہوں۔ ایک تہہ بند ہر وقت باندھتا ہوں۔ جو کہ پلید رہتی ہے۔ اور

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۵ [2] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۶۴

دوسرا نماز کے وقت باندھتا ہوں۔مگر وہ بھی نماز کی حالت میں بول سے نجس ہو جاتی ہے۔تو کیا اس حالت میں جب کہ کپڑا نجس ہو نماز لوٹانی پڑے گی؟

ج: جسے نماز کے ابتدائی وقت سے قطرات شروع ہوئے اور آخری وقت تک اتنی دیر کے لئے بھی نہیں رکے کہ وضو کر کے فرض نماز ادا کر سکے۔تو یہ شخص شرعاً معذور ہے، کہ اس کا وضو ایک دفعہ کر لینے سے وقت کے اندر قطرات کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا، وضو کر کے نماز پڑھ لے، اگر چہ دوران وضو یا نماز قطرات ٹپکتے رہیں نماز ہو جائے گی۔ دوسرے وقت آنے پر پھر تازہ وضو کر کے نماز پڑھ لے، اگر کپڑا اتنی دیر بھی پاک نہیں رہتا کہ فرض ادا کر سکے تو بغیر دھوئے نماز ہو جائے گی۔ ورنہ دھونا ضروری ہوگا۔ جب کہ قدر درہم کو پہنچ جائے۔[1]

بواسیر کے مریض کے لئے وضو کا حکم:

س: بادی بواسیر جس میں ہر وقت رساوٹ رہے اور جس کا روکنا ممکن نہ ہو۔ایسی صورت میں ادائیگی نماز کی کیا صورت ہوگی؟

ج: جبکہ بواسیر کی رساوٹ کسی وقت بند نہ ہوتی ہو۔تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز فرض کے وقت ایک مرتبہ وضو کر لے۔ اور پھر اسی وضو سے اس وقت کے اندر اندر جتنی چاہے نمازیں اور قرآن شریف سب درست ہوں گی۔ اگر چہ رساوٹ جاری رہے۔اور کپڑے بھی خراب ہوں۔ البتہ جب دوسری نماز کا وقت آیا تو یہ وضو کافی نہ ہوگا، دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔[2]

نکسیر کا مریض:

س: کسی شخص کو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد نکسیر جاری ہوئی اور آخر وقت تک بند نہ ہوئی۔تو نماز کس طرح پڑھے؟

ج: اگر دخول وقت کے بعد کسی کو عذر نکسیر وغیرہ پیش آیا تو وہ آخر وقت تک انتظار کرے، اگر نکسیر برابر جاری ہے تو اسی حالت میں وضو کر کے نماز ادا کرے۔ اور اگر دوسرے وقت عذر کا استیعاب رہا تو اعادہ لازم نہیں، ورنہ اعادہ لازم ہے۔(شامی)[3]

ناسور کا مریض:

س: ایک شخص کو ناسور کا عارضہ ہے۔اور قطرہ قطرہ رطوبت خارج ہو کر کپڑے میں جذب ہو جایا کرتی ہے۔اور یہ مرض دائمی ہے تو یہ شخص عصر کے وضو سے مغرب کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ان ہی کپڑوں کے پہنے ہوئے نماز پڑھنا اور امام ہونا درست ہے یا نہیں؟

ج: وہ شخص معذور ہے اور معذور غیر معذورین کا امام نہیں ہو سکتا۔ **کما فی الدر المختار۔ ولا طاهر بمعذور**۔اور

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۶۲ [2] فتاوی دار العلوم دیوبند مفتی محمد شفیع ج ا ص ۱۹۱ [3] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ا ص ۲۸۵

معذور وقت کے اندر نماز اس عذر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اور کپڑے کے دھونے کی یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہے کہ اگر کپڑے کو دھویا جائے گا تو پھر نماز سے پہلے ناپاک ہو جائیگا تو نہ دھونا درست ہے۔ اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ نماز سے فارغ ہوتے تک درہم سے زیادہ ناپاک نہ ہوگا تو دھونا چاہئے۔[1]

آنکھ کے آپریشن میں نماز کا حکم:

س: آنکھ بنوانے کی صورت میں طبیب کی ممانعت کی وجہ سے ایک وقت معینہ تک نماز کو مؤخر کرے یا اشاروں سے پڑھے اگر اشارہ کر سکتا ہے تو کیسے؟

ج: آنکھ بنوانے کی صورت میں بعد ممانعت طبیب اشارہ سے نماز پڑھے، مؤخر کرنا درست نہیں۔ اور اگر مؤخر کی تو استغفار کرے اور نماز کی قضاء کرے۔ اور اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے، کہ چت لیٹے اور سر کی نیچے تکیہ رکھ لے۔ جیسا تکیہ بھی ہو۔ لیکن بڑے تکیہ (گاؤ تکیہ) کی اجازت طبیب دے تو یہ اچھا ہے، کہ اس میں اشارہ رکوع وسجود کا اچھی طرح اور آسانی سے ہوگا۔ اور اشارہ رکوع کا تھوڑا سا سر کو سینہ کی طرف جھکانے سے ادا ہو جائے گا۔ اور سجدہ کا اشارہ اس سے کچھ زیادہ ہو۔ شامی میں اشارہ رکوع وسجود کی یہ تشریح کی ہے۔

((اشار الی انه یکفیه ادنیٰ الانحناء عن الرکوع۔ اور درمختار میں ہے۔ یجعل سجوده اخفض من رکوعه))[2]

زخم پر مسح کا طریقہ:

س: ہاتھ یا پاؤں میں زخم ہو اور پانی لگانے سے اندیشہ بڑھنے کا ہو تو کس طریق سے مسح کرے؟ زخم کے آس پاس خشک جگہ تو ضرور رہے گی۔ اگر پھایہ رکھا ہوا ہے تو کیا پھایہ پر مسح کرے؟ اور اگر اس سے پانی اندر جانے کا اندیشہ ہو تو کیا آس پاس مسح کرلے۔ اور اس کا کیا طریق ہے؟ اگر پٹی زخم سے زیادہ جگہ پر ہو تو کس طرح مسح کرے۔ اور حاجت غسل میں کیا کرے؟

ج: جب کہ دھونے سے اندیشہ ہو زخم کے بڑھنے کا تو اس پر مسح درست ہے، مسح میں تر ہاتھ پھیرنا ہوتا ہے اس جگہ پر۔ اول تو یہ حکم ہے کہ اگر بلا پٹی پھایہ کے ہاتھ پھیرنے میں کچھ اندیشہ نہ ہو تو بلا پٹی پھایہ کے اس جگہ پر تر ہاتھ پھیرے، اگرچہ بعض بعض موقع اس میں خشک رہ جائے۔ اور بلا پٹی وغیرہ مسح کرنے میں زخم کا خوف ہے تو پٹی یا پھایہ پر تر ہاتھ پھیرے۔ آس پاس کی جگہ خشک رہ جانے سے کچھ حرج نہیں، ہاتھ سب جگہ پھیرے، اگرچہ پانی کہیں لگے اور کہیں نہ لگے۔ جیسا کہ مسح میں ہوتا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

اور پٹی اگرچہ موضع زخم سے زیادہ ہو تمام پٹی پر مسح کرے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور غسل کی ضرورت ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ زخم کی جگہ مسح کرے۔ جیسے اوپر مذکور ہوا اور باقی بدن کو دھودے اور پانی بہادے۔[3]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۸۵ [2] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۹۶ [3] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۹۶

نواقضِ وضوء

س: وضو کو توڑنے والی کونسی چیزیں ہیں؟

ج: بہت سے چیزیں ایسی ہیں جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) جسم کے کسی حصہ سے خون، پیپ یا کوئی اور ناپاک چیز نکلے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) اگر جسم کے کسی حصہ سے کوئی ناپاک چیز نکلے اور اپنے مقام سے نہ بہے۔ مگر ایسی ہو کہ اگر جسم پر چھوڑ دی جائے تو ضرور اپنی جگہ سے بہہ کر دوسری جگہ چلی جائے، تو وضوٹوٹ جائے گا۔

(۳) اگر زخم سے ذرا ذرا سا خون یا پیپ کئی بار نکلے۔ اور ہر بار کپڑے سے صاف کر دیا جائے، یا مٹی وغیرہ ڈال کر خشک کر دیا جائے، تو ہر بار جو نکلا ہے وہ اگر اس قدر ہو کہ اگر نہ پونچھا جاتا تو اپنی جگہ سے بہہ کر دوسری جگہ چلا جاتا، تو وضوٹوٹ جائے گا۔

(۴) چت یا کروٹ پر یا کسی ایسی ہیئت پر سو جائے کہ جس میں سرین زمین سے علیحدہ ہو جائے۔ تو وضوٹوٹ جائے گا۔[1]

ہوا خارج ہونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے:

س: جس ریح میں آواز اور بدبو نہ ہو۔ وہ وضو کو توڑتی ہے یا نہیں۔ اگر ایسی صورت ہر رکعت میں پیش آئے تو کیا کرنا چاہئے۔ اور ایسے عذر والے کو امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر یقین خروج ریح کا ہو خواہ آواز ہو یا نہ ہو، اور وہ شخص معذور نہ ہو تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔ وضو پھر کرنا چاہئے۔ اور اگر محض شبہ ہو اور اختلاج سا ہو تو وضو نہیں گیا۔ نماز صحیح ہے۔[2]

زخم سے نکلنے والا مواد ناقضِ وضو ہے:

س: زخم ایسے موقع پر ہے کہ نشست و برخاست سے دبتا ہے، جو رطوبت دبنے کی وجہ سے نکلے وہ ناقضِ وضو ہوگی یا نہ؟ قصداً دبانے یا بلاقصد دبنے میں کچھ فرق ہے یا نہ؟

ج: دبنے یا دبانے سے اگر رطوبت سائلہ نکلے جو کہ موقع زخم سے باہر بہہ جاوے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر نکل کر زخم ہی میں رہی تو وضو نہیں ٹوٹتا، الغرض بلاقصد دب جانا یا قصداً دبانا برابر ہے۔ اگر خود دب کر بہنے والی رطوبت باہر نکل آئے۔ یا دبا کر نکالی جائے اور بہے زخم سے باہر تک تو وضوٹوٹ جاوے گا۔[3]

---

[1] علم الفقہ ج ۱ ص ۹۳　[3] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۴۸

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۳۷

عورت کو چھونا ناقضِ وضو ہے:

س: میاں بیوی بحالتِ وضو ایک دوسرے کے جسم پر مس کریں۔ تو وضو قائم رہتا ہے یا نہیں۔ جبکہ کپڑا بھی حائل نہ ہو؟

ج: مباشرت فاحشہ جو بتماس الفرجین بلا حائل کے ہو ناقضِ وضو ہے، یعنی مرد کے عضو خاص سے عورت کے عضو خاص کا چھونا اس طرح کے درمیان میں کپڑا وغیرہ نہ ہو۔ ناقض وضو ہے۔ باقی ہاتھ وغیرہ سے ننگے جسم کا کوئی حصہ چھونا ناقضِ وضو نہیں۔[1]

جن چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا

خون بغیر سیلان ناقض نہیں:

س: داد ہو یا ناسور۔ آبلہ ہو یا زخم، جو کچھ اس میں سے خارج ہوگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ یا دبا دیا جائے یا خود نکلے۔ ہر دو حالت میں اگر قوت سیلان نہیں ہے تو ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟ اور خاص امر استفسار طلب یہ ہے کہ جب قوت سیلان نہیں ہے اور جگہ نہیں چھوڑی۔ جیسے بعض اقسام داد میں رطوبت اوپر رہتی ہے، یا گاہے گاہے نکل کر وہیں رہتی ہے، یہ رطوبت اگر خود نکلی ہو تو ناقض وضو ہے یا نہیں اور اگر کسی ہاتھ یا کپڑے کو لگ جائے تو وضو رہے گا یا نہیں اور وہ کپڑا یا ہاتھ نجس ہوگا یا نہیں؟

ج: مدار نقضِ وضو سیلان پر ہے۔ اگرچہ بالقوہ ہو۔ **کما قالوا لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکه لسال نقض، والا لا الخ۔** (درمختار) اور خارج اور مخرج برابر ہے۔ یعنی خود نکلنے والا اور دبا کر نکلنے والا برابر ہیں۔ **والمخرج والخارج سیأن الخ** (درمختار)

پس جبکہ سیلان نہ پایا گیا، نہ بالفعل نہ بالقوہ تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور وہ رطوبت جو غیر سائل زخم کے منہ پر ہے نجس بھی نہیں ہے۔

لانه مالیس بحدث لیس بنجس، کما صرح به الفقهاء، یعنی جس رطوبت سے وضو نہیں ٹوٹتا وہ ناپاک نہیں ہے۔ پس زخم کے اوپر کپڑا لگنے سے جو رطوبت کپڑے کو لگ جائے اس سے کپڑا بھی ناپاک نہ ہوگا۔[2]

بچہ کا حالتِ نماز میں دودھ پینا:

س: عورت نماز کی حالت میں تھی۔ بچہ نے آ کر اس کا دودھ پی لیا۔ اس کے وضو اور نماز کا کیا حکم ہے، کیا وضو اور نماز کی تجدید ضروری ہے؟

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۱۳۹ [2] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۱۴۹

ج: مذکورہ صورت میں وضو نہیں ٹوٹا۔ لعدم خروج النجس۔ جبکہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

((لحصول الارضاع۔ کذافی الدرالمختار۔ قال فی الدر المختار فی مفسدات الصلوٰة اومص ثدیها ثلاثا الخ۔ وقال فی ردالمحتار وفی المحیط۔ ان خرج اللبن فسدت۔ لانه یکون ارضاعاً، والافلا۔ ولم یقیده بعدد وصححه فی المعراج حلیة وبحر))[1]

یعنی اگر دودھ نکلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور وضو فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر دودھ نہ نکلا تو وضو اور نماز دونوں فاسد نہ ہوں گی۔[2]

س: عورت دودھ والی وضو سے ہو اور وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلا دے یا دودھ اس کا آپ سے جاری ہوا یا وہ نماز میں ہو اور لڑکا دودھ پیوے، دودھ نکلے یا نہ نکلے، اس کی نماز اور وضو کا کیا حکم ہے؟

ج: دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر نماز میں ہو اور بچہ دودھ پی لے اور دودھ نکل بھی آئے تو نماز جاتی رہے گی، اور اگر دودھ نہ نکلے تو نماز نہ جائے گی۔[3]

ننگے ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

س: میں نے سنا ہے کہ جب پاؤں پنڈلی تک برہنہ ہو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ ہم بعض دفعہ غسل کے بعد یا ویسے کپڑے بدلتے ہیں تو ظاہر ہے کہ پنڈلی برہنہ ہو جاتی ہے کیا اس حالت میں بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

ج: کسی حصہ بدن کے برہنہ ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[4]

کپڑے بدلنا اور اپنا سراپا دیکھنا:

س: ...... اکثر بزرگ خواتین یہ کہتی ہیں کہ اگر گھر کے کپڑے پہنے وضو کر لیا اور پھر قرآن خوانی میں جانا ہے یا نماز پڑھنی ہے تو ہم وضو کرنے کے بعد دوسرے کپڑے بدلتے وقت ...... اپنے سراپا کو نہ دیکھیں اپنا سراپا دیکھنے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں؟

ج: خواتین کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ کپڑے بدلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ اپنا سراپا (ستر) دیکھنے سے وضو ٹوٹتا ہے۔[5]

س: ہم نے عام طور پر لوگوں سے سنا ہے کہ جب پاجامہ گھٹنے سے اوپر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

ج: کسی کے سامنے پاجامہ گھٹنوں سے اوپر کرنا گناہ ہے مگر اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[6]

ننگا ہونے یا مخصوص جگہ ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

س: ...... غسل خانے میں ننگا ہو گیا مکمل وضو کیا اس کے بعد غسل کیا صابن وغیرہ تمام جسم پر لگایا۔ ہاتھ بھی جگہ جگہ (مخصوص

---

[1] درمختار ج ۱ ص ۴۶۴ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۴۰ [3] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔

جگہ) لگا یا اس کے بعد کپڑے تبدیل کر کے باہر آ گیا۔ کیا نماز ادا کر سکتا ہوں یا کپڑے بدل کر وضو کروں پھر نماز ادا کروں؟

ج: وضو ہو گیا۔ دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ برہنہ ہونے یا اپنے اعضا کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[1]

دُکھتی آنکھ کے پانی کا حکم:

س: آنکھ دُکھتی میں جو ڈھیڈ آ جاتا ہے۔ تو زید کہتا ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ خون سے بنتا ہے۔ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

ج: آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، پاک ہے۔ اگر چہ بعض نے ناپاک کہہ دیا ہے، لیکن تحقیق کے خلاف ہے۔[2]

س: عام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ آنکھ اُٹھی ہو، یا اس میں کوئی چوٹ لگنے سے یا مٹی وغیرہ پڑ جانے سے یا آنکھ میں درد پیدا ہو جانے سے۔ یعنی ان تمام صورتوں میں جب درد پیدا ہونے سے پانی نکلے گا، تو وہ نجس ہے اور ناقضِ وضو ہے۔

اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کا فتوی فتاوی رشیدیہ حصہ دوم ص ۲۷ پر عدم ناقض وضو مرقوم ہے، آنکھ دکھنے ہیں جو پانی نکلتا ہے پاک ہے۔ اگر چہ بعض نے ناپاک کہہ دیا۔ لیکن خلاف تحقیق ہے۔

ج: آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، اس میں تحقیقی قول وہی ہے جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے۔

اس مسئلہ کی بحث درمختار اور شامی ج ا ص ۱۳۷ میں اس طرح کی ہے، کہ صاحب درمختار نے لکھا ہے۔

''وہ پانی نجس اور ناقض وضو ہے''، عبارت اس کی یہ ہے۔

فد مع من بعینیه رمد اوعمش ناقض الخ۔

اس پر شامی نے امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ نقل کی ہے۔ کہ ایسی صورت میں وضو کا حکم امر استحباباً ہے وجوباً نہیں ہے۔ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ وہ پانی ناقض وضو نہیں ہے، شامی کی عبارت یہ ہے۔

((قوله ناقض الخ۔ قال فی المنية، وعن محمد رحمه اللّٰه اذا کان فی عینيه رمد وتسیل الدموع منها، امره بالوضوء لوقت کل صلٰوة۔ لانی اخاف ان یکون مایسیل منه صدیدا فیکون صاحب العذر))

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں۔ اور یہ موافق قواعد شرعیہ کے ہے۔ یہی راجح ہے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴ [2] تالیفات رشیدیہ ص ۱۳۴

[3] فتاوی دار العلوم دیو بند ج ا ص ۱۳۴

س: بہشتی زیور حصہ اول نواقض وضو کے ذیل میں لکھا ہے کہ اگر آنکھیں اٹھی ہوں اور کھٹکتی ہوں تو پانی بہنے اور آنسو نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، اور اگر آنکھیں نہ آئی ہوں۔ اس میں کچھ کھٹک ہو، تو آنسو نکلنے سے وضونہیں ٹوٹتا، آگے چل کر بطور قاعدہ کلیہ درج ہے کہ جس چیز کے نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے وہ چیز نجس ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب بچوں کی آنکھیں دکھتی ہیں اور ان کی آنکھوں کا پانی اکثر ماں وغیرہ کے کپڑوں کو تر کر دیتا ہے۔ کیا اس کپڑے سے بغیر دھوئے نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس مسئلہ میں ایک قول یہ ہے جو بہشتی زیور میں منقول ہے، اور قاعدہ مذکورہ بھی صحیح ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آنکھیں دکھنے والے کی آنکھ سے جو پانی نکلے وہ ناقضِ وضونہیں ہے۔ اور اس صورت میں وہ نجس بھی نہ ہوگا، حسب قاعدہ مذکورہ شامی میں منیہ سے منقول ہے۔

((وعن محمد اذا كان فى عينيه رمد وتسيل الدموع منها امره بالوضوء لوقت كل صلوٰة۔ لانى، اخاف ان يكون مايسيل منها صديدا۔ فيكون صاحب العذر قال فى الفتح۔ وهذا التعليل يقتضى انه امر استحباب۔ فان الشك والا حتمال لايوجب الحكم بالنقض اذ اليقين لايزول بالشك الخ)) (شامی ج۲ص۱۳۷)

پس اس تحقیق کی بنا پر وہ پانی جو دکھتی آنکھ سے نکلے جب تک متغیر نہ ہو مثلاً اس میں سرخی وغیرہ نہ ہو، بلکہ صاف پانی ہو تو وہ ناقض وضو نہ ہوگا، اور نجس بھی نہ ہوگا[1]

دانت میں چاندی بھری ہونے پر غسل اور وضو:

س: زید نے اپنی داڑھ چاندی سے بھروائی ہے کیا اس طرح اس کا غسل اور وضو ہو جاتا ہے جب کہ پانی اندر تک نہیں جاتا؟

ج:...... غسل اور وضو ہو جاتا ہے۔[2]

مصنوعی دانت کے ساتھ وضو:

س:...... مصنوعی دانت لگا کر وضو ہو جاتا ہے یا ان کا نکالنا ضروری ہے؟

ج:...... نکالنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ساتھ وضو درست ہے۔[3]

وضو کے وقت عورت کے سر کا ننگا رہنا:

س:...... کیا وضو کے وقت عورت کا سر پر دوپٹہ اوڑھنا ضروری ہے؟

ج:...... عورت کو حتی الوسع سر ننگا نہیں کرنا چاہئے مگر وضو ہو جائے گا۔[4]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیو بند ج۱ص۱۴۳، ص۱۴۴ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۴۳

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

سرخی یا وَڈر' کریم لگا کر وضو کرنا:

س:......عورت کے لئے ناخن پالش لگانا گناہ ہے کہ یہ لگانے سے وضو نہیں ہوتا اور وضو نہیں تو نماز بھی نہیں۔ مگر مروجہ کریم' پاؤڈر یا سرخی لگانا کیسا ہے؟ کیونکہ اس سے ناخن پالش کی طرح کوئی قباحت نہیں کہ وضو کا پانی اندر نہ جائے۔

ج:......ان میں اگر کوئی ناپاک چیز ملی ہوئی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں' مگر ناخن پالش کی طرح سرخی کی تہ جم جاتی ہے۔ اس لئے وضو اور غسل کے لئے اس کا اتارنا ضروری ہے۔[1]

سینٹ اور وضو:

س:......غسل کرنے کے بعد یا وضو کرنے کے بعد ناخن کاٹنے' شیو بنانے اور سینٹ لگانے سے وضو تو نہیں ٹوٹتا اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ سنا ہے کہ سینٹ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس میں اسپرٹ ہوتی ہے اور اگر سینٹ لگا بھی لیا جائے تو کیا وضو کر لینا ہی کافی ہے یا کپڑے بھی دوسرے پہنے جائیں اور غسل کیا جائے۔ کیونکہ سینٹ کی خوشبو سارے بدن اور کپڑے میں بس جاتی ہے۔

ج:......وضو کرنے کے بعد بال کاٹنے یا ناخن تراشنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح سینٹ لگانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا البتہ سینٹ میں کوئی ناپاک چیز ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کی مجھے تحقیق نہیں۔ میں نے بعض معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ اس میں کوئی ناپاک چیز نہیں ہوتی، اگر صحیح ہے تو سینٹ لگانا جائز ہے۔[2]

مسح کا بیان

حدیث: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ میں پانی کا برتن لئے آپ کے پیچھے گیا، جب آپ قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے، تو میں نے پانی کا برتن لے کر آپ کو وضو کرایا۔ اور آپ کے اعضاء پر پانی ڈالا۔ آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔[3]

حدیث: حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ تو میرا ارادہ ہوا کہ (وضو کرتے وقت) آپ کے موزے اتار دوں۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں نہ اتارو۔ میں نے جب انہیں پہنا تھا تو میرے پاؤں پاک تھے (یعنی میں باوضو تھا) پھر آپ نے موزوں پر مسح کیا۔[4]

حدیث: شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تا کہ ان سے موزوں پر مسح کے متعلق دریافت کروں، انہوں نے کہا ابن ابی طالب کے پاس جاؤ۔ بے شک وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۴۳ [2] ایضاً۔

[3] بخاری ج ۱ ص ۳۳ [4] بخاری ج ۱ ص ۳۳ مسلم ج ۱ ص ۱۳۳

تھے۔ تو ہم نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن، تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات تک مسح مقرر فرمایا۔[1]

حدیث: حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ جب ہم سفر میں ہوں، تو تین دن اور تین راتیں اپنے موزے نہ اتاریں۔ البتہ جنابت کے غسل کے لئے اتار دیں۔ لیکن پاخانہ، پیشاب اور نیند سے موزے نہ اتاریں۔[2]

موزوں پر پہنی ہوئی جرابوں پر مسح کا حکم:

س: ایک شخص چمڑے کے موزوں پر جرابیں پہن لے اور وضو کے وقت جراب (جو کہ موزہ پر پہنی ہوتی ہے) نہ اتارے صرف جراب پر ہی مسح کرلے تو وضو ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: اگر جرابیں نہایت باریک ہیں کہ ان پر مسح کرنے سے پانی کی تری موزوں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر جرابوں پر مسح کافی ہوگا ورنہ جرابوں کا اتارنا ضروری ہوگا۔ یعنی دوسری صورت میں اگر جرابوں کو اتارے بغیر مسح کرے گا تو وضو نہیں ہوگا۔

((کمافی العالمپیری: ج ۱ ص ۱۷۔ واذا لبس الجرموقین فان لبسهما وحدهما الی قوله وان لبسهما فوق الخفین فان کانا من کرباس اوما یشبهه لایجوز المسح علیهما الا ان یکونا رقیقین یصل البلل الی ماتحتهما۔ فقط))[3]

پلستر پر مسح کرنے کا حکم:

س: ایک شخص کے پاؤں پر زخم تھا اس نے زخم پر پلستر لگایا۔ اس کے بعد اس نے نماز ادا کرنے کے لئے وضو کیا اور پاؤں کو اچھی طرح دھولیا مگر پلستر نہیں اتارا کیا اس کا وضو ہوگیا؟ ایسے ہی پنڈلی کے زخم پر پلستر لگا ہوا تھا۔ پھر اسے غسل فرض کی حاجت ہوئی تو اس نے غسل کیا مگر پلستر نہیں اتارا، کیا اس کا غسل صحیح ہوگیا؟

ج: اگر پلستر اتار کر اردگرد کی جگہ کو دھویا جاسکتا ہو اور زخم پر مسح یعنی گیلا ہاتھ پھیرا جاسکتا ہو تو پھر پلستر پر مسح جائز نہیں بلکہ پلستر اتارنا چاہئے اور زخم کی جگہ پر مسح کیا جائے اور اردگرد کی جگہ کو دھویا جائے۔

اور اگر پلستر اتار کر زخم پر مسح نہ کیا جاسکتا ہو۔ لیکن اردگرد کی جگہ کو دھویا جاسکتا ہو تو پلستر اتار کر اردگرد کی جگہ کو دھولیا جائے اور زخم والی جگہ پر پلستر کے اوپر مسح کرلیا جائے اور دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں یعنی پلستر کا اتارنا تکلیف دیتا ہو تو پورے پلستر پر مسح کرلیا جائے وضو اور غسل صحیح ہو جائے گا۔ شامی ج ۱ ص ۲۵۸ میں ہے۔

((ویمسح نحو مفتصد وجریح علی کل عصابة (در مختار) ای علی کل فرد من افرادها سواء کانت عصابة تحتها جراحة وهی بقدرها اوزائدة علیها کعصابة المفتصد اولم یکن

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۱۳۳ [2] ترمذی ج ۱ ص ۱۴ [3] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۲۸

تحتها جراحة اصلابل كسر اوكی وهذا معنى قول الكنز كان تحتها جراحة اولا لكن اذا كانت زائدة على قدر الجراحة فان ضره الحل والغسل مسح الكل تبعا والافلابل يغسل ماحول الجراحة ويمسح عليها لا على الخرقة مالم يضره مسحها فيمسح على الخرقة التى عليها ويغسل حواليها وما تحت الخرقة الزائدة لان الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها كما اوضحه فى البحر اهـ فقط والله اعلم))

مجلد جرابوں پر مسح جائز ہے:

منعلین کہ جن پر مسح جائز ہے ان کی تعریف کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا جائے کہ اس میں جرابیں کس قسم کی اور کہاں تک اور کیسی ہونی چاہئیں نیز منعلین میں پاؤں کی انگلیاں اور اس سے تھوڑا آگے تک چمڑے کا ہونا ضروری ہے یا پاؤں کی ساری پشت پر چمڑا کا ہونا ضروری ہے۔ نیز مجلدین کی تعریف تسلی بخش اور اس میں بھی چمڑے کی حد بیان فرمانے کو فراموش نہ کیا جائے اور اگر صرف جرابیں پہنی ہوئی ہوں تو کیا ان پر بھی مسح جائز ہے یا نہیں۔ شق اول کی بناء پر ان کی تعریف اور ثخینین کی تعریف کما حقہ بیان فرمادیں؟

ج: مجلدین، منعلین، ثخینین پر مسح جائز ہے۔

مجلدین وہ جرابیں ہوتی ہیں جن میں پاؤں کے نیچے اور اوپر سب چمڑا ہوتا ہے۔ اور منعلین وہ ہوتی ہیں۔ جن میں صرف نیچے کی جانب چمڑا ہو۔ اور ثخینین بھی ہوں اور ثخینین وہ جرابیں ہوتی ہیں جن پر چمڑہ تو بالکل نہ ہو لیکن وہ اتنی موٹی ہوں کہ ان کے اندر سے پاؤں نظر نہ آئے۔ اور پنڈلی پر بغیر باندھے کھڑی رہیں۔

((كما فى العالمكيرية ج۱ص۱۲۔ ويمسح على الجورب المُجلد وهو الذى وضع الجلد على اعلاه واسفله هكذا فى الكافى والمنعل وهو الذى وضع الجلد على اسفله كالنعل للقدم هكذا فى السراج الوهاج۔ والثخينين الذى ليس مجلدًا ولا منعلا بشرط ان يستمسك على الساق بلا ربط ولا يرى ماتحته وعليه الفتوى كذا فى النهر الفائق۔ فقط))[1]

جوربین، منعلین پر مسح کا حکم:

س: جراب منعل پر تو بالاتفاق مسح جائز ہے۔ اگر موٹی جراب کے نیچے پاؤں کے تلوے پر چمڑا لگا ہو تو اس کا کیا حکم ہے آیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جراب منعل اس جراب کو کہتے ہیں جس کے صرف نیچے چمڑا لگا ہوا ہو۔ کبیری میں ہے او منعلين اى جعل الجلد على مايلى الارض منهما خاصة كالنعل للرجل (ص ۱۱۸)۔ اگر جرابیں ثخینین منعلین ہوں۔ یعنی تین میل

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۲۸

بغیر جوتے کے چلنے سے پھٹنے والی نہ ہوں اور بغیر باندھنے کے کھڑی رہتی ہوں، دوسری طرف نظر نہ جاتی ہو تو مسح جائز ہے ورنہ رقیق منعل ہونے کی صورت میں مسح جائز نہیں۔[1]

بار بار پٹی اتارنا زخم کو مضر ہو تو نہ اتاری جائے:

س: اگر زخم پر مسح یا دھونا مضر نہ ہو تو پٹی کو اکھاڑ کر مسح یا زخم کو دھونا واجب ہوگا، سوال یہ ہے کہ نہ مسح اور نہ دھونا مضر ہے لیکن بار بار اکھاڑنے سے زخم دیر سے اچھا ہوگا۔ اس صورت میں شرعاً پٹی نہ اکھیڑنے اور دوا نہ ہٹانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

نیز پٹی اکھیڑنے سے تکلیف بھی نہیں ہوتی اگر معمولی تکلیف یا قابل برداشت تکلیف ہو یا پٹی اکھاڑنے سے یا دوا ہٹانے سے زخم کے جھڑنے یا بہنے کا صرف ڈر ہو یا واقعی بہنے لگتا ہو یا تازہ ہو جاتا ہو یا تکلیف ہوتی ہو، تو ان صورتوں میں پٹی اکھاڑنے کا کیا حکم ہے جب کے دھونا یا مسح کرنا زخم کو قطعاً مضر نہ ہو، لیکن درد معمولی سا قابل برداشت ضرور ہوتا ہو فوری زخم کے جھڑنے کا ڈر ہو یا نہ ہو؟

ج: جوازِ تیمم کے لئے فقہاء نے تأخر شفاء کو بھی عذر معتبر اور ضرر واقعی قرار دیا ہے (کما فی الھندیہ: ج ۱: ص ۱۵)۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسح جبیرہ کے جواز کے لئے بھی یہ عذر معتبر قرار پائے گا۔ پس اس ضرر کی بناء پر بھی بدون پٹی اکھاڑے اگر مسح کر لیا گیا تو جائز ہو جائے گا۔

۲: ان سب صورتوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جن صورتوں میں پٹی اکھاڑنے سے زخم کے بڑھ جانے یا دیر سے اچھا ہونے کا غالب گمان ہو ان صورتوں میں مسح جائز ہوگا، شدید تکلیف بھی اس میں داخل ہے محض معمولی تکلیف کی صورت میں مسح جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔[2]

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ:

س: چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ کیا ہے اور مقیم کتنی مدت تک مسح کر سکتا ہے اور مسافر اس کے اندر کیا طریقہ اختیار کریگا اور اس کے لئے کتنی مدت ہے؟

ج: موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں تر کر کے آگے کی طرف رکھے انگلیاں پورے موزہ پر رکھ دے اور ہتھیلی موزے سے الگ کر کے رکھے پھر ان کو کھینچ کر پنڈلی کی طرف لے جائے اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی رکھ دی، اور ہتھیلی سمیت انگلیوں کو کھینچ کر لے جائے تو بھی درست ہے۔ مقیم کے لئے اس کی مدت ایک دن، ایک رات ہے۔ اور مسافر کے لئے تین دن، تین رات ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

((وکیفیة المسح ان یضع اصابع یده الیمنی علی مقدم خفه الایمن ویضح اصابع یده الیسری علی مقدم خفه الا یسر ویمدھا الی الساق فوق الکعبین ویفرج بین اصابعه ھکذا

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۳۰ [2] ایضاً

فی فتاوی قاضیخان وھو ان یکون فی المدۃ وھی للمقیم یوم ولیلۃ وللمسافر ثلاثۃ ایام ولیالیھا ھکذا فی المحیط۔ (ج۱:ص۱۷)۔ فقط واللہ اعلم))[1]

زخم کے اردگرد جمی ہوئی دواء کو ہٹانے کا حکم:

س:(۱) زخم کے اردگرد بالکل قریب گندہ بروزہ پگھل کر تندرست جسم پر چمٹ جاتا ہے۔اب اگر بوقت وضواس کو ہٹاتا ہے تو بلا مبالغہ وہ ہٹتا نہیں۔یعنی چاقو وغیرہ سے ہٹانے کے بغیر دور نہیں ہوتا۔اس طرح جلد پر کچھ خراش آجاتی ہے ورنہ دور نہیں ہوتا۔یا پھر بوجہ قریب ہونے زخم کے زخم پر اثر پڑتا ہے، یا پانی کے اندر جانے کا ڈر ہوتا ہے۔اس طرح تندرست جسم سے پیپ کا چھیلنا واجب ہے یا نہ؟

(۲) زخم کے اوپر درہم سے زیادہ پٹی تھی۔زخم کا خون یا پیپ پٹی کے اوپر والے حصے میں ظاہر ہوا، اب اس پٹی کو دور کرنا واجب ہوگا یا نہ؟

ج:(۱) زخم کے قریبی حصے پر جو دوائی مانع نفوذ جم گئی ہے اگر اس کے دور کرنے میں زخم کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو اسے دور کرنا ضروری ہوگا۔ورنہ نہیں۔لیکن تکلف سے بچا جائے۔

(۲) اگر زخم کے دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں پٹی اتارنا واجب نہ ہوگا۔اور اگر زخم بالکل درست ہوگیا ہے تو پٹی اتار دینی چاہیے۔[2]

عورتیں بھی موزوں پر مسح کرسکتی ہیں:

س: ہماری والدہ ماجدہ کافی معمر ہیں سردیوں میں انہیں وضو کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ہم نے ان سے کہا کہ آپ موزے پہن لیا کریں۔تو کیا عورتیں بھی موزوں پر مسح کرسکتی ہیں؟

ج: عورتیں بھی مردوں کی طرح موزوں پر مسح کرسکتی ہیں۔

((المرأۃ فی المسح علی الخفین بمنزلۃ الرجل لاستوائھما فی المعنی المجوز للمسح کذا فی المحیط اھ))(عالمگیری:ج۱:ص۱۹)۔ فقط واللہ تعالٰی اعلم[3]

جرابوں پر مسح کا حکم:

س: بازار میں جو عام جرابیں ملتی ہیں جن کو بعض لوگ موزوں سے بھی موسوم کرتے ہیں کیا ان پر مسح کرنا جائز ہے اور جب کہ اس دور میں حضور ﷺ والے دور کے موزے مقصود ہیں۔تو کیا اب حکم کا اطلاق ان پر نہ ہوگا؟

ج: حضور پاک ﷺ کے زمانہ مبارک کے چمڑے کے موزوں کا مقصود ہونا دعویٰ بلا دلیل ہے۔مدعی کے ذمہ اس کا اثبات ہے۔بلکہ یہ دعویٰ غلط ہے۔کیونکہ بے شمار احادیث میں آپ ﷺ کا موزوں پر مسح کرنا موجود ہے احادیث کی کوئی

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۳۱ [2] خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۳۲ [3] ایضاً۔

کتاب "باب المسح علی الخفین" سے غالبًا خالی نہ ہوگی۔ بلکہ حضرت انس بن مالکؓ نے اہل سنت والجماعت سے ہونے کے لئے مسح علی الخفین کے قائل ہونے کی شرط لگائی ہے۔

((روی عن انس بن مالك رضی الله عنه انه سئل عن السنة والجماعة فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن فی الختنین وتمسح علی الخفین)) (قاضی خان ج۱:ص۲۲)

حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں۔

((من انکر المسح علی الخفین یخشی علیه الکفر))

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

((ادرکت سبعین بدریا من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم کلهم یرون المسح علی الخفین۔ (فتح الملهم: ج۱۔ص۴۳) قال ابن عبدالبر مسح علی الخفین سائر اهل بدر والحدیبیة وغیرهم من المهاجرین والانصار وسائر الصحابة والتابعین))

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور آپ کے بعد حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اور ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا معمول مسح علی الخفین کا تھا۔

''خف'' اصل میں چمڑے کے موزے کو کہا جاتا ہے۔ اور جو فقہاء جرابوں پر مسح جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی اس قسم کے جراب پر جواز مسح کے قائل ہیں جو موزوں کے حکم میں ہوجاتے ہیں۔ مثلاً جسے پہن کر دو تین میل جوتے کے بغیر چلا جاسکے اور وہ پھٹیں نہ۔ بغیر ربڑ وغیرہ کے باندھے وہ پنڈلی پر کھڑے رہیں اور اگر پانی اوپر گر پڑے تو اندر داخل نہ ہو، دیکھنے سے دوسری طرف نظر نہ آئے۔

بازاری جراب موزے کے حکم میں نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ موزوں پر بھی مسح جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن کریم میں غسل رجلین کا حکم ہے اور موزوں پر مسح کر لینے سے غسل رجلین حقیقتاً پایا نہیں جاتا لیکن چونکہ احادیث متواترہ میں آنحضرت ﷺ کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہم جواز مسح علی الخفین کے قائل ہوتے ہیں۔ مسح علی الجوربین کے بارے میں اس درجہ کی روایات موجود نہیں۔ اس وجہ سے حضرت امام مسلمؒ فرماتے ہیں۔

((لا یترك ظاهر القرآن بمثل ابی قیس وهذیل)) (فتح الملهم)

اگر کوئی کہے کہ بعض احادیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جوربین پر مسح موجود ہے۔ اس کے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اہل علم نے ایک ضابطہ لکھا ہے۔

((اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال))

اس ضابطے کے پیش نظر یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہوسکتا ہے کہ موزوں کا نام راوی نے ''جرابیں'' رکھ دیا ہو۔ یا آپ کی

جرابیں مجلد یا منعل یا موٹی ہوں۔[1]

مسافر مدت اقامت پوری ہونے کے بعد مقیم ہوجائے تو مسح کا حکم:

س: زید نے مقیم ہونے کی حالت میں ظہر کے وقت موزے پہنے اور مسح کیا رات کو اچانک سفرِ شرعی پیش آگیا اور اگلے روز عشاء کے وقت واپس گھر لوٹا۔ تو اب وہ موزے اتار کر پاؤں دھوئے یا انہیں پر مسح کرلے؟

ج: موزے پہننے کے بعد وقت حدث سے لے کر گھر پہنچنے تک مدت اقامت (چوبیس گھنٹے) پورے ہونے سے سفر کی رخصت بھی ختم ہوگئی۔

((والمسافر ان اقام بعد مااستکمل مدة الاقامة ینزع خفیه ویغسل رجلیه۔ اه))

(عالمگیری قدیم ج:۱ ص ۱۷)

البتہ اگر وضوء باقی ہوتو یہ بھی اجازت ہے کہ موزے اتار کر صرف پاؤں دھولے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ پورا وضوء دوبارہ کرلے۔

((وبعدهما ای النزع والمضی غسل المتوضئ رجلیه لا غیر۔ اه(درمختار) (قوله غسل المتوضئ رجلیه لا غیر) ینبغی ان یستحب غسل الباقی ایضا مراعاة للولاء المستحب وخروجا عن خلاف مالكؒ كما قاله سیدی عبدالغنی ثم رأیته فی الدر المنتقیٰ مصرحا بان الاولی اعادته۔ اه (شامی: ج۱ ص ۲۰۵))۔[2]

تیمّم کا بیان

ارشادِ ربانی:

﴿ وان کنتم مرضیٰ اوعلیٰ سفرٍ اوجآء احد منکم من الغائط او لٰمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدًا طیباً فامسحوا بوجوهکم وایدیکم منه ﴾[3]

ترجمہ: اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا حالت سفر میں ہو (اور پانی نہ ہو) یا تم میں سے کوئی استنجے سے آیا یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو۔ پھر پانی نہ پاؤ، تو پاک زمین کے استعمال کا قصد کرلو۔ پس اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو۔ اس زمین پر سے (یعنی زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد)

(ترجمہ تحفہ خواتین ص ۹۲)

حدیث: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہم کو (دوسری امتوں کے) لوگوں

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۳ تا ۱۳۴ [2] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۵ [3] سورۃ مائدہ

پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ اول یہ کہ ہماری (نماز کی) صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دی گئی ہیں۔ دوم یہ کہ ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے۔ (ایسی کوئی پابندی نہیں کہ مسجد ہی میں نماز ہوگی۔ بلکہ گھر، بازار، جنگل کسی بھی پاک جگہ نماز پڑھ لیں گے تو نماز ہو جائے گی) سوم یہ کہ زمین کی مٹی ہمارے پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔ جبکہ ہم کو پانی نہ ملے۔[1]

حدیث:((قال رسول اللهﷺ الصعيد الطيب وضوء المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين))[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں گو دس سال تک ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث:((قال رسول اللهﷺ يا اباذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين))[3]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! بیشک پاک مٹی پاک کرنے والی ہے، اگر چہ تجھے دس سال تک پانی نہ ملے۔

حدیث: ((عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ انه قال فی التيمم ضربتان، ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين))[4]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک صرف چہرہ کے لئے اور ایک صرف کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

حدیث: ((عن جابرؓ عن النبیﷺ قال التيمم ضربتان، ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين))[5]

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک صرف کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

تیمم کی مصلحت:

س: پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرایا جاتا ہے، اس میں کیا مصلحت ہے؟

---

1. ترجمہ تحفہ خواتین ص۹۱ 2. نسائی ج۱ص۳۵، کتاب الطهارة، باب الصلوة بتيمم واحد (ابوداؤد ج۱ ص۳۵، کتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم۔ مجمع الزوائد ج۱ ص ٣٦٤
3. ابوداود ج۱ص۳۵ 4. دارقطنی ج۱ص۱۸۰۔ بیہقی ج۱ص۲۰۷ مستدرک حاکم ج۱ص۱۸۰
5. دارقطنی ج۱ص۱۸۱۔ سنن کبری بیہقی ج۱ص۲۰۷ مستدرک حاکم ج۱ص۱۸۰

ج: میرے بھائی ہمارے لئے سب سے بڑی مصلحت یہی ہے کہ اللہ پاک کا حکم ہے، اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، ویسے قرآن کریم نے اس کی مصلحتوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

''اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے، کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے۔ تاکہ تم شکر کرو''۔ (سورۂ مائدہ رکوع ۲)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی کو پاک کرنے والی بنایا ہے۔ جس طرح پانی انسانی بدن کو پاک کرنے والا ہے۔ اسی طرح پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں مٹی سے تیمّم کرنا بھی پاک کرنے والا ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ اپنے ترجمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں۔

''مٹی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے (یعنی پاک کرنے والی) مثلاً خف (چمڑے کا موزہ) تلوار۔ آئینہ وغیرہ۔ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے۔ وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔

اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں عجز بھی پورا ہے۔ جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے۔ تو اس لئے بوقت معذوری پانی کے قائم مقام کی گئی۔ اس کے سوا مقتضائے آسانی وسہولت جس پر حکم تیمّم مبنی ہے، یہ ہے کہ پانی کے قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو۔ سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے، مع ھذا خاک انسان کی اصل ہے، اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں''۔[1]

تیمّم کرنا کب جائز ہے:

س: ہمارے خاندان کی اکثر خواتین تیمّم کر کے نماز پڑھتی ہیں۔ جبکہ گھر میں پانی بھی موجود ہوتا ہے، اور ان خواتین کو کوئی ایسی بیماری بھی نہیں ہے۔ جس میں پانی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کیا ایسی نمازیں قبول ہوں گی؟ ایسی نمازوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

ج: تیمّم کی اجازت صرف ایسی صورت میں ہے کہ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ جو شخص پانی استعمال کر سکتا ہے۔ اس کا تیمّم جائز نہیں۔ نہ اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اور پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پانی میسر ہی نہ آئے۔ یہ صورت عموماً سفر میں پیش آسکتی ہے، پس اگر پانی ایک میل دور ہو۔ یا کنواں تو ہے مگر کنویں سے پانی نکالنے کی کوئی صورت نہیں۔ یا پانی پر کوئی درندہ بیٹھا ہے، یا پانی پر دشمن کا قبضہ ہے اور اس کے خوف کی وجہ سے پانی تک پہنچنا ممکن نہیں تو ان تمام صورتوں میں اس شخص کو گویا پانی میسر نہیں اور وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۲

دوسری صورت یہ ہے کہ پانی تو موجود ہے مگر وہ بیمار ہے اور وضو یا غسل سے جان کی ہلاکت کا یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا یا بیماری میں شدت ہو جانے کا۔ یا بیماری کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہے، یا خود وضو یا غسل کرنے سے معذور ہے اور کوئی دوسرا آدمی وضو اور غسل کرانے والا موجود نہیں۔ تو ایسا شخص تیمّم کر سکتا ہے، جو خواتین ان معذوریوں کے بغیر تیمّم کر لیتی ہیں ان کا تیمّم کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اور طہارت کے بغیر نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔[1]

تیمّم کی نیت:

س: کیا تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے اور یوں کہے کہ میں تیمّم کر رہا ہوں یا کچھ اور؟

ج: تیمّم میں نیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ میں یہ تیمّم نماز پڑھنے کے لئے کر رہا ہوں۔ یا طہارت حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ یا حدث کو زائل کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ صرف تیمّم برائے تیمّم نیت کافی نہیں۔

((وفی البحرو شرطها ان ینوی عبادة مقصودة الخ۔ اوالطهارة او استباحة الصلٰوة اورفع الحدث اوالجنابة۔ فلاتکفی نیة التیمم علی المذهب)) (شامی ج ۱ ص ۱۸۱)[2]

نیت میں تخصیص نہیں:

طہارت کی نیت کرنا یا نماز مباح ہونے کی نیت کرنا۔ نماز کے ارادہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی طرح بے وضو کے لئے اور جنابت کے لئے تیمّم کی نیت میں امتیاز کرنا ضروری نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی جنبی نے وضو کی نیت سے تیمّم کیا تو وہ جنابت کے لئے بھی جائز ہے۔[3]

تیمّم کرنے کا طریقہ:

س: تیمّم کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ج: (۱) تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر آگے لائے پھر پیچھے لے جائے۔ پھر انہیں اٹھائے اور جھاڑ دے۔ اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے۔ اور دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کرے کہ چہرے کا کوئی حصہ (مسح کے بغیر) باقی نہ رہے۔ پھر اسی طرح اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنے دونوں بازوؤں پر کہنیوں تک مسح کرے۔ ہمارے مشائخ سے منقول ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں سے دائیں بازو کے باہر کی طرف انگلیوں کے سروں سے کہنیوں تک مسح کرے۔

پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں بازو کے اندر کی طرف گٹوں تک مسح کرے۔ اور بائیں انگوٹھے کے اندر کی جانب کو دائیں انگوٹھے کے باہر کی جانب پر پھیرے، اور پھر بائیں بازو کا مسح اسی طرح دائیں ہاتھ سے کرے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۳ [2] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۵

[3] فتاویٰ عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۱۴۱ [4] فتاویٰ عالمگیری اردو ج ۱ ص ۱۶۵

ج: پاک ہونے کی نیت کر کے دونوں ہاتھ پاک مٹی پر پھیر کر ان کو جھاڑ لیجئے اور اچھی طرح منہ پر مل لیجئے کہ ایک بال کی جگہ بھی خالی نہ رہے، پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مل لیجئے۔[1]

تیمم کن چیزوں سے جائز ہے:

س: تیمم کن چیزوں سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً سیمنٹ والا فرش۔ صاف کپڑا۔ مٹی وغیرہ

ج: تیمم پاک مٹی سے ہوسکتا ہے۔ یا جو چیز مٹی کی جنس سے ہو۔ لکڑی، کپڑا، لوہا جیسی چیزوں سے تیمم نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کپڑے، لکڑی وغیرہ پر غبار پڑا ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔[2]

صراحی۔ گھڑا۔ مٹکا وغیرہ ان میں پانی بھرا ہوا نہ ہو۔ بلکہ خشک ہو اور اس پر گرد و غبار بھی نہ پڑی ہو تب بھی اس پر تیمم جائز ہے۔ اسی طرح دیوار جس پر سفیدی ہو چکی ہو خواہ خالص چونے سے یا چونے میں نیل یا کوئی رنگ ملایا گیا ہو۔ اس پر بھی تیمم جائز ہے۔

بعض عورتیں مٹی بھگو کر جمالیتی ہیں اور اس کے خشک ہو جانے کے بعد اس سے تیمم کرتی رہتی ہیں یہ صورت بھی جائز ہے۔ البتہ چولہے کی راکھ خواہ لکڑی کی ہو یا اُپلوں یا کنڈوں کی ہو۔ راکھ پر تیمم جائز نہیں۔ اسی طرح ریل گاڑی یا بس اور موٹر کار کی سیٹ پر خواہ گرد ہو یا نہ ہو تیمم جائز نہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جلانے سے نہ جلے، پگھلانے سے نہ پگھلے اس پر تیمم جائز ہے، اور جو چیز جل جائے یا پگھل جائے اس پر تیمم جائز نہیں۔ مگر چونے پر جائز ہے۔[3]

تیمم مٹی کی جنس میں سے کسی پاک چیز پر کرنے کا حکم ہے۔

(۱) ہر وہ چیز جو جلتی ہے تو راکھ ہو جاتی ہے، جیسے لکڑی، گھاس اور ان کی مانند دوسری چیزیں یا جو چیزیں پگھل جاتی ہیں اور نرم ہو جاتی ہیں، جیسے لوہا، کانسی، تانبا، شیشہ، سونا، چاندی اور ان کی مانند (تو ایسی سب چیزیں) مٹی کی جنس سے نہیں ہیں۔ (ان پر تیمم جائز نہیں)

(۲) جو چیزیں جل کر راکھ نہیں ہوتیں اور نہ پگھل جانے والی ہیں، وہ مٹی کی جنس سے ہیں۔ جیسے مٹی، ریت۔ شورہ جو زمین سے بنا ہو نہ کہ پانی سے۔ چونا، سرمہ، ہڑتال، گیری گندھک، فیروزہ، عقیق، بلوا، زمرد اور زبرجد وغیرہ پر تیمم جائز ہے۔[4]

تیمم کے اہم مسائل:

س: (۱) تیمم کے لئے پاک پتھر پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرا۔ ہاتھ چہرے سے الگ کر لیا اور کچھ جگہ مسح ہونے سے رہ گئی۔ دوبارہ اسی الگ شدہ ہاتھ سے ان جگہوں پر مسح کر لے یا دوبارہ ہاتھوں کو پتھر پر مار کر ان جگہوں پر مسح کرے۔ اس

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۳
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۴
[3] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۵۷
[4] فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۱۴۵

خیال سے کہ ہاتھ چہرے پر پھر گیا اور الگ کر دیا۔ تو یہ ہاتھ مستعمل ہو گیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) دوسری ضرب جو مارے گا۔ اس میں بوقت خلال انگلیوں کے جو حصے دوسری انگلیوں کے اندر کے حصہ کے مسح کرتے ہیں۔ یعنی مسح کرنے والی انگلیوں کی کروٹیں وہ خود ہی پتھر پر مَس نہ ہونے کی وجہ سے غیر ماسح ہیں۔ پھر بوقت خلال یہ انگلیوں کے پتھر سے نہ لگے ہوئے حصے ایک دوسرے کا مسح کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر تیمّم کیسے درست ہوگا؟ جب کہ مسئلہ ہے کہ بال برابر جگہ اگر رہ جائے تو تیمّم نہ ہوگا۔

(۳) ہاتھوں کا مسح کرتے وقت ناخنوں کے بالکل قریب والے پورے ناخنوں کے کونوں والے حصے، ہتھیلی کے بالکل بیچ والے حصے وغیرہ پر نہ تو بوقتِ مسح ہاتھ اور نہ پتھر سے مس ہوتے ہیں۔ ان کا مسح کیسے کریں؟

(۴) ایک کتاب میں لکھا ہے۔ اگر انگلیوں کے درمیان غبار نہ پہنچے تو تیسری بار ہاتھ مار کر پھر انگلیوں کا خلال کرے۔ کیا یہ تیسری ضرب صحیح ہے؟

(۵) جس طرح وضو میں اگر داڑھی کی جلد نظر آتی ہو۔ یا بالوں میں سے جلد جھلکتی ہو۔ تو نیچے پانی پہنچانا فرض ہے، کیا اسی طرح تیمّم میں بھی انگلیاں ڈال کر نیچی جلد کو رگڑنا فرض ہے؟

ج: (۱) فتح القدیر میں ہے کہ ہاتھ مستعمل نہیں ہوں گے۔ بغیر جدید ضرب کے جو جگہ رہ گئی ہو، اس کا مسح کرے۔ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ بدوں ہاتھ اٹھائے اچھی طرح سے مسح کر لے کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

(۲) انگلیوں کے خلال کے جواز کے لئے ان میں غبار کا داخل ہونا یا مٹی سے مس کئے ہوئے ہونا ضروری نہیں۔ پس ایسی صورت میں اگر پورے ہاتھ کا مسح اچھی طرح سے کر لیا گیا ہے۔ اور انگلیوں کا خلال بھی کر لیا گیا ہو تو تیمّم درست ہو جائے گا۔ گو ان میں غبار داخل نہ ہوا ہو۔ یہ درست ہے کہ ایک بال برابر جگہ کا بغیر مسح کئے رہ جانا مضر ہے۔ لیکن غبار پہنچنے سے رہ جانا قادح نہیں۔ پس شبہ نہ کیا جائے۔

(۳) ان جگہوں پر ذرا خیال سے ہاتھ پھیر لے۔ زیادہ تکلیف میں نہ پڑے۔

(۴) تیسری ضرب کا حکم امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کی بناء پر ہے، ظاہر مذہب وہی ہے جو نمبر ۲ کے جواب میں مذکور ہے۔

(۵) داڑھی کے بالوں پر مسح کر لینا کافی ہے، لحیۂ خفیفہ کا الگ حکم نظر سے نہیں گزرا۔[۱]

پردہ نشین عورت کے لئے تیمّم کا حکم:

س: بعض گاؤں میں پانی کی بہت قلت ہے۔ اس لئے بعض عورتیں پردہ نشین بیوہ کو بعض وقت پانی نہیں ملتا۔ اس لئے وہ مستورات نماز قضا کرتی رہتی ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے، آیا اس وقت ان کے لئے تیمّم جائز ہے یا نہیں؟

---

۱ خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۲۲

ج: تیمّم کی اجازت اس وقت ہے کہ پانی نہ ملے، شہر اور قصبہ میں اور گاؤں میں ایسی صورت کم تر پیش آتی ہے کہ پانی نہ ملے۔ لیکن اگر ایسا کبھی اتفاق ہوجائے کہ پردہ دار عورتوں کو کوئی صورت پانی ملنے کی نہیں اور وقت تنگ ہوا جاتا ہے۔ تو تیمّم سے نماز پڑھیں قضا نہ کریں۔ (بعد میں وضو کر کے نماز لوٹالے)

((ولا يتيمم لفوت جمعة ووقت ولو وتراً لفواتها الى بدل۔ وقيل تيمم لفوات الوقت قال الحلبي فالا حوط ان يتيمم ويصلي۔ ثم يعيد)) (درالمختار ج ۱ ص ۲۲۷)[1]

شیر خوار بچے کی بیماری کے ڈر سے تیمّم کرنا:

س: ایک عورت اپنے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، جو اکثر پیشاب پاخانہ ماں کے کپڑوں پر کرتا ہے، اگر وہ بار بار غسل کرے تو بچہ بیمار ہوجائے گا۔ یا خود وہ عورت علیل ہوجائے گی۔ نہاتی نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اسے قرآن (اور نماز) پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

ج: اگر بار بار غسل سے اس کو اپنے بچہ کی بیماری کا خوف ہے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لیا کرے۔ پھر دھوپ کے وقت یا گرم پانی سے غسل کر کے ان نمازوں کا اعادہ (لوٹا لیا کرے) کرلیا کرے، اور تیمّم کے بعد تلاوت قرآن شریف درست ہے۔

اس جواب کے حاشیہ میں مفتی ظفیر الدین لکھتے ہیں۔

''جواب میں عورت کو جنبی فرض کرلیا گیا ہے، ورنہ صرف بچہ کے پیشاب، پاخانہ سے نہانا واجب نہیں ہوتا۔

جس حصہ میں نجاست لگی ہے۔ اس کا دھولینا اور کپڑا بدل لینا کافی ہے۔

فقہاء نے ہلاکت اور بیماری یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں جنبی (ناپاک) کو تیمّم کی اجازت دی ہے''۔[2]

بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے تیمّم:

س: تیمّم بحالت عذر جیسا کہ وضو سے ہوسکتا ہے ویسا ہی غسل سے بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور تیمّم غسل سے نماز فرض ونفل اور قرآن شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی شخص کو بوجہ ضعف، بیماری یا بڑھاپے کے پانی نقصان پہنچاتا ہو۔ یا پانی کا استعمال اس پر گراں وسخت ہو۔ اور تحمل نہ کرسکے۔ تو تیمّم وضو اور غسل سے اس کی نماز فرض ونفل اور تلاوت قرآن شریف جائز ہوگی یا نہیں؟

ج: تیمّم بحالت عذر جیسا کہ وضو سے ہوتا ہے ویسا ہی غسل سے بھی ہوتا ہے، اور اس تیمّم سے نماز فرض ونفل وتلاوت کلام مجید سب درست ہے۔

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۴۶

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۶۱

اور وہ عذر جس سے تیمّم حدث و جنابت درست ہے۔ یہ ہے کہ مریض کو اشتداد مرض یا اعتداد مرض کا خوف ہو۔ یعنی وضو کرنے یا غسل کرنے سے اس کا مرض بڑھ جائے گا۔ یا طویل ہو جائے گا۔ یا جاڑے کی وجہ سے ہلاک یا بیمار ہو جائے گا۔

محض اس وجہ سے کہ ٹھنڈا پانی برا معلوم ہو اور گراں ہو اور اس سے تکلیف ہوتی ہو۔ تیمّم درست نہیں ہے۔ بلکہ اندیشہ یہ ہو کہ مرجائے گا یا بیمار ہو جائے گا، اس وقت تیمّم درست ہے [۱]

مرض میں تیمّم درست ہے کم ہمتی میں نہیں:

س: میں ٹی بی کی دائمی مریض ہوں۔ اگست سے لے کر اپریل، مئی تک مجھے مسلسل بخار، نزلہ، زکام اور جسم میں کہیں کہیں درد رہتا ہے۔ اس تکلیف کی وجہ سے میں عصر سے عشاء تک تیمّم کرتی ہوں۔ اسلامی رو سے یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

ج: اگر پانی نقصان دیتا ہو اور اس سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو آپ وضو کی جگہ تیمّم کر سکتی ہیں۔ لیکن محض کم ہمتی کی وجہ سے وضو ترک کر کے تیمّم کر لینا صحیح نہیں۔ [۲]

غسل کے بجائے تیمّم کب درست ہے:

س: ایک شخص کو سردی کے اثر سے نزلہ ہو جاتا ہے، تو اس کو ایام سرما میں صبح یا اور کسی سردی کے وقت بخوف نزلہ بجائے غسل جنابت تیمّم کرنا اور اس تیمّم سے نماز فجر یا اور کسی نماز کا ادا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

ج: جواز تیمّم کے لئے استعمال آب سے عاجز ہونا شرط ہے۔ خواہ وہ اس وجہ سے ہو کہ پانی مفقود ہے۔ یا اس وجہ سے کہ پانی کے استعمال سے مرض کی زیادتی و امتداد کا خوف ہے، یا سردی کی وجہ سے ہلاکت یا بیماری کا اندیشہ ہو اور پانی گرم نہیں مل سکتا ہو۔

پس اگر ان امور میں کوئی امر پایا جائے تو تیمّم جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر سرد پانی سے مرض کا اندیشہ ہے تو تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔

((او لمرض يشتد اويمتد بغلبة ظن اوقول حاذق مسلم۔ ولو يتحرك الخ))

((اوبرد يهلك الجنب اويمرضه ولوفي مصر اذا لم يكن له اجرة حمام)) (درمختار ج۱ص۲۱۵) [۳]

سخت سردی میں تیمّم کا حکم:

س: ایک آدمی اپنی زوجہ سے ہمبستری کرتا ہے یا اس کو احتلام ہو جاتا ہے، سردی بھی سخت ہے وہ مسافر بھی ہے۔ پانی گرم میسر نہیں ہے۔ وہ آدمی ساٹھ سال سے کچھ زائد عمر کا ہے۔ کیا وہ بغیر غسل تیمّم کر کے نماز تہجد اور نماز فجر کی امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ دوسرا آدمی نماز پڑھانے والا نہیں ہے۔ اس کا تجربہ ہے کہ اگر غسل کرے تو اس کو درد شقیقہ اور اعضاء میں درد

---

[۱] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۴ص۲۴۸ [۲] آپ کے مسائل اوران کا حل ج۲ص۶۴

[۳] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص۲۴۴

ہو جاتا ہے۔لہٰذا وہ نماز وغیرہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور وضو کرنے والوں کی اقتداء اس کے پیچھے جائز ہوگی یا نہیں؟

ج: جواز تیمّم کے لئے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا شرط ہے۔خواہ وہ اس وجہ سے ہو کہ پانی مفقود ہے یا پانی کے استعمال سے مرض کی زیادتی اور امتداد کا خوف ہو یا سردی کی وجہ سے ہلاکت اور بیماری کا اندیشہ ہو نیز گرم پانی میسر نہ ہو۔ پس اگر ان امور میں سے کوئی امر ہو تو تیمّم جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

وضو کرنے والے کی اقتداء تیمّم کرنے والے کے پیچھے درست ہے۔

((وصح اقتداء متوضئ بمتیمم)) (درمختار علی الشامیۃ ج۱ص۵۵۰)

شہروں میں چونکہ گرم پانی اور لحاف وغیرہ مل سکتے ہیں لہٰذا تیمّم نہ کرے۔کیونکہ اس کا جواز انتہا کی ضرورت کے وقت ہے۔[۱]

دوسرے سے تیمّم کرانے کا حکم:

س: میرا دایاں بازو ٹوٹ گیا اور بایاں بازو صحیح ہے،اب میں تیمّم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے چہرے اور دائیں ہاتھ کا مسح کر لیتا ہوں۔مگر بائیں ہاتھ کا مسح نہیں کر سکتا۔تو کیا بائیں ہاتھ کا مسح کسی دوسرے شخص سے کرا سکتا ہوں؟

ج: بائیں بازو پر کسی دوسرے سے مسح کرا سکتے ہیں۔

((واذا لم یقدر المریض علی الوضوء والتیمم ولیس عندہ من یوضئہ ویممہ فانہ لایصلی عندھما۔ قال الشیخ الامام محمد بن الفضل رایت فی الجامع الصغیر للکرخی ان مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجھہ جراحۃ یصلی بغیر طھارۃ ولا یتیمم۔ ولا یعید وھذا ھو الاصح)) (عالمگیری ج۱ص۳۱)[۲]

عورت کو نہانے سے بیماری کا غالب گمان ہو تو شوہر کو جماع سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

س: زید کی صرف ایک بیوی ہے۔اکثر علیل رہتی ہے اور جب وہ غسل کرتی ہے تو کمزوری کی وجہ سے اس کو زکام ہو جاتا ہے۔کبھی کان اور سر درد۔اسی خوف سے وہ اپنے شوہر کی خواہش ہمبستری کو مسترد کر دیتی ہے۔جس کی وجہ سے زید کو ارتکاب گناہ کا خوف ہے۔ایسی صورت میں زید کی بی بی تیمّم سے نماز ادا کر سکتی ہے یا نہیں۔اگر نہیں کر سکتی تو غسل کے متعلق اور کیا صورت زید کی بی بی اختیار کر سکتی ہے۔اور زید کی بی بی کا ہمبستری سے انکار کرنا اس حالت میں درست ہے یا نہیں؟

ج: درمختار میں ہے۔

---

[۱] خیر الفتاوی ج۲ص۱۱۹ [۲] خیر الفتاوی ج۲ص۱۲۰

((ولو ضرها غسل رأسها تركته وقيل تمسحه ولا تمنع نفسها عن زوجها))[1]

یعنی اگر عورت کو سر دھونا ضرر کرتا ہو تو سر کو نہ دھوئے اور بعض کے نزدیک سر کا مسح کرے۔ اور وہ عورت اپنے شوہر کو جماع سے منع نہ کرے۔

اور یہی احوط ہے۔ دوسرے موقع پر درمختار میں اس کو واجب لکھا ہے۔ یعنی اگر سر کا مسح کر سکے اور اس میں خوف مرض کا نہ ہو تو سر کا مسح کرے ورنہ سر پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرے۔[2]

اور ایک روایت درمختار میں یہ بھی نقل کی ہے۔

((من به وجع رأس لا يستطيع معه مسح الخ ففي الفيض عن غريب الرواية تيمم))

یعنی جس کے سر میں ایسا درد ہو کہ مسح بھی نہ کر سکے تو وہ تیمّم کر لے۔

اور نیز درمختار میں ہے۔

((او لمرض يشتد اويمتد بغلبة الظن الخ قال في الشامي وكذا لوكان صحيحا خاف حدوث مرض)) (ردالمختار باب التیمم)

شامی کی اس آخری عبارت میں تصریح ہے کہ تندرست آدمی کو غسل سے خوف حدوث مرض بظن غالب یا تجربہ سابقہ کے موافق ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے۔ لہذا اس صورت میں وہ عورت تیمّم کرے اور شوہر کو جماع سے نہ روکے۔ اس عورت کے لئے اس وقت تک تیمّم کرنا درست ہے۔ جب تک مذکورہ عوارض لاحق ہونے کا خوف رہے۔ پھر جب یہ خوف نہ رہے تو غسل کیا کرے۔[3]

سخت سردی اور بخار کی وجہ سے تیمّم:

س: اگر کسی آدمی کو بخار ہو یا وہ سخت سردی اور ٹھنڈ کے علاقہ میں کام کرتا ہو۔ پانی گرم کرنے کے اسباب بھی نہ ہوں تو ان حالات میں تیمّم جائز ہے یا نہیں؟

ج: حالتِ مرض اور خوف مرض میں تیمّم درست ہے۔ جبکہ سرد پانی سے غسل کرنے یا وضو کرنے میں اندیشہ ہلاکت کا یا مرض کا ہو۔ تو تیمّم جائز ہے۔[4]

وقت کی تنگی میں تیمّم جائز نہیں:

س: اگر کوئی نمازی ایسے وقت نیند سے بیدار ہوا کہ اس کے گھر میں یا مسجد میں گرم پانی نہ مل سکے اور ٹھنڈے پانی سے سردی کی وجہ سے غسل جنابت نہ کر سکے اور نہ اتنا وقت باقی ہو کہ پانی گرم کر کے نماز وقت پر ادا کر سکے تو کیا قضا کے خوف

---

[1] درمختار برحاشیہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۱۳ ابحاث الغسل
[2] درمختار ج ۱ ص ۱۹۰ باب التیمم باب کے آخر میں مسح علی الخفین کے قریب
[3] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۶۳
[4] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۴۳

سے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

ج: جب تک اس کو قدرت گرم پانی کی ہے تو تیمّم جائز نہیں۔ نماز قضاء پڑھ لے مگر غسل اور وضو ضرور کرے۔[1]

ریل گاڑی میں تیمّم کا حکم:

س: ریل یا موٹر میں نماز قضا ہونے کا ڈر ہو تو تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ریل کے تختہ پر یا موٹر کی لوہے کی چادر پر تیمّم جائز ہوگا یا نہیں۔ جبکہ موٹر والا کہنے سے نہ روکے؟

ج: ریل گاڑی یا موٹر میں تیمّم سے نماز کی صحت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱- ریل گاڑی کے دوسرے کسی ڈبے میں بھی پانی نہ ہو۔

۲- راستہ میں ایک میل شرعی (۳۸ء۱کلومیٹر) کے اندر کہیں پانی کے وجود کا علم نہ ہو۔

۳- اگر ریل گاڑی یا موٹر کے تختے پر اتنا غبار ہو کہ بخوبی ہاتھ کو لگے تو اس پر تیمّم کرلے۔

۴- کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

۵- قبلہ رخ پڑھے قبلہ معلوم نہ ہو تو غور کے بعد جدھر دل شہادت دے اس طرف رُخ کرے۔

ان میں سے کسی ایک شرط پر قدرت نہ ہو تو جیسے بھی ممکن ہو پڑھ لے۔ مگر بعد میں قضا کرے۔[2]

نواقضِ وضو تیمّم کے لئے ناقض نہیں:

س: اگر جنبی بعذر شرعی تیمّم جنابت کرے تو وہ تیمّم نواقضِ وضو سے ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

ج: جنبی نے اگر بعذر شرعی تیمّم کیا تو اس عذر کے ختم ہونے پر وہ تیمّم بھی زائل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا تھا تو اگر پانی مل گیا اور قدرت ہوگئی تو تیمّم جنابت کا ٹوٹ جائے گا یا اگر مرض کی وجہ سے تیمّم کیا تھا تو جس وقت وہ مرض زائل ہو جائے گا تیمّم ٹوٹ جائے گا، یا اگر کوئی اور امر موجب غسل پایا جائے گا تو تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

اور نواقضِ وضو سے مطلقاً وہ تیمّم نہ ٹوٹے گا۔ مثلاً اس نے مرض کی وجہ سے تیمّم جنابت کیا یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا اور پھر حدث موجب وضو اس کو پیش آیا تو اس سے تیمّم جنابت نہ ٹوٹے گا۔[3]

انگوٹھی کے نیچے ہاتھ پھیرنا:

س: تیمّم میں تمام جگہوں پر ہاتھ کا پھیرنا ضروری ہے، اگر انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو اس کے اوپر ہاتھ پھیر لینا کافی ہے یا اس کے نیچے والی جگہ پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے؟

ج: انگوٹھی کو ہلا کر اس کے نیچے والی جگہ پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔[4]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۱ص ۲۴۳
[2] احسن الفتاوی ج ۲ص ۵۵
[3] فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۱ص ۲۵۸
[4] خیر الفتاوی ج ۲ص ۱۲۵

غسل کے احکام

فرائض غسل:

غسل جنابت میں تین فرض ہیں۔کلی کرنا۔ناک میں پانی ڈالنا اور سارے بدن پر پانی ڈالنا۔

حدیث: ((عن عائشة بنت عجرد في جنب نسي المضمضة والاستنشاق۔ قالت۔ قال: ابن عباس يمضمض ويستنشق ويعيد الصلٰوة))[1]

ترجمہ: عائشہؓ بنت عجرد سے منقول ہے اگر کوئی جنابت والا مضمضہ (کلی) کرنا یا استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) بھول گیا ہو غسل کرتے وقت۔تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ بعد میں مضمضہ اور استنشاق کرلے اور اگر نماز پڑھی ہے تو اس کو دوبارہ لوٹائے (غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں)۔

حدیث: ((عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ تحت كل شعرة جنابة))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج۱ص۲۶۲ الجوہر النقی علی البیہقی ج۱ص۱۷۸)

۲- ((عن ابي الدرداء قال تحت كل شعرةٍ جنابة (الجوهر النقي على البيهقي ج۱ص۱۷۸) بحواله تهذيب الاثار للطبريؒ)

حضرت ابودرداءؓ سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔

حدیث: ((عن عليؓ ان رسول الله ﷺ قال من ترك موضع شعرة من جنابة لم يصبها المآء فعل بها كذا وكذا من النار)) (دارمي ج۱ص۱۵۷) ابن ماجه ص۸٤ ابوداؤد ج۱ص۳۳ بيهقي ج۱ص۱۷۵ تلخيص الحبير ج۱ص۱٤۲)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کی جگہ بھی ایسی چھوڑی کہ اس پر پانی نہ پہنچا تو اس شخص کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا جائے گا جہنم میں (یعنی اسے سزا دی جائے گی)۔

---

[1] دارقطنی ج۱ص۱۱۶

سنن غسل:

حدیث: ((عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ کان اذا اغتسل من الجنابة بدأ فغسل یدیه))

(بخاری ج ۱ ص ۳۹، مسلم ج ۱ ص ۱۴۷)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب جنابت سے غسل کرتے تھے، تو پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔

(۲) پھر استنجا کرے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱ شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۴)

حدیث: ((عن عائشة قالت کان رسول اللّٰه ﷺ اذا ارادان یغتسل من الجنابة بدأ بغسل یدیه قبل ان یدخلهما الانآء ثم یغسل فرجه)) (ترمذی ص ۴۱)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب جنابت سے غسل کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے تھے پھر ان کو برتن میں داخل کرتے تھے۔ اور استنجاء کرتے تھے۔

حدیث: ((عن امیر المؤمنین عمر مرفوعاً، اما الغسل من الجنابة فتفرغ یمینك علٰی شمالك ثم تدخل یدك فی الانآء فتغسل فرجك و ما اصابك ثم توضا وضوئك للصلٰوة ثم تفرغ علٰی راسك ثلاث مرات)) (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۰ بحوالہ ابویعلیٰ)

ترجمہ: امیر المومنین حضرت عمرؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم جنابت سے غسل کرنا چاہو پہلے اپنے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالو۔ اور پھر ہاتھ کو صاف کرنے کے بعد برتن میں داخل کرو۔ اور پہلے استنجاء کرو اور پھر جہاں نجاست لگی ہوئی ہو اس کو دھو پھر وضو کرو۔ جیسا نماز کے لیے ہوتا ہے پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالو۔

حدیث: ((عن ام سلمة قالت قُلت یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انی امراة اشد ضفر راسی افانقضه لغسل الجنابة قال لا انما یکفیك ان تحثی علی راسك ثلث حثیات))

(مسلم ج ۱ ص ۱۵۰)

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی مینڈھیوں کو مضبوط باندھ لیتی ہوں تو غسل جنابت کے لیے ان کو کھولا کروں۔ آپ نے فرمایا' نہیں انکو کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈال دو۔

حدیث: ((وقالت عائشةؓ وسألته عن غسل الجنابة فقال ثم تصب علٰی راسها فتدلکه حتٰی تبلغ شئون راسها)) (مسلم ج ۱ ص ۱۵۰، ابن ماجہ ص ۴۷)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے سر پر پانی ڈالے اور اس کو ملے یہاں تک کہ پانی اس کے سر کی درزوں تک پہنچ جائے۔ یعنی بالوں کی جڑوں تک۔

حدیث: ((عن جابرؓ قال اذا اغتسلت المرأة من الجنابة فلا تنقض شعرها ولٰكن تصب المآء علٰى اصوله وتبله)) (دارمی ج۱ص۲۱۰)

ترجمہ: حضرت جابرؓ نے کہا کہ جب عورت غسل جنابت کرتی ہے تو اس کو چاہئے کہ بالوں کی مینڈھیاں نہ کھولے بلکہ بالوں کی جڑوں پر پانی ڈال کر ان کو تر کردے۔

اقسام غسل

نظافت کے نظام میں طہارت کے لیے وضو کے ساتھ غسل بھی ہے۔ اور غسل کی متعدد قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب

غسل فرض اور موجبات غسل:

التقائے ختانین یعنی مرد وعورت کے اعضاء مستورہ کا آپس میں اس طرح اتصال کہ حشفہ غائب ہو جائے مرد وعورت دونوں پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ یعنی مادہ منویہ خارج ہو یا نہ ہو۔ (ہدایہ ج۱ص۱۱، کبیری ص۵۴)

حدیث: ((عن عائشةؓ قال رسول الله ﷺ .... اذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل (قال الامام المسلم وفي حديث مطرد، وان لم ينزل)) (مسلم ج۱ص۱۵۶، ترمذی ص۴۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب مرد وعورت کے اعضاء مستورہ آپس میں مل جائیں تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔ امام مسلمؒ کہتے ہیں کہ ''مطرد'' (راوی کی روایت کردہ) حدیث میں اگر چہ انزال نہ ہو کے الفاظ بھی ہیں۔

حدیث: ((قال معاذ سألت رسول الله ﷺ عما يوجب الغسل من الجماع فقال اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل)) (مجمع الزوائد ج۱ص۲۶۷)

ترجمہ: حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جماع میں کس وقت غسل واجب ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب مرد وعورت کے اعضاء مستورہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے (یہ شرط نہیں کہ مادہ خارج ہو تو پھر غسل کیا جائے)۔

(۲) انزال سے یعنی دفق (اچھل کر مادہ منویہ کا خارج ہونا شہوت کے ساتھ) سے بھی غسل کرنا فرض ہو جاتا

ہے۔(شرح نقایہ ج اص ۱۴، ہدایہ ج اص ۱۱ کبیری ص ۵۴)

حدیث: ((عن عليؓ قال كنت رجلاً مذآء فسألت النبيﷺ فقال اذا رأيت المذى فتوضأ واغسل ذكرك واذا رأيت فضح المآء فاغتسل (مسند احمد ج١ ص ١٢٥) وفى رواية ابى داود اذا فضحت المآء فاغتسل)) (ابوداؤد ج اص ۲۷)

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں کثیر المذی تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب تو مذی دیکھے تو استنجا کر اور وضو کر اور جب تو دیکھے کہ مادہ منویہ اچھل کر خارج ہوا ہے تو غسل کر، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب مادہ منویہ شہوت اور جوش سے خارج ہو تو غسل کرو۔

(۳) احتلام یعنی بدخوابی سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ مادہ خارج ہو جائے۔

۱- ((عن ابن عمرؓ انه سئل عن رجل استيقظ من منامه فرأى بلة قال لووجدت ذلك لاغتسلت)) (ابن ابی شیبہ ج اص ۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس شخص کے بارہ میں جو نیند سے بیدار ہو اور اس نے تری و رطوبت دیکھی (کپڑے وغیرہ میں) تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ایسا معاملہ دیکھوں تو میں غسل کروں گا۔

۲- ((عن ابراهيم فى الرجل يجد البلل بعد النوم قال يغتسل)) (ابن ابی شیبہ ج اص ۷۸)

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص سو کر اٹھنے کے بعد اگر تری یا احتلام کی رطوبت پاتا ہے تو اس کو غسل کرنا چاہئے۔

۳- ((عن سعيد بن جبيرٍ وعطآءٍ قالا اذا رأى بللاً فليغتسل))(ابن ابی شیبہ ج اص ۷۸)

حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ دونوں نے کہا ہے کہ اگر رطوبت پاتا ہے تو غسل کرے۔

مسئلہ: عورت کا بھی یہی حکم ہے (عورت کو احتلام ہو اور مادہ خارج ہو تو غسل فرض ہوتا ہے۔

(ہدایہ ج اص ۱۱، شرح نقایہ ج اص ۱۵)

۱- ((عن ام سلمةؓ قالت جآء ت ام سليم الى النبيﷺ فقالت يارسول الله ان الله لا يستحي من الحق فهل على المرأة من غسل اذا احتلمت فقال رسول اللهﷺ نعم اذا رأت المآء))(مسلم ج اص ۱۴۲)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور

عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ حق بات کے ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ آپ یہ فرمائیں کہ جب عورت کو احتلام ہوجائے تو کیا اس پر غسل فرض ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔ ہاں غسل فرض ہوجاتا ہے جب وہ دیکھے کہ مادہ خارج ہوگیا ہے۔

۲ - ((عن انس بن مالکؓ قال سألت امرأة رسول اللہ ﷺ عن المرأة ترٰی فی منامها مایری الرجل فی منامه فقال اذا کان منها مایکون من الرجل فلتغتسل)) (مسلم ج۱ص۱٤٥، ص۱٤٦، بخاری ج۱ص٤۲ عن ام سلمةؓ، ترمذی ص٤٤ ابوداؤد ج۱ص۳۱ عن عائشةؓ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں، ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر عورت خواب میں دیکھے ایسی حالت جو مرد دیکھتے ہیں (یعنی احتلام وبدخوابی کی حالت دیکھے) تو آپ نے فرمایا، جب عورت میں بھی وہی بات ہو جو مرد میں ہوتی ہے (مادہ خارج ہوجائے) تو اس پر بھی غسل فرض ہوگا۔

(۴) عورت کا ایام ماہواری یعنی حیض سے پاک ہونے پر بھی غسل کرنا فرض ہوتا ہے۔

(ہدایہ ج۱ص۱۲، شرح نقایہ ج۱ص۱۵ کبیری ص۵۴)

۱ - ((حتیٰ یطهرنؐ فاذا تطهرن الخ)) (بقرہ آیت۲۲۲)

حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب نہ جاؤ یعنی مجامعت اور ہمبستری نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجائیں اور جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں یعنی غسل کرلیں تو پھر ان سے مقاربت کرو۔

۲ - ((عن عآئشةؓ قالت قال النبی ﷺ اذا اقبلت الحیضة فدعی الصلٰوة واذا ادبرت فاغتسلی وصلی)) (بخاری ج۱ص۴۷، کنز العمال ج۹ص۲۴۲، ابوداؤدص۳۷، ۳۸، منتقی ابن جارودص۴۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حیض کا وقت آجائے تو نماز ترک کردو۔ اور جب وہ چلا جائے تو غسل کرلو اور پھر نماز پڑھو۔

(۵) نفاس سے پاک ہونے پر (بچہ بچی پیدا ہونے کے بعد خون بند ہونے پر) غسل کرنا فرض ہوتا ہے۔

(ہدایہ ج۱ص۱۲، شرح نقایہ ج۱ص۱۵، کبیری ص۵۴)

((عن معاذٍ اذا مضی للنفسآء سبعٌ ثم رأت الطهر فلتغتسل ولتصل))

(مستدرک۔ ج۱ص۱۷۶، کنز العمال ج۹ص۲۴۵)

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ جب نفاس والیوں پر سات دن گذر جائیں اور پھر وہ طہر کی حالت دیکھے یعنی خون بند ہوجائے تو وہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔

غسل واجب:

(۱) غسل کی اقسام واجبہ میں سے ایک غسل میت ہے۔ (کبیری ص ۵۵) جیسا کہ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۶۷، مسلم ج ۱ ص ۳۲۴، ترمذی ص ۱۶۲)

عن ابراهيم النخعي انه قال غسل الميت كالغسل من الجنابة (ترمذی ص ۱۶۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینا ایسا ہی (ضروری اور واجب) ہے جس طرح جنابت کا غسل ہوتا ہے۔

(۲) اور اسی طرح اگر آدمی کے تمام جسم پر ظاہری نجاست لگ جائے یا ناپاک چھینٹے پڑ جائیں تو پھر بھی غسل کرنا واجب ہوگا۔

غسل سنت:

(۱) جمعہ کے دن نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔ اجتماع میں لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لیے اور نظافت کے نقطۂ نظر سے جمعہ کا غسل کرنا سنت ہے (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۸، شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۵، کبیری ص ۵۴)

۱ - **((عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال اذا جآء احدكم الجمعة فليغتسل))**

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، ص ۱۲۲، مسلم ج ۱ ص ۲۷۹، ترمذی ص ۹۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو اس کو غسل کر لینا چاہئے۔

۲ - **((عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل))** (ترمذی ص ۹۸)

حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو ٹھیک ہے اور اچھا ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل بہت افضل ہے۔

۳ - **((عن عبدالله بن مسعودؓ قال من السنة الغسل يوم الجمعة))** (آثار السنن ج ۲ ص ۸۹، بحوالہ بزار)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت میں سے ہے۔

۴ - **((عن عكرمة ان ناساً من اهل العراق جآءوا فقالوا يا ابن عباس اترى الغسل يوم الجمعة واجباً قال لاولكنه اطهر وخير لمن اغتسل ومن لم يغتسل فليس بواجب))**

(ابوداؤد، ج ۱ ص ۵۱ طحاوی ج ۱ ص ۸۳)

عکرمہؓ سے روایت ہے کہ عراق سے کچھ لوگ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا' جمعہ کے دن غسل کرنا آپ کے نزدیک واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن یہ پاکیزہ اور بہتر ہے اور جو غسل

نہ کرسکے تو یہ واجب نہیں ہے۔

(۲) عیدین کے لیے بھی غسل کرنا سنت ہے۔ (ہدایہ ج اص ۱۱۸ شرح نقایہ ج اص ۱۶، کبیری ص ۵۵)

۱ – ((عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یغتسل یوم الفطر ویوم الاضحی))

(ابن ماجہ ص ۹۳)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔

۲ – ((عبداللہ بن عمرؓ کان یغتسل یوم الفطر قبل ان یغدو الی المصلی)) (مؤطا امام مالک ص ۱۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔

۳– ((عن زاذ ان ان رجلاً سأل علیا عن الغسل فقال اغتسل کل یوم ان شئت قال لا بل الغسل المستحب قال اغتسل کل یوم الجمعة ویوم الفطر ویوم النحر ویوم عرفة))

(کنز العمال ج ۹ ص ۳۴۱، طحاوی ج اص ۸۴)

حضرت زاذانؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے غسل کے بارہ میں دریافت کیا تو حضرت علیؓ نے کہا، اگر تم چاہو تو ہر روز غسل کرو تو اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت میں تو مستحب غسل کے بارہ میں دریافت کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا، پھر تم ہر جمعہ کے دن اور عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل کیا کرو۔

((قال ھشیم قلت لیزید بن ابی زیاد ھل من غسل غیر یوم الجمعة قال نعم یوم عرفة ویوم فطر ویوم اضحی ویوم الجمعة)) (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۸ بحوالہ ابو یعلی)

ہشیمؒ کہتے ہیں، میں نے یزید بن ابی زیادؒ سے پوچھا، کیا جمعہ کے علاوہ بھی غسل ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہے۔ عرفہ کے دن۔ عید الفطر۔ عید الاضحیٰ اور جمعہ کے دن۔

(۳) عرفہ کے دن وقوف کے لیے بعد زوال بھی غسل کرنا سنت ہے۔

(ہدایہ ج اص ۱۸۳، شرح نقایہ ج اص ۱۶ کبیری ص ۵۵)

((عن نافع عن ابن عمرؓ انه کان اذا راح الی المعروف اغتسل))

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۸، مطبوعہ حیدر آباد)

نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب وہ زوال کے بعد معروف (وقوف کی جگہ) کی طرف جاتے تو پہلے غسل کرتے۔

((عن ابراھیم قال امض الی عرفات فاذا کان عند زوال الشمس فاغتسل ان وجدت مآء

والا فتوضأ)) (ابن ابی شیبہ ج ا ص ۶۸ طبع حیدرآباد دکن)

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ عرفات کی طرف جاؤ جب زوال شمس کا وقت ہو اگر پانی میسر ہو تو غسل کرو۔ ورنہ وضو ہی کرو۔

(۴) احرام باندھنے کے وقت بھی غسل کرنا سنت ہے (ہدایہ ج ا ص ۱۷۴، شرح نقایہ ج ا ص ۱۶ کبیری ص ۵۵)

۱- **((عن ابن عمرؓ قال ان من السنة ان یغتسل اذا اراد ان یحرم واذا اراد ان یدخل المکة))**

(مستدرک حاکم ج ا ص ۴۴۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ سنت ہے جب کوئی احرام کا ارادہ کرتا ہے غسل کرے اور جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر بھی غسل کرے۔

۲- **((عن خارجة بن زید بن ثابت عن ابیه انه رأی النبیﷺ تجرد لاهلا له واغتسل))**

(ترمذی ص ۱۴۳)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے احرام باندھنے کے وقت غسل کیا۔

۳- **((عن نافع ان عبداللّٰہ بن عمرؓ کان یغتسل لاحرامه قبل ان یحرم))** (مؤطا امام مالک ص ۳۲۸)

نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرتے تھے۔

غسل مستحب:

جب کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے بھی غسل کرنا مستحب ہے (کبیری ص ۵۶) جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

۱ - **((عن قیس بن عاصمٍ انه اسلم فامره النبیﷺ ان یغتسل بمآء وسدرٍ))** (ترمذی ص ۱۱۱)

حضرت قیس بن عاصمؓ کہتے ہیں جب میں ایمان لایا تو آنحضرتﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں غسل کروں اور پانی میں بیری کے پتے ڈال دوں۔

۲ - **((عن ابی هریرةؓ ان ثمامة بن اثال او اُثالة اسلم فقال رسول اللّٰہﷺ اذهبوا به الی حآئط بنی فلان فمروه ان یغتسل))** (مجمع الزوائد ج ا ص ۲۸۳ بحوالہ بزار و احمد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ثمامہؓ بن اثال جس وقت مسلمان ہوئے تو آنحضرتﷺ نے فرمایا اس کو فلاں باغ میں لے جاؤ اور اس کو کہو کہ یہ غسل کر لے۔

۳ - **((عن قتادة بن ابی هشام قال اتیت رسول اللّٰہﷺ فقال لی یاقتادة اغتسل))**

(مجمع الزوائد ج ا ص ۲۸۳ بحوالہ طبرانی کبیر)

حضرت قتادہ بن ابی ہشامؓ کہتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اسلام لاکر) تو آپ نے فرمایا اے قتادہ غسل کرلو۔

مسئلہ:

لیکن اگر ایسا شخص جنابت کی حالت میں ہوتو پھر اس کے لیے بھی غسل کرنا مؤکد (واجب اور ضروری) ہوگا۔

(شرح وقایہ ج۱ ص ۷۷، کبیری ص ۵۶)

(۲) فصد اور پچھنے لگوانے سے غسل کرنا مستحب ہے۔ (کبیری ص ۵۵)

((عن عائشةؓ ان النبیﷺ قال یغتسل من اربع من الجنابة ویوم الجمعة ومن غسل المیت والحجامة)) (مستدرک حاکم ص ۱۶۳، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۱)

ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار باتوں سے غسل کرنے کے بارہ میں حکم دیتے تھے۔ جنابت سے، جمعہ کے دن اور میت کو غسل دینے پر اور سینگیاں لگوانے پر۔

(۳) ہفتہ میں ہر مسلمان کے لیے ایک بار غسل کرنا مستحب ہے۔ اگر کوئی عذر نہ ہو۔

۱ – **((عن جابرؓ عن النبیﷺ قال الغسل واجبٌ علٰی کل مسلم فی کل اسبوع یوماً وھو یوم الجمعة))** (طحاوی ج ۱ ص ۸۲)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا غسل کرنا ہر مسلمان پر مؤکد ہے۔ ہفتے میں ایک دن اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

۲ – **((عن ابی ھریرةؓ یقول حق للّٰہ واجب علٰی مسلم فی کل سبعة ایام یغتسل))**

(طحاوی ج ۱ ص ۸۴)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤکد حق ہے ہر مسلمان پر سات دن میں کہ وہ غسل کرے۔

(۴) دخول مکہ کے وقت غسل کرنا مستحب ہے (کبیری ص ۵۵)

((عن نافع قال کان ابن عمرؓ اذا دخل ادنی الحرم امسك عن التلبية ثم يبيت بذی طوی ثم يصلی به الصبح ويغتسل ويحدث ان نبی اللّٰہ ﷺ کان یفعل ذٰلك))

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۴، مسلم ج ۱ ص ۴۱۰)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر جب حرم کی حدود میں داخل ہوتے تھے تو تلبیہ پڑھنا موقوف کردیتے تھے اور پھر ذی طوی کے مقام میں رات گذارتے تھے۔ پھر صبح کی نماز ادا کرتے تھے اور غسل کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ یہ بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

غسل کے مسائل

غسل جنابت میں بسم اللہ:

س: غسل جنابت (مرد اور عورت کے لئے) یا احتلام کے غسل کے وقت شروع میں "بسم اللہ" پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

ج: ہر غسل کے لئے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔[1] (لیکن غسل خانہ میں داخل ہونے اور ننگے ہونے سے پہلے پڑھے)۔

غسل میں نیت کرنا:

س: ایک آدمی کو غسل کی حاجت ہے، اس نے تمام شرائط ادا کئے۔ لیکن نیت غسل کی بھول گیا ہے۔ کپڑے پہننے کے بعد یاد آنے پر کہتا ہے کہ میرا غسل درست ہوا۔ کیا عمر کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

ج: عمر کا قول صحیح ہے۔ اس صورت میں غسل ہو گیا۔ کیونکہ وضو اور غسل میں ہمارے نزدیک (حنفی مسلک میں) نیت فرض نہیں ہے، سنت ہے، اور ترک سنت سے صحت میں کچھ شبہ نہیں ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔[2]

ننگے غسل کرنا:

س: غسل خانہ کی دیواریں بڑی بڑی ہوں اور چھت پٹی ہوئی نہیں۔ تو اس میں برہنہ غسل کرے یا نہیں؟

ج: جبکہ غسل خانہ کی دیواریں بڑی بڑی ہوں اور بے پردگی کہیں سے نہیں ہوتی تو اس میں برہنہ ہو کر نہانا درست ہے۔ اگرچہ چھت پٹی ہوئی نہ ہو، مگر اولیٰ یہ ہے کہ ننگا ہو کر نہ نہائے مگر مجبوری کے وقت۔[3]

غسل خانہ میں داخل ہونے کا طریقہ:

س: غسل خانہ میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کا مسنون طریقہ کیا ہے اور اس وقت کون سی دعا مسنون ہے؟

ج: غسل خانہ میں بالعموم صفائی نہیں ہوتی۔ اس لئے بیت الخلاء کی طرح غسل خانہ میں بھی داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں نکالے۔ غسل سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔ مگر غسل خانہ میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے۔ اور فارغ ہونے کے بعد غسل خانہ سے باہر نکل کر وضو کے بعد والی دعا پڑھے۔ اگر غسل خانہ نہایت صاف ستھرا ہو اور اس کے اندر بیت الخلاء نہ ہو تو اس میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت جو پاؤں چاہے پہلے رکھے

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند ج اص ۱۵۹ [2] ایضاً [3] فتاوی دار العلوم دیوبند ج اص ۱۶۰

اور بسم اللہ بھی غسل خانہ کے اندر کپڑے اتارنے سے پہلے پڑھے۔ اگر کوئی لنگی وغیرہ باندھ کر غسل کر رہا ہو تو کپڑے اتارنے کے بعد بسم اللہ پڑھے اور حالت غسل میں وضو کی دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے۔

قال في العلائية ، وسننه كسنن الوضوء سوى الترتيب و اٰدابه كاٰدابه۔ وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله كسنن الوضوء) اى من البدائة بالنية والتسمية والسواك والتخليل والدلك والولاء الخ۔

واخذ ذلك في البحر من قوله ثم يتوضأ (قوله سوى الترتيب) اى المعهود في الوضوء والا فالغسل له ترتيب آخر بينه المصنف بقوله بادئا الخ۔[1]

غسل کا طریقہ:

س:......مولانا صاحب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ہمارے مذہب میں غسل کرنے کا طریقہ کار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے ہر مسلمان عورت کا واقف ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت ہی کم مسلمان ایسے ہیں جو اس کی اہمیت اور صحیح طریقہ سے واقف ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے کالم میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ جواب دیتے وقت ان باتوں کی بھی وضاحت کر دیں کیا غسل کرتے وقت پہلے وضو کرنا ضروری ہے؟ دوم یہ کہ غسل کرتے وقت کیا زیر ناف کپڑا باندھنا بھی ضروری ہے اور سوئم یہ کہ غسل کرتے وقت کون سی دعائیں پڑھتے ہیں۔ کیا پانچوں کلمے پڑھنا ضروری ہیں یا صرف درود شریف پڑھ کر مقصد پورا ہو جاتا ہے اور غسل لینے کا صحیح طریقہ اسلام میں کیا ہے؟

ج:...... غسل کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے اور استنجا کرے۔ پھر بدن پر کسی جگہ نجاست لگی ہو اسے دھو ڈالے، وضو کرے، پھر تمام بدن کو تھوڑا سا پانی ڈال کر ملے۔ پھر سارے بدن پر تین مرتبہ پانی بہالے۔

غسل میں تین چیزیں فرض ہیں۔ (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا، بدن کا اگر ایک بال بھی خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوگا اور آدمی بدستور ناپاک رہے گا۔ ناک کان کے سوراخوں میں پانی پہنچانا بھی فرض ہے۔ انگوٹھی، چھلہ اگر تنگ ہو تو اس کو ہلا کر اس کے نیچے پانی پہنچانا بھی لازم ہے۔ ورنہ غسل نہ ہوگا۔ بعض بہنیں ناخن پالش وغیرہ ایسی چیزیں استعمال کرتی ہیں۔ جو بدن تک پانی پہنچنے نہیں دیتیں۔ غسل میں ان چیزوں کو اتار کر پانی پہنچانا ضروری ہے۔ بعض اوقات بے خیالی میں ناخنوں کے اندر آٹا لگا رہ جاتا ہے۔ اس کو نکالنا بھی ضروری ہے۔ الغرض پورے جسم پر پانی بہانا اور جو چیزیں پانی کے بدن تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں ان کو ہٹانا ضروری ہے۔ ورنہ غسل نہیں ہوگا۔ عورتوں کے سر کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کو کھول کر ان کو تر کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے۔

لیکن اگر بال گندھے ہوئے نہ ہوں (آج کل عموماً یہی ہوتا ہے) تو سارے بالوں کو اچھی طرح تر کرنا بھی ضروری

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۴۸، ص ۴۹

ہے۔اب آپ کے سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

☆...... غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے اگر نہ کیا تب بھی غسل ہو جائے گا۔

☆...... کپڑا باندھنا ضروری نہیں مستحب ہے۔

☆...... غسل کے وقت کوئی دعا' کوئی کلمہ پڑھنا ضروری نہیں' نہ درود شریف ضروری ہے بلکہ اگر جسم پر کوئی کپڑا نہ ہو تو اس حالت میں دعا،کلمہ اور درود شریف جائز ہی نہیں۔ برہنگی کی حالت میں خاموش رہنے کا حکم ہے اس وقت کلمہ پڑھنا ناواقف عورتوں کی ایجاد ہے۔[1]

مسنون وضو کے بعد غسل:

س:...... جیسا کہ معلوم ہے کہ غسل میں تین چیزیں فرض ہیں۔(۱) کلی کرنا۔(۲) ناک میں پانی ڈالنا اور (۳) سارے بدن پر پانی ڈالنا۔اور غسل سے پہلے وضوسنت ہے مولانا صاحب میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے غسل سے پہلے وضو کرلیا اور اس میں کلی بھی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔لیکن وضو کے بعد غسل سے پہلے نہ دوبارہ کلی کی اور نہ ناک میں پانی ڈالا' جو کہ فرض ہے اور اس نے سوچا کہ یہ تو میں نے وضو میں کیا ہے اور سارے بدن پر پانی ڈالا تو کیا اس کا غسل صحیح ہے؟

ج:...... جب غسل سے پہلے وضو کیا اور وضو میں کلی بھی کی اور ناک میں پانی ڈالا تو وضو کے بعد دوبارہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔غسل صحیح ہوگیا۔[2]

غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا:

س:...... جس شخص پر غسل فرض ہو وہ غسل نہیں کرتا صرف نہانے پر اکتفا کرتا ہے کیا وہ نہانے سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج:...... غسل نہانے ہی کو تو کہتے ہیں۔البتہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن پر پانی بہانا پاک ہونے کیلئے شرط ہے۔

غسل کے آخر میں کلی اور غرارے کرنا:

س:...... کوئی شخص حالت جنابت میں ہے اور وہ غسل کرتا ہے جب وہ تمام بدن پر پانی ڈالتا ہے تو بعد میں اسے کلی اور غرارے یاد آتے ہیں اور اسی وقت وہ کلی اور غرارے کرتا ہے اس وقت اس شخص کا غسل مکمل ہو جاتا ہے یا دوبارہ پانی ڈالنا پڑے گا؟

ج: غسل ہوگیا۔دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔[3]

س: غسل فرض میں اگر صرف کلی کرلی۔غرغرہ نہیں کیا،روزہ کی وجہ سے تو غسل صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: غسل میں غرغرہ ضروری نہیں، منہ بھر کر کلی کرنا ضروری ہے، اگر منہ بھر کر کلی کرلی تو غسل صحیح ہوگیا۔روزہ کی حالت میں غرغرہ نہیں کرنا چاہیے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج۲ ص۴۹ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] احسن الفتاوی ج۲ ص۳۱

س: اگر جنبی نے بغیر کلی کئے پانی پی لیا۔ تو کلی کی ضرورت باقی ہے یا نہیں؟ اگر اب غسل کر لیا کلی نہیں کی تو غسل صحیح ہوا یا نہیں؟

ج: جنبی کے لئے کلی سے پہلے پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر پی لیا اور منہ بھر کر پیا۔ تو یہ کلی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اس لئے اب مستقل کلی کی حاجت نہیں۔ مگر پھر بھی کلی کر لینا بہتر ہے۔[1]

منہ کے اندر وظاہر کی حدود:

س: جو کوا زبان سے پرے ہے وہ غسل میں ظاہر کا حکم رکھتا ہے یا اندر کا، اور منہ کا ظاہر حکم کہاں تک ہے، جس کا دھونا فرض ہے؟

ج: غسل میں منہ کے اندر اس حد تک دھونا فرض ہے، جو کہ وضو میں مسنون ہے۔ جس کو کلی یعنی مضمضہ کہتے ہیں، اور منہ اٹھا کر غرغرہ کرنا یہ سنت ہے فرض نہیں ہے۔ **کمافی الدر المختار۔ وسننه كسننه۔** پس کوا زبان سے پرے ہے اس کو دھونا غسل میں فرض نہیں ہے۔ فرض اس قدر ہے جس پر اطلاق مضمضہ کا آتا ہے، یعنی جبکہ پانی منہ میں کلی کے لئے لیویں۔ تو جہاں تک سر جھکائے ہوئے بغیر غرغرہ کے پانی پہنچ سکے وہ فرض ہے الغرض کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا جو کہ وضو میں سنت ہے، غسل میں فرض ہے۔[2]

خلاف سنت غسل سے پاکی:

س:...... غسل اگر سنت کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو کیا اس سے ناپاکی دور نہیں ہوتی؟

ج:...... اگر کلی کر لی، ناک میں پانی ڈالا اور پورے بدن پر پانی بہا لیا تو طہارت حاصل ہوگئی کیونکہ غسل میں یہی تین چیزیں فرض ہیں۔[3]

رمضان میں غرارہ اور ناک میں پانی ڈالے بغیر غسل کرنا:

س: رمضان المبارک کے مہینے میں دن کو کسی کو احتلام ہوا۔ روزہ کی وجہ سے ناک میں اوپر تک پانی نہیں ڈال سکتا اور نہ غرارہ کر سکتا ہے۔ بعد افطاری کے غرارہ کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے، واجب ہے یا مستحب ہے؟ اگر کسی نے افطاری کے بعد غرارہ اور ناک میں پانی نہیں ڈالا تو کیا اس کا غسل جو دن میں کیا ہوا تھا کافی ہے؟

ج: غسل صحیح ہو گیا۔ افطاری کے بعد غرارہ کرنے یا ناک میں پانی چڑھانے کی ضرورت نہیں۔[4]

غسل جنابت میں عورت کو چوٹی کھولنا ضروری نہیں:

س: جس طرح مرد کو جماع کے بعد تمام بدن اور سر کے بال جڑ تک تر کرنے ضروری ہیں تو کیا عورت کو جبکہ اس کے سر کے بال بہت لمبے اور گندھے ہوں تو کیا کرنا چاہئے؟

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۱ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۵۱

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۵۰ [4] ایضاً۔

ج: عورت کے سر کے بال اگر گندھے ہوئے ہیں اور مینڈھیاں گندھی ہوئی ہیں تو ان کو کھولنا اور تمام بالوں کا تر کرنا غسل میں ضروری نہیں ہے، بلکہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سر پر پانی ڈال کر بالوں کو دبا دے کہ جڑ میں پانی پہنچ جاوے۔ اگر بال کھلے ہوئے ہیں تو تمام بالوں کا تر کرنا ضروری ہے۔[1]

س: عورت کے فرض غسل میں سر کے بالوں میں کچھ خشکی رہ جائے تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟

ج: اگر بال کھلے ہوں تو بالوں کا تر کرنا فرض ہے، جڑوں تک پانی پہنچائے۔ اور اگر عورت کے بال گندھے ہوئے ہوں تو ان کو کھولنا ضروری نہیں۔ صرف جڑوں کا تر کرنا فرض ہے۔ البتہ اگر بغیر کھولے جڑوں تک پانی نہ پہنچ سکے تو کھول کر سب بالوں کو دھونا فرض ہے۔

((قال فی شرح التنویر۔ (وکفی بل اصل ضفیرتها) ای شعرالمرأة المضفور للحرج اما المنقوض فیفرض غسل کله اتفاقاً۔ ولو لم تبتل اصلها یجب نقضها مطلقاً هوالصحیح))[2]

(ردالمحتار ج۱ص۱۴۲)

عورت کو تمام بالوں کا دھونا ضروری ہے:

س: کیا میاں بیوی والے حقوق ادا کرنے کے بعد پاک ہونے کیلئے غسل میں سر کے بال دھونا بھی شامل ہے یا بال گیلے کئے بغیر بھی غسل کرنے سے عورت پاک ہو جاتی ہے؟

ج: سر کے بال دھونا فرض ہے۔ اس کے بغیر غسل نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو غسل ادا نہیں ہوا۔ پرانے زمانے میں عورتیں سر گوندھ لیا کرتی تھیں۔ ایسی عورت جس کے بال گندھے ہوئے ہوں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ اپنی مینڈھیاں نہ کھولے اور پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچا لے تو غسل ہو جائے گا۔ لیکن اگر سر کے بال کھلے ہوئے ہوں جیسا کہ آج کل عام طور پر عورتیں رکھتی ہیں تو پورے بالوں کا تر کرنا غسل کا فرض ہے۔ اس کے بغیر عورت پاک نہیں ہوگی۔[3]

پیتل کے دانت کے ساتھ غسل اور وضو صحیح ہے:

س: مؤدبانہ گزارش ہے کہ چونکہ میرے سامنے ایک مسئلہ پیچیدہ زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ میرے سامنے والے دو چوڑے دانتوں میں سے ایک دانت آدھا ٹوٹا ہوا تھا اور آدھا باقی تھا۔ اس آدھے دانت کے اوپر میں نے پیتل کا کور چڑھایا ہوا ہے۔ جو دوسرے دانتوں کی طرح مضبوط ہے اور علیحدہ کرنے سے جدا نہیں ہوتا۔ لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تمہارے دانت تک پانی نہیں پہنچتا ہے۔ لہٰذا تمہارا وضو صحیح نہیں ہوتا ہے اور اسی لئے نماز بھی صحیح نہیں ہوتی۔

ج: آپ کا غسل اور وضو صحیح ہے۔

دانت بھروانے سے صحیح غسل میں رکاوٹ نہیں:

س: میرے ایک دانت میں سوراخ ہے جس کی وجہ سے دانت درد کرتا ہے اور منہ سے بدبو بھی آتی ہے۔ میں اس کو ڈاکٹر

---

[1] فتاوی دارالعلوم ج۱ص۱۵۶ [2] احسن الفتاوی ج۲ص۳۵ [3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۵۱

سے بھروانا چاہتا ہوں لیکن بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ایسا کرنے سے غسل نہیں ہوتا؟

ج: بعض لوگوں کی یہ رائے صحیح نہیں۔ دانت بھروا لینے کے بعد جب مسالہ دانت کے ساتھ پیوست ہو جائے تو اس کا حکم اجنبی چیز کا نہیں رہتا۔ اس لئے وہ غسل کے صحیح ہونے سے مانع نہیں۔[1]

دانتوں پر کسی دھات کا خول:

س: ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں مجھے آپ کو دیئے ہوئے ایک سوال کے جواب پر اعتراض ہے۔ سوال مندرجہ ذیل ہے۔

(س) دانتوں کے اوپر سونا یا اس کے ہم شکل دھات سے بنائے ہوئے کور چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کا وضو اور غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(ج) جائز ہے اور غسل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو آپ کا جواب غسل جنابت کیلئے غلط ہے ہاں عام غسل ہو سکتا ہے جبکہ غسل جنابت کیلئے حکم یہ ہے کہ ہونٹوں سے حلق تک ہر ذرے ذرے پر پانی کا پہنچانا فرض ہے اتنی حد تک کہ دانتوں میں کوئی ایسی سخت چیز پھنسی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس جگہ پانی نہ پہنچ سکا ہو تو غسل جنابت میں ایسی چیز کو دانتوں سے چھڑا کر پانی بہایا جائے ورنہ دیگر صورت میں غسل نہیں ہوتا۔ مگر آپ نے دانتوں کے اوپر تو پورا کور چڑھانے کی اجازت دے دی اور سونے کا کور چڑھنے کی صورت میں پانی اس دانت تک نہیں پہنچ سکتا اور پانی نہ پہنچنے کی صورت میں غسل جنابت ادا نہ ہوگا۔ اور اگر غسل ادا نہ ہوا تو نماز اکارت ہو جاتی ہے۔

ج: آپ نے صحیح لکھا ہے کہ اگر دانتوں کے اندر کوئی چیز ایسی بھری ہوئی ہو جو پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ ہو تو غسل جنابت کیلئے اس کا نکالنا ضروری ہے ورنہ غسل نہیں ہوگا۔ مگر یہ حکم اسی وقت ہے جبکہ اس کا نکالنا بغیر مشقت کے ممکن بھی ہو۔ لیکن جو چیز اس طرح پیوست ہو جائے کہ اس کا نکالنا ممکن نہ رہے، مثلاً دانتوں پر سونے چاندی کا خول اس طرح جما دیا جائے کہ وہ اتر نہ سکے تو اس کے ظاہری حصے کو دانت کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اتارے بغیر غسل جائز ہوگا۔[2]

مہندی کا رنگ مانع غسل نہیں:

س: ہماری بزرگ خواتین کا یہ فرمانا ہے کہ اگر ایام کے دوران مہندی لگائی جائے تو جب تک حنا کا رنگ مکمل طور پر اتر نہ جائے پاکی کا غسل نہیں ہوگا؟

ج: عورتوں کا یہ مسئلہ بالکل غلط ہے، غسل ہو جائیگا۔ غسل کے صحیح ہونے کیلئے مہندی کے رنگ کا اتارنا کوئی شرط نہیں۔[3]

اٹیچ باتھ روم میں غسل سے پاکی:

س: آج کل ایک فیشن ہو گیا ہے کہ مکانوں میں ''اٹیچ باتھ روم'' بنائے جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ بیت الخلاء اور غسل خانہ

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ ج ۲ ص ۵۲ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۵۳ [3] ایضاً۔

ایک ساتھ ہوتا ہے تو کیا ایسی جگہ غسل کرنے سے انسان پاک ہو جاتا ہے؟

ج: جس جگہ غسل کر رہا ہے اگر وہ پاک ہے اور ناپاک جگہ سے چھینٹے بھی نہیں آتے تو پاک نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اگر وہ جگہ مشکوک ہو تو پانی بہا کر پہلے اس کو پاک کر لیا جائے، پھر غسل کیا جائے۔[1]

ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا:

س: پانی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا غلط ہے چاہے وہ وضو میں کیوں نہ ہو تو جناب آپ یہ بتائیں کہ کیا بڑے سائز کی چار بالٹی پانی سے غسل کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں درست ہے کہ نہیں؟ جبکہ وہی شخص ایک بالٹی پانی سے اچھی طرح غسل کر سکتا ہے؟

ج: پاک ہونے کے لئے تو تقریباً چار سیر پانی کافی ہے۔ جسم کی صفائی یا ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے زیادہ پانی کے استعمال کا مضائقہ نہیں۔ بلاضرورت زیادہ پانی استعمال کرنا مکروہ ہے۔[2]

قضائے حاجت اور غسل کے وقت کس طرف منہ کرے:

س: غسل کرتے وقت کون سی سمت ہونی چاہئے۔ آج کل غسل خانہ اور بیت الخلاء ایک ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ ایسے میں غسل کے لئے کس طرح سمت کا اندازہ لگایا جائے۔ نیز بیت الخلاء کے لئے کون سی سمت مقرر ہے؟

ج: قضائے حاجت کے وقت نہ تو قبلہ کی طرف منہ ہونا چاہئے اور نہ قبلہ کی طرف پیٹھ ہونی چاہئے۔ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ غسل کی حالت میں اگر غسل بالکل برہنہ ہو کر کیا جا رہا ہو تو اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تنزیہی ہے بلکہ رخ شمالاً جنوباً ہونا چاہئے۔ اور اگر ستر ڈھانک کر غسل کیا جا رہا ہے تو اس صورت میں کسی بھی طرف رخ کر کے غسل کیا جا سکتا ہے۔[3]

جنابت کی حالت میں وضو کر کے کھانا:

س: جنابت کی حالت میں کھانا پینا' حلال جانور ذبح کرنا درست ہے؟

ج: جنابت کی حالت میں کھانا پینا اور دوسرے ایسے تصرفات' جن میں طہارت شرط نہیں' جائز ہیں۔ مگر کھانے پینے سے پہلے استنجا اور وضو کر لینا اچھا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔

((کان النبی ﷺ اذا کان جنبا فاراد ان یأکل اوینام توضأ وضوء ہ للصلوٰۃ)) (مشکوٰۃ ص ۴۹)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنابت کی حالت میں جب کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو فرما لیا کرتے تھے''۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۵۳ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۵۴ [3] ایضاً۔

[4] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۵۵

حالت جنابت میں کھانے پینے کی اجازت:

س: کافی دنوں سے سنتے آئے ہیں کہ احتلام کے بعد یعنی جنابت کی حالت میں غسل کرنے سے پہلے کھانا پینا حرام ہے باقی جب کوئی مجبوری ہو یعنی پانی وغیرہ غسل کیلئے نہ ہو تو اس حالت میں یا زیادہ بھوک یا پیاس لگنے کی حالت میں آدمی وضو کرے جس میں غرارے کرے اور ناک میں پانی پہنچائے پھر کچھ کھا پی سکتا ہے؟

ج: جنابت کی حالت میں کھانے پینے کی اجازت ہے۔ البتہ بغیر کلی کئے پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور اس میں صرف پہلا گھونٹ مکروہ ہے کیونکہ یہ پانی منہ کی جنابت زائل کرنے میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ہاتھ دھونے سے قبل کچھ کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے۔[1]

غسل کی حاجت ہو تو روزہ رکھنا:

س: اگر آدمی کو غسل کی حاجت ہو اور اسے روزہ بھی رکھنا ہو تو کیا غسل سے پہلے روزہ رکھنا جائز ہے اور ایسی حالت میں کھانا پینا مکروہ تو نہیں؟

ج: ہاتھ منہ دھو کر کھا پی لے اور روزہ رکھ لے۔ غسل بعد میں کر لے۔ جنابت کی حالت میں کھانا پینا مکروہ نہیں۔[2]

غسل جنابت میں تاخیر کرنا:

س: میں نے آپ کے کالم میں پڑھا تھا کہ حالت جنابت میں کھانے پینے کی اجازت ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ حالت جنابت میں کتنی دیر تک کھانے پینے کی اجازت ہے اور حالت جنابت میں کتنی دیر تک رہ سکتے ہیں؟

ج: جنابت کی حالت میں ہاتھ منہ دھو کر کھانا پینا جائز ہے۔ لیکن غسل میں اتنی تاخیر کرنا کہ نماز فوت ہو جائے سخت گناہ ہے۔[3]

جسم پر تیل لگا ہوا ہو تو غسل کیسے ہوگا:

س: حضرت علی المرتضیٰؓ کے قول کے مطابق "تحت کل شعرة جنابة" ہر بال کے نیچے جنابت ہے، اگر مرد کے جسم پر تیل لگا ہوا ہو تو تمام بدن کے بالوں کو دھونے اور ان کی جڑوں میں پانی پہنچانے کی کیا صورت ہوگی، کیا بیسن وغیرہ سے بالوں کو اچھی طرح صاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: یہ حضرت علیؓ کا قول نہیں، بلکہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول خدا علیہ التحیۃ والثنائنے فرمایا:

((تحت کل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة))

اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے اسی حدیث کے مضمون کو دریافت کر کے حلق رأس کی (سر منڈانے) عادت ڈالی اور فرمایا:

---

[1] آپ کے مسائل ج۲ ص۵۵ [2] آپ کے مسائل ج۲ ص۵۵ [3] ایضاً۔

((فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی))

ترجمہ: اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ہے۔

مردوں کو بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا اور بالوں کو پانی سے بھگونا، سر کے بال ہوں یا داڑھی کے ضروری ہے۔ اس کے بغیر غسل جنابت ادا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تیل بدن پر ملا ہوا ہو تو بیسن وغیرہ سے چھڑانا لازمی نہیں ہے۔ بلکہ اسی پر پانی بہا دینا کافی ہے۔[1]

عورتوں کو مسی اور مہندی لگانا:

س: عورتوں کو مسی لگانا جائز ہے یا نہیں۔ اور مسی استعمال کرنے کی صورت میں وضو اور غسل کرتے وقت دانتوں کو مسی سے صاف کرنا واجب ہے یا نہیں؟

ج: کوئی شک نہیں کہ زینت کے لئے عورتوں کو مسی لگانا جائز ہے۔ اور وضو میں تحلیل ضروری نہیں کیونکہ وضو میں کلی کرنا فرض نہیں ہے، باقی رہا غسل اس کے متعلق مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔

((ولو بقی العجین فی الظفر فاغتسل لایکفی، وفی الدرن والطین یکفی، لان الماء ینفد وکذا الصبغ والحنا))

ترجمہ: اگر ناخن میں آٹا رہ گیا اور غسل کر لیا تو غسل درست نہیں ہے۔ اور اگر ناخنوں میں مٹی اور میل رہ گیا۔ تو غسل کافی ہے۔ کیونکہ مٹی اور میل سے پانی اندر تک پہنچ سکتا ہے، اور اسی طرح رنگ اور مہندی میں بھی غسل درست ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پانی کو بدن تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو اسے دور کرنا ضروری ہے۔ اور جو چیز پانی پہنچنے سے مانع نہ ہو اس کا ازالہ ضروری نہیں۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں، کہ دیہاتی آدمی کے ناخن میں کوئی چیز رہ جائے اور وہ غسل کرے تو وضو اور غسل ہو جائے گا۔ اور اگر شہری کے ناخنوں میں کوئی چیز رہ گئی تو اس کا غسل درست نہ ہوگا۔ کیونکہ دیہاتی کے ناخن میں مٹی ہوتی ہے جو پانی کے پہنچنے کو مانع نہیں۔ اور شہری کے ناخن میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ اور وہ پانی پہنچنے کو مانع ہے۔

اسی طرح مچھر یا مکھی کا پاخانہ لگا ہو اور اس کے نیچے تک پانی نہ پہنچ سکے، تو طہارت درست ہے، کیونکہ اس سے بچنا ناممکن ہے۔ اور مہندی بھی مانع طہارت نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی تہ جم گئی ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی تصریح منیہ میں "مسئلہ حنا وطین ودرن" میں ذخیرہ سے نقل کر کے کی ہے۔ اور اس کی علت ضرورت بیان کی ہے اور شرح میں ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں مسامات موجود ہیں۔ اور چپچپاہٹ اور سختی نہیں ہے، اس لئے پانی اندر تک پہنچ سکتا ہے، اور (فقہاء) نے ان سب میں پانی

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۶۳

اندر تک پہنچنے کا اعتبار کیا ہے اور مبل، چکناہٹ اور مٹی بھی مانع طہارت نہیں ہے اگر چہ ناخن میں ہو، خواہ کسی دیہاتی کے ہو یا شہری کے، صحیح مذہب کے مطابق۔ برخلاف آٹے جیسی چیزوں کے مثلاً موم یا چبائی ہوئی روٹی جو جم گئی ہو۔ اور نہر میں ہے اگر ناخن میں مٹی یا آٹا ہو، تو فتویٰ اسی پر ہے کہ وہ معاف ہے، دیہاتی ہو یا شہری۔ البتہ شرح منیہ میں آٹے کے متعلق اس کے خلاف تحریر کیا ہے، اور وجہ منع یہ بیان کی ہے کہ اس میں چپچپاہٹ اور سختی ہے۔ جو پانی کو پہنچنے سے مانع ہے۔

اور رنگ ریز کے ناخن پر جو کچھ ہو مانع طہارت نہیں ہے اور نہ وہ کھانا جو دانتوں کے بیچ میں ہو۔ یا جو جوفدار دانت میں رہ جائے تو وضو اور غسل درست ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے، اور بعض کے نزدیک اگر آٹے یا اُس کھانے میں سختی آجائے تو وہ مانع طہارت ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس کی تصریح منیہ میں کی ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا سبب پانی کا نافذ نہ ہونا ہے۔ اور ضرورت وحرج کا مفقود ہونا ہے اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔ ان چیزوں کا زائل کردینا ضروری ہے، جو جسم تک پانی کے پہنچنے میں مانع ہوں، جیسے موم بتی اور آٹا۔ پس اگر جرم مسی دانتوں میں اس کثرت سے ہو کہ دانتوں کے جسم تک پانی پہنچنا اُس کی وجہ سے بالکل ناممکن ہو، تو غسل ادا نہ ہوگا۔[۱]

بالوں میں فیشنی رنگ لگانے کا حکم:

س: یہاں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں سر کے بال رنگ سے رنگنے کا فیشن ہے، تو ایسی حالت میں فرض غسل ان کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ خضاب پر اس کو قیاس کرنا صحیح ہوگا؟

ج: مہندی جیسا رقیق رنگ لگا ہو تو غسل صحیح ہو جائے گا۔ مگر یہ فیشن قابل ترک ہے۔[۲]

جنابت کی حالت میں بال صاف کرنا:

س: حالت جنابت میں خط بنوانا۔ بال کتروانا اور ناخن ترشوانا جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ قول کہ ایسی حالت میں غسل سے پہلے بالوں یا ناخن کے جدا کرنے سے بال اور ناخن جُنبی رہیں گے اور قیامت کو مستغیث ہوں گے کہ ہم کو جنبی چھوڑا گیا۔ صحیح ہے یا نہیں؟

ج: مولانا سعد اللہ کے رسالہ ''النور'' میں مطالب المومنین سے نقل کیا ہے کہ جنابت کی حالت میں بال کاٹنا اور ناخن تراشنا مکروہ ہے۔ اس سے امر مسئول عنہ کی کراہیت معلوم ہوئی۔ باقی اس کے متعلق جو قول نقل کیا گیا ہے، کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ اور ظاہراً صحیح بھی نہیں۔[۳]

س: حالت جنابت میں بال و ناخن کاٹنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: مطلق کراہت کا قول ملتا ہے، جس سے بالعموم کراہیت تحریمیہ مراد ہوتی ہے، مگر یہاں قرائن سے کراہت تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۶۲ تا ص ۱۶۵ [۲] فتاوی رحیمیہ ج ۷ ص ۱۴۶ [۳] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۸

((قال فی الھندیة۔ حلق الشعر حالة الجنابة مکروہ۔ و کذا قص الاظافیر))

(عالمگیری ج۵ص۳۵۸)۔[1]

حالت جنابت میں سرمنڈانا اور ناخن تراشنا مکروہ ہے۔جیسا کہ عالمگیری ج۵ص۳۵۸ میں مذکور ہے۔[2]

ج: ناپاکی کی حالت میں ناخن اور بال کاٹنا مکروہ ہے۔لیکن اگر ناخن یا بال دھونے کے بعد کاٹے تو مکروہ بھی نہیں۔[3]

موجبات غسل

س: اگر مرد نے اپنے خاص جسم کا اگلا حصہ یعنی سپاری عورت کے خاص حصہ میں داخل کردی۔ انزال ہو یا نہ ہو۔کیا دونوں پر غسل واجب ہوجائے گا؟

ج: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل))[4]

ترجمہ: جب مرد کے ختنہ کی جگہ (یعنی سپاری) عورت کے خاص مقام میں داخل ہوجائے تو (دونوں پر) غسل فرض ہوگیا۔

درمختار میں ہے۔

جب آدمی نے تمام حشفہ یعنی سپاری عورت کی فرج میں داخل کردی تو دونوں پر غسل فرض ہوگیا۔[5]

عورت پر احتلام سے غسل فرض ہے:

س: عورتوں کو اگر احتلام ہو تو غسل فرض ہے یا نہیں؟

ج: غسل فرض ہے، ہدایہ میں ہے۔

((المعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشھوة من الرجل والمرأة حالة النوم والیقظة))[6] (ہدایہ ج۱ص۳۷ فصل فی الغسل)

ترجمہ: غسل واجب کرنے والے اسباب۔ انزال منی شہوت اور کودنے کے طور پر مرد سے ہو یا عورت سے۔نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں۔

عورت کو شہوت سے منی نکلنے پر غسل:

س: عورتوں کو اگر شہوت سے منی نکلے، مردوں کی طرح، تو کیا ان پر غسل فرض ہے یا نہیں؟

---

[1] احسن الفتاوی ج۲ص۳۸ [2] فتاوی رحیمیہ ج۳ص۱۸۸ [3] آپ کے مسائل ج۲ص۵۶

[4] ترمذی ج۱ص۱۱ [5] درمختار ج۱ کتاب الطہارت [6] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص۱۶۵ بمعہ حاشیہ

ج: غسل فرض ہے۔

وجوبِ غسل میں دفق منی شرط نہیں:

س: ایک شخص کی منی بہت ہی پتلی ہے، اور اپنی بیوی سے خوش طبعی کے وقت اس کی منی بغیر جست کے خارج ہوتی ہے۔ تو کیا یہ شخص بغیر غسل کے نماز میں پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؟

ج: غسل واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔

((وفرض الغسل عند خروج منی منفصل عن مقره بشهوة، ای لذة۔ ولم یذکر الدفق۔ یشمل من المرأة، ولانه لیس بشرط عندهما خلافاً للثانی)) (ج ا ص ۱۶۵)[1]

شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے غسل نہیں؟

س: خاوند نے قصداً عورت کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی، یا کسی عورت نے عورت کی شرمگاہ میں دوا پہنچانے یا کوئی خرابی اندرونی دیکھنے کو ہاتھ یا انگلی داخل کی، تو عورت پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

ج: اس میں غسل واجب نہیں ہوتا۔[2]

جنابت کی حالت میں حائضہ ہوگئی تو غسل کب کرے:

س: ایک شخص اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا۔ صبح کو اس کی بیوی حائضہ ہوگئی۔ تو اس کی بیوی پر غسل جنابت فرض ہے یا نہیں؟

ج: غسل جنابت اس پر فرض نہیں رہا، حیض سے پاک ہوکر غسل کرے۔[3]

ہم بستری کے بعد غسل جنابت:

س: ہم بستری کے بعد کیا عورت پر بھی غسل جنابت واجب ہوجاتا ہے؟

ج: مرد اور عورت دونوں پر غسل واجب ہے۔[4]

انیما سے غسل واجب نہیں:

س: پتہ کے ایکسرے کے لئے مریض کا ایکسرے سے قبل انیما کیا جاتا ہے۔ یعنی اجابت کی جانب سے ایک خاص نلکی کے ذریعہ مریض کی آنتوں میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔ پانی اتنا پہنچایا جاتا ہے کہ آنتیں خوب بھر جاتی ہیں اور پانی اسی دوران واپس آنے لگتا ہے۔ جس سے مریض کی ٹانگیں، کپڑے وغیرہ بھیگ جاتے ہیں۔ اس حالت میں مریض کو طہارت خانہ پہنچایا جاتا ہے جہاں مریض کو پہنچایا ہوا پانی اجابت کے ذریعے خارج ہوجاتا ہے۔ شاید اس طریقہ کا مقصد آنتوں کی صفائی ہو۔ کیا اس صورت میں غسل واجب ہے؟

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ا ص ۲۶
[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ا ص ۱۶۵
[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ا ص ۱۶۷
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۵۹

ب: اگر غسل واجب نہیں تو ٹانگیں وغیرہ دھونا اور کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہے؟

ج: اگر غسل واجب نہیں ہے تو کیا اس حالت میں نماز ہو جائے گی؟

ج: انیما کے عمل سے غسل واجب نہیں ہوتا مگر خارج شدہ پانی چونکہ نجس ہے اس لئے بدن اور کپڑوں پر جو نجاست لگ جاتی ہے اس کا دھونا ضروری ہے۔ نجاست سے پاکی حاصل کرنے کے بعد بغیر غسل کئے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔[۱]

لاش کی ڈاکٹری کرنے سے غسل لازم نہیں:

س: میں میڈیکل کالج کا طالب علم ہوں، چونکہ ہمیں تعلیم کے دوران ڈائی سیکشن بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بتائیں کہ انسانی لاش کے گوشت کو ہاتھ لگانے کے بعد کیا غسل لازمی ہو جاتا ہے؟

ج: نہیں۔ بلکہ ہاتھ دھولینا کافی ہے۔[۲]

عورت کو بچہ پیدا ہونے پر غسل فرض نہیں:

س: عورت کے جب بچہ پیدا ہوتا ہے کیا اس وقت غسل کرنا واجب ہے۔ چونکہ ہم نے سنا ہے کہ اگر عورت غسل نہ کریگی تو اس کا کھانا پینا سب حرام اور گناہ ہے۔ جبکہ کراچی کے ہسپتالوں میں کوئی نہیں نہاتا؟

ج: حیض ونفاس والی عورت کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے جب تک وہ پاک نہ ہو جائے اس پر غسل فرض نہیں۔ اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اسی وقت غسل کرنا واجب ہے۔ بلکہ جب خون بند ہو جائے تو اس کے بعد غسل واجب ہوگا۔[۳]

نابالغہ سے جماع پر غسل نہیں:

س: اگر کوئی نابالغ لڑکا نابالغ لڑکی سے، یا بالغ مرد نابالغہ لڑکی سے جماع کرے تو غسل کس پر واجب ہوگا؟

ج: عورت بالغہ پر غسل واجب ہوگا، اگر لڑکا اس قابل ہے کہ جماع کرسکتا ہے، قریب البلوغ ہے اور اس کو شہوت ہوتی ہے۔ تو اس پر غسل واجب ہے۔

علی ہذا القیاس اگر جماع کرے بالغ مرد نابالغہ سے تو مرد پر غسل واجب ہے۔ اگر لڑکی مراہقہ قریب البلوغ ہے۔ اور اس کو شہوت ہوتی ہے۔ تو اس پر بھی غسل واجب ہے، یہ مسئلے منیۃ المصلی اور ہدایہ، قدوری میں ہیں۔[۴]

س: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کمسن لڑکی سے جماع کرے، تو غسل واجب نہیں ہوگا جب تک انزال نہ ہو۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ جب کہ دخول حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، انزال ہو یا نہ؟

ج: درمختار میں یہ مسئلہ ایسے ہی لکھا ہے۔ گویا کہ یہ وطئی بہیمہ یا وطئی میتہ کے مشابہ ہے۔ صرف ایلاج سے غسل نہیں، بلکہ انزال سے غسل فرض ہوگا۔ کیونکہ محل میں شہوت کاملہ موجود نہیں۔[۵]

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۰ ۲ ایضاً ۳ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۰

۴ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۶۵ ۵ خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۹

ناپاکی میں ذکر اذکار

جنابت کی حالت میں ذکرودعا جائز ہے:

س: جنابت کی حالت میں درود شریف پڑھنا۔ اذان کہنا۔ عربی کی دعائیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: سوال میں ذکر کی گئی تمام چیزیں پڑھ سکتا ہے۔ عربی دعائیں قرآن ہوں تو ان کو بہ نیت تلاوت نہ پڑھے بلکہ بہ نیت دعا پڑھے۔ ویجیب من سمع الاذان ولو جنباً۔ (درمختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۲۹۲)

((ویحرم قراءة ایة من القرآن الابقصد الذکر اذا اشتملت علیه لاعلی حکم او خبر (مراقی الفلاح) (قوله الابقصد الذکر) ای والثناء او الدعاء ان اشتملت علیه فلا باس به فی اصح الروایات۔ قال فی العیون ولو انه قرء الفاتحة علی سبیل الدعاء اوشیأ من الأیات التی فیها معنی الدعاء ولم یردبه القرآن فلا بأس به۔ اختاره الحلوانی وذکر فی غایة البیان انه المختار کمافی البحر والنهر)) (طحاوی ص ۷۷)[۱]

جنبی کا کتب تفسیر وحدیث کو ہاتھ لگانا:

س: جنبی کے لئے کتب حدیث وتفسیر کو چھونا یا پڑھنا یا حدیث یا قرآن کا ترجمہ لکھنا یا زبانی پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ج: جنبی کے لئے کتب حدیث وفقہ کو چھونا و پڑھنا درست ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے۔ اور کتب تفسیر میں اگر تفسیر غالب ہو تو چھونا درست ہے ورنہ نہیں۔

قرآن کو لکھنے کے جواز میں اس صورت میں اختلاف ہے جبکہ کتابت اس طور پر ہو کہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگے۔ عندالضرورت اس کی گنجائش ہے، لیکن کاغذ کو ہاتھ لگانا کسی صورت میں جائز نہیں۔ ترجمہ قرآن کو بھی بے وضو چھونے کے بارے میں فقہاء رحمھم اللہ تعالیٰ نے بحکم قرآن قرار دیا ہے۔[۲]

ناپاکی میں تلاوت قرآن:

س: ناپاکی کی حالت میں یا بغیر وضو کے قرآن شریف کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر غسل کی ضرورت ہو تو نہ قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز ہے اور نہ پڑھنا ہی جائز ہے اور بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ البتہ پڑھنا جائز ہے۔[۳]

---

۱ خیر الفتاوی ج ۲ ص ۹۰ ۲ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۳۶ ۳ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۷۸

ناپاکی کی حالت میں قرآنی آیات کا تعویذ استعمال کرنا:

س: ہم نے سنا ہے کہ آدمی اگر ناپاک ہو تو اس کو قرآنی آیات تعویذ بنا کر نہیں پہننی چاہئیں۔ یہ بات درست ہے یا غلط؟

ج: جس کاغذ پر آیت لکھی ہو ناپاکی کی حالت میں اس کو چھونا جائز نہیں۔ لیکن کپڑے وغیرہ میں لپٹا ہو تو چھونا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناپاکی کی حالت میں تعویذ پہننا جائز ہے۔ جبکہ وہ کاغذ میں لپٹا ہوا ہو۔[۱]

حالت جنابت میں کن چیزوں کا پڑھنا جائز ہے:

س: اگر غسل لازم ہو تو کیا تسبیح مثلاً درود شریف، کلمہ طیبہ، استغفار وغیرہ پڑھ سکتے ہیں؟

ج: اس حالت میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔ ذکر و دعا، درود شریف وغیرہ سب جائز ہے۔[۲]

قرآنی آیات اور احادیث والے مضمون کو بے وضو چھونا:

س: دین اسلام کی کتابوں میں اور رسائل میں جہاں جہاں (کہیں کہیں) قرآن مجید کی آیات اور احادیث اکثر لکھی ہوتی ہیں۔ ایسی کتب اور ایسے رسائل کو بے وضو چھونا اور پڑھنا کیسا ہے؟

ج: جائز ہے مگر آیات کریمہ پر ہاتھ نہ لگے۔[۳]

پتی والا پان کھا کر قرآن شریف پڑھ سکتا ہے:

س: پتی والا پان کھا کر قرآن شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

ج: پڑھ سکتا ہے۔ البتہ بدبودار چیز کھا کر تلاوت کرنا مکروہ ہے۔[۴]

غسل فرض ہونے پر اسم اعظم کا ورد:

س: کیا غسل فرض ہونے کی صورت میں اسم اعظم یا کسی سورۃ کا ورد کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور تلاوت بھی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج: جب غسل فرض ہو تو قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔ دوسرے اذکار جائز ہیں۔[۵]

بغیر وضو تلاوت قرآن کا ثواب:

س: آپ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ قرآن حکیم کو بغیر وضو چھوتے نہیں اور قرآن کریم میں دیکھ کر پڑھنا بلا وضو بھی منع ہے۔ البتہ بغیر دیکھے بلا وضو پڑھ سکتے ہیں اس طرح تلاوت کا ثواب ہے؟

ج: بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ تلاوت کرنا منع نہیں۔ اگر ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ کر یا کسی چاقو وغیرہ کے ذریعے قرآن کریم کے اوراق الٹتا رہے تو دیکھ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔ تلاوت کا ثواب اس صورت میں بھی ملے گا۔ ثواب میں

---

۱ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۸۷　۲ ایضاً۔　۳ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۹۷
۴ ایضاً۔　۵ ایضاً

کمی وبیشی اور بات ہے۔[۱]

بغیر وضو کے درود شریف پڑھ سکتے ہیں:

س: کیا بغیر وضو کے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں۔ جبکہ خدا کا ذکر تو ہر حال میں جائز ہے۔ تو ذکر حبیب بھی جائز ہونا چاہئے ذرا وضاحت فرمادیں کیونکہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ بغیر وضو کے درود شریف نہ پڑھا جائے۔ فرض کریں اگر حضور اکرم کا نام مبارک آجائے تو اگر بغیر وضو کے ہوں تو کیا درود نہ پڑھیں۔ حالانکہ نام مبارک پر تو درود پڑھنا واجب ہے۔

ج: بغیر وضو کے درود شریف کا ورد جائز ہے اور وضو کے ساتھ نور علیٰ نور ہے۔[۲]

بے وضو ذکر الٰہی:

س: ایک آدمی دفتر میں بیٹھا ہے اور بالکل تنہا ہے اور فارغ ہے۔ بعض اوقات پیشاب وغیرہ کے لئے بھی جاتا ہے اور ہاتھ وغیرہ صحیح طریقے سے دھوتا ہے۔ مگر مکمل وضو کسی وجوہات کی بنا پر نہیں کرتا یا غفلت سمجھ لیں تو اس حالت میں فارغ وقت کیا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی کا ذکر یا کوئی اور آیت کریمہ وغیرہ کا ورد کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج: ذکر الٰہی کے لئے باوضو ہونا شرط نہیں۔ بغیر وضو کے تسبیحات پڑھ سکتے ہیں' ہاں باوضو ذکر کرنا افضل ہے۔[۳]

ناپاکی میں استعمال کئے گئے کپڑوں' برتنوں وغیرہ کا حکم:

س: اگر ایک ناپاک آدمی کسی شے کا استعمال کرے مثلاً بستروں' کپڑوں' برتنوں کا تو یہ اشیاء ناپاک ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ رات کو مجھے احتلام ہو گیا ہے میں نے دوسری دوپہر کو غسل کیا مگر رات اسی وقت غلاظت صاف کر لی تھی؟

ج: ناپاکی کی حالت میں کھانا پینا اور دیگر امور جائز ہیں اور جنبی آدمی کے استعمال کرنے سے یہ چیزیں ناپاک نہیں ہوتیں۔ لیکن غسل میں اتنی تاخیر کرنا کہ نماز کا وقت قضا ہو جائے گناہ اور سخت حرام ہے۔[۴]

جنابت کی حالت میں ملنا جلنا اور سلام کا جواب:

س: آدمی حالت جنابت میں کسی سے مل سکتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے یا سلام کر سکتا ہے؟

ج: جنابت کی حالت میں کسی سے ملنا' سلام کہنا' سلام کا جواب دینا اور کھانا پینا جائز ہے۔[۵]

غسل میں فرج خارج کا دھونا فرض ہے:

س: غسل کے وقت عورت کو اپنی اندام نہانی کو اپنی انگلی سے تین مرتبہ پاک کرنا فرض ہے یا سنت؟ اور بغیر اس طرح پاک کئے غسل جائز سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر غسل کرنے سے پہلے اندام نہانی کو انگلی سے تین

---

۱ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۹۷ ۲ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۰ ۳ ایضاً۔
۴ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۵۷ ۵ ایضاً۔

مرتبہ پاک نہ کیا جائے تو غسل سے ناپا کی دور نہ ہوگی۔ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

ج: نہ فرض ہے نہ سنت اور اس کو ضروری کہنا غلط ہے، في الدر المختار، ولا تدخل اصبعها في قبلها و به يفتى۔[1]

س: عورت کے فرض غسل میں شرمگاہ کو اندر سے دھونا بھی ضروری ہے یا کہ عام دستور کے مطابق استنجاء کافی ہے؟

ج: عورت کی شرمگاہ کے دو حصے ہیں ایک بیرونی حصہ جو مستطیل شکل کا ہے۔ اس کے بعد کچھ گہرائی میں جا کر گول سوراخ ہے۔ اس گولائی سے اوپر کے حصہ کو فرج خارج اور اندرونی حصہ کو فرج داخل کہا جاتا ہے۔ فرض غسل میں فرج خارج کا دھونا فرض ہے۔ یعنی گول سوراخ تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر غسل صحیح نہ ہوگا۔ البتہ فرج داخل کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں۔

((قال في التنوير، ويجب غسل سرة وشارب وحاجب ولحية وفرج خارج: وفي الشرح۔ لانه كالفم لاداخل لانه باطن)) (ردالمحتار ج۱ ص۱۴۱)[2]

کان اور ناک کے سوراخ میں پانی پہنچانا:

س: میری معلومات کے مطابق غسل ضروری میں عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ناک کے سوراخ میں جہاں وہ تیلی لونگ اور کانوں کے سوراخوں میں جہاں وہ کانٹے وغیرہ جیسے زیور پہنتی ہے۔ ان سوراخوں کے اندر پانی نہ پہنچائے تو غسل کے فرائض پورے نہیں ہوں گے۔ پھر خاص کر تیلی کے سوراخ یعنی ناک میں پانی کا پہنچانا تو مشکل بھی ہے، چونکہ وہ تو اندر باہر سے چپکی ہوتی ہے، اسے ہلایا بھی نہیں جاسکتا۔ چونکہ گنجائش باقی نہیں ہوتی۔

ایک موقع پر غسل کے فرائض اور شرائط پر بات ہوئی تو ایک دوست نے یہ کہہ کر شک میں ڈال دیا کہ مذہب اسلام اتنا سخت اور پیچیدہ و مشکل نہیں ہے۔ جتنا کہ تم لوگوں نے بنا دیا ہے۔ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں آگاہ فرمائیں کہ ہم دونوں میں سے کون صحیح ہے؟

ج: اگر زیور پہنا ہوا ہے اور تنگ ہے، تو اسے ہلانا ضروری ہے، تاکہ پانی پہنچ جائے۔ اگر پہنا ہوا نہ ہو، تو سوراخ کے اوپر پانی بہانے سے ازخود پانی اندر چلا جائے تو بھی فرض ادا ہوگیا۔ ورنہ پانی پہنچائیں۔ البتہ کسی تنکے وغیرہ کے ذریعہ سے پہنچانے کا تکلف نہ کریں، اور اسے تنگی کہنا جہالت ہے۔ بسا اوقات ان ہی جگہوں پر میل کچیل جمع ہو کر سخت پھوڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا طبی تقاضا بھی یہی ہے، کہ ان جگہوں کو صاف رکھا جائے۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۶ [2] احسن الفتاوی ج۲ ص۳۷

[3] احسن الفتاوی ج۲ ص۵۰

حیض کا بیان

لغوی تحقیق:

((الحیض :دمٌ یرخیه رحم المرأة بعدبلوغها فی اوقات معتادة))

ترجمہ: حیض وہ خون ہے جو عورت کے رحم سے نکلے‘ اس کے بالغ ہونے کے بعد‘ مقرر و متعین اوقات میں۔ الھروی وغیرہ اہل لغت کہتے ہیں۔

((الحیض دم یخرج فی اوقاته بعد بلوغها))

ترجمہ: حیض اس خون کو کہا جاتا ہے کہ جو عورت کے بالغ ہونے کے بعد اپنے مقرر اوقات میں نکلے۔ اہل لغت کہتے ہیں۔

((یقال حاضت المرأة تحیض حیضاً ومحیضا ومحاضا۔ فهی حائض بحذف الهاء))[1]

حیض کب شروع ہوا:

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے۔

"کیف کان بدء الحیض" اس کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں آیا۔ ابوعبداللہ (بخاریؒ) کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث تمام عورتوں کو شامل ہے'' (ترجمہ از انوار الباری ج۶ ص۲۰۹)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

عبدالرزاق نے ابن مسعودؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت بیان کی ہے۔ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں اکٹھے مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے، عورتوں نے مردوں کی طرف میلان اور تانک جھانک کا سلسلہ شروع کیا۔ تو انہیں مساجد میں

---

[1] شرح مہذب ج۲ ص۳۷۸ [2] صحیح بخاری ج۱ ص۴۳ کتاب الحیض

[3] شرح مہذب ج۲ ص۳۸۰

جانے سے روک دیا گیا اور بطور سزا حیض کی عادت وعلت ان کے ساتھ لگا دی گئی۔

حافظ ابن حجرؒ دونوں روایات نقل کرنے کے بعد اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔

''حیض کی ابتداء تو پہلے سے تھی۔ مگر بنی اسرائیل پر بطور عقوبت اس کی مقدار بڑھا دی گئی''۔[1]

علامہ سید احمد رضا بجنوریؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

''میرے نزدیک توفیق روایتین کی یہ صورت ہے کہ اگرچہ حیض کی ابتداء تو ابتداء زمانہ ہی سے تھی مگر نساء بنی اسرائیل پر اس کا تسلط بطور قہر وقمت اور سزا کے ہوا ہے''۔[2]

حیض کا سبب:

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

امام حاکم اور ابن المنذر نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت حواء کو جنت سے اتر جانے کا حکم ہوا تو اس کے بعد انہیں حیض کا عارضہ شروع ہوا۔ اسی لئے ان کی تمام بیٹیوں کو بھی حیض آتا ہے۔[3]

درمختار میں ہے۔

((وسببه ابتداء ابتلاء الله لحواء لاكل الشجرة۔))[4]

ترجمہ: اور حیض شروع ہونے کا پہلا سبب یہ ہوا کہ جب حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حیض میں مبتلا کر دیا۔

حدیث: **((عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لاتقرأ الحائض ولا جنب شيئا من القرآن))**[5]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض والی عورت اور جنبی آدمی قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((ان هذا امر كتبه الله على بنات ادم))[6]

ترجمہ: یہ ایک ایسا امر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں (عورتوں) پر مقدر کیا۔

حدیث: **((عن الربيع عن الحسن قال ادنى الحيض ثلاث))**۔[7]

ترجمہ: حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ کم از کم مدت حیض کی تین دن ہے۔

حدیث: **((عن سفيان۔ اقل الحيض ثلث واكثره عشر))**۔[8]

---

[1] فتح الباری ج ا ص ۴۰۰ کتاب الحیض [2] انوار الباری ج ۶ ص ۲۱۰ [3] فتح الباری ج ا ص ۴۰۰

[4] درمختار ج ا ص ۲۰۸ باب الحیض [5] ترمذی ج ا ص ۱۹، کتاب الطہارت، باب ماجاء فی الجنب والحائض لایقرأن القرآن

[6] صحیح بخاری ج ا ص ۴۳، صحیح مسلم ج ا ص ۳۸۸ [7] دارمی ج ا ص ۲۱۰ [8] دار قطنی ج ا ص ۲۱۰

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کم از کم مدت حیض تین دن ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دس دن۔

حدیث: ((ان عثمان بن ابی العاص الثقفی قال الحائض اذا جاوزت عشرة ایام فھی بمنزلة المستحاضة، تغتسل وتصلی۔))[1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ حیض والی عورت جب حیض کے دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ کے ہوگی۔ وہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔

حیض کی تعریف:

س: حیض کیا ہے اور کس عمر میں شروع ہوتا ہے؟

ج: ہر مہینہ میں جو آگے کی راہ سے معمولی خون آتا ہے۔ اس کو حیض کہتے ہیں۔

نو سال سے پہلے اور پچپن سال کے بعد کسی کو حیض نہیں آتا۔ اس لئے نو برس سے چھوٹی لڑکی کو جو خون آئے وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے، اگر پچپن برس کے بعد کچھ نکلے، تو اگر خون خوب سرخ یا سیاہ ہو، تو حیض ہے۔ اور اگر زرد یا سبز یا خاکی رنگ ہو تو حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

البتہ اگر اس عورت کو اس عمر سے پہلے بھی زرد یا سبز یا خاکی رنگ آتا ہو، تو پچپن برس کے بعد بھی یہ رنگ حیض شمار کیا جائے گا۔ اور اگر عادت کے خلاف ایسا ہوا تو یہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

مراقی الفلاح ص ۷۵ میں ہے۔

((فالحیض دم ینفضه رحم بالغة لاداء بھا، ولا حبل ولم تبلغ سن الایاس۔ ویتوقف کونه حیضاً علی امور منھا الوقت وھو من تسع سنین الی الایاس))(البدائع)[2]

حیض کی مدت:

س: حیض کی کم از کم مدت اور زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟ ان ایام سے کم یا زیادہ عرصہ اگر خون آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج: شریعت کی رُو سے حیض کی کم از کم مدت تین دن، تین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس رات ہیں۔ اگر تین دن سے کم خون آکر بند ہو جائے تو اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ اسے بیماری سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر دس دن دس رات سے زیادہ خون آیا۔ تو دس دن سے جو زیادہ دن ہوں گے وہ بھی بیماری یعنی استحاضہ ہے۔

((واقل الحیض ثلثة ایام ولیالیھا، ومانقص من ذلك فھواستحاضة، واکثرہ عشرة ایام، والزائداستحاضة)) (شرح البدایہ ص ۶۲ ج ۱)[3]

---

[1] دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۰ [2] بہشتی زیور ج ۲ ص ۵۶، ص ۵۷

[3] بہشتی زیور ج ۲ ص ۵۶، ص ۵۷

خونِ حیض کے رنگ:

س: حیض کا خون کتنے رنگ کا ہوتا ہے؟

ج: حیض کی مدت کے اندر سرخ، زرد، سبز، خاکی یعنی مٹیالا، سیاہ جو رنگ بھی ہو سب حیض ہے، جب تک گدی (یعنی وہ کپڑا جو ان ایام میں شرمگاہ کے اندر رکھا جاتا ہے) سفید نہ دکھائی دے۔ اور جب وہ کپڑا بالکل اسی طرح سفید رہے جیسا رکھا گیا تھا تو اب حیض سے پاک ہوگئی ہے۔[1]

طہر کی مدت اور تعریف:

س: طہر کی تعریف کیا ہے۔ اور اس کی مدت کتنی ہے؟

ج: ایک حیض کے اختتام سے دوسرے حیض کے شروع ہونے تک کم از کم مدت پندرہ دن ہے۔ اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لئے اگر کسی عورت کو کسی بھی وجہ سے حیض آنا بند ہوگیا۔ جب تک حیض بند رہیگا وہ پاک رہے گی۔

اگر کسی عورت میں تین دن رات خون آیا پھر پندرہ دن تک پاک رہی، پھر تین دن رات خون آیا تو یہ دونوں تین تین دن حیض شمار ہوں گے اور پندرہ دن طہر یعنی پاکی کا زمانہ ہے۔

((واقل الطهر خمسة عشر يوماً، ولاغاية لاكثره۔ لانه يمتد الى سنة وسنتين))

(شرح البدایہ ج ا ص ۶۵)[2]

طہر پندرہ روز سے کم نہیں:

س: فقہاء کی تصریح کے مطابق طہر کی کامل مدت پندرہ دن ہے۔ اور کسی عورت کا حیض یا نفاس مثلاً یکم رمضان ظہر کے بعد موقوف ہوا۔ اور پندرہ رمضان عین دوپہر کے وقت پھر خون دیکھا۔ آیا ایک پہر یا ایک ساعت یا دو ساعت کم کا اعتبار کر کے طہر کا حکم ہوگا یا نہیں؟

ج: طہر نہ ہوگا کیونکہ پندرہ دن اور رات سے یہ مدت کم ہے۔ درمختار میں ہے۔

((باب الحيض والناقص عن اقله الخ۔ في ردالمحتار۔ قوله والناقص الخ اى لوبيسير قال القهستاني، فلورأت المبتدأة الدم حين طلع نصف قرص الشمس وانقطع فى اليوم الرابع حين طلع ربعه كاستحاضة الى ان يطلع نصفه فحينئذ فيكون حيضاً۔ والمعتادة بخمسة مثلاً اذا رأت الدم حين طلع نصفه، وانقطع فى الحادى عشر حين طلع ثلثاه، فالزائد على الخمسة استحاضة۔ لانه زاد على العشر بقدر السدس۔ اى سدس القرس)) (ج ا ص ۲۹۳)[3]

---

[1] بہشتی زیور ج ۲ ص ۵۶-۵۷ [2] بہشتی زیور ج ۲ ص ۵۸ [3] امداد الفتاوی ج ا ص ۴۹

س: اگر کسی کو نو روز یا دس روز ماہواری کی عادت ہو اور بیس روز پاک رہنے کی عادت ہو اور اسے چاند کی دو تاریخ ماہواری شروع اور دس تاریخ کو پاک ہو جائے اور پاک ہونے کے نو روز بعد پھر خون آ جائے۔ جو متواتر چھ روز جاری رہے۔ اس زمانہ میں نماز روزہ سب بدستور ادا کیا جاتا رہا۔ جس طرح بہشتی زیور میں ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر لیا جائے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ پاکی کے زمانہ کو پندرہ دن ہو گئے ہیں۔ تو اب کل سے ماہواری کا زمانہ شمار کیا جائے گا۔ یا عادت کے موافق بیس روز پاک رہے گی اور بیس روز کے بعد ماہواری شمار ہو گی۔ اور اگر کل سے پاکی کا زمانہ نہیں ہے۔ تو اس حالت میں اعتکاف' نماز' تلاوت اور تسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: ((وان وقع (رای الاستمرار) فی المعتادة فطهرها وحیضها ما اعتادت فی جمیع الاحکام ان کان طهرها اقل من ستة اشهر۔ والافترد الی ستة اشهر الاساعة ۔ وحیضها بحاله۔ (رد ج۱ ص۲۹۴) قلت یراد بالاستمرار ظهورالدم فی غیر زمان الحیض فیحکم فی المسئول عنها بالاستمرار الخره))

حاصل یہ ہے کہ اس کے اس خون کو استحاضہ کا خون کہیں گے اور عادت کے موافق بیس روز تک پاک کہیں گے۔[1]

حیض کی اقل مدت:

س: ایک عورت کو ہر تین ماہ پر خون آتا ہے۔ پہلے پانچ دن کی عادت تھی۔ لیکن اب ایک رات خون آ کر موقوف ہو جاتا ہے، بہشتی زیور میں مسئلہ ہے کہ تین دن اور تین رات سے کم جو خون آئے تو وہ حیض نہیں ہے بیماری کا خون ہے۔ عورت مذکورہ کو جو خون آتا ہے۔ اس کو کیا کہا جائے۔ حیض یا استحاضہ؟ عورت کی عمر ۳۵ سال ہے۔ نماز، تلاوت کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: تین دن اور تین رات سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

((اقل الحیض ثلاثة ایام وما نقص من ذلك فهو استحاضة)) (ہدایہ ج۱ ص۵۴)[2]

ایام عادت کے بعد خون:

س: ایک عورت کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ ہر مہینہ میں پانچ روز خون حیض آتا ہے، کبھی کبھی چھٹے دن بھی آ جاتا ہے۔ کبھی تو یہاں تک نوبت آ جاتی ہے۔ کہ نہا دھو کر دو تین نماز پڑھتی ہے، پھر خون آ جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

ج: پانچ دن گزرنے کے بعد جب خون بند ہو جائے تو نماز کے آخر وقت میں غسل کر کے نماز پڑھے، پھر اگر خون

---

[1] امداد الفتاوی ج۱ ص۴۸ [2] فتاوی رحیمیہ ج۴ ص۲۵۷

آجائے تو نماز چھوڑ دے۔[۱]

دس دن کے اندر آنیوالا خون:

س: ایک عورت کو ہر مہینے چھ یا سات دن حیض رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار ۵ دن گزرنے کے بعد جب صبح اٹھتی ہے تو کوئی خون وغیرہ نہیں ہوتا اس طرح وہ غسل کر لیتی ہے۔ لیکن غسل کرنے کے بعد پھر خون جاری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے دن بھی ہوتا ہے۔ ۴، ۵ گھنٹے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر خون جاری ہو جاتا ہے۔ تو پوچھنا یہ ہے کہ جن دنوں میں وقفہ وقفہ سے جو خون آتا رہا۔ یہ حیض میں شمار ہوگا یا استحاضہ میں۔ یعنی اگر کسی عورت کو ۵، ۶ گھنٹے یا کم و بیش وقت کے بعد پھر خون جاری ہو جائے تو وہ حیض شمار ہوگا یا نہیں۔ دوسرا ہر مہینے جو دن مقرر ہیں اور ان مقررہ دنوں کے بعد ایسا ہو جائے تو پھر کیا حکم ہے؟

ج: حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ حیض کی مدت کے دوران جو خون آئے وہ حیض ہی شمار ہوگا۔ خواہ ۳، ۴ گھنٹے کے وقفہ ہی سے آئے۔[۲]

ایام کے حیض کے بعد آنے والا خون:

س: ایک عورت اپنی عادت کے موافق حیض سے پاک ہوئی۔ دو دن پاک رہنے کے بعد پھر خون جاری ہو گیا۔ جو چار دن تک جاری رہا۔ اب یہ چار دن حیض کے ہوئے یا بیماری کے؟ اور نماز روزہ ادا کر سکتی ہے یا نہیں۔ (۲) ایک حیض کے کتنے دن گزرنے کے بعد دوسرا حیض آئے تو حیض سمجھا جائے گا؟

ج: اگر عادت کے مطابق حیض آچکا۔ پھر دو دن گزرنے کے بعد چار دن خون آیا تو دیکھا جائے گا کہ سابقہ عادت اور یہ چھ دن (دو خالی دن اور چار دن خون) کل مدت دس دن سے متجاوز نہیں ہوئی۔ تو یہ چار دن بھی حیض کے ہوں گے۔ اور وہ دو دن خالی بھی حیض شمار ہوں گے۔

اور اگر دو دن خالی گزار کر چار دن جو حیض آیا یہ کل مدت دس دن سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ تو جو عادت کے دن تھے، وہ حیض ہے اور یہ چار دن استحاضہ یعنی بیماری کے ہوں گے۔[۳]

خون کا ہر رنگ حیض شمار ہوگا:

س: ایک عورت کی اکثر عادت چھ دن حیض آنے کی ہے۔ لیکن کسی ماہ میں صرف ڈھائی دن صحیح آیا اور پھر فرج خارج میں کچھ نہیں آیا۔ جبکہ داخل میں معمولی سا پیلے رنگ کا یا اس سے بھی ہلکا۔ اتنا معمولی جو نہ ہونے کے برابر تھا۔ غالباً چوتھے یا پانچویں دن تک پھر کچھ نہیں آیا۔ ایسی عورت حائضہ کہلائے گی یا نہیں؟

---

۱ احسن الفتاوی ج ۲ ص ۶۸ ۲ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۷

۳ خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۳۸

(۲) ایک عورت کو تین دن تک صحیح حیض آیا پھر چوتھے دن بہت معمولی سا، پانچویں دن یہ کیفیت تھی کہ خارج میں کچھ نہیں تھا، داخل میں معمولی پیلے رنگ کا۔ اور کبھی صرف اتنا پانی محسوس ہوتا ہے داخل میں پیلے رنگ کا جیسے نقطہ۔ تو یہ پانچواں دن جس میں فرج داخل میں خون پیلے رنگ کا تھا، تو کیا یہ حیض شمار ہوگا یا نہیں؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ''بہشتی زیور'' میں تحریر فرماتے ہیں، کہ حیض جب فرج داخل سے فرج خارج میں آجائے، اس وقت سے حیض شمار ہوگا، یہ حکم اس وقت کا ہے؟

ج: معتدہ ایام عادت میں جو کہ اس کی پہلے عادت تھی۔ اس میں کچھ پیلا رنگ دیکھ لے، تو یہ حیض میں شمار ہوگا، اور ایام عادت سمیت دس دن تک حیض شمار کیا جاسکتا ہے۔ **وماتراہ المرأۃ من الحمرۃ والصفرۃ والکدرۃ حیض، حتی تری البیاض خالصاً** (ہدایہ ج ۱ ص ۴۶)

فرج داخل میں جو کچھ ہو اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جب تک وہ خارج نہ ہوجائے، یا کپڑے پر اس کا دھبہ نہ لگ جائے۔ دھبہ لگ جانے کی صورت میں یہ حیض ہوگا۔ پس سوال نمبر ۱ میں اگر کپڑے کو دھبہ لگا ہے تو چوتھا اور پانچواں دن حیض میں شمار ہوگا۔ اس کی روشنی میں سوال نمبر ۲ کا جواب بھی سمجھ لیا جائے، بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے۔ دھبہ لگ جانے سے فرج داخل سے خارج میں آنا ثابت ہوجائے گا۔[1]

ایام حیض میں خلل آنا:

س: ایک عورت کو پانچ دن حیض آتا ہے، چند ماہ سے اس میں خلل آگیا ہے۔ کبھی ایک قطرہ ظاہر ہوا۔ چار روز بند رہا پانچویں روز پھر کچھ ظاہر ہوا اور پھر بند ہوگیا یا برابر آتا رہا یا ایک روز آکر بعد سات آٹھ روز کے پھر خون متواتر پانچ دن جاری رہا۔ اس صورت میں حیض کتنے دن شمار ہوگا؟

ج: اگر دس دن سے زیادہ تک ایسی حالت رہے تو اس کے موافق عادت قدیمہ پانچ روز حیض اور باقی ایام کو استحاضہ سمجھنا چاہیے۔[2]

س: ایک عورت کو پانچ دن عادت حیض کی تھی، بعد میں کبھی دس دن خون آتا، کبھی گیارہ دن، تو پانچ دن کے بعد یہ بحکم حائضہ ہے یا طاہرہ؟

اگر دس دن کے اندر اندر خون آیا ہے۔ تو کل حیض شمار ہوگا۔ اور اگر دس دن سے تجاوز کر گیا تو صورت مذکورہ میں ایام عادت یعنی پانچ دن حیض اور باقی استحاضہ شمار ہوگا۔ (ہدایہ مفتی محمد شفیع)[3]

س: شروع سے میری عادت پندرہ دن پاک رہنے کی ہے، کبھی کبھی بائیس روز بھی پاک رہی۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے اور گیارہویں دن نہاتی ہوں۔ تین چار سال سے کبھی ایسا بھی ہوا کہ آٹھ یا نو دن بعد نہا لیتی ہوں۔ اس دفعہ میں نے ۱۵ دسمبر

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۸ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۷۸ [3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۸۸

کو نماز شروع کی، ۲۳ دسمبر کو پھر خون آیا، اس زمانے میں تیس دسمبر تک نماز پڑھتی رہی۔ پھر بھی مٹیالا اور زرد سا رنگ آتا رہا۔ گیارہ دن پورے کر کے ۲ جنوری سے میں نے پھر نماز شروع کر دی۔ اس دوران میں ایک آدھ دن تو صاف رہی اور کچھ ہلکا خاکی سا رنگ آتا رہا۔ دو چار دن ٹھیک رہا۔ لیکن ۱۱ جنوری عشاء کے وقت سے پھر خون آنے لگا۔ اور دو دن تک تو خون کا رنگ رہا اور اب کبھی مٹیالا اور کبھی گلابی رنگ رہتا ہے۔ آج پندرہ تاریخ تک ایسا ہی ہے، اور گیارہ جنوری سے میں نے نماز نہیں پڑھی۔ تو اب میں کب سے نماز شروع کروں۔ اور یہ نمازیں جو میں نے نہیں پڑھی ہیں۔ قضا کروں یا قضا نہیں ہوں گی۔ اگر بیچ میں پھر حیض آئے۔ تو اس زمانے میں نماز پڑھوں یا نہیں، دن کے حساب کس طرح رکھے جائیں گے؟

ج: پندرہ دسمبر سے قبل جب خون شروع ہوا تھا وہ تاریخ محفوظ کر لیں اس سے ٹھیک دس روز کے بعد پاکی کا زمانہ شمار ہوگا۔ پھر اس سے ٹھیک پندرہ روز کے بعد دوسرے حیض کا زمانہ ہوگا۔ درمیان خون آئے یا نہ آئے، ہر حال میں یہی حساب رکھیں۔ اس حساب کے مطابق جو زمانہ پاکی کا تھا۔ اس کی نمازیں قضاء پڑھیں۔[1]

حافظہ کو منزل یاد رکھنے کا طریقہ:

س: ایک لڑکی قرآن کریم حفظ کر رہی ہے، اس دوران وہ بالغ ہوگئی اور ایام شروع ہو گئے ہیں، اس وجہ سے ہر ماہ اسے آٹھ دن کا ناغہ ہوتا ہے، بقیہ دنوں میں وہ قرآن پڑھ سکتی ہے، مگر پریشانی یہ ہے کہ حفظ پورا کرنے میں بہت وقت لگے گا۔ اور جب اتنے دن ہر ماہ ناغہ ہو جاتا ہے تو یاد کیا ہوا بھول جاتی ہے، اور پھر دوبارہ یاد کرنا پڑتا ہے۔ تو ایسی کوئی صورت ہے کہ وہ حیض کے ایام میں تلاوت کر سکے۔ تاکہ کم از کم پڑھا ہوا یاد رہے؟

ج: ایام کے زمانہ میں مذکورہ عذر کی وجہ سے قرآن شریف کے تلاوت کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ یاد کیا ہوا بھول نہ جائے۔ اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) کپڑے وغیرہ سے قرآن شریف کھول کر بیٹھے اور قلم وغیرہ کسی چیز سے ورق پلٹائے۔ اور قرآن میں دیکھ کر دل دل میں پڑھے۔ زبان نہ ہلائے۔

(۲) کوئی آدمی تلاوت کر رہا ہو، تو اس کے پاس بیٹھ جائے اور سنتی رہے۔ سننے سے ہی یاد ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں طریقے جائز ہیں۔ اور انشاء اللہ یاد کیا ہوا محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہوں گے۔[2]

س: ایک بالغہ لڑکی جو طالب علم ہے۔ قرآن حفظ کرتی ہے۔ اگر وہ ایام حیض میں تعلیم کی چھٹی کرے تو تعلیم میں کافی نقص واقع ہوتا ہے، کیا وہ ان دنوں میں تعلیم جاری رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کی رو سے گنجائش ہے یا نہیں؟

س: ہمارے ہاں مشہور ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر پڑھ سکتی ہیں۔ آیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟

ج: مذکورہ طالبہ ان ایام میں ایک ایک کلمہ کر کے پڑھ سکتی ہے۔ شامی ج ۱ ص ۱۵۹ میں ہے۔

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۲۷ [2] فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۱۴۰

((جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة۔))

(۲) دستانے پہنے ہوئے ہوں تو اس کے ساتھ بھی قرآن چھونا جائز نہیں۔

((ولا يجوز لهم من المصحف بالثياب التى هم لابسوها))(عالمگیری ج۱ص۲۰)[۱]

س: کیا حائضہ عورت جو بچوں کو پڑھاتی ہو، وہ ایام حیض میں پڑھانا چھوڑ دے۔ نیز دوسری دعائیں اور درود شریف وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: ((قال فى شرح التنوير۔ ويمنع قراءة قرآن بقصده۔ ومسه (الى ان قال) ولا بأس لحائض وجنب بقراءة ادعية ومسها وحملها وذكر اللّٰه تعالٰى وتسبيح۔ وفى الشامية۔ (قوله قراءة قرآن) اى ولودون اٰية من المركبات، لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمةً كلمةً))

(قوله بقصده) فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء اوشيئاً من الأيات التى فيها معنى الدعاء، ولم ترد القراءة لابأس به (ردالمحتار ج۱ص۲۷۰)

((وفى غسل شرح التنوير، ويحرم به تلاوة القرآن ولودون اٰية على المختار بقصده۔ وفى الشامية قوله على المختار اى من قولين مصححين ثانيهما انه لايحرم مادون اٰية (الى قوله) اقول ومحله اذا لم تكن طويلة فلو كانت طويلة كان بعضها كاٰية لانها تعدل ثلاث اٰيات ذكره فى الحلية عن شرح الجامع لفخر الاسلام)) (ردالمحتار ج۱ص۱۵۹،)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) حائضہ کا ایک آیت یا اس سے زیادہ بنیت تلاوت پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) آیت کا ٹکڑا بشرطیکہ چھوٹی سے چھوٹی آیت یعنی چھ حروف کے برابر نہ ہو۔ پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے اور عدم جواز راجح ہے۔

(۳) مفردات میں سے ایک ایک کلمہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۴) بقصد دعاء ان آیات قرآنیہ کا پڑھنا جائز ہے جن میں دعاء کا مضمون ہے۔

(۵) ادعیۂ ماثورہ کا پڑھنا اور ہاتھ لگانا اور ذکر اللہ اور تسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔[۲]

حائضہ کا دعائیں اور وظائف پڑھنا:

س: بعض مستورات کا سوال ہے کہ جناب کی تالیف کتاب ”قربات عند اللّٰه وصلوٰت الرسول ومناجات

---

۱ خیر الفتاوی ج۲ص۱۴۰ ۲ احسن الفتاوی ج۲ص۶۷

مقبول ایام حیض میں بھی اس کی منزل پڑھی جاوے یا نہ۔ اس لئے کہ آیات قرآن مجید واحادیث رسول اللہ ﷺ کی اس میں مسطور ہیں؟

ج: (۱) جب اور حائض کو قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایک آیت تامہ کا پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) احادیث کا پڑھنا جائز ہے، اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں۔

(۳) آیت سے کم پڑھنا بعض کے نزدیک جائز نہیں۔

(۴) اگر قرآن بقصد تلاوت نہ پڑھا جائے بلکہ بقصد دعا پڑھا جائے، جبکہ اس میں دعا کے معنی ہوں تو اکثر کے نزدیک جائز ہے، بعض نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔[۱]

حالتِ حیض میں دینی کتابیں دیکھنا:

س: تبلیغ میں ہر ہفتہ جو تبلیغی نصاب پڑھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بتایا جائے کہ عورتیں دورانِ حیض بھی اس کتاب کو پڑھ سکتی اور چھوسکتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب پوری قرآنی آیات اور احادیث سے پُر ہے، اس لئے کچھ دل میں خدشہ رہتا ہے کہ اسے پکڑنا چھونا جائز بھی ہے یا نہیں۔ اگر اسے پکڑنا جائز ہے تو پھر دوسری بہت سی دینی کتب ہیں۔ تو ان کے اور بہشتی زیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ج: حالتِ حیض میں دینی کتاب کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ مگر جہاں آیت قرآنی لکھی ہو۔ اس پر ہاتھ نہ لگائیں۔[۲]

حالتِ حیض میں آیۃ الکرسی پڑھنا:

س: اگر کسی کو رات کو سوتے وقت پنج کلمہ، آیۃ الکرسی اور چاروں قُل اور الحمد شریف پڑھنے کی عادت ہو، تو حیض کے دنوں میں کیا کیا جائے؟

ج: دعا کی نیت سے پڑھ لے۔ تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔[۳]

اوقاتِ نماز میں اذکار کا معمول:

س: تبلیغی جماعت کی خواتین کی تبلیغی مجالس میں اہلیہ شرکت کرتی ہے، ایک محفل میں ایک مسئلہ سن کر آئی تو اس کی تصدیق جاننی ہے کہ عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ حیض کے دنوں میں بوقت نماز وضو کر کے مصلے پر اتنی دیر بیٹھ کر تسبیح، درود پاک اور ذکر اذکار کرتی رہے جتنی دیر میں کہ وہ نماز پڑھتی ہے، تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

ج: یہ درست ہے اس حالت میں ذکر و تسبیح وغیرہ منع نہیں، اور سوال میں مذکورہ عمل کو معمول بنا لینے میں علاوہ ثواب کے یہ فائدہ بھی ہے کہ ان اوقات میں نماز و عبادت کی عادت پختہ رہے گی۔

---

[۱] امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۹ تا ص ۵۱ [۲] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۷۱ [۳] ایضاً۔

((ویستحب لها ان تتوضأ لوقت کل صلاة وتقعد علی مصلاها وتسبح و تهلل وتکبر بقدر ادائها، کی لاتنسی عادتها وفی روایة یکتب لها ثواب احسن صلاة کانت تصلی))

(شامی ج۱ص۲۱۳)[1]

حائضہ ادعیہ ماثورہ پڑھ سکتی ہے:

س: ایک عورت کا معمول حزب البحر ہر دن پڑھنے کا ہے۔ کیا عورت مذکورہ دعاؤں کو ایام حیض میں بھی پڑھ سکتی ہے؟

ج: ((ولا بأس لحائض وجنب بقراءة ادعیة ومسها وحملها۔ وذکر اللّٰه تعالٰی وتسبیح وزیارة قبور)) (درمختار ج۱ص۲۰۵)

حائضہ حزب البحر وغیرہ کا ورد پڑھ سکتی ہے۔ نماز کے وقت وضو کرنے کے بعد قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ جایا کرے اور یہ ورد پڑھ لیا کرے۔ فقہاء نے حائضہ کے لئے اوقاتِ نماز میں اس طرح کچھ ذکر و تسبیح کو مستحب لکھا ہے۔[2]

حائضہ دلائل الخیرات پڑھ سکتی ہے:

س: عورتوں کو حالتِ حیض ونفاس میں وضو کرکے دلائل الخیرات وحزب الاعظم وغیرہ اور وظیفہ سبحان اللّٰه، والحمدللّٰه یااللّٰه اکبر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس بات کا خیال رکھے کہ اگر وظیفہ کی کتاب میں کوئی قرآنی آیت آئے اس کو نہ پڑھے۔

ج: وظیفہ مذکورہ اور تسبیح وتہلیل جائز ہے۔ اور آیت قرآنیہ کا پڑھنا بھی بہ نیت دعا جائز ہے۔ درمختار میں ہے۔

((ولا بأس بقراء ة ادعیة ومسها وحملها وذکر اللّٰه تعالٰی الخ۔ وفی الشامیة۔ فلو قرأت الفاتحة علی وجه الدعاء اوشیئا من الایات التی فیها معنی الدعاء ولم ترد القراء ة لابأس به۔))[3]

خاص ایام میں عورت کا زبان سے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں:

س: ہم نے بچپن میں قرآن پاک نہیں پڑھا تھا۔ اس لئے اب پڑھ رہے ہیں۔ ہماری استانی کہتی ہیں کہ تم قرآن شریف مخصوص دنوں میں بھی پڑھا کرو۔ سپارہ کے صفحے میں پلٹ دیا کروں گی۔ کیونکہ پڑھتے تو زبان سے ہیں اور زبان پاک ہوتی ہے۔ اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا ہم ان دنوں میں قرآن شریف پڑھ سکتے ہیں؟

ج: ایام کی حالت میں عورت کا زبان سے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو اس کے لئے بھی قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔ آپ کی استانی کا بتایا ہوا مسئلہ صحیح نہیں۔ اس حالت میں زبان کھانے پینے کے لئے تو پاک ہوتی ہے مگر تلاوت کے حق میں پاک نہیں۔ جس طرح بے وضو آدمی کے اعضا تو پاک ہوتے ہیں لیکن جب تک

---

[1] خیر الفتاوی ج۲ص۱۴۴ [2] خیر الفتاویٰ ج۲ص۱۳۹ [3] فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱ص۲۸۰

وضو نہ کر لے نماز کے لئے پاک نہیں ہوتے۔ اس کو نجاست حکمی کہتے ہیں۔ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں بھی زبان حکماً ناپاک ہوتی ہے۔ ہاں ذکر و تسبیح اور دعا کی اس حالت میں اجازت ہے۔

س: ''مخصوص ایام'' میں عورت کو اگر کچھ قرآنی آیات یاد ہوں تو کیا وہ پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

ج: عورتوں کے مخصوص ایام میں قرآن کریم کی آیات پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ بطور دعا کے الفاظ قرآن پڑھ سکتی ہے۔ اس حالت میں حافظہ کو چاہئے کہ زبان ہلائے بغیر ذہن میں پڑھتی رہے اور کوئی لفظ بھولے تو قرآن مجید کسی کپڑے کے ساتھ کھول کر دیکھ لے۔

حیض کے دنوں میں حدیث یاد کرنا اور قرآن کا ترجمہ پڑھنا:

س: میں ریاض الصالحین عربی جلد اول کی حدیث پڑھتی اور یاد کرتی ہوں کیا میں خاص ایام میں بھی ان عربی احادیث کو پڑھ اور یاد کر سکتی ہوں۔ نیز قرآن کا ترجمہ بغیر عربی پڑھے' بغیر ہاتھ لگائے صرف اردو ترجمہ دیکھ کر پڑھ سکتی ہوں اور ان کو خاص ایام میں یاد کر سکتی ہوں؟

ج: دونوں مسئلوں میں اجازت ہے۔

حائضہ امتحان میں قرآنی سورتوں کا جواب کس طرح لکھے:

س: قرآنی سورتیں نصاب میں شامل ہیں۔ امتحان میں ان کا متن' تشریح اور دوسری آیات کے حوالے تحریر کرنے ہوتے ہیں۔ ان ایام میں یہ تحریر کرنا کیسا ہے؟

ج: ترجمہ تشریح لکھنے کی اجازت ہے۔ مگر آیات کریمہ کا متن نہ لکھے۔ آیت کا حوالہ دے کر اس کا ترجمہ لکھ دیں۔

خواتین اور معلمات خاص ایام میں تلاوت کس طرح کریں:

س: (۱) خواتین اپنے خاص ایام میں قرآن شریف کی تلاوت کر سکتی ہیں یا نہیں؟

س: (۲) بعض معلمات جو کہ قاعدہ' ناظرہ یا حفظ کی تعلیم دیتی ہیں کیا وہ اس وجہ سے کہ بچوں کا تعلیم کا حرج ہوگا بچوں کو پڑھانے کے لئے قرآن شریف کی تلاوت کر سکتی ہیں' اگر نہیں تو پھر تعلیم کا سلسلہ کس طرح جاری رکھا جائے؟

س: (۳) خواتین اپنے خاص ایام میں کسی شخص کی' یا کیسٹ' ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے تلاوت قرآن سن سکتی ہیں؟

ج: (۱) خواتین کے لئے خاص ایام میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کو چھونا جائز نہیں ہے۔ چاہے قرآن کریم کی ایک آیت کی تلاوت کی جائے یا ایک آیت سے بھی کم' ہر صورت میں تلاوت قرآن جائز نہیں۔ البتہ قرآن کی بعض وہ آیات جو کہ دعا اور اذکار کے طور پر پڑھی جاتی ہیں ان کو دعا یا ذکر کے طور پر پڑھنا جائز ہے۔ مثلاً کھانا شروع کرتے وقت ''بسم اللہ'' یا شکرانہ کے لئے ''الحمد للہ'' کہنا۔ اسی طرح قرآن کے وہ کلمات جو کہ عام بول چال میں استعمال میں آجاتے ہیں ان کا کہنا بھی جائز ہے۔

ج: (۲) قرآن کریم کی تعلیم دینے والی معلمات کے لئے بھی قرآن کریم کی تلاوت اور قرآن کریم کو چھونا جائز نہیں۔ باقی یہ کہ تعلیم کا سلسلہ کس طرح جاری رکھا جائے اس کے لئے فقہاء نے یہ طریقہ بتلایا ہے کہ وہ آیت قرآنی کلمہ کلمہ الگ الگ کر کے پڑھیں۔ مثلاً الحمد...... للہ...... رب...... العالمین...... اس طرح معلمہ کے لئے قرآنی کلمات کے ہجے کرنا بھی جائز ہے۔

ج: (۳) خواتین کے لئے خاص ایام میں تلاوت قرآن کی ممانعت تو حدیث شریف میں آتی ہے۔ لیکن قرآن سننے کی ممانعت نہیں آتی۔ لہٰذا ان خاص ایام میں کسی شخص سے یا ریڈیو اور کیسٹ وغیرہ سے تلاوت قرآن سننا جائز ہے۔

حائضہ دوران حفظ قرآن کریم کس طرح یاد کرے:

س: قرآن شریف حفظ کرنے کے دوران ناپاکی کی حالت میں کسی پین وغیرہ کی مدد سے قرآن پاک کے صفحے پلٹ کر یاد کرنا جائز ہے کہ ناجائز؟

ج: عورتوں کے خاص ایام میں قرآن کریم کا زبان سے پڑھنا جائز نہیں۔ حافظہ کو بھولنے کا اندیشہ ہو تو بغیر زبان ہلائے دل میں سوچتی رہے۔ زبان سے نہ پڑھے کسی کپڑے وغیرہ سے صفحے الٹنا جائز ہے۔

مخصوص ایام میں قرآنی آیات والی کورس کی کتاب پڑھنا اور چھونا:

س: ہم سیکنڈ ائیر کی طالبات ہیں اور ہمارے پاس اسلامک اسٹڈیز ہے جس میں قرآن کے شروع کے بارہ رکوع ہمارے کورس میں شامل ہیں۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر امتحان کے زمانے میں ہماری طبیعت خراب ہو جائے تو ہم اسلامک اسٹڈیز کی کتاب کو کس طرح پڑھ سکتے ہیں کیونکہ مخصوص ایام میں قرآن چھونا حرام ہے اور بغیر کتاب پڑھے ہم امتحان نہیں دے سکتے۔ کیونکہ کتاب میں پوری تشریح وتفسیر ہوتی ہے۔ جسے پڑھ کر ہی امتحان دیا جاسکتا ہے۔ تو آپ سے عرض ہے کہ ان دنوں کس طرح ہم اس کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں؟

ج: قرآن مجید کے الفاظ کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ نہ ان الفاظ کو زبان سے پڑھا جائے۔ کتاب کو ہاتھ لگانا اور پڑھنا جائز ہے۔

حائضہ اسلامی کتب میں درج شدہ آیات کس طرح پڑھیں:

س: اسلامی کتب میں جگہ جگہ حوالوں کے لئے قرآنی آیات درج ہیں۔ اگر ان کا اردو ترجمہ بھی تحریر نہ ہو تو اس حالت میں اس قرآنی آیت کا پڑھنا کیسا ہے؟

ج: قرآن کریم کی آیات کو دل میں پڑھ سکتی ہیں۔

حیض کی حالت میں قرآن وحدیث کی دعائیں پڑھنا:

س: مخصوص ایام میں قرآن پاک کی وہ سورتیں جو کہ روز پڑھنے کا معمول ہے۔ زبانی یاد ہوں تو پڑھ سکتے ہیں؟ اور روزانہ کا ۵۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھنے کا معمول ہے کیا ان ایام میں ۵۰۰ مرتبہ درود شریف اور چند سورتیں زبانی پڑھ سکتے

ہیں اور عام طور پر جو وظیفے مثلاً چہرے کی روشنی کے لئے اللہ نور السموات والارض اول آخر درود شریف پڑھ سکتے ہیں؟

ج: خاص ایام میں عورتوں کو قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔ قرآن وحدیث کی دعائیں دعا کی نیت سے پڑھ سکتی ہیں، دیگر ذکر اذکار، درود شریف پڑھنا جائز ہے۔

مخصوص ایام میں عملیات کرنا:

س: اگر کوئی عمل اسلامی ماہ کی پہلی تاریخ سے شروع کیا جائے اور وہ ۲۱ یا ۴۱ دن تک مکمل کرنا ہو تو کیا حیض کی حالت میں بھی عمل جاری رکھنا چاہئے؟

ج: اگر عمل قرآن مجید کی آیت کا ہو تو ماہواری کے دنوں میں جائز نہیں۔

عورت سر سے اکھڑے بالوں کو کیا کرے:

س: جب عورت سر میں کنگھا کرتی ہے تو عورتیں کہتی ہیں کہ سر کے بال پھینکنا نہیں چاہئے۔ ان کو اکٹھا کر کے قبرستان میں دبا دینا چاہئے؟

ج: عورتوں کے سر کے بال بھی ستر میں داخل ہیں اور جو بال کنگھی میں آجاتے ہیں ان کا دیکھنا بھی نامحرم کو جائز نہیں۔ اس لئے ان بالوں کو پھینکنا نہیں چاہئے۔ بلکہ کسی جگہ دبا دینا چاہئے۔[1]

حالتِ حیض میں جماع کا کفارہ:

س: اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے حالتِ حیض میں جماع کرے تو اس پر کفارہ لازم آئے گا یا نہ؟

ج: درمختار میں ہے کہ حالتِ حیض میں اپنی زوجہ سے وطی کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسے توبہ کرنا لازم ہے اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اور ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے کا ہوتا ہے۔[2]

س: کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۲۶ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے بحالت حیض جماع کرلیا۔ اب اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: ایام مقررہ میں صحبت کرنا ناجائز ہے، صحبت کرلی گئی تو زید کو اور اس کی بیوی کو توبہ کرنی چاہئے۔ اور بہتر یہ ہے کہ زید ڈھائی روپیہ صدقہ کردے۔ اس ڈھائی روپے کی تعیین کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، وضاحت فرمائیں۔

ج: ((عن ابن عباسؓ قال۔ قال رسول اللہ ﷺ اذا وقع الرجل باھلہ وھی حائض فلیتصدق بنصف دینار۔ وفی روایۃ اذا کان دما احمر۔ فدینار۔ واذا کان دماً اصفر بنصف دینار))

(رواہ ترمذی ج ۱ ص ۵۶)

((وفی الحاشیۃ۔ فدینار۔ ای علی المجامع فیہ لان اقل المقادیر المتعلقۃ بالفروج عشرۃ

---

[1] ماخوذ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ [2] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۱ ص ۲۷۸

دراهم۔ وهو دينار كذا قال عبدالملك))

ایک دینار کی مالیت دس درہم کے برابر ہے۔ اور دس درہم تقریباً ڈھائی تولہ کے برابر ہیں، اور ڈھائی تولہ ڈھائی روپیہ کے مساوی ہو گئے۔ جب کہ چاندی کا روپیہ ایک تولہ کا ہو، جیسا کہ متحدہ ہندوستان کے وقت ہوتا تھا۔ یہ ڈھائی روپے اسی وقت کے ہیں۔

الغرض اصل صورت مسئلہ میں ہے کہ ایک دینار (مساوی 4½ ماشہ) سونا۔ یا نصف دینار صدقہ کرے۔ یا ان کی مالیت آج کل اگر کوئی یہ صدقہ کرنا چاہئے تو 2¼ ماشے سونا صدقہ کرے۔[1]

س: حیض ونفاس کی حالت میں کریم وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نفاس کے زمانہ میں نہانے دھونے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو چہرہ پر چھائیاں پڑ جاتی تھیں اور مرجھانے کا اثر آجاتا تھا۔ اسے دور کرنے کے لئے ہم چہرہ پر ورس ملا کرتے تھے۔ یہ ایک گھاس ہوتی تھی۔ جس کے ملنے سے کھال درست ہو جاتی تھی۔

جیسا کہ بعض علاقوں میں سنترہ (کینو) کے چھلکوں سے یہ کام لیا جاتا ہے۔ اور اب اس کی جگہ بہت سے پاؤڈر اور کریم آگئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ کا صاف ستھرا رکھنا اور اچھا بنانا بھی اچھی بات ہے، مگر کافروں اور فاسقوں کے ڈھنگ اور طرز پر نہ ہو۔[2]

حائضہ کا پانی سے استنجاء نہ کرنا:

س: میں ایام مخصوصہ میں پیشاب کے بعد استنجاء کے لئے پانی استعمال نہیں کرتی۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ پانی کا استعمال نقصان پہنچائے گا۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

ج: پیشاب سے نظافت کے لئے پاک رومال، تولیہ یا کوئی بھی ایسی ٹھوس اور پاک چیز استعمال کی جاسکتی ہے، جو نجاست کو زائل کر سکے۔ مثلاً لکڑی، پتھر، مٹی کا ڈھیلا وغیرہ۔ ان اشیاء کو تین یا اس سے زائد بار استعمال کیا جائے تاکہ نجاست زائل ہو جائے۔

احادیث طیبہ میں استنجاء کا پتھروں سے جو حکم ہے وہ عام ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے مستحب ہے۔ اور مجبوری میں ہی نہیں بلکہ عام حالات میں بھی کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مسند احمد اور ابوداؤد وغیرہ میں اور حضرت سلمان فارسیؓ سے صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں تین مرتبہ استنجاء (پتھروں کے ذریعے) کا ذکر ہے۔[3]

---

۱ خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۴ ۲ تحفہ خواتین ص ۷۶۳، ص ۷۶۵

۳ خواتین کے مسائل اوران کا حل ج ۱ ص ۳۱۹

خاص ایام میں مقاربت کا گناہ کرنے پر توبہ استغفار اور صدقہ:

س: ہم نے سنا ہے کہ جب عورت کو ایام آئیں تو مرد کو اس کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔ مگر پھر بھی اگر مرد اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اس سے یہ کام سرزد ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اس کے نکاح میں کوئی فرق آیا یا نہیں؟ اور یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟

ج: ایسی حالت میں بیوی سے ملنا جبکہ وہ ایام ماہواری میں ہو' ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ توبہ استغفار کرے اور اگر گنجائش ہو تو تقریباً چھ گرام چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرے ورنہ توبہ استغفار ہی کرتا رہے مگر اس ناجائز فعل سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا۔[1]

خاص ایام کے دوران شوہر کا مس کرنا:

س: کیا ماہواری میں شوہر اپنی بیوی سے مقاربت یا گھٹنوں سے لے کر زیر ناف کے حصہ کو مس کر سکتا ہے؟

ج: ایام کی حالت میں وظیفہ زوجیت سخت حرام ہے بلکہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ بدن کو شوہر کا ہاتھ لگانا اور مس کرنا بھی بغیر پردہ کے جائز نہیں۔[2]

حیض بند ہونے پر غسل مؤخر کرنا:

س: عورت کو حیض آیا اور اپنی عادت کے مطابق اتنے دن بعد بند ہو گیا۔ تو اس عورت کو کس وقت غسل کرنا چاہئے، اسی وقت یا دوسرے دن وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں؟

ج: اگر ایام عادت پورے ہونے پر خون بند ہوا ہے تو جس نماز کے وقت بند ہوا ہے اس کے وقت مستحب تک تاخیر کرنا مستحب ہے، یعنی وقت مستحب کے ختم ہونے سے پہلے غسل کر کے نماز ادا کرے۔[3]

حیض کے بعد غسل سے پہلے جماع:

س: عورت جس وقت حیض سے فارغ ہو جائے تو غسل سے پہلے جماع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے غسل سے پہلے جماع کر لیا، تو کچھ کفارہ واجب ہوگا یا نہیں، اور بحالت حیض صحبت کرنے کا کفارہ کیا ہے؟

ج: اگر انقطاع حیض اکثر مدت حیض یعنی دس دن میں ہوا تو قبل غسل جماع اس سے درست ہے۔ اگرچہ بہتر غسل کے بعد ہے۔ درمختار میں ہے۔

((ویحل وطؤھا اذا انقطع حیضھا لاکثرہ بلا غسل وجوباً بل ندباً))

اور اگر دس دن سے کم مگر عادت کے موافق چھ سات دن میں مثلاً حیض منقطع ہوا، تو جماع غسل کر لینے کے بعد درست ہوگا، یا اتنا وقت گذر جائے کہ اس میں غسل کر کے کپڑے پہن کر نماز شروع کر سکے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ حیض بند ہونے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۸ [2] ایضاً۔ [3] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۵

کے بعد نماز کا وقت گذر جائے اور وہ نماز اس پر لازم ہو جائے۔

حیض کی حالت میں اگر جماع کر لیا تو کفارہ اس کا یہ ہے کہ توبہ کرے اور مستحب ہے کہ بقدر ایک دینار کے یا نصف دینار کے صدقہ کرے، ایک دینار ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔[1]

س: عورت جب حیض سے پاک ہو تو غسل سے پہلے اس کے ساتھ ہمبستری جائز ہے یا کہ غسل کے بعد حلال ہے؟

ج: اگر دس روز مکمل ہونے کے بعد خون بند ہوا ہے۔ تو اسی وقت ہمبستری جائز ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ غسل کے بعد کرے۔ اور اگر دس دن سے قبل پاک ہوگئی تو وطی حلال ہونے کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا وجود ضروری ہے، یعنی عورت غسل کر لے، یا خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گزر جائے کہ اس کے ذمہ نماز کی قضا فرض ہو جائے، جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک نہیں پائی جائے گی۔ ہمبستری حلال نہیں ہوگی۔ نماز کی قضا تب فرض ہوتی ہے کہ خون بند ہو جانے کے بعد نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پھرتی سے غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔

پس اگر عصر سے کچھ قبل خون بند ہوا مگر غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہنے کے برابر نہ تھا تو غروب سے پہلے وطی حلال نہیں۔ اس لئے کہ اس سے قبل ان کے ذمہ کوئی نماز فرض نہیں۔[2]

خون بند ہونے پر نماز، روزہ کا حکم:

س: عورت کی ماہواری کا خون نماز کے آخر وقت میں بند ہوا۔ تو اس پر یہ نماز فرض ہونے کی کیا شرط ہے۔ نیز رمضان میں بالکل آخر شب میں خون بند ہوا۔ تو اس دن کا روزہ فرض ہے یا نہیں؟

ج: اگر دس روز سے کم خون کی عادت ہے تو نماز فرض ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ خون بند ہونے کے بعد نماز کا وقت ختم ہونے سے قبل پھرتی سے غسل کا فرض ادا کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔ اگرچہ غسل کی سنتیں ادا کرنے کا وقت نہ ہو۔ اور پورے دس دن آتا ہو تو اگر وقت ختم ہونے سے صرف اتنی دیر پہلے دس روز پورے ہوگئے جس میں بدون غسل کئے صرف تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو یہ نماز فرض ہوگئی۔ اس کی قضا کرے۔

روزے کا بھی یہی حکم ہے، پہلی صورت میں صبح صادق سے پہلے فرض غسل کے بعد تکبیر تحریمہ اور دوسری صورت میں صرف تکبیر تحریمہ کا وقت پالیا۔ تو اس دن کا روزہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔[3]

حیض میں مستعمل کپڑے کا حکم:

س: حیض کے استعمال شدہ کپڑے کو جلا دینا کیسا ہے؟ اس میں انسانی خون لگا ہوا ہے۔ اور اگر نہ جلایا جائے بلکہ کوڑے میں پھینک دیا جائے تو غیر مردوں کی اس پر نگاہ پڑتی ہے، شرعی حکم سے مطلع فرماویں؟

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ا ص ۲۷۹ [2] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۶۹

[3] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۷۰

ج: جو کپڑا حیض کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، دھونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہو سکے، تو اسے جلا دیا جائے۔[1]

حیض سے پاک ہونے کی کوئی آیت نہیں:

س: حیض کے بعد پاک ہونے کی کیا کوئی مخصوص آیت ہوتی ہے؟

ج: نہیں۔ عورتوں میں یہ جو مشہور ہے کہ فلاں فلاں آیتیں یا کلمے پڑھنے سے عورت پاک ہوتی ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ ناپاک آدمی پانی سے پاک ہوتا ہے۔ آیتوں یا کلموں سے نہیں۔[2]

اسلام میں عورت کے لئے مخصوص ایام میں مراعات:

س: مجبوری کے دنوں میں عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: زمانہ جاہلیت اور خاص کر یہودیوں کے معاشرہ میں عورت' ایام مخصوصہ میں بہت نجس چیز سمجھی جاتی تھی اور اس کو ایک کمرے میں بند کر دیتے تھے نہ وہ کسی چیز کو ہاتھ لگا سکتی تھی نہ کھانا پکا سکتی تھی اور نہ کسی سے مل سکتی تھی۔ لیکن اسلام کے معتدل نظام نے ایسی کوئی چیز باقی نہیں رکھی سوائے روزہ نماز اور تلاوت کلام پاک کے۔ باقی تمام چیزیں اس کے لئے جائز قرار دیں حتیٰ کہ وہ ذکر اللہ اور درود شریف اور دیگر دعائیں پڑھ سکتی ہے اور وظائف سوائے قرآن کے کر سکتی ہے۔ خاص ایام میں وظیفہ زوجیت کی اجازت نہیں۔ نماز روزہ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے ذمہ روزہ کی قضا ہے نماز کی قضا نہیں۔ الغرض ان ایام میں عورت کا کھانا پکانا کپڑے دھونا اور دیگر گھریلو خدمات بجالانا جائز ہے۔[3]

استحاضہ کی تعریف

س: استحاضہ کے خون کی تعریف اور پہچان کیا ہے؟

ج: عورت کو جو خون تین دن تین رات سے کم آ کر بند ہو جائے، یا عادت سے بڑھ کر دس دن سے آگے نکل جائے، یا جو خون زمانہ حمل میں آئے، یا ۹ سال کی عمر ہونے سے پہلے جو خون آ جائے، علمائے شریعت کے نزدیک اسے استحاضہ کہتے ہیں، اور جس عورت کو یہ خون آتا ہو اسے مستحاضہ کہتے ہیں۔

حیض کے زمانہ میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا منع ہے، بلکہ حیض کے زمانہ میں نماز تو بالکل معاف ہے۔ رمضان کے روزے بعد میں قضا کرے۔

اور استحاضہ والی عورت پر نماز فرض ہے اور اگر رمضان کا مہینہ ہو تو روزے رکھنا بھی فرض ہے۔ اور یہ عورت وضو کر کے کعبہ شریف کا طواف بھی کر سکتی ہے۔ اور قرآن شریف بھی چھو سکتی ہے۔ اور قرآن شریف کی تلاوت بھی کر سکتی ہے۔ نماز کا وقت آ جانے پر وضو کر کے نماز پڑھے، اگر خون بند نہیں ہوتا، تب بھی وضو کر کے نماز شروع کر دے۔ اگر چہ نماز پڑھنے

---

[1] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۳۹ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۸ [3] ایضاً۔

میں کپڑے خون سے بھر جائیں۔ اور جائے نماز پر بھی خون لگ جائے۔

تو قاعدہ کے مطابق (جس کا ذکر ابھی ہوا ہے) جب حیض کے دن گذر جائیں، تو ایک بار غسل کر لے۔ اس کے بعد اگر خون آتا ہے تب بھی اپنے کو پاک سمجھے اور وضو کر کے نماز پڑھا کرے، اگر خون بالکل بند نہیں ہوتا۔ تو اس پر معذور کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر استحاضہ کا خون ہر وقت نہیں آتا۔ کبھی کبھی آتا ہے۔ اور بہت سا وقت ایسا بھی گزرتا ہے کہ خون جاری نہیں ہوتا۔ تو نماز کا وقت آنے کا انتظار کر لے۔ جب خون بند ہو جائے تو وضو کر کے نماز پڑھ لے۔[1]

استحاضہ کا حکم ایسا ہے جیسے کسی کو نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو۔ ایسی عورت نماز بھی پڑھے۔ روزہ بھی رکھے، قضا نہ کرنا چاہئے۔ اور اس سے صحبت بھی درست ہے۔[2]

نفاس کے احکام

س: نفاس کسے کہتے ہیں اور اس کی مدت زیادہ سے زیادہ کتنی ہے؟

ج: بچہ کی پیدائش کے بعد عورت کو جو خون آتا ہے، اسے نفاس کہتے ہیں، نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے، اور کم کی کوئی حد نہیں۔ اگر کسی عورت کو ایک آدھ گھنٹہ خون آ کر بند ہو جائے تو وہ بھی نفاس ہے۔[3]

س: نفاس کسے کہتے ہیں؟ کیا حیض کی طرح نفاس میں بھی نماز معاف ہو جاتی ہے۔ یا بعد میں قضا پڑھنی پڑتی ہے؟ نفاس سے پاک ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ نفاس کے دوران اگر رمضان آ جائے تو روزہ رکھے گی یا بعد میں قضا روزہ رکھے گی؟

ج: بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون آتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں جس طرح حیض میں نماز معاف ہو جاتی ہے اسی طرح نفاس میں بھی نماز معاف ہے۔ اور جس طرح حیض میں روزہ معاف نہیں اسی طرح نفاس میں بھی معاف نہیں۔ بلکہ بعد میں قضا رکھنا ہوگا۔ نفاس کا خون بند ہو جانے کے بعد نہانے سے عورت پاک ہو جاتی ہے۔

س: ایک عورت بچہ کی ولادت کے بعد ایک ماہ میں نفاس سے پاک ہو گئی۔ اب یہ عورت نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے خاوند سے ہم صحبت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج: نفاس کی کم از کم مدت مقرر نہیں ہے۔ ہاں انتہائی مدت چالیس روز ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے۔

((اقل النفاس مایوجد ولو ساعة۔ وعلیه الفتوٰی، واکثره اربعون کذا فی السراجیه))

(عالمگیری ج ۱ص ۳۷)

لہٰذا ایک ماہ کے اندر جو عورت نفاس سے پاک ہو گئی ہو۔ تو غسل کر کے نماز ادا کرے۔ روزہ کا زمانہ ہو تو روزہ بھی رکھے۔ اور زچگی کا یہ پہلا موقع ہو تو صحبت بھی درست ہے۔ اور اگر پہلے کی عادت ایک ماہ سے زیادہ کی تھی۔ اور اس وقت عادت سے پہلے خون موقوف ہو گیا ہے، تو صحبت کی اجازت نہ ہوگی۔

---

[1] تحفۂ خواتین ص ۷۵۶ [2] بہشتی زیور ج ۲ ص ۶۱ [3] ایضاً۔

((ولو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها۔ حتى يمضى عادتها۔ وعليها ان تصلى وتصوم للاحتياط، هكذا فى التبيين)) (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۳۹)[1]

نفاس کا خون چالیس دن تک آنا ضروری نہیں:

س: کیا نفاس کا خون چالیس دن لازماً آتا ہے۔ اور چالیس دن سے پہلے خون رک جانے کے باوجود بھی عورت پاک نہیں ہوتی؟

ج: بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون آتا ہے۔ چالیس دن کے اندر اندر جب بھی بند ہو جائے (خواہ صرف ایک دن آکر بند ہو جائے) تو غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ چالیس دن پورے ہو جانے پر بھی خون بند نہ ہو۔ تب بھی نفاس ختم ہو گیا۔ اب غسل کر کے اور وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔ کیونکہ اس پر پاک عورت کے احکام شروع ہو گئے۔

عورتوں میں جو یہ دستور ہے کہ خواہ مخواہ چالیس دن تک نماز سے روکے رکھتی ہیں۔ اگرچہ خون آنا پہلے ہی بند ہو جائے، تو یہ غلط اور خلاف شرع ہے۔ اگر چالیس دن ہو جانے پر بھی خون برابر آتا رہا۔ کسی وقت بھی بند نہیں ہوتا۔ تب بھی ایک بار غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ پھر ہر نماز کا وقت آنے پر نیا وضو کر لیا کرے۔[2]

زچگی کے بعد کب غسل کیا جائے:

س: زچگی کے ایک مہینہ کے بعد اور پھر چالیس دن کے بعد غسل کرنے کا رواج ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اسی طرح غسل سے دو روز پہلے عورتیں صبح وشام پورے بدن پر تین مرتبہ گندم کا آٹا اور ہلدی لگاتی ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ نفاس والی عورت کب اور کس طرح غسل کرے۔ اسلامی طریقہ تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

ج: نفاس کا خون بند ہونے پر غسل واجب ہے، ویسے حالت نفاس میں ظاہری پاکیزگی اور صحت کے لئے روزانہ بھی غسل کیا جا سکتا ہے۔ منع نہیں ہے۔ لیکن ایک مہینے کے ختم پر غسل کرنے کو مسنون اور حکم شرعی سمجھنا غلط ہے۔ چالیس روز سے پہلے جب بھی خون بند ہو جائے طہارت کی نیت سے غسل کر کے نماز شروع کر دینا ضروری ہے۔

اگر چالیس دن خون جاری رہا جو اس کی انتہائی مدت ہے تو چالیس روز پورے ہوتے ہی غسل کر کے نماز شروع کر دے، غسل کرنے کے لئے آٹا وغیرہ جسم پر لگانا مسنون اور ضروری سمجھنا غلط اور بے اصل ہے۔ بدن کی صفائی کے لئے صابن وغیرہ کا استعمال کیا جائے۔

غسل نفاس کا کوئی جداگانہ طریقہ نہیں ہے۔[3]

(اگر جسم پر کوئی نجاست لگی ہو تو پہلے اسے دھویا جائے، پھر دونوں ہاتھ گٹوں تک دھو کر استنجاء کیا جائے پھر نماز کے وضو کی طرح پورا وضو کیا جائے، پاؤں بھی دھوئیں۔ پھر سر پر پانی ڈالیں۔ اس کے بعد دائیں کندھے اور پھر بائیں کندھے پر

---

[1] فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۱۲ [2] تحفہ خواتین ص ۶۳ ۷ [3] فتاوی رحیمیہ ج ۴ ص ۲۵۶

پانی ڈالیں۔ پھر سر اور پورے بدن کو اچھی طرح تر کریں کوئی جگہ بھی خشک نہ رہنے پائے)۔

س: بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون جاری ہوتا ہے، اس دوران اس عورت کے لئے کیا احکام ہیں؟

ج: بچہ کی پیدائش کے بعد جاری ہونے والے خون کو نفاس کہتے ہیں اور اس زمانہ میں عورت کو نفساء کہا جاتا ہے، اس عورت کے بھی وہی احکام ہیں۔ جو حیض والی عورت کے ہیں۔

جس طرح حیض والی عورت پر نماز فرض نہیں۔ اور اسے کوئی بھی نماز پڑھنا یا قرآن شریف پڑھنا یا اس کا چھونا۔ یا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح نفاس والی عورت پر بھی نماز فرض نہیں ہے۔ اور نہ اسے نماز پڑھنا درست ہے۔ اور قرآن شریف پڑھنا یا اس کا چھونا، یا مسجد میں داخل ہونا بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ البتہ قرآن شریف کو غلاف کے ساتھ چھونا جائز ہے، مگر جلد پر جو چولی چڑھی رہتی ہے وہ غلاف کے حکم میں نہیں۔ اگر غلاف کے اندر قرآن شریف نہیں ہے تو چڑھی ہوئی چولی کو ہاتھ لگانا ان کے لئے جائز نہ ہوگا، چولی سے مراد وہ کپڑا جو پٹھوں کے ساتھ سلا ہوا ہو۔ پلاسٹک کور جو پٹھوں سے بالکل چپکا ہوا یا سلا ہوا ہوتا ہے۔ جو جدا نہیں ہوتا وہ بھی چولی کے حکم میں ہے۔[1]

کیا نفاس والی عورت دعا و استغفار کر سکتی ہے:

س: کیا نفاس والی عورت دعا و استغفار اور درود شریف پڑھ سکتی ہے؟

ج: حیض والی عورت کی طرح نفاس والی عورت بھی قرآن مجید کے علاوہ دوسری چیزیں پڑھ سکتی ہے۔ مثلاً درود شریف، استغفار، پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا کلمہ وغیرہ۔ اور اگر کوئی آیت بطور دعا پڑھنا چاہے تو وہ بھی پڑھ سکتی ہے۔[2]

خون نفاس نہ آنے کی صورت میں شرعی حکم:

س: جس عورت کو بچہ کی ولادت کے بعد خون بالکل نہ آئے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

ج: اگر کسی عورت کو ولادت کے بعد بالکل ہی خون نہ آئے، تو پیدائش کے بعد ہی غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ اگر غسل سے جان کا خطرہ ہو یا شدید مرض میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔ اور اگر گرم پانی بھی ایسا ہی ضرر دے، تو غسل کی جگہ تیمم کر لے۔ اور نماز کے لئے وضو اور (بصورت جواز تیمم) کر لیا جائے پھر جب اندیشہ ہلاکت یا شدید مرض کا جاتا رہے (جس کی وجہ سے غسل کی جگہ تیمم کیا تھا) تو غسل کر لے، نماز کی طاقت کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نہ ہو تو لیٹے لیٹے پڑھ لے۔[3]

مدت نفاس میں جس رنگ کا خون آئے وہ نفاس ہے:

س: ایک عورت کو بارہ روز نفاس آ کر سفید پانی آ گیا، بعد میں پھر خون آنے لگا۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج: مدت نفاس یعنی چالیس دن کے اندر جو خون آئے گا۔ وہ سب نفاس میں شمار ہوگا۔ اور درمیان میں جو دن خالی گزریں گے وہ بھی نفاس ہی میں شمار ہوں گے۔

---

[1] تحفہ خواتین ص ۶۳ے [2] تحفہ خواتین ص ۶۳ے [3] تحفہ خواتین ص ۶۴ے

البتہ اگر چالیس دن سے زائد خون جاری رہا۔ تو پھر دیکھا جائے گا، کہ اس عورت کے نفاس کے متعلق کوئی عادت پہلے سے متعین تھی یا نہیں۔ اگر متعین ہے تو ایام عادت کے بعد سے استحاضہ شمار ہوگا۔ مثلاً تیس دن نفاس کی عادت تھی۔ اور خون پچاس دن تک جاری رہا۔ تو تیس دن نفاس اور باقی بیس دن استحاضہ ہوگا۔ (**کمافی الهداية وشرح الوقاية**)۔

اگر پہلے سے کوئی عادت متعین نہ تھی۔ تو چالیس دن نفاس اور باقی دس دن استحاضہ ہوگا۔[1]

س: ایک عورت کو ۳۶ دن نفاس کا خون آیا اور بعد تین دن طہر پھر ایک دن خون آیا۔ پھر تین دن طُہر پھر دس دن خون۔ پھر ایک دن طُہر پھر ایک دن خون، پھر نو دن طُہر اور نو دن خون۔

اس عورت کو پہلے ۳۵ دن نفاس آچکا ہے۔ اور پہلے حیض کی عادت۔ آٹھ دن کی تھی، تو مذکورہ صورت میں نفاس کے کتنے دن اور طہارت اور حیض کے کتنے دن شمار ہوں گے، نیز نفاس اور حیض کے درمیان طہارت کے دن کم از کم کتنے ہوتے ہیں۔

ج: نفاس کے چالیس دن ہوں گے۔ اس کے بعد طہارت کا حکم ہوگا۔ (محمد کفایت اللہ)

جب نفاس کی عادت ۳۵ دن کی تھی، لیکن اس دفعہ خلاف عادت ۳۶ دن خون آیا۔ لیکن تین دن بند رہ کر پھر چالیسویں دن بھی خون آگیا۔ اس کے بعد کچھ دن بند رہا۔ اس صورت میں نفاس کے چالیس دن شمار ہوں گے، البتہ اگر خون جاری رہتا۔ یہاں تک کہ چالیس دن سے بڑھ جاتا۔ تو پھر عادت سے زائد کو استحاضہ میں شمار کیا جاتا۔ درمختار میں ہے۔

((واما المعتادة فترد العادة، وكذا الحيض))

اور شامی میں ہے۔

((اذا كان عادتها فى النفاس ثلاثين يوما، فانقطع دمها على رأس عشرين يوماً۔ وطهرت عشرة ايام۔ تمام عادتها۔ فصلت وصامت، ثم عاودها الدم۔ فاستمربها حتى جاوز الاربعين ذكر انها مستحاضة۔ فيما زاد على الثلاثين))

دوسری جگہ ہے۔

((صورته فى النفاس كانت عادتها فى كل نفاس ثلاثين ثم رأت مرة احدى وثلاثين ثم طهرت اربعة عشر، ثم رأت الحيض۔ فانها ترد الى عادتها۔ وهى ثلاثون۔ ويحسب اليوم الزائد من الخمسة عشر التى هى طهر))

کیونکہ دم نفاس اور دم حیض میں کم از کم پورے پندرہ یوم کا فاصلہ ضروری ہے۔

((اقل الطهر بين الحيضتين اوالنفاس والحيض خمسة عشر يوماً ولياليها اجماعاً))[2]

---

[1] فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی محمد شفیع ج۱ص ۱۸۹ [2] کفایت المفتی ج۲ص ۲۵۵

دورانِ نفاس طُہر بھی اسی حکم میں ہے:

س: بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک عورت کو پچیس دن تک نفاس جاری رہا۔ اس کے بعد دس یوم تک پاک رہی۔ دس دن کے بعد دو تین قطرے خون کے آئے، اس کے بعد سات دن تک پھر پاک رہی، یعنی مدت نفاس تک پاک رہی۔ اس کا نفاس کتنے دن شمار ہوگا۔

ج: دو تین قطروں کے بعد اگر پھر خون نہیں آیا تو بچہ کی پیدائش سے لے کر ان قطروں کی آمد تک نفاس شمار ہوگا، جیسا کہ عالمگیری قدیم ج ١ ص ١٩ میں ہے۔

((الطهر المتخلل فی الاربعین بین الدمین نفاس، عند ابی حنیفةؒ۔ وان کان خمسة عشر یوماً فصاعدا، وعلیه الفتوی))[1]

بارہ دن خون پھر سفید پانی پھر خون، کا حکم:

س: ایک عورت کو بارہ دن نفاس کا خون آ کر سفید پانی آنے لگا۔ بعد میں پھر خون آ گیا، اس خون کا کیا حکم ہے؟

ج: مدت نفاس یعنی چالیس دن کے اندر جو خون آئے گا۔ وہ سب نفاس میں شمار ہوگا۔ اور درمیان میں جو دن خالی گزریں گے وہ بھی نفاس ہی میں شمار ہوں گے۔ البتہ اگر چالیس دن سے زائد خون جاری رہا تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس عورت کی نفاس سے متعلق کوئی عادت پہلے سے متعین تھی یا نہیں۔ اگر متعین ہے تو ایام عادت کے بعد سے استحاضہ شمار ہوگا۔

مثلاً تیس دن کی عادت تھی اور خون پچاس دن تک جاری رہا۔ تو تیس دن نفاس اور باقی بیس دن استحاضہ ہوگا۔ کما فی **الهدایه، وشرح الوقایة۔** اور اگر پہلے سے کوئی عادت معین نہیں تھی تو چالیس دن نفاس اور باقی دس دن استحاضہ ہوگا۔[2]

چالیس دن کے بعد جاری رہنے والا خون:

س: ایک عورت کو پورے چالیس دن نفاس کا خون آتا رہا، چالیس دن کے بعد سات آٹھ روز پاک رہی پھر سرخ خون آیا۔ یہ حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟ پہلی دفعہ خون نفاس تیس دن آیا تھا۔

ج: نفاس اس کا اس دفعہ چالیس دن ہے۔ اور سات آٹھ دن کے بعد آنے والا خون استحاضہ کا ہے۔ کیونکہ (نفاس کے بعد پندرہ دن پاک رہنا ضروری ہے) اور پندرہ دن طُہر کے بعد نفاس کے پورے نہیں گزرے۔ **قال فی الشامی۔**

((ان الاصل فیه ان المخالفة للعادة فی النفاس، فان جاوز الدم الاربعین فالعادة باقیة ترد الیها والباقی استحاضة، وان لم یجاوز انتقلت العادة الی مارأته والکل نفاس))[3]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ٢ ص ١٤٣ [2] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ١ ص ٢٨٢

[3] فتاوی دار العلوم دیوبند ج ١ ص ٢٨٣

دس، بیس دن خون آئے تو کیا حکم ہے:

س: ایک عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد دس یا بیس روز خون نفاس آیا اور پھر بند ہوگیا۔ تو کیا وہ عورت غسل کر کے اپنے شوہر سے ہم بستر ہوسکتی ہے؟

ج: زیادہ سے زیادہ نفاس کی مدت چالیس روز ہیں، اگر اس سے پہلے خون بند ہوجائے اور یہ پہلا بچہ ہے یا اس سے پہلے بچے ہوئے ہیں۔ اور ابھی جتنے دن خون آیا ہے اس سے زیادہ خون نہیں آتا تھا۔ تو اس صورت میں غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کردے اور ہمبستری بھی درست ہے۔[۱]

چند دن بعد خون بند ہوجائے:

س: ایک عورت کو نفاس اس طرح آتا ہے کہ چار روز آیا پھر بند ہوگیا۔ پھر چار دن آیا پھر بند ہوگیا۔ اسی طرح معاملہ رہتا ہے۔ حتیٰ کہ چالیس روز ختم ہوجاتے ہیں۔ تو جن دنوں میں خون نہیں آیا۔ وہ دن طہارت کے شمار ہوں گے یا نفاس کے؟

ج: صورت مسئولہ میں پورے چالیس روز نفاس کے شمار ہوں گے۔ درمیان کا زمانہ طہارت میں شمار نہ ہوگا۔ جبکہ چالیس روز کی عادت ہوچکی ہے۔[۲]

کیا بچے کی پیدائش سے کمرہ ناپاک نہیں ہوتا:

س: بچہ کی پیدائش کے بعد ماں اور بچے کو جس کمرہ یا گھر میں رکھا جاتا ہے چالیس دن بعد اس کو اچھی طرح صاف کیا جاتا ہے اور اس میں رنگ وروغن کیا جاتا ہے اور جب تک ایسا نہیں کیا جاتا وہ گھر یا کمرہ ناپاک رہتا ہے۔ جبکہ براہ راست عورت کی ناپاکی سے اس گھر یا کمرہ کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ آپ اس غیر اسلامی رسم کا قرآن وحدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں؟

ج: صفائی تو اچھی چیز ہے مگر گھر یا کمرے کے ناپاک ہونے کا تصور غلط اور توہم پرستی ہے۔[۳]

حالت نفاس میں جماع کی تلافی:

س: اگر ایام ممانعت میں جماع کرے تو فریقین کے لئے تلافی کیا ہے؟

ج: توبہ واستغفار کرے اور آئندہ کو ایسا نہ کرے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر حالت حیض میں اس کا شوہر اس سے جماع کرے، تو توبہ واستغفار کرے اور مستحب ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ کما ورد فی الحدیث۔ پس بحالت نفاس جماع کرنے میں بھی صدقہ کردینا اچھا ہے۔[۴]

---

[۱] فتاوی رحیمیہ ج ۴ ص ۲۶۲،
[۲] ایضاً۔
[۳] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۹
[۴] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۸۲

نفاس میں جماع کی ممانعت کب تک ہے:

س: جس عورت کے بچہ پیدا ہوا ہو، اس کے ساتھ کب تک جماع کی ممانعت ہے۔

ج: جس عورت کے بچہ پیدا ہوا ہو اس کے لئے مدت نفاس زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے۔ پس اگر کسی عورت کو اس مدت میں برابر خون کم وبیش آتا رہے، تو اس کا شوہر چالیس دن تک اس سے مجامعت نہیں کرسکتا۔ چالیس دن کے بعد جائز ہے۔

اور چونکہ نفاس میں کم مقدار کی کچھ مدت نہیں ہے۔ اس لئے اگر چالیس دن سے پہلے خون بند ہوجائے تو غسل کے بعد اس سے صحبت جائز ہے۔[1]

نفاس کی عادت پوری ہونے پر نماز کا حکم:

س: جس عورت کی یہ عادت ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر دس پندرہ دن میں خون نفاس بند ہوجاتا ہے، یہی اس کی ہمیشہ عادت ہے تو کیا وہ خون بند ہونے کے بعد نماز پڑھ سکتی اور روزہ رکھ سکتی ہے یا نہیں۔ اور اس کا شوہر اس سے صحبت کرسکتا ہے یا نہیں؟

ج: اگر اسے عادت یہی ہے تو خون بند ہونے کے بعد غسل کرکے اس پر نماز و روزہ فرض ہوجاتا ہے۔ اور اس عورت سے اس کا شوہر ہم بستری بھی کرسکتا ہے۔[2]

جسے پہلا بچہ پیدا ہوا، پاک ہونے کا انتظار کب تک ہے:

س: جس عورت کا پہلا بچہ پیدا ہوا ہو، اسے چار دن خون آکر بند ہوگیا اور ایک دن رات بند رہا، تو کیا دوسرے روز شوہر اس سے صحبت کرسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ پہلا بچہ ہے اور عادت کا حال معلوم نہیں ہوسکتا، یا ایسی عورت کو چالیس روز تک انتظار کرنا ضروری ہے۔ اگر نہیں ہے تو کتنے دن خون آنے کے بعد وطی کرے۔ احتمال ہے کہ خون پھر آجائے؟

ج: ((**فی الدرالمختار۔ وان لعادتها الی قوله حتی تغتسل اویمضی۔ فی ردالمحتار، تحت قوله۔ وان لعادتها مانصه۔ وکذا لو کانت مبتدأة۔ درر**))

چونکہ حیض ونفاس کا حکم اس امر میں یکساں ہے۔ روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں صحبت جائز ہے۔[3]

نفاس والی عورت کا حکم:

س: نفاس والی عورت کے ساتھ میل جول، کھانا پینا اور جماع وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

---

[1] فتاوىٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۲۸۲ [2] فتاوىٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۲۸۱

[3] امداد الفتاوی ج ا ص ۴۷،

ج: نفاس والی عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا اولاد، یا دوسرے محرم کھاپی سکتے ہیں۔ اور اُٹھ بیٹھ سکتے ہیں۔ (البتہ ایام نفاس میں صحبت کرنا حرام ہے) [1]

نفاس والی عورت سے کھانا پینا:

س: نفاس والی عورت کی جب تک نفاس کی مدت پوری نہ ہو۔ اس کے ہاتھ سے کھانا پینا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز ہے۔ [2]

س: نفاس والی عورت مٹی کے جن برتنوں کو ہاتھ لگائے' چھوئے وہ پاک ہوں گے یا ناپاک؟

ج: حیض و نفاس والی عورت کے ہاتھ جب کہ ان پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو' پاک ہیں اور ان کے لگنے چھونے سے مٹی' تانبے وغیرہ کے برتن ناپاک نہیں ہوتے۔ [3]

آپریشن کے ذریعہ ولادت میں نفاس کا حکم:

س: بعض اوقات ولادت میں پیچیدگیوں کی وجہ سے بڑے آپریشن کے ذریعہ بچہ پیٹ سے نکالا جاتا ہے، تو اس صورت میں نفاس کے احکام کیا ہوں گے؟

ج: اگر آپریشن کے بعد خون رحم سے جاری ہو جائے، تو وہ نفاس کے حکم میں ہے، اس پر نفاس کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر صرف آپریشن کی جگہ ہی سے خون نکلے اور رحم سے نہ آئے، تو وہ زخم کے حکم میں ہے۔ اس صورت میں نماز وغیرہ ساقط نہیں ہوں گے۔

((فلو ولدته من سرتها ان سال الدم من الرحم فنفساء والا فذات جرح۔ وان ثبت له احكام الولد)) (درمختار)

(قوله من سرتها) عبارة البحر من قبل سرتها بان كان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها (شامیہ ج ا ص ۲۱۹) [4]

جڑواں بچوں کی پیدائش پر خون کا حکم:

س: اگر کسی عورت کے ہاں دو بچے جڑواں پیدا ہوں، تو ان کے بعد آنے والے خون کا کیا حکم ہے؟

ج: اگر ایک حمل سے کسی عورت کو دو بچے پیدا ہوئے اور دونوں کی پیدائش کے درمیان ایک گھنٹہ یا ایک دن یا ایک ماہ سے زیادہ وقفہ ہوا (بشرطیکہ چھ ماہ سے کم ہو) تو پہلے ہی بچے کی پیدائش کے بعد سے جاری ہونے والا خون نفاس قرار دیا جائے گا۔ [5]

---

[1] تحفہ خواتین ص ۶۱ ۷ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۶۹ [3] کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۵۳
[4] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۶ [5] تحفہ خواتین ص ۶۵ ۷

بچہ پورا نہ نکلا، اس وقت خون کا حکم:

س: اگر بچہ پورا نہ نکلا ہو، اور خون جاری ہو جائے تو اس خون کا کیا حکم ہے؟

ج: آدھے سے زیادہ بچہ نکل آیا۔ لیکن ابھی پورا نہیں نکلا۔ اس وقت جو خون آئے وہ بھی نفاس ہے۔ اگر آدھے سے کم نکلا تھا۔ اس وقت خون آیا، تو وہ استحاضہ ہے۔ اگر ہوش وحواس باقی ہوں تو اس وقت بھی نماز پڑھے۔ ورنہ گنہگار ہوگی۔ اگر کھڑی نہ ہو سکے تو اشارہ سے پڑھ لے قضا نہ کرے۔ لیکن اگر نماز پڑھنے سے بچہ ضائع ہو جانے کا ڈر ہو تو نماز نہ پڑھے۔[1]

سیلان رحم

(لیکوریا)

عورت کو بیماری کی وجہ سے آگے کی راہ سے پانی کی طرح سفید رطوبت آتی ہے، اسے سیلان الرحم اور ڈاکٹروں کی اصطلاح میں لیکوریا کہتے ہیں۔ یہ پانی اور رطوبت نجس اور ناپاک ہوتی ہے۔ اس لئے کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو دھونا پڑتا ہے۔

س: اس رطوبت یعنی سیلان رحم کی علامت اور کیفیت کیا ہے؟ کیا وہ پاک ہوتی ہے یا ناپاک۔ نماز بحالت اخراج جائز ہے یا نہیں۔ اور وضو ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج: اس رطوبت کی تین صورتیں ہیں۔

۱- اگر فرج خارج پر رطوبت ہو تو وہ درحقیقت پسینہ ہے۔ تو وہ پاک ہے، ناقض وضو اور نماز نہیں۔

۲- اگر فرج داخل کے باطن یعنی رحم سے رطوبت آتی ہو تو وہ نجس و ناپاک ہے۔ وہ ناقض وضو اور نماز ہے۔

۳- فرج داخل کی رطوبت میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی۔ اس لئے اس کے نجس ہونے میں اختلاف ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے نجس کہا جائے، اس لئے جو نجس ہے وہ ناقضِ وضو بھی ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۸ باب الانجاس)[2]

رطوبت فرج خارج پاک ہے۔

((واما رطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً))

اور رطوبت فرج داخل ناپاک ہے۔ **ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً** (شامی باب الانجاس ج ۱ ص ۲۸۸)

پس اگر وہ سفید پانی اندر سے آیا ہے، تو وہ ناپاک ہے۔ اگر قدر درہم سے زیادہ بدن یا کپڑے کو لگ جائے، تو دھونا چاہئے۔[3]

---

۱ بہشتی زیور حصہ ۲ ص ۶۲ ۲ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۶۵

۳ فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۰۸

مرضِ سیلان میں حفاظت وضو:

س: کسی عورت کو پانی خارج ہوتا ہے۔ لیکن اس کو یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ پانی کس وقت اور کب آتا ہے۔ جب تک کہ وہ اسے دیکھتی نہیں۔ کبھی تو کم بہتا ہے اور کبھی زیادہ۔ نماز شروع کرنے سے پہلے اس نے دیکھا تو کچھ بھی ناپاکی نہ آئی۔ لیکن نماز کے دس منٹ بعد دیکھا تو پانی نکلا ہوا تھا۔ جو کھال کے اندر تھا۔ اور اس سے شلوار گیلی نہیں ہوئی تھی۔ نماز تقریباً پونا گھنٹہ جاری رہی۔ پچیس منٹ بعد دیکھا تو پانی نکلا ہوا تھا۔ آیا اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

جبکہ اسے یہ ہرگز خبر نہیں کہ یہ پانی دوران نماز خارج ہوا تھا یا کہ بعد از فراغت۔ اگر اس سے نماز ٹوٹی ہے تو کیا ساری نماز جو اس وقت پڑھی گئی تھی لوٹائے یا صرف فرض نماز؟

ج: جب نماز کے اندر وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو نماز ہو جائے گی۔ ایسی مریضہ شرمگاہ کے اندر اسفنج رکھ لیا کرے، یہ پانی کو جذب کرتا رہے گا۔ جب تک اسفنج کے اس حصہ پر رطوبت نہیں آئے گی جو شرمگاہ کے گول سوراخ سے باہر ہے۔ اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹے گا۔[1]

رنگت کا اعتبار ابتدا میں:

س: اگر کسی عورت کو سفید زرد اور سبز وغیرہ مختلف رنگت میں پانی آتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج: رطوبت کے تر ہونے کی حالت میں جو اس کا رنگ ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر سوکھ کر رنگ تبدیل ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مثلاً رطوبت خارج ہوتے وقت سفید تھی۔ پھر گدی پر سوکھ کر زرد ہوگئی۔ تو سفید ہی سمجھی جائے گی۔ لہذا یہ سیلان ہے اگر چہ مدت حیض میں ہو۔ کیونکہ یہ حیض کا رنگ نہیں۔

اگر رطوبت خارج ہوتے وقت زرد تھی اور سوکھ کر سفید ہوگئی تو زرد سمجھی جائے گی۔ اگر مدت حیض میں آئے تو حیض ہوگی کیونکہ زرد حیض کا رنگ ہے۔ اگر رطوبت زرد، سبز، مٹیالی یا گدلی ہو اور مدت حیض کے علاوہ نظر آئے تو استحاضہ ہوگا۔[2]

اسقاطِ حمل کے احکام

س: دو ماہ کا حمل ضائع ہوگیا۔ مضغۂ گوشت جس میں نشانات صورت نمودار تھے۔ اس کا حکم کیا ہے، دفن کرنا اور کفن لازم ہے یا نہیں۔ اور اس صورت میں جو خون قبل اسقاط یا بعد اسقاط جاری ہو، وہ نفاس میں داخل ہے یا نہیں۔ نماز روزہ سے ایسی حالت میں کنارہ کش رہے یا نہیں۔ کیونکہ پوری ولادت نہیں ہے؟

ج: اگر کوئی جز اجزاء بدن انسانی سے مثل ہاتھ یا پاؤں، یا انگلی یا ناخن یا بال وغیرہ نمودار ہوگیا ہے۔ تو وہ شرعاً بچہ ہے، اور اس کے بعد جو خون آیا وہ نفاس ہے، اس لئے نماز ساقط ہو جائے گی اور روزہ دوسرے ایام میں قضا کرے گی۔ اور اس

---

[1] احسن الفتاوی ج ۲ ص ۷۹ [2] خواتین کا اسلامی انسائیکلوپیڈیا ج ۱ ص ۳۲۵

صورت میں اُس کو غسل بھی دیا جائے گا۔

اور اگر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو وہ بچہ نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے غسل وکفن ہے نہ قاعدہ کے موافق دفن ہے۔ البتہ چونکہ جزو آدمی ہے اس لئے زمین میں ویسے ہی دبا دینا چاہئے، اور اس صورت میں وہ خون نفاس بھی نہیں ہے، بلکہ دیکھنا چاہئے اس سے قبل حیض آئے کتنا زمانہ ہوا، اور یہ خون کتنے دن آیا ہے۔ اگر حیض آئے ہوئے پندرہ روز یا زیادہ ہو گئے ہوں اور یہ خون کم از کم تین روز آئے، تو حیض ہے۔ اور ایک شرط بھی کم ہو جائے تو استحاضہ ہے، جس میں نماز وروزہ سب صحیح ہے۔[1]

س: اگر حمل گرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوا ہو، بلکہ نرا خون ہی خون ہو، محض گوشت کا لوتھڑا ہو، تو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے وہ حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟

ج: جب کوئی عضو ظاہر نہیں ہوا، تو یہ حیض نفاس تو نہیں ہے، اب دیکھنا چاہئے اگر یہ تین دن سے کم میں موقوف نہ ہوا ہو۔ اور اس خون آنے سے پہلی مدت طُہر بحالت طُہر گزری ہو۔ تو یہ حیض ہے، ورنہ استحاضہ۔[2]

اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم:

س: جس بچے کے ابھی اعضاء نہیں بنے تھے، اس کا اسقاط ہو گیا، تو اسقاط کے بعد نفاس کا حکم ہوگا یا حیض کا۔ اگر حیض کا حکم ہو تو جو نمازیں نفاس سمجھ کر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دس دن کے بعد چھوڑی گئیں۔ ان کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

ج: اگر بچے کا کوئی ایک عضو بھی بن چکا ہو تو اس کی ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس ہوگا۔ اگر کوئی ایک عضو بھی نہ بنا ہو تو حیض ہے۔ بشرطیکہ تین روز یا اس سے زیادہ آئے۔ اگر تین روز سے کم آیا تو یہ استحاضہ ہے۔ اگر کوئی عضو ظاہر نہیں تھا اس کے باوجود اس خون کو نفاس سمجھ کر نمازیں چھوڑی گئیں تو ان نمازوں کی قضاء فرض ہے۔ **قال في الهندية۔**

> **((والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع اوظفر اوشعرولد فتصيربه نفساء۔ هكذا في التبيين۔ وان لم يظهر شيىء من خلقه فلا نفاس لها۔ فان امكن جعل المرئى حيضاً يجعل حيضاً والا فهو استحاضة))** (عالمگیریہ ج۱ ص۳۳)[3]

س: بعض عورتوں کا حمل قبل از وقت ساقط ہو جاتا ہے، تو اسقاط کے بعد جو خون آئے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں؟

ج: اگر بچے کے اعضاء مثلاً انگلی، ناخن اور بال وغیرہ بن چکے تھے تو اس اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا۔ اور اگر ابھی اس میں سے کوئی چیز نہیں بنی تھی، تو اب یہ خون نفاس نہیں ہوگا۔ اگر حیض کی تعریف اس پر صادق آتی ہو تو حیض بن جائے گا، ورنہ استحاضہ شمار ہوگا۔[4]

---

[1] امداد الفتاوی ج۱ ص۴۵، ص۴۶ [2] ایضاً۔ [3] احسن الفتاوی ج۲ ص۷۱، ص۷۲

[4] خیر الفتاوی ج۲ ص۱۴۰

كتاب الصلٰوة

﴿ اقم الصلوة لذكرى ﴾ (القرآن)

((الصلوة مفتاح الجنة)) (الحديث)

نماز کی اہمیت

ہر طبقہ کے مسلمانوں کے لئے نماز کی پابندی کی کیا صورت ہے:

س: ہر طبقہ کے مسلمان نماز کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں؟

ج: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک نماز بھاری ہے۔ مگر ان لوگوں پر جو فروتنی اور عاجزی کرنے والے ہیں۔ جن کو یقین ہے کہ ان کو اللہ کے پاس جانا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اولاً خوفِ الٰہی اور خوفِ قیامت واحوال قیامت اور پیشی بارگاہ الٰہی کا خیال دل میں پیدا کرے اور ان میں فکر کرے اور پھر وہ بشارت اور ثواب جو احادیث میں نماز پڑھنے والوں کے لئے وارد ہیں دیکھے اور سنے اور فضائل نماز کو پیش نظر کرے تو اس طریقہ سے امید ہے کہ اس کو نماز کا شوق ہوگا۔

اور جب اس پر غور کرے گا کہ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا۔[2]

ترجمہ: پسندیدہ تر عمل اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر دوام اور مواظبت ہو۔

اور نیز اس قسم کی احادیث میں غور کرے گا۔

((قال رسول الله ﷺ ارأيتم لو ان نهراً بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمساً هل يبقى من درنه شيء قالوا لا يبقى من درنه شيء قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا)) (رواہ بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی کے دروازہ کے سامنے ایک نہر ہو کہ دن رات میں پانچ دفعہ اس میں غسل کرنے تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا۔

آپ نے فرمایا یہ مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ رکوع ۳ [2] مشکوٰۃ باب القصد فی العمل الفصل الاول

اور وقتاً فوقتاً مسائل نماز کی جستجو میں رہے گا اور بحکم "مَنْ جَدَّ وَجَدَ"، ضروری ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گا۔ پس ضروری ہوا کہ نماز کی بزرگی اور فضیلت میں جو احادیث وارد ہیں ان کو "مشکوٰۃ شریف" کی کتاب الصلوٰۃ میں دیکھے یا کسی سے سنے اور اگر وہ شخص عربی نہیں سمجھتا تو مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کو دیکھتا رہے۔ الغرض ہر طبقہ کے مسلمانوں کو امید ہے کہ طریقہ مذکورہ سے نفع ہوگا اور نماز کا شوق ہوگا اور جو لوگ خود اس طریق پر کاربند نہ ہوسکیں ان کو دوسرے لوگ جو واقف ہیں یہ باتیں سنائیں اور انذار و بشارت کی آیات و احادیث کا ترجمہ و مطلب سنائیں اور بتائیں۔ تو ضرور ہے کہ بحکم۔

﴿ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[1]

ان کو یہ نصائح نافع اور ممد ہوں گے اقامت صلوٰۃ بلکہ اتباع جمیع احکام دینیہ پر۔[2]

نماز کب فرض ہوئی:

س: کیا نماز شب معراج ہی میں فرض ہوئی ہے۔

ج: نمازِ شب معراج ہی میں فرض ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اور مظاہر حق دیکھیں۔[3]

نماز کی فضیلت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴾[4]

"کامیاب ہوا وہ جس نے صفائی حاصل کی اور اپنے پروردگار کا نام لیا۔ پس نماز پڑھی۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ﴾[5]

"بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾[6]

"اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہی لوگ وارث ہیں۔ جنت الفردوس میراث میں ملے گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

---

[1] سورۃ الذاریات رکوع: ۲
[2] فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۲ ص ۲۶
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۲۹
[4] سورۃ اعلیٰ:
[5] عنکبوت: ۴۵
[6] مومنون: ۹-۱۱

۱- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نماز جنت کی کنجی ہے۔[۱]

۲- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نماز مؤمن کا نور ہے۔[۲]

۳- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا۔ اس کے بعد نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔[۳]

۴- حدیث: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درختوں سے گر رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں ہاتھ میں لے کر ہلائیں اس کے پتے اور بھی گرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب بندہ اخلاص سے اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح گرتے ہیں۔ جس طرح یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔[۴]

۵- حدیث: رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے نہر بہتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل باقی رہ جائے گی؟ سب نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ پانچوں نمازوں کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کا میل دور کر دیتا ہے۔[۵]

۶- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر ادا کیا اور ان کا رکوع وخضوع مکمل کیا ایسے شخص کے لئے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ اسے بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا (نماز کے بارے میں کوتاہی کی) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا بخش دے گا' چاہے گا تو عذاب دے گا۔[۶]

۷- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اس دن کے وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو' اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو' اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں' سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔[۷]

۸- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دوسری نماز پہلی نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔[۸]

۹- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس آدمی نے پانچ وقتی نمازیں پابندی سے پڑھیں۔ رکوع' سجود اور وقت کا خاص خیال رکھا اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی ہیں' تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یا فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ یا فرمایا اس پر جہنم حرام ہوگئی۔[۹]

---

۱ مسند امام احمد ج ۳: ۳۳۰ ۲ جامع الصغیر ج ۱: ۵۰ ۳ صحیح بخاری ج ۱:

۴ مسند احمد ج ۵: ۱۷۹ ۵ صحیح بخاری ج ۱: ۷۶ ۶ مسند امام احمد ج ۵: ۳۱۷

۷ مسند احمد ج ۵: ۲۶۳ ۸ مسند احمد ج ۳ حدیث ۵۸۱ ۹ الترغیب ج ۱: ۲۴۷

فرضیت نماز

اللہ جل شانہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

(۱) ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [۱]

''بے شک نمازِ مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔''

(۲) ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴾ [۲]

''اور ان کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کریں۔ ابراہیمؑ کی راہ پر چلیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مضبوط لوگوں کی راہ ہے۔

۱۰- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس آدمی نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر ادا کیا۔ رکوع وسجدہ خوبی کے ساتھ ادا کیا' دل لگا کر دھیان کے ساتھ نماز پڑھی' اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے اور جس نے ایسا نہ کیا' اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں' چاہے اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب دے۔ [۳]

۱۱- حدیث: سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ معراج کی شب آسمانوں کی بلندیوں سے بھی ماوریٰ میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں کارکنانِ قضا وقدر کے قلموں کے لکھنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پھر اللہ جل شانہ نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرما دیں۔ میں انہیں لے کر لوٹ رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے مشورہ سے نمازوں میں کمی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرتا رہا۔ حتیٰ کہ پانچ باقی رہ گئیں۔ [۴]

۱۲- حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ [۵]

نماز کی تاکید

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [۶]

---

۱ سورۂ نساء: ۱۵ ۲ سورۃ البینہ: ۳۰ ۳ مسند امام احمد ج ۵: ۲۱۷

۴ صحیح بخاری ج ۱: ۵۱ ۵ نسائی ج ۱: ۸۰ ۶ سورۂ روم: ۳

''خدا سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں نہ ہو جاؤ۔''

۱۳- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بندہ اور شرک کو ملانے والی چیز ترک نماز ہے۔ جس نے عمداً نماز چھوڑ دی اس نے شرک کیا۔[۲]

۱۴- حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بندہ اور کفر کو ملانے والی چیز ترکِ نماز ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا[۳] یعنی نماز دین اسلام کا اتنا اہم شعار ہے کہ اس کے ترک کر دینے سے آدمی کفر کی سرحد سے جاملتا ہے۔

۱۵- حدیث: حضور انور ﷺ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تجھے آگ میں جلا دیا جائے اور فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا۔ کیونکہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی۔ اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا اور شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر گناہ کی چابی ہے۔[۴]

خواتین کو نماز کی خصوصی تاکید:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّت خَمْسَهَا وَصَامَتْ وَاَحْصَنَتْ، فَرْجَهَا وَاَطَاعَت بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ ت))[۵]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور پاک دامن رہے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

نماز کتنی عمر میں فرض ہوتی ہے:

س: یہ بات تفصیل سے بتایئے کہ نماز کب فرض ہوتی ہے۔ بہت سے حضرات کہتے ہیں جب احتلام ہوتا ہے نماز فرض ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے نماز فرض نہیں ہوتی؟

ج: نماز بالغ پر فرض ہوتی ہے۔ اگر بالغ ہونے کی علامتیں ظاہر ہو جائیں تو نماز اسی وقت فرض ہوتی ہے اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو لڑکا لڑکی پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر بالغ سمجھے جاتے ہیں اور جس دن سولہویں سال میں قدم رکھیں گے۔ اس دن سے ان پر نماز و روزہ فرض ہوں گے۔[۶]

سنِ بلوغت یاد نہ ہو!

س: اکثر کتابوں میں پڑھا ہے کہ نماز بالغ ہونے پر فرض ہوتی ہے اور لڑکا لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر مختلف کتابوں میں

---

۲ جامع المسانید ج۱:۲۳۱ حدیث: ۲۹۷
۳ صحیح مسلم ج۱:۶۱
۴ جامع ترمذی ج ص۹۴
۵ مشکوٰۃ ص۲۸۱
۶ آپ کے مسائل اوران کا حل ج۲ ص۹۲

مختلف لکھی ہے۔ یعنی کہیں بارہ سال سے اور کہیں تیرہ سال کہیں چودہ سال اور کہیں پندرہ سال ہے۔ میں نے چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں نماز پڑھنی شروع کی ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ مجھے کتنی عمر کی نمازیں قضا پڑھنی چاہئیں۔ مجھے نہیں یاد کہ میں بالغ کس عمر میں ہوا تھا۔

ج: لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا علامات سے بھی ہوسکتا ہے۔ (مثلاً لڑکے کو احتلام ہو جائے یا لڑکی کو حیض آ جائے وغیرہ) اگر پندرہ سال سے پہلے بالغ ہونے کی علامتیں ظاہر ہو جائیں تو ان پر بالغوں کے احکام جاری ہوں گے اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر ان کو بالغ شمار کیا جائے گا اور ان پر نماز روزہ وغیرہ فرائض لازم ہو جائیں گے۔

اگر کسی نے بالغ ہونے کے بعد بھی نماز روزہ میں کوتاہی کی۔ اب وہ توبہ کر کے نماز روزہ قضا کرنا چاہتا ہے اور اسے یاد نہیں کہ وہ کب بالغ ہوا تھا۔ تو لڑکے کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ تیرہ سال کے شروع ہونے سے نماز و روزہ قضا کرے۔ کیونکہ بارہ سال کا لڑکا بالغ ہوسکتا ہے اور لڑکی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نو برس پورے ہونے اور دسویں سال کے شروع ہونے سے نماز و روزہ قضا کرے۔ کیونکہ نو برس کی لڑکی بالغ ہوسکتی ہے۔[1]

عورت پر نماز کب فرض ہوتی ہے؟

س: کتنی عمر میں عورت پر نماز فرض ہوتی ہے؟

ج: جوان ہونے کا وقت معلوم ہو تو اس وقت سے نماز فرض ہے۔ ورنہ عورت پر نو سال پورے ہونے پر دسویں سال سے نماز فرض سمجھی جائے گی۔[2]

تارکِ نماز کا حکم:

س: ایک شخص جو بغیر شرعی عذر کے فرض نماز ترک کرے شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا پینا اور بولنا کیسا ہے اور اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت حلال ہوگی یا حرام اور اولاد کیسی ہوگی اور اگر بعد مرنے اس شخص کے زجراً اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو کیسا ہے اور اگر نصیحت نماز سے برا ماننے یا کوئی کلمہ استخفاف و انکار کا کہے تو کیا حکم ہے۔

ج: تارک الصلوٰۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت ابو درداءؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ۔ حضرت اسحاق بن راہویہؒ۔ نخعیؒ۔ ایوب السختیانیؒ ' ابوداؤد الطیالسیؒ ابوبکر بن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

اور حماد بن زیدؒ مکحولؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا۔ مگر قتل کیا جائے اور امام ابوحنیفہؒ کے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۹۲ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۷۹

نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا۔ مگر قید شدید میں رکھنا چاہئے اور خوب سزا دینا چاہئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے۔ یا اسی حالت میں مر جائے۔ (تفسیر مظہری، نفع المفتی، درمختار)

اور اس سے اختلاط (میل جول) وخورد ونوش وگفتگو ترک کر دینا چاہئے کہ اس وقت بجائے حبس اس قدر ممکن ہے اور جس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرے۔ (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے)۔

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے۔ علماء نے انہیں منع کیا۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ پس ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ پس ان کے دلوں کا ان کے دلوں پر بھی اثر پڑ گیا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی۔ کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ جب تک تم لوگ اہل معاصی کو مجبور نہ کرو گے تمہاری نجات نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

اور جن علماء نے اس شخص کو کافر کہا ہے۔ ان کے نزدیک نکاح باقی نہ رہے گا اور صحبت حرام ہوگی اور اولاد ولد حرام ہوگی۔ معاذ اللہ۔

اور زجر کے لئے اگر اہل علم وفضل اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ مدیون (جن کے ذمہ کسی کا قرض ہو) اور قاتل نفس (خودکشی کرنے والا) پر نماز نہ پڑھی تھی۔

اور جیسا کہ فقہاء نے قاطع طریق ومکابر وباغی وقاتل احد الابوین (ڈاکو، جنگجو، باغی اور والدین میں سے کسی کا قاتل پر نماز پڑھنے سے بغرض ان کی اہانت کے منع کیا ہے۔ (درمختار)

اور امام مالک سے منقول ہے کہ اہل فضل فساق پر (جیسے بے نمازی) نماز نہ پڑھیں۔ تاکہ ان کو عبرت ہو۔

(نووی شرح مسلم)

اور اگر نماز سے نفرت یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیر واستہزاء سے پیش آیا تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اہانت حکم شرعی کی کفر ہے۔[1]

س: مجھے اس چیز کی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ بے نمازی کے لئے اسلام کے کیا احکامات ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔

میں نے سنا ہے کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ اور اسی طرح سنا ہے عبدالقادر جیلانیؒ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ (بے نمازی) کو مار ڈالا جائے۔ اس کی لاش کو گھسیٹ کر شہر سے باہر پھینک دیا جائے۔ کیا یہ بھی حقیقت ہے؟

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۴۹، ۵۵۰

ویسے زیادہ لوگوں سے میں نے یہ سنا ہے کہ وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی زبان سے نہ کہہ دے کہ میں نماز نہیں پڑھتا۔ یعنی اگر وہ زبان سے کہہ دے کہ میں نماز نہیں پڑھتا تو کافر ہو جائے گا۔ ورنہ چاہے نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ وہ کافر نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ کافر یا مرتد نہیں ہوتا تو اسے قتل کا حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ جبکہ قرآن مجید میں بھی کسی مسلمان کے قتل کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ برائے مہربانی مجھے امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ امام ابو حنیفہؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بے نمازی کے متعلق جو صحیح صحیح احکامات بتا دیں۔ مع حوالہ کے بہت مہربان ہوں گی۔

ج: تارکِ صلوٰۃ اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہو تو باجماع اہل اسلام کافر و مرتد ہے۔ (الا یہ کہ نیا مسلمان ہوا ہو اور اسے فرضیت کا علم نہ ہو سکا ہو۔ یا کسی ایسے کو ردہ میں رہتا ہو کہ وہ فرضیت سے جاہل رہا ہو۔ اس صورت میں اسے فرضیت سے آگاہ کیا جائے گا۔ اگر مان لے ٹھیک۔ ورنہ مرتد اور واجب القتل ہوگا۔

اور جو شخص فرضیت کا تو قائل ہو مگر سستی کی وجہ سے نماز نہ پڑھتا ہو تو امام ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وہ مسلمان تو ہے مگر بدترین فاسق ہے اور امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ مرتد ہے۔ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے اگر نماز پڑھنے لگے تو ٹھیک۔ ورنہ ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہ کیا جائے۔ غرض اس کے تمام احکام مرتد کے ہیں۔

امام مالکؒ امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق اگرچہ بے نمازی مسلمان ہے۔ مگر اس جرم یعنی ترک صلوٰۃ کی سزا قتل ہے۔ الا یہ کہ وہ شخص توبہ کر لے۔ لہٰذا اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور ترک نماز سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور قتل کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

الغرض اگر بے نمازی توبہ نہ کرے تو ان کے نزدیک اس کی سزا قتل ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بے نمازی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کو ہمیشہ قید رکھا جائے گا اور روزانہ اس کو جوتے لگائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ترک نماز سے توبہ کر لے۔

ان مذاہب کی تفصیل فقہ شافعی کی کتاب شرح مہذب ج ۳ ص ۱۲ اور فقہ حنبلی کی کتاب المغنی ج ۲ ص ۲۹۸ مع الشرح الکبیر اور فقہ حنفی کی کتاب فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۳۹۲ میں ہے۔

جو حضرات بے نمازی کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی دلائل ہیں۔

حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر وہ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں اور میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ امام احمدؒ کی ایک روایت میں یہ مرتد ہے اور اس کے ساتھ مرتدین جیسا سلوک کیا جائے۔ اس لئے اگر حضرت پیران پیرؒ نے یہ لکھا ہو کہ بے نماز کا کفن دفن نہ کیا جائے۔ بلکہ مردار کی طرح گھسیٹ کر اس کو کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے۔ تو ان کے مذاہب کی روایت کے عین مطابق ہے۔[1]

پیران پیرؒ کا فتویٰ:

قطب الاقطاب، محبوب سبحانی غوث صمدانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ التوفی ۵۶۱ھ جو ''پیرانِ پیر'' کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ بے نمازی کے متعلق حسب ذیل فتویٰ دیتے ہیں۔

''اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہو اور نماز ترک کر دے تو کافر ہو جاتا ہے اور اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے اور اگر فرضیت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ لیکن بے پروائی اور سستی کی وجہ سے چھوڑ دی ہے۔ اور نماز کے لئے اس کو بلایا گیا مگر اس نے نہیں پڑھی اور اس نماز سے بعد والی نماز کا وقت بھی تنگ ہو گیا۔ اس وقت یہ بھی کافر ہو جائے گا۔

اور دونوں صورتوں میں اس کا حکم مرتد جیسا ہوگا۔ تین روز تک اس سے توبہ کرائی جائے گی (اگر توبہ نہ کرے گا) تو تلوار سے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کیا جائے گا۔ امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

امام احمدؒ کا دوسرا قول بے پروائی کی وجہ سے نماز چھوڑ دینے کی صورت میں یہ ہے کہ اس کا قتل واجب نہیں۔ تین نمازوں کے اوقات تک اس کو توبہ کی مہلت دی جائے گی۔ جب چوتھی نماز کا وقت بھی تنگ ہو جائے گا تو شادی شدہ زانی کی طرح حد شرعی میں اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ مگر اس کا حکم مسلمانوں کے مردوں جیسا ہوگا۔ اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اس کو قتل نہیں قید کیا جائے گا اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ توبہ کر کے نماز پڑھے۔ ورنہ قید ہی میں مر جائے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا وہ کافر نہ ہوگا مگر حد شرعی میں تلوار سے اس کو قتل کیا جائے گا۔ کافر ہونے کا ثبوت ان آیات و احادیث سے ہوتا ہے۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔[2]

اللہ کو غفور رحیم سمجھ کر نماز ترک کرنا:

س: بعض لوگ بغیر کسی عذر کے نماز ترک کر دیتے ہیں اور پھر طفیل ''لغو باتوں'' کام کاج اور دیگر مصروفیات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ان سے کہیں کہ نماز ترک کرنے سے خدا ناراض ہو جاتا ہے اور خدا کا عذاب بھی نازل ہوتا ہے۔ تو جواب

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۹۳، ص ۹۴ [2] غنیۃ الطالبین اردو ص ۳۸۱

ملتا ہے کہ خدا کی ذات ''غفور رحیم'' بھی ہے اور ہمیں معاف بھی کردے گا۔ اس لئے کوئی فرق نہیں پڑھتا۔

ج: اللہ تعالیٰ بلاشبہ ''غفور رحیم'' ہیں لیکن ایسے ''غفور رحیم'' کی نافرمانی جب ڈھٹائی سے کی جائے اور نافرمانی کرنے والے کو اپنی حالت پر شرمندگی بھی نہ ہو تو اس کا قہر بھی نازل ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے۔

''جس شخص نے نماز پنجگانہ ادا کی قیامت کے دن اس کے لئے نور بھی ہوگا۔ اس کے ایمان کا برہان بھی ہوگا اور اس کی نجات بھی ہوگی اور جو نماز کی پابندی نہ کرے۔ نہ اس کے لئے نور ہوگا۔ نہ اس کے ایمان کی دلیل ہوگی۔ نہ اس کی نجات ہوگی۔ اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے غضب سے پناہ میں رکھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شیطان کا مکر اور دھوکہ ہے کہ تم گناہ کئے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ خود ہی بخش دیں گے۔

مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ احکام الٰہی کی پابندی کرے۔ گناہوں سے بچتا رہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی امید بھی رکھے۔ جیسا کہ ہم دعائے قنوت میں کہتے ہیں۔

((نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ))

''یا اللہ! ہم آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں''۔[1]

کیا پہلے اخلاق کی درستی ہو پھر نماز پڑھنی چاہئے:

س: آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے اخلاق درست کئے جائیں۔ پھر نماز پڑھنی چاہئے۔

ج: یہ خیال درست نہیں۔ بلکہ خود اخلاق کی درستی کے لئے بھی نماز ضروری ہے اور یہ شیطان کا چکر ہے کہ وہ عبادت سے روکنے کے لئے ایسی الٹی سیدھی باتیں سمجھاتا ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ جب تک اخلاق درست نہ ہو نماز کا کیا فائدہ؟

اور شیطان کو پورا اطمینان ہے کہ یہ شخص مرتے دم تک اپنا اخلاق درست نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا نماز سے ہمیشہ کے لئے محروم رہے گا۔ حالانکہ سیدھی بات ہے کہ آدمی نماز کی بھی پابندی کرے اور ساتھ ساتھ اصلاح اخلاق کی کوشش کرے۔ نماز چھوڑ کر اخلاق کی اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے؟

فرائض نماز

س: نماز کے کتنے فرض ہیں؟

ج: نماز کے چودہ فرض ہیں۔ جن میں سے چند ایسے ہیں۔ جن کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے اور ان کو خارجی فرائض کہتے ہیں اور شرائط نماز بھی کہا جاتا ہے اور چند ایسے فرائض ہیں جو داخل نماز ہیں۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۹۵

(۱) بدن کا پاک ہونا۔ (۲) کپڑوں کا پاک ہونا۔ (۳) ستر عورت یعنی مردوں کو ناف سے گھٹنوں تک اور عورتوں کو چہرے اور ہتھیلیوں اور قدموں کے علاوہ تمام بدن کا ڈھکنا فرض ہے۔ (۴) نماز کی جگہ کا پاک ہونا۔ (۵) نماز کا وقت ہونا۔ (۶) قبلہ کی طرف رخ کرنا۔ (۷) نماز کی نیت کرنا۔ (۸) تکبیر تحریمہ۔ (۹) قیام یعنی کھڑا ہونا۔ (۱۰) قراءت یعنی ایک بڑی آیت یا ایک چھوٹی سورت پڑھنا۔ (۱۱) رکوع کرنا۔ (۱۲) سجدہ کرنا۔ (۱۳) قعدہ اخیرہ۔ (۱۴) اپنے ارادہ سے ختم کرنا [۱]

واجبات نماز:

س: نماز کے واجبات کتنے ہیں؟

ج: حسب ذیل چیزیں نماز میں واجب ہیں۔

(۱) الحمد پڑھنا۔ (۲) اس کے ساتھ کوئی سورت ملانا۔ (۳) فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا۔ (۴) الحمد کو سورت سے پہلے پڑھنا۔ (۵) رکوع کر کے سیدھا کھڑا ہونا۔ (۶) دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا۔ (۷) پہلا قعدہ کرنا۔ (۸) التحیات پڑھنا۔ (۹) لفظ سلام سے نماز ختم کرنا۔ (۱۰) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔ (۱۱) عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہنا [۲]

نماز کی سنتیں:

س: نماز میں کون سی سنتیں ہیں۔

ج: یہ چیزیں سنت ہیں۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا۔ (۲) مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنا۔ (۳) ثناء یعنی سبحانك اللھم آخر تک پڑھنا۔ (۴) اعوذ باللہ پوری پڑھنا۔ (۵) بسم اللہ پوری پڑھنا۔ (۶) رکوع اور سجدہ کو جاتے وقت بلکہ ہر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ (۷) رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لك الحمد کہنا۔ (۸) رکوع میں سبحان ربی العظیم۔ کم سے کم تین مرتبہ کہنا۔ (۹) سجدہ میں کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہنا۔ (۱۰) دونوں سجدوں کے درمیان اور التحیات کے لئے مردوں کو بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور داہنا پاؤں کھڑا کرنا اور عورتوں کو دونوں پاؤں سیدھی طرف نکال کر دھڑ کے بائیں حصہ پر بیٹھنا (۱۱) درود شریف پڑھنا۔ (۱۲) درود شریف کے بعد دعا۔ (۱۳) سلام کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ (۱۴) سلام میں فرشتوں مقتدیوں اور جنات جو حاضر ہوں ان کی نیت کرنا [۳]

نماز کے مستحبات:

س: نماز کے مستحبات کون سے ہیں۔

---

[۱] تحفۂ خواتین ص ۱۱۷۔ [۲] تحفۂ خواتین ص ۱۱۸ [۳] ایضاً۔

ج: نماز کے مستحبات یہ ہیں۔

(۱) جہاں تک ممکن ہو کھانسی کو روکنا۔ (۲) جمائی آئے تو منہ بند کرنا۔ (۳) کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ اور رکوع میں قدموں پر اور سجدہ میں ناک پر اور بیٹھے ہوئے گود میں اور سلام کے وقت کاندھے پر نظر رکھنا۔

مکروہاتِ نماز:

س: نماز میں کون کونسی چیزیں مکروہ ہیں؟

ج: نماز میں حسب ذیل کام مکروہ ہیں۔

(۱) کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ (۲) کپڑا سمیٹنا۔ (۳) جسم یا کپڑے سے کھیلنا۔ (۴) انگلیاں چٹخانا۔ (۵) دائیں بائیں گردن موڑنا۔ (۶) انگڑائی لینا۔ (۷) کتے کی طرح بیٹھنا۔ (۸) چادر، دوپٹہ وغیرہ کو لٹکا ہوا چھوڑنا، یعنی لپیٹ نہ دینا اور بکل نہ مارنا۔ (۹) بغیر عذر کے چار زانوں یعنی آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔ (۱۰) سامنے یا سر پر تصویر ہونا۔ (۱۱) تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا۔ (۱۲) پیشاب پاخانہ یا بھوک کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ (۱۳) آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا۔[۱]

مفسداتِ نماز:

س: نماز کن چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے؟

ج: ان چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۱) بات کرنا، خواہ تھوڑی ہو یا بہت، قصداً ہو یا بھول کر۔ (۲) سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا۔ (۳) چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔ (۴) رنج کی خبر سن کر اناللہ وانا الیہ راجعون پورا یا تھوڑا سا پڑھنا۔ یا اچھی خبر سن کر الحمدللہ کہنا یا عجیب چیز سن کر سبحان اللہ کہنا۔ (۵) دکھ تکلیف کی وجہ سے آہ۔ اوہ یا اف کرنا۔ (۶) قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا۔ (۷) الحمد شریف یا سورۂ وغیرہ میں ایسی غلطی کرنا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (۸) عمل کثیر مثلاً ایسا کام کرنا۔ جسے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ مثلاً دونوں ہاتھوں سے کوئی کام کرنا۔ (۹) قصداً یا بھول کر کچھ کھانا پینا۔ (۱۰) قبلہ سے سینہ پھر جانا۔ (۱۱) درد یا مصیبت کی وجہ اس طرح رونا کہ آواز میں حرف نکل جائے۔ (۱۲) نماز میں ہنسنا۔[۲]

مکروہاتِ نماز

چست لباس میں نماز مکروہ ہے:

س: آج کل مغرب زدہ عورتیں ایسا تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ اس میں سے مخفی اعضاء کی صورت وشکل نمایاں ہوتی ہے۔ کیا اس طرح عورت کو اپنے اعضاء دکھانا جائز ہے؟ اور ان کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے لباس میں

---

۱ تحفۂ خواتین ص۱۱۹ ۲ تحفۂ خواتین ص۱۱۸

نماز درست ہے؟

ج: ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے۔اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام ہے اور دیکھنا بھی حرام۔ اگر چہ بلا شہوت ہو۔ ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو اس میں اگر چہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی۔ عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کی چست پتلون زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے کہ عورت نے چست کرتے کو چادر یا دوپٹہ سے چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں۔[1]

سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹنا:

س: بعض لوگ نماز میں عادۃً سجدہ میں جاتے وقت شلوار یا تہبند کو اٹھا لیتے ہیں۔ یہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟

ج: ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[2]

تصویروں والے کمرہ میں نماز:

س: ایک بزرگ سے سنا ہے کہ جس کمرے میں ذی روح کی تصاویر ہوں۔ اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: یہ درست ہے جس کمرہ میں تصاویر ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے۔ جب تصویر نمازی کے سامنے ہو۔ پھر اس صورت میں جب سر کے اوپر والی جانب میں ہو۔ پھر جب دائیں بائیں دیوار وغیرہ پر ہو اور جب نمازی کی پشت کی طرف ہو تو پہلے درجوں سے کراہت کم ہوگی۔ لیکن تصویر کا گھر میں ہونا ٹھیک نہیں۔[3]

قضاء حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز:

س: کسی آدمی کو نماز کے وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو۔ اگر وہ حاجت پوری کرلے تو نماز قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہے یا کم از کم جماعت تو ضرور فوت ہو جائے گی تو کیا وہ آدمی حاجت پوری کرلے یا جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لے؟

ج: اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھ لے اور اگر قضاء ہونے کا خطرہ نہیں صرف جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہے تو قضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔ نماز شروع کرنے کے بعد تقاضا ہو تو بھی اسی حال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس پر واجب ہے اس وقت نماز قطع کر دے اور فراغت کے بعد پڑھے۔[4]

ریح روک کر نماز پڑھنا:

س: پیٹ میں ہمیشہ خرابی رہنے کی وجہ سے اگر بار بار وضو ٹوٹے ریح کے ذریعے تو اس ریح کو روک کر نماز تراویح یا

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۳
[2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۷
[3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۵۱
[4] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۱

فرائض وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: اگر دوسرے وقت میں اطمینان سے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے تو ریح کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر منفرداً مختصر طور پر اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھیں۔[1]

انفرادی نماز میں عورت کی محاذات:

س: ایک کمرے میں مرد اور عورت نماز پڑھ رہے ہوں اور دونوں کے درمیان ایک مرد کی جگہ خالی ہو تو مرد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ جب کہ دونوں فرض نماز پڑھ رہے ہوں اور اگر دونوں نفل نماز پڑھ رہے ہوں اور مرد اور عورت محرم ہوں تو بالکل پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

ج: نماز ہو جائے گی۔ مگر مرد اور عورت کا متصل کھڑا ہونا مکروہ ہے۔[2]

نماز میں دوپٹہ درست کرنا:

س: نماز کی حالت میں چادر یا دوپٹہ بائیں کندھے سے گر جائے تو کیا اس کو داہنے ہاتھ سے بائیں کندھے پر ڈال سکتے ہیں یا اسی حالت میں رہنے دیں؟

ج: کندھے پر ڈال لینا چاہئے' کپڑے کا لٹکنا نماز میں تشویش کا باعث ہے۔ اور ازالہ مشوش کے لئے ایک یا دو بار ہاتھ ہلانا جائز ہے۔

((کحرکة الید لسلت العرق و تسویة الحصا للسجود))

نیز کپڑا لٹکنا سدل میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور اصلاحِ مکروہ بعمل قلیل مندوب ہے۔[3]

مفسداتِ نماز

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنا:

س: اگر عورتوں کے نماز میں کہنیوں تک ہاتھ ننگے ہوں یا دو ٹخنے ننگے ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

ج: ہاتھوں سے کہنیوں تک یہ عضوِ کامل ہے اور پورا عضو نماز کی حالت میں تین تسبیح پڑھنے کی مقدار تک ننگا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ٹخنے عضو کامل نہیں اس لئے ان کے ننگا ہونے سے نماز ہو جاتی ہے۔[4]

اگر کلائی کا چوتھا حصہ یا اس سے زائد نماز میں تین تسبیحات رکوع یا سجدہ کے بقدر کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اتنی مقدار کلائی شروع ہی سے ننگی ہے تو نماز منعقد ہی نہ ہو گی۔[5]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۴۰ [2] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۳ [3] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۶

[4] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۸۸۔ [5] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۰

نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنا:

س: نماز کی حالت میں عورت کے ٹخنے کھلے رہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

ج: قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً کسی عضو کا چوتھا حصہ تین بار سبحان ربی الاعلی کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، ٹخنے پنڈلی کے ساتھ مل کر ایک عضو ہے اور ربع عضو (یعنی عضو کے چوتھے حصے) سے کچھ کم ہے۔

اگر سہواً کھل گئے تو نماز ہو جائے گی اور اگر قصداً کھلے چھوڑے یا غفلت سے ڈھانکنے کا اہتمام نہیں کیا، تو اگر چہ تھوڑی سی مقدار کھلی ہو اور ایک لحہ ہی کیلئے ہو نماز فاسد ہو جائے گی۔[1]

باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی:

س: باریک قمیص یا دوپٹہ اوڑھ کر عورت نے نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

ج: ایسے باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی جس سے بالوں کی رنگت نظر آئے۔ اسی طرح قمیص میں سے عورت کے بدن کا رنگ جھلکے تو نماز نہ ہوگی۔

((قال فی شرح التنویر وللحرة جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد)) (ردالمحتار ج۱ص ۳۷۶)

((وقال فی الشامیة (قوله لا یصف ماتحته) بان لایری منه لون البشرة احتراز عن الرقیق ونحو الزجاج)) (ردالمحتار ج۱ص ۳۸۱)[2]

اگر کپڑا باریک ہے کہ بال نظر آتے ہیں تو اسے اوڑھ کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔ دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر دورانِ نماز آدھی آستین ننگی رہی تو نماز نہ ہوگی۔ قمیص یا دوپٹہ سے ان کا ڈھانپے رکھنا ضروری ہے۔[3]

عمل کثیر کی تعریف:

س: عمل کثیر جو مفسد نماز ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ اگر مثال سے واضح فرمادیں تو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

ج: عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں۔

(۱) ایسا عمل کہ اس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والے کو ظن غالب ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں۔ جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو بلکہ شبہ ہو تو وہ قلیل عمل ہے۔

(۲) جو کام عادۃً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو۔ جیسے ازار بند باندھنا اور عمامہ باندھنا۔ (دوپٹہ اوڑھنا) وہ عمل کثیر ہے۔ خواہ ایک ہاتھ سے کرے اور جو عمل عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو۔ خواہ وہ دونوں ہاتھوں سے بھی کرے تو قلیل ہے۔ جیسے

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۲ [2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۳ [3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲۲

ازار بند کھولنا اور ٹوپی سر سے اتارنا۔

(۳) تین حرکات متوالیہ ہوں (مسلسل اور متواتر ہوں) یعنی ان کے درمیان بقدر رکن وقفہ نہ ہو تو عمل کثیر ہے ورنہ قلیل۔

(۴) ایسا عمل کثیر ہے۔ جو فاعل کو ایسا مقصود ہو کہ اس کو عادۃً مستقل مجلس میں کرتا ہو۔ جیسے حالتِ نماز میں بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا۔

(۵) نمازی کی رائے پر موقوف ہے وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے۔

پہلے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں اور درحقیقت تینوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ اس لئے قول ثانی و ثالث میں مذکور عمل کے فاعل کو دیکھنے سے غیر نماز میں ہونے کا ظنِ غالب ہوتا ہے۔[۱]

عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

س: ہمارے ایک ساتھی دورانِ نماز اپنے اعضاء کو مختلف انداز میں حرکت دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے رہتے ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ انگوٹھی کو انگلی میں ہلاتے رہتے ہیں۔ ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں۔

غرض کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز کی حالت میں نہیں۔ حالت نماز میں اس قسم کی حرکات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (بلا عذر) میں نے یہ بات جب ان کو بتائی تو انہوں نے نماز کے فاسد ہو جانے کو بالکل مسترد کر دیا۔ بلکہ ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان کے اس تاثر سے میں عجیب الجھن میں پڑ گیا؟

ج: حنفی مذہب کا فتویٰ یہ ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ایسے عمل کو عمل کثیر کہتے ہیں کہ اس کو دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔ جس کام کے لئے دونوں ہاتھوں کا استعمال کیا جائے۔ وہ بھی عمل کثیر ہے اور اگر ایک ہی ہاتھ سے ایک رکن (نماز) میں بار بار کوئی عمل کیا جائے وہ بھی عمل کثیر بن جاتا ہے۔ آپ نے اپنے ساتھی کی جو حالت لکھی ہے وہ عمل کثیر کے تحت آتی ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کا اس مسئلہ کو نہ ماننا اس کی ناواقفی ہے۔[۲]

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانا:

س: نماز میں بحالتِ سجدہ اگر دونوں پیر زمین سے جدا ہو جائیں تو فسادِ صلوٰۃ کے حکم سے واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز اگر فسادِ صلوٰۃ کا حکم ہے تو کس بناء پر مع الدلیل تفصیل وار جواب طلب ہے۔

ج: دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحۂ واحدہ (ایک تسبیح کی مقدار) زمین پر رکھنا واجب ہے اور ایک قول کے مطابق فرض ہے۔ تیسرا قول سنیت کا بھی ہے۔ قول اول راجح ہے۔

پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے

---

[۱] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۱۸ [۲] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۱۳

گا۔ اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

واضح رہے کہ ظہر قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے۔ اس لئے دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔[1]

نماز میں قہقہہ:

س: ایک دفعہ جماعت ہو رہی تھی کہ امام کی کسی غلطی پر مقتدی ہنسنے لگے۔ اس کے بعد نیا وضو کر کے آئے' ایک مقتدی پھر بھی ہنستے رہے۔ لیکن دوبارہ ہنسنے میں شک ہے کہ وہ قہقہہ تھا یا ضحک۔ اس صورت میں کیا حکم ہے۔

ج: قہقہہ اور ضحک میں شک ہونے کی صورت میں نماز تو بلا شک ٹوٹ گئی۔ کیونکہ نماز ٹوٹنے کے لئے تو قہقہہ ضروری نہیں۔ باقی رہا دوسری صورت میں وضو کا معاملہ تو وہ ظن غالب پر موقوف ہے۔ اگر ظن غالب قہقہہ کی طرف ہے' تو وضو بھی ٹوٹ گیا' ورنہ صرف نماز ٹوٹے گی۔[2]

حنفی مذہب میں نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بشرطیکہ قہقہہ لگانے والا بالغ ہو۔ بیدار ہو۔ اور نماز رکوع اور سجدہ والی ہو۔ پس اگر بچے نے یا نماز کے اندر سوئے ہوئے نے قہقہہ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر نماز جنازہ میں قہقہہ لگایا تو نماز فاسد ہو جائے گی مگر وضو نہیں ٹوٹے گا اور نماز سے باہر قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مگر قہقہہ لگانا مکروہ ہے کہ یہ غفلت کی علامت ہے۔[3]

اوقاتِ نماز

کیا قرآن سے پنج وقتہ نماز کے اوقات ثابت ہیں:

س: زید آیت کریمہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ سے تین وقت کی نماز فجر' مغرب' عشاء پر استدلال کرتا ہے۔ کیا قرآن شریف کی کسی آیت شریفہ سے اوقاتِ نماز پنجگانہ صریحاً ثابت ہوتے ہیں؟

ج: آیت کریمہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ[4] میں پانچوں نمازوں کی فرضیت مراد ہو سکتی ہے۔ اس طرح کہ دن کے ایک طرف میں صبح کی نماز ہے اور دوسری طرف میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب کے بعد تک تین نمازیں ظہر' عصر' مغرب اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ میں عشاء مراد ہو۔

اس لئے کہ دن کا پہلا نصف حصہ زوال تک ہے اور دوسرا حصہ زوال کے بعد غروب تک۔ اگر دوسرے حصے میں غروب تک دو نمازیں ظہر اور عصر رکھی جائیں تو مغرب اور عشاء زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے مراد ہو سکتی ہیں۔

---

1. احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۹۸
2. خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۴۶
3. آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۲۰
4. سورۂ طٰہٰ

اور ایک دوسری آیت سے بھی مفسرین نے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں۔ وہ یہ ہے۔

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾[1] (سورۂ روم)

﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾[2]

﴿ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ میں چار نمازیں آ گئیں' ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں صبح کی نماز آ گئی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت آیات ہیں۔ جن میں بطور اشارہ صلوات خمسہ کا ثبوت ملتا ہے۔ احادیث نبویہ جو قرآن کریم کی شرح ہیں وہ بصراحت دال ہیں۔ اسی طرح تواتر معنوی اور امت کا اجماع پانچ نمازوں کی فرضیت پر منعقد ہے۔[3]

مفسرین کی تشریحات:

چند مفسرین کی تشریحات ملاحظہ ہوں۔

۱- امام الجلیل محی السنہ ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں۔

((قال نافع بن الازرق لابن عباس هل تجد صلاة الخمس فى القرآن قال نعم وقرأهاتين الايتين وقال جمعت الاية صلٰوة الخمس ومواقيتها))[4]

۲- امام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشہیر ابی حیان المتوفی ۷۵۴ھ تحریر فرماتے ہیں۔

((عن ابن عباس و قتادة المغرب والصبح والعصر والظهر واما العشاء ففى قوله وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ))

((وعن ابن عباس الخمس وجعل حِيْنَ تُمْسُوْنَ۔ شاملا للمغرب والعشاء))[5]

۳- امام جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نقل فرماتے ہیں۔

((اخرج ابن ابى شيبة وابن جرير وابن المنذر عن ابن عباس رضى الله عنهما قال جمعت هذه الاية مواقيت الصلٰوة "فَسُبْحَان اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ قال المغرب والعشاء وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ الفجر وَعَشِيًّا العصر وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ الظهر))[6]

اوقاتِ نماز پنجگانہ:

س: نماز پنجگانہ کے اوقات کی تفصیل کیا ہے؟

---

[1] سورۂ ق [2] سورۂ بنی اسرائیل [3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۱

[4] تفسیر بغوی ج ۳ ص ۴۷۹۔ تفسیر در منثور ج ۶ ص ۴۳۰ [5] تفسیر بحر المحیط ج ۷ ص ۱۶۶ [6] تفسیر در منثور ج ۶ ص ۴۳۰

ج: فجر کا وقت صبح صادق ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب تک باقی رہتا ہے اور ظہر کا وقت سورج ڈھل جانے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور جب تک ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا نہ ہو جائے اس وقت تک باقی رہتا ہے۔ دو چند سایہ سے مراد اصلی سایہ کے علاوہ ہے۔ اصلی سایہ وہ ہے جو عین زوال کے وقت ہوتا ہے۔

ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج چھپنے تک باقی رہتا ہے۔ لیکن جب سورج زرد ہو جائے تو عصر کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ جب سورج چھپ جائے تو مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ جو سفید شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔

ہندو پاکستان کے علاقوں میں کم از کم سوا گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ مغرب کا وقت رہتا ہے۔ مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ جو صبح صادق تک رہتا ہے۔ لیکن آدھی رات کے بعد عشاء کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔[1]

وقت سے پہلے نماز پڑھنا درست نہیں:

س: جس طرح وقت گزرنے کے بعد قضا نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج: نماز کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ اس نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو۔ پھر جو نماز وقت کے اندر پڑھی گئی ہو وہ تو ادا ہوئی اور جو وقت نکلنے کے بعد پڑھی گئی وہ قضا ہوئی اور جو وقت سے پہلے پڑھی گئی وہ نہ ادا ہے نہ قضا۔ بلکہ سرے سے نماز ہوئی ہی نہیں۔[2]

اذان کے فوراً بعد گھر پر نماز پڑھنا:

س: نمازی اگر اکیلا گھر پر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اذان ہوتے ہی نماز کا وقت ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ اذان کے کتنے وقفہ کے بعد نماز شروع کی جائے۔ اس طرح تو وہ نمازی مساجد میں نماز ادا ہونے سے پہلے ہی نماز پڑھ لے گا۔ ایسا کوئی ضروری حکم تو نہیں ہے کہ اذان کے کچھ وقفہ کے بعد نماز شروع کی جائے یا کہ جیسے ہی اذان ختم ہو نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

ج: گھر میں اکیلے نماز پڑھنا عورتوں کے علاوہ صرف معذور لوگوں کے لئے جائز ہے۔ بغیر عذر کے مسجد کی جماعت کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اگر اس بات کا اطمینان ہو کہ اذان وقت سے پہلے نہیں ہوئی تو گھر میں نماز پڑھنے والا اذان کے فوراً بعد نماز پڑھ سکتا ہے۔ (جیسے عورتیں اور معذور مرد) بلکہ اگر وقت ہو چکا ہو اور اس کو وقت ہو جانے کا پورا اطمینان ہو تو اذان سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے۔ جبکہ اذان وقت ہونے کے کچھ دیر بعد ہوتی ہے۔[3]

حرمین میں نماز عصر:

س: حرمین شریفین میں نماز عصر کی جماعت مثلین سے قبل ہوتی ہے۔ آیا جماعت ترک کر کے مثلین کے بعد نماز اکیلے

---

[1] تحفۂ خواتین ص ۱۱۷ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۱۰۰ [3] ایضاً۔

پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ؟

ج: **((قال فی الشامیۃ۔ وانظر ھل اذا لزم من تأخیرہ العصر الی المثلین فوت الجماعۃ یکون الاولیٰ التاخیر ام لا۔ والظاھر الاول بل یلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام تأمل))**

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۳۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مثلین کے بعد نماز عصر پڑھنا افضل ہے۔ اگر چہ جماعت فوت ہو جائے۔ مگر یہ حکم عام مقامات کے لئے ہے۔ حرمین شریفین کی فضیلت کے پیش نظر وہاں جماعت ترک نہ کی جائے۔ بلکہ مثل ثانی کے اندر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔[1]

ظہر کا وقت گرمیوں میں کیا ہے:

س: گرمیوں میں ظہر کا وقت کتنے بجے ہوتا ہے۔ ہماری مسجد میں سوا دو بجے ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ جیٹھ ساڑھ میں ظہر کی جماعت کتنے بجے ہونی چاہئے؟

ج: جاڑوں اور گرمیوں میں ہر ایک موسم میں ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے اور زوال آفتاب ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہوتا ہے۔ پس ظہر کا وقت ساڑھے بارہ بجے سے ساڑھے تین بجے کے بعد تک رہتا ہے۔ جیٹھ اور ساڑھ میں اور بھی دیر تک رہے گا۔

الحاصل ظہر کا وقت تو ایک بجے سے بھی کچھ پہلے ہی سے ہو جاتا ہے۔ مگر گرمیوں میں حکم دیر میں پڑھنے کا ہے۔ یعنی تاخیر کرنا ظہر کا مستحب ہے۔ دو بجے سے تین بجے تک آج کل (گرمیوں میں) ظہر کا اچھا وقت ہے۔ اڑھائی بجے یا پونے تین بجے یا تین بجے تک سے ریلوے ٹائم سے ظہر پڑھیں تو اچھا وقت ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔[2]

اذانِ مغرب وعشاء میں فاصلہ:

س: اذان مغرب وعشاء میں کس قدر فاصلہ درکار ہے۔ کیا جس جگہ بحساب دھوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کے اذان مغرب ہوتی ہے۔ وہاں اسی گھڑی سے ۸ بجے اذان عشاء ہو کر فرض ادا کر سکتے ہیں؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹہ پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب وعشاء میں ہونا چاہئے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

ج: غروبِ آفتاب کے بعد عشاء کا وقت عند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہو جائے۔ اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹے کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروب آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہو سکتی ہے۔[3]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۵ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۶۵ [3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۴۲

نماز اشراق کا وقت:

س: ہماری مسجد میں اکثر اشراق کی نماز پر جھگڑا ہوتا ہے۔ بعض حضرات سورج نکلنے کے پانچ منٹ بعد نماز پڑھ لیتے ہیں۔ جبکہ بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پورا سورج ۱۵ منٹ میں نکلتا ہے۔ اس لئے پورے ۱۵ منٹ بعد نماز کا وقت ہوتا ہے۔ آپ فرمائیں کہ اشراق کی نماز کا وقت سورج نکلنے کے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟

ج: سورج نکلنے کے بعد جب تک دھوپ زرد ہے نماز مکروہ ہے اور دھوپ کی زردی کا وقت مختلف موسموں میں کم و بیش ہوسکتا ہے۔ عام موسموں میں زردی ۱۵-۲۰ منٹ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اتنا وقت ضروری ہے۔

جو لوگ پانچ منٹ بعد نماز شروع کر دیتے ہیں۔ وہ غلط کرتے ہیں۔ البتہ بعض موسموں میں دس منٹ میں زردی ختم ہو جاتی ہے۔ پس اصل مدار زردی کے ختم ہونے پر ہے۔[1]

زوال کا وقت:

س: نماز پڑھنے کا مکروہ وقت یعنی زوال کے بارے میں مختلف لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔

(۱) زوال صرف ایک دو منٹ کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) زوال بیس یا پچیس منٹ کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا۔ (۴) زوال کے لئے احتیاطاً آٹھ دس منٹ کافی ہیں۔

ج: اوقاتِ نماز کے نقشوں میں جو زوال کا وقت لکھا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد نماز جائز ہے۔ زوال میں تو زیادہ منٹ نہیں لگتے۔ لیکن احتیاطاً نصف النہار سے ۵ منٹ قبل اور ۵ منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہئے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ کے دن استوا کے وقت نماز درست ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی اور احتیاط پر مبنی ہے۔ اس لئے عمل اسی پر ہے۔[2]

نماز کے مکروہ اوقات

صبح صادق کے بعد نفل پڑھنا:

س: صبح صادق کے بعد نوافل یا تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: طلوع صبح صادق کے بعد کوئی نفل نماز سوائے دو سنت صبح کے جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں تحیۃ المسجد کی نفلیں بھی جائز نہیں ہیں۔[3]

صبح صادق کے بعد کوئی نفل سوائے سنت فجر کے یا قضاء نماز کے درست نہیں ہے اور بعد نماز فجر کے سنت صبح بھی

---

[1] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۲ ص ۱۰۲ [2] آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۲ ص ۱۰۴

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ج ۲ ص ۶۹

جائز نہیں اور نہ اور کوئی نفل سوائے قضاء کے پڑھنا اس وقت درست ہے۔ درمختار میں ہے۔

((وکرہ نفل الخ ولو سنة الفجر بعد صلٰوة فجر وصلٰوة عصر الخ ولا یکرہ قضاء فائتة ولو وتراً)).

اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔

((قال فی الشامی والکراهة ههنا تحریمیة ایضا کما صرح به فی الحلیة ولذا قال فی الخانیة والخلاصة بعدم الجواز والمراد عدم الحل لاعدم الصحة کمالا یخفی))[1]

زوال کے وقت نماز جائز نہیں:

س: چاشت وغیرہ کی نماز نفل ۱۲ بجے پڑھنی درست ہے یا نہیں اور اسلامی جنتری میں زوال یا قضاء نماز کا وقت بارہ بجکر ۲۴ منٹ لکھا ہے۔

ج: زوال کے وقت نوافل وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہیے اور نہ ایسے وقت نفل نماز پڑھنی چاہئے کہ زوال کا وقت درمیان نماز میں ہو جائے۔ پس جس گھڑی کے موافق زوال کا وقت ۱۲ بجکر ۲۴ منٹ پر ہے۔ اس کے مطابق اگر ۱۲ بجے نماز نفل یا قضاء نماز اس طرح پڑھے کہ زوال سے پہلے پہلے اس کو ختم کر دے تو یہ جائز ہے۔ مگر جب قریب زوال کا وقت آ جائے اس وقت کوئی نماز شروع نہ کرے تا کہ ایسا نہ ہو کہ درمیان نماز میں زوال کا وقت ہو جائے۔[2]

بوقت طلوع نماز فجر صحیح نہیں:

س: فجر کی نماز عین طلوع آفتاب کے وقت پڑھی گئی تو نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

ج: عین طلوع آفتاب کے وقت نماز شروع کرنے سے نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ نماز صحیح نہیں ہوئی۔[3]

طلوع آفتاب سے قبل اور بعد مکروہ وقت:

س: فجر کی نماز کے بعد جو ۲۰ منٹ مکروہ ہوتے ہیں وہ کون سے ہیں؟ سورج کی پہلی شعاع نکلنے سے پہلے کے ۲۰ منٹ یا جب پہلی شعاع نکل آئے اس وقت سے پورا سورج نکلنے تک ۲۰ منٹ۔ مثال کے طور پر محکمہ موسمیات بتا تا ہے کہ کل چھ بجے سورج نکلے گا۔ تو مکروہ ۲۰ منٹ کون سے ہوں گے۔ پانچ بج کر ۴۰ منٹ سے ٦ بجے تک درمیان کے بیس منٹ یا چھ بجے سے چھ بج کر بیس منٹ تک مکروہ ٹائم ہوگا۔

براہ مہربانی اس سوال کا جواب محکمہ موسمیات کے ٹائم کے حوالے سے ہی دیں کہ صبح صادق اور صبح کاذب کے حوالے سے جواب واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا اور پھر یہ تردد بھی رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے ہمارا اندازہ غلط ہو۔ کیونکہ محکمہ

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۷۰ [2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۹

[3] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۰

موسمیات روزانہ سورج نکلنے کا ٹائم بتاتا ہے۔ اس لئے اگر آپ یہ جواب دے دیں کہ اس کے بنائے ہوئے ٹائم سے فوراً پہلے کے ۲۰ منٹ مکروہ ہوتے ہیں یا فوراً بعد کے تو میرا خیال ہے ہماری ناقص عقل میں بہتر طور پر آ جائے گا۔

ج: نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا درست نہیں۔ قضاء نماز' سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہے۔ پس فجر کی نماز سے لے کر سورج نکلنے تک کا وقت تو مکروہ نہیں البتہ اس وقت نماز نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

جب سورج کا کنارہ طلوع ہو جائے اس وقت سے لے کر سورج کی زردی ختم ہونے تک (قریباً پندرہ بیس منٹ) کا وقت مکروہ ہے۔ اس وقت میں فرض' نفل' سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ سب منع ہیں۔ ہاں قرآن کریم کی تلاوت ذکر و تسبیح درود شریف اس وقت بھی جائز ہے۔

آپ کے سوال کے مطابق اگر محکمۂ موسمیات یہ اعلان کرتا ہے کہ آج سورج چھ بجے نکلے گا تو چھ بجے سے لے کر چھ بیس تک کا وقت مکروہ کہلائے گا۔[1]

غروب کے وقت عصر کی نماز:

س: ایک شخص نے عصر کی نماز کسی خاص وجہ سے وقت پر نہ پڑھی اور سورج غروب ہو رہا ہو۔ (حالانکہ غروب آفتاب کے وقت سجدہ ناجائز ہے) اسی دن کی عصر کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ شخص صاحب ترتیب بھی ہے۔

ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اسی دن کی عصر کی نماز سورج غروب ہونے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی اور سورج غروب ہو گیا تو نماز ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس الجھن سے نجات دلائیں۔

ج: اسی دن کی عصر کی نماز جائز ہے۔ نماز ادا ہو جائے گی خواہ اس دوران سورج غروب ہو جائے۔ مگر تاخیر کرنے کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے۔

((تلك صلوة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا اصفرت وكانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعاً لا يذكر الله فيها الا قيلا)) (رواہ مسلم' مشکوٰۃ ص ۶۰)

ترجمہ: یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہے۔ یہاں تک کہ جب سورج زرد ہو جائے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جائے تو یہ اٹھ کر چار ٹھونگے لگا لے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے مگر کم۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر کبھی وقت تنگ ہو جائے تب بھی نماز فوراً پڑھ لینی چاہئے۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ اب تو وقت بہت کم ہے۔ اب قضا کر کے اگلی نماز کے ساتھ ہی پڑھ لیں گے۔ کیونکہ نماز کا قضا کر دینا بہت بڑا وبال ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۱۰۲

((الذی تفوته صلٰوة العصر فکانما وتر اهله وما له)) (مشکوٰۃ ص۶۰ بروایت بخاری ومسلم)

جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کا گھر بار سب کچھ ہلاک ہوگیا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

((من ترك صلٰوة العصر فقط حبط عمله)) (مشکوٰۃ ص۶۰ بروایت بخاری)

جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا عمل اکارت ہوگیا۔

بہت سے لوگ اس مسئلہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوجائے تو اس کو قضا کر دیتے ہیں۔ خصوصاً مغرب کی نماز میں ذرا اندھیرا ہو جائے تو اس کو قضا کر کے عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھتے ہیں' یہ بڑی سنگین غلطی اور کوتاہی ہے[1]

زوال کے وقت تلاوت ونفل:

س: عین زوال کے وقت یا دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف اور نوافل کا حکم کیا ہے؟

ج: عین زوال کے وقت یا یوں کہئے کہ استواء اور دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف درست ہے اور نوافل امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں ناجائز ہیں اور امام ابو یوسفؒ جائز فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔

((کره تحریما صلٰوة مطلقاً ولو قضاء اوواجبة او نفلاً الخ مع شروق الخ واستواء الایوم الجمعة علی قول الثانی المصحح المعتمد)) (الخ)

((وفی الشامی لکن شراح الهدایة انتصر والقول الامام))

اور احتیاط امام اعظمؒ کے قول میں ہے اور اوسع قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔[2]

اذان کا بیان

عورت کی اذان:

س: کیا شریعت اسلامیہ میں عورت کو اذان دینے کی اجازت ہے؟

ج: مؤذن کا مرد ہونا مسنون ہے۔ اس لئے عورت کی اذان باتفاق روایات مکروہ ہوگی۔ اس لئے کہ اگر عورت بلند آواز سے اذان دے گی تو وہ گنہگار ہوگی اور اگر پست آواز کے ساتھ دے گی۔ تو ''ترکِ سنت'' کی مرتکب ہوگی۔

علاوہ ازیں اسلاف کے زمانے میں عورتوں کی اذان کا رواج نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی اذان نئی چیز (یعنی بدعت) ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دین میں ہر نئی وضع کردہ چیز بدعت ہے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۱۰۶-۱۰۷ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۳

[3] بدائع الصنائع ج ا ص ۱۵۰

درمختار اور ردالمحتار میں ہے۔

عورت اگر چہ عالمہ فاضلہ ہو اس کی اذان مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں عورت کی اذان لوٹائی جائے گی۔[1]

عورتوں کو اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔ خواہ جماعت سے نماز پڑھیں یا تنہا۔[2]

السراج میں ہے عورت کی اذان لوٹائی جائے۔ اگر بغیر لوٹائے نماز پڑھی گئی تو گویا بغیر اذان نماز پڑھی گئی ہے اور اسی کو صاحبِ بحر اور صاحب نہر نے ضرور قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی اذان جائز نہیں۔

عورت کی اذان میں فتنہ کا اندیشہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی اذان مکروہ قرار دی گئی ہے۔[3]

ردالمحتار میں ہے۔

((اما النساء فیکرہ لھن الاذان وکذا الاقامة لما روی عن انسؓ وابن عمرؓ من کراھتھما لھن ولان مبنی حالھن علی الستر ورفع صوتھن حرام))[4]

ترجمہ: اور عورتوں کی اذان مکروہ ہے۔ اسی طرح اقامت کہنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں عورتوں کی اذان اور اقامت کو مکروہ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے پردہ کرنے کی بنا پر آواز بلند کرنا حرام ہے۔

کیا عورتوں کو نماز اذان وا قامت کے بغیر جائز ہے؟

س: عورتیں اگر اپنی جماعت کرائیں۔ یا اپنی الگ الگ نماز پڑھیں تو کیا بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھیں گی؟

ج: عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے۔ اگر عورتیں اپنی جماعت سے نماز پڑھیں (اگر چہ عورتوں کی جماعت جائز نہیں) تو وہ اذان اور اقامت کے بغیر پڑھیں گی اور اگر وہ اذان اور اقامت کہیں تو ان عورتوں کی نماز تو جائز ہو گی۔ مگر گناہ ہو گا۔[5]

عورت بلا اقامت نماز پڑھے:

س: عورت اکیلی نماز پڑھے یا عورتوں کی جماعت ہو تو اس میں اقامت ہے یا نہیں؟

ج: عورت نماز بدوں اقامت پڑھے۔ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا اگر جماعت کریں گی تو اس میں اقامت نہیں۔

((قال فی العلائیة ولا یسن ذلک فیما تصلیه النساء اداء وقضاء ولو جماعة کجماعة صبیان وعبید))

---

[1] درمختار بر حاشیہ ردالمحتار ج ا ص ۲۸۹-۲۹۰ [2] بہشتی گوہر ص ۲۵ مسئلہ نمبر ۳

[3] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۱۰۸ [4] ردالمحتار ج ا ص ۲۸۲ باب الاذان

((وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ وكان الاولىٰ للشارح ان يقول ولو منفردة لان جماعتهن الآن غير مشروعية فتفطن)) (ردالمحتار ج ا ص ۳۶۳)[1]

بوقت اذان خاموش رہنا:

س: اذان کے وقت دنیوی بات کرنا کیسا ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟

ج: بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے۔ لہٰذا بلاضرورت بات نہیں کرنا چاہئے۔

((قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت (قوله لا يرد السلام) قال فى المعراج وفى التحفة وينبغى للسامع ان لا يتكلم ولا يشتغل بشىء فى حالة الاذان والاقامة ولا يرد السلام ايضاً لان الكل يخل بالنظم ١٥))

((اقول يظهر من هذا ان قوله لا يرد السلام ليس للوجوب وانه يتفرع على القولين (وجوب اجابة الاذان وندبها) والا لزم وجوب ذلك فى الاقامة مع ان اصل اجابة الاقامة مستحبةالخ)) (ردالمحتار ج ا ص ۳۷۱)[2]

اذان کا جواب:

س: جولوگ اذان سنیں۔ ان کو اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: اذان کا خاموشی سے سننا اور جواب دینا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب مؤذن کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ تم اس کے جواب میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہو۔

مؤذن کہے۔ اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

جواب دینے والا کہے اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

پھر مؤذن کہے اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

جواب دینے والا کہے۔ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

جب مؤذن کہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ جواب میں کہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ جب مؤذن کہے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ جواب میں کہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

جب مؤذن کہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ جواب دیا جائے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

جب مؤذن کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ جواب دیا جائے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔[3]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۳ [2] احسن الفتاویٰ ج ا ص ۲۸۳ [3] صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۷

عورت بھی اذان کا جواب دے:

س: کیا عورت کو بھی اذان کا جواب دینا جائز ہے اور حالتِ حیض میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنبی اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے اور بعض نے واجب بھی کہا ہے۔ مگر معتمد اور ظاہر مذہب استحباب ہی کا ہے۔[1]

لیکن حائضہ کو اذان کا جواب دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔

((لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلوة وجنازة))[2]

ترجمہ: حیض اور نفاس والی عورت اذان کا جواب نہ دے۔ اسی طرح خطبہ سننے کے دوران، نماز کی حالت میں اور نماز جنازہ پڑھتے ہوئے جواب نہ دیا جائے۔

اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں دے:

س: اگر کسی نے غفلت سے اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا اور اذان ختم ہوگئی ہو تو کیا اب پوری اذان کا جواب دے سکتا ہے؟

ج: اگر اذان کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا تو جواب دینا مندوب ہے۔

((قال فی العلائیة ولو لم یجبه حتی فرغ لم اره وینبغی تدارکه ان قصر الفصل وفی الشامیة (قوله لم اره الخ) البحث لصاحب البحر وصرح به ابن حجر فی شرح المنهاج حیث قال فلوسکت حتی فرغ کل الاذان ثم اجاب قبل فاصل طویل کفی فی اصل سنة الاجابة کما هو ظاهرا)) (رد المختار ج۱ ص۳۶۶)[3]

اقامت کا جواب:

س: اقامت کے کلمات کا جواب دینا مثل اذان کے مستحب ہے یا مؤکدہ ہے۔ لیکن جب امام کو قد قامت الصلوٰۃ پر نیت باندھنے کا حکم ہے۔ تو مقتدی بقیہ کلمات مؤذن کا جواب دے کر شریک جماعت ہوں یا کیا کریں؟

ج: مستحب ہے اور اس مستحب کے اداء کرنے کے لئے علامہ شامی نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بعد ختم اقامت تکبیر تحریمہ کہے۔[4]

متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے؟

س: اگر کئی مسجدوں سے اذان سنائی دے تو کس مسجد کی اذان کا جواب دے؟ کیا صرف اپنے محلّہ کی مسجد کا

---

[1] بہشتی گوہر ص۲۵ مسئلہ نمبر ۹ [2] درمختار ج۱ ص۲۹۲

[3] احسن الفتاویٰ ج۲ ص۲۹۲ [4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ ص۱۰۱

جواب کافی ہے؟

ج: بہتر یہ ہے کہ سب اذانوں کا جواب دے۔ اگر اس میں تکلف ہوتو پہلی اذان کا زیادہ حق ہے۔ اس کا جواب دے۔ خواہ محلّہ کی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ۔

((قال فی العلائیة ولو تکرراجاب الاول وفی الشامیة سواء کان مؤذن مسجده او غیره بحر عن الفتح بحثاً (الی قوله) ویظهر لی اجابة الکل بالقول لتعدد السبب وهو السماع کما اعتمده بعض الشافعیة)) (ردالمحتار ج اص ۳۶۹)[1]

جمعہ کی دوسری اذان کا جواب:

س: جمعہ کے روز منبر کے روبرو جواذان کہی جاتی ہے۔ اس کے جواب دینے کو درمختار نے مکروہ لکھا ہے۔ مگر اس کے حاشیہ ردالمحتار یعنی شامی اور طحاوی وغیرہ فقہاء محققین نے ترجیح دی ہے یا کہ اس کیخلاف جواب دینے کواستحباب ثابت کیا ہے اور ترجیح وتائید جواب دینے کو دی ہے۔

ج: ((اقول لکن فی الشامی باب الجمعة والظاهر ان مثل ذلك یقال ایضاً فی تلقین المرقی لا سنة الاذان الذی بین یدی الخطیب تحصل باذان المرقی فیکون المؤذن مجیباً لاذان المرقی واجابة الاذان حینئذ مکروهة)) (شامی ج اص ۵۵۱)

((وفیه ایضاً وذکر الزیلعی ان الاحوط الانصات فقط))

حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے۔[2]

جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دل میں دے زبان سے نہ دے۔

((وینبغی ان لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الاذان بین یدی الخطیب))

(درمختار علی شامی ج اص ۲۹۴)[3]

اذان ونمازِ مغرب میں وقفہ:

س: عرض خدمتِ عالی میں ہے کہ میں نے ایک مسئلہ جناب سے دریافت کیا تھا۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث شافی جواب حاصل نہ ہوسکا۔ آپ نے فرمایا بھی تھا کہ مسئلہ دیکھ کر بتاؤ سو اس وقت میں نہ دیکھ سکا۔ بعد میں یہاں آ کر وہ مسئلہ ہدایہ اولین میں دیکھا۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرتؒ (حضرت تھانویؒ) کے یہاں مغرب کی نماز میں بعد اذان کے کافی دیر ہوتی ہے۔ نیز مجھے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ہوا تھا۔ مگر دریافت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔

امام اعظم صاحبؒ کا قول وفعل دونوں اسی پر تھا کہ وہ بعد اذان مغرب فوراً اقامت کرتے تھے اور یہ ہدایہ اولین

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۲ [2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج اص ۹۱ [3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۴

باب الاذان میں ذکر کیا گیا ہے۔ (ص ۲۷ مطبوعہ مطبع علیمی دہلی) اور وہ عبارت یوں ہے۔

((ویجلس بین الاذان والاقامة الافی المغرب وهذا عند ابی حنیفةؒ))

اور ہدایہ ص ۴۷ پر ہے۔

(یعقوب) سے یوں روایت ہے۔

((قال یعقوب رأیت ابا حنیفةؒ یؤذن فی المغرب ویقیم ولا یجلس بین الاذان والاقامة))

اوراس سے بھی زیادہ صریح باب المواقیت میں بیان کیا ہے اور وہ قول امام شافعی کا ہے۔

((وقال الشافعیؒ مقدار ما یصلی ثلٰث رکعات لان جبرئیل علیه السلام ام فی یومین فی وقت واحد))

صرف صاحبین خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جلسہ خفیفہ ہونا چاہئے۔ جیسے کہ جمعہ کے دوخطبوں کا کیا جاتا ہے۔ اس کو بھی باب الاذان میں ذکر کیا ہے۔

اب جو کچھ اس کا حاصل ہو اس سے متنبہ فرمائیں۔

میں اس کا جواب اپنے دل میں یوں دیا کرتا تھا کہ شاید یہ مسئلہ کہیں ہو کہ جب امام ایک مسجد میں مقرر ہو اور اس کو کسی وجہ سے مجبوری ہو یا آنے میں دیر ہو۔ تو اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ مگر اس سے تشفی نہ ہوتی تھی۔ سو میں نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جناب سے استفسار کیا امید ہے کہ آپ کے جواب سے کافی تشفی ہو جائے گی۔

ج: روایات مندرجہ سوال سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زائد تاخیر کی کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ سو عمل استحباب پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور مقصود بالبحث کراہت ہے۔ سو درمختار اور ردالمحتار میں اس سے بھی تعرض ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر مادون الرکعتین میں تو کراہت نہیں اور اس سے زائد اشتباک نجوم (ستاروں کا خوب چٹکنا) کے قبیل تک۔

شرح المنیہ کی تحقیق پر مباح اور بعض اقوال پر مکروہ تنزیہی اور اشتباک کے بعد تحریمی۔ روایات یہ ہیں۔

((فی الدرالمختار والمستحب الی قوله وتعجیل مغرب مطلقاً وتاخیره قدر رکعتین یکره تنزیهاً))

فی رد المحتار

((ان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والاقامة بغیر جلسة او سکتة علی الخلاف وان ما فی القنیة من استثناء التاخیر القلیل محمول علی مادون الرکعتین وان الزائد علی القلیل الی اشتباك النجوم مکروه تنزیهاً وبعده تحریماً الا بعذر کمامر))

((قال فی شرح المنیة والذی اقتضته الاخبار کراهة التا خیر الی ظهور النجوم وما قبله

مسکوت عنه فهو علی الاباحة وان کان المستحب التعجیل اه ونحوه ما قد مناه عن الحلیة))

اور عذر میں کراہت بھی نہیں اور یہاں انتظار امام میں تاخیر دو رکعت سے کم ہوتی ہے وہ بھی احیاناً نہ استمراراً واعتیاداً اور اگر مادون سے قدرے زائد بھی فرض کی جائے تو ایک تحقیق پر مباح ہے اور قول کراہت تنزیہی پر عذر نافی کراہت ہے اور عذر کی مثال فقہاء نے اکل وسفر سے دی ہے اور حصر کی کوئی دلیل نہیں اور امام کے لئے وضواور قوم کے لئے انتظار امام راتب خصوص اگر وہ حاضر ہو اکل سے قوی عذر ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تاخیر مغرب کے تین درجہ ہیں۔ ایک درجہ تو دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ دوسرا۔ درجہ بقدر دو رکعت کے یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک۔ یہ درمختار کی روایت کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق میں مباح۔ مگر خلاف مستحب ہے۔ تیسرا درجہ اس میں نجوم ظاہر ہو جائیں۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

تو دس منٹ سے زائد تاخیر کرنا مکروہ بھی نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض روایات کا مقتضی ہے۔ تاہم ترکِ مستحب تو ضرور ہے اور ترکِ مستحب پر بلاضرورت دوام کرنا ایسا فعل ہے کہ بعض فقہاء نے اس پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ کے بعد ہی یہ عبارت ہے۔

((انه الی ما قبل ذلك مكروه تنزيهاً لترك المستحب هو التعجيل))[2]

رمضان میں نمازِ مغرب میں تاخیر:

س: ماہ رمضان میں مغرب کی نماز میں ۵ منٹ تاخیر کرنا اس خیال سے کہ لوگ افطار کر کے جماعت میں شامل ہو جائیں تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

ج: اصل جواب تو یہ ہے کہ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا کہ جس میں دو رکعت ادا کی جا سکیں بالا تفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے۔ عندالبعض بلا کراہت جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ اتنی تاخیر کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔

رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تک تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اور بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا کھانے سے فارغ ہو کر اطمینان وفراغ قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۷ تا ۱۱۹ [2] احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۴ [3] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۸

بوقت اذان تلاوت چھوڑ دے:

س: تلاوت کرتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو تلاوت میں مشغول رہے یا تلاوت چھوڑ کر اذان سنے اور اذان ختم ہونے کے بعد پھر تلاوت کرے؟

ج: مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو اور اس کا جواب دے۔

((نقل العلاء رحمه الله عن النهر معزيا الى المحيط وغيره))

((انه لا يرد السلام ولا يسلم ولا يقراء بل يقطعها ويجيب ولا يشتغل بغير الاجابة))

((وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ))

((فى المعراج وفى التحفة وينبغى للسامع ان لا يتكلم ولا يشتغل بشىء فى حالة الاذان والاقامة ولا يرد السلام ايضاً لان لكل يخل بالنظم اه))

((اقول يظهر من هذا ان قوله لا يرد السلام ليس للوجوب وانه يتفرع على القولين (وجوب اجابة الاذان وندبها) والا لزم وجوب ذلك فى الاقامة مع ان اصل الاقامة مستحبة الخ))[1]

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۱)

ترجمہ: اذان کے دوران کسی کے سلام کا جواب نہ دے اور نہ کسی کو سلام کرے اور نہ ہی قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اگر پہلے سے تلاوت کر رہا ہو تو چھوڑ کر اذان سنے اور اذان کا جواب دے اور جواب دینے کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو۔

اور اذان سننے والے کو چاہئے کہ باتیں نہ کرے اور اذان کے دوران کسی اور کام میں مشغول نہ ہو اور یہی حکم اقامت کا بھی ہے اور نہ سلام کا جواب دے۔ کیونکہ اس طرح اذان کے نظام میں خلل آتا ہے۔

سلام کا جواب نہ دینا وجوبی امر نہیں ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں دو اقوال میں سے ایک قول کی طرف دلالت کرتا ہے کہ جواب دینا واجب ہے یا مستحب۔ اسی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔

درس قرآن کے دوران اذان کا جواب:

س: تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے تو جواب دینا ضروری ہے یا تلاوت جاری رکھے؟

ج: اگر تعلیم و تعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں تو قراءت جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کر رہے ہوں تو تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دیں فارغ ہونے کے بعد تلاوت شروع کریں۔

((ويجيب وجوباً وقال الحلوانى ندبا والواجب الاجابة بالقدم من سمع الاذان ولو جنبا

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۸۔

لاحائضاً ونفساء وسامع خطبة وصلٰوة الجنازة وجماع ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه بخلاف قرآن)) (درمختار)

((قوله بخلاف قرآن لانه لا يفوت جوهرة ولعله لان تكرار القراءة انما هو للاجر فلا يفوت بالاجابة بخلاف التعلم فعلى هذا لو يقرأ تعليماً او تعلماً لا يقطع سائحانى))[1] (شامی ج۱ص۲۹۲)

اذان سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا:

س: اذان سے پہلے ''اعوذ باللہ'' اور اسی طرح ''بسم اللہ'' بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟

ج: فقہاء کرام نے جہاں اذان کے آداب ذکر کئے ہیں۔ وہاں تعوذ وتسمیہ کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ سراً۔ نہ جہراً بلکہ اذان کو ''اللہ اکبر'' سے شروع کر کے ''لا الہ الا اللہ'' پر ختم کیا ہے۔

اگر اس وقت تعوذ وتسمیہ بھی مسنون ہوتے تو فقہاء ضرور ذکر فرماتے۔ نیز اہل بدعت اس کا التزام کرتے ہیں۔ اس لئے بھی درست نہیں۔ کیونکہ رفتہ رفتہ یہ بدعت بن جائے گی۔

((والزيادة فى الأذان مكروه)) (البحر الرائق ج۱ص۲۶۱)

((الاذان خمس عشرة كلمة واخره عندنا لا اله الا الله كذا فى فتاوىٰ قاضى خان وهى الله اكبر الله اكبر)) (عالمگیری ج۱ص۵۵)[2]

اذان کے ساتھ مروجہ صلوٰۃ وسلام:

س: آج کل بعض لوگ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت حنفی بھی کہتے ہیں اور اذان سے پہلے ''صلاۃ وسلام'' بھی پڑھتے ہیں۔ کیا حنفی مذہب میں اس کی گنجائش ہے؟ نیز یہ بھی واضح کریں کہ یہ رسم کس نے جاری کی تھی؟

ج: آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں مروجہ صلاۃ وسلام نہ اذان سے پہلے ہوتا تھا اور نہ بعد میں۔ بلکہ اذان "اللّٰہ اکبر" سے شروع ہوکر "لا الہ الا اللّٰہ" پر ختم ہوتی تھی۔

۷۸۱ھ میں کچھ سرکاری لوگوں نے اسے اذان کے بعد پڑھنا شروع کیا۔ پھر مختلف ادوار میں کسی نہ کسی شکل میں اسے اذان کے ساتھ پڑھتے رہے، اب اذان سے پہلے پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے۔ اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

((والزيادة فى الأذان مكروهة)) (البحر الرائق ج۱ص۲۶۱)

((التسليم بعد الاذان حدث فى ربيع الاخر سنة سبعمائة واحدى وثمانين فى عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فى الكل الا المغرب ثم فيها مرتين ا هـ)) (درمختار)

(قوله ۷۸۱هـ)((كذا فى النهر عن حسن المحاضرة للسيوطى ثم نقل عن القول البديع

---

[1] خیر الفتاویٰ ج۲ص۲۳۰ [2] خیر الفتاویٰ ج۲ص۲۳۲

للسخاوی انه فی ۷۹۱ھ وان ابتداء ہ کان فی ایام سلطان الناصر صلاح الدین بامرہ))[1]

(شامیہ ج۱ص۲۸۷)

اذان تو رسول اللہ ﷺ کے بابرکت زمانہ سے چلی آئی ہے۔ مگر اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ابھی چند برسوں سے شروع ہوا۔ اگر یہ دین کی بات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کی تعلیم فرماتے اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور بزرگانِ دین اس پر عمل کرتے۔

جب سلف صالحین نے اس پر عمل نہیں کیا نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم فرمائی تو اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

تمام اعمال سے مقصودِ رضائے الٰہی ہے اور رضائے الٰہی اس عمل پر مرتب ہوتی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد فرمودہ طریقے کے مطابق ہو۔ البتہ شریعت نے اذان کے بعد درود شریف پڑھنے اور اس کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔[2]

شہادتین پر انگوٹھے چومنا:

س: اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھوں کو بوسہ دینا کیسا ہے۔ جو شخص اس سے منع کرے اس کی اقتداء نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ اور جو انگوٹھوں کو بوسہ نہ دے وہ گنہگار ہے یا نہیں۔ اگر بوسہ دینا مستحب یا سنت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

ج: استحباب انگوٹھا چومنے کی دلیل میں شامی کی یہ عبارت ہے۔

((یستحب ان یقال عند سماع الاولٰی من الشهادتین صلی الله علیك یا رسول الله۔ وعند الثانیة منها قرت عینی بك یا رسول الله۔ ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الا بهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قاعداً له فی الجنة کذافی کنزالعباد وقهستانی ونحوه فی الفتاوٰی الصوفیه وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامیه عند سماع اشهدان محمدا رسول الله ﷺ فی الاذان انا قاعده ومدخله فی صفوف الجنة))

((وتمامه فی حواشی البحر للرملی عن المقاصد الحسنة للسخاوی وذکر ذلك الجراحی والحال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء)) (شامی ج۱ص۲۶۷ باب الاذان)

آخر عبارت شامی سے یہ بھی واضح ہوا کہ کوئی مرفوع حدیث صحیح اس بارہ میں نہیں ہے۔ غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے۔ مگر اس کی شرط یہ ہے کہ اس فعل کو مسنون نہ سمجھے۔ کذافی الردالمختار۔

پس چونکہ بعض عوام کو اس میں غلو ہو گیا۔ اور اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک پر طعن وملامت کرتے ہیں۔ اس

[1] خیر الفتاویٰ ج۲ص۲۲۹ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۱۶۱

لئے محققین علماء اسے ترک کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور وہ شخص گناہ گار نہیں اور اقتداء اس کی درست ہے۔[۱]

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ کہنا مستحب ہے اور بعض روایات اس بارہ میں نقل کی ہیں۔ جو ثابت نہیں ہیں اور قول وفعل رسول اللہ ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔ پس ترک اس کا احوط ہے۔ بوقت اذان جو کلمات منقول ہیں اس کو معمول بہ بنانا چاہئے۔ احداث فی الدین نہ کرے۔ فقط۔

جواب صحیح ہے۔ اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں۔ قطع نظر صحت سند کے۔ اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔

ایک یہ کہ ان روایات میں یہ عمل بطور علاج وحفاظت رمد کے آیا ہے۔ جو ایک دنیوی امر ہے۔ اس میں کوئی فضیلت وغیرہ ثواب نہیں۔ اور اب لوگ اس کو ثواب وتعظیم نبوی کہ امر دینی ہے سمجھ کر کرتے ہیں اور تداوی (علاج معالجہ) عبادت سمجھنا بدعت ہے۔ اس لیے اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔ دوم یہ کہ کرنے والے اس کا التزام عملی واعتقادی کرتے ہیں اور تارک کو مطعون سمجھتے ہیں۔[۲] (فقط کتبہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم)

اذان کے بعد دعا:

س: رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد کون سی دعا تعلیم فرمائی ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس آدمی نے اذان کے بعد یہ دعا پڑھی۔ اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ))[۳]

ترجمہ: اے اللہ! اس اعلان کامل اور قیامت تک قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر سرفراز فرما۔ جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن کی اذان سنو تو تم وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود شریف پڑھو۔ کیونکہ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ (مقام محمود) مانگو۔ کیونکہ وسیلہ ایک ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندہ کو دیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں اور جو کوئی میرے لئے وسیلہ

---

۱ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۰۶ ۔۔۔ ۲ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۲۵

۳ صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۱ ص ۴۱۰

(مقام محمود) طلب کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔[۱]

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اذان کے بعد یہ دعا پڑھنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ کیونکہ حضورِ اقدس ﷺ کی شفاعت اہل ایمان ہی کے لئے ہوگی۔[۲]

اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانا:

س: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

ج: بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا۔ مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ، فعلیہ، مرفوعہ و موقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔[۳]

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ عموماً دعاء میں رفع یدین کا مستحب ہونا اس کے استحباب کو بھی مقتضی ہے۔ مگر معمول نہیں ہے۔[۴]

دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ بدون توظیفِ الفاظ مخصوصہ مطلقاً کوئی حاجت طلب کرنا۔ دوسری یہ کہ الفاظ موظفہ خواہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں یا مطلق ہوں۔ احادیث کے تتبع سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث قسم اول سے متعلق ہیں۔ قسم دوم سے متعلق نہیں۔ **الاما وردفیه النص۔**

چنانچہ بعد وضو، مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلاء میں دخول وخروج، ابتداء سفر و انتہاء سفر، سوار ہوتے وقت، بازار میں دخول، کوئی چیز خریدتے وقت، کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر، عیادت مریض وغیرہ سے متعلق ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفع یدین کا قائل نہیں۔

وقتِ جماع اور وقت انزال سے متعلق دعائیں منقول ہیں۔ ان میں حکم رفع یدین ویسے ہی مستبعد ہے۔ بیوی سے پہلی خلوت میں اور غلام لونڈی یا حیوان کی خرید پر وارد ہے کہ اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے۔

((اللهم انی اسئلك من خيرها وخير ما جبلتها عليه واعوذ بك من شرها وشرما جبلتها عليه))

اس وقت رفع یدین کی بجائے پیشانی کے بال پکڑنے کا حکم ہے بلکہ اس صورت میں رفع یدین ہو ہی نہیں سکتا۔[۵]

---

۱ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶ ۲ مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۱۲۳ ۳ امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۵

۴ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۱۰ ۵ احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۸

ستر پوشی

عورت کو نماز میں کتنا جسم ڈھانپنا ضروری ہے؟

س: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کے وقت ضروری پوشیدہ کپڑا (سینہ بند) ضرور پہنے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ کپڑا یعنی سینہ بند کفن میں بھی شامل ہے جبکہ اکثر جگہوں پر لکھا ہوا ہے کہ ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ تمام جسم ڈھکا ہوا ہونا چاہئے اب آپ فرمایئے کہ کون سی بات درست ہے اور آیا سینہ بند نماز کے وقت ضروری ہے؟

ج: عورت کو نماز میں ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ باقی سارا بدن ڈھکنا ضروری ہے۔ سینہ بند ضروری نہیں۔ جن لوگوں نے سینہ بند کو ضروری کہا انہوں نے غلط کہا۔[1]

ایسے باریک کپڑوں میں جن سے بدن جھلکے، نماز نہیں ہوتی:

س: ہم گرمیوں میں لون اور وائل کے باریک کپڑے پہنتے ہیں اور اسی حال میں نماز بھی پڑھتے ہیں تو کیا ہماری نماز قبول ہو جاتی ہوگی؟ کیونکہ ہماری ایک عزیزہ نے بتایا تھا کہ ان کپڑوں میں نماز قبول نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے جسم جھلکتا ہے۔

ج: جو کپڑے ایسے باریک ہوں کہ ان کے اندر سے بدن نظر آئے ان سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے لئے دوپٹہ موٹا استعمال کرنا چاہئے۔[2]

کھلے قدم عورت کی نماز درست ہے:

س: کتاب صلوٰۃ الرحمٰن میں لکھا ہے کہ نماز کے اندر اگر عورت کے قدم کی چوتھائی کھل جائے تو نماز نہ ہوگی تو عورتوں کو موزے پہن کر نماز پڑھنا چاہئے۔

ج: درمختار میں لکھا ہے کہ معتمد یہ ہے کہ قدمین عورت کے عورت (ستر) نہیں۔ اس کے کھلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا اور یہ جو صلوٰۃ الرحمٰن میں لکھا ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے اور مراد اس سے باطن قدم ہے۔ نہ ظاہر قدم۔[3]

(کذا فی الشامی ج۱ص۴۲۱)

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج۲ص۲۹۷ [2] ایضاً۔

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ج۲ص۱۴۲

پاؤں ڈھانکنا ضروری نہیں:

س: عورت کو سارا بدن ڈھانکنا فرض ہے۔ سوامنہ اور دونوں ہتھیلی اور دونوں پاؤں کے تو نماز میں ظہر ید و بطن رجل (ہاتھ کی پشت اور پاؤں کا تلوا) بھی ڈھانکنا چاہئے۔ اس کے لئے موزے و دستانے پہننے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

ج: دونوں پاؤں کے اور دونوں ہاتھوں کے ظہر و بطن نماز میں ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔[1]

عورت کا ننگے سر یا ننگے بازو کے ساتھ نماز پڑھنا:

س: بعض خواتین نماز کے دوران اپنے بال نہیں ڈھانکتیں۔ دوپٹہ انتہائی باریک استعمال کرتی ہیں یا پھر اتنا مختصر ہوتا ہے کہ کہنیوں سے اوپر بازو بھی ننگے ہوتے ہیں اور ستر پوشی بھی ٹھیک طرح سے ممکن نہیں ہوتی۔ ایسی خواتین سے جب کچھ کہا جائے تو وہ فرماتی ہیں کہ جب بندوں سے پردہ نہیں تو اللہ سے کیا؟ آپ کے خیال سے کیا ایسے نماز ہو جاتی ہے اور اگر ہوتی ہے تو کیسی؟

ج: چہرہ دونوں ہاتھ گٹوں تک اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک' ان تین اعضاء کے علاوہ نماز میں پورا بدن ڈھکنا عورت کے لئے نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ خواتین کا یہ کہنا کہ ''جب بندوں سے پردہ نہیں تو خدا سے کیا پردہ'' بالکل غلط منطق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو کپڑے پہننے کے باوجود آدمی چھپ نہیں سکتا' تو کیا پورے کپڑے اتار کر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جائے گی؟ پھر بندوں سے پردہ نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے جو عورت اس گناہ میں مبتلا ہو اس کے لئے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ نماز میں بھی ستر نہ ڈھانکے؟ الغرض عورتوں کا یہ شبہ' شیطان نے ان کی نمازیں غارت کرنے کے لئے ایجاد کیا ہے۔[2]

بچہ نے ماں کا سر درمیان نماز ننگا کر دیا:

س: چھ ماہ سے لے کر تین سال کی عمر کے بچے کی ماں نماز پڑھ رہی ہے۔ بچہ ماں کے سجدے کی جگہ لیٹ جاتا ہے جب ماں سجدے میں جاتی ہے تو بچہ ماں کے اوپر پیٹھ پر بیٹھ جاتا ہے اور سر سے دوپٹہ اتار دیتا ہے اور بالوں کو بھی بکھیر دیتا ہے۔ کیا اس حالت میں ماں کی نماز ہو جاتی ہے؟

ج: نماز کے دوران سر کھل جائے اور تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر سر کھلتے ہی فوراً ڈھک لیا تو نماز ہو گئی۔[3]

ساڑھی باندھ کر نماز پڑھنا:

س: وہ عورتیں جو اکثر ساڑھی باندھتی ہیں کیا وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتیں؟

ج ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور لباس ایسا پہنیں جس میں بدن نہ کھلتا ہو بیٹھ کر ان کی نماز نہ ہوگی۔ اگر

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۴۲ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹۸ [3] ایضاً۔

بدن پورا ڈھکا ہوا ہو تو نماز ساڑھی میں بھی ہو جائے گی مگر ساڑھی خود ناپسندیدہ لباس ہے۔[1]

ساڑھی میں عورت بیٹھ کر نماز پڑھے:

س: ساڑھی پہننے والی بعض مستورات کا کہنا ہے کہ ''چونکہ ہم ساڑھی پہنتے ہیں اس لئے ہم فرض اور سنت نمازیں بیٹھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں'' کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ ضعیف العمر نہیں نہ ہی بیماری یا معذوری ہے۔

ج: نفل نماز تو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ گو بیٹھ کر پڑھنے کا آدھا ثواب ملے گا لیکن فرض نماز بیٹھ کر نہیں ہوتی کیونکہ قیام نماز کا رکن ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی اور اصول یہ ہے کہ نماز کا رکن فوت ہو جائے تو نماز نہیں ہوتی لہٰذا جو عورتیں فرض نماز بغیر معذوری کے بیٹھ کر پڑھتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوئی ہاں! جسم کا صحیح طریقہ سے ڈھانکنا ضروری شرط ہے چاہے ساڑھی ہو چاہے شلوار پاجامہ۔[2]

نماز میں سینے پر دوپٹہ ہونا اور بانہوں کا چھپانا لازمی ہے:

س: کیا نماز پڑھتے وقت سینے پر دوپٹے کا ہونا اور ہاتھ دوپٹے کے اندر چھپانا لازمی ہے؟

ج: پہنچوں تک ہاتھ کھلے ہوں تو مضائقہ نہیں' سینے پر اوڑھنی ہونی چاہئے۔[3]

سجدہ میں دوپٹہ نیچے آجائے تو بھی نماز ہو جاتی ہے:

س: میرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو نماز پڑھتے ہوئے اگر دوپٹہ سجدہ کی جگہ آجائے تو کیا سجدہ ہو سکتا ہے؟ اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ دوپٹہ کے اوپر ہی سجدہ ہو جاتا ہے۔

ج: کوئی حرج نہیں' نماز صحیح ہے۔[4]

قیام

بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں:

س: بعض جگہ رواج ہے کہ عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں۔ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

ج: (نماز میں قیام کرنا فرض ہے) جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ پس بلا عذر قوی عورتوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی۔[5]

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

س: نماز میں قیام کی حالت میں دونوں پاؤں درمیان کے چار انگشت فرق رکھنا کیسا ہے۔ اگر کم وبیش ہو جائے تو نماز میں

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹۸ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹۹
[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔ [5] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۲۔

کچھ خلل تو نہ ہوگا۔

ج: فقہاء نے لکھا ہے کہ چار انگشت کا فاصلہ پیروں میں بحالت قیام رکھنا بہتر ہے۔ اگر کچھ کم وبیش ہو گیا تو نماز صحیح ہے کچھ کراہت نہیں۔ شامی جلد اول میں ہے۔

((وینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع))[۱]

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں سنت ہے۔[۲]

قیام میں نگاہ کہاں ہو:

س: قیام کی حالت میں نگاہ کس جگہ رکھنی چاہئے؟

ج: آدابِ نماز میں سے ہے کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھیں اور حالتِ رکوع میں پشتِ قدم کی طرف اور سجدہ کی حالت میں ناک کے کنارہ کی طرف اور حالتِ قعود وتشہد میں اپنی گود کی طرف۔ (درمختار ج ۱ ص ۴۴۶)[۳]

نیت کا بیان

کیا زبان سے نیت ضروری ہے:

س: کیا ہر نماز کی نیت اول دل میں اور بعدہ اس کو زبان سے ادا کرنا چاہئے؟ مجھے نیت زبان سے ادا کرنے میں سخت دقت ہوتی ہے۔ اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

ج: اس صورت میں دل میں صرف یہ خیال کر لینا کافی ہے کہ مثلاً یہ نماز ظہر کی ہے اور زبان سے الفاظ نیت ادا کر لینا بھی بہتر ہے اور اگر اس میں کچھ دقت ہو تو اس کو چھوڑ دیجئے۔[۴]

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو مختصر الفاظ کافی ہیں۔[۵]

مروجہ طریقہ سے نیت کا حکم:

س: تکبیر تحریمہ سے قبل نماز کی نیت باندھنا۔ بایں الفاظ کہ دو رکعت یا چار رکعت فرض وقت ظہر یا عصر وغیرہ پیچھے اس امام کے اللہ اکبر۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نیت باندھنے کا صحابہؓ کو حکم دیا ہے اور کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے اس طرح نیت باندھا کرتے تھے؟

ج: دل سے نیت کرنا فرض ہے۔ زبان سے مروجہ طریق کے مطابق نیت کرنا نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب۔ البتہ

---

۱ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۳ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۳ ۳ احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۱

۴ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۲۰۸ ۵ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۴۷

متاخرین نے دونوں کو حاضر کرنے اور جمع کرنے کی بنا پر مستحب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بحث ومنازعت غیر مناسب ہے۔ جو زبان سے نیت کرے اس پر بھی نکیر نہ کی جائے اور جو دل سے نیت کرے وہ بھی سنت کا حامل ہے۔

((والخامس النية (الى قوله) والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان ان خالف القلب لانه كلام لانية الا اذا عجز عن احضاره لهموم اصابته فيكفيه اللسان)) (مجتبٰی)

(((وهو) اى عمل القلب ان يعلم عند الارادة بداية بلا تأمل (اى صلوة يصلى) فلولم يعلم الا بتأمل لم يجز والتلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار وتكون بلفظ الماضى ولو فارسياً لانه الا غلب فى الانشاآت وتصح بالحال قهستانى وقيل سنة يعنى احبه السلف اوسنه علماء نا اذلم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين بل قيل بدعة))

(درمختار علی الشامی ج۱ص۴۰۵)

((قوله بل قيل بدعة) نقله فى الفتح وقال فى الحلية ولعل الاشباه انه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة لان الانسان قد يغلب عليه تفرق خاطره وقد استفاض ظهور العمل به فى كثير من الاعصار فى عامة الامصار فلا جرم انه ذهب فى المبسوط والهداية والكافى الى انه ان فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن فيند فع ما قيل انه يكره)) (شامی ج۱ص۴۰۶)[1]

س: منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے کہنے مستحب ہیں اور دل سے نیت کرنی فرض ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنی بدعت ہے۔

ج: صحیح یہ ہے کہ زبان سے الفاظ نیت کہنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحب ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل میں بھی نیت کرے۔ حنفیہ کا محقق مذہب یہی ہے۔[2]

کیا امام کو مقتدی عورت کی نیت ضروری ہے:

س: ایک عورت جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھے تو امام کو نیت امام عورت ضروری ہے یا نہیں؟

ج: اگر محاذی (برابر) مرد کے نہ کھڑی ہو تو امام کو اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے؟[3]

نیت میں غلطی:

س: اگر غلطی سے نیت کے وقت دوسری نماز کا نام لے لیا مثلاً ظہر کی بجائے عصر کہہ دیا۔ فرض کے بجائے سنت کہہ دیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

---

۱ خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۲ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۴۸ ۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۴۹

ج: نیت دل کا فعل ہے۔ اگر دل میں ارادہ ظہر کی نماز پڑھنے کا ہے۔ مگر غلطی سے ظہر کی جگہ عصر کا وقت زبان سے نکل گیا تو نماز صحیح ہوگی۔[1]

تکبیر تحریمہ

تکبیر تحریمہ عورت کے لئے بھی ضروری ہے:

س: تکبیر تحریمہ عورت کو بوقت نماز کہنا فرض ہے یا نہیں؟

ج: تکبیر تحریمہ عورت اور مرد سب کو کہنا چاہئے۔ اس میں مردوں کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔[2]

تکبیر تحریمہ فرض ہے:

س: تعدیل ارکان کے وقت کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز کیا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیریں فرض ہیں یا واجب یا سنت یا مستحب ہیں؟

ج: تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ باقی تکبیر سنت ہیں۔ اگر نہیں کہہ سکا تو نماز ہو جائے گی۔[3]

ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جانا:

س: بعض لوگ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو نیچے لے جاتے ہیں۔ یعنی نیچے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر باندھتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

ج: ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں۔ بلکہ ہاتھ باندھ لیں۔[4]

تکبیر تحریمہ کے بعد دعائیں:

س: تکبیر تحریمہ کے بعد فرض نماز میں بجائے **سبحانك اللهم** دوسری دعائیں کتب صحاح میں وارد ہیں ان کا پڑھنا فرض نماز میں منفرد کو کیسا ہے؟

ج: حنفیہ نے ان دعاؤں کو نوافل میں پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا نوافل ہی میں ان کو پڑھے۔[5]

پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں:

س: تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کب اٹھانے چاہئیں۔ پہلے یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟

ج: تینوں قول منقول ہیں۔ پہلے کا بھی' بعد کا بھی' ساتھ ساتھ کا بھی۔ لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔[6]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۱۸۶
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۰
[3] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۱۹۲
[4] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۷۳
[5] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۷۴
[6] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۰

خواتین ہاتھ سینہ تک اٹھائیں:

س: نماز میں خواتین تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائیں؟

ج: نماز شروع کرتے وقت مرد کانوں تک اور خواتین سینے تک ہاتھ اٹھائیں۔ حضور ﷺ نے وائل بن حجرؓ سے فرمایا۔

حدیث: ((يا وآئل بن حُجر إذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَكَ حِذَاءَ اُذُنَيْكَ وَالْمَرْاَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا))[1]

ترجمہ: اے وائلؓ! جب تم نماز پڑھنے لگو تو دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھائے۔

حدیث: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء سے سنا کہ ان سے خواتین کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے سینہ تک۔ مزید فرمایا کہ عورت نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں۔ پھر انہوں نے اشارہ کر کے اس بات کو سمجھایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور دونوں کو اچھی طرح اپنے بدن سے ملا کر اشارہ کیا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے۔[2]

حدیث: حضرت عطاء سے روایت ہے کہ عورت صرف اپنے سینے تک ہاتھ اٹھائے۔ اسی طرح حماد سے بھی منقول ہے۔ اسی طرح حفصہ بنت سیرین سے مروی ہے کہ عورت تکبیر کے وقت اپنی چھاتی تک ہاتھ اٹھائے۔[3]

ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

س: عورتیں نماز میں کیسے ہاتھ باندھیں؟

ج: عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں اور سینے پر ہاتھ باندھیں۔ **تضع المرأة الكف على الكف تحت ثديها**۔[4]

عورتوں کا سینہ پر ہاتھ باندھنا:

س: نماز میں عورتوں کو زیر سینہ ہاتھ باندھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

ج: عورتوں کو زیر سینہ ہاتھ باندھنے کی حدیث میری نظر سے نہیں گذری فقہاء نے بلحاظ ستر اسے تجویز کر لیا ہے۔ شرح منیہ میں ہے۔

---

[1] معجم طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۲۰
[2] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۹ جدید ص ۲۷۰
[3] ایضاً۔
[4] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۵

((واما المرأة فانها تضعها تحت ثديها بالاتفاق لانه استرها))

ترجمہ: عورت کو اپنے دونوں ہاتھ پستانوں کے نیچے رکھنا چاہئیں۔ بالاتفاق کیونکہ یہ صورت اس کے لئے زیادہ ساتر ہے۔[1]

اور نماز میں عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔ ملا محمد قاسم سندی فوز الکرام میں لکھتے ہیں۔

''جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے ہاتھ کا سینہ اور زیر ناف رکھنا دونوں ثابت ہیں اور ایسا ہی صحابہ اور تابعین سے مروی ہے اور ان سب کا اس کی عمومیت پر اجماع تھا اور افعال نبی اکرم ﷺ کی اصل غرض عبادت اور تعلیم ہے۔

اور مردوں اور عورتوں کے احکام چند مستثنیٰ چیزوں کے سوا اور سب ایک ہی ہیں اور مراسیل ابوداؤد میں یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰت کا گزر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ پس آپ نے ان سے کہا کہ تم جب سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے بعض حصے کو زمین سے ملا لو۔

بیہقی نے کہا یہ مرسل حدیث اس باب کی دو موصول حدیثوں سے زائد بہتر ہے اور مجتہدین نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ کا یہ حکم اس لئے تھا کہ ایسی صورت عورتوں کے لئے زائد ساتر ہے اور ہمارے علماء کے نزدیک مرد کو ہاتھ ناف کے نیچے اور عورت کو سینے پر باندھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ صورت عورت کے لئے زائد ساتر ہے۔

اور حافظ ابن حجر تخریج احادیث رافعی میں لکھتے ہیں۔

مراسیل ابوداؤد میں یزید بن حبیب سے مروی ہے حضور سرورِ عالم ﷺ کا گزر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے کچھ حصے کو زمین سے ملا دو۔ کیونکہ اس معاملہ میں عورت اور مرد کا حکم ایک نہیں۔[2]

فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ:

س: سورۂ فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھی جائے یا نہ؟

ج: سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اور بعض وجوب کے قائل ہیں اور سورت سے پہلے اگرچہ مسنون نہیں ہے۔ لیکن مکروہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ مستحب اور بہتر ہے۔[3]

خواتین کے سجدہ کا مسنون طریقہ:

س: کیا خواتین مردوں کی طرح سجدہ کریں یا ان کے لئے کوئی علیحدہ حکم ہے؟

ج: خواتین کی عفت وعصمت کی حفاظت کے پیش نظر مردوں کی طرح سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ سمٹ کر سجدہ

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ ج ا ص ۱۹۲ [2] مجموعۃ الفتاویٰ ج ا ص ۲۱۷ [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۸۴

کریں۔تمام اعضاء ملا کر خوب سمٹ کر سجدہ کرنے کا حکم ہے۔

حدیث: یزید بن حبیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو۔ اس لئے کہ سجدہ کرنے میں عورت مرد کی مانند نہیں[1]

حدیث: ((**عن علی قال اذا سجدت المرأة فلتحتفر ولتضم فخذيها**))[2]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو پیٹ سے ملا لے۔

((**عن ابن عباس انه سئل عن صلاة المرأة فقال تجتمع وتحتفر**))[3]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ عورت اکٹھی ہو کر اور سمٹ کر نماز پڑھے۔

حدیث: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مردوں کو حکم دیتے کہ تشہد بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور عورتوں کو حکم دیتے کہ سمٹ کر بیٹھیں۔[4]

کیا عرب عورتیں سجدہ مردوں کی طرح کرتی ہیں؟

س: ہندوستان کی بعض عورتیں جب قومہ سے سجدہ میں جاتی ہیں تو پہلے دونوں پاؤں کو دائیں جانب کھینچ کر بیٹھتی ہیں۔ پھر سجدہ کرتی ہیں۔ بعض علماء اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب کی عورتیں ایسا نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ مردوں کی طرح پاؤں کھڑا اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھتی ہیں۔

ج: احادیث سے عورتوں کے لئے اس صورت کا اختیار کرنا ثابت ہے جو ان کے لئے ستر ہو۔ ''مسند الامام شرح مسند الام'' جو ملا علی قاری کی تصنیف ہے۔ اس میں مذکور ہے۔

''امام ابو حنیفہؒ نے نافع سے انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حضور سرور عالم ﷺ کے زمانے میں عورتیں کس طرح نماز پڑھتی تھیں۔ تو انہوں نے جواب دیا وہ پہلے چارزانو بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں احتفاز یعنی تورک کا حکم دیا گیا اور تورک اعضاء کے ملانے کو کہتے ہیں۔''

اسی وجہ سے فقہاء نے اپنی کتابوں میں فروع کثیرہ ذکر کئے ہیں۔ جن میں مرد شریک نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔

﴿ **لا تنحب القدمين كما ذكره في المجتبىٰ** ﴾

عورتیں پاؤں کھڑا نہ کریں جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

---

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۳ اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۸۳ اوجز المسالک ج ۱ ص ۲۰۲، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۲۲ باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲ طبع جدید۔ [3] ایضاً۔ [4] سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۲

اور جامع الرموز میں ہے۔

((والمرأة تنخفض ای توقع الخفض المعهود فلا تنصب اصابع القدمین ولا تبدی الضبعین))

عورتیں پاؤں کو گرادیں اور پاؤں کی انگلیوں کو کھڑا نہ رکھیں۔

پس ہندوستان کی عورتوں کا پاؤں کو کھڑا نہ کرنا اقوال فقہاء کے موافق ہے۔اس لئے دونوں قعدوں میں تورک کے ساتھ بیٹھنا عورتوں کے لئے مسنون ہے۔

جیسا کہ حموی حاشیہ اشباہ میں ''قولہ و یتورک'' کے تحت لکھتے ہیں۔''ای فی حال جلوسها للتشهد'' یعنی جب تشہد کے لئے بیٹھے تورک کرے۔قومہ اور جلسہ میں نہ کرے۔[1]

کبیری شرح منیہ میں ہے۔

((واما المرأة فانها تنخفض ای تنتظا من وتتسفل فی السجود وتلزق بطنها بفخذيها وتضم ضبعيها وهذا تفسير الانخفاض وذلك لان مبنى امرها على الستر فكان السنة فی حقها ما كان استر من الهيئات))[2]

اور عورت سجدہ میں پست ہو جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے اور بازو سمیٹ لے انخفاض کی یہی تفسیر ہے۔اس حکم کا مقصد عورت کے لئے پردہ داری ہے اور یہی عورت کے حق میں سنت طریقہ ہے اور یہ ہیئت پردہ پوشی کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

((والمرأة تخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذيها لان ذلك استرلها))[3]

ترجمہ: اور عورت اپنے سجدہ میں پست ہو جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے۔کیونکہ ایسا کرنا اس کے حق میں زیادہ پردہ ہے۔

عورت سجدہ اور جلسہ کس طرح کرے:

س: عورت کے لئے سجدہ اور سجدہ کے بعد بیٹھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

ج: عورت کے لئے سجدہ میں پاؤں کھڑا کرنا سنت نہیں ہے۔فتاویٰ شامی میں ہے۔

((انها لا تنصب اصابع القدمین))

پس سجدہ اور جلسہ میں پیروں کو کھڑا نہ کرے اور جلسۂ تشہد وغیرہ میں تورک کرے۔فی الشامی۔وتتورك فی التشهد[4]

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۲ [2] غنیۃ المستملی ص ۳۲۲

[3] ہدایۃ ج ۱ باب سجود [4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۰

عورت سجدہ میں پاؤں کیسے رکھے:

س: عورت کو سجدہ اور جلسہ میں پاؤں کیسے رکھنا چاہئے؟

ج: عورت کے لئے پاؤں کھڑا کرنا سنت نہیں ہے۔ فی الشامی۔

((انها لا تنصب اصابع القدمین))

لہٰذا سجدہ اور جلسہ میں پاؤں کھڑا نہ کرے اور جلسہ تشہد وغیرہ میں تورک کرے۔ فی الشامی "و تتورك فی التشهد" [1]

سجدہ میں پیشانی زمین پر رکھنا:

س: ایک شخص نماز پڑھتے وقت سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر نہیں رکھتا۔ اس غرض سے کہ پیشانی پر داغ نہ پڑ جائے۔ اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟

ج: پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے۔ لہٰذا اس نماز کا لوٹانا لازم ہوگا۔ [2]

بغیر نماز سجدہ کا حکم:

س: شریعتِ مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ خارج نماز میں سجدۂ تلاوت کے سوا اور کسی قسم کا سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز نماز کے بعد سجدہ کی کراہت فقہاء نے لکھی ہے۔ کیا وہ تسبیحاتِ فاطمہؓ کے بعد سجدہ کرنے کو بھی شامل ہے؟

ج: سجدۂ شکر کو اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے مگر مفتی بہ قول پر یہ صرف اس وقت مستحب ہے۔ جب کسی خاص نعمتِ جدیدہ کا ظہور ہو۔ بدوں اس کے مستحب نہیں۔ اگرچہ مکروہ بھی نہیں۔

(۲)- سجدۂ دعا وغیرہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کی عادت نہ بنا لے اور سنت اور مستحب نہ سمجھے اور عوام کے لئے فسادِ عقیدہ کا باعث نہ ہو۔

(۳)- نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے۔ نماز کے بعد کی تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر بھی اس مقام پر سجدہ جائز نہیں۔ کیونکہ

(۱)- حدیث میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی جب تک اس مقام پر رہتا ہے اور کوئی امر نماز کے خلاف نہیں کرتا۔ اس وقت تک گویا وہ نماز میں ہی ہے۔

(۲)- اگر سہواً کوئی نماز کا رکن چھوٹ گیا اور اس حالت میں یاد آ گیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس رکن کو ادا کر کے سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

(۳)- عرف میں بعد التسبیحات کو بھی بعد الصلوٰۃ ہی سمجھا جاتا ہے۔

(۴)- مواضعِ اجابت دعاء میں دعاء بعد الصلوٰۃ بھی ہے اور تسبیحات فاطمہ کے بعد ہونے والی دعاء کو بالاتفاق دعاء بعد

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۱ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۰

الصلوٰۃ ہی شمار کیا جاتا ہے۔

(۵)- علت نہی یعنی خطرہ فسادِ اعتقاد سجدہ بعد التسبیحات میں بھی موجود ہے۔

(۶)- عوام کا معمول جس کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ فرمایا ہے۔ یہ ہے کہ تسبیحات کے بعد سجدہ کرتے ہیں۔ نماز کے بعد فوراً سجدہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گیا (یعنی اکابرین امت کو) غرضیکہ نماز کے بعد جب تک اسی مقام اور ہیئت پر قائم ہے۔ اس وقت تک کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص کبھی خلوت میں نماز کے بعد سجدہ کرے۔ مگر عادت نہ بنائے اور اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے تو جائز ہے۔[۱]

تشہد بیٹھنے کا مسنون طریقہ:

س: عورتوں کے لئے تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

ج: نماز میں تشہد کی حالت میں عورتوں کو مردوں کی طرح ایک پاؤں کھڑا کرنے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر یعنی تورک کر کے بیٹھنے کا حکم ہے۔

حدیث: حضرت خالد بن اللجلاج سے روایت ہے کہ نماز میں عورتوں کو چار زانوں بیٹھنے کا حکم ہوا تھا اور مردوں کی طرح سرین پر بیٹھنے سے منع کیا گیا تھا۔[۲]

ابراہیم کہتے ہیں عورت نماز میں ایک جانب بیٹھے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح چاہے بیٹھے مگر سمٹ کر اکٹھی ہو کر بیٹھے۔[۳]

عورتوں کو تشہد میں تورک مسنون ہے اور اگر مرد کی مثل قعدہ کیا تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔[۴]

((وفی الهداية: وان كانت امرأة جلست على اليتا اليسرى واخرجت رجليها من الجانب الايمن لانه أسترلها))[۵]

ترجمہ: اور اگر عورت ہو تو وہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھے اور اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دے۔

کیونکہ یہ وضع عورت کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

انگشت شہادت اٹھانا:

س: تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے یا نہیں؟

ج: تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھا اور درمیان والی دونوں انگلیوں کے سر کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔[۶]

---

۱ احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۶ ۲ ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۳ باب فی المرأۃ کیف تجلس فی الصلوٰۃ۔ ۳ ایضاً۔

۴ مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۸ ۵ ہدایہ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ۔ ۶ فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۸۱

انگشت شہادت کب اٹھائی جائے:

س: تشہد میں اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے وقت انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ وہ کس وقت اٹھانی چاہئے؟

ج: لا الہ پر انگلی اٹھائی جائے اور الا اللہ پر رکھ دی جائے۔[1]

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

س: بعض عورتیں مردوں کی طرح رکوع وسجدہ وقعدہ کرتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: جو عورتیں مردوں کی طرح رکوع، سجدہ، قعدہ کرتی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ مرد وعورت کی نماز میں چند چیزوں کے اندر فرق ہے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں۔ عورت صرف کندھوں تک۔

کنز الدقائق میں ہے۔

((واذا اراد الدخول فی الصلٰوۃ کبر ورفع یدیہ حذاء اذنیہ)) (کنز مع بحر ج ۱ ص ۳۰۵)

مراقی الفلاح میں ہے۔

(((اذا اراد الرجل الدخول فی الصلٰوۃ) ای صلاۃ کانت (اخرج کفیہ من کمیہ) بخلاف المرأۃ........... (ثم رفعھما حذاء اذنیہ) حتی یحاذی بابھامیہ شحمتی اذنیہ ولا یفرج اصابعہ ولا یضمھا واذا کان بہ عذر یرفع بقدر الامکان والمرأۃ الحرۃ حذو منکبیھا))

(مراقی الفلاح ص ۱۵۲)

(۲) مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور عورت سینہ پر ہاتھ رکھے۔ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دے۔ حلقہ نہ بنائے۔ درمختار میں ہے۔

(((ووضع) الرجل (یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغھا بخنصرہ وابھامہ) ھو المختار وتضع المرأۃ والخنثٰی الکف علی الکف تحت ثدیھا)) (درمختار ج ۱ ص ۴۵۴)

(۳) رکوع کا فرق: مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اور سرین برابر ہو جائیں اور عورت تھوڑا سا جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ پیٹھ سیدھی نہ کرے۔

(۴) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلے رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے اور عورت اپنی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پیٹھ قدرے جھکی ہوئے ہو۔ مردوں کی طرح خوب سیدھی نہ کرے۔

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۸۹

مرد اپنے بازو پہلو سے الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازو پہلو کے ساتھ خوب ملائے۔ اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ملا دے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے۔

(۵) سجدہ کا فرق' مرد سجدہ کی حالت میں پیٹ رانوں سے بازو بغل سے جدا رکھے اور کہنیاں اور کلائی زمین سے علیحدہ (اٹھی ہوئی) رکھے اور عورتیں پیٹ رانوں سے اور بازوؤں کو بغل سے ملا ہوا رکھیں اور کہنیاں اور کلائیاں زمین پر بچھا کر سجدہ کریں۔

نیز مرد سجدہ میں دونوں پاؤں کھڑے رکھ کر انگلیاں قبلہ رخ رکھے۔ عورتیں پاؤں کھڑے نہ کریں۔ بلکہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دیں اور خوب سمٹ کر سجدہ کریں اور دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھیں۔

(۶) جلسہ اور قعدہ کا فرق۔ مرد جلسہ اور قعدہ میں اپنا داہنا پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے' دونوں ہاتھ زانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں قبلہ رخ رکھیں۔ نیچے کی طرف نہ ہو جائیں۔

عورتیں اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھیں۔[۱]

عورتوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

س: یہاں رواج ہے کہ عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں۔ بلا عذر بیٹھ کر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

ج: جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ پس بلا عذر قوی عورتوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی۔[۲]

خاص ایام میں نماز کے بجائے ذکر و تسبیح کرے:

س: نماز پڑھنا سب مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ہم بہت سی لڑکیاں آفس وغیرہ میں کام کرتی ہیں ظہر کی نماز کا وقت آفس کے کام کے دوران ہی ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ پاکیزگی کے دوران تو ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مگر ناغہ کے دنوں میں کیا کریں؟ ایک جاننے والی نے بتایا کہ تب بھی نماز پڑھ لیا کروں (یعنی اسی طرح جائے نماز پر بیٹھ کر ۱۲ رکعتیں پڑھ لیا کروں) میں الجھن میں ہوں' کیا ناغہ کے دنوں میں نماز (ظہر) کی نہ پڑھوں یا پھر جاننے والی کے کہنے پر عمل کروں؟ (اصل میں آفس بہت چھوٹا ہے اور علیحدگی میں جہاں کمرہ بند کر کے بندہ بیٹھ جائے' نماز پڑھنے کی جگہ نہیں)

ج: عورت کو ''خاص ایام'' میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں' اس لئے اس خاتون نے آپ کو جو مسئلہ بتایا وہ قطعاً غلط ہے۔ لیکن خاص ایام میں عورت کے لئے یہ بہتر ہے کہ نماز کے وقت وضو کر کے مصلی پر بیٹھ کر کچھ ذکر تسبیح کر لیا کرے۔[۳]

خواتین کی نماز کی مکمل تشریح:

س: خواتین کی نماز کے بارے میں تفصیل سے بیان کریں' خاص طور سے سجدے کی حالت کیا ہوگی؟

---

[۱] فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۲۲۱ تا ۲۲۴ [۲] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۲

[۳] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۰۱

ج: عورتوں کی نماز بھی مردوں ہی کی طرح ہے البتہ چند امور میں ان کی نسوانیت اور ستر کے پیش نظر ان کے لئے مردوں سے الگ حکم ہے' ذیل میں قیام' رکوع' سجود اور قعدہ کے عنوانات سے ان کے مخصوص مسائل کا ذکر کرتا ہوں۔

قیام:

۱- عورتوں کو قیام میں دونوں پاؤں ملے ہوئے رکھنے چاہئیں یعنی ان میں فاصلہ نہ رکھیں۔ اسی طرح رکوع اور سجدہ میں بھی ٹخنے ملائے رکھیں۔ (جبکہ مردوں کے لئے یہ حکم ہے کہ قیام میں ان کے قدموں کے درمیان چار پانچ انگلیوں کا فاصلہ رہنا چاہئے)۔

۲- عورتوں کو خواہ سردی وغیرہ کا عذر ہو یا نہ ہو' ہر حال میں چادر یا دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے ہاتھ اٹھانے چاہئیں' باہر نہیں نکالنے چاہئیں۔ (جبکہ مردوں کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر انہوں نے چادر اوڑھ رکھی ہو تو تکبیر تحریمہ کے وقت چادر سے باہر نکال کر ہاتھ اٹھائیں)

۳- عورتوں کو صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔ (جبکہ مردوں کو اتنے اٹھانے چاہئیں کہ انگوٹھے' کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں' بلکہ کانوں کی لو کو لگ جائیں)

۴- عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں (جبکہ مردوں کو ناف کے نیچے)

۵- عورتیں ہاتھ باندھتے وقت صرف اپنی داہنی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیں۔ حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہئے۔ (جبکہ مردوں کے لئے یہ حکم ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو گٹے سے پکڑ لیں اور درمیان کی تین انگلیاں کلائی پر سیدھی رکھیں)

رکوع:

۱- رکوع میں عورتوں کو زیادہ جھکنا نہیں چاہئے' بلکہ صرف اس قدر جھکیں کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ (جبکہ مردوں کو یہ حکم ہے کہ اس قدر جھکیں کہ کمر بالکل سیدھی ہو جائے اور سر اور سرین برابر ہو جائیں)

۲- عورتوں کو رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ کئے بغیر (بلکہ ملا کر) رکھنی چاہئیں (جبکہ مردوں کے لئے حکم یہ ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ رکھیں)

۳- عورتیں رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں مگر زیادہ زور نہ دیں۔ (جبکہ مردوں کے لئے حکم ہے کہ ہاتھوں کا گھٹنوں پر خوب زور دے کر رکوع کریں)

۴- رکوع میں عورتیں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھ لیں' مگر گھٹنے کو پکڑے نہ رہیں (جبکہ مردوں کو حکم ہے کہ انگلیوں سے گھٹنوں کو مضبوط پکڑ لیں)

۵- رکوع میں عورتوں کو اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنی چاہئیں۔ یعنی سمٹی ہوئی رہیں۔ (جبکہ مردوں کو حکم

ہے کہ کہنیوں کو پہلوؤں سے الگ رکھیں۔

سجدہ:

۱- سجدہ میں عورتوں کو کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں۔ (جبکہ مردوں کو کہنیاں زمین پر بچھانا مکروہ ہے۔)

۲- عورتوں کو سجدہ میں دونوں پیر انگلیوں کے بل پر کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال کر کولہوں پر بیٹھیں اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کریں۔ سرین اٹھائے ہوئے نہ رکھیں۔ (جبکہ مردوں کو چاہئے کہ سجدہ میں دونوں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑے رکھیں۔ اور سرین پاؤں سے اٹھائے رکھیں)

۳- سجدہ میں عورتوں کا پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہونا چاہئے اور بازو پہلوؤں سے ملے ہوئے ہونے چاہئیں۔ غرضیکہ خوب سمٹ کر سجدہ کریں۔ (جبکہ مردوں کا پیٹ رانوں سے اور بازو پہلوؤں سے الگ رہنے چاہئیں)

قعدہ:

۱- التحیات میں بیٹھتے وقت مردوں کے برخلاف عورتوں کو دونوں پیر داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا چاہئے۔ یعنی سرین زمین پر رہے، پیر کھڑا نہ رکھیں۔ (جبکہ مردوں کے لئے حکم ہے کہ قعدہ میں اپنا داہنا پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں)

۲- عورتیں قعدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھیں (جبکہ مردوں کو چاہئے کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ نہ کھلی رکھیں نہ ملائیں)[1]

عورتوں کی نماز کے دیگر مسائل:

۱- جب کوئی بات نماز میں پیش آئے۔ مثلاً نماز پڑھتے ہوئے کوئی آگے سے گزرے اور اسے روکنا مقصود ہو تو عورت تالی بجائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے۔ (جبکہ مردوں کو ایسی ضرورت کے لئے ''سبحان اللہ'' کہنے کا حکم ہے مگر عورتیں ''سبحان اللہ'' نہ کہیں، بلکہ اوپر لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق تالی بجائیں)

۲- عورت، مردوں کی امامت نہ کرے۔

۳- عورتیں اگر جماعت کرائیں تو جو عورت امام ہو وہ آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو بلکہ صف کے بیچ میں کھڑی ہو۔ (عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ ہے)

۴- فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کا مسجدوں میں جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

۵- عورت اگر جماعت میں شریک ہو تو مردوں اور بچوں سے پچھلی صف میں کھڑی ہو۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶

۶- عورت پر جمعہ فرض نہیں۔ لیکن اگر جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے تو اس کا جمعہ ادا ہو جائے گا اور ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی۔

۷- عورتوں کے ذمہ عیدین کی نماز واجب نہیں۔

۸- عورتوں پر ایام تشریق یعنی فرض نمازوں کے بعد کی تکبیرات تشریق واجب نہیں۔ البتہ اگر کوئی عورت جماعت میں شریک ہوئی ہو تو امام کی متابعت میں اس پر بھی واجب ہے مگر بلند آواز سے تکبیر نہ کہے۔ کیونکہ اس کی آواز بھی ستر ہے۔

۹- عورتوں کو فجر کی نماز جلدی اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے اور تمام نمازیں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔

۱۰- عورتوں کو نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنے کی اجازت نہیں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری' ان کو ہر حال میں آہستہ قراءت کرنی چاہئے۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک چونکہ عورت کی آواز ستر ہے' اس لئے اگر وہ بلند آواز سے قراءت کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۱- عورت اذان نہیں دے سکتی۔

۱۲- عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔ بلکہ اپنے گھر میں اس جگہ' جو نماز کے لئے مخصوص ہو' اعتکاف کرے اور اگر گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مخصوص نہ ہو تو اعتکاف کے لئے کسی جگہ کو مقرر کر لے۔[1]

عورتوں کو اذان سے کتنی دیر بعد نماز پڑھنی چاہئے؟

س: عورتوں کو اذان سے کتنی دیر بعد نماز پڑھنی چاہئے؟ کیونکہ عام طور پر سننے میں آیا ہے کہ پہلے مرد نماز پڑھ کر گھر آ جائیں تو اس کے بعد عورتوں کو پڑھنی چاہئے؟

ج: فجر کی نماز تو عورتوں کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے اور دوسری نمازیں مسجد کی جماعت کے بعد پڑھنا افضل ہے۔[2]

عورتیں جمعہ کے دن نماز کس اذان کے بعد پڑھیں؟

س: جمعہ کی نماز میں دو اذانیں ہوتی ہیں اور چونکہ جمعہ کی نماز عورتوں پر فرض نہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں کو پہلی اذان پر ظہر کی نماز ادا نہیں کرنی چاہئے بلکہ جب مسجدوں میں نماز ختم ہو جائے تو وہ ظہر کی نماز ادا کریں آپ ہمیں اس کا شرعی طور پر حل ضرور بتائیں؟

ج: عورتوں پر ایسی کوئی پابندی نہیں' وقت ہونے کے بعد وہ نماز ظہر پڑھ سکتی ہیں۔[3]

عورت جمعہ کی کتنی رکعات پڑھے؟

س: یہ بتا دیجئے کہ عورتوں کے لئے جمعہ کی نماز میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں؟

ج: عورت اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھے تو اس کے لئے بھی اتنی ہی رکعتیں ہیں جتنی مردوں کے لئے۔ یعنی

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹۹ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

پہلی چار سنتیں، پھر دو فرض، پھر چار سنتیں موکدہ، پھر دو سنتیں غیر مؤکدہ۔ عورتوں پر جمعہ فرض نہیں اس لئے اگر وہ اپنے گھر پر نماز پڑھیں تو عام دنوں کی طرح ظہر کی نماز پڑھیں۔[1]

خواتین کے لئے اذان کا انتظار ضروری نہیں:

س: کیا خواتین گھر پر نماز کا وقت ہو جانے پر اذان سنے بغیر نماز پڑھ سکتی ہیں یا اذان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

ج: وقت ہو جانے کے بعد خواتین کے لئے اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ ان کو اذان کا انتظار ضروری نہیں۔ البتہ اگر وقت کا پتہ نہ چلے تو اذان کا انتظار کریں۔[2]

عورتوں کا چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

س: عورتوں یا لڑکیوں کو چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر باپردہ جگہ ہو تو جائز ہے مگر گھر میں ان کی نماز افضل ہے۔[3]

سنن مؤکدہ

سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ:

س: سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کسے کہتے ہیں؟

ج: جس چیز کی رسول اللہ ﷺ نے اکثر پابندی فرمائی ہو اور جس کے ترک کو لائق ملامت قرار دیا گیا ہو۔ وہ سنت مؤکدہ ہے اور جس کی ترغیب دی گئی ہو۔ مگر اس کے چھوڑنے پر ملامت نہ کی گئی ہو۔ وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اسی کو مستحب اور مندوب بھی کہا جاتا ہے۔[4]

سنت فجر کی قضا:

س: قضا نماز میں صرف فرض پڑھے جاتے ہیں۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز قضا ہو جائے تو اس کی سنتیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سنتیں مؤکدہ ہیں تو پھر ظہر کی بھی مؤکدہ ہیں۔ کیا ان کی بھی قضا پڑھنی چاہئے؟

ج: فجر کی سنتوں کی تاکید بہت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر نماز فجر فوت ہو جائے تو سورج طلوع ہونے کے بعد زوال سے پہلے اس کو سنتوں سمیت پڑھنے کا حکم ہے۔ لیکن اگر زوال سے پہلے نماز فجر قضا نہیں کی۔ تو بعد میں صرف فرض پڑھنے چاہئیں وقت نکل جانے کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی کسی سنت کی قضا نہیں۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۹۹ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۳۷ [5] ایضاً ص ۳۴۰

سنتوں کی آخری رکعتوں میں سورت ملانا:

س: کیا سنتِ مؤکدہ کی آخری دو رکعتوں میں الحمد شریف اور سورت پڑھنا لازمی ہے۔ یا صرف سورۃ بھی پڑھ سکتے ہیں؟

ج: سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ملانا واجب ہے۔ ورنہ نماز نہیں ہوگی اور اگر سورۂ فاتحہ بھول گیا یا سورۃ ملانا بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

صرف فرض نماز ایسی ہے کہ اس کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ پچھلی دو رکعتوں میں قراءت فرض نہیں [1]

نماز جمعہ کی کتنی سنتیں مؤکدہ ہیں:

س: نمازِ جمعہ میں دو رکعت فرض سے پہلے اور بعد میں پڑھی جانے والی سنتوں کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ کیا پہلے کی چار سنت اور بعد میں پڑھی جانے والی چھ (چار اور دو) سنتیں مؤکدہ ہیں؟ اگر کوئی نہ پڑھے تو گنہگار ہوگا؟ ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں فرض کے بعد کی چار سنت پڑھنا ضروری نہیں؟

ج: جمعہ کے بعد کی سنتوں میں اختلاف ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جمعہ کے بعد چھ سنتیں ہیں۔ پہلے چار سنت مؤکدہ اور پھر دو غیر مؤکدہ۔ اگر کوئی شخص ترتیب بدل لے کہ پہلے دو پڑھے پھر چار پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں [2]

سنتیں گھر پر پڑھنا:

س: سنتیں گھر پر پڑھنے کی فضیلت، سنت قبلیہ اور بعدیہ دونوں کے لئے ہے یا نہیں؟

ج: یہ حکم ہر دو سنن کے لئے ہے۔ لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستہ میں یا مکان میں جا کر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہو اور امور دنیوی میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لیں۔ کیونکہ ایسا ثابت ہے۔ [3]

سنت وفرض کے درمیان دنیوی باتیں:

س: کیا ظہر کی مؤکدہ سنتوں اور فرض نماز کے درمیان اور فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اسی طرح مغرب کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان دنیوی باتیں کرنے سے سنتیں فاسد ہو جاتی ہیں؟ یا ان کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے؟ اسی طرح کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟

ج: دنیوی گفتگو سے سنتیں فاسد نہیں ہوتیں۔ لیکن اجر وثواب کم ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ درمختار باب الوتر والنوافل ج ۱ ص ۹۵) میں ہے۔ [4]

سنتوں کی نیت:

س: سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

ج: سنت اور نفل میں مطلق نیت نماز کی بھی کافی ہے اور یقین کرنا کہ سنت فجر ہے یا ظہر اچھا ہے۔ اگر سنت رسول اللہ کہے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ [5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴۴ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۴۵

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۰۷ [4] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۱۳ [5] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۰۶

فجر ومغرب کی سنتوں میں سورۂ کافرون پڑھنا:

س: کیا رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نماز فجر ومغرب کی سنتوں میں پہلی رکعت میں **قل یا یھا الکفرون** اور دوسری رکعت میں **قل ھو اللّٰہ احد** پڑھا کرتے تھے؟ اگر کوئی آدمی اس پر مداومت کرے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

ج: ہمیشہ ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ حدیث شریف یہ آیا ہے کہ سنتوں میں کبھی آپ نے **سورۃ کافرون** اور **قل ھو اللّٰہ احد** پڑھی ہے اور کبھی **قولوا آمنا باللّٰہ الایۃ** اور **قل یاھل الکتاب تعالوا الایۃ** پڑھی ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہی دونوں سورتیں صبح کی سنتوں میں مستحب سمجھ کر پڑھے تو کراہت نہیں ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ دوسری کوئی سورۃ بھی پڑھ لیا کرے۔[1]

سنت مؤکدہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا:

س: سنتِ مؤکدہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

ج: سنن فجر کے علاوہ باقی سنتیں بیٹھ کر پڑھی جائیں تو درست تو ہو جائیں گی۔ مگر اجر میں کمی ہوگی اور فجر کی سنتیں کھڑے ہوکر ہی پڑھی جائیں۔ (درمختار ج اص ۵۱۵)[2]

قبل ظہر سنت چار ہیں یا دو؟

س: حدیث پاک میں ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت سنت اور دو رکعت سنت پڑھنا مذکور ہے۔ چار والی روایت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور دو والی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ جس سے دونوں جائز معلوم ہوتی ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

ج: احناف کے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

((ان النبی ﷺ کان لا یدع اربعاً قبل الظھر ورکعتین قبل الغداۃ)) (بخاری ج اص ۱۵۷)

نیز حضرت علیؓ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت براء بن عازبؓ حضرت عبداللہ بن السائب اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی چار رکعت والی روایات منقول ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے دو نفل مراد ہیں۔

((قال محمد ھذا تطوع وھو حسن)) (مؤطا امام محمد)

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے چار رکعت سنت گھر میں پڑھی ہوں اور دو رکعت گھر کے علاوہ پڑھی ہوں۔

(بذل المجہود ج ۲ ص ۲۵۸)

بعض حضرات نے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی ہے کہ آپ گھر میں چار رکعت پڑھتے تھے تو حضرت

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۱۴ [2] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۸۸

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کو بیان فرما رہی ہیں اور جب آپ مسجد میں جاتے تھے تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے تھے۔ جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت ظہر سمجھا۔[1]

ج: جمعہ کے بعد کی سنتوں میں اختلاف ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جمعہ کے بعد چھ سنتیں ہیں۔ پہلے چار سنت مؤکدہ اور پھر دو غیر مؤکدہ۔ اگر کوئی شخص ترتیب بدل لے کہ پہلے دو پڑھے پھر چار پڑھے۔ تب بھی کوئی حرج نہیں۔[2]

نماز جمعہ کے بعد مرفوع حدیث میں چار رکعات مذکور ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے چھ مروی ہیں۔ لہٰذا چھ پڑھنا افضل ہے۔ پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ۔[3]

سنن جمعہ کی نیت:

س: جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی کہلائیں گی یا ظہر کی۔ زید عالم کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں۔ جمعہ کے صرف دو فرض ہیں۔ شرعاً زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

ج: جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں۔ **قال فی العلائیۃ۔**

((وسنن مؤکدا اربع قبل الظھر واربع قبل الجمعۃ واربع بعدھا بتسلیمۃ))

(ردالمحتار ج۱ ص۶۳۰)

البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ ان میں وقت کی نیت ضروری نہیں۔[4]

سنت کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔ وقت اور رکعات کے تعین کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کوئی کرنا چاہے تو پہلی سنتوں میں ''سنت قبل از جمعہ'' کی اور بعد والی سنتوں میں ''بعد از جمعہ'' کی نیت کر لی جائے۔ جمعہ سے پہلے کی سنتیں رہ جائیں تو ان کو بعد کی سنتوں کے بعد ادا کر لے اور ان میں ''قبل از جمعہ'' کی نیت کرے۔[5]

سنن غیر مؤکدہ

سنن غیر مؤکدہ پڑھنے کا افضل طریقہ:

س: عصر اور عشاء کی سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعا پڑھنا کیسا ہے؟

ج: سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر درود شریف اور دعا پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنا افضل ہے۔

---

۱ خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۸
۲ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴۵
۳ احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸۶
۴ احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸۷
۵ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴۵

((وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولیستفتح ویتعوذ))
(شامی ج۱ص۶۳۳)[1]

س: سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کی چار رکعت کی نیت باندھی۔ تو کیا دو رکعت پر بیٹھ کر درود شریف اور دعا بھی پڑھے گا یا نہیں؟

ج: سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر درود شریف اور دعا پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع میں ثنا پڑھنا افضل ہے۔ سنن مؤکدہ میں درود شریف نہ پڑھے۔ اگر سہواً پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ البتہ جمعہ کے بعد کی سنتوں کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ اس سے سجدۂ سہو نہیں۔ اس لئے کہ یہ چار رکعت اگر چہ مؤکدہ ہیں۔ (مگر چاروں کو ایک سلام سے پڑھنا مؤکد نہیں۔[2] (ردالمحتار ج۱ص۶۳۳)

غیر مؤکدہ سنتوں اور نفلوں کی دو رکعت پر التحیات کے بعد درود شریف اور دعا پڑھنا اور تیسری رکعت میں **سبحانک اللھم** سے شروع کرنا افضل ہے۔ اگر صرف التحیات پڑھ کر اٹھ جائے اور تیسری رکعت الحمد شریف سے شروع کر دے تب بھی کوئی حرج نہیں۔[3]

عشاء سے پہلے چار سنتیں:

س: عشاء سے پہلے چار سنتیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

ج: عشاء سے پہلے چار سنت پڑھنا مستحب اور افضل ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں ہے اور قبل عصر چار رکعت اور قبل عشاء چار رکعت یا دو رکعت مستحب ہیں۔ **لقولہ علیہ السلام بین کل اذانین صلوٰۃ**۔[4]

درمختار میں ہے۔

((ویستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدھا بتسلیمۃ وان شاء رکعتین))

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبل العصر اور قبل العشاء دو یا چار رکعت پڑھنے میں اختیار ہے اور یہ سنن مؤکدہ نہیں ہیں۔ مستحب ہیں۔ چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔ مگر پڑھنے میں ثواب ہے۔[5]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج۲ص۴۸۵ ۲ احسن الفتاویٰ ج۳ص۴۹۰
۳ آپ کے مسائل اور ان کے حل ج۲ص۳۴۴ ۴ فتاویٰ دار العلوم ج۴ص۲۳۵
۵ فتاویٰ دار العلوم ج۴ص۲۳۷

باب الامامت

کیا عورت امام ہوسکتی ہے؟

س: نماز پنجگانہ اور تراویح میں عورتوں کی امام عورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

ج: عورتوں کی امام اگر عورت ہو تو ہر نماز مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

((ویکرہ امامة المرأة للنساء فی الصلوة کلها من الفرائض والنوافل)) [1]

عورت کی اقتداء شوہر کو جائز نہیں:

س: زید کی زوجہ حافظ قرآن ہے۔ اگر رمضان میں اس کا شوہر اور بیٹا اور بیٹیاں اس کی اقتداء میں فرض و تراویح پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ تنہا تراویح پڑھے تو جہر کے ساتھ قراءۃ قرآن درست ہے یا نہیں؟

ج: **((ولا یصح اقتداء رجل بالمرأة وخنثی وصبی مطلقاً))** (درمختار ج۱ ص۵۳۹ باب الامامۃ)

((ویکره جماعة النساء ولو فی التراویح (در مختار ج۱ ص۵۲۸) ولا تجهر فی الجهرية بل لو قیل فی الفساد بجهرها لا مکن بناءً علی ان صوتها عورة))

(شامی ج۱ ص۳۴۹ فصل تالیف الصلوة تحت قوله و تلصق بطنها)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مرد کی نماز عورت کے پیچھے نہیں ہوتی اور تنہا عورتوں کی جماعت بھی مکروہ تحریمی ہے اور عورت تنہا بھی جہر یہ نماز میں جہر نہیں کرسکتی۔ [2]

نامحرم عورتوں کی امامت:

س: زید صرف عورتوں کی امامت کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

ج: عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن پھر بھی فسادِ زمانہ کی وجہ سے احتیاط ضروری ہے۔ [3]

گھر میں عورتوں کے ساتھ جماعت:

س: گھر میں عورتوں کے ساتھ جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بہشتی زیور کے حصہ نمبر ۱۱ میں ہے۔

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج۳ ص۳۰۱ [2] فتاویٰ دار العلوم ج۳ ص۱۵۵ [3] احسن الفتاویٰ ج۳ ص۲۸۴

''مرد کو صرف عورتوں کی امامت ایسی جگہ مکروہ تحریمی ہے جہاں کوئی مرد نہ ہو۔ نہ کوئی محرم عورت مثل ماں بہن کے ہو۔ اگر کوئی مرد یا محرم عورت ہو تو پھر مکروہ نہیں۔''

بعض آدمی ایسی جماعت کو سنت سمجھ کر اپنی بیوی یا محرم کے ساتھ جماعت کر لیں تو ترک جماعت کی وعید سے خلاصی ہو سکتی ہے یا نہ؟ اور اگر گھر میں جماعت سنت ہوتی تو ایک حدیث میں جو اسباب اور گھروں کے جلا دینے کا رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا۔ یہ کیوں تھا۔ الغرض بعض آدمی گھر میں جماعت کو سنت مؤکدہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ تو کیا حکم ہے؟

ج: عورتوں کی جماعت تنہا مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا عورتیں جماعت نہ کریں۔ یعنی اس طرح کہ امام بھی عورت ہو جماعت نہ کریں۔

((ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء الخ کما تکرہ امامۃ الرجل لھن فی بیت لیس معہ رجل غیرہ ولا محرم منہ کاختہ وزوجہ)) (درمختار باب الامامۃ ج۱ص ۵۲۸)

ترجمہ: اس کا وہی ہے جو بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ سے نقل کیا ہے۔ پس یہ بھی صحیح ہے کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے تو ایسا کرنے سے وعید ترک جماعت سے خلاصی ہو سکتی ہے۔

الغرض اصل یہ ہے کہ جماعت میں مسجد میں جا کر شریک ہو۔ اگر کبھی اتفاق سے مسجد میں جماعت نہ ملے۔ گھر پر عورتوں بچوں کو شامل کر کے جماعت کر لے۔ جیسا درمختار میں ہے۔

اور حدیث احراق بیوت سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو بلا عذر گھر پر جماعت نہ کرنی چاہئے بلکہ مسجد میں آئیں اور شریک جماعت ہوں اور اگر کبھی اتفاق سے جماعت نہ ملے تو بصورت مذکورہ گھر میں جماعت کریں۔ یہ نہیں کہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں پر جماعت کرنا سنت ہے۔ ایسا نہیں ہے۔

چنانچہ شامی نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک قوم میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مسجد میں آئے تو جماعت ہو چکی تھی۔ اس وقت آپ نے اپنے مکان پر اہل و عیال کو جمع کر کے نماز با جماعت ادا فرمائی۔ (ردالمحتار باب الامامۃ ا ص ۵۱۸)

اس سے ثابت ہوا کہ گھر پر جماعت کرنا ایسی حالت میں ہے کہ مسجد میں جماعت نہ ملے۔[1]

محرم عورتوں کے ساتھ جماعت کرنا:

س: والدہ، بیوی، بیٹی یا محرم عورت کے ساتھ اگر نماز پڑھی جائے اور مسجد قریب نہ ہو۔ گھر پر جماعت کرائی جائے تو نماز عورتوں سمیت ہماری ہو جائے گی۔ یا پھر عورتوں کو پردہ میں نماز پڑھنی چاہئے؟

ج: اپنی بیوی اور محرم عورتوں کے ساتھ جماعت جائز ہے۔ وہ پیچھے کھڑی ہوں۔ محرم عورت کو پردہ میں کھڑے ہونے

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ ص ۴۳

کی ضرورت نہیں۔[۱]

عورتوں کا کسی گھر میں جمع ہو کر نماز با جماعت ادا کرنا بدترین بدعت ہے:

س: ہمارے محلہ میں کوئی دس پندرہ گھر ہیں۔ جمعہ کے روز سب عورتیں ہمارے گھر میں نماز پڑھتی ہیں ان میں سے ایک خاتون اونچی آواز میں نماز پڑھتی ہیں اور باقی خواتین ان کے پیچھے۔ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ جو خاتون نماز پڑھاتی ہیں ان کے ہاتھ اور پاؤں پر نیل پالش لگی ہوتی ہے اور کچھ خواتین آدھی آستین کی قمیص پہن کر آتی ہیں' ان کے متعلق اسلام کی رو سے بتائیے کہ اس طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج: سوال میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ عورتیں جو نماز پڑھتی ہیں آیا وہ جمعہ کی نماز پڑھتی ہیں یا نفل نماز؟ اگر وہ اپنے خیال میں جمعہ کی نماز پڑھتی ہیں تو ان کی جمعہ کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ جمعہ کی نماز میں امام کا مرد ہونا شرط ہے لہٰذا ان کی جمعہ کی نماز نہ ہوئی۔ (یہ نماز نفلی ہوئی جس کا ذکر آگے آتا ہے) اور ظہر کی نماز ان کے ذمہ رہ گئی۔ اور اگر وہ نفلی نماز پڑھتی ہیں تو عورتوں کا جمع ہو کر اس طرح نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدترین بدعت ہے اور متعدد غلطیوں کا مجموعہ ہے جس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہیں اور نیل پالش اور آدھی آستین والی عورتوں کی تو انفرادی نماز بھی نہیں ہوتی۔[۲]

عورت تراویح کی جماعت نہ کرائے:

س: ایک عورت حافظ قرآن ہے۔ اگر وہ عورت کلام ربانی تراویح کے اندر پڑھنا چاہے تو عورتوں کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج: عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے نہیں کرنی چاہئے۔ درمختار میں ہے۔

((ویکره تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح))

(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار باب الامامة ج۱ ص۵۲۸)[۳]

س: چند عورتیں حافظ قرآن مجید یہ چاہتی ہیں کہ تراویح میں قرآن مجید اپنی جماعت سے ختم کریں۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

ج: عورتوں کی جماعت اس طرح کہ عورت ہی امام ہو مکروہ ہے۔ خواہ تراویح کی جماعت ہو یا غیر تراویح کی سب میں عورت کا امام ہونا عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ (درمختار باب الامامۃ ج۱ص ۵۲۸)[۴]

حافظات کے لئے تراویح کی جماعت:

س: ہمارے یہاں تقریباً ہر رمضان شریف میں عورتوں کی تراویح کا مسئلہ چل نکلتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ ''فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص ۲۶۶ میں ہے کہ عورتوں کی جماعت اسی طرح کہ عورت ہی امام ہو مکروہ ہے۔ خواہ تراویح کی جماعت ہو یا

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۲۲۷
۲ آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۰۵
۳ فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ج ۳ ص ۷۰
۴ فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ج ۴ ص ۲۶۵-۲۶۶

غیر تراویح کی۔ سب میں عورتوں کا امام ہونا عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

اس پر حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔

((ویکرہ تحریما جماعة النساء ولوفی التراویح)) (درمختار)

اسی طرح کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۳۰۰ پر ہے۔

تراویح کی جماعت عورتیں نہ کریں۔

((ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التروایح)) (درمختار ج اص ۴۲۸)

جب فتاویٰ کی یہ عبارتیں دکھائی جاتی ہیں تو ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کے ہاں تراویح اور وتروں کی جماعت عورتیں کراتی ہیں تو ہم کیوں نہ کرائیں۔ کیونکہ ہمارے لئے تو آپ حضرات حجت ہیں۔ اسی لئے اب صورت مسئلہ کی تحقیق وتفصیل کے لئے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ امید ہے بار خاطر نہ ہوگا۔

ج: پہلے زمانہ میں عورتیں مساجد میں آتی تھیں۔ اس کا شریعت نے انسداد کیا۔ یعنی بند کر دیا۔ اسی طرح عورتوں کا جماعت کرانا مردوں کی طرح کہ امام آگے کھڑی ہو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور جب جماعت کرائیں تو امامہ کے وسط میں کھڑے ہونے کو تجویز کیا اور ساتھ ہی اسے مکروہ تنزیہی کہا۔

بعض مواضع میں مکروہ تنزیہی کا مطلب خلاف اولیٰ ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تلاوت کا مہینہ ہے۔ بالخصوص حافظوں کے لئے ضروری ہے۔ اس مصلحت کے لئے اس کو مستحب قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا امامت کرانا ثابت ہے۔ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۲/۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔

قال المرتب حفظه اللّٰه تعالٰی۔

اگر عورتوں کے اس اجتماع سے دینی مفاسد کا اندیشہ ہو تو ترکِ جماعت اولیٰ ہونا چاہئے۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ ۱۵/۴/ ۱۴۰۰ھ۔[1]

عورتوں کا نماز میں جہراً قرآن پڑھنا:

س: عورت حافظ اگر نماز نفل یا تراویح میں قراءت بالجہر مکان کے اندر پڑھے اور اس مکان میں سوائے شوہر و دیگر محارم کے دوسرا شخص نہ ہو۔ تو جہر بالقراءت نماز میں اس کو جائز ہوگا یا نہیں؟ نماز اس کی صحیح ہوگی یا فاسد۔

ج: جو عورت حافظ قرآن ہے نماز میں جہر نہیں کر سکتی۔ اس واسطے کہ کلام عورت عند البعض عورت ہے۔ شامی ہے۔

((وعلی هذا لو قیل اذا جهرت بالقراء ة فی الصلوة فسدت کان متجها))[2]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۳۳-۵۳۴

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۲۱۹-۲۵۳

گھر میں عورتوں کو تراویح پڑھانا:

س: ۱- حافظ قرآن اپنے گھر کی مستورات کو (جن میں محرم اور غیر محرم عورتیں ہوں) قرآن کی تراویح پڑھائے تو کیسا ہے؟

۲- اگر محلّہ کی دس بیس عورتیں بھی اس جماعت میں شریک ہو کر حافظ قرآن سے نماز تراویح میں پورا قرآن سننا چاہیں تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

ج: گھر کا آدمی حافظ قرآن ہو اور وہ گھر میں تراویح پڑھائے اور اس کے پیچھے گھر کی محرم و غیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو جائز ہے۔ محلہ یا بستی میں سے عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت نہیں کہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ اگر اجازت ہوتی تو مسجد سے کیوں روکا جاتا۔ درمختار میں ہے۔

((كما تكره امامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كاخته اوزوجته او امته اما اذا كان معهن او امهن في المسجدلا))

ترجمہ: یہ مکروہ ہے کہ مرد گھر میں عورتوں کی امامت کرائے اور ان عورتوں کے ساتھ نہ کوئی مرد ہو اور نہ امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی عورت ہو۔ جیسے امام کی بہن یا اس کی بیوی۔ مگر جب کوئی مرد ہو یا کوئی محرم عورت ہو تو مکروہ نہیں [1]

عورتوں کی جمعہ اور عیدین میں شرکت:

س: بعض حضرات اس پر زور دیتے ہیں کہ عورتوں کو جمعہ' جماعت اور عیدین میں ضرور شریک کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جمعہ' جماعت اور عیدین میں عورتوں کی شرکت ہوتی تھی۔ بعد میں کون سی شریعت نازل ہوئی کہ عورتوں کو مساجد سے روک دیا گیا؟

ج: جمعہ' جماعت اور عیدین کی نماز عورتوں کے ذمہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا بابرکت زمانہ چونکہ شر وفساد سے خالی تھا۔ ادھر عورتوں کو آنحضرت ﷺ سے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے عورتوں کو مساجد میں حاضری کی اجازت تھی اور اس میں یہ قیود تھیں کہ باپردہ جائیں' میلی کچیلی جائیں' زینت نہ لگائیں' اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

((لا تمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن)) (رواہ ابوداؤد ومشکوۃ ص۹۶)

''اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] فتاوی رحیمیہ ج ۵ ص ۱۴۶

((صلوة المرأة في بيتها افضل من صلوتها في حجرتها' وصلوتها في مخدعها افضل من صلوتها في بيتها)) (رواہ ابوداؤد مشکوۃ ص ۹۶)

''عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا اپنی گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اس کا پچھلے کمرے میں نماز پڑھنا اگلے کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

مسند احمد میں حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔

آپ نے فرمایا:

((قد علمت انك تحبين الصلوة معي وصلاتك في بيتك خير لك من صلاتك في حجر تك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير لك من مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير لك من صلاتك في مسجدي قال فامرت فبنى لها مسجد في اقصى شيء من بيتها واظلمه فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل))

(مسند احمد ص ۳۷۱ ج ۶ و قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح غير عبداللہ بن سوید الانصاری وثقہ ابن حبان مجمع الزوائد ص ۳۴ ج ۲)

ترجمہ: ''مجھے معلوم ہے کہ تم کو میرے ساتھ نماز پڑھنا محبوب ہے مگر تمہارا اپنے گھر کے کمرے میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور احاطے میں نماز پڑھنا اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں (میرے ساتھ) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے یہ ارشاد سن کر اپنے گھر کے لوگوں کو حکم دیا کہ گھر کے سب سے دور اور تاریک ترین کونے میں ان کے لئے نماز کی جگہ بنا دی جائے۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق جگہ بنا دی گئی وہ اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملیں۔

ان احادیث میں عورتوں کے مساجد میں آنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا منشائے مبارک بھی معلوم ہو جاتا ہے اور حضرات صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذوق بھی۔

یہ تو آنحضرت ﷺ کے دور سعادت کی بات تھی۔ لیکن بعد میں جب عورتوں نے ان قیود میں کوتاہی شروع کر دی جن کے ساتھ ان کو مساجد میں جانے کی اجازت دی گئی تو فقہائے امت نے ان کے جانے کو مکروہ قرار دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔

((لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت

نساء بنی اسرائیل)) (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ا صحیح مسلم ص ۱۸۳ ج ا موطا امام مالک ص ۱۸۴)

ترجمہ.....''عورتوں نے جو نئی روش اختراع کر لی ہے اگر رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔''

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ان کے زمانہ کی عورتوں کے بارے میں ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے زمانہ کی عورتوں کا کیا حال ہوگا؟

خلاصہ یہ کہ شریعت نہیں بدلی اور آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو شریعت کے بدلنے کا اختیار نہیں لیکن جن قیود و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی جب عورتوں نے ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس بنا پر فقہائے امت نے جو درحقیقت حکمائے امت ہیں' عورتوں کی مساجد میں حاضری کو مکروہ قرار دیا' گویا یہ چیز اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہے مگر کسی عارضہ کی وجہ سے ممنوع ہوگئی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ وبا کے زمانے میں کوئی طبیب امرود کھانے سے منع کر دے اب اس کے یہ معنی نہیں کہ اس نے شریعت کے حلال و حرام کو تبدیل کر دیا' بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک چیز جو جائز و حلال ہے وہ ایک خاص موسم اور ماحول کے لحاظ سے مضر صحت ہے اسی لئے اس سے منع کیا جاتا ہے۔[1]

عورتوں کی امامت اور مساجد میں حاضری:

س: ۱- کیا کوئی عورت فرائض یا نوافل میں عورتوں کی امامت کر سکتی ہے؟

۲- کیا عورتیں مسجد میں آ کر فرض نماز مرد امام کی اقتداء میں ادا کر سکتی ہیں؟

۳- کیا عورتیں جمعہ اور عیدین مرد امام کے پیچھے ادا کر سکتی ہیں؟

اگر جواب نفی میں ہے تو پھر ان احادیث و آثار کی کیا توجیہ کی جائے گی۔ جن میں بعض ازواج مطہرات کا نوافل میں امامت کرانے اور صحابیات کا نماز کے لئے مساجد اور عیدگاہ میں جانے کا تذکرہ پایا جاتا ہے؟ (المستفتی محمد ثناء اللہ)

ج: ۱- عورت کی امامت خواہ فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں کراہت سے خالی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں۔

((لا خير في جماعة النساء)) (مجمع الزوائد: ۱/۱۰۰)

ترجمہ: عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

((لا تؤم المرأة)) (المدونة: ۱/۸۶)

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۰۱ تا ۳۰۳

ترجمہ: عورت امامت نہ کرائے۔

چنانچہ خیر القرون میں بھی اسی پر عمل رہا اور عورتوں کی اجتماعی نمازوں کے اہتمام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ جزوی طور پر عہد نبوی میں تین خواتین سے متعلق روایتوں میں مذکور ہے کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی تھی۔ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل ہیں۔ مگر یہ محض جزوی واقعات ہیں اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے عام معمول سے ہٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس سے زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ مگر وہ جواز بھی دوسری روایت کی روشنی میں مشروط تھا اور علماء محققین نے اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ روایتیں تعامل امت کے مقابلہ میں اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ بالا روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ بالا روایت مختلف وجوہات سے راجح ہے۔

صاحب اعلاء السنن حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر نفیس بحث فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> جن روایات سے حضرات صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کی امامت ثابت ہے' ان سے عورتوں کی امامت کا فی نفسہ جائز اور مباح ہونا ثابت ہوتا ہے یا انہیں اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت چونکہ عورتوں کو دینی تعلیم اور نماز کا طریقہ سکھانے کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے پیش نظر مذکورہ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے عورتوں کو امامت کرائی تھی جبکہ دوسری طرف خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا روایات جن میں خواتین کی امامت کی ممانعت مذکور ہے اور وہ تمام روایات جن میں خواتین کے لئے تنہا گھر میں نماز پڑھنا افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ان سب روایات سے ایک عمومی حکم ثابت ہوتا ہے کہ تنہا عورت کی امامت مکروہ ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء احناف نے تنہا عورت کی امامت کو مکروہ فرمایا ہے۔

اعلاء السنن کی عربی عبارت یہ ہے:

> **((وايضا وجودجماعتهن فى ذلك العصر كان قليلاً ولم يثبت جماعتهن بطريق العادة لهن مع توفر الدواعي الى نيل فضائلها فكون جماعتهن كالمتروك فى ذلك الزمان دليل علىٰ انهم كانوا لا يستحسنونها وهو المراد بالكراهة وبه يشعر كلام الامام محمد فى كتاب الآثار فذكر اولا اثر عائشة ام المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنها انها كانت تؤم النساء فى شهر رمضان فتقدم وسطا' ثم قال لا يعجبنا ان تؤم المرأة فان فعلت قامت فى وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة وهو قول أبى حنيفة))**

((قال الشیخ: وماروی عن ام ورقة غایتها الاباحة لانیل الفضیلة ولما کان فیه شبهة الکراهة کان الاحتیاط فی الترك لان الشیء اذا ترددبین المندوب والمکروه کان ترك المندوب أولٰی ونظیره تقدم المحرم علی المبیح اذا تعارضا ۱ه))

((قلت: وایضا فان حدیث ا ه عائشة المذکور أول الباب یفید حکماعا ما وقاعدة کلیة وحدیث ام ورقة انما ورد فی امرأة بعینها فأفاد حکما خاصا یتطرق الیه من الاحتمالات مالا یتطرق الی الأوّل فهذ اولٰی))

وفیه ایضاً:

((فان الجمع بینهما ممکن بأن روایتها تدل علی کراهة جماعة النساء وعملها علیٰ نفس الاباحة وکراهة شیء لا تنافی جوازه کما لا یخفی فلعلها أمت النساء احیا نالبیان الجواز أو لتعلیم النساء صفة الصلاة))الخ ۱ھ (اعلاء السنن:۴/ص۲۱۵-۲۱۶)

۲-۳......اس پرفتن زمانہ میں عورتوں کومسجد وعید گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اگر چہ عورتوں کونماز با جماعت کے لئے مسجد میں اورعید کی نماز کے لئے عید گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت تھی۔لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔فتنوں سے محفوظ تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔وحی کا نزول ہوتا تھا۔نئے نئے احکام آتے تھے۔نئے مسلمان تھے۔نماز روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اورسب سے بڑھ کرحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ان وجوبات کی وجہ سے عورتوں کو فی نفسہ مساجد وعید گاہ میں حاضری کی اجازت تھی۔لیکن ان ساری وجوبات کے باوجود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے لئے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کوزیادہ باعثِ فضیلت قرار دیا اور با جماعت نماز پڑھنے کی صورت میں ستائیس نمازوں کا ثواب مسجد نبوی میں ادا کرنے پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی عظیم سعادت کے باوجود عورت کے لئے اس کے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز کومسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بہتر قرار دیا۔چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے۔

((عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: خیر مساجد النساء قعر بیوتهن))

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وقال الحاکم صحیح الاسناد الترغیب والترہیب ۱: ۲۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کا اندرونی حصہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری روایت ہے:

((قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلوۃ المرأۃ فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها۔ وصلاتها فی حجرتها من صلاتها فی دارها۔ وصلاتها فی دار هاخیر من صلاتها فی مسجد قومها)) (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید الترغیب والترہیب:۱/۲۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی وہ نماز جو اس کے کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو‘ اور اس کی وہ نماز جو دالان میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور اس کی وہ نماز جو گھر کے صحن میں ہو۔ اس نماز سے بہتر ہے جو اس کے قبیلہ (محلّہ) کی مسجد میں ہو۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

((ما صلت امرأۃ من صلاۃ احب الی اللّٰه من اشد مکان فی بیتها ظلمة))

(رواہ الطبرانی: الترغیب والترہیب:۱/۲۲۷)

ترجمہ: عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز خدا کے نزدیک وہ ہے جو اس نے اپنے گھر کی بہت ہی تاریک کوٹھڑی میں پڑھی ہو۔

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت ہے۔

((قال رسول اللّٰه ﷺ لا تمنعوا نساء کم المساجد وبیوتهن خیر لهن))

(رواہ ابوداؤد الترغیب والترہیب:۱/۲۲۶)

ترجمہ: اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو۔ مگر ان کا گھر ان کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

((عن النبی ﷺ قال لو لا ما فی البیوت من النساء والذریة اقمت صلاۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار)) (رواہ احمد مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۷)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے نوجوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ بلا عذر جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں میں آگ لگا دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی سزا ان لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے۔ جن کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور وہ اس کے باوجود حاضر نہ ہوتے تھے۔ مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلا دینے کی سزا کی تکمیل میں مانع ہوا‘ عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھیں اور جماعت ان کے حق میں مؤکد نہیں تھی۔ ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں۔

((عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم قال: المرأة عورة' وانها اذا خرجت من بیتها استشرفها الشیطان وانها لا تکون اقرب الی اللّٰہ منها فی قعر بیتها))

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح' الترغیب والترہیب: ۱/ ۲۲۶)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے۔ وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور عورت اپنے گھر کے سب سے اندرونی حصے ہی میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہوتی ہے۔

((عن ام حمید امرأة أبی حمید الساعدی رضی اللّٰہ تعالٰی عنها انها جاء ت الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقالت: یا رسول اللّٰہ! انی احب الصلاة معك قال قد علمت انك تحبین الصلاة معی' وصلاتك فی بیتك خیر من صلاتك فی حجرتك وصلاتك فی حجرتك خیر من صلاتك فی دارك وصلاتك فی دارك خیر من صلاتك فی مسجد قومك وصلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی قال: فامرت فبنی لها مسجد فی اقصٰی شیء من بیتها واظلمه وکانت تصلی فیه حتی لقیت اللّٰہ عزوجل))

(رواہ احمد وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحهما' الترغیب والترہیب: ۱/ ۲۲۵)

ترجمہ: حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو' مگر تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھڑی میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو محلّہ کی مسجد میں ہو' اور تمہاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد میں ہو' چنانچہ (حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے) درخواست کر کے اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا۔ نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں' یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

ان سب روایات سے چند باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں۔

۱- حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی۔

۲- عورتوں کا مسجد میں آنا محض اباحت و رخصت کے درجہ میں تھا نہ کہ تاکید یا فضیلت یا سنت و استحباب کے درجہ میں۔

۳- باوجود اس رخصت و اباحت کے آنحضرت ﷺ کا ارشاد اور تعلیم ان کے لئے یہی تھی کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور اسی کی ترغیب دیتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے۔

۴- حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوق ومحبت کے باوجود آنحضرت ﷺ کی تعلیم وترغیب پر عمل کرنے ہی کی غرض سے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے مسجد نبوی کی نماز چھوڑ دی اور پوری عمر اپنے کمرہ کے اندر پڑھتی رہیں اور یہ عین اتباع اور منشا نبوی کی تکمیل تھی۔

پھر یہ رخصت واباحت بھی ان شرطوں کے ساتھ تھی کہ عورتیں بن سنور کر' لباس فاخرہ زیب تن کر کے' خوشبو لگا کر' بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

((بینما رسول اللہ ﷺ جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من "مزینة" ترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی ﷺ یا ایها الناس انهوا نساء کم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساء هم الزینة وتبخترن فی المساجد))

(ابن ماجہ باب فتنۃ النساء ص ۲۸۸)

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے' اتنے میں قبیلہ ''مزینہ'' کی ایک عورت زیب و زینت کا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی مسجد میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہننے اور مسجد میں اترانے سے روک دو' کیونکہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہننا اور مسجد میں اترانا شروع کر دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

((کانت تحدث عن رسول اللہ ﷺ اذا شهدت احداکن العشاء فلا تطیب تلك اللیلة))

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہو تو اس رات خوشبو نہ لگائے۔ (رواہ مسلم: ۱/۱۸۳)

انہی سے دوسری روایت میں ہے:

((عن النبی ﷺ اذا شهدت احداکن العشاء فلا تمس طیبا)) (رواہ مسلم مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

((ان رسول اللہ ﷺ قال: لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لتخرجن وهن تفلات))

(رواہ ابوداؤد: ۱/۹۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجد میں آنے سے نہ روکو' لیکن وہ ایسی حالت میں جائیں کہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں۔

ان احادیث سے یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود و شرائط کے ساتھ تھی اور فتنہ رونما ہونے سے پہلے تھی۔

پھر اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا کہ نماز ختم ہونے کے بعد مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور اس کے لئے باقاعدہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے تھے تاکہ ایک ساتھ اٹھنے کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم نہ آئے' چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

((ان النساء فی عهد رسول الله ﷺ کن اذا سلمن من المکتوبة قمن وثبت رسول الله ﷺ ومن صلی من الرجال ما شاء الله' فاذا قام رسول الله ﷺ قام الرجال))

(الصحیح للامام البخاری:۱/۱۱۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتی تھیں (اور گھروں کی طرف چلی جاتیں) رسول اللہ ﷺ اور بقیہ نمازی (یعنی صحابہ کرام) بیٹھے رہتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھ جاتے تو لوگ بھی کھڑے ہو جاتے۔

ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

((کان رسول الله ﷺ اذا سلم مکث قلیلا' وکانوا یرون ان ذلك کیما ینفذ النساء قبل الرجال)) (سنن ابی داؤد:۱ص۱۴۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیر لیتے تو تھوڑی دیر ٹھہرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سمجھتے تھے کہ یہ (ٹھہرنا) اس لئے ہوتا تھا تاکہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

((والحدیث فیه انه یستحب للامام مراعاة احوال المامومین والاحتیاط فی الاجتناب ما قد یفضی الی المحذور واجتناب مواقع التهم وکراهة مخالطة الرجال والنساء فی الطرقات فضلا من البیوت ۱ھ)) (فتح الباری:۲/۳۳۶' ویلاحظ ایضا عون المعبود:۳/۲۶۳ وبذل المجهود:۲/۱۵۶)

ترجمہ: از روئے حدیث امام کو مقتدیوں کے حالات کی رعایت کرنا مستحب ہے اور خرابی پیدا ہونے والے امور سے احتیاط کرنی چاہئے اور تہمت کے مواقع سے اجتناب کرنا چاہئے اور (اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ) مردوں اور عورتوں کا راستوں میں بھی اختلاط مکروہ ہے۔ چہ جائیکہ گھروں میں۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں عورتوں کی آزادی اور بے احتیاطی ظاہر ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں۔ چنانچہ

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

((ولایباح للشواب منھن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ نھی الشواب عن الخروج ولان خروجھن الی الجماعۃ سبب الفتنۃ والفتنۃ حرام وما أدی الی الحرام فھو حرام)) (بدائع الصنائع:۱/ ۱۵۷'بیان من یصلح للامامۃ فی الحملۃ)

ترجمہ: جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مباح نہیں۔ اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرما دیا تھا اور اس لئے بھی کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں روایت میں ہے کہ وہ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے' (اور ظاہر ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں ہوتا تھا)

((وکان ابن عمر یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد))

(عمدۃ القاری:۶/ ۱۵۷ب باب خروج النساء الی المساجد)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے کہ اپنے گھروں کو جاؤ' تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں۔

((عن أبی عمرو الشیبانی انہ رأی عبداللّٰہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعۃ ویقول اخرجن الی بیوتکن خیر لکن)) (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد لاباٗس بہ الترغیب والترہیب:۱/ ۲۲۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس فتنہ کو محسوس کیا اور فرمایا:

((لوادرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل))

ترجمہ: اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی میں آپؐ نے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور اس کی فضیلت بیان فرمائی' البتہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی مشروط اجازت تھی۔ لیکن آپ کے زمانے کے بعد ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے حالت بدل گئی اور فتنہ وفساد اور بدنیتی شروع ہو گئی تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہی عورتوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔

اسی وجہ سے علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ اس کے قائل ہیں کہ عورتوں کے لئے اب اجازت نہیں ہے کہ وہ جماعتوں میں حاضر ہوں بلکہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا' لیکن اب ضروری ہو گیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا روایت کے تحت فرماتے ہیں۔

((لو شاهدت عائشة رضى الله تعالٰى عنها ما احدث نساء هذا الزمان من انواع البدع والمنكرات لكانت اشد انكار ولا سيما نساء مصر فان فيهن بدعالا توصف و منكرات لا تمنع الى قوله فانظر الى ما قالت الصديقة رضى الله تعالٰى عنها من قولها لوادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء وليس بين هذا القول و بين وفاة النبى ﷺ الا مدة يسيرة على ان نساء ذلك الزمان ما احدثن جزأ من الف جزء مما احدثت نساء هذا الزمان اھ))

ترجمہ: اس زمانے کی عورتوں نے جو بدعات ومنکرات ایجاد کی ہیں خصوصاً مصر کی عورتوں نے اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار فرماتیں۔

آخر میں فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے جبکہ اس زمانے میں عورتوں نے جو منکرات ایجاد کی تھیں وہ اس زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ منکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھیں۔ (اندازہ لگایئے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ منکرات دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں)۔ (عمدۃ القاری: ۶ / ۱۵۸ باب خروج النساء الی المساجد)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں۔ آج تو پندرھویں صدی ہے۔ اس زمانے کی عورتوں کی بے حیائی و بے احتیاطی کی انتہا ہو چکی ہے۔ پردہ جو قرآنی حکم تھا وہی رخصت ہو رہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آ چکے ہیں۔ ایسے پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ آنے کی اجازت دینا اور حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانے سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

فی الدر المختار۔ (۱/۵۶۶)

((ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان))

وفى البحرا الرائق (۱/۳۵۸)

((ولا يحضرن الجماعات لقوله تعالٰى وقرن فى بيوتكن وقال ﷺ صلاتها فى قعربيتها افضل من صلاتها فى صحن دارها وصلاتها فى صحن دارها افضل من صلاتها فى مسجدها وبيوتهن خيرلهن ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن اطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية قال المصنف فى الكافى والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلاة كلها

لظهور الفساد الخ ۱هـ))

وفی فتح القدیر (۳۱۷/۱)

((ویکره لهن حضور الجماعات واعلم انه صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله، وقوله اذا استأذنت احدكم امرأته الى المسجد فلا يمنعها، والعلماء خصوه بامور منصوص عيها و مقيسه فمن الأول ما صح انه صلى الله عليه وسلم قال ايما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء وكونه ليلافی بعض الطرق فی مسلم: لا تمنعوا النساء من الخروج الى المساجد الا بالليل، والثانی حسن الملابس ومزاحمة الرجال، لأن اخراج الطيب لتحريكه الداعية فلما فقد الآن منهن هذا لا نهن يتكلفن للخروج مالم يكن عليه فی المنزل منعن مطلقا اهـ))

((وفی الهندية (۸۹/۱) والفتوى اليوم على الكراهة فی كل الصلوات لظهور الفساد كذا فی الكافی وهو المختار كذا فی التبيين ۱هـ))

خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں عورتوں کے لئے مسجد کی جماعتوں میں یا عیدگاہ میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے اور جن روایات میں مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی ہے اولاً تو وہ محض اباحت و رخصت کے درجہ میں تھی، ثانیاً یہ کہ وہ آپ ﷺ کے مبارک اور فتنہ سے خالی زمانہ میں تھی، لہٰذا اس پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد و عیدگاہ لانے کے لئے حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانہ سے استدلال کرنا درست نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد یعقوب عفا اللہ عنہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی

۱۴۲۱/۴/۱۶ھ

❀ ❀ ❀

نمازِ وتر

وتر کی نیت:

س: نماز وتر کی نیت میں واجب کی نیت کی جائے یا نہیں؟

ج: علامہ شامیؒ نے اس موقعہ میں لکھا ہے۔

((ای انه لا یلزمه تعیین الواجب لامنعه من ذلك))

پس معلوم ہوا کہ نیت وجوب منع نہیں ہے اور حنفی کا اعتقاد وجوب کا ہے۔ لہٰذا اس کو نیت وجوب کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر نیت مطلق وتر کی کرے تب بھی نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔[1]

وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنا:

س: وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنا کیسا ہے؟

ج: وتر کی نیت میں یہ کہنا چاہئے کہ "نیت کرتا ہوں میں نماز وتر کی" اور اگر واجب اللیل بھی کہہ دے تو کچھ حرج نہیں۔[2] وتر کو واجب کہنا چاہئے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ لہٰذا نیت وتر کے وقت واجب کا لفظ کہنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اگر نہ کہا جائے تب بھی واجب ہے۔ وتر ادا ہو جائیں گے۔[3]

وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ:

س: نماز وتر ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: وتر کی تینوں رکعات واجب ہیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سبحانک اللھم اور الحمد و سورت پڑھیں۔ دوسری رکعت میں صرف الحمد اور سورۃ پڑھیں۔ پھر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے اٹھیں۔ تیسری رکعت میں الحمد اور سورۃ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور دعاء قنوت پڑھیں۔ پھر رکوع میں جائیں اور نماز پوری کرلیں۔[4]

جسے قنوت یاد نہ ہو:

س: جس شخص کو دعائے قنوت یاد نہ ہو۔ اس کو بجائے دعائے قنوت کے سورۂ اخلاص پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نماز ہو

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۵۵
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۶۰
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۲ ص ۱۶۳
[4] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۱۰

جاتی ہے یا نہیں؟

ج: شامی میں ہے کہ جس کو دعائے قنوت نہ آتی ہو تو وہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة الایة پڑھے اور فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں۔ اللھم اغفرلی تین بار پڑھے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یارب تین بار کہے۔ کذافی الذخیرہ۔

(شامی ج ۱ ص ۶۲۴)

چونکہ یہ محل دعاء کا ہے لہٰذا سورۂ اخلاص اس کے قائم مقام نہ ہوگی۔ مگر نماز ہو جاتی ہے۔

جو امام نمازِ وتر دو رکعت ایک سلام سے پڑھے:

س: یہاں دوبئی میں نماز وتر پڑھنے کا طرز اماموں کا کئی طرح ہے۔ بعض ہماری طرح تین رکعت پڑھتے ہیں۔ بعض دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر ایک رکعت بعد میں پڑھتے ہیں۔ پاکستانی اور انڈین امام تین وتر پڑھتے ہیں۔ مقامی اور مصری ائمہ ایک رکعت الگ پڑھتے ہیں۔ تو کیا ہم ان کی اقتداء کر سکتے ہیں؟ اور جب ان کی اقتداء کریں تو ہم سلام پھیریں یا نہ پھیریں؟

ج: جو ائمہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑھتے ہوں۔ ان کی اقتداء میں وتر نہ پڑھا کریں۔ ایسی صورت میں اگر اپنے ساتھی موجود ہوں اور کسی طرح نامناسب نہ ہو تو الگ جماعت کرا لیا کریں۔ ورنہ اکیلے اکیلے حسب معمول وتر پڑھ لیا کریں۔

مسائل وتر

نماز وتر پڑھنے کا طریقہ:

س: وتر کی نماز میں دو رکعات پر تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھنا اور آخری یعنی تیسری رکعت میں فاتحہ اور سورت کی تلاوت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا اور پھر نیت باندھ کر قنوت پڑھنا کس دلیل سے ثابت ہے واضح فرمائیں جب کہ حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے تین، پانچ یا سات رکعات وتر پڑھے تو تشہد کے لئے دو رکعات پر نہ بیٹھے۔ بلکہ آخری رکعت پر ہی صرف بیٹھتے تھے۔ ان ہی سے ایک رکعت وتر بھی ثابت ہے اسی ضمن میں وضاحت مطلوب ہے کہ قنوت دونوں ہاتھ دعا کی طرح اٹھا کر پڑھیں یا ہاتھ باندھ کر پڑھیں۔ احادیث نبوی سے کوئی ثبوت دے کر آگاہ فرمائیں۔

ج: یہ سوال وتر سے متعلق چند مسائل پر مشتمل ہے۔

۱- آنحضرت ﷺ وتر کی تین ہی رکعتیں پڑھتے تھے۔ یا ایک، پانچ، سات بھی؟

۲- وتر کی دو رکعتوں پر قعدہ بھی فرماتے تھے یا نہیں۔

۳- قنوت وتر کے لئے تکبیر اور رفع یدین؟

ل فتاویٰ دارالعلوم ج ۴ ص ۱۶۴

۴- قنوت وتر ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے یا باندھ کر؟

ان مسائل کو ترتیب وار لکھتا ہوں۔ واللہ الموفق۔

وتر کی رکعات:

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک وتر کی تین رکعات کا تھا۔ ایک رکعت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور جن روایات میں پانچ، سات یا نو رکعتوں کا ذکر ہے۔ ان میں بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہوتی تھیں۔ راوی نے ماقبل یا مابعد کی رکعات کو ان کے ساتھ ملا کر مجموعہ کو ''وتر'' کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔

تین رکعت کے معمول کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

(۱)- ((عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا كَیْفَ كَانَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ؟ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا))

(صحیح بخاری ص ۱۵۴ ج ۱، صحیح مسلم ص ۲۵۴ ج ۱ نسائی ص ۲۴۸ ج ۱ ابوداؤد ص ۱۸۹ ج ۱ مسند احمد ص ۳۶ ج ۶)

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان مبارک میں آنحضرت ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے پس کچھ نہ پوچھو وہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں۔ پھر چار رکعتیں اور پڑھتے۔ پس کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعتیں (وتر کی) پڑھتے تھے۔

(۲)- ((عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا یُسَلِّمُ فِیْ رَكْعَتَیِ الْوِتْرِ)) (نسائی ص ۲۴۸ ج ۱ موطا امام محمد صفحہ ۱۵۱)

ترجمہ: سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

۳- امام حاکم نے مستدرک ص ۳۰۴ ج ۱ میں سعد بن ہشام کی روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُسَلِّمُ فِی الرَّكْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الْوِتْرِ))

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

امام حاکم اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

((هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ)) (صفحہ مذکور)

ترجمہ: یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

علامہ ذہبی تلخیص مستدرک میں حاکم کی تصحیح کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

((عَلٰى شَرْطِهِمَا))

ترجمہ: یہ حدیث صحیحین کی شرط پر ہے۔

۴- امام حاکم نے سعد بن ہشام کی یہی روایت ایک اور سند سے نقل فرمائی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّافِىْ آخِرِهِنَّ وَهٰذَا وِتْرُاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهُ اَخَذَهُ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ))

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح وتر پڑھتے تھے اور انہی سے اہل مدینہ نے اخذ کیا۔

۵- مسند احمد ص ۱۵۶ ج ۶ میں سعد بن ہشام کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ دَخَلَ الْمَنْزِلُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ اَطْوَلَ مِنْهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لَايَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ يَرْكَعُ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَسْجُدُ وَهُوَ جَالِسٌ))

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِىْ قَيْسٍ قَالَ سَئَلْتُ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ بِاَرْبَعٍ وَّثَلَاثٍ وَّسِتٍّ وَّثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَّثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةً وَلَا اَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ)) (ابوداؤد ص ۱۹۳ ج ۱ طحاوی ص ۱۳۹ ج ۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز عشا سے فارغ ہوتے تو گھر میں تشریف لاتے۔ پھر دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر ان کے بعد دو رکعتیں ان سے طویل پڑھتے۔ پھر تین وتر پڑھتے۔ ان کے بعد درمیان میں فصل نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ جن میں بیٹھ کر رکوع وسجود کرتے۔

عبداللہ بن ابی قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھا کرتے تھے فرمایا رسول اللہ ﷺ وتر پڑھا کرتے تھے چار اور تین کے ساتھ چھ اور تین کے ساتھ اور آٹھ اور تین کے ساتھ آپؐ کی وتر کی رکعتیں تیرہ سے زیادہ اور سات سے کم نہیں ہوتی تھیں۔

یہاں وتر سے مراد مجموعی طور پر نماز تہجد ہے۔ تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں اور باقی تہجد کی۔

۷- ((عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِاَىِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَااَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ))

ترجمہ: عبدالعزیز بن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کن سورتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ دوسری میں قل یاایہا الکفرون اور تیسری میں قل ہواللہ احد اور معوذتین پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۸) ((عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ رَوَاهُ ثِقَاتٌ عَنْهُ وَهُوَ عَلٰى شَرْطٍ)) (خ۔م مستدرک حاکم ص۳۰۵ ج۱)

(۹) ((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَنَّ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَاسْتَنَّ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى صَلّٰى سِتًّا ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ)) (صحیح مسلم ص۲۶۱ ج انسائی ص۲۴۹ ج او اللفظ لہ)

(۱۰) ((عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رسول اللّٰه ﷺ يصلى من الليل ثمان ركعات ويوتر بثلاث ويصلى ركعتين قبل صلوة الفجر))

(نسائی ص۲۴۹ ج۱، اللفظ لہ طحاوی ص۱۴۰ ج۱)

(۱۱) ((عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ))

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ۔ دوسری رکعت میں قل یا ایها الکفرون تیسری میں قل هو الله احد قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس پڑھا کرتے تھے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے...... علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ

ہیں اور یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے والد سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو اٹھے۔ پس مسواک کی۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سو گئے' پھر اٹھے مسواک کی پھر وضو کیا پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ یہاں تک کہ چھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر تین وتر پڑھے۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھا کرتے تھے پہلی رکعت میں **سبح اسم ربك الاعلى**۔ دوسری میں **قل یایها الکفرون**۔ اور تیسری میں **قل هو الله احد** پڑھا کرتے تھے۔

(سنن دارمی ص ۳۱۱ ج ا طبع ملتان حدیث نمبر ۱۵۹۷ ترمذی ص ۶۱ ج ا نسائی ص ۲۴۹ ج ا ابن ماجہ ص ۸۳ طحاوی ص ۱۴۰ ابن ابی شیبہ ص ۲۹۹ ج المحلی ابن حزم ص ۵۱ ج ۲)

نصب الرایہ ص ۱۱۹ ج ۲ میں ہے کہ امام نوویؒ نے خلاصہ میں اس کو باسناد صحیح کہا ہے۔ وتر کی تین رکعتوں میں تین سورتیں پڑھنے کی احادیث حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہیں۔

۱- حضرت عبدالرحمن بن ابزیؓ۔ (نسائی ۲۵۱ ج ا طحاوی ص ۱۴۳ ج ا ابن ابی شیبہ ص ۲۹۸ ج ۲ عبدالرزاق ص ۲۳ ج ۲)

۲- حضرت ابی بن کعبؓ۔ (نسائی ص ۲۴۸ ج ا ابن ابی شیبہ ص ۳۰۰ ج ۲)

۳- حضرت علیؓ۔ (ترمذی ص ۶۱ ج ا عبدالرزاق ص ۳۴ ج ۳ طحاوی ۱۴۲ ج ۱)

۴- حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

۵- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

۶- حضرت نعمان بن بشیرؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

۷- حضرت ابو ہریرہؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

۸- ابن عمرؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

۹- عمران بن حصینؓ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

(طحاوی ابن ابی شیبہ ص ۲۹۸ ج ۲ مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲ کنز العمال ص ۱۹۶ ج ۱)

۱۰- ابوخیثمہؒ عن ابیہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱ ج ۲)

معارف السنن (ص ۲۲۲ ج ۴ و ۲۲۶ ج ۴) میں حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما کا بھی حوالہ دیا ہے۔

(۱۲)- ((عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَو ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَيْفَ كَانَ

صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ فَقَالَا ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً ثَمَانٍ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ)) (طحاوی صفحہ ۱۳۶ ج۱)

(۱۳)- ((عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِیْ قَالَ قَالَ لِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ یَاثَابِتُ خُذْعَنِّیْ فَاِنَّكَ لَنْ تَاخُذَ عَنْ اَحَدٍاَوْثَقَ مِنِّیْ اِنِّیْ اَخَذْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ جِبْرِیْلَ وَاَخَذَ جِبْرِیْلُ عَنِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ ثُمَّ صَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ ثُمَّ صَلّٰی سِتَّ رَکْعَاتٍ یُسَلِّمُ بَیْنَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ اَوْتَرَبِثَلَاثٍ یُسَلِّمُ فِیْ اٰخِرِھِنَّ رَوَاہُ الرویانی وَابْنُ عَسَاکِرَ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ))(کنز العمال ص۱۹۶ ج۴)

(۱٤)- ((اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّیْ مَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اِلٰی صَلٰوۃِ الصُّبْحِ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً ثَمَانَ رَکْعَاتٍ تَطَوُّعاً وَثَلٰثَ رَکْعَاتِ الْوِتْرِ وَرَکْعَتَیِ الْفَجْرِ)) (مؤطا امام محمد ص۱۴۹)

(۱۲)- ترجمہ: امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز کا کیا معمول تھا؟ دونوں نے فرمایا کہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آٹھ تہجد کی تین وتر کی اور دو رکعتیں صبح صادق کے بعد۔

(۱۳)- حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے ثابت! مجھ سے سیکھ لو تم مجھ سے زیادہ قابل اعتماد آدمی سے حاصل نہیں کرسکو گے۔ میں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اور جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے۔ پھر انہوں نے میرے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر چھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر تین وتر پڑھ کر ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(۱۴)- امام ابو حنیفہؒ امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز عشاء اور نماز فجر کے مابین تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ آٹھ نفل تین رکعات وتر اور دو رکعت سنت فجر۔

ان احادیث سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

الف: آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تین وتر کا تھا۔

ب: یہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جاتی تھیں۔

ج: ان تین رکعتوں میں خاص خاص سورتوں کی تلاوت کا معمول تھا۔

اب اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)-((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاث وَاَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ اَوْسَبْعٍ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ))(طحاوی ص۱۴۳ ج ۱ دار قطنی ص ۱۷۱)

((وَقَالَ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ)) (مستدرک حاکم ص ۳۰۴ ج ۱)

((وَقَالَ صَحِیْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ))

(۲)-((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ النَّهَارِ فَاَوْتِرُوْا صَلٰوةَ اللَّیْلِ)) (عبدالرزاق ص ۲۸ ج ۳)

((وَلِاَحْمَد عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ اَوْتَرَتْ صَلٰوةَ النَّهَارِ فَاَوْتِرُوْا صَلٰوةَ اللَّیْلِ))

((قَالَ الْعِرَاقِیُّ سَنَدُهٗ صَحِیْحٌ))

(۳)-((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرُ ثَلَاثٌ كَثَلَاثِ الْمَغْرِبِ))

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف تین رکعت وتر نہ پڑھا کرو بلکہ پانچ یا سات رکعت پڑھا کرو اور نماز مغرب کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز مغرب دن کے وتر ہیں۔ پس رات کی نماز کو وتر بنایا کرو۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز مغرب نے دن کی نمازوں کو وتر بنا دیا۔ پس رات کی نماز کو بھی وتر بنایا کر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔

(۴)- ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وِتْرُ اللَّیْلِ ثَلٰثٌ كَوَتْرِ النَّهَارِ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ)) (رواہ الدارقطنی نصب الرایہ[1] صفحہ ۱۱۹ ج ۲)

---

[1] اختلاف امت اور صراط مستقیم ج ۲ ص ۳۸۴ تا ۳۹۱

نمازِ تراویح

تراویح بیس رکعت ہی سنت ہیں:

س: کیا نماز تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ))

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ مشکوۃ ج ۱ ص ۳۰)

یعنی میرے طریقے کو لازم پکڑو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا رکعات تراویح میں کتنی رکعات پر عمل تھا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان بالا کے مطابق ہم ان کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام سکیں۔

امام بیہقیؒ نے سند صحیح کے ساتھ صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے نہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نقل کیا ہے کہ ان سب حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی رہیں۔

((كما رواه البيهقي باسناد صحيح انهم كانوا يقيمون على عهد عمرؓ بعشرين ركعة وعلى عهد عثمانؓ وعليؓ)) (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲۰)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا جانا مؤطا امام مالکؒ میں بھی موجود ہے۔

((عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة))

خلفاء راشدین کی اس سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان بالا کے پیش نظر جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہؒ اس پر متفق ہیں کہ بیس سے کم تراویح نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ایک روایت میں بیس تراویح پڑھنا وارد ہوا ہے۔[1]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۲۷

تراویح کی نیت:

س: کیا تراویح کی نیت میں ''سنت رسول کی'' کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: تراویح کی نیت میں ''سنت رسول'' کہنا کوئی ضروری نہیں اور یہ لفظ کہہ لینے سے بھی نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ادا کرتا ہوں۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ اللہ کے لئے نہیں۔ نیت اس طرح کر لی جائے ''دو رکعت نماز سنت تراویح پڑھتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے''[1]

عورتوں کے لئے بھی بیس تراویح سنتِ مؤکدہ ہے:

س: عورتوں کے لئے رمضان المبارک میں تراویح کم از کم کتنی رکعتیں جائز ہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں۔ ورنہ بالکل نہ پڑھیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔ اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں۔ اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔[2]

تراویح کی دعا مستحب ہے:

س: نمازِ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جو عام رواج کے مطابق **سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة الخ** پڑھتے ہیں۔ اس کا پڑھنا سنت ہے یا مستحب ہے؟

بعض دعا کے آخر میں بلند آواز سے کہتے ہیں ''درود شریف خواجہ صلوٰۃ بر محمدؐ'' اور بعض ''درود و صلوٰۃ بر محمدؐ'' کہتے ہیں جس سے مسجد گونج اٹھتی ہے۔ کیا ان الفاظ کا کوئی ثبوت بھی ہے؟

ج: شامیہ ج ۱ ص ۴۹۶ میں ہے۔

((قال القهستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لا یموت سبوح قدوس رب الملائكة والروح لا اله الا الله نستغفر الله نسئلك الجنة ونعوذبك من النار))

یہ دعا تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے اور اس کو بلند آواز سے پڑھنا کوئی ضروری نہیں اور یہ لفظ ''درود خواجہ صلوۃ بر محمدؐ'' اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔[3]

فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ترویحہ تراویح میں یعنی چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا قرآن شریف پڑھے یا نفل نماز پڑھے یا کچھ نہ کرے اور شامی میں ہے کہ بعد ترویحہ کے **سبحان ذی الملك والملكوت** الخ تین بار پڑھے۔

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۶۰ [2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۲۵

[3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۲۱

احقر (مفتی عزیز الرحمنؒ) کہتا ہے۔ کہ کلمہ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر کی بہت فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد ہے اس لئے تکرار اس کا افضل ہے اور یہی معمول و مختار تھا۔ حضرت محدث و فقیہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا۔[1]

مسافر مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم:

س: جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں۔ مثلاً مسافر، مریض، عورت اور غلام۔ اگر وہ نماز تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟

ج: تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے۔ مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے۔

((قال فی العلائیة التراویح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الرشدين للرجال والنساء))[2]

تراویح سنت ہے اور تراویح کی نماز جیسے مردوں کے ذمہ ہے ایسے ہی عورتوں کے ذمہ بھی ہے۔ مگر اکثر عورتیں اس میں کوتاہی اور غفلت کرتی ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔[3]

بلا عذر تراویح بیٹھ کر پڑھنا:

س: دیگر نفل کی طرح کیا تراویح بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

ج: تراویح بغیر عذر کے بیٹھ کر نہیں پڑھنی چاہئے۔ یہ خلاف استحباب ہے اور ثواب بھی آدھا ملے گا۔[4]

عورتوں کا تراویح کے لئے مسجد جانا:

س: عورتوں کے لئے مسجد میں تراویح کا انتظام کرنا کیسا ہے؟ کیا وہ گھر میں نہیں پڑھ سکتیں؟

ج: بعض مساجد میں عورتوں کے لئے بھی تراویح کا انتظام ہوتا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ ان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں قرآن سننے کی بہ نسبت افضل ہے۔[5]

حافظہ عورت کی امامت:

س: اگر عورت حافظہ ہو تو وہ تراویح پڑھا سکتی ہے؟ اور عورت کے تراویح پڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اگر جماعت کرائیں تو امام آگے کھڑی نہ ہو جیسا کہ امام کا مصلیٰ الگ ہوتا ہے۔ بلکہ صف ہی میں ذرا آگے ہو کر کھڑی ہو اور عورت تراویح سنائے تو کسی مرد کو (خواہ اس کا محرم ہو) اس کی نماز میں شریک ہونا جائز نہیں۔[6]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۲۴۶
[2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۲۲
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۶۸
[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۶۲
[5] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۶۸
[6] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۶۹

تراویح میں صرف سورۂ اخلاص پڑھنا:

س: بعض لوگ نماز تراویح کی ساری رکعات میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں فاتحہ کے بعد دوسری کوئی سورت نہیں پڑھتے۔

ج: شامی نے لکھا ہے۔واختار بعضهم سورة الاخلاص فی کل رکعة۔(ردالمحتار ج۱ص۶۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔[1]

شبینہ کا حکم:

س: ایک شب میں چند حفاظ کا قرآن شریف شبینہ ختم کرنا درست ہے یا نہیں؟

ج: قرآن شریف کو ایسی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے۔

پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہوگی تو وہ بھی ناجائز ہے۔[2]

متعارف شبینہ میں کئی قبائح ہیں۔

(۱) نوافل کی جماعت۔(۲) نام و نمود۔(۳) بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑا ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا جو جماعت اور قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے۔(۴) ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام۔(۵) ایسی خرافات کے لئے چندہ کرنا۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جن کی بنا پر مروج شبینہ جائز نہیں۔[3]

بیمار کی نماز

کیا بیمار نماز بیٹھ کر پڑھے:

س: ایک آدمی بیمار رہتا ہے۔لیکن نماز کے لئے پیادہ چل کر مسجد میں آتا ہے اور بیٹھ کر نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

ج: فرض اور واجب نماز میں قیام فرض ہے۔ پوری رکعت کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہیں سہارے کے بغیر کھڑے نہ ہو سکیں تو دیوار یا عصا کا سہارا بھی لے لیں۔اپنے خادم کا سہارا لے سکتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر ایک آیت ہی کس طرح کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں۔تو اتنی مقدار ضرور کھڑے ہوں۔

اتنی بھی طاقت نہ ہو یا خطرہ ہو کہ مرض میں شدت ہو جائے گی تو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہوگی۔اسی طرح بیٹھنے کے متعلق بھی ہے۔تکیہ لگا کر یا کسی صورت سے بھی بیٹھ سکتے ہیں تو لیٹ کر نماز نہیں ہوگی۔جب بیٹھ کر پڑھنے کی کوئی صورت نہ رہے تب لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں۔

---

۱ فتاویٰ دارالعلوم ج۴ص۲۵۶ ۲ ایضاً۔ ۳ احسن الفتاویٰ ج۳ص۵۲۱

فرض واجب اور صبح کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ نفل نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔[1]

س: مریض اشارے سے رکوع سجود کرتا ہے۔ اگر اس کے لئے تکیہ رکھ دیا جائے اور اس پر سجدہ کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ تکیہ پر سجدہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: اشارہ سے جتنا جھک سکتا ہوا تنا سر جھکانا ضروری ہے۔ اگر اسی مقدار پر تکیہ ہو تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر تکیہ اس سے اونچا ہے تو جھکنا پورا نہیں پایا گیا۔ تکیہ مخل اور مانع ہوا تو نماز درست نہ ہوگی۔

((وان لم یستطع الرکوع والسجود یؤمی براسه قاعداً ویجعل سجوده اخفض من رکوعه لیتحقق الفرق بینهما ولا یرفع الیه شیء یسجد علیه ان کان خفض رأسه یصح ویکون صلاته بالایماء والافلا)) (مجالس الابرارم۵۲ ص ۳۰۸)[2]

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا:

س: زید رئیس آدمی ہے۔ ایک پاؤں سے معذور ہے۔ بیٹھ کر جماعت سے نماز ادا نہیں کرتا۔ احقر نے ایک دن جمعہ کو جماعت سے نماز پڑھتے اس طرح دیکھا کہ ایک کرسی سجدہ کی جگہ رکھی اور ایک کرسی پر بیٹھا جماعت کے بیچ میں تو طریقہ مذکورہ سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ شرعاً یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

ج: اگر ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری کرسی پر سجدہ کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ بشرطیکہ سجدہ کے وقت گھٹنے بھی کرسی پر رکھے۔ معہذا ایسا کرنا گناہ ہے۔ زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہئے اور اگر بوقت سجدہ گھٹنے کرسی پر نہ رکھے تو یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کی بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی قدرت ہو تو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی۔[3]

سجدہ سے عاجز کا حکم:

س: میرے والد صاحب بیمار ہیں۔ ان کی ہڈیوں میں کمر میں اور گھٹنوں میں درد رہتا ہے۔ سینہ میں بھی تکلیف ہے۔ جس کی وجہ سے وہ صحیح طریقہ پر رکوع وسجود نہیں کر سکتے۔ گذشتہ کئی ماہ سے وہ نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ رکوع وسجود میں جتنا جھک سکتے ہیں اتنا جھک جاتے ہیں۔ زیادہ جھکنے پر تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ احباب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ سجدہ بغیر کسی سخت چیز پر پیشانی رکھے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ایک تپائی بنوانی چاہئے اگر پیشانی فرش پر نہیں رکھی جاسکتی تو اس تپائی پر رکھنی چاہئے۔ ورگرنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ ازراہِ کرم شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

ج: اگر سر اتنا جھکایا جاسکتا ہے کہ زمین تک ایک بالشت یا اس سے کم فاصلہ رہ جائے تو کسی اینٹ یا تپائی وغیرہ پر سجدہ

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج۴ ص ۵۵ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج۴ ص ۲۹۸

[3] احسن الفتاویٰ ج۴ ص ۵۱

کرنا لازم ہے۔ اشارہ سے نماز نہ ہوگی۔ بشرطیکہ ایسی کوئی چیز میسر ہو۔ اگر ایسی کوئی چیز موجود نہیں یا سر اتنا نہیں جھک سکتا تو اشارہ سے نماز درست ہے۔[1]

سجدہ سے عاجز پر قیام فرض نہیں:

س: ایک شخص کی آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے۔ ڈاکٹر نے نماز میں رکوع وسجدہ سے منع کیا ہے۔ یہ شخص بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھتا ہے۔ حالانکہ کھڑا ہوسکتا ہے اور اس سے کوئی ممانعت بھی ڈاکٹر کی طرف سے نہیں۔ کیا بیٹھ کر اس کی نماز صحیح ہے؟

ج: جو شخص سجدہ پر قادر نہ ہو اس سے قیام کا فرض ساقط ہے۔ اس کو اختیار ہے خواہ حالتِ قیام ہی میں سجدہ کے لئے اشارہ کرے یا رکوع کے بعد بیٹھ کر اشارہ کرے یا ابتداء ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھے۔ آخری صورت افضل ہے۔ پھر درمیانی پھر پہلی۔ ایسا ہی درمختار ج ۱ ص ۷۰۱ میں ہے۔[2]

آنکھوں کے اپریشن میں نماز کا حکم:

س: قرح چشم کے متعلق ڈاکٹر بہت تاکید کرتے ہیں کہ سر کو ذرا سی بھی حرکت نہ ہو۔ نماز کی بابت کیا حکم ہوگا؟ قطعاً ادا نہ کرے اور اگر ادا کرے تو کیسے؟ سر کی حرکت کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ وضو کرے تو کس طور سے۔ یا تیمم کرے تو کس طرح؟ اور اپریشن کے بعد تین روز تک آنکھ پر پٹی بندھی رہتی ہے۔ اس حالت میں جو وضو کرے یا کسی دوسری وجہ سے تیمم کرے تو صرف جبیرہ پر مسح کرے یا کل چہرہ بھی دھوئے یا جو حصہ جبیرہ سے علیحدہ ہے۔ اس کو ہاتھ سے تر کرے۔ اس وجہ سے کہ وضو نہیں کرسکتا۔

ج: شامی میں ہے۔

> ((قوله وان تعذر القعود ولو حكماً كما لو قدر على القعود ولكن بزغ الطبيب الماء من عينيه وامره بالا ستلقاء اياماً اجزأه ان يستلقي ويؤمى لان حرمة الاعضاء كحرمة النفس))
>
> (ردمحتار باب صلوٰۃ المریض ج ۱ ص ۷۱۱)
>
> اس کا حاصل یہ ہے کہ قعود (بیٹھنا) دشوار ہو اگرچہ حکماً ہو مثلاً یہ کہ بیٹھ سکتا ہے لیکن ڈاکٹر نے اس کی آنکھ بنائی اور اس نے یہ کہا کہ چند دن چت لیٹا رہ تو اس کو یہ کافی ہے کہ چت لیٹا رہے اور اشارہ سے نماز پڑھے اور ظاہر ہے کہ اشارہ میں حرکت سر کی ضروری ہے بدوں اس کے نماز نہیں ہوسکتی اور ترک کرنا نماز کا بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عقل سالم ہے بے ہوش نہیں ہے۔

لہٰذا اشارہ سر کی اجازت برائے نماز لینی چاہئے۔ اور اگر اجازت نہ دے تب بھی نماز چھوڑنی نہ چاہئے اور آنکھ پر جب پٹی ہو تو باقی چہرے کو دھوئے اور پٹی پر مسح کرے اور اگر باقی چہرہ دھونے سے تری کی سرایت آنکھوں کی طرف ہونے

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵ [2] ایضاً۔

کا خوف ہو اور وہ آنکھ کو مضر ہو تو کل چہرے پر بھی مسح درست ہے اور باقی اعضاء وضو کو دھونا اور اگر کسی عذر کی وجہ سے تیمم کرے تو تیمم موافق قاعدہ کے کرے کہ ایک ضرب کے بعد چہرے پر جبڑے کے اوپر ہاتھ پھیرے اور دوسری ضرب میں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔[1]

ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز:

س: ایک شخص بہت ضعیف اور کمزور ہے۔ حواس ٹھیک نہیں رہتے۔ نماز پنجگانہ بیٹھ کر ادا کرتا ہے۔ اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

ج: جس قدر طاقت ہو اسی کے موافق نماز ادا ہو جائے گی۔ اگر قیام کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرے بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرنا صحیح ہے۔ الغرض تکلیف بقدر وسعت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾[2]

بیٹھ نہ سکے تو اشارہ سے نماز پڑھے:

س: جو شخص ایسا لاغر ہو جائے کہ بیٹھ نہ سکے تو کس طرح نماز پڑھے اور سنن و نوافل بھی پڑھے یا صرف فرض پڑھ لے؟

ج: جو شخص بیٹھ کر اشارہ سے بھی نماز نہ پڑھ سکے وہ لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور سنت اور نفل کا ادا کرنا (ایسی حالت میں) ضروری نہیں ہے۔ اگر پڑھ سکے تو بہتر ہے نہ پڑھے تو کچھ گناہ نہیں ہے۔[3]

ریح کے مریض کا حکم:

س: اگر کسی شخص کو ریح کا مرض ہو تو وہ تازہ وضو کر کے نماز ادا کر سکتا ہے اور اگر بحالت نماز ریح خارج ہو جائے تو کیا کرے؟

ج: اگر وہ شخص شرعی معذور ہو چکا ہے۔ یعنی یہ خروج ریح کا مرض اس کو اس قدر زیادہ ہے کہ کسی وقت اس کو ایسی نوبت آ چکی ہے کہ تمام وقت نماز میں اس قدر مہلت اس کو اس مرض نے نہیں دی کہ وضو کر کے فرض وقت بدوں اس عذر کے پڑھ سکا ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک دفعہ وضو کر کے وقت کے اندر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ ریح نماز میں خارج ہوتی رہے۔[4]

سلسل بول کا مریض:

س: ایک آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو پیشاب کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بیٹھنے اور چت لیٹنے میں یہ عذر نہیں پیش آتا تو وہ نماز کس طرح پڑھے؟

ج: ایسا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے۔ لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ البتہ کھڑے کھڑے نماز پڑھ لے۔[5]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۳۴
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۳۵
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۴۰
[4] فتاویٰ دار العلوم ج ۴۴۲
[5] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۹۵

نمازِ جمعہ

جمعہ کی نماز فرض ہے یا واجب؟

س: جمعہ کی نماز فرض ہے یا واجب؟ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد ظہر کی نماز ادا کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے یا نہیں؟ جمعہ کی نماز شروع ہونے سے قبل اور بعد میں عام طور پر لوگ نمازیں پڑھتے نظر آتے ہیں۔ وہ کون سی نماز پڑھتے ہیں؟

ج: جمعہ کی نماز فرض ہے اور یہ ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے۔ اس لئے جمعہ کے بعد ظہر کی ضرورت نہیں۔ جمعہ سے قبل و بعد سنتیں ادا کی جاتی ہیں۔ جمعہ سے پہلے چار سنتیں اور جمعہ کے بعد پہلے چار رکعتیں مؤکدہ۔ پھر دو رکعتیں غیر مؤکدہ۔ ان سنتوں کے علاوہ کچھ حضرات نوافل بھی پڑھتے ہیں۔[1]

رکعاتِ جمعہ کی تعداد اور نیت:

س: جمعہ کی نماز میں کتنے فرض اور کتنی سنتیں ہوتی ہیں؟ اور ان کی نیت کس طرح کرتے ہیں۔ یعنی نماز کا وقت کون سا ہوتا ہے؟ اور جو رکعتیں جمعہ سے پہلے پڑھتے ہیں ان کی نیت کس طرح ہے؟

ج: نمازِ جمعہ کی رکعات کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) چار سنتیں (۲) دو فرض (۳) چار سنتیں (۴) دو سنت (۵) دو نفل۔

پہلی اور بعد کی چار سنتیں مؤکدہ ہیں اور دو غیر مؤکدہ سنت اور نفل کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔[2]

ڈیڑھ ہزار آبادی سے کم میں جمعہ جائز نہیں:

س: ڈیڑھ ہزار آبادی والی بستی جس میں تین مسجدیں اور پختہ عمارتیں بھی ہیں اور ہفتہ میں بازار بھی لگتا ہے۔ پانچ دس معمولی دکانیں بھی ہیں۔ اکثر اشیاء مثل غلہ، کپڑا اور دواء وغیرہ مل سکتی ہیں۔ ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج: جمعہ کے وجوب و عدم وجوب کا مدار قریہ کا بڑا، چھوٹا ہونا فقہاء نے لکھا ہے اور قریہ کبیرہ وہ ہے جو مثل قصبہ کے ہو۔ اس کے آبادی تین چار ہزار ہو۔ پس قریہ مذکورہ باعتبار آبادی قریہ کبیرہ معلوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۹۵

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۴۰۲

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۱۶۹

عورتیں جمعہ کے لئے نہ آئیں:

س: مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ میں عورتوں کی نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز عورتوں کو جمعہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

ج: ملحقاتِ مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے۔ لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفاسد کا بہت اندیشہ ہے۔[۱]

نوٹ: تفصیلات کے لئے اسی کتاب کی باب الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

عورتیں ظہر جمعہ سے پہلے پڑھ سکتی ہیں:

س: عوام میں مشہور ہے کہ جب تک جمعہ کی نماز مسجد میں ختم نہ ہو۔ مستورات گھروں میں نماز ظہر نہ پڑھیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

ج: اس کی کوئی اصل نہیں۔ غلط ہے۔[۲]

جمعہ کے دن ناخن کاٹنا:

س: ناخن کاٹنا۔ اسی طرح جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کون سا دن افضل ہے؟

ج: یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں۔ البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا گناہ ہے۔[۳]

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔[۴]

نمازِ عید

نمازِ عید واجب ہے:

س: کیا نمازِ عید واجب ہے یا سنت؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نمازِ عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے۔ جو عید کو واجب سمجھتے ہیں؟ نیز نماز عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں۔

ج: عید کی نماز واجب ہے۔

((لانه ثبت بالنقل المستفیض عنه صلی الله علیه وسلم انه کان یصلی صلٰوة العید من حین شرعیتها الی ان توفاه الله تعالٰی من غیر ترك كذا الخلفاء الراشدون والائمة المجتهدون

---

[۱] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸ — [۲] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۲۸

[۳] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۸۷ — [۴] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۰۲

وھذا دلیل الوجوب طحطاوی علی المراقی))[1]

نمازِ عید کی نیت:

س: نمازِ عید کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

نمازِ عید کی نیت اس طرح کی جاتی ہے۔ ''میں دو رکعت نماز عید الفطر یا عید الاضحیٰ واجب مع تکبیراتِ زائد کی نیت کرتا ہوں''۔[2]

عورتوں کا عید گاہ جانا:

س: عورتوں کو مثل مردوں کے عید گاہ میں نماز کے لئے جانا درست ہے یا نہیں؟

ج: اس زمانہ بلکہ بہت پہلے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد و عید گاہ جانا ممنوع و مکروہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بھی یہ ممنوع ہو چکا تھا۔ کما ورد فی الحدیث۔[3]

عورتوں کے لئے تکبیر تشریق نہیں:

س: کیا عورتوں کو بھی تکبیرات تشریق پڑھنے کا حکم ہے۔

ج: در المختار میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق عورتوں کو تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔[4]

اگر منفرد، مسافر اور عورت وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لیں تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔[5]

خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا:

س: خطبہ عیدین کی ابتداء میں تکبیر کہہ کر شروع کرنا مسنون ہے۔ نیز تکبیر جہر سے کہے یا آہستہ؟

ج: خطبہ عیدین میں یہ مستحب لکھا ہے کہ پہلے خطبہ کو شروع کرنے سے پہلے نو بار تکبیر جہر سے متواتر پڑھے اور دوسرے خطبہ کے اوّل سات دفعہ تکبیر جہر سے کہے۔[6]

نمازِ عید کے بعد دعا:

س: کیا نماز عید کے بعد دعا کرنا درست ہے؟

ج: ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوھی قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس سابق مدرسۂ ھذا (دار العلوم دیو بند) اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ ھذا وغیرھم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے اور حدیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے۔ اس میں عیدین کی نماز بھی

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۳ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۴۱۵ [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۳۲

[4] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۱۹۷ [5] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۱۹ [6] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۱۹۱

داخل ہے۔لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعاء بعد نماز عیدین بھی مستحب ہے۔[1]

پاکستان سے سعودیہ جانے والا کب عید کرے؟

س: ایک آدمی پاکستان سے سعودی عرب گیا اس کے دو روزے کم ہو گئے۔اب وہ سعودیہ کے چاند کے مطابق عید کرے گا اور جو روزے کم ہوئے ہیں ان کو بعد میں رکھے گا۔ یا اپنے روزے پورے کر کے سعودی عرب کی عید کے بعد پاکستان کے مطابق اپنی عید کرے گا؟

ج: عید سعودیہ کے مطابق کرے اور جو روزے رہ گئے ہیں ان کی قضا کرے۔[2]

''عید مبارک'' کہنے کا حکم:

س: عید الفطر کے دن ''مبارک باد'' کہنا کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ نیز اس کا حکم کیا ہے؟

ج: کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔[3]

مسافر کی نماز

مسافت شرعی کتنی ہے:

س: قصر نماز کے لئے تین منزل ہونا ضروری ہے۔ایک منزل کتنے کلومیٹر یا میل کے برابر ہوتا ہے؟

ج: مختار قول کے مطابق ایک منزل ۱۶ میل اور تین منزل ۴۸ میل کے برابر ہوتی ہے اور ۴۸ میل کے ۷۷ کلومیٹر بنتے ہیں۔[4]

ہمارے نزدیک معمول سفر قصر کے لئے ۴۸ میل ہیں۔ سولہ میل کی ایک منزل قرار دی گئی ہے۔[5]

حدود شہر سے نکلنے پر قصر:

س: سفر میں قصر کا حکم کہاں سے شروع ہوگا؟

ج: شہر کی جس جانب سے بنیت سفر نکل رہا ہو۔اس جانب کے مکانات سے باہر نکلنے پر حکم قصر شروع ہوتا ہے۔ اگر فناءِ مصر (شہر کی ضروریات مثلاً قبرستان گھوڑ دوڑ اور کوڑے وغیرہ کے لئے متعین میدان) کے درمیان زرعی زمین حائل نہ ہو اور عمارات سے قدرِ غلوہ (۱۶-۱۳۷ میٹر) سے کم فاصلہ پر ہو تو فناء سے بھی تجاوز کے بعد قصر کا حکم ہوگا۔[6]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۱۹۵
[2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۴۱۶
[3] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۴
[4] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۷۹
[5] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۴۴
[6] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۲

جب مسافر ۴۸ میل یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کی نیت سے اپنے شہر کی آبادی سے نکل جائے۔ تو قصر شروع ہو جائے گی۔[1]

سفر میں تکلیف نہ ہو تو بھی قصر کرے:

س: اگر دورانِ سفر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو تو بھی محض سفر کو سبب بنا کر قصر کرے یا نہ کرے۔ آج کل سفر میں بہت سہولتیں ہیں۔

ج: سفر میں بہر حال قصر کرے۔ پوری نماز پڑھنے سے گنہگار ہوگا۔

((فیکرہ الاتمام عند ناحتی روی عن ابی حنیفۃ انہ قال من اتم الصلٰوۃ فقد اساء وخالف السنۃ)) (شامی ج۱ص۵۳۷)[2]

قصر نماز کے لئے کس راستہ کا اعتبار ہے؟

س: میرے گاؤں سے پشاور شہر کو تین راستے جاتے ہیں۔ ایک راستہ ۴۸ میل کا ہے۔ دوسرا راستہ ۴۰ میل اور تیسرا ۳۵ میل کا ہے۔ شرعاً کس کا اعتبار کیا جائے گا؟

ج: جس راستہ پر سفر کیا جائے گا۔ اس کا اعتبار ہے۔ اگر وہ اڑتالیس میل ہو تو قصر لازم ہے۔ خواہ دوسرا راستہ اس سے کم مسافت کا ہو۔[3]

قصر کے لئے کس راستہ کا اعتبار کیا جائے:

س: ایک گاؤں کے دو راستے ہیں۔ اگر ریل میں جائیں تو قصر لازم ہے اور پیدل کے قریب راستہ کو جانے سے پوری نماز پڑھی جاتی ہے۔ ایک شخص اس گاؤں میں ریل سے گیا۔ وہاں چند روز قیام کیا اور قصر پڑھتا رہا۔ واپسی پر پیدل راستہ سے آیا۔ تو گھر پہنچنے تک قصر نماز پڑھے یا نہیں؟

ج: اس صورت میں واپسی میں بھی وہ شخص قصر کرے گا۔ جب تک کہ اپنے وطن میں نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اس گاؤں میں اس نے پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی اور وہ گاؤں وطن اقامت ابھی نہیں ہوا تھا۔[4]

پندرہ دن کی نیت اقامت پر نماز پوری پڑھے:

س: زید کا وطن اصلی الہ آباد ہے اور ملازم انبالہ میں ہے اور ہمیشہ دورہ میں رہتا ہے۔ انبالہ میں صرف ایک دو روز قیام ہوتا ہے اور ضلع کے بعض مقام ۳۶ میل سے زیادہ ہیں اور بعض مرتبہ انبالہ کے قرب وجوار میں دورہ کرتا ہے۔ اسے نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟

---

1. آپ کے مسائل ج۲ص۳۷۹
2. احسن الفتاویٰ ج۴ص۶۷
3. آپ کے مسائل ج۲ص۳۸۰
4. فتاویٰ دار العلوم ج۴ص۴۶۴

ج: وطن اصل زید کا تو الہ آبادی رہے گا اور انبالہ وطن اقامت ہے۔ وہاں اگر پندرہ دن قیام کی نیت کی گئی تو نماز پوری پڑھنی ہوگی ورنہ قصر کرنا ہوگا۔

اور اگر انبالہ میں پندرہ روز قیام کی نیت ہوئی اور وہاں نماز پوری پڑھی گئی تو پھر جب انبالہ سے ۴۸ میل سفر کا ارادہ ہو تو قصر کرے ورنہ پوری نماز پڑھے۔[1]

س: ہم لوگ پندرہ سال سے قصبہ تراوڑی میں تجارت کرتے ہیں اور مال لا کر فروخت کرتے ہیں اور یہاں آ کر دیہات میں چلے جاتے ہیں۔ مگر مکان کرایہ پر لے رکھا ہے۔ مکان سے جب ہم آتے ہیں چار پانچ مہینے رہتے ہیں مگر پندرہ روز ٹھہرنا نہیں ہوتا۔ دو روز باہر جاتے ہیں اور دو روز تراوڑی رہتے ہیں۔ نیت یہ ہوتی ہے کہ چار ماہ رہ کر وطن جائیں گے۔ تو نماز قصر پڑھیں یا پوری؟

ج: جب کہ اس جگہ جہاں آپ لوگ بغرض تجارت جاتے ہیں پندرہ دن کے قیام کی نیت نہیں ہوتی بلکہ یہ نیت ہوتی ہے کہ دو چار دن ٹھہر کر باہر دیہات میں پھریں گے۔ کسی گاؤں میں دو دن کسی میں چار دن رہیں گے۔ اسی طرح چار پانچ مہینہ گزارے جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں نمازِ قصر پڑھنی چاہئے۔[2]

تبلیغی جماعت کا حکم:

س: تبلیغی جماعت کی جو جماعتیں دور دراز شہروں میں جاتی ہیں۔ پھر کسی شہر میں پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو اور اس شہر کے دیہاتوں میں جماعت جائے ایک ایک گاؤں میں تین تین دن قیام کرے اور اسی طرح چلہ یا تین چلے پورے کرلے تو نماز قصر پڑھے یا پوری؟

ج: جس شہر میں پندرہ دن اقامت کی نیت نہ ہو اس شہر اور اس کے مضافات میں بھی قصر نماز پڑھی جائے گی اور جس شہر میں پندرہ دن اقامت کا ارادہ ہو اس شہر اور اس کے قریب دیہاتوں میں بھی نماز پوری پڑھنی ہوگی۔

قصر نماز میں التحیات درود شریف پڑھنا:

س: سفر میں فرض نماز چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھتے ہیں۔ تو کیا دو رکعت کے بعد تشہد یعنی التحیات پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں یا پہلے پورا درود شریف پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں؟

ج: جس طرح فجر کی نماز میں دو رکعت بیٹھ کر پہلے التحیات پھر درود شریف پھر دعا پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ قصر نماز میں اسی طرح کرنا چاہئے۔[3]

عورت کی شادی کے بعد میکے میں نماز کا حکم:

س: ہندہ اپنے وطن مولودی سے ایک سو کوس دور بیاہی گئی ہے۔ تو جب وہ سسرال سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۶۱ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۴۹ [3] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۹۲

پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آئے تو نماز قصر پڑھے یا پوری؟

ج: ((فی الدرالمختار الوطن الاصلی یبطل بمثله وفی رد المحتار فلوكان له ابوان ببلد غیر مولده وهو بانع ولم یتاهل به فلیس ذلك وطناله الا اذا عزم علی القرار فیه وترك الوطن الذی كان له قبله۔ شرح المنیه)) (ج ا ص ۸۲۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسؤلہ میں نماز قصر پڑھے [1] (یعنی میکے میں نماز قصر پڑھے)

شادی کے بعد اگر عورت مستقل طور پر سسرال میں رہنے لگی تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے۔ اگر وہاں سے تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہوتو وہاں مسافر رہے گی۔ یعنی دوگانہ نماز پڑھے گی۔ [2]

س: بعد نکاح جب عورت اپنے شوہر کے یہاں چلی جاوے۔ اگر پھر والدین کے یہاں آئے اور پندرہ یوم سے کم قیام کا ارادہ ہوتو قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟

ج: پوری نماز پڑھے۔ کیونکہ وہ بھی اس کا وطن اصلی ہے۔ درمختار میں ہے۔

((الوطن الاصلی هو موطن الاصلی هو موطن ولادته اوتاهله او توطنه)) (ج ا ص ۷۴۲) [3]

استفتاء:

س: احقر نے اپنی کتاب ''خواتین کی نماز'' میں بہشتی زیور سے استفادہ کرتے ہوئے ردالمختار ج ا ص ۵۸۶ کے حوالہ سے لکھا تھا۔ '' شادی کے بعد اگر عورت مستقل طور پر سسرال میں رہنے لگی۔ تو اب اس کا اصلی گھر سسرال ہے۔ اگر وہاں سے تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہوتو وہاں مسافر رہے گی۔ یعنی دوگانہ پڑھے گی۔ (خواتین کی نماز ص ۱۴۰)

حکیم الامت حضرت تھانوی بہشتی زیور میں ''مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان'' کے ضمن میں مسئلہ نمبر ۱۶ میں لکھتے ہیں۔

''بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنی سسرال رہنے لگی تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو مسافر رہے گی۔ مسافرت کے قاعدہ سے نماز روزہ کرے اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کے لئے دل میں نہیں تھا تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا وہی اب بھی اصلی رہے گا۔ حضرت تھانوی نے اس عبارت سے یہ مسئلہ اخذ فرمایا ہے۔

((والوطن الاصلی هو موطن ولادته اوتاهله او توطنه یبطل بمثله اذا لم یبق له بالاول اهل فلو بقی لم یبطل بل یتم فیها لا غیره)) (شرح التنویر ج ا ص ۸۲۹)

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ا ص ۳۸۸ [2] بہشتی زیور حصہ دوم ''مسافرت میں نماز کا حکم'' مسئلہ نمبر ۱۶

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۵۸

لیکن مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ نے اسی عبارت کے حوالہ سے لکھا ہے "عورت نکاح کے بعد والدین کے گھر جائے تو پوری نماز پڑھے۔ کہ وہ بھی اس کا وطن اصلی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج۴ص ۴۵۸)

دونوں میں سے صحیح مسئلہ کون سا ہے۔ تفصیل سے ارقام فرمائیں۔ تاکہ کتاب میں تصحیح کی جاسکے۔

(محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ)

ج: دونوں مسئلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن دونوں مسئلوں کی بنیاد الگ الگ ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور حصہ دوم ص ۱۷۰ مسئلہ نمبر ۲۱ کا مسئلہ اس بنیاد پر ہے کہ عورت نے اپنے والدین کا شہر بالکل چھوڑ دیا اور مستقل طور پر سسرال کے ساتھ دوسرے شہر رہنے لگی تو اس صورت میں والدین کا شہر اس کے لئے وطن اصلی نہ رہا۔ لہٰذا پندرہ دن سے کم کی نیت سے وہاں جانے کی صورت میں عورت نماز میں قصر کرے گی۔

اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد۴ ص ۴۵۸ سوال نمبر۲ کا جواب اس بنیاد پر ہے کہ عورت نے اپنے والدین کا شہر بالکلیہ ترک کرنے کی نیت نہیں کی۔ بلکہ والدین کے شہر میں بھی اس کا اپنا گھر بار اور ساز و سامان ہے تو نکاح کے بعد شوہر کے شہر جانے کی وجہ سے اس کا وطن اصلی ختم نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایسی صورت میں جب اپنے والدین کے شہر آئے گی تو نماز پوری پڑھے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد یعقوب عفا اللہ عنہ (دارالافتاء دارالعلوم کراچی)

ایک آدمی کے ایک سے زیادہ بھی وطن اصلی ہو سکتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر عورت نے یہ نیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر کو بالکلیہ چھوڑ چکی ہے۔ اب صرف والدین کی زیارت اور ملاقات کے لیے جایا کرے گی تو اب اس پر والدین کے گھر مسافروں والے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا اگر والدین کے گھر جا کر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو یہ مسافر ہے اس لیے قصر کرے گی اور اگر اس نے یہ ارادہ نہیں کیا بلکہ شوہر کے ساتھ طے کرنے کے بعد اگر کبھی خاوند کے گھر اور کبھی والدین کے گھر رہتی ہے تو اس صورت میں دونوں جگہیں اس کے لیے وطن اصلی ہیں۔ لہٰذا دونوں جگہ پر پوری نماز پڑھے گی۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ میں مطلقاً ہر عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ سو یہ تسامح ہے۔ ممکن ہے انہوں نے ایسا اس بناء پر لکھا ہو کہ سائل کے بارے میں انہیں ذاتی معلومات یہی ہوں کہ اسے دوسری صورت درپیش ہے۔

((قال فی البدائع: فالوطن الاصلی ینتقض بمثله لا غیر وهو ان یتوطن الانسان فی بلدة اخری فیخرج الاول من ان یکون وطنا اصلیا له وأصله ان رسول اللهﷺ والمهاجرین من اصحابه رضی الله عنهم کانوا من أهل مكة وكان لهم بها اوطان أصلية ثم لماهاجروا وتوطنوا بالمدينة وجعلوها دارالأنفسهم انتقض وطنهم الأصلی بمكة حتى كانوا اذا اتوامكة يصلون صلاة المسافرين...... ثم الوطن الأصلي يجوزأن يكون واحدا أو أكثر من ذلك))

((وهكذا في مجمع حيث قال: ويبطل الوطن الأصلي بمثله...... (قوله) بمثله الايرى انه عليه السلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين حتى قصر))

((وكذا قال في البحر: قوله ويبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر..... لان الشيء يبطل بما هو مثله لا بما هو دونه فلا يصلح مبطلا له)) والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

(مفتی مقبول الرحمٰن۔ دارالافتاء والارشاد۔ کراچی ۲۲/۲/۱۴۲۳)

مرد سسرال میں قصر کرے یا نہ:

س: زید ساکن دیوبند کا نکاح الہ آباد ہوا تو کیا محض نکاح ہو جانے سے الہ آباد زید کا وطن اصلی ہو جائے گا۔ یا وہاں سکونت اختیار کرنا بھی شرط ہے۔ صاحب مراقی الفلاح اور درمختار وغیرہ محض تزوج سے وطن اصلی کا لکھتے ہیں اور کبیری وغیرہ میں سکونت کی قید لگائی ہے۔ فتویٰ کس قول پر ہے؟

ج: شامی نے قول درمختار اور تاہلہ کے تحت شرح منیہ سے نقل فرمایا ہے۔

((ولو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الاقامة به فقيل لا يصير مقيماً وقيل يصير مقيماً وهو الاوجه)) (ردالمحتار ج۱ ص۵۸۶ باب صلوٰۃ المسافر)

اس سے معلوم ہوا کہ محض تزوج سے وہاں مقیم ہو جاتا ہے۔ یہی اصح واوجہ ہے۔ یعنی وہاں جا کر نماز پوری پڑھنی چاہئے۔[1]

س: زید کا نکاح سہارنپور ہوا۔ جو اس کے وطن سے ایک سو میل دور ہے۔ زید اپنی بیوی کو اپنے وطن لے آیا ہے۔ اگر زید اب سہارنپور جائے۔ جبکہ اس کی بیوی سہارنپور نہ ہو تو زید وہاں مقیم ہوگا یا مسافر؟

ج: درمختار میں ہے۔

((ولو كان له اهل ببلدتين فايتهما دخلها صار مقيماً فان ماتت زوجته في احداهما وبقي له فيها دور و عقار قيل لا يبقى وطناً له اذ المعتبر الاهل دون الدار كمالو تاهل ببلدة واستقرت سكناً له وليس له فيها دار وقيل تبقى))۔ (درمختار ج۱ ص۵۸۶)

اس صورت میں جب کہ اس کی زوجہ وہاں نہیں ہے تو بظاہر وہاں جا کر مقیم نہیں ہوگا۔ لیکن شرح منیہ کی روایت کے موافق اس میں کچھ شبہ پایا جاتا ہے۔ لیکن فقہاء نے یہ قاعدہ بھی لکھ دیا ہے کہ جہاں شبہ ہو وہاں پوری نماز پڑھے کہ اس میں احتیاط ہے۔[2]

س: اگر زید اپنی سسرال میں جائے جو تین منزل پر ہے تو قصر کرے گا یا نہیں۔ یعنی پندرہ روز سے کم کے ارادہ سے جائے۔ اسی طرح اگر ہندہ اپنی سسرال میں بارادہ کم از پندرہ یوم جائے جو تین منزل پر ہے۔ قصر کرے گی یا نہ؟

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص۴۵۸ [2] فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص۴۷۱

ج: قال فی الدر المختار۔

((الوطن الاصلی ھو موطن ولادته اوتأھله او توطنه الخ قوله اوتاھله ای تزوجه قال فی شرح المنیة ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامة به فقیل لا یصیر مقیماً وقیل یصیر مقیماً وھو الاوجه))

اس سے معلوم ہوا کہ زید اور ہندہ اپنی اپنی سسرال میں نماز پوری پڑھیں۔[1]

سفر میں سنن پڑھنا:

س: مسافر کو سنن و نوافل پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر ترک کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

ج: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسافر حالت امن و قرار میں ہو اور عجلت و سیر میں نہ ہو تو سنت مؤکدہ کو ادا کرے اور اگر امن و قرار کی حالت نہ ہو۔ بلکہ جلدی ہو اور خوف ہو تو سنت چھوڑ دے۔ درمختار میں ہے۔

((ویاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والاںان کان فی خوف وفرار لایاتی بھا ھو المختار))[2]

جلدی کی صورت میں سنت فجر کے سوا دوسری سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے۔ بحالت اطمینان سنن مؤکدہ پڑھنا ضروری ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے سفر میں سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔[3]

سفر میں وتر معاف نہیں:

س: ایک شخص کا کہنا ہے کہ سفر میں سنتیں اور وتر معاف ہیں۔ ان کے ترک کرنے پر گناہ نہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ نے سنت اور وتر سفر میں نہیں پڑھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: وتر واجب ہیں ان کا ترک کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ مسافر ہو یا مقیم اور سنن کے بارے میں افضل یہ ہے کہ حالت امن و قرار میں پڑھے اور اگر عجلت ہے تو ترک کر دے۔ اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں سنن پڑھی ہیں۔

((وروی عن ابن عمر ان النبی ﷺ انه کان لا یتطوع فی السفر قبل الصلوة ولا بعدھا وروی عنه انه کان یتطوع فی السفر)) (ترمذی باب ماجاء فی التطوع فی السفر)[4]

حالت سفر کی قضا نمازوں کا حکم:

س: سفر میں جو نمازیں قضا ہوئی ہوں۔ ان کو حضر (گھر پہنچ کر) میں پوری پڑھے یا قصر کرے اور سفر میں جو نمازیں پوری

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۹۳
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۴۵۳
[3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۱
[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۴۷۵

پڑھی گئیں ان کا اعادہ کرے گا یانہیں؟

ج: جونماز سفر میں قضا ہوئی ہوں حضر میں بھی ان کو قصر کرے گا اور جونمازیں سفر میں پوری پڑھی گئیں ان میں اگر قعدۂ اولیٰ کر چکا ہے تو وہ ہوگئی۔[1]

عورت وطن کے قریب پہنچ کر پاک ہوئی:

س: کوئی عورت سفر میں حیض کی حالت میں تھی اور ایسی جگہ پہنچ کر پاک ہوئی جہاں سے وطن مسافتِ سفر سے کم ہو اور اس حالت میں اس پر نماز کا وقت آ گیا تو قصر پڑھے گی یا پوری نماز پڑھے گی؟ اور اگر یہ نماز قضا ہوگئی تو پوری نماز قضا کرے گی یا دوگانہ؟

ج: اداء پڑھے یا قضاء بہرصورت اس پر پوری نماز فرض ہے۔

((قال في العلائية طهرت الحائض وبقي لقصدها يومان تتم في الصحيح كصبي بلغ بخلاف كافر اسلم الخ)) (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۴۶)

یہ حکم جب ہے کہ ابتداء سفر سے حائضہ ہو۔ اگر حالت طہارت میں سفر کی ابتداء ہوئی ہو تو حیض ختم ہونے کے بعد بھی قصر ہی پڑھے گی۔[2]

ریل گاڑی میں نماز کی ادائیگی:

س: ریل گاڑی میں سفر کے دوران اگر تختہ پر بیٹھ کر نماز پڑھ لی جائے اور منہ قبلہ شریف کی طرف نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں اس طرح نماز نہیں ہوتی اور بعض کہتے ہیں کہ ہو جاتی ہے؟

ج: جولوگ ریل کے تختہ پر بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ تین وجہ سے ان کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔

اوّل: نماز کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اور ریل کے تختے کا پاک ہونا مشکوک ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ چھوٹے بچے ان پر پیشاب کر دیتے ہیں۔

دوم: نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور ناواقف لوگوں کا یہ خیال کہ سفر میں قبلہ رخ کی پابندی نہیں' غلط ہے۔ سفر میں بھی قبلہ کی طرف رخ کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح وطن میں ضروری ہے۔ بلکہ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ سفر میں نماز کے دوران اگر قبلہ کا رخ بدل جائے تو نمازی اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم جائے۔

ہاں سفر میں قبلہ رخ کا پتہ نہ چلے اور کوئی صحیح بتانے والا بھی موجود نہ ہو تو خوب غور وفکر اور سوچ بچار سے کام لے کر خود ہی اندازہ لگالے کہ قبلہ کا رخ اس طرف ہوگا اور اسی رخ نماز پڑھ لے اب اگر نماز کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے جس رخ نماز پڑھی ہے۔ وہ قبلہ کی سمت نہیں تھی۔ تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں اور اگر نماز

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۴ ص ۴۵۲ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۸۷

کے اندر ہی قبلہ رخ کا پتہ چل جائے تو نماز توڑنے کی ضرورت نہیں۔ نماز کے اندر ہی قبلہ رخ کی طرف گھوم جائے۔

سوم: نماز میں قیام یعنی کھڑا ہونا فرض ہے۔ آدمی خواہ گھر میں ہو یا سفر میں۔ جب تک اسے کھڑے ہونے کی طاقت ہے۔ بیٹھ کر نماز صحیح نہ ہوگی اور اس میں مردوں کی تخصیص نہیں۔ عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ بعض مستورات بیٹھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں۔ یہ جائز نہیں۔ فرض اور وتر ان کو بھی کھڑے ہو کر پڑھنا لازم ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ البتہ نوافل بیٹھ کر پڑھ سکتی ہیں۔

سفر میں بعض پکے نمازی بھی نمازیں قضا کر دیتے ہیں۔ عذر یہ کہ رش میں نماز کیسے پڑھیں؟ یہ بڑی کم ہمتی اور غفلت کی بات ہے اور پھر ریل میں کھانا پینا اور دیگر طبعی حوائج کا پورا کرنا بھی تو مشکل ہوتا ہے۔ لیکن مشکل کے باوجود ان طبعی حوائج کو بہر حال پورا کیا جاتا ہے۔ آدمی ذرا سی ہمت سے کام لے تو مسلمان کیا غیر مسلم بھی نماز کے لئے جگہ دے دیتے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض حضرات حج کے مقدس سفر میں بھی نماز کا اہتمام نہیں کرتے۔ وہ اپنے خیال میں تو ایک فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔ مگر دن میں خدا کے پانچ فرض غارت کر دیتے ہیں۔ حاجیوں کو یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ سفر حج کے دوران ان کی ایک بھی نماز با جماعت فوت نہ ہو۔ بلکہ ریل میں اذان۔ اقامت اور جماعت کا بھی اہتمام کیا جائے۔[1]

بس میں نماز نہیں ہوتی:

س: بس میں لمبے سفر کے دوران فرش پر نماز ادا کرنا بہتر ہے یا سیٹ پر بیٹھ کر جبکہ فرش ناپاک ہوتا ہے اور سیٹ پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے قیام نہیں کیا جا سکتا؟

ج: بس میں بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی۔ بس والوں سے یہ طے کر لیا جائے کہ نماز کے وقت کسی مناسب جگہ پر بس روک دیں اور اگر وہ نہ روکیں تو نماز قضا پڑھنا ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ بس میں جیسے ممکن ہو نماز ادا کرلے۔ مگر گھر آ کر لوٹا لے۔[2]

ہوائی جہاز میں نماز کا حکم:

س: کیا ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

ج: ہوائی جہاز میں نماز اکثر علماء کے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ نماز کو اس کی تمام شرائط صحت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ قبلہ رخ اور دیگر شرائط میں نقص نہ رہ جائے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے کے بعد زمین پر احتیاطاً اس کا اعادہ بھی کر لے تو بہتر ہے۔ ضروری اور واجب نہیں۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۸۸ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۹۰

[3] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۸۶

قضا نمازیں

قضا نماز کی نیت اور طریقہ:

س: قضا نماز کی نیت کا کیا طریقہ ہے؟ نیز اگر دو تین وقت کی نماز رہ گئی ہو اور اسے ایک یا ڈیڑھ ماہ گزر گیا ہو تو اس کی نماز کی نیت کس طرح کی جائے گی؟

ج: ہر نماز قضا کرتے وقت یہ نیت کر لے کہ اس وقت کی (مثلاً ظہر کی) جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں۔ ان میں سے پہلی نماز کو قضا کرتا ہوں اور قضا نماز پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو ادا نماز کا ہے۔ صرف نیت میں قضا نماز کا ذکر کرنا ہوگا۔[1]

اگر کسی خاص دن کے بارے میں بالتعیین یاد ہو کہ اس دن فلاں نماز نہیں پڑھی تھی۔ پھر تو اسی دن کی تعیین سے نیت کریں۔ مثلاً ''میں اتوار ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کی ظہر کی نماز قضا پڑھتا ہوں۔

اور اگر فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوں تو مجموعہ کا حساب لگا کر بوقت قضاء یوں نیت کریں۔ ''میرے ذمہ جو (پہلی) اوّل ظہر کی نماز باقی ہے وہ ادا کرتا ہوں'' اس کی ادائیگی کے بعد جو اس کے بعد ہوگی وہ پہلی ہو جائے گی۔ اسی طرح آخر تک نیت کرتے جائیں۔

اور چاہیں تو یوں بھی نیت کر سکتے ہیں۔ ''میں اس آخری ظہر کو قضا کرتا ہوں جو میرے ذمہ ہے'' ہر نماز میں اسی طرح نیت کرتے جائیں یہاں تک کہ تمام نمازیں ادا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق اور استقامت عطاء فرمائیں۔[2]

قضا نمازوں کا حساب بلوغت سے ہے:

س: نماز کب فرض ہوتی ہے؟ یعنی میں ایک بیس سال کی لڑکی ہوں اور اپنی زندگی کی تمام قضا نمازیں ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ کتنے عرصہ کی نمازیں ادا کروں؟

یعنی جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ سات سال سے اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر میں مار کر پڑھواؤ۔ تو کیا دس سال کی عمر میں نماز فرض ہوگئی؟ یا پھر میں جب سے جوان ہوئی تو نماز روزے اور پردے کے احکام مجھ پر عائد ہوئے تب سے نماز فرض ہوئی۔ اس طرح سے مجھ پر پانچ سال کی نمازیں قضا ہیں اور پہلے فرمان کی تعمیل کے آئینے میں دیکھا جائے تو دس سال کی۔ اگر آپ وضاحت فرما دیں تو بہت شکر گزار رہوں گی۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۴۸ [2] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۱۶

دوسری بات یہ ہے کہ ان قضا نمازوں کو کیسے ادا کیا جائے؟ دراصل مولانا صاحب! جس زمانہ میں نماز کی پابندی نہیں کرتی تھی۔ اس زمانے میں بھی رمضان المبارک اور امتحانوں کے دنوں میں نماز ادا کرتی رہی ہوں اور اب صحیح یاد نہیں کہ کتنی نمازیں ادا ہیں اور کتنی قضا۔ اس لئے تعداد نماز کے بارے میں کیا طریقہ ہوگا؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دو نفل پڑھ لئے جائیں تو قضا نماز کا فرض اتر جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں رمضان المبارک میں تو ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح سے تمہاری قضا نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟

براہِ کرم میرے سوالوں کے جواب دے کر مجھے کشمکش کی حالت سے نکالیں۔ میں زندگی بھر آپ کی ممنون رہوں گی۔ میں پابندی سے نماز ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ میں نماز کا شوق اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کیا کروں؟

نماز قضا ہونے کی صورت میں میں نے اپنے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یعنی فاقہ کرنے کی سزا یا پھر اپنے جسم کے کسی حصہ کو زخمی کرنے کی سزا۔ کیا یہ درست ہے؟ امید ہے کہ آپ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش فرمائیں گے کہ خدا آپ کی اس بدنصیب اور نالائق بیٹی کو نماز کی لگن دے۔ (آمین)

ج: اگرچہ بچوں کو نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ مگر نماز فرض اس وقت ہوتی ہے۔ جب آدمی جوان (بالغ) ہو جائے۔ آپ اندازہ کر لیں کہ اس وقت سے کتنی نمازیں آپ کے ذمہ ہوں گی۔ پھر جتنے سال کا اندازہ ہو اتنے سال ہر نماز کے ساتھ ایک نماز قضا بھی پڑھ لیا کریں اور اگر زیادہ پڑھ لیں تو اور بھی اچھا ہے۔

باقی یہ غلط ہے کہ نفل پڑھنے سے قضا نماز کا فرض اتر جاتا ہے یا یہ کہ رمضان المبارک قضا پڑھنے سے ستر قضا نمازیں اتر جاتی ہیں۔ نماز کی پابندی کے لئے کوئی مناسب سزا مقرر کی جاسکتی ہے جس سے نفس کو تنبیہ ہو مثلاً ایک وقت کا فاقہ یا کچھ صدقہ یا ایک نماز قضا ہونے پر دس نفل پڑھنا۔ مگر جسم کو زخمی کرنے کی سزا مناسب نہیں۔[1]

نماز قضا کرنا گناہ کبیرہ ہے:

س: میں ایک ٹیچر ہوں اور جس اسکول میں پڑھاتی ہوں وہاں وضو اور نماز کی جگہ کا انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ظہر کی نماز چلی جاتی ہے۔ کیا میں ظہر کی نماز عصر کی نماز کے ساتھ پڑھ سکتی ہوں اور قضا صرف فرضوں کی ہوگی یا سنتوں کی بھی ہے۔ قضا کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

ج: جب آپ اسکول میں استانی ہیں تو وضو اور نماز کا انتظام ذرا سے اہتمام میں کیا جاسکتا ہے۔ آپ آسانی سے وہاں لوٹا اور مصلی رکھوا سکتی ہیں۔ محض اس عذر کی وجہ سے ظہر کی نماز قضا کر دینے کا معمول بنا لینا گناہ کبیرہ ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۴۸

بہر حال ظہر کی نماز قضا ہو جائے تو اس کو نماز عصر سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔ قضا صرف فرض رکعتوں کی ہوتی ہے سنتوں کی نہیں۔ قضا نماز کی نیت بھی عام نمازوں کی طرح کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ نیت کرلیا کریں کہ آج کی ظہر کی قضا ادا کرتی ہوں۔[1]

قضا نماز پڑھنے کے جائز اوقات:

س: قضا نماز کون سے وقت میں پڑھنی جائز نہیں؟ کیا عصر کی جماعت کے بعد قضا نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں عصر کے بعد بھی قضا نماز پڑھتا ہوں۔ مجھے بعض لوگ منع کرتے ہیں کہ عصر کی جماعت کے بعد قضا نماز نہیں ہوتی؟

ج: تین اوقات ایسے ہیں جن میں کوئی نماز بھی جائز نہیں۔ نہ قضا نہ نفل۔

(۱) سورج طلوع ہونے کے وقت' یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور دھوپ کی زردی جاتی رہے۔

(۲) غروب سے پہلے جب سورج کی دھوپ زرد ہو جائے۔ اس وقت سے لے کر غروب تک (البتہ اگر اس دن عصر کی نماز نہ پڑھی تو اس وقت بھی پڑھ لینا ضروری ہے۔ نماز کا قضا کر دینا جائز نہیں)۔

(۳) نصف النہار کے وقت یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

ان تین اوقات میں تو کوئی نماز بھی جائز نہیں۔ ان کے علاوہ تین اوقات ہیں جن میں نفل جائز نہیں۔ قضا نماز اور سجدہ تلاوت کی اجازت ہے۔

(۱) صبح صادق کے بعد نماز فجر سے پہلے صرف سنت فجر پڑھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نفل نماز اس وقت جائز نہیں۔

(۲) فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک۔

(۳) عصر کی نماز کے بعد غروب (سے پہلے دھوپ زرد ہونے تک)

ان تین اوقات میں نوافل کی اجازت نہیں۔ نہ تحیۃ الوضو' نہ تحیۃ المسجد' نہ دوگانہ طواف۔ البتہ قضا نماز ان اوقات میں بھی جائز ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان اوقات میں قضا نماز لوگوں کے سامنے نہ پڑھی جائے۔ بلکہ تنہائی میں پڑھے۔[2]

پچاس سال کی قضا نمازیں:

س: زید کی اکثر نمازیں ابتدائے شباب سے چالیس برس تک قضا ہوئی ہیں اور اب وہ توبہ کے بعد نمازی ہو گیا ہے۔ ان قضا نمازوں کا تدارک توبہ وتضرع سے ہوسکتا ہے یا ہر نماز کے بعد بطور قضا عمری نماز ادا کرنی چاہئے۔ اور اگر اس کی زندگی تلافی مافات نہ کر سکے تو کیا باوجود توبہ یہ بار عظیم اس کی گردن پر رہے گا۔ حدیث شریف میں تو ہے۔ **التائب من الذنب كمن لا ذنب له۔**

ج: زید کو گذشتہ تمام نمازوں کی قضاء کرنا لازم ہے اور جس طرح آئندہ کی نمازیں اس کے ذمہ فرض ہیں۔ اسی طرح فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا لازم ہے۔ ان کی قضاء کی جو صورت آسان معلوم ہو اختیار کرے کہ ہر ایک وقت کے فرض کے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۴۸ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۵۴

ساتھ وہی نماز قضاء کرلیا کرے۔ یا دو دو چار چار نمازیں ایک وقت میں قضاء کرلیا کرے اور اگر زندگی میں تلافی مافات نہ ہو سکے تو آخر حالت میں وصیت کرنا ادائے فدیہ کے لئے لازم ہے۔ تا کہ ورثاء بعد میں باقی ماندہ نمازوں کا فدیہ ادا کردیں۔

اور حدیث ((التائب من الذنب کمن لا ذنب له)) (مشکوۃ باب التوبہ والاستغفار ج اص ۲۰۶)

کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کی تاخیر کرنے اور وقت پر ترک کرنے کا جو گناہ ہوا وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا۔[1]

س: بہت سے سالوں کی نمازیں قضا ہوں تو کیا ان کو ادا کرنے سے پہلے ہم ایک یا دو وقت کی حالیہ نماز قضا ادا نہیں کر سکتے؟ میرا مطلب ہے کہ آج کل مجھ سے ظہر یا عصر کی کسی وقت کی نماز چھوٹ جاتی ہے۔ تو میں اگلی نماز پڑھنے سے پہلے پچھلی نماز کی قضا کرلوں یا پہلے پچھلے سالوں کی قضا نمازیں ادا کروں۔ ویسے میں نے قضا نمازیں پڑھنا شروع کی ہیں۔

میں ۱۹۶۱ میں پیدا ہوئی اور میں نے ۱۹۷۱ء کے شروع دن کی نمازوں سے قضا شروع کی ہے۔ تو محترم اس ضمن میں یہ بتائیں کہ قضا نماز کی نیت کرتے وقت مہینے اور تاریخ کا حوالہ دینے کے لئے چاند کا مہینہ اور تاریخ ادا کریں یا عیسوی مہینے کے دنوں سے بھی قضا ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ نیت تو خدا جانتا ہے۔ میں عیسوی سال کے مہینے اور تاریخ کے ساتھ فلاں وقت کی قضا نماز کی نیت کرتی ہوں کیا میرا یہ عمل درست ہے؟

اس کے علاوہ جو خاص ایام کی نمازیں چھوٹتی ہیں وہ بھی ادا کرنی چاہئیں یا وہ نمازیں معاف ہیں؟

ج: جب سے آپ نے نماز کی پابندی شروع کی ہے نئی قضا شدہ نمازوں کو تو ساتھ کے ساتھ پڑھ لیا کریں۔ ان کو پرانی قضا شدہ نمازوں میں شامل نہ کیا کیجئے۔

بہت سی قضا نمازیں جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے ہر نماز کے دن کا یاد رکھنا مشکل ہے۔ اس لئے ہر نماز میں بس یہ نیت کرلیا کیجئے کہ میں اس وقت (مثلاً ظہر کی) کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی نماز ادا کرتی ہوں۔ ''خاص ایام'' میں نماز فرض نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو ناغے کے دنوں کی صحیح تعداد معلوم ہو تو ان دنوں کی نمازیں قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔[2]

قضا نمازیں گھر میں پڑھی جائیں:

س: میں نے بہشتی زیور میں پڑھا تھا کہ قضا نمازوں کا گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ مسجد میں قضا نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے ایک عزیز اپنی اگلی پچھلی تمام نمازیں جو قضا ہوگئی تھیں مسجد میں ادا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ قضا نمازیں گھر میں پڑھیں تو بہتر ہے۔ وہ یہ بات نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ قضا نماز ان کے علم کے مطابق مسجد میں پڑھنا درست ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب وسنت کی رہنمائی میں ہماری مدد فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

ج: مسجد میں بھی قضا نمازوں کا پڑھنا جائز ہے۔ مگر لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ قضا نمازیں پڑھتا ہے۔ کیونکہ نماز کا قضا

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۳۶۰ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۵۱

کرنا گناہ ہے اور گناہ کا اظہار بھی گناہ ہے۔[1]

قضا نمازوں کو مخفی طور پر ادا کرنا چاہئے لیکن مسجد میں ادائیگی کو اعلانیہ نہیں کہا جائے گا۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ نوافل پڑھ رہے ہیں یا قضا۔ البتہ نماز عصر کے بعد اور بوقت فجر لوگوں کے سامنے قضا نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ اس وقت میں نوافل مکروہ ہیں۔ لہٰذا دیکھنے والا اس نماز کو قضا ہی سمجھے گا اور گناہ کا اظہار بھی مستقل گناہ ہے۔ لوگوں کے سامنے وتر کی قضا میں دعاء قنوت سے قبل تکبیر کہے مگر ہاتھ نہ اٹھائے۔[2]

قضا نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ توبہ بھی کرے:

س: جب آدمی قضا نماز پڑھ لے تو کیا پھر بھی اسے گناہ یا سزا ملے گی؟

ج: وقت پر تعمیل حکم نہ کرنا جرم اور گناہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کے منادی کی ندا (اذان) کو سن کر اپنے کام میں مشغول رہنا اور دربار ایزدی میں حاضر نہ ہونا بے ادبی اور شدید گستاخی ہے۔ اگر قضا کے ساتھ توبہ کے ذریعہ اس گناہ کو معاف نہیں کرایا گیا تو اس کی سزا اصولی طور پر ملنی چاہئے۔ اپنے فضل و کرم سے حق تعالیٰ شانہ معاف فرمادیں تو الگ بات ہے۔[3]

قضا نمازوں کے لئے سنن نہ چھوڑنا:

س: کیا یہ جائز ہے کہ سنت نفل اور تراویح کی بجائے اس وقت میں قضا نمازیں پوری کرنے کی کوشش کی جائے۔

ج: قضا نمازیں پڑھنے کے لئے سنت مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں۔ بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نوافل ماثورہ مثل چاشت اوابین اور صلوٰۃ التسبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں۔ مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسباب ظاہرہ کے پیش نظر موت سے قبل قضا نمازوں سے سبکدوش کی توقع ہو۔ اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آرہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح لازم ہے۔[4]

ایک وقت میں جتنی قضا چاہے کرلے:

س: اگر کسی شخص کی چار یوم کی نماز قضا ہو جائے تو ایک وقت میں ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

ج: چار دن کی فوت شدہ نمازیں ایک دن میں قضا کرسکتا ہے۔[5]

جاگنے کی راتوں میں نوافل کے بجائے قضا پڑھنا:

س: کیا بہت سی قضا نمازیں جلد ادائیگی کے لحاظ سے جاگنے کی راتوں میں نفل کے بدلے پڑھی جاسکتی ہیں؟ اور کیا یہ قضا نمازیں بجائے نوافل کے جمعہ کے دوران خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں ادا کی جاسکتی ہیں؟

ج: قضا نماز جس وقت بھی پڑھی جائے ادا ہو جائے گی۔ جس شخص کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اس کو نوافل کے بجائے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۵۴ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۷ [3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۱۳
[4] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۹ [5] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۳۴۱

قضا نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ خواہ جاگنے والی راتوں میں پڑھے۔ یا مسجد نبوی میں یا حرم مکہ میں۔[1]

صاحبِ ترتیب کی تعریف:

س: قضا نمازوں میں ترتیب کس شخص پر ضروری ہے۔ (اور صاحب ترتیب کسے کہا جاتا ہے؟)

ج: جس کے ذمہ چھ فرض نمازیں قضا نہ ہوں۔ وہ صاحب ترتیب ہے۔ چھ یا زیادہ فرائض کی قضاء اس کے ذمہ ہو تو اس پر ترتیب لازم نہیں۔ یہ تعداد وتر کے علاوہ ہے۔

مثلاً ایک فجر سے دوسری فجر تک کی نمازیں قضا ہوگئیں تو ان کی قضا میں ترتیب لازم نہیں۔ اس سے کم قضا ہوں تو ترتیب لازم ہے۔[2]

صاحبِ ترتیب اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ چھ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں۔ جو نماز قضا ہوئی بھی ہو اس کو ادا کر لیا ہو۔ وہ صاحب ترتیب ہے۔ یعنی اس کو لازم ہے کہ اگر نماز قضا ہو تو اس کو وقتیہ نماز سے پہلے پڑھے۔[3]

صاحبِ ترتیب کا حکم:

س: اگر صاحبِ ترتیب کی نماز مغرب قضاء ہوگئی۔ عشاء پڑھ لی تو اب مغرب کی نماز پڑھ کر وتر وسنت پڑھے۔ یا مغرب کی نماز بعد میں پڑھے۔ کیا اس صورت میں عشاء کی نماز ہوئی یا نہیں۔

ج: اگر وہ صاحب ترتیب ہے تو اس کی عشاء کی نماز نہیں ہوئی۔ مغرب کی نماز پہلے پڑھے پھر عشاء کے فرض پڑھے اس کے بعد سنت و وتر ادا کرے۔[4]

صاحبِ ترتیب کی بحالی:

س: ایک شخص سے اتنی نمازیں قضاء ہوں جن سے یہ صاحبِ ترتیب نہ رہا تو کیا ان نمازوں کی قضا کر لینے سے یہ شخص دوبارہ صاحب ترتیب بن سکتا ہے؟ یا ایک دفعہ ترتیب ساقط ہونے سے دوبارہ صاحب ترتیب بننا ممکن نہیں؟

ج: صاحبِ ترتیب درحقیقت ایک ایسی صفت ہے کہ اس شخص کے ذمہ شب و روز کی نمازیں باقی نہ ہوں۔ صورت مذکورہ میں قضاء سے چونکہ ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پوری نمازیں لوٹانے سے یہ شخص دوبارہ صاحب ترتیب متصور ہوگا۔ تاہم اگر ذمے پر چھ نمازوں سے کم رہ جائیں تب بھی صاحب ترتیب بن جائے گا۔[5]

چھ نمازوں سے کم ہوں ترتیب واجب ہے:

س: ایک شخص سے تقریباً دو ماہ کی نمازیں قضا ہوگئیں۔ سب قضا کرنے کے بعد اب اگر ایک دو نمازیں قضا ہوں تو یہ صاحب ترتیب ہوگا یا نہیں؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۵۶ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲ [3] فتاویٰ دارالعلوم ج ۴ ص ۳۴۸

[4] فتاویٰ دارالعلوم ج ۴ ص ۳۴۶ [5] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۲۹۶

ج: صورت مذکور میں جب تک دوبارہ چھ نمازیں قضا نہ ہوں صاحب ترتیب رہے گا۔[1]

مروجہ قضا عمری:

س: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعۃ الوداع کے دن قضائے عمری کی نماز پڑھنی چاہئے۔ وہ اس طرح کہ جمعہ کے وقت دو رکعت قضائے عمری کی نیت سے پڑھی جائے۔ کہتے ہیں اس سے پورے سال کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: لا حول ولا قوة الا باللہ۔ سوال میں جو بعض لوگوں کا خیال ذکر کیا گیا ہے بالکل غلط ہے اور اس میں تین غلطیاں ہیں۔

اوّل: شریعت میں ''قضائے عمری'' کی کوئی اصطلاح نہیں۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ مسلمان کو نماز قضاء ہی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز جان بوجھ کر قضا کر دے۔ اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔

دوم: یہ کہ جو شخص غفلت و کوتاہی کی وجہ سے نماز کا تارک رہا۔ پھر اس نے توبہ کر لی اور عہد کیا کہ وہ کوئی نماز قضا نہیں کرے گا۔ تب بھی گزشتہ نمازیں اس کے ذمہ باقی رہیں گی اور ان کا قضا کرنا اس پر لازم ہوگا اور اگر زندگی میں اپنی نمازیں پوری نہیں کر سکا تو مرتے وقت اس کے ذمہ وصیت کرنا ضروری ہوگا کہ اس کے ذمہ اتنی نمازیں قضا ہیں ان کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ یہی حکم زکوٰۃ' روزہ اور حج وغیرہ کا ہے۔ اس قضائے عمری کے تصور سے شریعت کا یہ سارا نظام ہی باطل ہو جاتا ہے۔

سوم: کسی چیز کی فضیلت کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔ کیونکہ بغیر وحی الٰہی کے کسی چیز کی فضیلت اور اس کا ثواب معلوم نہیں ہو سکتا۔ ماہِ رجب کی نماز اور روزوں کے بارے میں اسی طرح جمعۃ الوداع کی نماز اور روزے کے بارے جو فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس لئے ان فضائل کا عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے۔

شریعت کا مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک فرض ترک کر دے تو ساری عمر کی نفلی عبادت بھی اس ایک فرض کی تلافی نہیں کر سکتی اور یہاں یہ مہمل بات بتائی جاتی ہے کہ دو رکعت نفل سے ساری عمر کے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔[2]

احادیث صحیحہ اور کتب معتبرہ میں قضاء عمری کا مسئلہ نہیں ملتا اور مسئلہ حکم خداوندی کو کہتے ہیں تو جب تک بإسنادِ معتبرہ اس مسئلہ کی نسبت پیغمبر علیہ السلام اور مجتہدینؒ کی طرف ثابت نہ ہو تو یہ شریعت اور خداوند قدوس پر افتراء ہوگا کہ یہ بھی حق سبحانہ کا حکم ہے اور واقع میں حکم ہونا ثابت نہیں۔[3]

نماز کا فدیہ:

س: ہماری ایک عزیزہ عرصہ تین مہینے سخت بیمار رہی جس کی وجہ سے انتقال بھی ہو گیا۔ اس عرصہ میں ان کی جو نمازیں قضا ہو گئیں ان کا کیا فدیہ ادا کیا جائے؟

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۹ [2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۵۵ [3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۰۹

ج: ہر نماز کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار فدیہ ہے اور وتر مستقل نماز ہے۔ اس لئے ہر دن کے چھ فدیئے ہوئے۔ یہ فدیہ اگر کوئی شخص اپنے مال سے ادا کرے تو ٹھیک اور اگر مرحومہ کے ترکہ میں سے ادا کرنا ہو تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ سب وارث بالغ اور حاضر ہوں اور وہ خوشی سے اس کی اجازت دے دیں۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مرحومہ نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت نہ کی ہو۔ اگر وصیت کی ہو تو اس کے تہائی ترکہ سے تو وارثوں کی رضامندی کے بغیر فدیہ ادا کیا جائے گا اور تہائی مال سے زائد فدیہ ہو تو اس کے لئے وہی شرط ہے۔ جو اوپر لکھی گئی ہے۔[1]

فدیہ کب ادا کیا جائے:

س: اگر ایک نماز قضا ہو جائے تو اس کا فدیہ آج کے مروجہ سکے کے حساب سے کس مقدار میں ادا ہوگا؟

ج: زندگی میں نماز کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ قضا شدہ نمازوں کو ادا کرنا ہی لازم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں تو ہر نماز کا فدیہ صدقہ فطر کی مقدار ادا کیا جائے۔

صدقہ فطر کی مقدار قریباً دو سیر غلہ ہے۔ فدیہ کے ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے۔ اس دن غلہ کی جو قیمت ہو اس کے حساب سے فدیہ ادا کیا جائے اور چونکہ وتر ایک مستقل نماز ہے۔ اس لئے دن رات کی چھ نمازیں ہوتی ہیں اور قضا ہو جانے کی صورت میں ایک دن رات کی نمازوں پر چھ صدقے لازم ہیں۔ میت نے اگر اس کی وصیت کی ہو تب تو تہائی مال سے یہ فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو تو وارثوں کے ذمہ واجب نہیں۔ البتہ تمام وارث عاقل و بالغ ہوں اور وہ اپنی خوشی سے فدیہ ادا کر دیں تو توقع ہے کہ میت کا بوجھ اتر جائے گا۔[2]

سجدۂ سہو

سجدۂ سہو کی نیت:

س: کیا سجدۂ سہو کے لئے بھی نیت کی جائے گی یا جب محسوس ہو کہ سجدہ کی ضرورت ہوگئی تو طریقہ کے مطابق سجدۂ سہو کر لیا جائے؟

ج: جب سجدۂ سہو کے ارادہ سے سجدہ کرے گا تو یہی سجدہ سہو کی نیت ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ ادا نہیں کئے جاتے۔[3]

سجدہ سہو کا افضل طریقہ:

س: (۱) کیا سجدہ سہو التحیات پڑھنے کے بعد اور درود شریف سے قبل کرنا چاہئے؟

(۲) کیا سجدہ سہو کے بعد التحیات درود شریف وغیرہ دوبارہ پڑھنا چاہئے؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۵۹ [2] ایضاً [3] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۶۴

(۴) شافعی حضرات عموماً سجدہ سہو کے فوراً بعد سلام پھیر دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ ہمارے مسلک کے مطابق ہے؟

ج: سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے اور بعد بھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک افضل طریقہ وہ ہے جو التحیات پڑھنے کے بعد اور درود شریف پڑھنے سے پہلے کیا جاتا ہے اور سجدہ سہو کے بعد التحیات اور درود شریف وغیرہ پڑھا جاتا ہے۔[1]

سجدہ سہو میں کتنے سجدے ہیں:

س: سجدہ سہو میں کتنے سجدے کئے جاتے ہیں؟

ج: سجدہ سہو کے لئے دو سجدے کئے جاتے ہیں۔[2]

سجدہ سہو کن چیزوں سے لازم آتا ہے:

س: نماز پڑھتے وقت کون کون سی یا کس قسم کی غلطی ہو جائے تو سجدہ سہو ادا کرنا پڑتا ہے؟ اور ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: سجدہ سہو کے واجب ہونے کا اصول یہ ہے کہ نماز میں فرض کی تاخیر سے یا واجب چھوٹ جانے یا واجب کی تاخیر سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ آگے اس کے اصول کی جزئیات بے شمار ہیں۔

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے آخری قعدہ میں عبدہ ورسولہ تک التحیات پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر دیں۔ پھر دو سجدے کر کے دوبارہ التحیات پڑھیں اور درود شریف اور دعا کے بعد سلام پھیریں۔[3]

نماز میں غلطی پر کتنی دفعہ سجدہ سہو کرنا ہوگا؟

س: کیا نماز میں غلطی یا بھول پر ایک ہی بار سجدہ سہو کافی ہوتا ہے۔ یا ہر غلطی یا بھول پر الگ الگ سجدہ سہو کیا جائے۔ مثلاً سنت میں غلطی ہو پھر فرضوں میں بھی ہو جائے تو کتنے سجدے کرنے چاہئیں؟

ج: نیت باندھنے کے بعد سلام پھیرنے تک ہر نماز مستقل ہوتی ہے۔ نماز کی نیت باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک کے عرصہ میں اگر کئی مرتبہ بھول جائے تو ایک ہی مرتبہ سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر سلام پھیر کر دوسری نماز شروع کر دی اور اس میں بھول ہوگئی تو سجدہ سہو پھر واجب ہوگا۔

مثلاً سنت کی نیت باندھی تو اس کا سلام پھیرنے تک اس نماز میں اگر کئی جگہ بھول ہوئی تو ایک مرتبہ سجدہ سہو واجب ہوگا اور سنت کے بعد فرض کی نیت باندھی اور اس میں بھول ہوئی تو اس میں الگ سجدہ سہو واجب ہوگا۔[4]

سجدہ سہو کب تک کر سکتا ہے؟

س: نماز میں غلطی ہونے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا پڑتا ہے۔ اکثر بھول جاتا ہوں۔ سلام پھیرنے کے قریب یاد آتا ہے۔ اس وقت سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ سجدہ سہو کروں یا نہیں؟ لیکن سوچ کر سجدہ کر لیتا ہوں کہ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۶۴
[2] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۳۶۵
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۶۳

آپ یہ بتائیں کہ اگر بالکل بھول جائے اور دونوں سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ سجدہ سہو کرنا تھا بھول گیا؟

ج: نماز کے اندر جب بھی یاد آ جائے سجدہ سہو کر لیا جائے اور سلام پھیرنے کے بعد جب تک اپنی جگہ قبلہ رخ بیٹھے ہوں اور کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس وقت تک سجدہ سہو کر سکتے ہیں۔ سجدہ سہو کے بعد دوبارہ التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرا جائے اور اگر سلام پھیر کر کوئی ایسا کام کر لیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو نماز کو دوبارہ لوٹانا واجب ہے۔[1]

سجدۂ تلاوت

سجدۂ تلاوت کی شرائط:

س: کیا سجدہ تلاوت کے لئے بھی انہیں تمام شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے۔ جو نماز کے سجدہ کے لئے ضروری ہیں۔ (جگہ کا پاک ہونا' کعبہ کی طرف منہ ہونا' باوضو ہونا' زمین پر سر رکھنا وغیرہ)

ج: جی ہاں نماز کی شرائط سجدۂ تلاوت کے لئے بھی ضروری ہیں۔[2]

سجدۂ تلاوت کا صحیح طریقہ:

س: بہت دفعہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے سجدۂ تلاوت ادا کرتے دیکھا گیا ہے۔ براہ کرم سجدۂ تلاوت کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیں۔

ج: اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر اٹھ جائے۔ بس یہی سجدہ تلاوت ہے۔ کھڑے ہو کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے سجدہ میں جانا افضل ہے اور اگر بیٹھے بیٹھے کر لے تو بھی جائز ہے۔

سجدۂ تلاوت کی نیت:

س: سجدہ تلاوت کی نیت باندھنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: سجدہ تلاوت میں نیت نہیں باندھی جاتی۔ بلکہ دل میں سجدہ کی نیت سے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جائیں اور اللہ اکبر کہہ کر اٹھ جائیں۔ سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں۔ بیٹھے بیٹھے سجدہ تلاوت کر لینا جائز ہے اور کھڑے ہو کر سجدہ میں جانا افضل ہے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۲ ص ۳۷۷

[2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۳ [3] ایضاً۔

سجدہ تلاوت کے لئے وضو لازم ہے:

س: زید کا استنجاء ہے وضو نہیں اور تلاوت قرآن کی کر رہا ہے۔ اگر سجدہ تلاوت آ جائے تو کیا سجدہ اسی وقت ادا کرے یا کہ وضو کرنا ضروری ہے؟

ج: وضو ضروری ہے۔ بدوں وضو کے سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

((وشرائط هذه السجدة شرائط الصلوة الا التحريمة)) (عالمگیری ج۱ص۷۰)[1]

س: قرآن مجید بن دیکھے تلاوت کے لئے طہارت شرط نہیں۔ اس لئے بلا وضو تلاوت کرتے ہوئے اگر کہیں آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

ج: صورت مسؤلہ میں تلاوت قرآن کے لئے اگرچہ طہارت (وضو) شرط نہیں۔ لیکن سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لئے طہارت شرط ہے اور چونکہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں اس لئے بغیر وضو کے جو آیت سجدہ پڑھی جائے تو طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ ادا کیا جائے گا۔ بغیر وضو کے اگر سجدہ کیا گیا تو از روئے شرع اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ بدائع الصنائع ج۱ص۱۸٦ میں ہے۔[2]

سجدۂ تلاوت کے لئے قبلہ رو ہونا:

س: سجدۂ تلاوت کے لئے قبلہ رو ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: سجدۂ تلاوت کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔[3]

فجر اور عصر کے بعد سجدۂ تلاوت:

س: عصر کی نماز کے بعد مغرب تک یا فجر کی نماز کے بعد طلوع تک سجدہ تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں اہل سنت علماء نے منع کیا ہے۔

ج: فقہ حنفی کے مطابق نماز فجر اور عصر کے بعد سجدۂ تلاوت جائز ہے۔ البتہ طلوع آفتاب سے لے کر دھوپ کے سفید ہونے تک اور غروب سے پہلے دھوپ کے زرد ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت بھی منع ہے۔[4]

مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم:

س: اگر اوقات مکروہہ میں تلاوت کرتے ہوئے کہیں سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو کیا اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے؟

ج: خارج از نماز سجدۂ تلاوت کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں۔ یہ جس وقت ادا کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ پھر

---

[1] خیر الفتاوی ج۲ص۶۵۹ [2] فتاوی حقانیہ ج۳ص۳۳٦

[3] خیر الفتاوی ج۲ص٦۵٦ [4] آپ کے مسائل ج۳ص۸۵

بھی مکروہ اور غیر مکروہ وقت کی رعایت ضروری ہے۔ سجدہ کا وجوب وقت مشروع میں ہو تو اس کی ادائیگی اوقاتِ مکروہہ میں جائز نہیں۔ البتہ اگر اوقات مکروہہ میں جب آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کی ادائیگی ان اوقات میں جائز ہے۔[1]

آیتِ سجدہ پڑھنے اور سننے سے سجدہ کا وجوب:

س: آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟ بسا اوقات سننے والے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا ارادہ نہ ہونے کے باوجود سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟

ج: احناف کے نزدیک آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں سننے یا پڑھنے والے کے قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

((اذا قرأ ابن آدم السجدة اعتزل الشيطن يبكى ويقول يا ويله امر ابن آدم الخ))

(مسلم ج ا ص ۶۱)

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے عملی طور پر آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا ثابت ہے۔ جبکہ اکثر روایات میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے خلاصی سجدہ کے بغیر ممکن نہیں۔[2]

س: زید نے سجدۂ تلاوت کی آیت بلند آواز سے پڑھی تو کیا سامعین پر سجدۂ تلاوت واجب ہو گیا؟ جب کہ ان کو معلوم بھی نہیں اور نہ ہی ان کو بتلایا گیا۔ زید مطلع نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

ج: سامعین پر سجدۂ تلاوت تو واجب ہو گیا۔ لیکن اگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ زید نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے اور زید نے بھی ان کو اطلاع نہیں دی تو وہ سجدہ نہ کرنے میں عند اللہ معذور ہیں۔ تلاوت کنندہ پر لازم ہے کہ ان لوگوں کو اطلاع دے کہ میں نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے۔ سجدہ کر لیں۔[3]

لاؤڈ اسپیکر سے آیت سجدہ سننا:

س: تراویح میں حافظ سے لاؤڈ اسپیکر میں غیر نمازی نے سجدہ تلاوت کی آیت سنی تو ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ خواہ ان کو سجدہ کی آیت معلوم ہو یا نہ؟

ج: راجح یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنائی دینے والی آواز خود متکلم کی آواز ہے۔ صوت صدی کی طرح صوت متکلم کی نقل نہیں۔ اس لئے لاؤڈ اسپیکر سے سننے والوں پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ البتہ اگر سننے والوں کو آیت سجدہ کا علم نہ ہو تو ان پر سجدہ واجب نہیں۔ ((قال فى الشامية لا يجب على الاعجمى مالم يعلم كما فى الفتح اى وان لم يفهم)) (ردالمحتار ج ا ص ۷۱۷)[4]

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۳۳۸ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۳۳۷

[3] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۵۴ [4] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۴

لاؤڈ اسپیکر پر آیت سجدہ پڑھی گئی تو جس شخص نے سنی اور اسے معلوم ہو کہ یہ سجدہ کی آیت ہے۔ اس پر سجدہ واجب ہے اور ترک واجب گناہ ہے۔[۱]

ریڈیو ٹی وی سے آیت سجدہ سننا:

س: ٹی وی یا ریڈیو پر جو تلاوت کی جاتی ہے۔ یا ختم قرآن فی التراویح نشر کیا جاتا ہے اور دکھایا جاتا ہے۔ اس کے سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ٹیپ ریکارڈ کا کیا حکم ہے؟

ج: ٹیپ ریکارڈ سے سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ اس لئے ٹی وی اور ریڈیو پر اگر ٹیپ سنایا جا رہا ہو تو سجدہ واجب نہیں اور اگر براہِ راست قاری کی آواز ہو تو واجب ہوگا۔[۲]

ریڈیو ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ریکارڈ شدہ تلاوت جب سنی جائے تو آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض کے نزدیک براہِ راست سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔[۳]

ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب نہیں۔ ٹی وی سے ٹیپ شدہ پروگرام نشر ہو رہا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر براہِ راست پروگرام نشر ہو رہا ہو تو سجدہ کیا جائے اور اسپیکر سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ ٹیپ اور ٹی وی سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ تلاوت کیا جائے۔[۴]

عورت ایامِ خاص میں آیت سجدہ سنے:

س: اگر عورتیں ایام حیض میں سجدہ کی آیت کسی سے سنیں تو کیا ان پر بعد طہارت سجدہ ادا کرنا واجب ہوگا؟

ج: عورتیں اپنے خاص ایام میں سجدہ کی آیت سنیں تو ان پر سجدہ واجب نہیں۔[۵]

آیتِ سجدہ سن کر سجدہ نہ کرنا:

س: آیت سجدہ تلاوت کرنے والے اور تمام سامعین پر سجدہ واجب ہے۔ لیکن جس کو سجدے کے متعلق معلوم نہیں اور نہ ہی تلاوت کرنے والے نے بتایا۔ تو کیا وہ سامع گنہگار ہوگا؟

ج: جن لوگوں کو معلوم نہیں کہ آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے اور تلاوت کرنے والے نے یا کسی اور نے ان کو بتایا بھی نہیں۔ وہ گنہگار نہیں اور جن لوگوں کو علم ہو گیا ہو کہ آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے سجدہ نہیں کیا۔ وہ گنہگار ہوں گے اور اس صورت میں تلاوت کرنے والا بھی گنہگار ہوگا۔ اس کو چاہئے تھا کہ آیت سجدہ کی تلاوت آہستہ کرتا۔[۶]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۷ — ۲ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۵

۳ فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۳۲۸ — ۴ خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۵۵

۵ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۸ — ۶ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۸

جنب یا حائضہ نے آیت سجدہ سنی:

س: جنبی، حیض ونفاس والی عورت نے مجنون یا بچے سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

ج: جنب، حائض، مجنون اور نابالغ پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ خواہ یہ خود تلاوت کریں یا دوسرے سے سنیں اور ان سے غیر نے آیت سجدہ سنی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جنب، حائض اور بچہ ممیز سے آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ واجب ہے اور مجنون وجبی غیر ممیز سے سننے پر واجب نہیں۔ جیسا کہ ردالمحتار ج ۱ ص ۷۲۰ میں ہے۔[1]

استاد و شاگرد کا ایک ہی آیت دہرانا:

س: استاد شاگرد کو قرآن پڑھاتا ہے اور سجدۂ تلاوت آجائے اور اس کو بار بار پڑھنا پڑھے تو سجدہ ایک واجب ہے یا دو؟

ج: اگر ایک آیت ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھے اور سنے تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

((قال فی الشامیة تحت (قوله بشرط اتحاد الأية والمجلس) وان اجتمع التلاوة والسماع ولو من جماعة ففی البدائع لا يتكرر ولو اجتمع سببا الوجوب وهما التلاوة والسماع بان تلاها ثم سمعها او بالعكس اوتكرر احدهما))

((وفی البزازية سمعها من أخر ومن أخر ايضاً وقرأها كفت سجدة واحدة فی الاصح لاتحاد الأية والمكان ونحوه فی الخانية فعلى هذا لوقرأها وسمعها بعضهم من بعض كفتهم واحدة)) (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۲۷)[2]

س: شاگرد نے آیت سجدۂ تلاوت کی استاد سے سنی، پھر اسی طرح استاد نے تلاوت کی شاگرد نے سنی یا استاد نے کئی شاگردوں سے وہی آیت سنی۔ تو کیا ان پر متعدد سجدے ہوں گے یا کہ ایک ہی سجدہ کافی ہوگا؟

ج: تعدد سجدہ کے لئے ضروری ہے کہ سبب متعدد ہو یا اختلافِ مکان ہو۔ یہاں نہ تعددِ سبب ہے اور نہ اختلافِ مکان۔ اس لئے سجدۂ واحدہ کافی ہو جائے گا۔[3]

سواری پر آیتِ سجدہ کا تکرار:

س: چلتی ہوئی سواری پر سجدہ کی آیت کا تکرار کیا۔ تو سجدہ ایک ہی واجب ہوگا۔ یا جتنی بار آیت سجدہ پڑھی اتنے ہی سجدے واجب ہیں؟

ج: گھوڑا، اونٹ اور ہر قسم کی گاڑی وغیرہ خشکی کی سواری پر نماز کے اندر آیت سجدہ تکرار کیا تو ایک ہی سجدہ واجب ہے اور بغیر نماز کے تکرار آیت سے تکرار سجدہ واجب ہے۔ کشتی میں بہر صورت تکرار آیت سے ایک ہی سجدہ واجب ہے۔ خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز ہو۔ کشتی میں عدم تکرار مسجد کی تعلیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بحری جہاز اور ہوائی جہاز کا حکم بھی

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۰ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۴ [3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۵

کشتی کی طرح ہے۔[1]

آیتِ سجدہ کے ترجمہ سے سجدہ:

س: اگر کوئی سجدہ کی آیت نہ پڑھے بلکہ صرف اس کا ترجمہ کرے تو ترجمہ کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

ج: لفظی ترجمہ کرنے والے پر سجدہ واجب ہے اور سننے والے کو اگر معلوم ہو کہ یہ ترجمہ قرآن ہے اور اس کا مطلب بھی سمجھ جائے تو اس پر بھی سجدہ واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ یہ حکم جب ہے کہ لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہو۔ اگر لفظی ترجمہ کی بجائے تفسیر کی تو بولنے والے اور سننے والے کسی پر بھی سجدہ نہیں۔[2]

دورانِ تلاوت آیت سجدہ چھوڑنا:

س: میرا معمول ہے کہ دورانِ سیر تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ چونکہ زبانی پڑھنا ہوتا ہے تو بسا اوقات وضو نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آیت سجدہ کو چھوڑ دیا کروں تا کہ سجدہ واجب نہ ہو۔

ج: ایسا کرنا مکروہ ہے۔ سجدہ فوراً تو واجب ہی نہیں۔ بعد میں جب وضو ہو تو ادا کر لیا کریں۔[3]

آیت سجدہ کی کتابت:

س: بندہ کا ذریعہ معاش کتابت ہے۔ تو اگر قرآن حکیم کی کتابت کے دوران آیت سجدہ آ جائے تو اس کی کتابت سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

ج: کتابت کے دوران زبان سے نہ پڑھیں تو محض کتابت سے سجدہ واجب نہیں ہوگا۔

((و كذا لا تجب بالكتابة او النظر من غير تلفظ لانه لم يقرأ ولم يسمع)) (کبیری ص ۲۶۴)[4]

آیت سجدہ کا آہستہ پڑھنا:

س: تلاوتِ قرآن کے وقت جس رکوع میں سجدہ آ جائے اس کو دل میں پڑھنا چاہئے یا کہ بلند آواز سے پڑھے؟ کہتے ہیں کہ سجدہ کی آیت جو آدمی بھی سنے اس پر سجدہ واجب ہے۔ اگر سجدہ نہ کرے تو اس کا کفارہ کیا ہے اور سجدہ کا طریقہ کیا ہے؟

ج: سجدہ کی آیت پڑھنے سے۔ پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ جس شخص کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب تھا اور اس نے نہیں کیا تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ سجدہ کر لے۔

سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے۔ سجدہ میں تین بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھے اور تکبیر کہتا ہوا اٹھ جائے۔ بس سجدۂ تلاوت ہو گیا۔[5]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۷ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۲، خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۵۲

[3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۶۲ [4] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۶۲ [5] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۸۶

پورے قرآن کے سجدے ایک بار کرنا:

س: سجدۂ تلاوتِ قرآن پاک کیا پڑھنے کے وقت ہی ادا کرلیا جائے یا دیر سے بھی کر سکتے ہیں اور کیا سیپارے پر سجدہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ سامنے قبلہ نہ ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پورا قرآن مجید پڑھنے کے بعد چودہ سجدے کرے۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

ج: سجدہ تلاوت فوراً کرنا افضل ہے۔ لیکن ضروری نہیں۔ بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے اور قرآن کریم ختم کر کے سارے سجدے کر لے تو بھی صحیح ہے۔ لیکن اتنی تاخیر اچھی نہیں۔ کیا خبر قرآن کریم ختم کرنے سے پہلے انتقال ہو جائے اور سجدے جو کہ واجب ہیں اس کے ذمہ رہ جائیں۔ سپارے پر سجدہ نہیں ہوتا۔ قبلہ رخ ہو کر زمین پر سجدہ کرنا چاہئے۔ سپارے کے اوپر سجدہ کرنا قرآن کریم کی بے ادبی بھی ہے۔[1]

نماز میں سجدہ تلاوت بلا تاخیر کیا جائے:

س: اگر کسی شخص نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی۔ مگر فوراً سجدہ نہیں کیا بلکہ کچھ اور آیات تلاوت کرنے کے بعد سجدہ تلاوت کیا تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج: سجدہ تلاوت آیت سجدہ پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آیت سجدہ پڑھتے یا سنتے ہی اسی وقت سجدہ تلاوت ادا کیا جائے۔ تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔ البتہ بصورت مجبوری تاخیر کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ مراقی الفلاح ص ۲۶۰ باب سجدۃ التلاوۃ میں ہے۔[2]

سورۂ حج کا سجدہ:

س: سورۂ حج میں دو جگہ سجدہ تلاوت آتے ہیں۔ ان سجدوں میں سے ایک سجدے کے سامنے ''عند الشافعی'' لکھا ہوا ہے۔ کیا ہم حنفی بھی اس آیت سجدہ پر سجدہ لازماً کریں یا نہیں؟

ج: حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں دوسرا سجدہ سجدۂ تلاوت نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں رکوع اور سجدہ دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے اس آیت میں گویا نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۴ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۳۴۵

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۸۹

نفل نمازیں

نمازِ تہجد

نمازِ تہجد کی فضیلت:

س: کیا رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تہجد کی فضیلت بیان فرمائی ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ نماز تہجد ادا فرمائی ہے اور اس کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ یہ نماز گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

نماز تہجد پڑھا کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں کے نیک حضرات بھی تہجد پڑھتے تھے اور یہ نماز تمہارے لئے اللہ جل شانہ کے قرب کا سبب ہے اور گناہوں کو مٹانے والی اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی)[1]

نمازِ تہجد کا وقت:

س: تہجد کا وقت غروب آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے پہلے تک رہتا ہے؟

ج: وقتِ تہجد عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ غروبِ آفتاب سے ابتداء عشاء اور صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وقت کی گھنٹوں سے تعیین نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ یہ وقت ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے۔ البتہ ایک گھنٹہ سے کم کبھی نہیں ہوتا۔

جو شخص رات کی ایک تہائی تہجد میں مشغول رہنا چاہے۔ اس کے لئے افضل وقت یہ ہے کہ رات کے تین حصے کر کے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے۔ اوّل و آخر میں سوئے۔ اور اگر نصف شب تہجد میں گزارنا چاہے تو آخری نصف افضل ہے۔

اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ارادہ بھی رکھے۔ اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا۔[2]

---

[1] تحفۂ خواتین ص ۱۴۴ [2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۶۸

تہجد کی کتنی رکعتیں افضل ہیں:

س: احادیث میں نماز تہجد رسول اللہ ﷺ سے دس رکعت سے زائد ثابت ہیں۔ کبھی تیرہ، کبھی گیارہ، کبھی نو اور کبھی سات رکعت (مشکوٰۃ شریف) جو شخص تہجد پڑھے وہ بغرض اتباع سنت اسی طرح پڑھے یا کوئی تعداد مقرر کرلے؟

ج: چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر آٹھ رکعت تہجد پڑھی ہیں اور تین وتر اس لئے فقہاء حنفیہ نے آٹھ رکعت پر مواظبت کو مستحب فرمایا ہے اور اگر گنجائش نہ ہو تو دو یا چار رکعت بھی کافی ہیں۔[1]

تہجد کے بارہ میں روایات مختلف ہیں کم از کم دو اور چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ تک وارد ہوئی ہیں۔ لیکن اکثری طور سے نماز تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ رکعت تھی۔ اس بنا پر فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہے کہ تہجد میں سنت آٹھ رکعات ہیں۔[2]

نمازِ تہجد کے بعد وتر پڑھنا افضل ہے:

س: نمازِ تہجد کے آخر میں وتر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص رات کو صرف چند رکعات نفل پڑھے اور وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے۔ تو اس سے تہجد پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

ج: تہجد وہ نفل نماز ہے۔ جو عشاء کی نماز کے بعد نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ آخر میں وتر پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ تاہم اگر اس کے ساتھ آخر میں وتر نہ ملائے جائیں تو بھی تہجد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[3]

اگر جاگنے کا بھروسہ ہو تو وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ اس لئے اگر صبح صادق سے پہلے وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ نوافل کے بعد وتر پڑھ سکے گا تو پہلے تہجد کے نفل پڑھے۔ اس کے بعد وتر پڑھے اور اگر کسی دن آنکھ دیر سے کھلی اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر نوافل میں مشغول ہوا تو کہیں وتر قضا نہ ہو جائیں تو ایسی صورت میں پہلے وتر کی تین رکعتیں پڑھ لے۔ پھر اگر صبح صادق میں کچھ وقت باقی ہو تو نفل بھی پڑھ لے۔ تہجد کی نماز کا ایک معمول تو مقرر کر لینا چاہئے کہ اتنی رکعتیں پڑھا کریں گے پھر اگر وقت کی وجہ سے کمی بیشی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔[4]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۳۰۴

[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۳۱۰

[3] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۲۵۹

[4] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۷۷

نمازِ اشراق

اشراق کی نماز کا وقت:

س: اشراق کی نماز کا وقت کیا ہے؟

ج: اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آ جائے کہ اس پر کچھ دیر تک نظر جمانا مشکل ہو تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی مقدار ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتی ہے۔ اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے۔ مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے۔[۱]

اشراق کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً بارہ پندرہ منٹ پر شروع ہو جاتا ہے۔

((اولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع الشمس وتبيض قدر رمح او رمحين))

(طحطاوی ص ۱۰۶)[۲]

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے صبح کی نماز با جماعت پڑھی۔ پھر وہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر اس نے دو رکعت نماز (اشراق) ادا کی تو اسے ایک حج اور عمرہ کا پورا ثواب ملے گا۔[۳]

(خواتین کے لئے) اشراق کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو جانماز پر سے نہ اٹھے۔ اسی جگہ بیٹھے بیٹھے درود شریف یا کلمہ یا اور کوئی وظیفہ پڑھتی رہے اور اللہ کی یاد میں لگی رہے۔ دنیا کی کوئی بات نہ کرے نہ دنیا کا کوئی کام کرے جب سورج نکل آئے اور اونچا ہو جائے تو دو رکعت یا چار رکعت پڑھ لے تو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر فجر کی نماز کے بعد کسی دنیا کے دھندے میں لگ گئی پھر سورج اونچا ہونے کے بعد اشراق کی نماز پڑھی تو بھی درست ہے۔ لیکن ثواب کم ہو جائے گا۔[۴]

نماز اشراق کے لئے تعیین مکان شرط ہے:

س: مسجد محلّہ میں صبح کی نماز پڑھے اور تفسیر قرآن کی سماعت کی غرض سے دوسری مسجد میں جائے اور وہاں نماز اشراق

---

۱ احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۶۷ ۲ فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۸۶

۳ ترمذی ابواب السفر باب ماذکر ممایستحب من الجلوس فی المسجد ج ۱ ص ۲۳۰ ۴ بہشتی زیور حصہ دوم ص ۳۰

پڑھے تو نماز اشراق کا اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟ کیا فرض نماز پڑھ کر اسی جگہ اشراق پڑھنا ضروری ہے؟ اگر مسجد سے مکان پر استنجاء کے لئے یا گرم پانی سے وضو کرنے کے لئے جائے اور مکان ہی میں اشراق ادا کرے تو اجر وثواب کا حق دار ہے یا نہیں؟

ج: نمازِ اشراق کی پوری فضیلت اور مکمل ثواب کا وہ شخص مستحق ہے جو نماز فجر مسجد میں با جماعت ادا کرے یا بوجہ معذوری گھر میں پڑھے اور اسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد دو رکعت یا چار رکعت صلوٰۃ الضحیٰ ادا کرے۔

اور وہ شخص جو تفسیر قرآن سننے کے لئے دوسری مسجد میں جائے اور وقت ہونے پر اشراق کی نماز پڑھ لے۔ وہ بھی اشراق کی فضیلت پائے گا۔ مگر نسبتاً کم۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو طبعی عذر استنجاء یا وضوء کی ضرورت کی وجہ سے گھر جانے پر مجبور ہوا ہے اور حاجت سے فراغت پا کر دنیوی کام میں مشغول ہونے سے پہلے نماز پڑھتا ہے۔ وہ بھی اشراق کے ثواب سے محروم نہ ہوگا اور اس آمد و رفت کو مسجد میں ٹھہرے رہنے کا درجہ دیا جائے گا اور جس طرح معتکف کے لئے طبعی حاجت کی بنا پر خروجِ مسجد منافی اعتکاف نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی منافی نہ ہونا چاہئے۔

((قال قال رسول الله ﷺ من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد یذکر الله (الحدیث) ای استمر فی مکانه و مسجده الذی صلی فیه فلاینا فیه القیام لطواف او لطلب علم او مجلس وعظ فی المسجد بل وکذا لورجع الی بیته واستمر علی الذکر (حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین)) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ ملتان)

((قال رسول الله ﷺ من قعد) ای استمر (فی مصلاه) من المسجد اوالبیت مشتغلا بالذکر اوالفکر او مفید اللعلم او مستفیداً او طائفاً بالبیت)) (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۰۳)

مخفی نماند کہ قعود در جائے نماز شرط کرد ای اگر برخیز دو بجائے دیگر بہ نشنیند این ثواب برآن مرتب نگردد۔ چنانچہ ظاہر فحوای کلام است۔ امام اگر برخاستن و در جائے دیگر نشستن برائے دفع ریا وحفظ حضور بود از باب تکمیل و تتمیم خواہد بود وحکم تکلم بخیر دارد و بعض محققین گفتہ اند کہ ثواب ذکر وخلوت باقی است اما شاید کہ آنچہ ثواب مصابرت وجزائے مرابطت ست مخصوص بقعود در مصلا باشد۔

(شرح سفر السعادۃ ص ۱۵۱، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۲۲، ص ۵۵۳)

پھر بیٹھے یاد کرے اللہ کو یعنی ہمیشہ ذکر میں رہے بیچ جگہ نماز اپنی کے اور مسجد اپنی کے کہ جس میں نماز پڑھی ہے۔ پس نہیں منافی اٹھنا واسطے طواف کے یا طلبِ علم کے یا مجلس وعظ کے مسجد میں اور اسی طرح اگر گھر میں چلا جائے اور ذکر کرتا رہے اس کا بھی یہی ثواب ہوگا۔

اور آفتاب نکلنے کے بعد پھر نماز پڑھے۔ یعنی بلند ہونے آفتاب کے بقدر نیزے کے نماز پڑھے کہ وقت کراہت کا جاتا رہے اور اس نماز کو اشراق کہتے ہیں۔ (مظاہر حق کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۰)

دوسری جگہ ہے:

جو شخص بیٹھا رہے الخ ملا علی قاری کی شرح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہمیشہ مشغول رہے ذکر وفکر میں اور نیک کاموں میں مثل سیکھنے سکھانے علم کے اور وعظ اور نصیحت کے اور طواف کرنے بیت اللہ کے بعد فارغ ہونے کے نماز صبح سے یہاں تک کہ پڑھے دو رکعت ضحیٰ کی خواہ مسجد میں اور اس کے مابین سوائے کلام نیک کے نہ کرے تو بخشے جاتے ہیں صغیرہ گناہ اور احتمال ہے کہ کبیرہ بھی بخشے جائیں۔ انتھیٰ

پس ان کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ بیٹھا رہے نماز کی جگہ یہ بطور تمثیل کے فرمایا ہے اور مراد مشغول رہنا ذکر اللہ اور اچھے کاموں میں ہے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ مراد ضحیٰ سے نماز اشراق کی ہے اور حدیثوں میں ضحیٰ سے احتمال اشراق اور چاشت دونوں کا ہے اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثواب جب ہوتا ہے کہ نماز ہی کی جگہ بیٹھا رہے اور اگر خلوت میں جا کر مشغول عبادت میں ہو یہ ثواب نہیں پائے گا اور مشائخ کی وصیتوں میں مذکور ہے کہ اگر ڈر پریشانی کا ہو یا ریاء و نمائش کا وسوسہ پیدا ہو تو۔ خلوت میں جائے اور ذکر میں مشغول ہووے اور لکھا ہے علماء نے کہ اس وقت میں قبلہ رخ بیٹھنے کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اگر نیند آئے تو اسے دفع کرے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۲۶ کتاب الصلوٰۃ باب الضحیٰ)[1]

نمازِ چاشت

چاشت کی نماز کا وقت:

س: چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے اور آخری وقت کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟

ج: چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے اور اس کا افضل وقت دن کا چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے۔ قال فی العلائیۃ

((وندب اربع فصاعداً فی الضحٰی علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتها المختار ربع النهار)) (رد المحتار ص ۶۳۹ ج ۱)[2]

چاشت کا وقت آفتاب طلوع ہونے سے زوال تک ہے۔ لیکن افضل اور مختار یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے کے بعد پڑھے۔ مثلاً آج کل ۶:۳۵ پر طلوع آفتاب اور ۶:۵۲ پر غروب آفتاب ہے۔ تو ۹:۴۰ سے زوال تک چاشت کی نماز پڑھ سکتا ہے۔[3]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۶ تا ص ۱۸ [2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۶۷ [3] فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۸۵

چاشت کی کتنی رکعات افضل ہیں:

س: چاشت کی رکعتوں کی صحیح تعداد اور صحیح وقت کیا ہے؟

ج: چاشت کا بہتر وقت دس بجے سے گیارہ بجے تک ہے۔ کم از کم دو رکعتیں، زیادہ سے زیادہ اور درمیانہ درجہ آٹھ رکعات ہیں۔ اور یہی افضل ہیں۔

((وفي المنية اقلها ركعتان واكثرها اثنا عشر و وسطها ثمان وهو افضلها))

(شامیہ ج ۱ ص ۶۳۹) [1]

چاشت کی نماز چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں اور زیادہ پڑھنا چاہے تو بارہ رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ [2]

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کے جسم کے جوڑوں کی طرف سے (بطور شکریہ روزانہ) صدقہ (کرنا ضروری) ہے۔ (کیونکہ یہ جوڑ اللہ پاک کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ اگر یہ جوڑ نہ ہوں تو انسان اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔ یونہی تختہ سا پڑا رہ جائے گا) پھر فرمایا کہ (صدقہ کے لئے صدقہ مالی ہی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ) سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور کسی کو نیک کام کے لئے کہہ دینا بھی صدقہ ہے۔ برائی سے روک دینا بھی صدقہ ہے اور اگر کوئی شخص چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لے تو یہ دو رکعتیں جسم کے جوڑوں کی طرف سے بطور شکریہ کافی ہوں گی۔ [3]

انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں اور روزانہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنا کتنا مشکل ہے؟ اللہ پاک نے بندوں پر مہربانی فرما کر بلا محنت و مشقت کے کاموں کو صدقہ قرار دے دیا۔

سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر اگر کوئی شخص ۳۶۰ مرتبہ پڑھ لے تو جس دن یہ پڑھے گا اس دن کا شکریہ جسم سب جوڑوں کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لینے سے بھی ۳۶۰ جوڑوں کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کا۔ [4]

اشراق اور چاشت:

ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں۔ ایک کو اشراق اور دوسری کو چاشت کہتے ہیں۔ جب ایک یا دو نیزے آفتاب بلند ہو جائے۔ اس وقت سے پہلے پہر تک جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسے اشراق کہتے ہیں۔ جو کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں ہے۔ جب آفتاب بلند ہو جائے فضاء میں گرمی اور دھوپ زیادہ پھیل جائے اور دوسرا پہر شروع ہو تو زوال سے پہلے

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۸۷ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۲۸۵

[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ [4] تحفہ خواتین ص ۱۴۲

پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسے چاشت کہتے ہیں۔ جو کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ تاہم مختار چار رکعتیں ہیں۔

دونوں نمازوں کو صلوٰۃ الضحیٰ، اشراق کو ضحوۃ صغریٰ اور چاشت کو ضحوۃ کبریٰ کہتے ہیں۔[1]

بعد زوال نماز

کیا بعد زوال کے نفل نماز ہے؟

س: کیا زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے بھی کوئی نفل نماز پڑھی جاتی ہے؟

ج: زوال آفتاب کے بعد نماز نفل پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ زوال کے وقت جب سورج ڈھل جاتا تو چار رکعت نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے عرض کیا کہ سورج ڈھلنے کے بعد آپ ہمیشہ چار رکعت پابندی سے پڑھتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؐ نے فرمایا کہ زوال شمس کے بعد آسمان (رحمت) کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ بند نہیں کئے جاتے جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھ لی جائے تو میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر جائے۔[2]

نمازِ اوابین:

س: صلوٰۃ الاوابین کی کم از کم کتنی رکعات ہیں؟

ج: صلوٰۃ الاوابین مغرب کی سنت مؤکدہ کے علاوہ چھ رکعات ہیں؟

((وست بعد المغرب ليكتب من الاوابين))

(درالمختار باب الوتر والنوافل مطلب فی السنن والنوافل ج اص ۶۳۱)[3]

دو رکعت سنتِ مؤکدہ کے سوا دوسرے نوافل صلوٰۃ اوابین میں شمار ہوں گے۔ جب چھ رکعتیں پوری ہو جائیں۔

((وست بعد المغرب ليكتب من الاوابين بتسليمة اوثنتين اوثلاث والاول ادوم واشق وهل تحسب المؤكدة من المستحب ويؤدى الكل بتسليمة واحدة اختار الكمال نعم))

(درمختار ج اص ۶۳۱)[4]

صلوٰۃ الاوابین اور اس کی تحقیق:

س: مشارق الانوار میں صلوٰۃ اوابین کی نسبت لکھا ہے کہ ''اواب'' لغت میں اس وقت کو کہتے ہیں کہ جس وقت اونٹ

---

[1] توضیح السنن ج ۲ ص ۴۱۴

[2] ترمذی شریف ج ا ص ۱۰۸

[3] فتاوی دار العلوم ج ۴ ص ۲۲۷

[4] خیر الفتاوی ج ۲ ص ۴۹۸

کے بچے کے پیر گرمی سے جلنے لگیں اور وہ وقت گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا ہوتا ہے۔ تو درحقیقت صلوٰۃ اوابین کا وقت بعد مغرب ہے یا یہ وقت ہے۔ یا دونوں وقت ہیں؟

ج: ''اوابین'' کے معنی رجوع الی اللہ کرنے والوں کے ہیں۔ پس اس اعتبار سے جملہ نمازوں کو اوابین کہہ سکتے ہیں۔ لیکن احادیث سے دو وقت کی نوافل پر اطلاق صلوٰۃ اوابین کا آیا ہے۔ ایک صلوٰۃ ضحیٰ پر جیسا کہ سوال میں درج ہے اور دوسرے نوافل بعد المغرب پر جیسا کہ کبیری شرح منیہ میں منقول ہے۔

((وان تطوع بعد المغرب بست رکعات فهوا فضل لحديث ابن عمرؓ انه عليه السلام قال من صلی بعد المغرب ست رکعات کتب من الاوابين وتلا انه کان للاوابين غفوراً الاية))[1]

پس اس حدیث سے صلوٰۃ الاوابین کا اطلاق اکثر نوافل بعد المغرب پر کیا جاتا ہے۔

((قال فی الدر المختار وست بعد المغرب ليکتب من الاوابين))[2]

اور اس کا انکار نہیں ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ بھی صلوٰۃ اوابین ہے۔ بلکہ اس کو بھی صلوٰۃ اوابین کہہ سکتے ہیں۔[3]

تحیۃ الوضو

تحیۃ الوضو کب پڑھی جائے:

س: تحیۃ الوضو کب پڑھی جائے اور اس کا کیا حکم ہے؟

ج: وضو کے اعضاء خشک ہونے سے پہلے تحیۃ الوضو کی دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مروی ہے۔ اگر یہ نماز الگ نہ بھی پڑھی جائے تو فرض نماز بھی اس کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔[4]

حدیث: ((قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ما من يتوضأ فيحسن الوضوء ثم يقوم ويصلی رکعتين يقبل بقلبه ووجهه عليهما الا وجبت له الجنة))[5]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مسلمان نے وضو کیا۔ پس اچھی طرح وضو کیا۔ پھر کھڑے ہو کر دو رکعت (تحیۃ الوضوء) نماز پڑھی۔ اس دوران قلب اور ظاہر کی پوری توجہ نماز کی طرف رہی۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

---

1. غنية المستملی شرح المنية المصلی فصل فی النوافل ص۳۶۹
2. الدر المختار ج۱ ص۶۳۱ باب الوتر والنوافل
3. فتاویٰ دار العلوم ج۴ ص۲۳۶
4. رد المحتار ج۱ ص۵۰۴
5. صحیح مسلم ج۱ ص۱۲۲

تحیۃ الوضوء اعضا خشک ہونے سے پہلے:

س: گھر سے وضو کر کے مسجد جائے تو مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ جب وضو کے اعضاء خشک ہو جائیں تو تحیۃ الوضوء نہیں پڑھ سکتا۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: تحیۃ الوضوء کا وقت اعضاء خشک ہونے سے قبل ہے۔ **قال فی شرح التنویر۔**

((**وندب رکعتان بعد الوضوء یعنی قبل الجفاف**)) (ردالمحتار ج۱ص۶۳۹)[1]

تحیۃ الوضوء سے پہلے بیٹھنا کیسا ہے؟

س: بعض آدمی مسجد میں آ کر پہلے بیٹھ جاتے ہیں پھر کھڑے ہو کر نماز تحیۃ الوضوء وغیرہ پڑھتے ہیں۔ کیا پہلے بیٹھنا مسنون ہے؟

ج: مسجد کے آداب میں سے یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا شخص بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ اولاً بیٹھ جانا مسنون نہیں ہے۔ بلکہ خلاف سنت ہے۔ (ہاں کسی عذر کی وجہ سے بیٹھنا پڑے تو مضائقہ نہیں)

حدیث میں ہے۔

((**اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس**)) (صحاح ستہ)

تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے۔[2]

کیا عورت تحیۃ الوضوء پڑھ سکتی ہے؟

س: اگر عورت پانچ نمازوں کی پابند ہو۔ کیا وہ پانچوں نمازوں میں تحیۃ الوضوء پڑھ سکتی ہے اور کیا عصر اور فجر کی نماز سے پہلے تحیۃ الوضو پڑھ سکتی ہے؟

ج: ظہر، عصر اور عشاء سے پہلے تحیۃ الوضوء پڑھ سکتی ہے۔ صبح صادق کے بعد سے نماز فجر تک صرف فجر کی سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ دوسرے نوافل درست نہیں۔ سنتوں میں تحیۃ الوضو کی نیت کر لینے سے وہ بھی ادا ہو جائے گا اور مغرب سے پہلے پڑھنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اس سے نماز مغرب میں تاخیر ہو جائے گی۔ اس لئے نماز مغرب سے پہلے بھی تحیۃ الوضو کی نماز نہ پڑھی جائے۔ بہر حال اس مسئلہ میں مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہے۔[3]

تحیۃ الوضو کس وقت پڑھنی چاہئے؟

س: تحیۃ الوضوء کس نماز کے وقت پڑھنا ہے۔ میں نے نماز کی کتاب میں پڑھا ہے کہ جس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس وقت نہیں پڑھنا چاہئے۔ مگر میں پھر بھی یہ نہیں جانتا کہ کس وقت تحیۃ الوضوء پڑھوں اور کس وقت نہ پڑھوں؟

---

[1] احسن الفتاویٰ ج۳ص۴۸۲ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج۱ص۲۲۸

[3] آپ کے مسائل ج۳ص۸۱

ج: پانچ اوقات میں نفل پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فجر سے پہلے اور بعد، عصر کے بعد، سورج کے طلوع وغروب کے وقت اور نصف النہار کے وقت۔ ان اوقات کے علاوہ جب بھی آپ وضو کریں تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں۔[۱]

تحیۃ المسجد

تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا:

س: زید مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھتا ہے پھر کھڑے ہو کر تحیۃ الوضوء نوافل وغیرہ پڑھتا ہے۔ خالد کہتا ہے کہ اکثر رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں تشریف لایا کرتے تھے اور صحابہ بھی جس وقت مسجد میں داخل ہوتے تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھ کر جلسہ کرتے تھے۔ اس صورت میں کس قول کو ترجیح ہے؟

ج: اولیٰ ومستحب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت اگر وضو ہے اور وقت میں گنجائش ہے تو پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھے اور یہ جو مروج ہو گیا ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ کر پھر تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھتے ہیں۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔[۲]

تحیۃ الوضوء تحیۃ المسجد:

س: جب مسجد میں داخل ہوں اور وضو بھی مسجد کے وضوخانہ میں کریں تو پہلے تحیۃ الوضو پڑھیں یا پہلے تحیۃ المسجد؟ جبکہ دونوں ادا کرنا ہو۔

ج: مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا۔ اسی طرح وضو کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضوء ادا ہو جائے گا۔[۳]

نماز مغرب سے پہلے تحیۃ الوضو وتحیۃ المسجد کا حکم:

س: کیا تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد مغرب کی اذان سے پانچ منٹ قبل ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا یا نہیں؟ اور ان ہر دو نماز میں کسی سورت کی تخصیص ہوگی یا نہیں؟ مثلاً فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص کو بھی ہر رکعت میں بعض لوگ تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟

ج: عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں۔[۴]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۸۱ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۱۳۶

۳ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۸۱ ۴ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۸۰

بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتی:

س: زید مسجد میں جا کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ جماعت کا وقت قریب ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے۔ اس لئے دو رکعت نفل پڑھ لئے۔ تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا یا نہیں؟

ج: بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد افضل ہے۔ مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس لئے بیٹھنے کے بعد اگر جلد ہی جماعت قائم ہو گئی ہو تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے اور اگر جماعت میں تاخیر ہو تو اٹھ کر تحیۃ المسجد ادا کر لے۔[1]

تحیۃ المسجد وقتی نمازوں کے ساتھ مخصوص نہیں:

س: کیا تحیۃ المسجد صرف اس وقت مسنون ہے جب پنج وقتہ نماز کے لئے مسجد میں جائے یا جب بھی اور جس کام کے لئے بھی مسجد میں جانا ہو ہر حال میں تحیۃ المسجد پڑھے؟

ج: اوقاتِ مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد مسنون ہے۔ وقتی نمازوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ پنج وقتہ نماز کے لئے تو مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل یا بیٹھنے کے بعد جلد ہی اگر وقتی فرض یا سنت شروع کر دیں تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو گئی۔ مستقل تحیۃ المسجد کا حکم صرف اسی صورت میں ہے۔ جب بلا نیت نماز مسجد میں داخل ہو۔

البتہ اگر بنیت نماز داخل ہوا مگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تحیۃ المسجد مستقل پڑھے۔[2]

نماز حاجت

نماز حاجت کا طریقہ:

س: نماز حاجت پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ الحاجت کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ آدمی خوب اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ نماز سے فارغ ہو کر حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثنا کرے۔ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھے۔ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرے اور خوب توبہ استغفار کے بعد یہ دعا پڑھے۔

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَمُنْجِيَاتِ اَمْرِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ))

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۲ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۳

اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے خوب گڑگڑا کر دعا مانگے۔ اگر صحیح شرائط کے ساتھ دعا کی گئی تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔[1]

نمازِ استخارہ

استخارہ کا مسنون طریقہ:

س: نمازِ استخارہ کا مسنون طریقہ کیا ہے اور کس وقت پڑھنا بہتر ہے؟

ج: نمازِ استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جس میں ضرر اور نفع دونوں کا احتمال ہو تو ایسی حالت میں نماز عشاء کے بعد دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ نماز کے بعد پوری توجہ سے یہ دعا پڑھے۔

((اللهم انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لی فی دينی ومعاشی وعاقبة امری اوقال فی عاجل امری واجله فاقدره لی ويسره لی ثم بارك لی فيه وان كنت تعلم ان هذا الامر شرلی فی دينی ومعاشی وعاقبة امری وفی عاجل امری واجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخير حيث كان ثم ارضنی به)) (بخاری ج ۱)

اور جب ھذا الامر پر پہنچے تو متعلقہ کام کی طرف توجہ کر کے دل میں لائے۔ استخارہ کے بعد جس جانب دل کا میلان ہو تو اس کو اختیار کرے اگر ایک دفعہ کرنے سے اطمینان حاصل نہ ہو تو سات دفعہ یہ عمل کرے متعدد بار کرنے سے تردد اور شک نہیں رہے گا۔[2]

صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ:

س: صلوٰۃ التسبیح کی شرعاً کیا کیفیت ہے؟ اور اس کے پڑھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے؟

ج: صلوٰۃ التسبیح مستحب ہے اور اس نماز کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھے اور سبحانک اللھم اور الحمد اور سورت جب سب پڑھ چکے تو رکوع سے پہلے ہی پندرہ دفعہ یہ دعا پڑھے۔

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.))

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۷۷ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۶۲

پھر رکوع میں جائے اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنے کے بعد دس دفعہ پھر یہی پڑھے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر دس مرتبہ پڑھے۔ پھر سجدہ میں جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر دس دفعہ پڑھے۔ اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے اس میں بھی دس دفعہ پڑھے۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے اور دس دفعہ پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اسی طرح دوسری رکعت پڑھے اور جب دوسری رکعت میں التحیات کے لئے بیٹھے تو پہلے یہی دس دفعہ پڑھے۔ پھر التحیات پڑھے۔ اسی طرح چاروں رکعات پڑھے۔[۱] (ترمذی شریف ج۱ص۶۳)

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی دوسری ترکیب اس طرح بیان ہوئی ہے۔

پہلی رکعت میں ثنا پڑھ کر پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے۔ پھر تعوذ' تسمیہ' فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع میں جانے سے پہلے دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھیں۔ پھر رکوع میں دس مرتبہ رکوع سے کھڑے ہو کر دس مرتبہ۔ پھر پہلے سجدہ میں دس مرتبہ۔ پھر دونوں سجدوں کے درمیان دس مرتبہ۔ پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ پڑھیں۔ یہ کل ۷۵ مرتبہ ہو گئے۔ اسی طرح ہر ایک رکعت میں پڑھیں۔ چار رکعات میں تین سو مرتبہ ہوں گے۔

آپ نے ارشاد فرمایا اگر ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ یہ نماز پڑھ لیا کریں۔ ورنہ ہفتہ میں ایک مرتبہ یا مہینہ میں ایک مرتبہ یا سال میں ایک دفعہ یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھ لیں۔[۲]

شامی نے (مذکورہ) دونوں صورتیں لکھی ہیں اور دونوں منقول ہیں۔ لیکن بہتر وہ صورت معلوم ہوتی ہے۔ جو موافق احادیث مشہورہ کے ہے۔ یعنی بعد قراءت کے پندرہ بار اور سجدۂ ثانیہ سے اٹھ کر دس بار تسبیح مذکور پڑھے پھر اٹھے۔[۳]

صلوٰۃ التسبیح دو سلام سے:

س: صلوٰۃ التسبیح چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا اولیٰ ہے یا دو سلام کے ساتھ اور اگر تسبیح بجائے دس کے پندرہ دفعہ بھول کر پڑھ لے تو سجدۂ سہو لازم ہو گا یا نہیں؟

ج: صلوٰۃ التسبیح دو رکعت یا چار رکعت کی نیت کرے دونوں طرح جائز ہے۔ اگر چار کی نیت ہو تو درمیان کے قعدہ میں درود شریف پڑھ لے اور تسبیح اگر دس کی جگہ بھول کر پندرہ مرتبہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔[۴]

تسبیحات میں بھول:

س: صلوٰۃ التسبیح میں اگر کسی موقع کی تسبیح بھول کر دوسرے رکن میں تکبیر کہتا ہوا چلا گیا اور اس رکن میں دوگنی تسبیح پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم ہو گا یا نہ؟

ج: اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور سجدۂ سہو لازم نہ ہو گا۔[۵]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج۲ص۴۷۴ ۲ ترمذی شریف ج۱ص۶۴ ۳ فتاویٰ دار العلوم ج۴ص۳۱۴

۴ فتاویٰ دار العلوم ج۱ص۳۱۵ ۵ فتاویٰ دار العلوم ج۴ص۳۱۵

اَلْمَوتُ قَدْحٌ کُلّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا
اَلْقَبْرُ بَابٌ کُلّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

کتاب الجنائز

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں
ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون کا گارا بنایا اینٹ جس میں ہڈیاں
چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پر زور آندھی آ کے جو ٹکرائے گی
یہ عمارت ٹوٹ کر پھر خاک میں مل جائے گی

یہی دھن ہے تجھ کو رہوں سب سے نرالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

مؤلف کے والد گرامی نے فرمایا:

(۱) نبی سلیمانؑ شاہ سکندر ملکیں حکم چلایا چھوڑ گئے ایہ دنیا فانی خالی ہتھ وکھا کے
(۲) رستم جیہے بہادر نامی موتا کیتے فانی چت لٹا سامی اندر غالب حکم سنا کے
(۴) لکھ کروڑاں گذر سدہائے نازادائیں والے آج ہک جلوہ روپ اپنیدا کوئی نہ دسے آ کے
اساں تساں بھی واری اپنی جانا چھوڑ ٹکانا ہور کوئی آ بہ سی ایتھے بستر تکیے لا کے

ترجمہ:

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام اور سکندر بادشاہ نامی گرامی باشاہ تھے۔ وہ بھی یہ فانی دنیا خالی ہاتھ دکھا کر چھوڑ گئے۔
(۲) رستم جیسا مشہور پہلوان بھی موت کے ہاتھوں فنا ہو گیا۔ اسے اللہ کا غالب حکم سنا کر موت نے قبر میں چت لٹا دیا۔
(۳) لاکھوں کروڑوں نازک مزاج بھی دنیا سے چلے گئے۔ اب ان میں سے کوئی ایک بھی آ کر منہ تک نہیں دکھاتا۔
(۴) ہم اور آپ سب اپنے نمبر پر یہ جگہ چھوڑ جائیں گے۔ یہاں کوئی اور آ کر بستر اور تکئے لگا کر بیٹھے گا۔

قریب المرگ کے لئے احکام

موت کے وقت قبلہ رو کرنا:

س: قریب المرگ آدمی کو روبقبلہ کر دینا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

ج: قریب المرگ شخص کو متوجہ الی القبلہ کرنے کے متعلق شرح منیہ میں یہ حدیث منقول ہے۔

حضرت براء بن معرور کی وصیت کے قصہ میں ہے۔

((واوصٰی ان یوجهه الی القبلة لما احتضر فقال علیه الصلوة والسلام اصاب الفطرة))(الحدیث)

((راوه الحاکم وقال صحیح والسنة ان یکون علی شقه الایمن کما هو السنة فی النوم[۱] الخ))(کبیری ص۵۳۳ فصل فی الجنائز)[۲]

سنت یہ ہے کہ قریب المرگ آدمی کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے لٹا دیا جائے۔ بشرطیکہ یہ لٹانا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو اور کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے۔ اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اونچی آواز سے کلمہ پڑھیں۔ مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ خدانخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے۔ جب وہ ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ ہاں اگر اس کے بعد وہ کوئی دنیوی بات کرے۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہئے۔[۳]

---

۱ حلبی کبیر ص ۵۷۶ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۴۳ ۳ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۶۲

قریب المرگ کے پاس حائضہ نہ بیٹھے:

س: عام رواج ہے کہ جب کسی کی روح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت۔ ایک جمگھٹا سا لگ جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: ایسے وقت میں سورۂ یٰسین پڑھنی چاہئے اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی چاہئے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہے۔

((وفی النتف انه یقرء عنده یٰسین ویحضر الطیب ویخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب)) (جامع الرموز ص۱۵۶)[۱]

بوقت نزع عورت کومہندی لگانا:

س: عورت کو نزع کے وقت مہندی لگانا مسنون ہے یا نہیں؟

ج: یہ نہ مسنون ہے اور نہ درست ہے۔ بلکہ ناجائز ہے۔

((ولا یسرح شعره ای یکره تحریماً ولا یقص ظفره الاالمکسور ولا شعر ولا یختن)) (درمختار)

((کما فی القنیة ان التزیین بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا یجوز))

(ردالمختار باب صلاۃ الجنائز ج۱ ص۸۰۳)[۲]

نابالغ کو بوقت نزع یٰسین سنانا:

س: نابالغ بچے کو سورۂ یٰسین نزع کے وقت سنانا کیسا ہے؟ باعث ثواب ہے یا نہیں؟

ج: میت خواہ بالغ ہو یا نابالغ بہرصورت نزع کے وقت یٰسین سنانا مستحب ہے۔[۳]

غسلِ میت

غسل کیلئے میت کیسے رکھی جائے:

س: میت کو غسل دیتے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کو روبقبلہ ہونے کے لئے مشرق مغرب لٹاتے ہیں۔ اسی طرح بہتر ہے یا شمال جنوب کون سا طریقہ مسنون ہے؟

ج: دونوں طرح درست ہے اور دونوں طریق موافق شریعت کے ہیں کذا فی الشامی۔[۴]

((یوضع علی السریر وقیل یوضع الی القبلة طولا وقیل عرضاً کما فی القبر))[۵]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج۳ ص۲۶۰ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۲۴۵ ۳ احسن الفتاویٰ ج۴ ص۲۱۲

۴ فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۲۵۰ ۵ ردالمختار ج۱ ص۶۳ کتاب الجنائز

بعض نے فرمایا ہے کہ غسل کے وقت میت کو قبلہ کی طرف پیر کر کے لٹا دیں اور بعض نے فرمایا کہ منہ قبلہ کی طرف کر کے لٹا دیں جیسا کہ قبر میں لیکن صحیح تر یہ ہے کہ جو طریق آسان ہو اور سہل ہو ویسا کریں۔ معمول یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔[1]

غسل میت کیلئے پانی کیسا ہو:

س: یہ مشہور ہے کہ میت کے غسل دینے کے لئے پہلا پانی بیری کے پتوں کا جوشاندہ اور دوسرا پانی مع کافور کے جوشاندہ تیسرا پانی خالص بغیر جوش دادہ ہو۔ اس میں صحیح کون سا ہے؟

ج: شامی نے غسل میت کے متعلق یہ تفصیل لکھی ہے کہ پہلے خالص پانی سے غسل دیا جائے پھر بیری کے پتوں کا پکا ہوا پانی۔ پھر کافور ملا ہوا پانی ڈالا جائے اور فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اول دو مرتبہ بیری کے پتوں کا ملا ہوا پانی اور تیسرا کافور کا ملا ہوا پانی ہو۔[2]

میت کو غسل دینے کا طریقہ:

س: میت کو غسل کس صورت سے دیا جائے؟ کیا یہ سنت ہے یا فرض یا واجب؟ اور کس طور سے نہلائیں؟ اور جو شخص بلا ترکیب میت کو غسل دے اور بدن مردہ پر خوب پانی بہا دے اور قاعدۂ غسل سے ناواقف ہو تو اس کا غسل ٹھیک ہوا یا نہیں؟

ج: میت کے غسل کی کیفیت یہ ہے کہ استنجاء کرانے کے بعد اس کو وضوء کرایا جائے اور اس کے سر اور تمام بدن پر بیری کے پتوں میں پکا ہوا پانی ڈالا جائے اور اس کا سر اور داڑھی خطمی سے دھوئی جائے اور بائیں کروٹ پر لٹا کر دائیں کروٹ کی طرف پانی بہا دیا جائے پھر داہنی کروٹ کی طرف لٹا کر بائیں کروٹ دھوئی جائے۔ پھر اس کو کسی سہارے سے بٹھا کر اس کے پیٹ کو آہستہ سے ملا جائے جو کچھ نجاست نکلے اس کو دھویا جائے پھر اس کو لٹا کر تمام بدن پر پانی بہا دیا جائے۔

اس میں سنت و فرض غسل سب ادا ہو جائیں گے اور فرض صرف ایک بار بدن کا دھونا ہے۔ باقی سب امور سنت ہیں۔

بلا ترتیب اگر میت کو غسل دیا گیا تو غسل ادا ہو گیا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ موافق سنت کے غسل دیا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔[3]

جس جگہ میت کو غسل دیا جائے وہاں پردہ کر لینا مستحب ہے تاکہ غسل دینے والے اور اس کے مددگار کے سوا کوئی اور نہ دیکھے۔

میت کے غسل کے وقت اس کا ستر ناف سے گھٹنے تک کسی کپڑے سے ڈھانک دیں۔ یہی حکم صحیح ہے۔

میت کے استنجاء کی صورت یہ ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے اور نجاست کے مقام کو دھوئے۔ اس لئے کہ جس طرح ستر کو دیکھنا حرام ہے۔ اس کو چھونا بھی حرام ہے۔

مرد (میت کو غسل دیتے وقت) مرد کے ران کو نہ دیکھے۔ اسی طرح عورت (عورت میت کو غسل دیتے وقت) عورت

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۵۱ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۵۴ [3] ایضاً۔

کی ران کو نہ دیکھے۔[1]

غسل دینے والا اپنی انگلی پر کپڑا لپیٹ کر تر کر کے میت کے دانتوں' مسوڑوں اور نتھنوں میں پھیرے۔[2]

س: مردہ عورت کو نہلاتے وقت اس کے پورے بدن پر کپڑا ڈالنا ضروری ہے یا مرد کی طرح صرف ناف سے گھٹنوں تک چھپانا کافی ہے۔

ج: عورت کو عورت سے اس قدر پردہ ہے۔ جتنا مرد کو مرد سے۔ اس لئے عورت کو نہلاتے وقت صرف ناف سے زانو تک کپڑا ڈالنا کافی ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار ج ا ص ۸۰۰ میں ہے۔[3]

میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال:

س: عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً ثابت ہے؟

ج: کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے۔ مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا۔ بلکہ استنجاء کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجاء والی جگہ کو دھوئے۔

((ویستنجی عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ کذا فی محیط السرخی وصورة الاستنجاء ان یلف الغاسل علی یدیه خرقة ویغسل السؤة لان مس العورة حرام کالنظر الیها کذافی الجوهرة النیرة)) (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۵۸)[4]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔

''اور پیٹ پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرو۔ نجاست خارج ہو یا نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں مٹی کے تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرو۔[5]

س: ''بہشتی زیور'' میں ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے ڈھیلے سے استنجاء کرایا جائے پھر پانی سے دھویا جائے۔ مگر ''امدادالفتاویٰ'' میں ہے کہ میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال ثابت نہیں۔ دونوں میں سے کون سا فتویٰ صحیح ہے؟

ج: کتب فقہ میں میت کے لئے استنجاء کا حکم تو مصرح ہے۔ اس لئے ڈھیلے کے استعمال کی صراحت اگر نہ بھی ملے تو بھی چونکہ استنجاء کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پہلے ڈھیلے کے بعد پانی استعمال کیا جائے اور اس اطلاق میں میت بھی داخل ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بھی ڈھیلے کا استعمال مسنون ہوگا۔[6]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری مترجم ج کتاب الصلوٰۃ ص ۸۶۹

[2] غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ا ص ۴۰۱

[3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۷

[4] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۲

[5] بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷۸

[6] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۸

جنبی کے غسل کا طریقہ:

س: اگر کوئی مرد یا عورت جنابت کی حالت میں مرجائے تو اس کے غسل کا کیا طریقہ ہے۔ آیا غسل میت کے علاوہ غسل جنابت بھی دیا جائے گا؟ یا ایک ہی غسل کافی ہوگا؟

ج: جنابت کی حالت میں مرجانے سے اس کے غسل میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ جس طرح دیگر اموات کو غسل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جنبی میت کو غسل دیا جائے گا۔ البتہ درمختار میں امداد الفتاح سے نقل کیا ہے کہ میت جنبی کے غسل میں کلی کرائی جائے اور ناک میں پانی بھی ڈالا جائے۔ لیکن علامہ شامی نے اس کو رد کیا ہے اور زیلعی سے نقل کیا ہے۔ غسل میت کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے بغیر ہے۔[1] حالتِ جنابت یا حیض یا نفاس میں موت واقع ہو تو بھی غسل دیتے وقت منہ اور ناک میں پانی ڈالنا درست نہیں۔ البتہ دانتوں اور ناک میں تر کپڑا پھیر دیا جائے تو بہتر ہے۔ ضروری نہیں۔[2]

نابالغ لڑکی کے غسل کا حکم:

س: اگر کوئی نابالغ لڑکی مرجائے اور وہاں کوئی عورت غسل دینے والی نہ ہو۔ تو اس کا شوہر یا اور کوئی محرم اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اتفاق سے کوئی محرم بھی موجود نہ ہو تو غیر محرم اس کے غسل کا مجاز ہے یا نہیں؟ یا ایسی مجبوری کی صورت میں بلا غسل و کفن وغیرہ دفن کردی جائے گی؟

ج: نابالغہ لڑکی اگر غیر مراہقہ ہے تو اس کو ہر ایک مرد اور عورت غسل دے سکتا ہے۔ **قال فی الفتح۔ الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا الشھوۃ یغسلھا الرجل والنساء۔**

اور مراہقہ کا حکم اس بارہ میں مثل بالغہ کے ہے اور بالغہ عورت کو سوائے عورتوں کے اور کوئی غسل نہیں دے سکتا۔ شوہر بھی غسل نہیں دے سکتا۔ بلکہ اگر کوئی محرم موجود ہے تو وہ اس عورت کا تیمم کرادے اور غیر محرم کپڑا اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر تیمم کرادے اور کفن پہنا کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیں۔[3]

میت کو کون غسل دے:

س: میت کو کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے سکتے ہیں۔

ج: بہتر تو یہ ہے میت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے۔ بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسبِ شرع غسل دے سکتا ہو۔ ورنہ کسی پرہیزگار صالح آدمی سے غسل دلوایا جائے۔[4]

میت کو نہلانے کی اجرت لینا:

س: میت کو نہلانے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ جبکہ بغیر اجرت لئے کوئی غسل نہ دے؟

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۲۴۵-۲۴۷
[2] احسن الفتاویٰ ج۴ ص۲۳۸
[3] فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۲۴۶
[4] خیر الفتاویٰ ج۳ ص۲۵۵

ج: اگر سوائے ایک شخص کے دوسرا کوئی بھی نہلانے والا نہ ہو تو اس کو اجرت لینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس پر نہلانا فرض عین ہے۔ اگر دوسرے بھی نہلانے والے ہوں تو اجرت جائز ہے۔

مگر یہ فریضہ میت کے رشتہ داروں کو ادا کرنا چاہئے۔ اپنے عزیز کو خود غسل نہ دینا اور دوسروں کے سپرد کرنا انتہائی بے مروتی، بے غیرتی اور دلیل کبر ہے۔[1]

نرس کا دیا ہوا غسل:

س: یہاں پر (افریقہ میں) تقریباً ننانوے فیصد زچگی (وضع حمل) ہسپتالوں میں ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو اس مردہ بچے کو نرس غسل وکفن دے کر تیار کرتی ہے۔ پھر اسے گھر پر غسل نہیں دیا جاتا اور قبرستان دفن کر دیا جاتا ہے۔

ج: نور الایضاح وغیرہ معتبر کتابوں میں ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہو تو مذہب مختار یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل، غسل کے حکم میں نہیں آتا ہے۔ اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلف ہونا شرط ہے۔ نیز غیر مسلم کا دیا ہوا غسل سنت کے مطابق نہیں۔ پھر مسلمان کی تجہیز وتکفین مسلمانوں پر لازم ہے۔ اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے ہاتھوں مسنون طریقہ سے غسل دیا جانا ضروری ہے۔ خواہ وہ ہسپتال میں ہو یا گھر پر۔[2]

اگر عورت مردوں میں یا مرد عورتوں میں مر جائے تو غسل کی کیا صورت ہوگی:

س: اگر عورت مردوں میں مر جائے اور کوئی عورت وہاں نہ ہو۔ یا مرد عورتوں میں مر جائے اور کوئی مرد نہ ہو تو غسل اور تجہیز وتکفین کی کیا صورت ہوگی؟

ج: درمختار میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے۔

((ماتت بين رجال اوهوبين النساء يممه المحرم فان لم يكن فالا جنبى بخرقة))الخ

یعنی کوئی عورت مردوں میں مرگئی یا مرد عورتوں میں مرگیا تو اگر کوئی محرم موجود ہے تو بلا خرقہ (کپڑے) کے تیمم کرا دے اور اگر محرم نہیں ہے تو اجنبی شخص خرقہ کے ساتھ تیمم کرا دے۔[3]

شوہر اپنی مردہ عورت کو غسل دے سکتا ہے؟

س: کیا زید اپنی مردہ عورت کی میت کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں جبکہ کوئی عورت وہاں موجود نہ ہو؟

ج: شامی میں ہے کہ مرد اپنی عورت مردہ کو تیمم کرا دے۔ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر بھی غسل نہ دے۔ کیونکہ عورت کو

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۱۸ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۷۳

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۴۹

عورت ہی غسل دے سکتی ہے۔ مرد اگرچہ محرم ہو تو تب بھی تیمم ہی کرا دے۔[1]

حنفیہ کی تحقیق کے مطابق بیوی کی وفات کے بعد چونکہ دونوں کا نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن جاتے ہیں۔ اس لئے شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔[2]

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے:

س: میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

ج: بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے۔ غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے۔[3]

شوہر کے مرنے کے بعد دونوں کا نکاح من کل الوجوہ ختم نہیں ہوتا' عورت ایام عدت میں من وجہ شوہر کے نکاح میں ہوتی ہے۔ اس لئے شوہر کے مرنے کے بعد وہ اسے غسل دے سکتی ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الجنائز مطلب فی حدیث کل سبب)[4]

ناخن پالش چھڑائے بغیر غسل:

س: اگر کسی بہن کو ناخن پالش لگانے کی عادت تھی اور اس کا انتقال ہو گیا۔ جب عورتوں نے اسے غسل دیا تو اس کا خیال نہ کیا اور نہلانے کے بعد پتہ چلا کہ ناخن پالش رہ گئی ہے تو دوبارہ غسل دینا چاہئے یا نہیں؟

ایک جگہ کسی کا انتقال ہو گیا۔ غسل دیتے وقت کسی نے توجہ نہ دی۔ بعد میں دیکھا گیا تو بتایا گیا کہ اب اسی طرح رہے گی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسی طرح دفنا دیا گیا۔ تو شریعت کی رو سے کیا کیا جائے؟

ج: پالش چھڑا کر صرف ناخن دھو دینا کافی ہے۔ پورے غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پالش چھڑا کر ناخن دھونا فرض تھا۔ بدوں چھڑائے غسل صحیح نہیں ہوا۔ اس لئے نماز جنازہ بھی نہ ہوئی۔ جس جاہل نے یہ مسئلہ بتایا کہ اب دھونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سخت مجرم ہے۔ اس پر توبہ فرض ہے۔[5]

غسل کے لئے گھر کے برتن:

س: آج کل لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ میت کے غسل کے لئے اپنے گھر کے پاک برتن استعمال نہیں کرتے۔ یہ رسم کیسی ہے؟

ج: گھر کے پاک برتنوں میں پانی گرم کرنے اور غسل دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔[6]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۲۵۵ — [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۵۸

[3] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۴۶ — [4] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۵۸

[5] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۷ — [6] فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۲۴۹

خنثیٰ مشکل کا غسل:

س: خنثیٰ مشکل کو غسل کون دے سکتا ہے؟

ج: خنثیٰ مشکل کو غسل کوئی نہیں دے سکتا۔ نہ مرد اور نہ عورت بلکہ اس کو تیمم کرایا جائے گا۔[1]

غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں:

س: جو آدمی میت کو غسل دیتا ہے کیا اسے پھر غسل کرنا چاہئے یا نہیں؟

ج: میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔[2]

کفن کا بیان

مرد اور عورت کا کفن:

س: میت مرد اور عورت کے لئے کفن کے کتنے کپڑے سنت ہیں؟

ج: مرد کے لئے تین کپڑے کفن میں سنت ہیں ازار و قمیص اور لفافہ۔

اور عورت کے لئے پانچ، قمیص، ازار، خمار، لفافہ اور سینہ بند۔

پہلے لفافہ (یعنی بڑی چادر) کو بچھایا جائے۔ پھر قمیص پھر ازار (یعنی چادر)

اور عورت کے لئے لفافہ کے اوپر قمیص پھر خمار یعنی اوڑھنی پھر ازار پھر سینہ بند اور بعض کتب میں ہے کہ سینہ بند قمیص کے اوپر اور لفافہ کے نیچے ہو۔[3]

عورت کے کفن کی تفصیل:

س: کفن میں جس کو الفی یا کفنی کہتے ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہئے یا پیچھے چھوٹی۔ بعض لوگ آگے سے بڑی اور پیچھے سے چھوٹی بناتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ اور بعض لوگ زنانہ کا سر بند جسے کہتے ہیں۔ یعنی ٹوپی سی کر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟

ج: کفنی کندھے سے لے کر نصف پنڈلی تک ہونی چاہئے۔ یہ کپڑا اڑھائی گز (سوا دو میٹر) لمبا، چودہ گرہ یا پندرہ گرہ عرض کا تیار ہوتا ہے۔ اس کے دو برابر حصے کر کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔

ٹوپی سی کر نہیں پہنانا چاہئے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گرہ ہو لے کر سر کے بال کے دو حصے کر کے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں۔[4]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۴۹
[2] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۶۴
[4] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۷

مرد وعورت کا مسنون کفن:

س: کفن کے لئے آج کل عام رواج ہے کہ ۲۲ گز لٹھے کا استعمال ہوتا ہے۔ کیا شرعی طور پر یہ پابندی ضروری ہے۔ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہے؟

ج: مرد کے لئے مسنون کفن یہ ہے۔

(۱) بڑی چادر۔ پونے تین گز لمبی، سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑی۔

(۲) چھوٹی چادر۔ اڑھائی گز لمبی، سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑی۔

(۳) کفنی یا کرتا۔ اڑھائی گز لمبا ایک گز چوڑا۔

عورت کے کفن میں دو کپڑے مزید ہوتے ہیں۔

(۴) سینہ بند۔ دو گز لمبا، سوا گز چوڑا۔

(۵) اوڑھنی ڈیڑھ گز لمبی، قریباً ایک گز چوڑی۔

نہلانے کے لئے تہبند اور دستانے اس کے علاوہ ہوتے ہیں [1]

قمیص کسے کہتے ہیں:

س: فقہ کی کتابوں میں ازار، لفافہ اور قمیص لکھا ہے۔ ازار اور لفافہ تو دو بڑی چھوٹی چادریں ہیں۔ قمیص کیا ہے۔ کس صورت اور وضع کا کہاں سے کہاں تک کا؟ قمیص کے کیا معنی ہیں؟

ج: قمیص کے معنی کرتہ کے ہیں اردو میں اس کو کفن کہتے ہیں اور تہبند ازار کا ترجمہ ہے۔

قمیص کے متعلق شامی میں لکھا ہے۔

((والقمیص من اصل العنق الی القدمین بلاد خریص و کمین))

(ردالمحتار باب صلاۃ الجنائز ج اص ۸۰۶)

ترجمہ: اور کرتہ یعنی کفنی گردن سے قدمین تک ہونا چاہئے۔ بدون کلیوں اور بدون آستینوں کے۔

صورت قمیص کی یہ ہے کہ قریب اڑھائی گز کپڑا لے کر اس کو دوہرا کر کے درمیان میں سے اس قدر پھاڑا جائے کہ سر اس میں آجائے اور گردن سے قدمین تک ہونا چاہئے۔[2]

کفن میں سینہ بند کہاں رکھا جائے:

س: عورت کے کفن میں سینہ بند سب کپڑوں کے اوپر رہنا چاہئے یا قمیص کے نیچے؟

ج: سینہ بند لفافہ کے نیچے اور قمیص کے اوپر ہونا چاہئے۔ یعنی لفافہ نظر میں سب سے اوپر رہے۔ اس کے بعد سینہ بند اور

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۱۰۰ [2] فتاوی دار العلوم ج ۵ ص ۲۶۵

اگر لفافہ کے اوپر سینہ بند رکھ دیا جب بھی خرابی نہیں ہے جائز ہے۔ اوّل لفافہ بچھانا چاہئے تاکہ لپیٹنے کے بعد اوپر رہے۔[۱]

مرد وعورت کی کفن میں گریبان کی کیفیت:

س: میت مرد ہو یا عورت قمیص کا گریبان پیچھے گردن کی طرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: مرد اور عورت کے کفن میں اگر مساوات ہو تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے فقہاء نے درع اور قمیص کو مترادف فرمایا ہے اور جن فقہاء نے ان میں فرق کیا ہے تو اس سے بھی لزوم اس کا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ شرح منیہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ امر عادت پر موقوف ہے۔ اب چونکہ عادت یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا شق گریبان سینہ پر ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں کے کفن میں یہ درست ہے اور اگر فرق مذکور کیا جائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ فرق لازم نہیں ہے۔[۲]

کفن میں سلا ہوا کپڑا:

س: مردہ کو مرد ہو یا عورت پائجامہ اور ٹوپی دھاگے سے سی کر کفنانے کے وقت پہناتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

ج: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ پائجامہ اور ٹوپی کفن مسنون سے علیحدہ دیا جاتا ہے۔ تو یہ بالکل فضول ہے اور ناجائز ہے۔ ٹوپی اور پائجامہ کفن میں داخل نہیں ہیں اور نہ ثابت ہیں۔

((قال فی شرح المنیة السنة ان یکفن الرجل فی ثلثة اثواب قیمص و ازارو لفافة الخ))

پائجامہ اور ٹوپی کفن میں نہیں ہے۔ مردہ کو نہ پہنائے جائیں۔

اور کچے دھاگے اور پکے دھاگے سے سینا برابر ہے۔ کسی دھاگہ سے بھی نہ سیا جائے۔ تہبند بغیر سلا ہوا دیا جائے۔[۳]

کفن میں سلے ہوئے کپڑے استعمال نہیں ہوتے۔ سلے ہوئے کپڑے کفن میں استعمال کرنا خلاف سنت ہے۔[۴]

کفن کے لئے نیا کپڑا:

س: کیا کفن کے لئے نیا کپڑا خریدنا ضروری ہے؟

ج: کفن کے لئے نیا کپڑا خریدنا ضروری نہیں۔ دھلی ہوئی چادروں میں بھی کفن دینا صحیح ہے۔[۵]

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے:

س: کیا چار ہزار جاپانی کیٹی کا کفن بنانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: میت اپنی زندگی میں جمعہ وعیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا تھا۔ ویسا ہی کفن دیا جائے۔ نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو۔ زیادہ قیمتی نہ ہو۔ جاپانی کیٹی اگر اس اصول کے تحت آتی ہے تو اس کا کفن درست ہے۔[۶]

---

۱ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۵۸ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۶۰ ۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۷۱

۴ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۰۱ ۵ ایضاً۔ ۶ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۵

مرنے والا جس قسم کے کپڑے زندگی میں جمعہ اور عیدین کے لئے پہنا کرتا تھا اور عورت اپنے میکے جانے کے لئے جیسے کپڑے پہنا کرتی تھی۔ اس معیار کے کپڑے کفن میں استعمال کرنے چاہئیں۔ مگر حکم یہ ہے کہ میت کو سفید رنگ کے کپڑے میں کفن دیا جائے۔ اس لئے عام طور پر سفید لٹھے کا کفن استعمال کیا جاتا ہے۔[1]

عورت کے بال کیسے رکھے جائیں:

س: کفن کے وقت عورت کے سر کے بال کیسے رکھے جائیں؟

ج: بالوں کی دولٹیں بنا کر نیچے سے نکال کر سینہ پر رکھ دیئے جائیں۔[2]

عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے:

س: عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کا کفن کس کے ذمہ ہے؟ عورت کے ماں باپ کہتے ہیں کہ لڑکی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ماں باپ زندہ ہوں تو اس کا کفن ان کے ذمہ ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ یا پھر خود عورت کے مال میں سے خرچ لیا جائے؟ یا شوہر کے ذمہ ہے وضاحت فرمائیں۔

ج: عورت کا انتقال ہو جائے اور اس وقت شوہر زندہ ہو تو اس صورت میں عورت چاہے مالدار ہو اس کا کفن اس کے شوہر کے ذمہ ہے۔ ماں باپ کے ذمہ لازم نہیں۔ شامی میں ہے۔

((قوله بتجهيزه) وكذا تجهيز من تلزمه نفقه كولدمات قبله ولو بلحظة ولزوجته ولو غنية على المعتمد در منتقىٰ)) (شامی ج۵ ص۶۶۴ کتاب الفرائض)

مفید الوارثین میں ہے۔ (۴) عورت کا اگر شوہر موجود ہے۔ تو عورت کا کفن اس کے ذمہ پر واجب ہے۔ عورت کے ترکہ میں سے اس کا خرچ نہ لیا جائے۔ اگر شوہر نہیں ہو تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ اور مال سے خرچ لیا جائے۔ (مفید الوارثین ص۳۶ فصل اوّل تجہیز وتکفین کا بیان)[3]

عورت کیلئے رنگین کفن:

س: بعض احادیث اور فقہی روایات سے میت عورت کو رنگین کپڑے کا کفن دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اولیٰ اور بہتر ان ہی روایات، سے سفید ہے۔ اصح کون سا سمجھا جائے گا اور اگر رنگین ہی دیا جائے تو سارا کفن رنگین ہو یا کفن میں سے چند کپڑے رنگین اور چند سفید ہوں۔ اس بات کی تشفی کافی ہو۔

ج: درمختار میں ہے۔

((ولا باس فى الكفن ببرد وكتان وفى النساء بحريرو مزعفرو معصفر لجوازه بكل ما يجوز فيه حال الحيوٰة واحبه البياض اوماكان يصلى فيه)) الخ

---

[1] آپ کے مسائل ج۳ ص۱۰۲ [2] خیر الفتاویٰ ج۳ ص۲۶۰ [3] فتاویٰ رحیمیہ ج۷ ص۳۵۲

اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو عورتوں کے لئے بھی سفید ہے۔ لیکن رنگین بھی جائز ہے۔ خواہ کل کفن رنگین ہو یا بعض[1]

میت کے لئے کفن رنگین کپڑے سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ جن رنگوں کا استعمال زندگی میں اس کے لئے جائز تھا۔ مرنے کے بعد بھی کفن رنگدار کپڑے سے تیار کرنا جائز ہے۔ البتہ افضل و بہتر یہ ہے کہ مردے کو سفید کفن میں کفنایا جائے۔[2]

زمزم میں تر شدہ کفن:

س: کفن کا کپڑا آب زمزم میں تر کر کے خشک کرنا اور پھر اس کا کفن دینا کیسا ہے؟

ج: آبِ زمزم میں تر شدہ کفن میں میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے اور اس کو استنجاء بمائے زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ استنجاء میں عین زمزم کی تعریض للنجاست ہے اور ثوب مبلول بمائے زمزم میں مائے زمزم بصورتہ موجود نہیں ہے۔ زمزم تو خشک ہو چکا ہے۔ صرف کپڑے کا اس کے ساتھ گزشتہ زمانہ میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدم جواز تکفن میں دخل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا عبداللہ بن ابی کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ صاحبزادی زینبؓ کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور ''اشعر بھا ایاہ'' کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابی کا حضورؐ سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرام کی طرف سے ناراضگی پر اس کا یہ عذر۔

((ما سألته لا بسها ولكن لتكون كفنى))

اور راوی کا یہ بیان ''**فكانت كفنه**'' بخاری میں موجود ہے۔ اس لئے تکفین بثوب مبلول بمائے زمزم تو'' **تكفين بقميص رسول الله ﷺ وازاره وحقوه**'' سے ''اھون'' ہے۔[3]

برکت کے حصول اور عذاب سے نجات کے لئے کوئی متبرک چیز اپنے پاس رکھنا یا اس کو استعمال کرنا مرخص ہے۔ (اس کی رخصت ہے) اسی طرح آب زمزم سے تر شدہ کفن استعمال کرنا بھی جائز ہے۔[4]

حصول برکت کی غرض سے آبِ زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔

((ولذا قال فى الاسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله ﷺ اوعصاه اوسوطه على قبرعاص لنجا ذلك العاصى ببركات تلك الذخيرة من العذاب وعن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها)) (تفسیر روح البیان ص ۵۵۹)

اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ قمیص مبارک اور تہبند شریف کو کفن میں استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے۔[5]

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۸۶ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۶۲ [3] کفایت المفتی ج ۴ ص ۴۳

[4] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۶۳ [5] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۲

کفن میں متبرک کپڑا:

س: بہشتی زیور حصہ دوم کفنانے کے بیان میں مسئلہ نمبر ۹ میں لکھا ہے۔

''کعبہ شریف کا غلاف یا اپنے پیر کا رومال وغیرہ کوئی کپڑا تبرکاً رکھ دینا (قبر میں) درست ہے۔اس سے فائدہ کیا ہے اور اس کی افادیت کی دلیل کیا ہے اور صحابہؓ وتابعینؒ میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔عبداللہ ابن ابی کو رسول اللہ ﷺ کا کرتا جو دیا گیا تھا۔اس کرتہ کا بدلہ تھا جو اس نے حضرت حمزہؓ کے کفن کی تنگی کے وقت اپنا کرتہ دے دیا تھا۔ورنہ جہاں تک فائدہ کا تعلق ہے۔خود ارشاد نبوی معالم التنزیل میں یہ نقل کیا ہے کہ ''میرا کرتا اسے کیا فائدہ دے گا''۔

یہ بات کچھ بریلوی رنگ کی معلوم ہوتی ہے۔کیا اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے؟

ج: حامداً ومصلیاً۔ مشکوٰۃ شریف، باب غسل المیت وتکفینہ ص ۱۴۳ میں متفق علیہ حدیث ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صاحبزادی صاحبہ کو غسل دیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب غسل دینے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو خبر دینا۔

((فلما فرغنا أذناه فالقی الینا حقوه فقال اشعرن ایاه)) (الحدیث)

اس پر محدث دہلویؒ لمعات ج ۴ ص ۳۱۸ میں فرماتے ہیں۔

((وهذا الحديث فی التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعله بعض مريدی المشائخ من لبس اقمصتهم فی القبر)) (والله اعلم)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

((قال الطيبی ای اجعلن هذا الحقوتحت الكفن بحيث يلاصق بشرتها والمراد ايصال البركة اليها)) (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج ۳ ص ۱۰۵ میں لکھا ہے۔

((وهو اصل فی التبرك بـاٰثار الصالحين))

بخاری شریف میں روایت ہے۔

((عن سهل ان امرأة جاء ت النبی صلی الله عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها تدرون ماالبردة قالوا الشملة قال نعم قالت نسجتها بيدی فجئت لاكسوكها فاخذها النبی صلی الله عليه وسلم محتاجاً اليها فخرج الينا وانها ازاره فحسنها فلان فقال اكسنيها ما احسنها فقال القوم ما احسنت لبسها النبی ﷺ محتاجاً اليها ثم سألتها وعلمت انه لا يرد قال انی والله ما سألته لالبسها انا سألتها لتكون من كفنی قال سهل فكانت كفنه الخ))

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بُنی

ہوئی چادر لائیں۔ اس کے حاشیے ابھی جوں کے توں باقی تھے۔ یعنی چادر نئی تھی۔ وہ خاتون عرض کرنے لگیں۔ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اور آپ کو پہنانے کے لئے لائی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ کپڑا قبول فرمالیا۔ جیسے آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ پھر اسے تہبند کے طور پر باندھ کر باہر تشریف لائے تو ایک صاحب نے اس کی تعریف کی اور کہا بڑی اچھی چادر ہے۔ آپ مجھے عنایت فرما دیجئے۔

اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے مانگ کر کچھ اچھا نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ضرورت کی وجہ سے پہنا تھا اور آپ نے مانگ لیا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کے سوال کو رد نہیں کرتے۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے میں نے یہ چادر پہننے کے لئے آپ سے نہیں مانگی۔ بلکہ اپنا کفن بنانے کے لئے مانگی ہے۔

راوی حدیث حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں وہی چادر ان کا کفن بنی تھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۰)

کفر کے موجود ہوتے ہوئے کوئی تبرک ذریعہ نجات نہیں بن سکتا۔ اس لئے ابن ابی رئیس المنافقین کو قمیص مبارک سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

﴿ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدرك الاسفل مِنَ النَّار ﴾ الاية

مؤمن کو کافر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس کی حسنات پر اجر و ثواب آخرت میں موعود ہے اور کافر کی حسنات پر آخرت میں وعدہ نہیں۔ بلکہ اس کی شان "كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً"

اور مؤمن کے لئے تو شوکۃ یشاك (کانٹا چبھنے) پر بھی اجر ہے۔ عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباسؓ کو کرتہ دیا تھا جب کہ وہ بدر سے قید کر کے لائے گئے تھے۔ (کما صرح بہ القاری فی المرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۰)[1]

کفن پر کلمہ لکھنا:

س: میت کی کفنی پر کلمہ شریف مٹی سے لکھا کرتے ہیں اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد ایک خام اینٹ پر کلمہ شریف مٹی سے لکھ کر میت کے سر کے پاس مغرب کی جانب رکھتے ہیں۔ نیز مٹی کے چند چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں پر ایک شخص موجودین میں سے قل شریف پڑھ کر کل ڈھیلوں کو میت کے ساتھ لحد میں ڈالتے ہیں۔ یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟

ج: یہ سب امور خلاف شریعت ہیں اور ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔ ایسی رسوم کو چھوڑنا چاہئے۔[2]

کفن پر کلمہ طیبہ یا کوئی آیت روشنائی سے لکھنا درست نہیں۔

((وقد افتىٰ ابن الصلاح بانه لا يجوزان يكتب على الكفن يٰسين والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت)) (شامی ج ۱ ص ۸۴۷)[3]

---

۱ فتاویٰ محمودیہ ج ۲ ص ۴۱۷ تا ص ۴۱۹ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۳۸۱

۳ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۶

میت کو کافور خوشبو لگانا:

س: میت کے پاس اگر بتی اور لوبان سلگایا جاتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

ج: مردے کو کفن پہنانے سے پہلے کفن کو لوبان کی دھونی دینا مسنون ہے۔ نیز میت کے سر، داڑھی اور پورے بدن کو خوشبو لگانا اور اعضاء سجدہ (پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں) پر کافور لگانا مستحب ہے۔[۱]

میت کو کنگھی کرنا سرمہ لگانا:

س: بعض جگہ لوگ میت کو کنگھی کراتے ہیں اور اسے سرمہ لگاتے ہیں۔ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

ج: مرنے کے بعد میت کی زینت کے لئے اسے سرمہ لگانا اور کنگھی وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔[۲]

جنازہ پر چادر ڈالنا:

س: میت پر مسنون کفن کے علاوہ اکثر مرد پر لنگی۔ عورت کی میت پر کوئی اور رنگدار دوپٹہ میت کے وارث اپنی عزت کے لئے ڈالتے ہیں۔ جو بعد دفن گورکن لے لیتا ہے۔ یہ کپڑا مسنون ہے یا نہیں؟

ج: مسنون کفن کے علاوہ مرد اور عورت کے جنازہ پر سفید چادر ڈال دینے میں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ عام رواج ہے۔ لیکن عورت کے جنازہ پر رنگدار کپڑا ڈالنا اچھا نہیں ہے۔[۳]

چونکہ میت کے اوپر چادر ڈالنے میں تحسین میت و اعزاز میت ہے اور حسب روایت فقہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور یہ امر معروف بین المسلمین ہے۔ ان وجوہ سے اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔[۴]

جنازہ کی چادر پر آیاتِ قرآنی:

س: آج کل جنازہ کے اوپر ایسی چادریں ڈالی جاتی ہیں۔ جن پر قرآنی آیات اور کلمے لکھے ہوئے ہیں۔ کیا ایسی چادر ڈالنا درست ہے؟

ج: اس کا کوئی ثبوت نہیں اور بے ادبی کا خطرہ ہے۔ اس لئے جائز نہیں۔[۵]

ایسی چادر پاؤں سے پیچھے گھٹنوں تک رہنی چاہئے۔[۶]

پھولوں کی چادر:

س: میت کے جنازہ پر پھول کی چادر ثواب کا کام اور تخفیف عذاب کا سمجھ کر ڈالتے ہیں۔ اس کی اصل کیا ہے؟

ج: اس کی کوئی اصل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے

---

۱ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۰۳
۲ فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۵۵
۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۶
۴ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۷۰
۵ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۰
۶ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۶

ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ چیز میت کے لئے مفید ہوتی تو یہ حضرات اس سے دریغ نہ کرتے۔ لہٰذا جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ المتوفی ۱۲۶۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

''وچادرِ گل بر جنازہ انداختن بدعت است ومکروہ تحریمی۔ (مسائل اربعین ص ۴۵)

ترجمہ: اور پھول کی چادر جنازے پر ڈالنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

اس میں مال ضائع کرنا اور ہنود کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔

((ومسلم راتشبه بالكفار والفساق حرام است)) (مالا بدمنه ص۱۳۱) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب۔[1]

میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور میت کی تصویر کھنچوانا حرام ہے۔

((اعاذنا اللّٰہ من هذه السیآت))

حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل اربعین میں فرماتے ہیں۔

وچادرگل بر جنازہ انداختن بدعت است ومکروہ تحریمی۔[2]

جنازہ اٹھانے کا بیان

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ:

س: ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مردے کو کفن دے کر گھر سے نکالتے ہیں تو پانچ آدمی مقرر ہو جاتے ہیں۔ چالیس قدم نکالنے کے لئے چار آدمی میت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں۔ یعنی چار پائی کے چار حصے بجائے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر اٹھا کر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں۔ جب چالیس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پاوے والا دوسرے پاوے والے کے پاس دوسرا تیسرے کے پاس اسی طرح کرتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہو جائیں تو زمین پر رکھ کر دعا کرتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

ج: جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پایوں سے پکڑ کر اسے کاندھوں پر اٹھائیں اور اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں۔ دس قدم چل کر پایہ بدل لیا جائے۔ اسی طرح ہر پایہ کو دس دس قدم اٹھائے۔ اس کے لئے اپنے طور پر سرسری گنتی بھی کافی ہے۔ کچھ قدم اگر زیادہ ہو جائیں تو بھی حرج نہیں۔

اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم لگاتے جانا اور ہر دس قدم پر چار پائی اتار کر دوبارہ اٹھانا اور ہر چالیس

---

[1] فتاوی رحیمیہ ج ۵ ص ۹۸ [2] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۸

قدم پر دعاء کرتے جانا لغو اور فضول ہے۔ نیز سنت اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ ایسی رسوم سے احتراز کیا جائے۔[1]

جنازہ اٹھانے کا اجر:

س: میت کے جنازے کی چار پائی کو چالیس قدم تک لے جائے یعنی ہر پائے پر دس قدم چلے تو اس کے چالیس گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں یا صغیرہ؟

ج: کبیرہ گناہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے۔ اس ضابطے کے پیش نظر علامہ شامی نے لکھا ہے۔

((قال فی شرح النقایة وورد من حمل بجوانب سریر الاربعة غفرله اربعون کبیرة))

(رواہ ابن عساکر عن واثلة ج ص ۱۳۷ ج ۱)

علامہ شامی نے اس حدیث بالا کی دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث میں کبیرہ سے مراد صغیرہ ہی ہیں۔ کیونکہ ہر صغیرہ اپنے ماتحت گناہوں کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔ پس اس اعتبار سے بعض صغائر پر کبیرہ کا اطلاق درست ہے۔ گو وہ فی الواقع اصطلاحی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ضابطہ مذکورہ بالا مخصوص ہے ایسے مواقع کے ساتھ جس میں نص وارد نہ ہو اور نص کے بعد بلا توبہ تکفیر کبائر ہو جاتے ہیں۔ کوئی اشکال نہیں۔[2]

جنازہ لے جاتے وقت میت کا سر آگے ہو:

س: اگر قبرستان مشرق کی جانب ہو تو میت کو لے جاتے وقت سر کس طرف ہو؟

ج: قبرستان خواہ کسی طرف ہو مشرق کی جانب ہو یا مغرب کی شمال یا جنوب کی جانب ہو۔ بہر حال سرہانہ چار پائی کا آگے کی طرف ہونا چاہئے۔ یعنی میت کا سر آگے ہونا چاہئے۔[3]

جنازہ لے جاتے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے۔ پاؤں چاہے جدھر ہو جائیں۔

((وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کذا فی المضمرات)) (عالمگیری ج ۱ ص ۸۳)[4]

جنازہ اٹھانے سے قبل اجتماعی دعا ثابت نہیں:

س: بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جنازہ اٹھانے سے پہلے امام مسجد بآواز بلند میت اور اہل خانہ کے لئے دعا کرتے ہیں اور حاضرین بآواز بلند آمین کہتے ہیں۔ دعا ختم ہونے کے بعد جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ شرعاً اس عمل کا کیا حکم ہے؟

ج: میت اور اس کے اہل خانہ کے لئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جنازہ اٹھانے سے قبل اور اس کے بعد انفرادی طور پر دعا کی جا سکتی ہے۔ البتہ اجتماعی طور پر بآواز بلند امام مسجد کا دعا کرنا اور حاضرین کا آمین کہنا سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں دعاء کا درج شدہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں۔[5]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۹۱ [2] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۰۰ [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۷۹

[4] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۳۷ [5] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۶۰

جنازہ کے ساتھ بآواز بلند کلمہ پڑھنا:

س: جنازہ کے ساتھ چلنے والے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت یا قرآن پاک کی کسی سورت کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟

ج: میت کو اٹھا کر لے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ چلیں۔ بلند آواز سے کلمۂ طیبہ یا کلمۂ شہادت اور قرآن پاک کی کسی سورت کی تلاوت کرتے چلنا مکروہ تحریمی ہے۔ (کما فی البحر ج۲ ص ۳۰۷)

((وینبغی لمن تبع جنازة ان یطیل الصمت ویکره رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرهما فی الجنازة والکراهة فیها کراهة تحریمة))[1]

جنازہ کے آگے نعت خوانی:

س: یہاں رواج ہے کہ کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے نعت خوانی کرتے جاتے ہیں یا کلمۂ طیبہ کا ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

ج: یہ رواج بدعت ہے۔ چھوڑ دینا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔

((کما کره فیها رفع صوت بذکر اوقراءة)) (ج۱ص۶۲۴)

اسی کی شرح میں لکھا ہے۔

((وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهریة فان اراد ان یذکر اللّٰه تعالیٰ یذکر فی نفسه الخ))[2]

یہ طریقہ سلف صالحین، صحابہؓ وتابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا بدعت ومکروہ ہے اور تصریحات و قواعد فقہیہ سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ترک کرنا اس کا لازم ہے۔[3]

نامحرم عورت کے جنازہ کو کندھا دینا:

س: عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا کیسا ہے؟

ج: عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے۔[4]

زوجہ کی میت کو کندھا دینا:

س: بعد انتقال زوجہ کے شوہر کا اس کو دیکھنا یا چھونا یا کندھا دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں؟

ج: شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے بدن کو بغیر کپڑے کے ہاتھ لگانا ممنوع ہے اور اس کے جنازہ کا اٹھانا

---

۱ خیر الفتاویٰ ج۳ ص۱۸۴ ۲ خیر الفتاویٰ ج۳ ص۱۸۳

۳ فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۲۸۴ ۴ فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۲۱۲

اور کندھا دینا جائز و درست ہے۔[۱]

جنازہ کے ساتھ جائے نماز:

س: جنازہ کے ساتھ جائے نماز لے جانا کیسا ہے؟

ج: جائے نماز کفن میں داخل نہیں ہے۔ یہ بے اصل ہے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[۲]

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا:

س: ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

ج: عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے۔[۳]

نماز جنازہ

نماز جنازہ کی نیت:

س: نمازِ جنازہ کی نیت کس طرح کی جائے؟

ج: نماز جنازہ میں جنازہ ہی کی نیت کی جاتی ہے۔[۴]

نماز جنازہ کا طریقہ:

س: نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: جنازہ کی نماز میں چار تکبیرات ہیں۔ پہلی تکبیر (اللہ اکبر) کے بعد سبحانک اللھم الخ پڑھنا چاہئے اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعاء ماثورہ جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہے پڑھنی چاہئے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دینا چاہئے اور یہ تمام افعال امام اور مقتدی سب کو کرنا چاہئے۔ مقتدی بھی امام کے ساتھ ساتھ جو امام پڑھتا ہے پڑھیں البتہ جس کو دعاء ماثورہ یاد نہ ہو وہ اس کی جگہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ پڑھے۔[۵]

جنازہ کی دعائیں یہ ہے۔

بالغ میت کے لئے دعا:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ))

---

۱ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۷۵ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۸۲ ۳ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۹۷

۴ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۶۲ ۵ فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۳۴۸

نابالغ بچے کے لئے دعا:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا))[1]

نابالغ بچی کے لئے دعا:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَۃً وَّمُشَفَّعَۃً))

جنازہ کی دعائیں سنت ہیں:

س: کیا نماز جنازہ میں دعا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: نماز جنازہ میں چار تکبیریں فرض ہیں اور دعائیں سنت ہیں۔ اگر کسی کو دعائیں یاد نہ ہوں تو صرف تکبیر ہی کہنے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن نماز جنازہ کی دعائیں سیکھ لینی چاہئیں۔ کیونکہ اس کے بغیر میت کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا اور نماز بھی خلاف سنت ہوگی۔[2]

مرد عورت کے لئے دعا ایک ہی ہے:

س: نمازِ جنازہ کی جماعت کھڑی ہو چکی ہو ایک شخص بعد میں پہنچتا ہے اور نماز جنازہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ ابھی اسے معلوم نہیں کہ میت مرد ہے یا عورت یا بچہ ایسی صورت میں وہ کیا نیت کرے اور کیا پڑھے؟

ج: مرد وعورت کے لئے دعائے جنازہ ایک ہی ہے۔ البتہ بچے بچی کے لئے دعا کے الفاظ الگ ہیں۔ تاہم بچے کے جنازہ میں بھی اگر بالغ مرد وعورت والی دعا پڑھ لی جائے تو صحیح ہے۔ اس لئے بعد میں آنے والوں کو اگر علم نہ ہو تو وہ مطلق نماز جنازہ کی نیت کر لیں اور بالغوں والی دعا پڑھ لیا کریں۔[3]

جنازہ کی طاق صفیں:

س: نمازِ جنازہ میں صفیں طاق رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج: بلا شک نماز جنازہ میں طاق صفوں کی فضیلت روایات سے ثابت ہے۔ لیکن فقہی کتابوں کی عام عبارتیں تین صفوں تک کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اس لئے اس کی رعایت بہتر ہے۔[4]

جنازہ میں قراءت ثابت نہیں:

س: ایک آدمی کا جنازہ قراءت کے ساتھ پڑھایا گیا۔ قراءت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ عصر پڑھی گئی۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟

ج: نمازِ جنازہ میں قراءت کا کوئی ثبوت نہیں اور جن روایات میں فاتحہ پڑھنا مذکور ہے۔ وہ بطور دعا ہے۔ نہ بطور قراءت۔

((ولا قراءة فيها ولا تشهد فيها وعين الشافعي الفاتحة في الاولى وعندنا تجوزبنية الدعاء وتكره بنية القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام))[5]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۶۲ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۶۳

[4] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۴۶ [5] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۹۸

مکروہ اوقات میں نماز جنازہ:

س: اگر بوقت طلوع وغروب آفتاب یا زوال آفتاب کے وقت جنازہ حاضر ہو تو کیا فوری طور پر ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ کیا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا یا بلا کراہت؟

ج: اگر ان اوقات میں جنازہ حاضر ہوا تو بلا انتظار نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔[1]

اگر کہیں جنازہ پہلے سے حاضر ہو تو وجوب کامل کی وجہ سے ایسا جنازہ وقت مکروہ تک مؤخر کرنا ناجائز ہے اور اوقاتِ مکروہہ میں ایسے جنازہ کا پڑھنا حضرت علیؓ کی روایت کی رو سے مکروہ ہے۔

لیکن اگر کہیں جنازہ وقتِ مکروہ میں حاضر ہو تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کی رو سے غیر اوقات مکروہہ تک اس کی تاخیر مکروہ ہے اور وجوب ناقص کی وجہ سے اس مکروہ وقت میں اس جنازہ کا پڑھنا مع الکراہت جائز ہے۔[2]

نمازِ جنازہ میں عورتوں کی شرکت:

س: کیا عورت نمازِ جنازہ میں شرکت کرسکتی ہے؟ یعنی جماعت کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوسکتی ہیں۔

ج: جنازہ مردوں کو پڑھنا چاہئے۔ عورتوں کو نہیں۔ تاہم اگر جماعت کے پیچھے کھڑی ہو جائیں تو نماز ان کی بھی ہو جائے گی۔[3]

غائبانہ نماز جنازہ:

س: کیا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ جب میت نمازیوں کے سامنے موجود نہ ہو؟

ج: امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کا غائبانہ جنازہ پڑھا تھا۔ یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ ورنہ غائبانہ جنازہ کا عام معمول نہیں تھا۔[4]

نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہیں:

س: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مقتدیوں کو دعا مانگنا چاہئے یا نہیں۔

ج: نماز جنازہ خود میت کے لئے دعا ہے۔ اس کے بعد اور کوئی دعاء ماثورہ منقول نہیں۔ امام اور مقتدی سب اس کو ترک کردیں۔ خلاف سنت کا التزام درست نہیں۔[5]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۴۰ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۴۵

[3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۶۸

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۱۶۷

[5] فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۴۱

تدفین

قبر کی گہرائی:

س: قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

ج: اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور لاش درندوں سے محفوظ ہو جائے۔ اس کی تحدید فقہاء نے یوں فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو۔ اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے۔[1]

قبر کچی ہونی چاہئے یا پکی؟

س: لوگ قبریں عموماً شوق میں سیمنٹ کی خوبصورت بناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پکی قبر منع ہے۔

ج: حدیث میں پکی قبریں بنانے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے اور ان پر لکھنے سے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس مہم پر بھیجا کہ میں جس مورتی کو دیکھوں اسے توڑ ڈالوں اور جس اونچی قبر کو دیکھوں اس کو ہموار کر دوں۔ (صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ)

قاسم بن محمد (جو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھتیجے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ اماں جان! مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں رفیقوں کی (رضی اللہ عنہما) قبور مبارکہ کی زیارت کرائیے انہوں نے میری درخواست پر تین قبریں دکھائیں جو نہ اونچی تھیں نہ ہی بالکل زمین کے برابر تھیں۔ (کہ قبر کا نشان ہی نہ ہو) اور ان پر بطحا کی سرخ کنکریاں پڑی تھیں۔ (ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبور شریفہ بھی روضہ اقدس میں پختہ نہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فقہاء امت نے بوقت ضرورت کچی قبر کی لپائی کی اجازت دی ہے۔ اور ضرورت ہو تو نام کی تختی لگانے کی بھی اجازت ہے۔ جس سے قبر کی نشانی رہے۔

مگر قبریں پختہ بنانے، ان پر قبے تعمیر کرنے اور قبروں پر قرآنی آیات یا میت کی مدح میں اشعار لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ دراصل قبریں زینت کی چیز نہیں بلکہ عبرت کی چیز ہے۔

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۱

شرح الصدر میں حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ ایک نبی کا قبرستان سے گزر ہوا تو انہیں کشف ہوا کہ قبرستان والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک عرصہ کے بعد پھر اسی قبرستان سے گزر ہوا تو معلوم ہوا کہ عذاب ہٹا لیا گیا ہے۔ اس نبی نے اللہ تعالیٰ سے اس عذاب ہٹائے جانے کا سبب دریافت کیا تو ارشاد ہوا کہ پہلے ان کی قبریں تازہ تھیں اب بوسیدہ ہو چکی ہیں اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے لوگوں کو عذاب دوں جن کی قبروں کا نشان تک مٹ چکا ہے۔[1]

قبر کے احکام:

س: اسلام میں قبر کس طرح بنائی جاتی ہے۔ پختہ یا کچی؟ قرآن حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ مہربانی ہوگی۔

ج: اسلام نے قبر کے بارے میں جو تعلیم دی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قبر کشادہ اور گہری کھودی جائے۔ (کم از کم آدمی کے سینے کے برابر)

(۲) قبر کو نہ زیادہ اونچا کیا جائے نہ بالکل زمین کے برابر رہے۔ بلکہ قریباً ایک بالشت زمین سے اونچی ہونی چاہئے۔

(۳) قبر کو پختہ نہ کیا جائے نہ اس پر کوئی قبہ تعمیر کیا جائے۔ بلکہ قبر کچی ہونی چاہئے۔ خود روضہ اقدس کے اندر رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ بھی کچی ہیں۔ البتہ کچی مٹی سے لپائی کر دینا جائز ہے۔

(۴) قبر کی نہ تو ایسی تعظیم کی جائے کہ عبادت کا شبہ ہو مثلاً سجدہ کرنا۔ اس کی طرف نماز پڑھنا۔ اس کے گرد طواف کرنا۔ اس کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا وغیرہ۔

اور نہ اس کی بے حرمتی کی جائے۔ مثلاً اس کو روندنا۔ اس کے ساتھ ٹیک لگانا۔ اس پر پیشاب پاخانہ کرنا۔ اس پر گندگی پھینکنا یا اس پر تھوکنا وغیرہ۔[2]

میت قبر میں دائیں پہلو لٹانا:

س: کیا میت قبر میں دائیں پہلو لٹانا سنت ہے۔ یا چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دینا کافی ہے؟

ج: استقبال قبلہ کی تین صورتیں ہیں۔ دائیں پہلو پر، بائیں پہلو پر۔ چت لٹا کر قبلہ کی طرف کر کے سر اونچا کر دیا جائے۔ جیسا کہ صلوٰۃ مریض اور غسل میت میں بیان کیا جاتا ہے۔

مروج دستور میں استقبال قبلہ نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے حدیث وفقہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ بوقت تدفین ان تینوں صورتوں میں سے صرف پہلی صورت مسنون ہے۔ درمختار میں ہے۔

((وینبغی کونه علی شقه الایمن))

عبارت و یوجه الیها۔ کی شرح وتفسیر ہے۔[3]

کتب فقہ میں ہے۔ ویوجه الیها وجوباً۔

یعنی میت کو متوجہ کیا جائے قبلہ کی طرف اور یہ واجب ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۱۲ [2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۰۴ [3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۴

اور شامی میں ہے

((لکن صرح فی التحفة بانه سنة))

یعنی تحفہ میں یہ تصریح کی ہے کہ قبلہ کی طرف میت کو متوجہ کرنا سنت ہے۔

اور درمختار میں ہے۔

((وینبغی کونه علی شقه الایمن))

اور لائق ہے ہونا میت کا داہنی کروٹ پر۔[1]

تعامل یہی ہے کہ چت لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کر دیا جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

((ویوجه القبلة بذلك امر رسول الله صلی الله علیه وسلم))

اور تنویر الابصار متن درمختار میں ہے۔"ویوجه الیها" اور درمختار میں یہ لفظ بڑھایا ہے۔"وینبغی کونه علی شقه الایمن" لفظ"یوجه الیها" سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ کیا جائے۔ خواہ کروٹ دے کر یا بلا کروٹ کے۔

اور جس حدیث سے اس بارہ میں استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ"قبلتکم احیاءً وامواتاً" یعنی خانہ کعبہ کو احیاء واموات کا قبلہ فرمایا ہے۔

اس وجہ سے میت کا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ باقی تمام میت کو داہنی کروٹ کرنا اس میں شک نہیں کہ یہ عمدہ ہے۔ کما صرح به الفقهاء۔

لیکن اگر منہ قبلہ کی طرف ہو جائے اور داہنی کروٹ پر لٹانا مشکل ہو تو یہ"توجه الی القبله" یعنی منہ قبلہ کی طرف کر دینا بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔[2]

قبر پر ٹہنی گاڑنا:

س: میت دفن کرنے کے بعد قبر پر درخت کی شاخ گاڑنے سے تخفیف عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟

ج: علماء حنفیہؒ نے و نیز محققین نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور رفع عذاب کو آپ کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے۔ لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے۔[3]

قبر پر کتبہ لگانا:

س: قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟

ج: ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔ کتبہ پر قرآنی آیات نہ لکھی جائیں۔ نیز قبر

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۳۸۰ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۰۱

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۱۵

سے قدرے ہٹ کر لگائیں[1]

تدفین کے بعد مخصوص آیات پڑھنا:

س: تدفین کے بعد قبر کے سر اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کا اول اور آخر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

ج: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے سورۂ بقرہ کی اول کی آیتیں اور پیروں کی طرف سورۂ بقرہ کی اخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔ شامی میں ہے۔

((وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمها))

(ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز)

اور مشکوٰۃ شریف میں اس روایت کو مرفوع کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف پھر نقل کیا بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ روایت موقوف ہے ابن عمر پر۔

بہر حال اس روایت سے اس فعل کا مستحب ہونا ثابت ہوا۔[2]

دفن کے بعد دعا:

س: میت دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

ج: بمقتضائے قاعدہ رفع یدین مستحب ہے اور دعاء بوقت زیارت القبور میں ثبوت رفع الیدین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اکابر کے تعامل عدم رفع کے پیش نظر رفع یدین کے قول و عمل کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ''احسن الفتاویٰ جدید جلد اول'' باب رد البدعات میں عدم رفع کا فتویٰ تحریر ہے۔ اس کے بعد حدیث میں رفع یدین کی تصریح مل گئی۔

((قال الحافظ رحمه الله تعالٰی وفی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قبر عبدالله ذی البجادین الحدیث وفیه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه اخرجه ابو عوانة فی صحیحه)) (فتح الباری ص۱۲۲ ج۱۱)

اس استحباب رفع یدین میں کوئی تامل نہیں رہا۔ اس لئے عدم رفع کے سابقہ فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں۔[3]

تعزیت

تعزیت کا طریقہ:

س: آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہئے یا نہیں۔ مسنون طریقہ کیا ہے؟

ج: تعزیت مسنونہ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں۔ حضرات فقہاء کرام نے

---

[1] خیر الفتاویٰ ج۳ ص۱۷۷ [2] فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۳۹۰ [3] احسن الفتاویٰ ج۴ ص۲۲۳

تعزیت کرنے والے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

((اعظم اللّٰه اجرك واحسن عزاك وغفر لميتك)) (شامی ج ا ص ۸۴۳)

عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کردے۔[1]

س: تعزیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس میں دنوں کی تعیین اور زیادتی خلافِ سنت ہوگا یا نہیں۔ چند ساتھی اہل محلہ وغیرہ جماعت کی شکل میں آ جائیں، تو ایک کی دعا سب کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا سب اہل مجلس کی طرف سے کافی ہے یا نہیں؟

تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ تعزیت کا عملی یا قولی طریقہ جو سیدنا وسید الانبیاء علیہ اعطر التحیۃ والسلام سے ثابت ہے اگر بیان فرمادیں تو کئی افراد کے لئے مشعل راہ بن جائے گا۔

ج: تعزیت تین روز کے بعد جائز نہیں۔ البتہ غائب تین روز کے بعد آئے تو بھی کرسکتا ہے۔ جماعت کی شکل میں آنے کا اہتمام درست نہیں۔ اتفاقاً ایک ساتھ ہو گئے تو حرج نہیں۔ ہر ایک کے لئے مستقلاً تعزیت مسنون ہے۔ البتہ اگر ایک گھرانے کا کوئی بڑا ہے اور اس کے ساتھ اس کے ماتحت لوگ بھی ہیں۔ تو صرف بڑے ہی کی تعزیت کافی ہے۔

تعزیت کی دعا یہ ہے۔ **اعظم اللّٰه اجرك واحسن عزائك وغفر لميتك۔**

اس سے زائد بھی ایسا مضمون بیان کیا جا سکتا ہے جس سے غم ہلکا ہو تسکین اور فکر آخرت پیدا ہو تعزیت کی دعا پر ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔[2]

تعزیت کی مدت:

س: فاتحہ خوانی اور تعزیت کتنے دن تک کن الفاظ سے مسنون ہے۔ ماتم والوں کے گھر پر یا مسجد میں۔

ج: تعزیت تین دن تک ہے۔ اس کے بعد مکروہ ہے۔ مگر جو شخص اس وقت نہ ہو وہ بعد میں کرسکتا ہے۔ تعزیت میں تسلی کے کلمات ہوں۔ یعنی اس قسم کے کہ صبر کرو۔ اللہ تم کو اس صبر کا اجر دے گا اور تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ بلکہ گھر پر ہو۔[3]

تعزیت کے لئے دریاں بچھانا:

س: ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھا دیتے ہیں۔ جہاں لوگ تعزیت کے لئے آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً درست ہے؟

ج: تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے۔ ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کرلے۔[4]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۱۷
[2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۳۴
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۱۷
[4] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۸۱

زیارت القبور

خواتین زیارت قبور کو نہ جائیں:

س: کیا عورتیں قبروں کی زیارت کو جا سکتی ہیں؟

ج: صحیح بات یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر نہ جانا چاہئے۔ کیونکہ ان میں صبر کم ہوتا ہے۔ وہ وہاں جزع وفزع کریں گی۔ باقی اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ عورتیں زیارت قبور کو نہ جائیں [1]

عورتوں کو قبروں پر جانا جائز نہیں۔ حدیث میں ایسی عورتوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں خرافات پر نظر کرتے ہوئے کسی حالت میں بھی اجازت کی گنجائش نہیں۔ [2]

قبر پر قرآن پڑھنا:

س: قبر پر قرآن مجید پڑھ کر میت کو ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: قبرستان میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ آہستہ پڑھ سکتے ہیں۔ [3]

قبرستان میں جوتا پہننا:

س: قبروں کے آداب واحترام کی بنا پر جوتا اتار کر قبرستان میں جانا چاہئے یا نہیں؟

ج: بہتر یہی ہے قبرستان میں جوتا اتار کر چلے۔

جوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے۔ کیونکہ جواز کے درجہ میں آتا ہے۔ [4]

عورتوں کا قبرستان جانا صحیح نہیں:

س: (۱) کیا عورتوں کا قبرستان جانا منع ہے؟

(۲) اگر جا سکتی ہیں تو کیا کسی خاص وقت کا تعین ہونا چاہئے؟

(۳) قبرستان جا کر عورتوں یا مردوں کے لئے قرآن پڑھنا یا نوافل پڑھنا منع ہیں۔ اگر نماز کا وقت ہو جائے اور وقت تھوڑا ہو جیسے مغرب کا وقت ہوتا ہے۔ تو کیا نماز کو قضا کر دینا چاہئے۔ یا وہیں پڑھ لینی چاہئے؟

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۲۱۸
[2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۸۶
[3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۱۷۲
[4] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۲۱

ج: (۱) عورتوں کے قبرستان جانے پر اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جوان عورتوں کو تو ہرگز نہیں جانا چاہئے۔ بڑی بوڑھی اگر جائے اور وہاں کوئی خلاف شرع کام نہ کرے تو گنجائش ہے۔

(۲) خاص وقت کا کوئی تعین نہیں۔ پردہ کا اہتمام ہونا اور غیر محرموں سے اختلاط نہ ہونا ضروری ہے۔

(۳) قبرستان میں تلاوت صحیح قول کے مطابق جائز ہے۔ مگر بلند آواز سے نہ پڑھے۔ قبرستان میں نماز پڑھنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اس لئے قبرستان میں نفل پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کبھی فرض نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے تو قبرستان سے ایک طرف کو ہوکر کہ قبریں نمازی کے سامنے نہ ہوں نماز پڑھ لی جائے۔[1]

عورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع ہے:

س: کیا عورتوں کا قبرستان مزارات پر جانے، محفل سماع (قوالی) منعقد کرنے کی مذہب نے کہیں اجازت دی ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کریں۔

ج: عورتوں کا قبروں پر جانا واقعی اختلافی مسئلہ ہے۔ اکثر اہل علم تو حرام یا مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور کچھ حضرات اس کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ اختلاف یوں پیدا ہوا کہ ایک زمانے میں قبروں پر جانا سب کو منع تھا۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔ بعد میں حضور انور ﷺ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا۔

''قبروں کی زیارت کیا کرو۔ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔''

جو حضرات عورتوں کے قبروں پر جانے کو جائز رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اجازت جو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔

اور جو حضرات اسے ناجائز کہتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ جو قبروں کی زیارت کے لئے جائیں۔ لہٰذا قبروں پر جانا ان کے لئے ممنوع اور موجب لعنت ہے۔ یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ عورتیں ایک تو شرعی مسائل سے کم واقف ہوتی ہیں۔ دوسرے ان میں صبر حوصلہ اور ضبط کم ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے حق میں غالب اندیشہ یہی ہے کہ یہ وہاں جاکر جزع فزع کریں گی۔ یا کوئی بدعت کھڑی کریں گی۔

شاید اسی اندیشہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبروں پر جانے کو موجب لعنت فرمایا اور یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے کہ عورتیں قبروں پر جاکر کسی بدعت کا ارتکاب نہ کرتی ہوں۔ ورنہ کسی کے نزدیک بھی اجازت نہیں ہے۔

آج کل بزرگوں کے مزارات پر جاکر جو کچھ کرتی ہیں۔ اسے دیکھ کر یقین آجاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزاروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت کیوں فرمائی ہے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۷۳ [2] ایضاً۔

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب:

س: میت کو صدقہ وخیرات کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

ج: میت کو ثواب صدقہ وخیرات وتلاوت قرآن شریف وغیرہ کا پہنچتا ہے۔ اہل سنت والجماعت اصل ایصال ثواب میں متفق ہیں۔ عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور جمہور سلف وخلف عباداتِ بدنیہ میں وصول ثواب کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ عدم وصول کے قائل ہیں۔ صدقاتِ مالیہ کے ثواب میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ اس میں سب متفق ہیں۔[1]

ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دن مقرر نہیں:

س: ایصالِ ثواب میت کے لئے پہلا روز افضل ہے۔ دوسرا و تیسرا وغیرہ یا سب ایام ایصال ثواب میں برابر ہیں۔ یا تیسرے اور دسویں روز کی قید بدعت ہے۔

ج: پہلے روز اور تیسرے روز اور دہم وچہلم کی قید اڑا دینا چاہئے۔ شرعاً یہ تخصیصات ایصالِ ثواب کے لئے وارد نہیں ہیں۔ لہٰذا بدعت اور حرام ہیں۔ بلا قید کسی تاریخ اور دن کے جب چاہیں ایصال ثواب کر دیں۔

چوتھے یا پانچویں یا ساتویں دن یا اور کسی دن بلا تخصیص کھانا وغیرہ فقرا کو دے دیں۔ یہ رسوم اور تخصیصات جو عوام نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔ ہر ایک دن ایصال ثواب کے لئے برابر ہے۔[2]

تیسرے دن چنے پڑھنے کی رسم:

س: تیسرے دن میت کے لئے جو چنے پڑھے جاتے ہیں اور قرآن شریف دو یا زیادہ ختم کئے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے اور اگر بجائے تیسرے دن کے مثلاً چوتھے دن یا دوسرے دن چنے پڑھے جائیں تو پھر بھی رسم پڑ جائے گی اس وقت کیا حکم ہوگا اور کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

ج: یہ رسم تیسرے دن چنے پڑھنے کی اور ختم قرآن شریف کی خیر القرون میں ثابت نہیں ہوئی اور اب اس کا التزام اس درجہ ہو گیا ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس رسم کو توڑنا چاہئے۔ پھر جب اور کوئی

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۳۰ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۳۴

دن اسی طرح لازم ہو جائے اور رسم ہو جائے اس کو بھی چھوڑ نا ضروری ہو جائے گا۔

اور جو طریقہ سلف سے ثابت نہ ہو اس کو لازم کر لینا اگرچہ اعتقاداً نہ ہو صرف عملاً ہو وہ بھی واجب الترک ہے اور فاتحہ آگے کھانا رکھ کر بھی جائز نہیں ہے۔[1]

اموات کو ثواب صدقات وقرآن شریف کا پہنچنا اور اموات کو زندوں کی دعا واستغفار سے نفع پہنچنا نصوص قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے۔ان کا انکار جہل اور معصیت اور خرق اجماع ہے۔

البتہ ایصالِ ثواب کے لئے شریعت میں کوئی دن مقرر نہیں ہے۔ لہٰذا دہم، چہلم، ششماہی، برسی اور عرس و فاتحہ خوانی مروجہ یہ سب رسوم خلاف شریعت ہیں اور بدعت ہیں۔[2]

سوا لاکھ کلمہ کا ایصالِ ثواب:

س: سوا لاکھ دفعہ کلمہ شریف پڑھ کر اگر میت کو بخشا جائے تو امید مغفرت کی ہے۔ یہ روایت کون سی کتاب میں ہے۔ لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہئے یا محمد رسول اللہ بھی ملایا جائے۔

ج: یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری۔ بعض مشائخ نے اس کو نقل فرمایا ہے لہٰذا عمل اس پر درست ہے۔ اور معمول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کا نہیں۔ بلکہ صرف لا الہ الا اللہ کا اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملانے کا بھی ہے۔ اور حدیث ترمذی وابن ماجہ میں ہے۔ افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ۔[3]

❀❀❀

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۲۵ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۴۶

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۴۲

كتاب الزكوٰة

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا لغوی معنی:

س: زکوٰۃ کا لغوی معنی اور تعریف کیا ہے؟

ج: زکوٰۃ کے لغت میں دو معنی مشہور ہیں۔ ''طہارت'' اور ''نماء'' یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل' بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو۔ ایک حصہ معینہ جو شریعت میں ۱/۴۰ مقرر ہے۔ کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ تو سید ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد کردہ غلام ہو اور اس کا یہ خرچ کرنا بنیت ادائیگی زکوٰۃ ہو اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔[1] (در مختار ج ۲ ص ۳)

وجوب زکوٰۃ کی شرائط:

س: کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عورتوں' نابالغوں' مسافروں اور فاتر العقل افراد اور مستامن غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

ج: زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں۔ عقل' بلوغ' اسلام' حریت۔

(۱) عورت و مرد کے درمیان وجوبِ زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحب نصاب ہو۔

(۲) نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳) قیدی جب کہ صاحبِ نصاب ہو اور شرائط مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴) مسافر پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ وہ غنی اور صاحب نصاب ہو۔

(۵) فاتر العقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۶) اگر مستامن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ شرط اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں۔ جو غیر اسلامی ملک میں امان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔[2]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۵۵ [2] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۵۷

وجوبِ زکوٰۃ کے لئے حدِ بلوغ:

س: زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہئے؟

ج: اگر علاماتِ بلوغ جو مرد کے لئے احتلام اور احبال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند کے اعتبار سے مقرر ہیں۔ عالمگیری ج ۳ ص ۲۰۲ میں ہے۔

((بلوغ الغلام بالاحتلام اوالاحبال اوالانزال والجارية بالحيض او الاحتلام وفى الدر المختار والسنّ الذى يحكم وببلوغ الغلام والجارية اذا انتهيا اليه خمس عشرة سنة عند ابى يوسف و محمد وهو رواية عن ابى حنيفة و عليه الفتوٰى))[1]

لڑکا احتلام یا انزال سے بالغ قرار پاتا ہے اور لڑکی حیض، حمل اور انزال سے بالغ ہوتی ہے۔ لڑکے کی مونچھیں، بغل اور زیر ناف بال اگنا بلوغت کی معتبر علامت نہیں۔ اسی طرح لڑکی کے پستان کا ابھرنا یا زیر ناف بال اگنا بلوغت کے لئے معتبر نہیں۔

لڑکا اور لڑکی عمر کے اعتبار سے پندرہ سال میں بالغ ہوتے ہیں اور کم از کم مدت لڑکے کی بلوغت کی بارہ سال اور لڑکی کی نو سال ہے اور یہی قول مختار ہے۔[2]

زکوٰۃ کا نصاب

زکوٰۃ کا نصاب:

س: کسی کے پاس سونا ۷½ تولے سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

ج: سونے کا نصاب ۷½ تولہ = ۸۷ء۴۸۹ گرام اس شخص کے لئے ہے۔ جس کے پاس صرف سونا ہو۔ چاندی، مالِ تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

اسی طرح چاندی کا نصاب ۵۲½ تولہ = ۳۵ء۶۱۲ گرام اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو۔ سونا مالِ تجارت اور نقدی بالکل نہ ہو۔

اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مالِ زکوٰۃ بھی ہے تو سب کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر سب کی مالیت ۸۷ء۴۷۹ گرام سونے یا ۳۵ء۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔[3]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۵۷

۲ درمختار ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۷ کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام۔

۳ اوزان شرعیہ ص ۴۹۔ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۵۴

نصاب سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں:

س: اگر کسی عورت کے پاس ۷½ تولہ سونا اور ۵۲½ تولہ چاندی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔اگر کسی عورت کے پاس ۵-۶ تولہ سونا ہو چاندی ہو اور نقدی وغیرہ کچھ نہ ہو تو وہ زکوٰۃ نہیں دیتی۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

ج: اگر صرف سونا ہو۔اس کے ساتھ چاندی یا نقد روپیہ اور دیگر کوئی چیز قابل زکوٰۃ نہ ہو۔تو ساڑھے سات تولے ۸۷٫۴۷۹ گرام سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں[1]

نقد اور مال تجارت کا نصاب:

س: نصاب ساڑھے سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولے چاندی کا ہے۔لیکن نقدی اور مال تجارت کا حساب کس کے معیار پر کیا جائے گا۔ چاندی یا سونا؟

ج: چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔

نوٹ: ساڑھے سات تولہ سونا مساوی ہے۔۸۷٫۴۷۹ گرام کے اور ساڑھے باون تولے چاندی ۶۱۲٫۳۵ گرام کے برابر ہے۔[2]

سونے چاندی کے نصاب میں تفاوت کیوں؟

س: زکوٰۃ ان لوگوں پر واجب ہے۔جن کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا سال بھر تک رہا ہو۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا ۵۲½ تولہ چاندی کو ۷½ تولہ سونے کے ساتھ کیا نسبت ہے۔مثلاً چاندی کا نرخ (اس زمانہ میں) اگر ایک روپیہ تولہ ہے تو اس کی قیمت صرف ۵۲ روپے آٹھ آنے ہوتی ہے اور اگر سونے کا نرخ تیس ۳۰ روپے تولہ ہو۔تو اس کی قیمت ۲۲۵ روپے ہو جاتے ہیں۔کیا پہلے زمانہ میں مذکورہ بالا وزن سونے اور چاندی کی قیمت برابر ہوا کرتی تھی؟

ج: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ایک زمانہ تک چاندی اور سونے کی قیمت میں تقریباً اسی قدر تفاوت تھا۔جس قدر ان کے نصاب میں تفاوت ہے۔اس زمانہ میں ایک دینار سونے کا دس درہم چاندی کی قیمت کے برابر تھا۔اس حساب سے سونا تقریباً دس روپے تولہ ہوتا تھا۔[3]

زکوٰۃ کی مقدار:

س: صاحب نصاب مال میں سے کتنی مقدار میں زکوٰۃ ادا کرے؟

ج: جتنا مال ہے۔اس کا چالیسواں زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔یعنی سو روپیہ میں سے اڑھائی روپیہ (اور ہزار روپیہ میں ۲۵ روپیہ)[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۵۷
[2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۵۶
[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۱۰۷
[4] بہشتی زیور ج ۳ ص ۲۷

زکوٰۃ کس حساب سے ادا کی جائے:

س: کیا زکوٰۃ جمع شدہ رقم پر ادا کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی ماہ ایک شخص کے پاس دو ہزار روپے ہیں۔ تیسرے یا چوتھے ماہ میں پندرہ سورہ جاتے ہیں اور جب سال مکمل ہوتا ہے تو وہ رقم دو ہزار پانچ سو ہوتی ہے۔ تو اب کس حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

ج: پہلے یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جس شخص کے پاس تھوڑی تھوڑی بچت ہوتی رہی جب تک اس کی جمع شدہ پونجی ساڑھے باون تولہ ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کی مالیت کو نہ پہنچے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور جب اس کی جمع شدہ پونجی اتنی مالیت کو پہنچ جائے (اور وہ قرض سے بھی فارغ ہو) تو اس تاریخ کو وہ ''صاحبِ نصاب'' کہلائے گا۔

اب سال کے بعد قمری تاریخ کو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اس وقت اس کے پاس جتنی جمع شدہ پونجی ہو (بشرطیکہ نصاب کے برابر ہو) اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سال کے دوران اگر وہ رقم کم و بیش ہوتی رہی اس کا اعتبار نہیں۔ بس سال کے اول و آخر میں نصاب کا ہونا شرط ہے۔[1]

نصاب پر سال گذرنے کا مطلب:

س: میں رمضان کی پہلی تاریخ کو زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ اگر شعبان کے آخر میں کچھ رقم آ جائے تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے؟

ج: آپ قمری ماہ کی جس تاریخ میں صاحبِ نصاب ہوئے تھے۔ ہمیشہ وہی تاریخ آپ کی زکوٰۃ کے حساب کے لئے متعین رہے گی۔ اس تاریخ میں آپ کے پاس سونا' چاندی' مالِ تجارت اور نقدی جو کچھ بھی ہو خواہ ایک ہی روز قبل ملا ہو۔ سب پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوگا۔ ادا جب چاہیں کریں۔

اگر درمیان سال بقدر نصاب مال نہیں رہا۔ مگر متعین تاریخ میں نصاب پورا ہو گیا تو بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

البتہ اگر درمیان میں مال بالکل نہ رہا۔ تو اب پھر جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوں گے۔ وہ متعین ہوگی۔ اگر صاحبِ نصاب کو مہینے کی قمری تاریخ یاد نہ ہو تو غور وفکر کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی۔ اگر کسی تاریخ کا بھی ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کر لیں۔[2]

زکوٰۃ کی ادائیگی قمری حساب سے:

س: زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے حولانِ حول کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو اس سے کون سا سال مراد ہے؟ قمری یا شمسی؟ کیونکہ قمری سال شمسی سے کم ہوتا ہے۔

ج: فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں قمری سال کا اعتبار کیا ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کی فرضیت میں اسلامی (قمری) مہینوں کا حساب کرنا ضروری ہے۔ اور فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق قمری سال کی مقدار تین سو چون ۳۵۴ دن آٹھ گھنٹے اور

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۶۰ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۵۵

اڑتالیس منٹ ہیں۔[۱]

چاند کے سال سے مال پر ایک سال گزر جانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔ انگریزی سال کا حساب لگانا درست نہیں۔ انگریزی سال سے ادا کرنے میں ہر سال دس روز کے بعد زکوٰۃ ادا ہو گی اور ۳۶ سال بعد ایک سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی۔ جو اپنے ذمہ باقی رہے گی۔[۲]

زکوٰۃ کا کوئی مہینہ مقرر نہیں:

س: زکوٰۃ دینے کے لئے کون سا مہینہ معین ہے؟

ج: ادائے زکوٰۃ کے لئے شرعاً کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں۔ البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کو اس میں دخل ضرور ہے۔ یعنی جو مہینہ فی نفسہٖ متبرک ہے۔ جیسے رمضان شریف کہ اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینے میں ادائے زکوٰۃ واجب ہے۔ اس مہینہ میں ادا کرے اور پھر اس مہینہ کو مقرر کر لے۔[۳]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت:

س: اگر ایک شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ اقرباء اور غرباء کو کچھ رقم صدقہ دے دے۔ کیا یہ ادائیگی زکوٰۃ میں شمار ہو گی یا نہیں؟

ج: زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت انتہائی ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں رقم دیتے وقت خیرات وصدقہ کی نیت تھی تو ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی نیت کرنے سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ تاہم اگر دیتے وقت نیت کوئی نہ تھی۔ لیکن بعد میں زکوٰۃ کی نیت کی اور رقم فقیر کی ملک میں ہو تو ایسی صورت میں یہ رقم زکوٰۃ میں شمار ہو گی۔[۴]

زیور کی زکوٰۃ

زیور کی زکوٰۃ مرد پر ہے یا عورت پر:

س: میری اہلیہ کے پاس تین چار سو روپے کی مالیت کا زیور ہے۔ جو اس کی مِلک ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کی ادائیگی کا کون ذمہ دار ہے؟ میری اہلیہ کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ جس سے وہ زکوٰۃ ادا کر سکے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے ہو گی؟ آیا وہ اپنے زیور میں سے کچھ حصہ بقدر زکوٰۃ فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

ج: اس زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرنا واجب ہے۔ اگر اور کوئی صورت ادائیگی زکوٰۃ کی میسر نہ ہو تو بالضرور ایسا کیا جائے گا کہ زیور کا کچھ حصہ بقدر زکوٰۃ میں دیا جائے گا کہ یہ فرض اللہ کا ہے۔

اور وہ زیور جب کہ مِلک زوجہ ہے تو اسی کے ذمہ ادائے زکوٰۃ لازم ہے۔ (وہ زیور بیچ کر زکوٰۃ ادا کرے یا شوہر سے

---

۱ فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۴۸۱ ۲ تحفہ خواتین ص ۸۴

۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۷ ۴ فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۸۳

لے کر ادا کرے دونوں صورتیں جائز ہیں)[۱]

سونا و چاندی کو ملایا جائے گا:

س: کسی کے پاس بیس پچیس روپے کا سونے کا زیور ہے اور ستائیس روپے کا چاندی کا زیور ہے تو ان کی قیمت کو ملا کر زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟ اور اگر نصاب سے پانچ چھ روپے زیادہ ہوں تو اس کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

ج: سونے اور چاندی کا زیور جب نصاب کو پہنچ جائے یعنی ساڑھے باون تولے ہو تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے اور نصاب سے جو زائد سونا چاندی ہے۔ اس کی بھی زکوٰۃ دے۔ غرض کل موجود زیور اور نقد کی زکوٰۃ دے۔[۲]

جو زیور ہمیشہ نہ پہنا جائے اس کی زکوٰۃ:

س: جو زیور ہمیشہ نہیں پہنے جاتے بلکہ بعض موسم میں پہنے جاتے ہیں۔ اگر ان پر زکوٰۃ واجب ہے تو قیمت خرید پر یا نرخ موجود پر؟

ج: زکوٰۃ اس زیور پر واجب ہے اور زکوٰۃ وزن پر واجب ہے۔ یعنی جس قدر تولہ چاندی یا سونا ہے۔ اس کا حساب کر لیا جائے۔

زکوٰۃ اگر نقد رقم کی صورت میں دی جائے تو زکوٰۃ نکالتے وقت جو نرخ ہوگا۔ اس کے حساب سے ادا کرے گا۔[۳]

ملاوٹ والے زیور کی زکوٰۃ:

س: ہمارے ملک میں سونے کے زیور میں تیسرا حصہ ملاوٹ کا ہوتا ہے۔ ایسے زیور کی زکوٰۃ کس حساب دی جائے؟

ج: جس میں غالب سونا ہو۔ یعنی نصف سے زائد سونا ہو وہ سونے کے حکم میں ہے اور مثل خالص سونے کے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔[۴]

نگ والے زیور کی زکوٰۃ:

س: کیا زکوٰۃ خالص سونے پر لگائیں گے یا زیورات جس میں نگ وغیرہ بھی شامل ہوں۔ اس نگ کے وزن کو شامل کرتے ہوئے زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اور اسی طرح کھوٹ کا کیا مسئلہ ہے؟

ج: سونے میں جو نگ وغیرہ لگاتے ہیں۔ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ ان کو الگ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جو کھوٹ ملا دیتے ہیں۔ وہ سونے کے وزن ہی میں شمار ہوگا۔ اس کھوٹ ملے سونے کی بازار میں جو قیمت ہوگی۔ اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔[۵]

سونے کے زیورات کی زکوٰۃ بغیر نگ اور موتیوں کے ادا کی جائے گی۔ یعنی ان کا وزن سونے کے وزن میں شمار نہیں

---

۱ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۰۹ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰ ۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۱۳

۴ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۱۵ ۵ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۶۵

ہوگا۔ تاہم اگر یہ موتی تجارت کے لئے ہوں تو پھر ان کی مالیت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔[1]

زیورات کے اہم مسائل:

س: (۱) مختلف اوقات میں مختلف زیور خریدے گئے۔ ان پر زکوٰۃ کب فرض ہوگی؟

(۲) زیورات کی خرید کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کہ موجودہ قیمت پر؟

(۳) زیورات کی قیمت میں موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور بنوائی کی اجرت بھی لگائی جائے گی یا صرف سونے کی قیمت لگائی جائے گی؟

(۴) زیور میں سونے کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی ہے۔ کیا اس کی زکوٰۃ بھی فرض ہے؟

ج: آپ کے پاس جس روز اتنا مال ہوگیا کہ سونا' چاندی' مال تجارت اور نقدی اور ان چاروں یا بعض کا مجموعہ یا ان میں سے کوئی ایک چیز ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوگئی۔ اس روز آپ صاحبِ نصاب ہو گئے۔ اس دن کی قمری تاریخ یاد رکھیں۔ ایک سال کے بعد پھر جب یہی قمری تاریخ آئے گی۔ اس میں آپ کے پاس مذکورہ چاروں چیزوں میں جو مقدار موجود ہوگی۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اگرچہ کوئی چیز تاریخ مذکور سے صرف ایک ہی روز پہلے آپ کی ملک میں آئی ہو۔ بشرطیکہ اس تاریخ میں نصاب پورا ہو۔ یعنی چاروں چیزوں کا مجموعہ ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو۔

(۲) جس قمری تاریخ میں سال پورا ہوا۔ اس میں جو نرخ ہوگا وہ لگایا جائے گا۔

(۳) صرف سونے کی قیمت پر زکوٰۃ ہے۔ موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور زیور بنوانے کی اجرت نہیں لگائی جائے گی۔

(۴) زیور بنانے میں جس حساب سے ملاوٹ شامل ہوگی۔ اس قسم کے مخلوط قیراطی سونے کی قیمت لگائی جائے گی۔[2]

س: (۱) ایک خاتون نے ستر گرام خالص سونے میں تیس گرام دھات تانبہ پیتل وغیرہ کی آمیزش کر کے اس کا زیور تیار کیا ہے۔ یہ کل سونے کے حکم میں ہوگا؟ یا دھات کو دھات سمجھا جائے گا؟ زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے؟

(۲) زیور میں جو سچے موتی۔ نگ' ہیرے یا نقلی موتی وغیرہ جڑے ہوں۔ ان اصلی یا نقلی چیزوں پر جو قیمت لگی ہو۔ اس قیمت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۳) زیور کی بنوائی کی جو اجرت دی گئی ہے۔ اس اجرت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۴) اس خاتون کے پاس صرف سو گرام سونے کا زیور ہے۔ نقد جو آتا ہے۔ وہ ہر ماہ خرچ ہو جاتا ہے تو اس سونے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟

ج: سونے اور دھات کو گلا کر ایک کر دیا ہو۔ سونا متمیز نہ ہو رہا ہو تو جو چیز غالب ہوگی کل اسی کے حکم میں ہوگا۔ اگر سونا غالب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوگا اور اگر دھات غالب ہو تو کل دھات کے حکم میں ہوگا۔

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۵۲۴ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۷۰

درمختار میں ہے۔

((وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب غشه) منها (يقوم كالعروض)))

شامی میں ہے۔

((قوله وغالب الفضة) لان الدراهم لا تخلوا من قليل غش لانها لا تنطبع الابه فجعلت الغلبة فاصله نهر ومثلها الذهب (قوله فضة وذهب) اى فتجب زكاتها لا زكوٰة العروض))

(درمختار وشامی ج ۲ ص ۴۲)

امداد الفتاوی میں ہے۔

ج: ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں۔ اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں۔ اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا۔ ذھب وفقہ کی مقدار میں ذھب وفقہ کے احکام جاری ہوں گے۔

اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً بیع صرف و زکوٰۃ صرف مقدار ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی۔ مجموعہ میں نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو۔ اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا اور اگر غالب دوسری چیز ہے۔ تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے۔ اس میں جس قدر ذہب فضہ ہے۔ اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے۔ نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۔ ۵ کتاب الزکوٰۃ)

سورۂ مسئولہ میں جب کہ سونے اور دھات کو گلا کر زیور بنالیا ہے۔ (سونا متمیز نہ رہا) اور سونا غالب ہے تو کل سونے کے حکم میں ہوگا۔ اس زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کا اعتبار کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

(۲) ہیرے، موتی، جواہرات جو زیور میں جڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ زیور استعمال کے لئے ہوں تجارت کے لئے نہ ہوں تو ہیرے، موتی، جواہرات کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگرچہ ہیرے وغیرہ کو سونے کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ مگر دونوں متمیز ہیں۔

لہٰذا ہیرے وغیرہ کو سونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے فتویٰ سے ثابت ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ہیرے وغیرہ کو سونے کا تابع سمجھ کر زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کر دے۔ تو یہ بہتر ہو گا۔ زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ نہ رہے گا اور غرباء کا بھی اس میں فائدہ ہوگا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے بھی زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ یہ احتیاطی صورت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

((واما الیواقیت والجواهر فلا زكوٰة فیهما وان كانت حلیاً الا ان یكون للتجارة كذافی الجوهرة النیرة)) (عالمگیری ج ا ص ۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ باب ۳ فصل ۲)

درمختار میں ہے۔

(لا زكوة فی اللآلی والجواهر) وان ساوت الفاً (الا ان یكون للتجارة)

(درمختار ج ۲ ص ۱۸ قبیل باب السائمۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے۔

یاقوت' موتیوں اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔اگر چہ ان کا زیور بنا ہوا ہو۔لیکن اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔(عمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۷۹-۷۸)

کفایت المفتی میں ہے۔

س: جس چاندی سونے کے زیور میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں۔اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

ج: زیور جو چاندی اور سونے کا ہو اس میں بقدر چاندی سونے کے زکوٰۃ فرض ہے۔یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔صرف چاندی' سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے۔(کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۴۲)

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے کے وقت زیور کی جتنی قیمت آتی ہو اس قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ نکالی جائے۔

(۴) جواب نمبرا سے ثابت ہوا کہ اگر سونا غالب ہو اور کھوٹ مغلوب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوتا ہے۔لہٰذا یہ پورا سو گرام سونے ہی کے حکم میں ہوگا اور سونے کا نصاب ۷½ تولہ ہے۔جس کے تقریباً ۸۷½ گرام ہوتے ہیں۔تو سو گرام مقدار نصاب سے زیادہ ہے۔لہٰذا مذکورہ خاتون صاحب نصاب شمار ہوں گی۔اگر نقد رقم بچتی نہ ہو تب بھی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔[1]

سونا و چاندی دونوں نصاب سے کم ہوں تو زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

س: ایک عورت کے پاس ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی جمع ہیں۔کیا یہ عورت زکوٰۃ لے سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت شرعاً مالدار شمار ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جب اس زمانہ میں ایک تولہ سونا سات سو روپیہ کا اور چاندی سولہ روپیہ تولہ ہے۔اس حساب سے ڈیڑھ تولہ سونا مبلغ ایک ہزار پچاس روپے کا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت آٹھ سو اڑتالیس روپے بنتے ہیں۔تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

ج: جبکہ اس عورت کے پاس اپنی ضرورت اور قرض سے زائد ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۳۶۲ تا ۳۶۵

جمع ہیں تو یہ صاحبِ نصاب ہے اور مالدار ہے۔ لہٰذا یہ عورت زکوٰۃ نہیں لے سکتی اور سال بھر صاحبِ نصاب رہی تو زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گا۔[1]

بوقتِ نکاح ملنے والے زیورات کی زکوٰۃ:

س: میرے بھائی کی شادی کو ایک برس ہو گیا ہے۔ انہوں نے شادی کے وقت اپنی بیوی کو آٹھ تولہ سونا (زیور) دیا تھا اور دو تولہ سونا لڑکی کو اس کے والدین نے دیا تھا تو زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

ج: آپ کے بھائی کی بیوی کی جو سونا یا سونے کے زیورات بطور بخشش یا مہر کے بدلے میں ملے ہیں۔ ان کی وہ مالک ہے اور زکوٰۃ اسی پر واجب ہوگی اور اگر زیورات عاریۃً (یعنی صرف پہننے کے لئے) دیئے گئے ہوں تو ان کا مالک دینے والا ہے۔ جس کو دیا گیا ہے۔ وہ مالک نہیں ہے اور جو مالک ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار وہی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب ہو۔

ماں باپ کی طرف سے جو زیورات ملے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ بطور بخشش ہیں۔ اس لئے ان زیورات کی مالک لڑکی ہوگی۔ اگر صاحبِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔[2]

تین تولہ سونا اور نقد پر زکوٰۃ:

س: ایک آدمی کے پاس تین تولہ سونا اور پچاس روپے نقد ہیں۔ دونوں نصاب کی مقدار سے کم ہیں کیا اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک شخص جس کے پاس چھ تولہ سونا ہے۔ لیکن نقد رقم بالکل نہیں ہے تو کیا وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟

یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جس کے پاس تین تولہ سونا اور پچاس روپے نقد ہیں اس پر زکوٰۃ واجب ہو اور جس کے پاس چھ تولے سونے کے زیورات ہوں اور نقد رقم نہ ہو تو وہ صاحب نصاب نہیں ہے۔

ج: جس کے پاس نقد پچاس روپے اور تین تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ اس لئے فرض ہو جاتی ہے کہ نقد رقم چاندی' سونے کے حکم میں ہے اور تین تولہ سونا اور پچاس روپیہ نقد مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں اس لئے زکوٰۃ فرض نہیں کہ اس کے پاس صرف سونا ہے۔ چاندی یا مال تجارت یا نقد رقم نہیں ہے۔ اس لئے وہ نہ تو سونے کا نصاب بنتا ہے اور نہ ہی چاندی کا۔ لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔[3]

ج: جو زیور عورت کے ماں باپ کی طرف سے ملا۔ وہ تو عورت کی ملکیت ہے۔ خاوند کی طرف جو زیور دیا گیا ہے۔ وہ بھی ہمارے اطراف میں عورت کی ملکیت ہوتا ہے۔ ہاں اگر دیتے وقت تصریح کر دی جائے کہ زیور عاریت ہیں یا صرف اتنا

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۵۰ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۶۰

[3] فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۶۶ فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۵۱۶

واضح ہو کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو تو اس صورت میں عورت پر صرف اپنے میکے کے زیور کی زکوٰۃ لازم ہوگی اور جو زیور کہ خاوند کی ملک ہے۔ اس کی زکوٰۃ خاوند کو ادا کرنی پڑے گی۔ خاوند کی کمائی سے بھی ادا ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ عورت پر جس قدر زکوٰۃ واجب ہے۔ خاوند اتنی رقم عورت کو دے کر مالک کردے اور عورت زکوٰۃ ادا کردے۔[1]

س: دستورِ دنیاوی کے مطابق بیوی کو جہیز میں زیورات ملتے ہیں۔ وہ خود کوئی روپیہ نہیں کما سکتی۔ اس حالت میں زیور کی زکوٰۃ کس پر عائد ہوتی ہے۔ بیوی پر یا خاوند پر۔ اگر ایسے زیور کی زکوٰۃ خاوند نہ دے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟ اگر خاوند جہیز کے مال اور اپنے کمائے ہوئے روپے سب کی زکوٰۃ خود ادا کرے تو عیدالاضحیٰ کی قربانی اسے دو شخصوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ کرنی چاہئے یا ایک شخص یعنی اپنی طرف سے کرنی کافی ہوگی؟

ج: عورت اپنے زیور اور جہیز کی مالک ہوتی ہے اور اسی کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور چونکہ اس کے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہوتا۔ اس لئے خاوند سے لے کر ادا کرتی ہے۔ یا اس کے امر و اجازت سے خاوند ادا کر دیتا ہے۔ اگر خاوند ادا نہ کرے نہ روپیہ دے تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ اپنا سامان بیچ کر ادا کرے۔ کیونکہ واجب اسی کے ذمہ ہے۔

اسی طرح جبکہ عورت مالکِ نصاب ہو تو اس پر علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ ایک قربانی دونوں کے لئے کافی نہ ہوگی۔[2]

س: ہندہ اور اس کا شوہر ہندہ کے خسر کی شرکت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر ہندہ اور اس کا شوہر اس شرکت کے بجائے الگ ہو کر زندگی بسر کریں تو گذر اوقات مشکل ہے۔ یعنی دونوں وقت کھانا اور کپڑا بھی مشکل سے میسر آئے گا۔ ہندہ کے پاس کوئی شکل آمدنی کی نہیں۔

مگر اس کو شادی کے موقعہ پر اپنے والد کی طرف سے جہیز میں تقریباً ایک ہزار روپے کا زیور ملا ہے۔ اور نصف ہزار کی مالیت کے قریب خسر سے ملا ہے۔ مگر بوجہ روزی تنگ ہونے کے زکوٰۃ نہیں نکال سکی۔ اس کا خسر باوجود مقدور ہونے کے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اس حالت میں ہندہ کو کیا کرنا چاہئے؟

(۲) ہندہ کو جو زیور اس کے خسر سے ملا ہے۔ وہ بھی ہندہ ہی کے قبضہ میں ہے اور ابتدائی زمانہ میں اس کو استعمال بھی کیا۔ مگر اب بوجہ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کے اس کا استعمال ترک کر دیا۔ لیکن قبضہ ہندہ ہی کا ہے۔ اس صورت میں اس کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟ آیا ہندہ پر یا اس کے شوہر پر۔ اگر ہر دو صورتوں میں زکوٰۃ ہندہ پر واجب ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ ہندہ کی کسی قسم کی آمدنی نہیں اور شوہر میں اس قدر وسعت نہیں۔ شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

ج: جبکہ وہ زیور استعمال کے لئے ہے اور اس لڑکی کی ملک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے۔ تو اس کی زکوٰۃ بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اس کے خسر کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر ادا نہیں کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ خواہ حساب کر کے زیور زکوٰۃ میں دے یا کوئی

---

[1] کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۴۶ ۔ [2] کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۵۰

اور چیز دے۔

(۲) اگر ہندہ اپنا زیور اپنی ملک سے نکال کر اپنے شوہر کو دے دے تو شوہر کے ذمہ زکوٰۃ ہوگی ورنہ ہندہ کے ذمہ ہوگی۔ خواہ زیور زکوٰۃ میں دے۔ خواہ اسے فروخت کر کے اس کے پیسے وغیرہ دے دے۔ یا اس کی قیمت کی کوئی اور شے خرید کر دے۔[1]

س: مرد حضرات پیسہ کماتے ہیں تو بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ شوہر کو دینی چاہئے یا بیوی کو اپنے جیب خرچ سے جوڑ کر۔ اگر شوہر زکوٰۃ نہ ادا کریں اگر چہ بیوی چاہتی ہو اور بیوی کے پاس روپیہ بھی نہ ہو کہ زکوٰۃ ادا کر سکے تو گناہ کس کو ہوگا؟

ج: زیور اگر بیوی کی ملکیت ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ واجب ہے اور زکوٰۃ نہ دینے پر وہی گنہگار ہوگی۔ شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم نہیں۔ بیوی یا تو جیب خرچ بچا کر زکوٰۃ ادا کرے یا زیورات کا ایک حصہ زکوٰۃ میں سے دے۔[2]

س: عورت تو شوہر پر انحصار کرتی ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داریاں شوہر پر ہوتی ہیں۔ عورت کی کفالت تو مرد کرتا ہے۔ تو کیا ان زیورات پر جو عورت کو جہیز میں یا تحفے میں ملے ان پر زکوٰۃ کی ذمہ داری شوہر پر نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر عورت کو کیا کرنا چاہئے کہ عورت زکوٰۃ ادا کر سکے۔

ج: زکوٰۃ جن زیورات پر فرض ہو وہ اگر عورت کی ملکیت میں ہے تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ مالک ہی پر فرض ہوگی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی ذمہ داری بھی مالک ہی پر ہوگی۔ شوہر اگر اس کے کہنے پر زکوٰۃ ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔ ورنہ عورت پر لازم ہوگا کہ زکوٰۃ میں ان زیورات کا حصہ بقدر زکوٰۃ نکال دیا کرے۔[3]

بیٹی کے لئے زیور پر زکوٰۃ:

س: سنا ہے کہ ماں اگر اپنا زیور اپنی لڑکی کے لئے اٹھا رکھے یا یہ نیت کرے کہ یہ سونا اپنی بیٹی کو جہیز میں دوں گی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور جب یہ زیور یا سونا لڑکی کو ملے تو وہ اس کو پہن کر استعمال میں لا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ آپ وضاحت کریں کہ لڑکی کے لئے کوئی زیور بنوا کر رکھا جائے تو زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟

ج: اگر لڑکی کو زیور کی مالک بنا دیا تو جب تک وہ لڑکی نابالغ ہے۔ اس پر زکوٰۃ نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جبکہ صرف یہ زیور یا اس کے ساتھ کچھ نقدی نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے۔ صرف یہ نیت کرنے سے کہ یہ زیور لڑکی کے جہیز میں دیا جائے گا۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جب تک کہ لڑکی کو اس کا مالک نہ بنا دیا جائے اور لڑکی کو مالک بنا دینے کے بعد پھر اس زیور کا خود پہننا جائز نہیں ہوگا۔[4]

س: میری تین بیٹیاں ہیں۔ عمر ۱۲ سال۔ ۱۰ سال اور ۸ سال میں نے ان کی شادی کے لئے ۲۰ تولہ سونا لے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسری چیزیں مثلاً برتن کپڑے وغیرہ بھی آہستہ آہستہ جمع کر رہے ہیں۔ کیا ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ دینا

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۱۰۶ تا ۱۹۰ — [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۴۵

[3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۴۵ — [4] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۴۸

پڑے گی؟ بچیوں کے نام پر کوئی پیسہ وغیرہ جمع نہیں ہے۔

ج: اگر آپ نے اس سونے کا مالک اپنی بچیوں کو بنا دیا ہے۔ تو ان کے جوان ہونے تک تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ جوان ہونے کے بعد ان میں جو صاحبِ نصاب ہوں ان پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر بچیوں کو مالک نہیں بنایا ملکیت آپ ہی کی ہے تو اس سونے پر زکوٰۃ (آپ پر) فرض ہے۔ برتن کپڑے وغیرہ استعمال کی جو چیزیں آپ نے ان کے لئے لے رکھی ہیں۔ ان پر زکوٰۃ نہیں۔[1]

کرنسی نوٹ پر زکوٰۃ

س: اس زمانہ میں تمام ممالک میں سکہ کے بجائے کاغذی نوٹ رائج ہیں۔ جن کی حیثیت وعدے یا اقرار نامے کی ہے۔ کیا یہ کاغذی نوٹ سکہ میں شمار ہو سکتا ہے؟ اگر سکے میں شمار نہیں ہو سکتا تو اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فلزی سکہ رائج الوقت پر زکوٰۃ لازم کی ہے۔

ج: نوٹ یا تو خود سکہ ہے یا مالیت کی رسید ہے۔ اس لئے زکوٰۃ تو نوٹوں پر ہر حال میں لازم ہے۔ البتہ نوٹ سے زکوٰۃ کے ادا ہونے کا مسئلہ محل نظر ہے۔ بہت سے اکابر کی رائے میں یہ خود سکہ نہیں بلکہ رسید ہے۔ اس لئے زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کو دور جدید میں سکہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ پہلے قول پر احتیاط زیادہ ہے اور دوسرے قول میں سہولت زیادہ ہے۔[2]

ج: اگر نوٹ نصاب کے برابر ہیں تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔[3]

رائج الوقت سکوں کی زکوٰۃ:

س: کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جو سکے رائج نہیں رہے۔ جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں۔ یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں۔ ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہئے یا نہیں؟

ج: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) وہ سکے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے۔ لیکن غالب اجزاء سونا یا چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا۔

(۲) وہ سکے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۴۵ [2] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۵۹

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۳ ص ۱۰۹

اور عرف میں مروّج سکے ہیں۔ بالغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروج سکے نہیں ہیں اور نیت تجارت بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ ان سکوں میں اگر چاندی مخلوط ہے۔ وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جائے۔ جو چاندی کا نصاب ہے۔ تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

(۳) وہ سکے جو خالص پیتل، تانبے، قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں۔ ان میں سونے چاندی کی بالکل ملاوٹ نہیں۔ ان کی دو صورتیں ہیں۔

ا: عرف اور اصطلاح میں مروّج سکے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں۔

ب: عرف اور اصطلاح میں مروّج سکے نہیں رہے کسی زمانہ میں تھے۔

قسم اوّل کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے۔ یعنی دوسو درہم کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح قسم دوم کے سکے بھی عروض کے حکم میں ہیں۔ اگر نیتِ تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔

(۴) پاکستانی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس حیثیت سے نہیں کہ یہ نوٹ خود مال ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک اور سند اور وثیقہ مال ہے۔ جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہوں جن سے دوسو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اسی طرح غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے یا تبادلہ کا اندازہ کر کے جب دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔[۱]

مصارفِ زکوٰۃ

س: زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہئے؟

ج: (۱) فقیر۔ فقیر اسے کہتے ہیں۔ جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے۔ لیکن نصاب زکوٰۃ کو نہیں پہنچتا۔ مثلاً ایک شخص کے لئے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑا اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں صرف آتا ہے۔ موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقدی رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کے برابر ہو۔ نہیں ہے۔ یا ہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

(۲) مسکین۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔[۲]

---

۱ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۷۰ ۲ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۸۱

بھائی کو زکوٰۃ دینا:

س: زید کا بھائی نادار ہے کیا زید اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

ج: افضل یہی ہے کہ زید اپنے بھائی کو زکوٰۃ دے۔

((والافضل فی الزکوۃ والفطر والنذور الصرف اولا الی الاخوۃ)) (عالمگیری ج ا ص ۹۷)[1]

کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جائے:

س: اپنے کن کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا درست اور جائز ہے؟

ج: سوائے اصول اور فروع کے یعنی ماں' باپ' دادا' دادی' نانا' نانی اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے دوسرے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ بھائی' بہن' بھانجے بھتیجے' چچا خالہ' پھوپھی' ماموں۔ ان سب کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ والدین کو نہیں دی جاسکتی۔ سید کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔[2]

نادار بہن بھائیوں کو زکوٰۃ دینا:

س: میرے والد صاحب عرصہ ڈیڑھ سال سے فوت ہو چکے ہیں۔ میں گھر میں بڑا ہوں اور شادی شدہ ہوں۔ گھر میں والدہ ماجدہ ایک ہمشیرہ اور تین چھوٹے بھائی ہیں۔ جن میں ایک برسرروزگار ہے اور دوا بھی پڑھ رہے ہیں۔ میرے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے۔ کیا میں وہ زکوٰۃ اپنے بھائیوں کو دے سکتا ہوں اور ہمشیرہ کو بھی کیونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

ج: زکوٰۃ بہن بھائیوں کو دینا جائز ہے۔[3]

چچا کو زکوٰۃ:

س: میرے چچا کی مالی حالت اچھی نہیں ہے کیا میں چچا کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

ج: چچا کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ صرف زکوٰۃ کی نیت کر لینا کافی ہے۔[4]

بھتیجے یا بیٹے کو زکوٰۃ دینا:

س: میری پاس میری یتیم بھتیجی رہتی ہے کیا میں اس پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتا ہوں اور کیا میں اپنے بیٹے کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

ج: بیٹا' بیٹی' پوتا' پوتی اور نواسا' نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بھتیجا اور بھتیجی کو دینا درست ہے۔[5]

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۲ [2] خیر الفتاویٰ المفتی ج ۴ ص ۲۶۲

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۹۴ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

بیوی کا شوہر کو زکوٰۃ دینا:

س: عام طور پر بیوی کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ اگر بدنصیبی سے شوہر غریب ہو اور بیوی مالدار تو شرعاً شوہر کے بیوی پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟

(۲) مذکورہ شوہر کو بیوی سے زکوٰۃ لے کر کھانا درست ہوگا؟

ج: عورت پر شوہر کے لئے جو حقوق ہیں۔ وہ شوہر کی غربت اور مالداری دونوں میں یکساں ہیں۔ شوہر کے غریب ہونے پر بیوی پر شرعاً یہ حق ہے کہ شوہر کی غربت کے پیش نظر اس قدر نان ونفقہ کا مطالبہ کرے جس کا شوہر متحمل ہو سکے۔ البتہ اخلاقاً بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے شوہر کی امداد کرے۔ یا اپنے مال سے شوہر کو کوئی کاروبار وغیرہ کرنے کی اجازت دے۔[۱]

صاحبِ نصاب بیوہ کو زکوٰۃ:

س: میری بیوہ بھاوج کے پاس ۱۵ تولہ سونے کا زیور ہے۔ جبکہ ان کی کوئی آمدنی نہیں ہے نہ کوئی مکان ہے نہ کوئی ذریعہ آمدنی ہے۔ یہ زیور انہیں ماں باپ اور سسرال کی جانب سے ملا تھا۔ کیا میں ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟ ان کا ایک بیٹا ہے جو ابھی پڑھ رہا ہے کمانے کے قابل نہیں۔

ج: آپ کی بھاوج کے پاس اگر ۱۵ تولہ سونا ان کی ملکیت ہے تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بلکہ خود ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ہاں ان کے بیٹے کے پاس اگر کچھ نہیں تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔[۲]

شوہر کے بھائیوں اور بھتیجوں کو زکوٰۃ دینا:

س: میرے شوہر کے چار بھائی ایک بہن ہے۔ جو سابقہ خاوند سے طلاق لینے کے بعد دوسری جگہ شادی شدہ ہے۔ مگر سابقہ خاوند سے تین بچے ہیں۔ جو میرے دوسرے دیور کے پاس رہتے ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔ کیا ہم ان بچوں کی تعلیم یا شادی بیاہ پر زکوٰۃ کی مد سے خرچ کر سکتے ہیں اور ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن ان بچوں کو علم نہ ہو کہ زکوٰۃ ہے؟

ج: آپ اپنے شوہر کے بھانجوں اور بھتیجوں کو زکوٰۃ دے سکتی ہیں۔ آپ کے شوہر بھی دے سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ان کو بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ خود نیت کر لینا کافی ہے۔ ان کو خواہ ہدیہ تحفہ کے نام سے دی جائے۔ تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[۳]

شادی کے لئے مدزکوٰۃ سے تعاون:

س: ایک نادار لڑکی جس کے والدین بھی غریب ہیں کی شادی کے لئے زیور یا برتن کپڑے زکوٰۃ کی مد سے بنا کر دینا

---

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۹۵ [۲] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۹۶

[۳] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۹۸

جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس لڑکی کے والدین کو زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا جائے کہ وہ اس لڑکی کے نکاح میں صرف کریں۔ یہ درست ہے اور خود اس لڑکی کو اگر برتن وغیرہ خرید کر دے دیں تو یہ بھی درست ہے۔[1]

پیشہ ور گداگر کو زکوٰۃ دینا:

س: گداگر جن کا پیشہ مانگنے کا ہے۔ ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

ج: ایسے گداگر جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ اکثر متمول ہوتے ہیں دینا درست نہیں ہے۔[2]

مدرسہ کی کتب زکوٰۃ سے خریدنا:

س: اگر کسی مدرسہ اسلامیہ کا مہتمم مالک نصاب نہ ہو اور لوگ اس کو زکوٰۃ اور چرم قربانی دیں اور مہتمم اس پر خود قابض ہو کر اس روپے سے طلبہ کے لئے کتابیں خرید لے اور ان کی خوراک و پوشاک میں صرف کرے اور مدرس کو تنخواہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس طرح حیلہ تملیک کر کے رقم زکوٰۃ و قیمت چرم قربانی مدرسین و ملازمین کو تنخواہ میں صرف کرنا اور کتابیں خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا اور طلبہ کی خوراک ولباس میں صرف کرنا درست ہے۔[3]

زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر مدرسہ:

س: اگر کوئی صاحب زکوٰۃ علم دین کی ان ضروریات میں امداد کرنا چاہے جہاں زکوٰۃ کا روپیہ صرف نہیں ہو سکتا۔ مثلاً تعمیر درسگاہ یا تعمیر دار الطلبہ وغیرہ اور تملیک کرا کر زکوٰۃ کا روپیہ صرف کر دے تو اس کی زکوٰۃ اس صورت میں بلاشبہ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

اور علمی امداد کی نیت سے ایسی صورت کرنے میں معطی کو علم دین کی امداد کا ثواب بھی ملے گا یا نہیں۔ یا فقط ادائے زکوٰۃ ہی کا ثواب ملے گا؟

ج: اس صورت میں زکوٰۃ بلاشبہ ادا ہو جائے گی اور شامی میں منقول ہے کہ بطریق مذکور زکوٰۃ دینے میں معطی کو بھی ثواب علم دین کی امداد کا ملے گا۔

((يقال ان ثواب التكفين يثبت للمزكي ايضاً لان الدال على الخير كفاعله وان اختلف الثواب كما وكيفاً قلت واخرج السيوطي في الجامع الصغير لو مرت الصدقة على يدى مائة لكان لهم من الاجر مثل اجر المبتدى من غير ان ينقص من اجره شيء))[4]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۲۴۶
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۲۰۴
[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۲۵۷
[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۲۵۹

جن مصارف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جیسے تعمیر مساجد وغیرہ و تکفین میت۔ ان میں صرف کرنے کے لئے فقہاء نے یہ حیلہ لکھا ہے کہ اول کسی ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو۔ رقم زکوٰۃ اس کی ملک کر دی جائے۔ بعد ملک ہونے کے وہ شخص اپنی طرف سے تعمیر و مرمت مسجد وغیرہ یا تکفین میت میں صرف کر دے۔ (کمافی الدر المختار ج۲ ص۸۵۰)

((وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد))

ترجمہ: اور حیلہ میت پر کفن ڈالنے کا مال زکوٰۃ سے یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوٰۃ دیا جائے۔ پھر وہ اپنی طرف سے میت کے کفن میں خرچ کرے۔ سو دونوں کو ثواب حاصل ہوگا اور یہی حیلہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنے کا ہے۔[1]

حیلۂ تملیک

حیلہ کے ذریعہ زکوٰۃ مدرسہ کے لئے خرچ کرنا:

س: بعض حضرات زکوٰۃ کا روپیہ تبلیغ (مدرسہ کی ضروریات) کے لئے دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ حیلہ کر لیا جائے۔ جب کہ تملیک میں لینے والا اور دینے والا دونوں بخوبی جانتے ہیں کہ تملیک مقصود نہیں ہے۔ تو کیا اس حیلہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے اور وہ روپیہ اس غرض کے لئے جائز بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ج: یہ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے اور یہ امور جن کا آپ نے لکھا ہے مانع اس حیلہ سے نہیں ہیں۔ یعنی باوجود ان جملہ خیالات کے یہ حیلہ صحیح ہے اور اس حیلہ کا کر لینا ضروری ہے تا کہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے۔ پھر مہتمم وغیر منتظمین کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کریں۔[2]

زکوٰۃ میں حیلہ:

س: اکثر مدارس میں چندہ دوامی بہت کم ہے اور زکوٰۃ و صدقہ واجبہ مثل کفارہ و چرم قربانی وغیرہ جمع ہوتا ہے۔ چونکہ دوامی چندہ سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کا روپیہ جمع ہوتا ہے۔ اس لئے اراکین مدرسہ نائب مہتمم سے اس طرح حیلہ کراتے ہیں کہ کسی غریب شخص کو وہ روپیہ دے کر مالک بنا دیتے ہیں اور اس سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ میں دے دو۔ اس طرح حیلہ کر کے زکوٰۃ کا روپیہ مدرسین کی تنخواہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: یہ حیلہ درست ہے اور بعد اس حیلہ کے تنخواہ مدرسین میں خرچ کرنا اس روپیہ کا جائز ہے اور جس قدر روپے کا حیلہ چاہے ایک وقت کرے۔ اس میں قدرے نصاب کی شرط لازم نہیں۔ صرف اولیٰ غیر اولیٰ کا فرق ہے اور حیلہ کرنے والوں

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج۶ ص۲۲۶ [2] فتاویٰ دار العلوم ج۶ ص۱۹۹

اور کرانے والوں کو کچھ گناہ نہیں۔ نیت صالحہ پر ثواب کی امید ہے۔[1]

خاندان کی اجتماعی زکوٰۃ:

س: ایک خاندان کے چند افراد جو سب برسر روزگار ہیں۔ ان کی اپنی ملکیت میں اتنا مال نہیں جس پر زکوٰۃ دیں۔ لیکن اگر سب اپنا مال جمع کر لیں تو وہ نصاب کے مطابق قابل زکوٰۃ بن جاتا ہے۔ تو اب زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے؟

ج: ہر ایک شخص کا الگ الگ صاحب نصاب ہونا شرط ہے۔ ورنہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ نے جو صورت لکھی ہے۔ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ البتہ اگر عرفاً ساری ملکیت خاندان کے سربراہ کی سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ یہ فرد واحد کی ملکیت ہوئی اور بقدر نصاب بھی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خاندان کے سربراہ کو واقعتاً مالک سمجھا بھی جاتا ہو۔[2]

س: ہمارے سب بھائی تنخواہ لا کر والدہ کو دیتے ہیں۔ جو گھر کا خرچہ چلاتی ہیں۔ جبکہ زیور اور کچھ بچت کی رقم ہمارے پاس ہوتی ہے۔ آیا زکوٰۃ دینی ہماری ذمہ داری ہے یا والدہ محترمہ کی؟

ج: اگر وہ سونا اور بچت کی رقم اتنی ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو سب بھائی صاحب نصاب ہو سکتے ہیں۔ تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔[3]

مشترکہ خاندان کی زکوٰۃ:

س: میں گھر کا سربراہ ہوں میرے دونوں لڑکے صاحب روزگار ہیں اور میری دونوں بہوؤں کے ہاں کم از کم ۱۲-۱۲ تولہ فی کس زیورات ہیں اور بیوی کے ہاں ۵ تولہ کے زیور اور کنواری لڑکی کی شادی کے لئے ۳ تولہ کے زیورات ہیں۔ جس کو ایک سال سے خرید کر رکھا ہوا ہے۔ دوسرے آج کل مشترکہ خاندان میں بھی زیور پر متعلقہ عورت کی ذاتی ملکیت ہی شمار ہوتا ہے۔ ایک عورت کا زیور دوسری عورت مستقل طور سے نہیں لے سکتی۔ حتیٰ کہ ساس اپنی بہو کا زیور اپنی لڑکی کو نہیں دے سکتی۔ تو کیا ایسی صورت میں مجھے گھر کے تمام زیور کی مالیت کے مطابق زکوٰۃ نکالنا چاہئے۔ یا فرداً فرداً حساب سے؟

ج: زکوٰۃ کے واجب ہونے میں ہر شخص کی انفرادی ملکیت کا اعتبار ہے۔ اب آپ کی بہوؤں کے پاس جو زیور ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مالک کون ہے؟ آپ کی بہوؤں کا زیور اگر ان کی ملکیت ہے تو زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہے اور اگر لڑکوں کی ملکیت ہے تو زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہے۔

اور اگر کچھ زیور بہوؤں کی ملکیت ہے۔ مثلاً جو زیور ان کے میکے سے ملا ہے اور کچھ لڑکوں کی۔ تو اگر ہر ایک کی ملکیت نصاب کو پہنچتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

اسی طرح آپ کی اہلیہ کے پاس جو سونا ہے وہ اگر اس کی ملکیت ہے اور اس کے سوا ان کی ملکیت میں کوئی روپیہ پیسہ

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۰۳ تا ۱۰۴ [2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۴۹ [3] ایضاً۔

نہیں تو ان کے ذمہ زکوٰۃ نہیں اور اگر وہ سونا آپ کی ملکیت ہے تو دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ اس زیور کی زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ ہوگی۔

آپ نے لڑکی کے لئے جو سونا خرید کر رکھا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ نے وہ سونا اس کی ملکیت کر دیا ہے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی ملکیت نہیں تو اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے اور اگر لڑکی کی ملکیت ہے اور اس کے پاس کوئی نقد روپیہ پیسہ نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں اور اگر کچھ روپیہ پیسہ بھی اس کے پاس ہے تو زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہے۔[1]

حج کے لئے رکھی ہوئی رقم پر زکوٰۃ:

س: ایک عورت نے عرصہ چھ سال سے دو آدمیوں کی آمد و رفت حج کا خرچہ علیحدہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اس سال حج کو جانا چاہتی ہے۔ آیا اس روپیہ پر تمام سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

ج: اس روپیہ کی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ جب تک وہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ اس وقت تک تمام سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔[2]

حج کے لئے رقم رکھنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ جب تک یہ رقم حج میں خرچ نہ ہو اور اس کی ضروریات سے زائد ہو تو سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔[3]

س: میرا سالِ زکوٰۃ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورا ہوتا ہے۔ مگر میں نے یکم رجب کو داخلہ حج بھر دیا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟

ج: جب سال رمضان کو پورا ہوتا ہے۔ اس وقت تک روپیہ استعمال میں نہیں آیا۔ تو وجوب زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہٰذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ وجوب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔[4]

مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم:

س: پندرہ آدمیوں نے کمیٹی شروع کی۔ ایک آدمی نے بذریعہ قرعہ اندازی پندرہ آدمیوں سے ۱۵۰۰۰ پندرہ ہزار روپیہ لے لیا۔ جس میں ایک ہزار اس کا ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا بطور قرض جو اس نے واپس کرنا ہے۔ اب بتائیں اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہوگی؟

ج: صورت مسئولہ میں زید پر جو رقم قرض ہے۔ اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ ہر حصہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی امید ہو اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے۔

س: ہم بائیس افراد نے مل کر ایک کمیٹی بنائی ہے۔ جس میں ہر ایک ممبر پانچ سو روپیہ ماہوار جمع کراتا ہے اور ہر ماہ کے آخر

---

۱ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۴۹ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۱۶ ۳ فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۹۳

۴ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۷۴ ۵ خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۹۰

میں قرعہ اندازی کے ذریعہ نام نکالتے ہیں۔ جس کا بھی نام نکل آئے تو جمع شدہ رقم گیارہ ہزار روپیہ اسے دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح اکیس ماہ بعد میرا نام نکل آیا تو اکیس ماہ بعد میں نے جو رقم وصول کی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ کار ہوگا۔ رقم ملتے ہی زکوٰۃ دینی ہوگی یا سال کے بعد؟

ج: اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں۔ تو اپنے نصاب کے ساتھ اس کمیٹی والی رقم کی زکوٰۃ بدستور دیا کریں اور اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں۔ تو جب کمیٹی میں آپ کی رقم نصاب کے برابر جمع ہو جائے تو اسی وقت سے آپ صاحبِ نصاب شمار ہوں گے اور اس کے حساب سے سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کریں۔ خواہ اقساط پر سال گزرا ہو یا نہ۔[1]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم:

س: کیا پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

ج: گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت میں کچھ فرق ہے۔ جس کی وجہ سے احکام میں بھی فرق ہوگا۔ گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ میں حکومت متاجر ہے اور ملازم اجیر ہے۔ فنڈ کی رقم متاجر (حکومت) کے قبضہ میں رہتی ہے۔ اس پر اجیر کا قبضہ نہیں ہوتا۔ قابض نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ وصول ہونے کے بعد بھی اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ آئندہ کے لئے زکوٰۃ فرض ہوگی۔

پرائیویٹ کمپنیوں کا پراویڈنٹ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دیا جاتا ہے۔ جس میں ملازم کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہے۔ لہٰذا کمپنی کا قبضہ ملازم کا قبضہ شمار ہوگا اور یہ رقم ملازم کی ملک ہوگی۔ اس لئے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔[2]

تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ:

س: ایک شخص نے پانچ ہزار روپیہ تعمیر مکان کے لئے جمع کر رکھا۔ اس کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ بھی ہے۔ کیا اس رقم پر سال گذرنے پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

ج: جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود ہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہٰذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ انشاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا سبب بنے گا۔[3]

رہائشی مکان کے لئے پلاٹ:

س: میں نے ایک پلاٹ مکان کی تعمیر کے لئے خریدا تھا۔ جس کی قیمت ۳۵۰۰۰ روپے تھی۔ اس وقت اس کی قیمت چالیس ہزار روپیہ ہو چکی ہے۔ لیکن میرا ارادہ بیچنے کا نہیں مکان تعمیر کرنے کا ہے۔ کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ کب سے اور کس حساب سے؟

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۹۸ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۰ [3] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۱۷

ج: جو پلاٹ رہائشی مکان کے لئے خریدا گیا ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔[1]

س: ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ کیا ان پلاٹوں پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

ج: مذکورہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔ مثلاً کرایہ وغیرہ تو آمدنی میں صاحب نصاب پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[2]

کس پلاٹ پر زکوٰۃ ہے؟

س: اگر خالی پلاٹ پڑا ہے اور وہ زیر استعمال نہیں ہے تو زکوٰۃ اس پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر پلاٹ خریدنے کے وقت یہ نیت تھی کہ مناسب موقع پر اس کو فروخت کر دیں گے تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر ذاتی استعمال کی نیت سے خریدا تھا تو زکوٰۃ واجب نہیں۔[3]

تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ:

س: اگر مکانات کے پلاٹوں کی خرید و فروخت کی جائے تو کیا یہ مال تجارت کی طرح متصور ہوں گے۔ یعنی ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے یا صرف نفع پر۔ اگر پلاٹ کئی سال بعد فروخت کیا گیا تو کیا ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا ایک دفعہ صرف سال فروخت میں؟

ج: اگر پلاٹ کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا جائے اور فروخت کرنے کی نیت سے پلاٹ خریدا جائے تو پلاٹوں کی حیثیت تجارتی مال کی ہوگی۔ ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی۔[4]

تجارتی مکان و پلاٹ کا حکم:

س: جو مکان یا پلاٹ اپنے پیسوں سے یہ سوچ کر خریدا ہو کہ بعد میں سوچیں گے۔ اگر رہنا ہوا تو خود رہیں گے ورنہ بیچ دیں گے۔ ایسے پلاٹ یا مکان ایک سے زائد ہو تو آیا زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیا قیمت خرید پر یا مارکیٹ ویلیو پر ہوگی۔

ج: جو زمین یا پلاٹ خریدا جائے خریدتے وقت اس میں تین قسم کی نیتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو یہ نیت ہوتی ہے کہ بعد میں ان کو فروخت کریں گے۔ اس صورت میں ان کی قیمت پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہوگی اور ہر سال مارکیٹ میں جو ان کی قیمت ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً ایک پلاٹ آپ نے پچاس ہزار کا خریدا تھا۔ سال کے بعد اس کی قیمت ستر ہزار روپیہ ہوگئی۔ تو زکوٰۃ ستر ہزار کی دینی ہوگی اور دس سال بعد اس کی قیمت پانچ لاکھ ہوگئی۔ تو اب زکوٰۃ بھی پانچ لاکھ کی دینی ہوگی۔ الغرض ہر سال جتنی قیمت مارکیٹ میں ہو اس حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۷۰
[2] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۲۴
[3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۷۰
[4] ایضاً۔

اور کبھی یہ نیت ہوتی ہے کہ یہاں مکان بنا کر خود رہیں گے۔ اگر اس نیت سے پلاٹ خریدا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر خریدتے وقت نہ تو فروخت کرنے کی نیت تھی اور نہ خود رہنے کی۔ اس صورت میں بھی اس پر زکوٰۃ نہیں۔[1]

مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ ہے:

س: میرے پاس دو مکان ہیں۔ ایک میں اپنی رہائش ہے اور دوسرا کرایہ پر۔ تو کیا زکوٰۃ مکان کی مالیت پر ہے یا اس کے کرایہ پر؟

ج: اس صورت میں زکوٰۃ مکان کی قیمت پر نہیں البتہ اس کے کرایہ پر جب کہ نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔[2]

شادی کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ:

س: ایک شخص نے شادی کے لئے کچھ رقم جمع کی ہے۔ جو نصاب سے متجاوز ہے۔ یہ رقم کئی سال اس کے پاس موجود رہی۔ لیکن کسی وجہ سے شادی کی نوبت نہیں آئی۔ کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جبکہ یہ رقم ضروریات شادی ہی کے لئے مختص ہے۔

ج: جب تک یہ رقم خرچ نہیں ہو جاتی اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح اگر والد نے اولاد کی شادی کے لئے رقم جمع کر رکھی ہو اور نصاب تک پہنچتی ہو تو سال گزرنے پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔[3]

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ:

س: میری شادی کو نو سال ہو گئے ہیں۔ اس وقت سے میری بیوی کے پاس ۸۰ تولہ سونا ہے اور ہم نے ابھی تک اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ کیونکہ میری آمدنی اتنی نہیں کہ کچھ بچ جائے تو زکوٰۃ ادا کروں۔ میری دو بچیاں بھی ہیں۔ وہ سونا میری بیوی کو جہیز میں ملا تھا اور اگر اب میں زکوٰۃ ادا کرنا چاہوں تو کیسے ادا کروں؟ اور مجھ پر یا میری بیگم پر زکوٰۃ ضروری ہے۔ جبکہ آمدنی اتنی نہیں؟

ج: اس اسی تولہ کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ نہیں بلکہ آپ کی بیوی کے ذمہ ہے۔ اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے پیسے نہ ہوں تو اتنا حصہ زیور کا دے دیا جائے۔ بہرحال گذشتہ نو سالوں کی زکوٰۃ آپ کی بیوی کے ذمہ لازم ہے۔ ہر سال کا حساب کر کے جتنی زکوٰۃ بنتی ہے ادا کی جائے۔[4]

س: ایک شخص کے ذمہ قربانی اور زکوٰۃ واجب تھی مگر کئی سال تک ادا نہیں کی اب ادا کرنے کا ارادہ ہے۔ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ والے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی؟

نیز اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دے دے۔ مثلاً چالیس تولہ سونے میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ ایک تولہ سونا

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۷۱
[2] ایضاً۔
[3] فتاویٰ حقانیہ ج ۳ ص ۴۹۴
[4] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۴۸

ہو گی۔ دوسرے سال انتالیس ۳۹ تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کر دے۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوٰۃ اکھٹی ادا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح قربانی مثلاً دس سال کی ادا کرنی ہے۔

ج: صاحبینؒ کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظمؒ کے نزدیک یوم الوجوب کی۔ صاحبینؒ کا قول انفع للفقراء ہے (فقراء کے لئے زیادہ فائدہ مند) اور امام اعظمؒ کا قول انفع لصاحب المال (مال والے کے لئے زیادہ مفید)

کیونکہ آج کل قیمت بڑھی ہوئی ہے اور یوم الوجوب زمانہ ماسبق میں قیمت کم تھی۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبین کا ہوگا۔ امر ثانی میں چالیس تولہ کی زکوٰۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال انتالیس تولہ کی زکوٰۃ ادا کرے۔[1]

ج: سونے چاندی کی زکوٰۃ اور عشر میں وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے۔

((قال فی التنویر وجار دفع القیمة فی زکوٰة وعشر وخراج وفطرة ونذر وکفارة غیر الاعتاق وفی الشرح وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الاداء)) (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴)[2]

کسی ایک کو یکمشت زکوٰۃ دینا:

س: میں عموماً زکوٰۃ کی کل رقم جو تقریباً دو ہزار روپیہ ہوتی ہے کسی ایک ہی کو دے دیتا ہوں۔ تا کہ کسی ایک کا کام تو پورا ہو جائے۔ کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

ج: زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ مگر کسی ایک کو یکمشت اتنی زکوٰۃ دے دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہو جائے مکروہ ہے۔[3]

ج: ایک آدمی محتاج کو نصاب سے کم زکوٰۃ دینی چاہئے۔ نصاب کی قدر دینا مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ مقروض ہو تو نصاب یا نصاب سے زیادہ دینا بھی درست ہے۔

((وکرہ اعطاء فقیر نصابا الا اذا کان المدفوع الیه مدیونا اوکان صاحب عیال لا یکرہ))
(درمختار ج ۲ ص ۹۳)[4]

پیشگی زکوٰۃ دینا:

س: اگر کوئی عورت اپنی کل رقم یا سونا جو اس کے پاس ہے۔ اس پر سالانہ زکوٰۃ نہ نکالتی ہو۔ بلکہ ہر مہینہ کچھ نہ کچھ کسی ضرورت مند کو دے دیتی ہو۔ کبھی نقد رقم۔ کبھی اناج وغیرہ اور وہ اس کا حساب بھی اپنے پاس رکھتی ہو۔ تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

ج: زکوٰۃ کی نیت سے جو کچھ دیتی ہے۔ اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کی زکوٰۃ پوری ہوگئی یا

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۲۹
[2] احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۶۸
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۳۷۷
[4] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۲۷۴

نہیں۔ اس لئے حساب کر کے جتنی زکوٰۃ نکلتی ہو وہ ادا کرنی چاہئے۔ البتہ یہ اختیار ہے کہ اکھٹی دے دی جائے یا تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں ادا کر دی جائے۔ مگر حساب رکھنا چاہیے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے۔ جو چیز زکوٰۃ کی نیت سے نہ دی جائے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زکوٰۃ کی نیت کر کے کچھ رقم الگ رکھ لی اور پھر اس میں سے وقتاً فوقتاً دیتے رہے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[1]

س: میرا وسیع کاروبار ہے۔ لیکن میں سالانہ زکوٰۃ کا حساب کر کے آہستہ آہستہ مختلف مدارس یا غرباء میں تقریباً آٹھ نو مہینوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ کیا رمضان المبارک میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے؟ یا آہستہ آہستہ دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ج: آپ جب سے صاحبِ نصاب ہوئے اس تاریخ (قمری تاریخ مراد ہے) کے آنے پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ رمضان کا مہینہ ہو یا محرم۔ بہتر تو یہی ہے کہ حساب کر کے زکوٰۃ کی رقم الگ کر لی جائے۔ لیکن اگر تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں ادا کی جائے۔ تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور جب سال شروع ہو اسی وقت سے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ پیشگی ادا کرتے رہیں تو یہ بھی درست ہے۔ تاکہ سال کے ختم ہونے پر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے۔ بہرحال جتنی مقدار زکوٰۃ کی واجب ہو اس کا ادا ہونا ضروری ہے۔[2]

استعمال شدہ چیز زکوٰۃ میں دینا:

س: ایک شخص ایک چیز چھ ماہ استعمال کرتا ہے اور وہی چیز اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر کے آدھی قیمت پر بغیر بتائے مستحق زکوٰۃ کو دے دیتا ہے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

اگر بازار میں فروخت کی جائے اور اتنی قیمت مل جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[3]

س: زکوٰۃ میں بجائے روپے غلہ یا کپڑا اپنے گھر سے دے دے۔ بازار کے بھاؤ کے مطابق تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں اور اگر بازار سے خرید کر دے تب کیا حکم ہے؟

ج: دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ خواہ گھر سے غلہ و کپڑا وغیرہ حساب کر کے دے یا بازار سے خرید کر دے۔[4]

پیداوار کا عشر

عشر کی تعریف:

س: عشر کی تعریف کیا ہے؟ (۲) کیا زکوٰۃ کی طرح عشر کا بھی نصاب ہے۔ (۳) کیا عشر سب زمینوں پر برابر ہوتا ہے۔ (۴) یہ کن لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ (۵) ایک آدمی اگر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا عشر بھی دینا ہوگا۔ (۶) کیا یہ سال میں ایک مرتبہ دیا جاتا ہے۔ یا ہر نئی فصل پر؟ (۷) کیا مویشیوں کے چارے کے لئے کاشت کی گئی فصل پر بھی عشر ہے؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۷۸ [2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۷۹ [3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۸۲

ج: عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اگر زمین بارانی ہو کہ بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو پیداوار اٹھنے کے وقت اس پر دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دے دینا واجب ہے اور اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے۔ تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

(۲) ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ پیداوار کم ہو یا زیادہ۔ اس پر عشر واجب ہے۔

(۳) جی ہاں! جو شخص بھی زمین کی فصل اٹھائے اس کے ذمہ عشر واجب ہے۔

(۴) عشر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

(۵) عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اس لئے دوسرے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود پیداوار پر عشر واجب ہے۔

(۶) سال میں جتنی فصلیں آئیں ہر نئی فصل پر عشر واجب ہے۔

(۷) جی ہاں! مویشیوں کے چارے کے لئے کاشت کی گئی فصل پر بھی حضرت امامؒ کے نزدیک عشر واجب ہے۔[1]

ہر پیداوار پر عشر:

س: عشر کا نصاب کیا ہے؟ اور کن کن چیزوں کا عشر دیا جاتا ہے۔ زرعی پیداوار میں ۵ فیصد زکوٰۃ دی جاتی ہے تو کیا زرعی پیداوار میں عشر اور زکوٰۃ دونوں ادا کرنے ہوں گے؟

ج: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشری زمین کی ہر پیداوار پر عشر واجب ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر زمین بارانی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ واجب ہے اور اگر کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو یا نہری پانی خرید کر دیا جاتا ہو تو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے۔

حضرت امامؒ کے نزدیک پھلوں، سبزیوں، ترکاریوں اور مویشیوں کے چارے میں بھی جس کو کاشت کیا جاتا ہو۔ عشر واجب ہے۔ زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ صرف عشر واجب ہوتا ہے۔[2]

صدقۂ فطر

صدقہ فطر کے مسائل:

س: صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

ج: (۱) صدقہ فطر ہر مسلمان پر جبکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک ہو۔ واجب ہے۔

(۲) جس شخص کے پاس اپنی استعمال اور ضروریات سے زائد اتنی چیزیں ہوں کہ اگر ان کی قیمت لگائی جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار ہو جائے تو یہ شخص صاحبِ نصاب کہلائے گا اور اس کے ذمہ صدقہ فطر واجب

---

[1] آپ کے مسائل ج۳ ص ۴۰۸ [2] آپ کے مسائل ج۳ ص ۴۰۹

ہوگا۔(چاندی کی قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے)

(۳) ہر شخص جو صاحب نصاب ہو اس کو اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے اور اگر نابالغوں کا اپنا مال ہو اس میں سے ادا کیا جائے۔

(۴) جن لوگوں نے سفر یا بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے روزے نہیں رکھے۔ صدقہ فطر ان پر بھی واجب ہے۔ جبکہ وہ کھاتے پیتے صاحب نصاب ہوں۔

(۵) جو بچہ عید کی رات صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ فطر لازم ہے اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا ہو تو لازم نہیں۔

(۶) جو شخص عید کی رات صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقہ فطر نہیں اور اگر صبح صادق کے بعد فوت ہوا تو اس کا صدقہ فطر واجب ہے۔

(۷) عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دینا بہتر ہے۔ لیکن اگر پہلے نہیں کیا تو بعد میں بھی ادا کرنا جائز ہے اور جب تک ادا نہیں کرے گا۔ اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔

(۸) صدقہ فطر ہر شخص کی طرف سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے اور اتنی قیمت کی اور چیز بھی دے سکتا ہے۔

(۹) ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک سے زیادہ فقیروں محتاجوں کو دینا بھی جائز ہے اور کئی آدمیوں کا صدقہ ایک فقیر محتاج کو بھی دینا درست ہے۔

(۱۰) جو لوگ صاحب نصاب نہیں ان کو صدقہ فطر دینا درست ہے۔

(۱۱) اپنے حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی کو صدقہ فطر دینا جائز ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو صدقہ فطر نہیں دے سکتے۔ اسی طرح ماں باپ اولاد کو اور اولاد ماں باپ، دادا دادی کو صدقہ فطر نہیں دے سکتی۔

(۱۲) صدقہ فطر کا کسی محتاج فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ اس لئے صدقہ فطر کی رقم مسجد میں لگانا یا کسی اور اچھائی کے کام میں لگانا درست نہیں [1]

❀❀❀

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۴۱۶

كتاب الصوم

روزے کا بیان

روزے کی نیت:

س: رمضان المبارک کے روزے کی نیت کس وقت کرنی چاہئے؟

ج: (۱) بہتر یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے کر لی جائے۔

(۲) اگر صبح صادق سے پہلے رمضان شریف کا روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ صبح صادق کے بعد ارادہ ہوا کہ روزہ رکھ ہی لینا چاہئے۔ تو اگر صبح صادق کے بعد کچھ کھایا پیا نہیں تو نیت صحیح ہے۔

(۳) اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے (یعنی نصف النہار شرعی سے پہلے) تک رمضان شریف کے روزے کی نیت کر سکتے ہیں۔

(۴) رمضان شریف کے روزے میں بس اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے یا رات کو نیت کرے کہ صبح کو روزہ رکھنا ہے۔[1]

س: زید صبح کو سو گیا۔ قریب ۱۱-۱۲ بجے کے آنکھ کھلی تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

ج: رمضان شریف کے روزہ کی نیت یا نفل روزہ کی نیت دن میں نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے صحیح ہے۔ یعنی ۱۱ بجے تک تقریباً صحیح ہے۔[2]

نیت سے مراد دل کا ارادہ ہے۔ زبان سے ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اگر ارادہ رات میں کر کے سویا تھا تو پھر کوئی مزید ضرورت نہیں۔ (مفتی ظفیر الدین)[3]

نفل روزہ کی نیت:

س: نفلی روزہ رکھنے کھولنے کی نیت کیا ہے۔ اگر بطور نذر نفلی روزے مانے ہوں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے روزے رکھوں گا۔ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کی نیت کیا ہے؟

---

۱ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۲۶۲ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۴۴

۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۴۴

ج: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ نفل روزہ مطلق روزے کی نیت سے بھی صحیح ہے اور نفل کی نیت سے بھی۔ یعنی دل میں ارادہ کر لے کہ میں روزہ رکھ رہا ہوں۔ مگر نذر کے روزے کے لئے نذر کی نیت کرنا ضروری ہے۔ یعنی دل میں یہ ارادہ کرے کہ میں نذر کا روزہ رکھ رہا ہوں۔

غالباً آپ کی مراد نیت سے وہ دعائیں ہیں۔ جو روزہ رکھنے اور افطار کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ ان دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔ ضروری نہیں۔ روزہ ان کے بغیر بھی صحیح ہے۔ البتہ ان دعاؤں کا زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔[1]

روزہ رکھنے اور افطار کی دعائیں:

س: نفلی روزے کی نیت اور روزہ رکھنے اور افطار کی دعائیں کیا ہیں؟

ج: نفلی روزے کے لئے مطلق روزے کی نیت کافی ہے اور وہ یہ ہے۔

((وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ))

ترجمہ: اور میں کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔

اور افطار کی دعا یہ ہے۔

((اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ))

ترجمہ: اے اللہ! میں نے آپ کے لئے روزہ رکھا اور آپ کے رزق پر افطار کیا۔

اور رمضان کے روزہ کی نیت میں یوں کہے۔

((وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ))

ترجمہ: اور میں کل کے رمضان کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔[2]

کتنی عمر کے بچے کو روزہ رکھوایا جائے:

س: رمضان المبارک میں سحری کے وقت نابالغ بچے دس بارہ سال کے روزہ رکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن گرمی کے موسم میں انہیں روزہ رکھنے سے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ شرعاً ان کا کیا حکم ہے۔ اگر وہ روزہ رکھ کر دوپہر کو توڑ دیں تو ان پر کفارہ ہوگا یا نہیں؟

ج: جب بچے میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو جائے تو اسے روزہ رکھوانا چاہئے۔ تاکہ ابھی سے اسے عادت ہو اور روزہ معمول بن جائے۔ البتہ طاقت کے لئے کوئی خاص عمر متعین نہیں۔ کیونکہ یہ بنیادی صحت علاقہ اور موسم کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ البتہ دس سال کی عمر میں سختی سے روزہ رکھوایا جائے۔ معہذا اگر وہ رکھنے کے بعد توڑ دیں تو ان پر قضا واجب نہ ہوگی۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۶۳ [2] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۴

دس برس کے بچے کو مار کر روزہ رکھانا:

س: بہشتی زیور حصہ ص ۲۳ مسئلہ نمبر ۱۲ جب لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہو جائیں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کرے اور جب دس برس کی عمر ہو جائے تو مار کر روزہ رکھا جائے۔ اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھائے جائیں۔

اور فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ جب بچوں کو نماز کا حکم سات برس کی عمر میں سکھانے کا ہے اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟

ج: روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں۔ (ص ۱۳۴ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم)

بظاہر دونوں کتابوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ واضح فرمایا جائے۔

((فی الدر المختار اوّل کتاب الصلٰوۃ بعد ذکر حدیث مروا اولادکم بالصلٰوۃ وھم ابناء سبع واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر مانصه والصوم کالصلٰوۃ علی الصحیح کما فی صوم القھستانی معزیا للزاھدی ۱ ھ))

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دو قول ہیں۔ پس ایک کتاب میں ایک قول کو لے لیا گیا۔ دوسری کتاب میں دوسرا قول لیا گیا۔ پس کچھ اشکال نہیں۔[1]

سحری اور افطار

سحری کھانا مستحب ہے:

س: کیا سحری کھانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص سحری نہ کھائے تو کیا اس کا روزہ نہیں ہوگا؟

ج: روزہ کے لئے سحری کھانا مستحب اور باعث برکت ہے اور اس سے روزہ میں قوت رہتی ہے۔[2]

سحری میں تاخیر:

س: بعض لوگ سحری بہت جلدی کرتے ہیں اور افطاری دیر سے کرتے ہیں۔ کیا یہ عمل صحیح ہے؟

ج: سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت خیر پر رہے گی۔ جب تک سحری کھانے میں تاخیر اور (سورج غروب ہونے کے بعد) روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۲)[3]

اختتام سحر:

س: رمضان المبارک میں سحری کا آخری وقت کب تک ہوتا ہے۔ یعنی سائرن تک یا اذان تک ہوتا ہے؟ بعض اذان

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۳ [2] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۶۶ [3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۶۸

ہونے تک بھی کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: سحری ختم ہونے کا وقت متعین ہے۔ سائرن' اذان اس کے لئے ایک علامت ہیں۔ آپ گھڑی دیکھ لیں۔ اگر سائرن وقت پر بجا ہے تو وقت ختم ہو گیا۔ اب کچھ کھا پی نہیں سکتے۔

سائرن بجتے وقت کھانا پینا:

س: عموماً لوگ سائرن بجنے سے کچھ وقت پہلے سحری کھا کر فارغ ہو جاتے ہیں اور سائرن بجنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی سائرن بجتا ہے۔ ایک ایک گلاس پانی پی کر روزہ بند کر لیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

ج: سائرن ایک منٹ پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے اس دوران پانی پیا جا سکتا ہے۔ بہر حال احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سائرن بجنے سے پہلے پانی پی لیا جائے۔[1]

مشتبہ وقت سحری کھانا:

س: اذان ہوتے ہی سحری چھوڑ دی گئی۔ لیکن ایک دو لقمہ جو منہ کے اندر تھا وہ نگل کر پانی پی لیا۔ شرعاً روزہ ہوگا یا اس کی قضا لازم ہے؟

بعض لوگ سائرن بج رہا ہے۔ سحری بند ہونے کا اعلان ہو رہا ہے اور اذان شروع ہے۔ لیکن ہوٹلوں میں چائے پی کر کلی کر لیتے ہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: اگر یہ ظن غالب ہو کہ صبح صادق ہونے کے بعد اذان شروع ہوئی ہے۔ تو روزہ نہ ہوگا اور اگر حالتِ مشتبہ ہو تو اس وقت کھانا پینا مکروہ ہے۔ مگر روزہ صحیح ہو جائے۔[2]

سحری وافطاری کا مستحب طریقہ:

س: سحری اور افطاری میں تعجیل وتاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

ج: شریعت مقدسہ میں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطاری کرنا مستحب ہے اور سحری میں آخر وقت تک تاخیر کرنا اولیٰ ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ظن غالب پر طلوع فجر سے چند منٹ پہلے سحری بند کر دینی چاہئے۔[3]

کیا اذان فجر انتہاء سحر کی دلیل ہے:

س: سحری کا آخری وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فجر کی اذان انتہاء سحری کی دلیل بن سکتی ہے یا نہیں؟

ج: روزہ بند کرنے میں بنیادی اعتبار انتہائے وقت کا ہے۔ اس لئے طلوع فجر سے قبل روزہ رکھنا واجب ہے۔ البتہ اگر اذان صحیح وقت پر دی جاتی ہو تو پھر یہ انتہائے وقت کی دلیل بن سکتی ہے۔ ورنہ تقدیم وتاخیر کی صورت میں اسے انتہاء سحر سمجھنا درست نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اذان عموماً وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔ اس لئے اس دوران کھانا پینا جائز

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۶۹ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۳۱ [3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۴۸

نہیں۔ بلکہ اس سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کر دینا چاہئے۔[1]

افطار اور جماعت کے درمیان وقفہ:

س: رمضان المبارک میں لوگ گھروں میں روزہ افطار کر کے نماز مغرب کی جماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ آیا ان کے لئے کچھ انتظار کرنا چاہئے یا نہ۔ اگر انتظار کریں تو زیادہ سے زیادہ کتنی دیر تک؟

اگر آفتاب غروب ہوتے ہی اذان کہہ دی جائے تو زیادہ سے زیادہ کتنی دیر انتظار کی جائے؟

ج: جو لوگ گھر میں روزہ افطار کر کے مسجد میں آتے ہیں۔ ان کے لئے پانچ چھ منٹ اذان کے بعد انتظار کرنا چاہئے۔[2]

افطار اذان پر ہو یا اعلان پر:

س: کیا روزہ اذان پر افطار کیا جائے یا اعلان پر؟

ج: خیر المدارس اور بہت سی دیگر مساجد میں افطار کا اعلان پہلے ہو جاتا ہے اور چند منٹ کے وقفے سے اذان ہوتی ہے۔ اس کے متصل بعد جماعت کھڑی ہو جاتی ہے۔ افطار کا وقت ہو جانے کے بعد اذان کے انتظار میں روزہ کھولنے میں تاخیر کرنا درست نہیں۔ وقت ہو جانے کے بعد افطار میں جلدی مطلوب ہے۔[3]

اذان و نمازِ مغرب میں وقفہ:

س: عرض خدمت عالی میں ہے کہ میں نے ایک مسئلہ جناب سے دریافت کیا تھا۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث شافی جواب حاصل نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا بھی تھا کہ مسئلہ دیکھ کر بتاؤ۔ سو اس وقت میں نہ دیکھ سکا۔ بعد میں یہاں آ کر وہ مسئلہ ہدایہ اولین میں دیکھا۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرتؒ (حضرت تھانویؒ) کے یہاں مغرب کی نماز میں بعد اذان کے کافی دیر ہوتی ہے۔ نیز مجھے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ہوا تھا۔ مگر دریافت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔

امام اعظم صاحبؒ کا قول و فعل دونوں اسی پر تھا کہ وہ بعد اذان مغرب فوراً اقامت کرتے تھے اور یہ ہدایہ اولین باب الاذان میں ذکر کیا گیا ہے۔ (ص ۲۷ مطبوعہ مطبع علیمی دہلی) اور وہ عبارت یوں ہے۔

((ویجلس بین الاذان والاقامة الافی المغرب وھذا عند ابی حنیفةؒ))

اور ہدایہ ص ۴۷ پر ہے۔

(یعقوب) سے روایت یوں ہے۔

((قال یعقوب رأیت ابا حنیفة یؤذن فی المغرب ویقیم ولا یجلس بین الاذان والاقامة))

اور اس سے بھی زیادہ صریح باب المواقیت میں بیان کیا ہے اور وہ قول امام شافعی کا ہے۔

((وقال الشافعیؒ مقدار ما یصلی ثلٰث رکعات لان جبرئیل علیه السلام ام فی یومین

---

[1] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۱۴۸ [2] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۸۰ [3] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۸۳

فی وقت واحد))

صرف صاحبین خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جلسہ خفیفہ ہونا چاہئے۔ جیسے کہ جمعہ کے دو خطبوں کا کیا جاتا ہے۔ اس کو بھی باب الاذان میں ذکر کیا ہے۔

میں اس کا جواب اپنے دل میں یوں دیا کرتا تھا۔ کہ شاید یہ مسئلہ کہیں ہو کہ جب امام ایک مسجد میں مقرر ہو اور اس کو کسی وجہ سے مجبوری ہو یا آنے میں دیر ہو، تو اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ مگر اس سے تشفی نہ ہوتی تھی۔ سو میں نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جناب سے استفسار کیا امید ہے کہ آپ کے جواب سے کافی تشفی ہو جائے گی۔

ج: روایات مندرجہ سوال سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زائد تاخیر کی کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ سو عمل استحباب پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور مقصود بالبحث کراہت ہے۔ سو درمختار اور ردالمحتار میں اس سے بھی تعرض ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر مادون الرکعتین میں تو کراہت نہیں اور اس سے زائد اشتباک نجوم (ستاروں کا خوب چمکنا) کے قبیل تک۔

شرح المنیہ کی تحقیق پر مباح اور بعض اقوال پر مکروہ تنزیہی اشتباک کے بعد تحریمی۔ روایات یہ ہیں۔

((فی الدر المختار والمستحب الی قوله وتعجیل مغرب مطلقاً وتاخیرہ قدر رکعتین یکرہ تنزیهاً))

فی رد المحتار

((ان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والاقامة بغیر جلسة او سکنة علی الخلاف وان مافی القنیة من استثناء التاخیر القلیل محمول علی مادون الرکعتین وان الزائد علی القلیل الی اشتباك النجوم مکروہ تنزیهاً وبعدہ تحریماً الا بعذر کمامر))

((قال فی شرح المنیة والذی اقتضته الاخبار کراهة التاخیر الی ظهور النجوم وما قبله مسکوت عنه فهو علی الاباحة وان کان المستحب التعجیل اھ ونحوہ ما قد مناہ عن الحلیة))

اور عذر میں کراہت بھی نہیں اور یہاں انتظار امام میں تاخیر دو رکعت سے کم ہوتی ہے۔ وہ بھی احیاناً نہ استمراراً و اعتیاداً اور اگر مادون سے قدرے زائد بھی فرض کی جائے تو ایک تحقیق پر مباح ہے اور قول کراہت تنزیہی پر عذر نافی کراہت ہے اور عذر کی مثال فقہاء نے اکل وسفر سے دی ہے اور حصر کی کوئی دلیل نہیں اور امام کے لئے وضو اور قوم کے لئے انتظار امام راتب خصوص اگر وہ حاضر ہو اکل سے قوی عذر ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۷ تا ۱۱۹

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تاخیر مغرب کے تین درجہ ہیں۔ ایک درجہ تو دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ دوسرا درجہ بقدر دو رکعت کے یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک۔ یہ درمختار کی روایت کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق میں مباح۔ مگر خلاف مستحب ہے۔

تیسرا درجہ اس میں نجوم ظاہر ہو جائیں۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

تو دس منٹ سے زائد تاخیر کرنا امر مکروہ بھی نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض روایات کا مقتضی ہے۔ تاہم ترکِ مستحب تو ضرور ہے اور ترکِ مستحب پر بلاضرورت دوام کرنا ایسا فعل ہے کہ بعض فقہاء نے اس پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ ردالمختار کی عبارت مذکورہ کے بعد ہی یہ عبارت ہے۔

((انه الی ما قبل ذلك مكروه تنزيهاً لترك المستحب هو التعجيل))[1]

رمضان میں نماز مغرب میں تاخیر:

س: ماہِ رمضان میں مغرب کی نماز میں ۵ منٹ تاخیر کرنا اس خیال سے کہ لوگ افطار کر کے جماعت میں شامل ہو جائیں تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

ج: اصل جواب تو یہ ہے کہ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا کہ جس میں دو رکعت ادا کی جاسکیں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے۔ عندالبعض بلا کراہت جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ اتنی تاخیر کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔

رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تک تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اور بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا کھانے سے فارغ ہو کر اطمینان و فراغ قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے۔[2]

خواتین کے مخصوص مسائل

ایام حیض کے روزے قضا کرنا:

س: خواتین کے لئے ایام حیض کے روزے معاف ہیں یا ان کو قضاء کرنے کا حکم ہے؟

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خواتین حیض کے دنوں کے روزوں کی قضاء کریں۔ جبکہ ان دنوں کی نماز معاف ہے۔[3]

س: رمضان المبارک میں عورت حیض کی مجبوری سے جتنے روزے نہ رکھ سکے کیا بعد میں انہیں قضاء کرے یا نہیں؟

---

[1] امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۴ [2] احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۸ [3] تحفہ خواتین ص ۲۵۹

ج: مجبوری (حیض ونفاس) کے دنوں میں عورت کو روزہ رکھنا جائز نہیں۔ بعد میں قضا رکھنا فرض ہے۔[1]

روزہ کے دوران ایام شروع ہو جائیں:

س: رمضان میں روزہ رکھنے کے بعد اگر دن میں کسی وقت ماہواری ایام شروع ہو جائیں تو کیا اسی وقت روزہ کھول لینا چاہئے یا نہیں؟

ج: ماہواری کے شروع ہوتے ہی روزہ خود ختم ہو جاتا ہے۔ کھولیں یا نہ کھولیں[2]

حائضہ کا رمضان میں کھانا پینا:

س: اگر رمضان میں عورت ایام کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو اس کو دن میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

ج: اگر حیض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا یا روزہ رکھنے کے بعد حیض آ گیا تو کھانا پینا جائز ہے۔ لیکن دوسرے کے سامنے نہ کھائے اور اگر دن کو حیض سے پاک ہوئی تو دن کا باقی حصہ روزہ دار کی طرح رہنا واجب ہے۔[3]

س: اگر کوئی عورت رمضان میں دن میں حیض یا نفاس سے پاک ہوئی وہ دن کے باقی حصہ میں کھاتی پیتی رہے یا روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے؟

س: غروب آفتاب تک کھانا پینا جائز نہیں۔ روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔

((قال فی التنویر والاخیر ان یمسکان بقیة یومیهما وجوباً علی الاصح کمسا فراقام و حائض ونفساء طهرتا ومجنون افاق ومریض صح وصبی بلغ وکافر اسلم)) (ردالمحتار ج۲ ص۱۱۵)[4]

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنا:

س: بعض عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لئے مانع حیض ادویات استعمال کرتی ہیں۔ کیا شرعاً عورت کو ایسے اقدام کی رخصت حاصل ہے یا نہیں؟

ج: عورت کے لئے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطرتی امر ہے۔ اس لئے شریعت مطہرہ نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری اس سے اٹھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طب میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔ لیکن عورت کی صحت کے لئے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے۔ تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا۔[5]

س: بعض خواتین رمضان المبارک میں دوائیاں وغیرہ کھا کر اپنے ایام روک لیتی ہیں اور رمضان المبارک کے پورے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۷۸ [2] ایضاً۔ [3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۲۸

[4] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۷ [5] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۵۸

روزے رکھ لیتی ہیں۔کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

ج: یہ تو واضح ہے کہ جب تک ایام شروع نہیں ہوں گے عورت پاک ہی شمار ہوگی اور اس کو رمضان کے روزے رکھنا صحیح ہوگا۔ رہا یہ کہ روکنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو شرعاً روکنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر یہ فعل عورت کی صحت کے لئے مضر ہو تو جائز نہیں[1]

حائضہ سحری سے پہلے پاک ہوگئی:

س: ایک عورت رمضان میں سحری کے وقت حیض سے پاک ہوگئی۔ غسل نہیں کیا۔ کیا یہ عورت بغیر غسل کے روزہ رکھ سکتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر منتہائے سحر سے کچھ دیر قبل پاک ہوگئی ہے۔ تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہوگیا ہے۔ اگرچہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔[2]

حاملہ کا طبی معائنہ کرانا:

س: روزہ دار حاملہ عورت کا دائی معائنہ کرنے کے لئے فرج کے اندر ہاتھ داخل کرے تو روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اس پر قضا لازم ہے یا کفارہ؟

ج: روزہ میں اس سے احتیاط کی جائے اور اگر انگلی کو پانی یا تیل لگا ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (درمختار ج۲ ص۹۹)[3]

حاملہ کو خون آنا:

س: حاملہ عورت کو اگر کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

ج: مفسدات صوم میں سے ایک مفسد حیض ونفاس کا آنا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے۔ جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں۔ لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔[4]

دردِزہ سے روزہ توڑنا:

س: اگر حاملہ عورت کو حمل کی وجہ سے کافی تکلیف ہے اور روزہ رکھ کر توڑ دیتی ہے۔ محض تکلیف کی وجہ سے اور سورج غروب کے وقت اس کے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا اس عورت کو روزہ توڑنے کا کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء۔

ج: اگر روزہ نہ توڑنے سے عورت یا بچہ کو کوئی نقصان پہنچنے کا ظن غالب ہو تو روزہ توڑنا جائز ہے۔ صرف قضاء واجب ہے۔ کفارہ نہیں۔ ایسے خطرہ کے بغیر روزہ توڑنا گناہ ہے اور کفارہ واجب ہے۔ البتہ اگر اسی روز غروب آفتاب سے قبل بچہ پیدا ہو گیا تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل ج۳ ص۲۷۸   [2] خیر الفتاویٰ ج۴ ص۶۹

[3] خیر الفتاویٰ ج۴ ص۷۸   [4] فتاویٰ حقانیہ ج۴ ص۱۵۷

[5] احسن الفتاویٰ ج۴ ص۴۴۲

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

دودھ پلانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: روزہ دار عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو اس کا روزہ یا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

ج: روزہ کی حالت میں دودھ پلانے سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی وضو۔[1]

شرمگاہ میں خشک دوا رکھنا:

س: اگر عورت بیماری کی وجہ سے بطور فرزجہ خشک دوا شرمگاہ میں رکھے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

ج: روزہ میں اس سے احتیاط کی جائے۔[2]

فرج میں دوا لگانا:

س: روزہ کی حالت میں دن میں عورت کو اپنی شرمگاہ میں ٹیوب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہ؟ جبکہ شرمگاہ میں زخم ہو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ فرج داخل میں دوا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اوپر کے مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرجِ داخل شروع ہوتا ہے۔[3]

روزہ میں لبوں پر سرخی لگانا:

س: عورت کو روزہ کی حالت میں لبوں پر سرخی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز ہے۔ البتہ منہ کے اندر جانے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے۔[4]

روزہ دار کو منجن ملنا مکروہ ہے:

س: روزہ میں منجن کس وجہ سے مکروہ ہے؟

ج: احتیاط کے ساتھ اگر منجن ملے اور دانتوں کو صاف کرے کہ حلق میں کچھ نہ جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔ یعنی کراہت تنزیہی ہے۔[5]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۰۸
[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۱۰
[3] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۳۸
[4] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۲۴
[5] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۰۴

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

آنکھ میں دوا ڈالنا جائز ہے:

س: کیا روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: آنکھ میں دوا ڈالنا جائز ہے۔ روزہ صحیح ہے۔[۱]

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟

س: آنکھ میں دوا ڈالنے سے اس کی بو اور دوا تک حلق میں جاتی ہے تو پھر روزہ نہ ٹوٹنے کی کیا وجہ ہے؟

ج: آنکھ میں ڈالی گئی دوا براہِ راست حلق یا دماغ میں نہیں پہنچتی۔ اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[۲]

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: کیا روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا؟

ج: فقہاء کی تصریح کے مطابق روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[۳]

ج: انجکشن کی دوا اگر براہِ راست معدہ یا دماغ میں نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[۴]

قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: کیا قے ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

ج: قے اگر خود آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اگر قے کو قصداً لوٹا لے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بلا قصد لوٹ جائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔[۵]

ج: قے کا خود بخود آ جانا فسادِ صوم کا سبب نہیں۔ البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد حصہ خوراک لوٹا دی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ بلا قصد قے کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[٦]

نکسیر سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: روزہ کی حالت میں نکسیر پھوٹ گئی حتیٰ کہ اس کا اثر تھوک میں بھی پایا گیا۔ کیا روزہ جاتا رہا یا نہیں؟

ج: اس سے روزہ میں کچھ خلل نہیں آتا۔[۷]

بار بار غسل کرنا:

س: گرمی کی وجہ سے روزہ میں آٹھ دس مرتبہ غسل کرنا کیسا ہے؟

ج: جائز ہے۔[۸]

---

[۱] فتاویٰ دار العلوم ج ٦ ص ۴۰۸ — [۲] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۷ — [۳] فتاویٰ دار العلوم ج ٦ ص ۴۰۸

[۴] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۸ — [۵] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۹ — [٦] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱٦۴

[۷] فتاویٰ دار العلوم ج ٦ ص ۴۰٦ — [۸] ایضاً۔

سخت مزاج خاوند کی وجہ سے کھانا چکھنا:

س: روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لئے پکی ہوئی اشیاء کو چکھنا کیسا ہے؟ کیا اس سے روزہ پر اثر پڑے گا یا نہیں؟

ج: روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسدِ صوم بھی بن جاتا ہے۔ لیکن اگر عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو اس سے مار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لئے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

((قال قاضی خان رحمه الله اذا كان الزوج سئی الخلق لاباس للمرأة ان تذوق المرقة بلسانه)) (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۸ کتاب الصوم)[1]

ج: اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ لیکن بے ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر کسی کا شوہر بڑا بدمزاج ہو اور یہ ڈر ہو کہ اگر سالن میں نمک پانی درست نہ ہوا تو ناک میں دم کر دے گا ایسی عورت کو نمک چکھ لینا درست ہے اور مکروہ نہیں۔[2]

بھول کر کھانا پینا:

س: کسی آدمی نے بھول کر کچھ کھا لیا یا پانی پی لیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟

ج: روزہ تب فاسد ہوتا ہے۔ جب روزہ کے منافی کوئی کام جان بوجھ کر کیا جائے۔ محض بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔[3]

ج: اگر بھول کر کھا پی لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر کھاتے کھاتے یاد آ جائے تو یاد آنے کے بعد فوراً چھوڑ دے۔ لیکن اگر روزہ تو یاد ہو مگر غلطی سے پانی حلق کے نیچے چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔[4]

حلق میں مکھی مچھر چلا گیا:

س: اگر کسی کے حلق کے اندر مکھی مچھر وغیرہ چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

ج: اگر حلق کے اندر مکھی مچھر چلی گئی یا دھواں خود بخود چلا گیا یا گرد و غبار چلا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر قصداً ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔[5]

سرمہ اور دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: ایک شخص کا کہنا ہے کہ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا

---

۱ فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۵۶ ۲ بہشتی زیور ج ۳ ص ۱۳ ۳ فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۶۶

۴ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۷ ۵ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۶

رنگ اور مزہ منہ اور تھوک میں محسوس ہوتا ہے اور ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ کان میں دوا اور تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ کان اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو دوا اور تیل دماغ میں پہنچ کر روزہ فاسد ہو جاتا' مفصل جواب مطلوب ہے۔

ج: منہ' کان' ناک' مقعد' فرج' شکم اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے مفسد صوم اشیاء جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ آنکھ میں دوائی اور سرمہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنکھ اور دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی راستہ نہیں اور اشک (آنسو) جو نکلتے ہیں وہ پسینہ کی طرح مسامات میں سے ابھر کر نکلتے ہیں۔ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزہ حلق و تھوک وغیرہ میں محسوس ہوتا ہے۔ یہ بھی مسامات میں سے ہو کر پہنچتا ہے۔ یہ مفطر صوم نہیں۔ جیسا کہ سر پر ملا ہوا تیل جذب ہو کر دماغ تک پہنچتا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ تک پہنچتا ہے اور دماغ کو فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔[1]

روزہ توڑنے والی چیزیں

ناک میں دوا ڈالنا:

س: ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

ج: ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[2]

کان میں تیل ڈالنا:

س: روزہ دار کان میں تیل کیوں نہیں ڈال سکتا۔ جبکہ کان میں پانی جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ج: ہدایہ میں وجہ فرق یہ بیان ہوئی ہے کہ پانی میں وصول مافیہ صلاح البدن الی الجوف نہیں ہے۔ بخلاف تیل کے اور یہ بھی وجہ فرق کی ہو سکتی ہے کہ پانی سے احتراز دشوار ہے اور اس میں ضرورت ہے۔[3]

مسوڑھوں کا خون اندر جانا مفسد ہے:

س: مسوڑھوں کا خون اور مواد اندر چلے جانے سے روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟

ج: صحیح یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ گیا اس روزہ کی قضا لازم ہوگی۔[4]

نسوار اور حقہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

س: حقہ پینے اور ناک میں نسوار چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۶ [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۴۱۶-۴۱۷
[3] ایضاً۔ [4] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۱۴

ج: حقہ پینے اور ناک میں نسوار چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[۱]

منہ میں نسوار رکھنا:

س: روزہ کی حالت میں سبز نسوار (بیڑہ) منہ میں زبان کے نیچے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: روزہ کی حالت میں بیڑہ استعمال کرنا درست نہیں۔ احتمال غالب ہے کہ کچھ نہ کچھ ذائقہ اس کا حلق کے اندر ضرور چلا جاتا ہے۔ جو یقیناً مفسدِ صوم ہے۔ لہٰذا اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے۔[۲]

نسوار مفسدِ صوم ہے:

س: نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا؟

ج: نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے۔ جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے۔ بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ اس لئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔[۳]

دوا سونگھنا مفسد ہے:

س: ''اٹلوس'' ایک دوا ہے جو نوشادر اور چونا ملا کر شیشی بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے۔ اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے۔ اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

ج: اس صورت میں روزہ ٹوٹ گیا۔ قضا لازم ہے۔[۴]

سانس سے دوا چڑھانا:

س: میں سانس کے علاج کے لئے ایک دوا استعمال کر رہی ہوں۔ جو کہ پاؤڈر کی شکل میں ہوتی ہے اور اسے دن میں چار مرتبہ سانس کے ساتھ چڑھانا ہوتا ہے۔ اس عمل سے زیادہ تر دوا سانس کے ساتھ پھیپھڑوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ لیکن کچھ مقدار حلق میں چپک جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ بعد میں پیٹ میں جاتی ہے۔ کیا روزہ کی حالت میں اس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

ج: یہ دوا سحری بند ہونے سے پہلے استعمال کر لی جائے۔ دوائی کھا کر خوب اچھی طرح منہ صاف کر لیا جائے' پھر بھی کچھ حلق کے اندر جائے تو کوئی حرج نہیں۔ روزہ کی حالت میں اس دوا کا استعمال صحیح نہیں۔ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔[۵]

مرد کی سپاری اندر چلی گئی:

س: مرد اپنا آلۂ تناسل عورت کی فرج میں داخل کرے اور پھر باہر نکال کر دیکھے اگر آلۂ تناسل خشک ہے۔ تو کیا اس

---

۱ فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۴۱۸ ۲ خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۳ ۳ فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۶۷

۴ فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۴۱۸ ۵ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۸

صورت میں روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟

ج: مرد کے عضو کی سپاری عورت کی شرمگاہ میں داخل ہوگئی تو مرد اور عورت دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ دونوں پر قضاء اور کفارہ لازم ہے۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔[1]

بیوی کے پاس بیٹھنے سے انزال کا حکم:

س: ایک شخص رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی بیوی کے پاس بیٹھا اور کمزوری کی وجہ سے اسے انزال ہو گیا۔ تو اس پر قضاء ہے یا کفارہ آئے گا؟

ج: اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی زوجہ کے پاس بیٹھے اور کمزوری کی وجہ سے انزال ہو جائے تو ایسی صورت میں اس روزے کی قضا لازم ہے۔ کفارہ واجب نہیں۔[2]

روزہ کی حالت میں بوس و کنار:

س: کیا روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بوس و کنار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: یہ امور جائز ہیں۔ مگر جوان آدمی کوئی ایسا فعل روزہ کی حالت میں نہ کرے۔ جس میں خوف ہو کہ وہ فعل مفضی الی الجماع ہو جائے گا۔[3]

س: کسی شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اس وجہ سے اسے انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ میاں بیوی دونوں کا ٹوٹے گا یا صرف شوہر کا اگر روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا لازم ہو گی یا کفارہ بھی لازم ہو گا؟

ج: جسے انزال ہو گا اس کا روزہ ٹوٹے گا اگر دونوں کو انزال ہو جائے تو دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس صورت میں صرف قضا لازم ہو گی کفارہ لازم نہ ہو گا۔

مالا بدمنہ میں ہے۔ بیوی کا بوسہ لیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا اور انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔[4]

س: ایک آدمی اپنی بیوی سے بحالتِ شہوت بوس و کنار کرتا ہے اور بغلگیری میں انزال ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس کا روزہ باقی ہے یا ختم ہو گیا۔ اگر ختم ہو گیا تو کیا وہ دن کو کچھ کھا پی سکتا ہے؟

ج: اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کرنا ضروری ہے۔ جس شخص کا روزہ ٹوٹ جائے۔ اس کو کھانے پینے کی اجازت نہیں۔[5]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۷   [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۲۴   [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۱۲

[4] فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۳۹۱   [5] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۳

مذی سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

س: روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرنے سے جوش کی وجہ سے صرف پانی آجائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: بوس وکنار کی وجہ سے جو پانی نکلتا ہے۔ اس کو مذی کہتے ہیں۔ اس سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ منی نکلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اگر روزہ پر خطرہ ہو تو بوس وکنار کرنا جائز نہیں۔ مکروہ تحریمی ہے۔[1]

روزہ توڑنے کا کفارہ

قصداً روزہ توڑنے سے قضا و کفارہ:

س: کیا بلا عذر شرعی رمضان کا روزہ قصداً توڑنے سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں؟

ج: رمضان شریف کا روزہ قصداً توڑنے سے کفارہ اور قضاء دونوں لازم ہوتے ہیں۔ یعنی ایک روزہ قضاء کا اور ساٹھ روزے کفارہ کے واجب ہیں۔[2]

ج: رمضان شریف کا روزہ توڑنے پر قضاء لازم ہے اور کفارہ بھی۔ رمضان شریف کا روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے۔ درمیان میں وقفہ کرنا درست نہیں۔ اگر کسی وجہ سے درمیان میں ایک دن کا روزہ بھی رہ گیا تو دوبارہ نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ دو مہینے کے روزے بغیر وقفہ کے پورے ہو جائیں۔[3]

روزہ توڑنے کا کفارہ:

س: کفارہ کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کیا اکھٹا کھانا کھلانے کا حکم ہے یا پھر ایک وقت کے کھانے کا حساب لگا کر اتنی ہی رقم ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کی جائے؟

ج: کفارہ کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جو شخص روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اس کے لئے روزہ توڑنے کا کفارہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھنا ہے۔ اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو دوبارہ نئے سرے سے شروع کرے۔

(۲) اگر چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ سے روزے شروع کئے تھے تو چاند کے حساب سے دو مہینے کے روزے رکھے۔ خواہ یہ مہینے ۲۹،۲۹ کے ہوں یا ۳۰،۳۰ کے۔ لیکن اگر درمیان مہینے سے شروع کئے تو ساٹھ دن پورے کرنے ضروری ہیں۔

(۳) جو شخص روزے رکھنے پر قادر نہ ہو۔ وہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے۔ یا ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت دے دے۔[4]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۱

[2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۲۹

[3] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۰۵

[4] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۰۴

عورت کے لئے کفارۂ صوم کا حکم:

س: ایک عورت نے رمضان میں جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا۔ اب کفارہ کے روزے کیسے پورے کرے۔ کیونکہ کفارہ کے روزے شروع کرنے پر ایام حیض شروع ہو گئے کیا اسے پھر سے روزے شروع کرنے ہوں گے؟

ج: کفارہ کے ساٹھ روزے لگاتار رکھنا ضروری ہے۔ اگر درمیان میں ایک دن کا بھی ناغہ ہو گیا تو گذشتہ تمام روزے کالعدم ہو جائیں گے اور نئے سرے سے شروع کر کے ساٹھ روزے پورے کرنے ضروری ہوں گے۔

لیکن عورتوں کے ایام حیض کی وجہ سے جو جبری ناغہ ہو جاتا ہے۔ وہ معاف ہے۔ ایام حیض میں روزے چھوڑ دے اور پاک ہوتے ہی بغیر وقفہ کے روزہ شروع کر دیا کرے۔ یہاں تک کہ ساٹھ روزے پورے ہو جائیں۔[1]

کفارۂ صوم میں بقرعید آ جائے:

س: ایک شخص کفارۂ صوم کے روزے رکھ رہا تھا۔ تینتالیسواں روزہ رکھنے کے بعد ایام عید الاضحیٰ آ گئے۔ کیا متواتر روزہ رکھتا رہے۔ یا عید کے روزے نہ رکھے؟

ج: عید الاضحیٰ کے دن اور تین دن اس کے بعد تیرہ تاریخ تک روزہ نہ رکھنا چاہئے اور اس وقفہ کی وجہ سے متواتر روزوں میں فرق آئے گا۔ لہٰذا کفارہ میں جو پہلے روزے رکھے گئے ہیں۔ وہ شمار نہ ہوں گے۔ ۱۳ تاریخ ذی الحجہ کے بعد ۱۴ تاریخ سے پھر روزے رکھنے چاہئے۔ اس وقت سے ساٹھ روزے متواتر رکھنے سے ایک روزہ کا کفارہ ادا ہوگا۔

آپ کو کفارہ کے لئے ایسے وقت میں روزے رکھنے شروع کرنے چاہئے تھے کہ درمیان میں عید نہ آتی۔ اب جو روزے آپ کے عید سے پہلے ہوں گے وہ کفارہ میں شمار نہ ہوں گے۔ کیونکہ کفارہ میں ساٹھ روزے متصل ہونا ضروری ہیں۔[2]

کفارۂ صوم میں فدیہ کا حکم:

س: (۱) ایک شخص نے جبراً حالتِ صوم میں رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ تو کفارہ مرد پر ہوگا یا دونوں پر؟

(۲) روزوں کی طاقت ہوتے ہوئے کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: (۱) خاوند پر کفارہ لازم ہے۔ بیوی نے اگر بخوشی موافقت کی ہے تو اس پر بھی کفارہ لازم ہے۔

(۲) روزوں کی طاقت ہوتے ہوئے کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔[3]

س: زید کے ذمہ ایک کفارہ رمضان کا ہے اور وہ دو ماہ کے روزے نہیں رکھ سکتا۔ تو اگر وہ کسی طالب علم کو ادنیٰ درجہ کی دو ماہ کی خوراک کے پیسے دے دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

یا زید کسی غریب کو تین پاؤ آٹا روزانہ دو ماہ تک دیتا رہے اور لکڑی ترکاری کے لئے کچھ پیسے بھی دے دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۸۰ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۵۷ [3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۶

ج: روزہ میں تکلیف ہونے کی وجہ سے یہ درست نہیں ہے کہ روزہ کو چھوڑ کر اطعام مساکین کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ اس میں وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ کی قید ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ ہو۔ یعنی بوجہ مرض لا علاج کے یا بوجہ شیخ فانی ہونے کے۔ اس وقت اطعام درست ہے۔

((فان عجز عن الصوم لمرض لا یرجی برء ہ او کبیر یطعم ستین مسکینا))

(درمختار باب ما یفسد الصوم ج۲ص۸۰۱)

پھر جب دو ماہ کے روزہ سے عاجز ہو بوجہ بڑھاپے یا مرض شدید لا علاج کے تو ساٹھ مسکینوں کو اطعام ضروری ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مسکین کو نصف صاع گندم یعنی اسی تولہ کے حساب سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہر ایک مسکین کو دے یا ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔

لہٰذا تین پاؤ آٹا روزانہ کسی غریب کو دو ماہ تک دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ بلکہ پونے دو سیر آٹا یا گندم یا اس کی قیمت دینے سے ادا ہوگا۔ اسی طرح کسی طالب علم کو مجملاً روپیہ بھیج دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ لکھا جائے کہ ساٹھ آدمیوں کو ایک دن دونوں وقت یا ایک آدمی کو دو ماہ تک دونوں وقت پیٹ بھر کر بہ نیت کفارہ کھانا کھلایا جائے اور اس میں جو کچھ صرف ہو وہ مجھ سے لے لیا جائے۔[1]

کیا کفارہ کی معافی ممکن ہے:

س: کیا کفارہ کے روزے نہ رکھے جا سکیں تو کوئی صورت سہولت کی (یا معافی کی) ہو تو تحریر فرمائیے؟

ج: جب کہ کفارہ بوجہ افساد صوم رمضان کے بلا عذر واجب ہو گیا۔ تو پھر کوئی صورت اس میں سقوط کفارہ کی اور سہولت کی موجود نہیں ہے۔ کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔[2]

روزہ کے کفارہ کے بدلے توبہ:

س: زید نے کفارہ سے لاعلمی کی وجہ سے اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں ہمبستری کی تو ان پر جو کفارہ واجب ہوا ہے۔ وہ اس کو کسی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں ان کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

ج: ادائے کفارہ اس صورت میں بھی ضروری ہے۔ تو بہ بھی جبھی قبول ہوگی۔ اگر دو مہینے کے روزوں کی پے در پے طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا))[3]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۵۵ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۵۴

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۵۰

فدیہ میں ہر چیز دی جاسکتی ہے:

س: فدیہ میں غرباء کو کپڑا دے سکتے ہیں یا نہیں؟ موجودہ وقت میں ایک نماز یا روزہ کا فدیہ بصورتِ نقد تقریباً ایک روپیہ ہوتا ہے۔ اگر بیس روپیہ کا کمبل خرید کر ایک شخص کو دے دیا تو ایک روزہ کا فدیہ ادا ہوا یا بیس کا۔

ج: فدیہ میں گیہوں کی قیمت کے برابر کپڑا وغیرہ دینا بھی جائز ہے اور متعدد روزوں کے فدیہ کی رقم ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔ اس لئے بیس روپے کا کمبل دینے سے بیس روزوں کا فدیہ ادا ہو گیا۔[1]

کفارہ میں دو وقت کھلانا ضروری ہے:

س: روزہ کے کفارہ میں اگر ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا جائے اور ایسے ہی قسم کے کفارہ میں بیس مساکین کو ایک وقت کھلا دیا جائے تو کفارہ ادا ہو گیا یا نہیں؟

ج: ایک وقت کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوا۔ روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مساکین کو اور قسم کے کفارہ میں دس مساکین کو دونوں وقت کھلانا واجب ہے۔ لہٰذا روزہ کے کفارہ میں ان ہی میں سے ساٹھ مساکین کو اور قسم کے کفارہ میں ان ہی میں سے بیس مساکین کو دوسرے وقت میں بھی کھلانا واجب ہے۔ خواہ اسی دن کھلائے یا کسی دوسرے دن۔[2]

کن وجوہات سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے

س: کن عذرات کی بناء پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟

ج: (۱) رمضان شریف کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں اور بغیر کسی صحیح عذر کے روزہ نہ رکھنا حرام ہے۔

(۲) اگر نابالغ لڑکا لڑکی روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں تو ماں باپ پر لازم ہے کہ ان کو بھی روزہ رکھوائیں۔

(۳) جو بیمار روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور روزہ رکھنے سے اس کی بیماری بڑھنے کا اندیشہ نہ ہو اس پر بھی روزہ رکھنا لازم ہے۔

(۴) اگر بیماری ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا یا روزہ رکھنے سے بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ مگر جب تندرست ہو جائے تو بعد میں ان روزوں کی قضا اس کے ذمہ فرض ہے۔

(۵) جو شخص اتنا ضعیف العمر ہو کہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا یا ایسا بیمار ہو کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ صحت کی امید ہے۔ تو وہ روزے کا فدیہ دے دیا کرے۔ یعنی ہر روزے کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی مسکین کو دے دے۔ یا صبح و شام ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔

(۶) اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور روزہ رکھنے میں مشقت لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی قضا کر سکتا ہے۔ دوسرے وقت

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۳۹ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۰

میں اس کو روزہ رکھنا لازم ہوگا اور اگر سفر میں کوئی مشقت نہیں تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ اگرچہ روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضا کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(۷) عورت کو حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اگرچہ رمضان شریف کے بعد اتنے روزوں کی قضا اس پر لازم ہے۔

(۸) بعض لوگ بغیر عذر کے روزہ نہیں رکھتے اور بیماری یا سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور پھر بعد میں قضاء بھی نہیں کرتے۔ خاص طور پر عورتوں کے جو روزے ماہواری کے ایام میں رہ جاتے ہیں۔ وہ ان کی قضاء رکھنے میں سستی کرتی ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔[۱]

دودھ پلانے والی روزہ قضا کرے:

س: ایسی ماں جس کا بچہ سوائے ماں کے دودھ کے کوئی غذا نہ کھا سکتا ہو۔ اس کے لئے ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ماں کے روزے رکھنے کی وجہ سے بچے کے لئے دودھ کی کمی ہو جاتی ہے اور وہ بھوکا رہتا ہے۔

ج: اگر ماں یا اس کا دودھ پیتا بچہ روزے کا تحمل نہیں کر سکتے تو عورت روزہ چھوڑ سکتی ہے۔ بعد میں قضا رکھ لے۔[۲]

ج: اگر بچہ کی طرف سے یا اس عورت کی طرف سے اندیشہ ہو کہ عورت کے روزہ رکھنے کی وجہ سے بچہ ہلاک ہو جائے گا یا عورت بوجہ ضعف کے ہلاک ہو جائے گی یا اس کے دودھ نہ رہے گا اور بچہ ہلاک ہو جائے گا تو اس صورت میں عورت رمضان شریف میں روزہ افطار کرے اور بعد میں قضا کرے۔[۳]

روزے رکھنے سے بیماری لاحق ہونا:

س: ایک شخص صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔ لیکن رمضان شریف شروع ہونے پر تین چار روزے رکھنے سے فوراً بیمار ہو جاتا ہے۔ غریب آدمی اور عیالدار ہے۔ دوا وغیرہ کرنے کی یا مساکین کو کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر جاڑوں میں بھی روزہ کی قضا کرتا ہے۔ تب بھی ویسا بیمار قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: ایسے مریض کے لئے جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اور ہمیشہ رمضان شریف کے روزے رکھنے یا قضا کرنے سے اس کا مرض بڑھتا ہو اور کسی طرح روزہ نہ رکھ سکتا ہو۔ فدیہ دینا فقہاء نے جائز لکھا ہے۔[۴]

زچہ یا کمزور عورت کا حکم:

س: زچہ یا کمزور عورت جو روزہ نہ رکھ سکے فدیہ دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس صورت میں فدیہ دینا کافی نہیں ہے۔ اگر فدیہ دے دیا اور پھر صحت ہوگئی اور قوت آ گئی تو اس روزہ کی قضاء

---

۱ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۷۴ ۲ آپ کے مسائل ج ۳ ص ۲۷۵

۳ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۶۴ ۴ فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۷۸

کرنا لازم ہے۔[1]

دمہ کے مریض کا حکم:

س: ایک شخص مرض ضیق النفس شدید میں مبتلا ہے۔ تمباکو نوشی کی طرح ایک دوا دھواں سینہ میں بار بار کشید کرنے سے بلغم خارج ہو کر سانس درست آتا ہے۔ ورنہ سخت مصیبت ہوتی ہے اور کوئی دواء مفید نہیں۔ یہ مجرب ہے۔ دن میں بار بار کشید دخان سے مفسد صوم کی نوبت آتی ہے۔ غرض روزہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ شخص جوان ہے۔ دوا پیتا رہتا ہے تو تندرست رہتا ہے۔ کیا اس کے لئے فدیہ صوم کافی ہے؟

ج: فدیہ دینا اس کو کافی نہیں ہے۔ جس وقت دورۂ ضیق نہ ہو۔ قضاء کرے۔[2]

شوگر کا مریض:

س: ایک شخص کی عمر ۵۸ برس ہے۔ وہ کئی سالوں سے شوگر کا مریض ہے۔ جس کی وجہ سے کمزوری و نقاہت روز افزوں ہے اور بوجۂ شدید پیاس کے جو اس مرض میں شدت سے ہوتی ہے روزہ رکھنا دشوار ہے۔ خصوصاً سخت گرمی کے موسم میں۔

ج: ایسے مریض کو جو رمضان شریف میں بوجہ ضعف و مرض روزہ نہ رکھ سکے۔ روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔ لیکن جب تک توقع صحت کی ہو فدیہ دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ بعد صحت کے قضاء لازم ہے۔ پھر اگر صحت کی امید نہ رہے اور مرض کا ازالہ نہ ہو تو ان روزوں کا فدیہ دے دے۔ ہر ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کے برابر ہے۔[3]

س: میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں۔ ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی۔ جبکہ حقیقت بھی یہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب بھی روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی۔ اس صورت میں ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: اسلام کسی کو بلاوجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا۔ جو ایک روزے کے بدلہ میں صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔[4]

سفر میں افطار کرنا:

س: سفر کے دوران مسافر کو روزہ نہ رکھنا چاہئے یا روزہ رکھنا بہتر ہے؟

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۷۸ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۷۴
[3] ایضاً۔ [4] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۹۴

ج: روزہ رکھنا اور نہ رکھنا مسافر کی حالت پر مبنی ہے۔ جس میں اسے آسانی ہو وہی طریقہ اختیار کرے۔ تاہم اگر کوئی شدید ضرورت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور یہی عزیمت ہے۔[۱]

کسی عذر سے روزہ توڑنا:

س: انسان کن کن عذرات سے بلا کفارہ روزہ توڑ سکتا ہے؟

ج: مرض اور سفر اور خوف زیادتی مرض وغیرہ اعذار کی وجہ سے روزہ توڑ سکتا ہے اور کفارہ نہیں آتا اور بلا عذر رمضان کا روزہ رکھ کر توڑنا موجب کفارہ ہے۔[۲]

بخار کی شدت میں افطار:

س: روزہ کی حالت میں اگر بخار شدید ہو اور پیاس کی وجہ سے روزہ دار بے تاب بے قرار ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر خوف ہلاکت یا زوال عقل ہو تو ایسی حالت میں افطار کرنا درست لکھا ہے اور نیز اگر کسی طرح وہ روزہ پورا نہیں کر سکتا اور عاجز ہے تو بھی افطار کر سکتا ہے۔[۳]

س: اگر بیمار نے روزہ رکھ لیا ہو اور صحت و تندرستی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور طبیب کی رائے ہو کہ وہ روزہ توڑ کر دوا کھائے۔ تو وہ روزہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج: ایسے مریض کو روزہ توڑنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مریض کا غلبہ ظن یا مسلمان طبیب کا خبر دینا اس شرعی رخصت کے لئے کافی ہے۔[۴]

س: زید نے رمضان شریف کا روزہ رکھا لیکن بخار کی شدت کی وجہ سے توڑ دیا۔ کیا اس کا کفارہ ہوگا یا نہیں؟

ج: اگر مرض اور بخار کی زیادتی کا قوی اندیشہ تھا یا کسی طبیب نے ایسا کہا تھا۔ اس بنا پر روزہ افطار کیا گیا تو کفارہ واجب نہیں صرف قضاء واجب ہوگی۔[۵]

جان جانے کا اندیشہ ہو:

س: میں نے معدے میں درد اور قے کے مرض کے باوجود سحری کھا کر روزہ رکھ لیا۔ نیت کر لی اور سحری کے بعد معدے میں درد اور قے ہونے لگی۔ بعد میں شدت اختیار کر گیا اور میں نے نقصان کے خوف سے دوا کھا لی۔ کیا اب صرف قضاء لازم ہے۔ یا کفارہ ادا کرنے پڑے گا؟

ج: اگر درد شدید تھا اور نقصان کا شدید خطرہ تھا تو اس صورت میں صرف قضاء واجب ہے۔ کفارہ واجب نہیں۔[۶]

---

[۱] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۱۹۱ [۲] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۶۳ [۳] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۷۶

[۴] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۴۷۹ [۵] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۹ [۶] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۸۲

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کی قسمیں:

س: اعتکاف کتنی قسموں کا ہوتا ہے؟

ج: اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ واجب' سنت اور نفل۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت ہے۔ باقی دنوں کا اعتکاف نفل ہے اور اگر کچھ دنوں کے اعتکاف کی منت مان لی جائے تو ان دنوں کا اعتکاف واجب ہو جاتا ہے۔[1]

اعتکاف کی نیت:

س: اعتکاف کی نیت کیسے کی جائے؟

ج: اعتکاف کی نیت یہی ہے کہ اعتکاف کے ارادے سے آدمی مسجد (یا اعتکاف کی جگہ) میں چلا جائے۔ اگر زبان سے بھی کہہ لے کہ مثلاً میں دس دن کے اعتکاف کی نیت کرتا ہوں تو بہتر ہے۔[2]

اعتکاف کے اہم مسائل:

س: اعتکاف کیوں کرتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

ج: معتکف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مکمل طور پر عبادت کے لئے فارغ کر لیتا ہے اور ان تمام دنیوی مشاغل کو چھوڑ دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے ہیں۔

اس لئے معتکف قرآن مجید کی تلاوت۔ حدیث شریف اور دیگر دینی علوم میں مشغولیت نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ۔ دوسرے انبیاء کرام سلف صالحین کے حالات کو پڑھنا۔ دینی امور کی کتابت کرنا جائز ہے۔ اور دنیاوی باتیں۔ ہنسی مذاق اعتکاف کے مقصد کے بالکل خلاف ہے۔[3]

(۱) عورت اپنے گھر میں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر کے وہاں اعتکاف کرے۔ اس کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا ثواب ملے گا۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۱۴ [2] ایضاً۔ [3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۴۸

(۲) اعتکاف میں قرآن مجید کی تلاوت، درود شریف، ذکر و تسبیح، دینی علم سیکھنا اور سکھانا انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے حالات پڑھنا سننا اپنا معمول رکھے۔ بےضرورت باتوں سے احتراز کرے۔

(۳) اعتکاف میں بےضرورت دنیاوی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

(۴) حالتِ اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا درست نہیں۔ ہاں اگر ذکر اور تلاوت وغیرہ کرتے کرتے تھک جائے تو آرام کی نیت سے چپ بیٹھنا صحیح ہے۔

بعض لوگ اعتکاف کی حالت میں بالکل ہی کلام نہیں کرتے۔ بلکہ سر منہ لپیٹ لیتے ہیں اور اس طرح چپ رہنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اچھی باتیں کرنے کی اجازت ہے۔ ہاں بری باتیں زبان سے نہ نکالے۔ اسی طرح فضول اور بےضرورت باتیں نہ کرے۔ بلکہ ذکر و عبادت اور تلاوت و تسبیح میں اپنا وقت گزارے۔ محض چپ رہنا کوئی عبادت نہیں۔

(۵) رمضان المبارک کے دس دن کا اعتکاف پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بیسویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد (اعتکاف کی جگہ) میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہو جائے۔ کیونکہ بیسویں تاریخ کا سورج غروب ہوتے ہی آخری عشرہ شروع ہو جاتا ہے۔ پس اگر سورج غروب ہونے کے بعد چند لمحے بھی اعتکاف کی نیت کے بغیر گزر گئے تو اعتکاف مسنون نہ ہوگا۔

(۶) اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ اگر کسی کا روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف مسنون بھی جاتا رہا۔[۱]

کس عمر میں اعتکاف جائز ہے:

س: عام تاثر یہ ہے کہ اعتکاف میں صرف بوڑھے اور عمر رسیدہ افراد کو ہی بیٹھنا چاہئے؟

ج: اعتکاف میں جوان اور بوڑھے سب بیٹھ سکتے ہیں۔ کیونکہ بوڑھوں کو عبادت کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے سن رسیدہ لوگ زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور کرنا چاہئے۔

اعتکاف ہر مسلمان بیٹھ سکتا ہے۔ لیکن نیک اور عبادت گزار لوگ اعتکاف کریں تو اعتکاف کا حق زیادہ ادا کریں گے۔[۲]

عورتوں کا اعتکاف:

س: میں صدقِ دل سے یہ چاہتی ہوں کہ اس رمضان میں اعتکاف بیٹھوں۔ برائے مہربانی عورتوں کے اعتکاف کی شرائط اور طریقے سے آگاہ کریں۔

ج: عورت بھی اعتکاف کرسکتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہے۔ اس جگہ کو یا کوئی اور جگہ مناسب ہو تو اس کو مخصوص کر کے وہیں دس دن سنت اعتکاف کی نیت کر کے عبادت میں مصروف ہو جائے۔

---

[۱] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۱۳ [۲] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۱۵

سوائے حاجات شرعیہ کے اس جگہ سے نہ اٹھے اگر اعتکاف کے دوران عورت کے خاص ایام شروع ہو جائیں تو اعتکاف ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔[1]

اعتکاف میں حیض آ گیا:

س: اگر عورت کو اعتکاف کی حالت میں حیض آ جائے تو وہ اتنے دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گی یا نہیں؟

ج: جس روز حیض شروع ہوا صرف اسی ایک دن کی قضاء واجب ہے۔[2]

ج: اگر عورت اعتکاف کے دوران حائضہ ہو جائے تو حیض آتے ہی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔ بعد میں ایک دن اعتکاف کی قضاء بمع روزہ ضروری ہے۔[3]

عورت اعتکاف کے لئے جگہ متعین کر لے:

س: (۱) کیا ہر گھر میں عورت کو اعتکاف بیٹھنا چاہئے۔ یا محلہ میں ایک عورت اعتکاف بیٹھ جائے؟

(۲) عورت گھر میں جگہ کا تعین کیسے کرے۔ اگر اندر کرے تو رات کے وقت حبس اور گرمی ہوتی ہے اور باہر کرے تو دن کو دھوپ ہوتی ہے؟

(۳) کیا عورتوں کے لئے بھی مردوں کی طرح اعتکاف کی تاکید آئی ہے نہ بیٹھیں تو گنہگار ہوں گی؟

ج: (۱) اعتکاف کے لئے جگہ متعین کرنے کے بعد تغیر وتبدیل جائز نہیں ہے۔ اندر ہو یا باہر ہو۔ بہتر یہ ہے کہ برآمدہ وغیرہ کا تعین کیا جائے۔ یا پنکھے وغیرہ کا انتظام کر لیا جائے۔ اگر زیادہ تکلیف ہو تو ترک کی بھی گنجائش ہے۔ یا سرے سے اعتکاف ہی نہ بیٹھے۔

(۲) اعتکاف عورتوں کے لئے بھی مسنون ہے اور اگر اسی بستی میں کوئی اور معتکف ہو تو گناہ نہیں۔[4]

(۳) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ عورت بھی یہ مسنون اعتکاف کر سکتی ہے۔ عورت اپنے گھر کی مسجد (جو جگہ نماز کے لئے متعین کی ہے۔ اگر متعین نہ ہو تو اب کر لے) میں اعتکاف کرے۔ اس اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے عورت کا حیض یا نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر اعتکاف کے دوران حیض آ جائے تو اعتکاف چھوڑ دے۔ حیض کی حالت میں اعتکاف درست نہیں اور پاک ہونے کے بعد کم از کم ایک دن کی (جس میں حیض آیا تھا) روزے کے ساتھ قضا کرے اور اگر ہمت ہے تو پورے دس دن یا بقیہ دنوں کے اعتکاف روزہ کے ساتھ قضاء کرے۔[5]

خاوند کی اجازت:

س: عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۳ ص ۳۱۵ [2] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۰۲ [3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۴۳
[4] ایضاً۔ [5] فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۲۷۴

ج: عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہ بیٹھے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے۔

((ولا ینبغی لها الاعتکاف بلا اذنه)) (شامی ج۲ ص۱۲۹)[۱]

معتکفہ کا درس کے لئے دوسرے کمرہ میں جانا:

س: ایک عورت اعتکاف والے کمرے سے دوسرے کمرے میں درس قرآن دینے کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے زبان سے نیت کی تصریح کرلی جائے تو جانا جائز ہے۔[۲]

اکیسویں شب کو تاخیر سے بیٹھنا:

س: اگر کوئی شخص اکیسویں شب کو سحری کھا کر صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد بیٹھ جائے تو اس کا اعتکاف صحیح ہوگا یا نہیں؟

ج: سنت یہ ہے کہ بیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے۔ لیکن اگر اس کے بعد کسی وقت بھی نیت کرکے مسجد میں داخل ہو جائے تب بھی صحیح ہے۔ لیکن عشرہ کاملہ کی فضیلت اس صورت میں حاصل نہ ہوگی۔[۳]

❀ ❀ ❀

---

۱ خیر الفتاویٰ ج۴ ص۱۴۴ ۲ خیر الفتاویٰ ج۴ ص۱۳۴

۳ فتاویٰ دار العلوم ج۶ ص۸۰۷

کتاب الحج

فضیلت حج

حج سے گناہوں کی معافی:

س: سنا ہے کہ حج ادا کرنے سے جس انسان کا حج قبول ہو جاتا ہے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے۔ جس طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

ج: حج بہت بڑی عبادت ہے جس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''گویا وہ آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے'' یعنی جس طرح نومولود بچہ گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح ''حج مبرور'' کے بعد آدمی گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔[1]

حج قبول کی پہچان:

س: کیا یہ درست ہے کہ جو شخص حج کرنے کے بعد پھر سے برائی کی طرف مائل ہو جائے۔ یعنی جھوٹ، چوری، غیبت دل آزاری وغیرہ شروع کر دے تو یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جن کی عبادت اللہ نے قبول نہیں کی۔ کیونکہ حج سے انسان کا دل اللہ موم کی طرح نرم کر دیتا ہے۔ نیکی کے سوا اسے کوئی کام اچھا ہی نہیں لگتا؟

ج: حج مقبول وہی ہے۔ جس سے زندگی کی لائن بدل جائے۔ آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو اور طاعات کی پابندی کی جائے۔ حج کے بعد جس شخص کی زندگی میں خوشگوار انقلاب نہیں آتا اس کا معاملہ مشکوک ہے۔[2]

فرضیتِ حج:

س: ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں خرچ ہو گیا۔ تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

ج: فرضیتِ حج کے لئے اشہر حج (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ) میں مال کثیر کا مالک ہونا ضروری ہے۔ چونکہ یہ آدمی اشہر حج میں مال کا مالک بنا تھا۔ اس لئے اس پر حج فرض ہو گیا ہے۔ البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہر حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلہ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔[3] (یعنی جس وقت حجاج کا قافلہ روانہ ہو رہا ہو

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۲۵ [2] ایضاً۔ [3] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۱۳

اس وقت اس کے پاس اتنا مال موجود ہو)

س: ایک شخص اشہرالحج میں مال کا مالک ہوگیا مع تمام شرائط کے اور بعد میں مال خرچ کر دیا یا تلف ہوگیا تو کیا حج کی قضاء ضروری ہے؟ یا وجوبِ حج ساقط ہوگیا؟

ج: اشہر حج میں مال دار ہوا تو حج فرض ہوگیا۔ البتہ اگر ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہر حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلہ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔ اگر اس وقت مال ہے تو حج فرض ہوگیا۔ اگر حج نہیں کیا تو قضاء واجب ہوگی۔[1]

فرضیت کے بعد تنگدستی:

س: ایک عورت پر حج فرض تھا۔ لیکن عوارض کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکی۔ جبکہ اب وہ تنگدست ہو چکی ہے۔ کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرلے تو کیا اس سے حج ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

ج: اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ تنگدست ہوجانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا۔ زندگی میں حج کرنا فرض ہے اور اگر حج نہ کرسکی تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے۔[2]

حج کے لئے شوہر کی اجازت:

س: عورت پر حج فرض تھا۔ اس لئے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

ج: اگر اس عورت پر شرعاً حج فرض تھا تو اس کا بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے۔ لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

((واذا وجدت محرماً ولا یاذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع)) (الفتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۴۳۵)[3]

س: میری بیٹی کو عرصہ سے خاوند نے لاتعلق کیا ہوا ہے۔ بیٹی کے اپنے بیٹے جوان ہیں۔ وہ اپنی والدہ کو (یعنی میری بیٹی کو) اپنے ماموں یعنی والدہ کے بھائی کے ساتھ حج پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ خاوند طلاق دیتا ہے۔ نہ حج کی اجازت دیتا ہے۔ تو کیا وہ حج پر جاسکتی ہے؟

ج: حج فرض ہونے کی صورت میں محرم میسر ہونے کی حالت میں جانا ضروری ہے۔ خاوند کے روکنے کی کوئی حیثیت نہیں۔

---

[1] احسن الفتاویٰ ج۴ ص۵۲۸ [2] فتاویٰ حقانیہ ج۴ ص۲۱۷ [3] فتاویٰ حقانیہ ج۴ ص۲۲۰

((ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام)) (درمختار ج۲ص۲۰۰)[1]

س: ایک عورت حج کے لئے اپنے پھوپھی زاد بھائی اور خالہ زاد بہن اور دیگر عورتوں کے ہمراہ جانا چاہتی ہے۔ شوہر روکتا ہے۔ کیا شرعاً شوہر اس کو روک سکتا ہے یا نہیں؟

ج: اگر عورت کے ذمہ حج فرض ہو تو شوہر اس کو حج سے نہیں روک سکتا۔ اگر شوہر ساتھ نہ جائے تو دوسرے محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے اور بلا محرم کے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ کما قال فی الدر المختار۔

((لیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام ولو حجت بلا محرم جازمع الكراهة الخ ای التحريمية الخ)) (شامی ج۲ص۲۰۰)

اور پھوپھی زاد بھائی محرم نہیں ہے۔ اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح عورتوں کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ اصل مذہب ہے اور بعض نے کہا اگر صلحاء کے ساتھ سفر کرے تو درست ہے۔

((وقيل انها تسافر مع الصالحين والصبی والمعتوه غير محرمين كما فی المحيط))[2]

عورت پر حج کی فرضیت:

س: کیا حج صرف مردوں پر فرض ہے یا عورتوں پر بھی؟

ج: عورت پر بھی فرض ہے جب کہ کوئی محرم میسر ہو اور اگر محرم میسر نہ ہو تو مرنے سے پہلے حج بدل کی وصیت کرے۔[3]

س: ۷۵ سالہ بوڑھی عورت حج کرنا چاہتی ہے۔ مگر محرم کا کرایہ نہیں ہے۔ کیا اس کے حج کی کوئی صورت ممکن ہے؟

ج: جس عورت کے ساتھ محرم نہ ہو یا محرم ہو لیکن اس کے کرایہ کی گنجائش نہ ہو تو اس عورت پر حج فرض نہیں ہے۔[4]

ج: عورت کو کسی محرم شوہر وغیرہ کے بغیر حج کو جانا جائز نہیں ہے اور عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ اس کے پاس اس قدر روپیہ ہو کہ دونوں کا خرچ وہ اٹھا سکے۔ یعنی اپنا اور محرم کا خرچ اٹھا سکے۔[5]

پہلے حج یا بیٹی کی شادی:

س: ایک شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ اس سے وہ حج کر سکتا ہے یا اپنی جوان بیٹی کی شادی کر سکتا ہے۔ کیا وہ پہلے حج کرے یا پہلے اپنی بیٹی کی شادی کرے۔ اگر اس نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تو پھر وہ حج نہیں کر سکے گا۔

ج: اس پر حج فرض ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔[6]

س: ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے حج تو نہ کیا۔ بلکہ وہ روپیہ اپنی اولاد کی شادیوں پر خرچ کر دیا۔ اب مفلس ہو گیا ہے۔ اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہیں کیا اور مر گیا تو کیا تارکِ حج مرا اور گنہگار ہوگا؟

---

[1] خیر الفتاویٰ ج۴ص۱۶۳ [2] فتاویٰ دار العلوم ج۶ص۵۳۹ [3] آپ کے مسائل ج۴ص۳۳

[4] خیر الفتاویٰ ج۴ص۱۹۳ [5] فتاویٰ دار العلوم ج۶ص۵۲۱ [6] آپ کے مسائل ج۴ص۳۱

ج: اس پر حج فرض ہو چکا تھا۔ اگر بلا حج مر گیا۔ تارک حج فرض مرا اور گنہگار ہوگا۔[1]

بیٹی کی شادی مانع حج نہیں:

س: ایک شخص پر حج فرض ہے۔ لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغ لڑکی ہے۔ جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا تو کیا وہ شخص گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج: غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لئے کثیر مال خرچ کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی یہ حج کے لئے مانع شرعیہ میں سے ہے۔ لہٰذا جب اس شخص پر شرعاً حج فرض ہو چکا ہے تو اس کے لئے حج پر جانا ضروری ہے۔[2]

س: میں نے اس سال بمع بیوی حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے۔ کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟

ج: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی نہیں جو وجوب حج سے مانع بنے۔ لہٰذا جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔[3]

تعمیر مکان مقدم یا حج:

س: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضہ حج ادا کر سکتا ہوں۔ اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لئے پیسے نہیں بچتے تو کیا مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا؟

ج: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضہ حج کے لئے مانع بنے۔ جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لئے مناسب رقم موجود ہے تو اس سے حج کرنا فرض ہے۔ مکان بنانا ضروری نہیں۔[4]

بغیر محرم کے حج

محرم کسے کہتے ہیں:

س: ایک میاں بیوی اکٹھے حج کے لئے جا رہے ہیں۔ میاں مرد صالح و پرہیز گار ہے۔ بیوی کی ایک رشتہ دار عورت ان میاں بیوی کے ہمراہ حج کے لئے جانا چاہتی ہے اور وہ رشتہ دار عورت ایسی ہے۔ جس کا نکاح بیوی کی زندگی میں یا دوران نکاح اس کے میاں سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً بیوی کی بھتیجی، بیوی کی بھانجی، بیوی کی سگی بہن۔

ج: محرم وہ ہوتا ہے جس سے کبھی بھی نکاح نہ ہو سکے۔ بیوی کی بہن، بھانجی اور بھتیجی شوہر کے لئے نامحرم ہیں ان کے

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۵۱۸
[2] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۱۸
[3] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۱۹
[4] ایضاً۔

ساتھ جانا جائز نہیں ۔[1]

عورتوں کے لئے حج میں محرم کی شرط کیوں ہے؟

س: ایک لڑکی نے منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کیا۔ کیا یہ اس کا محرم ہے؟ اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور پھر عورتوں کیلئے حج میں محرم کی شرط کیوں ہے؟

ج: کسی اجنبی آدمی کو بھائی بنانے سے وہ محرم نہیں بن جاتا اس لئے نکاح جائز ہے۔ میں شرعی مسئلہ بتاتا ہوں ''کیوں'' کا جواب نہیں دیا کرتا۔ مگر آپ کے اطمینان کے لئے لکھتا ہوں کہ بغیر محرم کے عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ کے سفر کی آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ ایسے طویل سفر میں اس کا اپنی عزت و عصمت کو بچانا ایک مستقل مسئلہ ہے اور اس ناکارہ کے علم میں ہے کہ بعض عورتیں محرم کے بغیر حج پر گئیں اور گندگی میں مبتلا ہو کر واپس آئیں۔ علاوہ ازیں ایسے طویل سفر میں حوادث پیش آسکتے ہیں اور عورت کو اٹھانے بٹھانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہوگا تو عورت کے لئے یہ دشواریاں پیش آئیں گی ۔[2]

س: میں حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتی ہوں اور اللہ پاک کا شکر ہے کہ اتنی حیثیت ہے کہ میں اپنا حج کا خرچہ اٹھا سکوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہے۔ ماشاء اللہ میرے چار بیٹے ہیں۔ جن میں دو شادی شدہ ہیں اور اپنی کاروباری اور گھریلو زندگی میں مصروف ہیں اور ایک گورنمنٹ سروس میں ہے جنہیں چھٹی ملنا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے اور چوتھا بیٹا ابھی تیرہ سال کا ہے اور قرآن پاک حفظ کر رہا ہے۔ کیا میں گروپ کے ساتھ حج کرنے جا سکتی ہوں یا اور کوئی طریقہ ہے؟ برائے مہربانی جواب دے کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

ج: عورت کا بغیر محرم کے سفر حج پر جانا جائز نہیں۔ آپ کے صاحب زادوں کو چاہئے کہ ان میں سے کوئی اپنی مصروفیتوں کو آگے پیچھے کر کے آپ کے ساتھ حج پر جائے۔ کل تیس پینتیس دن تو خرچ ہوتے ہیں۔ آپ کے صاحب زادوں کے لئے آپ کے حج کی خاطر اتنی قربانی دینا مشکل ہے۔

س: میرے والد صاحب کا انتقال ۱۹۷۶ء میں ہوا۔ میں گھر کا بڑا فرد ہوں' ان کی وفات کے بعد میرے اوپر ذمہ داریاں تھیں جو کہ کافی تھیں' خدا تعالیٰ کا شکر ہے میں نے ان عرصے میں والد صاحب کی وفات کے بعد اپنی ذمہ داریاں پوری کیں' سابقہ سال میں میں نے اپنی چھوٹی بہن کی شادی بھی کر دی ہے۔ اب مجھ پر کوئی ایسی ذمہ داری نہ تھی اور نہ ہی ہے۔ میری والدہ صاحبہ جو کہ کراچی میں مقیم ہیں' اس سال حج اسکیم کے تحت لوگ حج پر جا رہے تھے تو میرے دوست اور ان کی والدہ بھی جا رہی تھیں انہوں نے ڈرافٹ بنوایا جو کہ کل ۲۵۱۲۰ روپیہ فی فرد کے حساب سے ہوتی ہے میں نے اپنی والدہ کے لئے حج ڈرافٹ بنوایا اور ان کے ساتھ ہی ارسال کر دیا جو کہ تینوں ڈرافٹ ایک ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور گورنمنٹ سے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۰ [2] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۰

منظوری بھی آ گئی ہے کہ حج پر جا سکتی ہیں جبکہ والدہ اور جن کے ساتھ جا رہی ہیں وہ صاحب دین دار ہیں یعنی نماز وغیرہ کے مکمل پابند ہیں۔ میں گورنمنٹ ملازم ہوں کیونکہ مجھے چھٹی نہیں مل سکتی۔ میں سوچ رہا ہوں کہ چھٹی مل جانے پر میں یہاں ریاض سے کار کے ذریعے جا سکوں گا اور جدہ ائیر پورٹ پر ان سے ملاقات کرلوں اور ساتھ حج بھی کرلوں' لیکن میں نے ایک دن نماز کے بعد پیش امام صاحب سے پوچھا جو کہ بنگلہ دیش سے تعلق رکھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ حنفی مذہب میں بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتی ہیں' حج تو بہت دور رہا۔ اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ کیا میری والدہ کا حج ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہاں دوسرے عالم جو مصر سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے جبکہ ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۶ء ہے جو کہ عمر ۵۸ سال بنتی ہے۔ میں نے یوں بھی کوشش کی تھی کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور حالات بھی کل کیا ہوں کل سروس رہے یا نہ رہے اس وقت میرے حالات اچھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے اور میری یہ خواہش تھی کہ میں اپنی والدہ کو حج کرا دوں اور یہی دعا کرتا ہوں اور کرتا تھا کہ تمام بہنوں اور بھائیوں کی شادی سے فارغ ہو جاؤں تو پھر والدہ کو حج بھی کرادوں گا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے یہ ذمہ داریاں پوری کردی ہیں۔ خدا تعالیٰ میری یہ آخری خواہش بھی پوری کر دے تو اچھا ہے۔ بہرحال مجھے جواب دیں تو میں آپ کا بڑا ہی شکر گزار ہوں گا تا کہ مجھے تسلی ہو جائے۔

ج: حنفی مذہب میں عورت کا بغیر محرم کے سفر حج پر جانا جائز نہیں۔ لیکن اگر چلی جائے گی تو حج ہو جائے گا گو تنہا سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔ شافعی مذہب میں بھروسے کی عورتوں کے ساتھ عورت کا حج پر جانا جائز ہے۔ وہ مصری عالم شافعی مذہب کے ہوں گے۔[1]

محرم کے بغیر بوڑھی عورت کا حج:

س: ہمارے ایک دوست کی بوڑھی عبادت گزار نانی بغیر محرم کے بغرض ادائے فریضہ حج بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے جدہ روانہ ہوئی ہیں۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کراچی سے جدہ تک کا سفر بغیر محرم کے قابل قبول ہے یا اس طرح حج نہیں ہو گا یا اس میں کوئی رعایت ہے؟ کیونکہ محترمہ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی ان کا شوہر حیات ہے اور ان کو حج کی تمنا ہے تو کیا اسلام میں اس کے لئے کوئی رعایت ہے؟ نیز ہزاروں عورتیں جن کا کوئی محرم نہیں ہوتا کیا وہ حج نہ کریں؟

ج: بغیر محرم کے عورت اگر جائے تو حج تو اس کا ہو جائے گا مگر سفر کرنا بغیر محرم کے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں تو اس ناجائز سفر کا گناہ الگ ہوگا۔ مگر چونکہ بوڑھی اماں کا سفر زیادہ فتنہ کا موجب نہیں اس لئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو رعایت مل جائے' تاہم انہیں اس ناجائز سفر کرنے پر خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہزاروں عورتیں جن کا کوئی نہیں ہوتا کیا وہ حج نہ کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک محرم میسر نہ ہو عورت پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے نہ کریں اور اگر بہت ہی شوق ہے تو نکاح کرلیا کریں۔ میرے علم میں ایسے کیس موجود ہیں کہ عورت محرم کے بغیر حج

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۲

پر گئی اور وہاں منہ کالا کر کے آئی۔ دیکھنے میں ماشاء اللہ ''جنّ'' ہے لیکن اندر کی حقیقت یہ ہے۔ اس لئے خدا کے قانون کو محض اپنی رائے اور خواہش سے ٹھکرا دینا اور ایک پہلو پر نظر کر کے دوسرے سارے پہلوؤں سے آنکھیں بند کر لینا دانش مندی نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مذاق عام ہو گیا ہے۔[1]

ضعیف عورت کا ضعیف نامحرم مرد کے ساتھ حج:

س: کیا ۵۰ سال، ۶۰ سال یا ۷۰ سال کی نامحرم عورت ۷۰ سال کے نامحرم مرد کے ساتھ حج، عمرہ کر سکتی ہے؟ اگر عمرہ عورت نے کر لیا تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

ج: نامحرم کے ساتھ حج وعمرہ کا سفر بوڑھی عورت کے لئے بھی جائز نہیں۔ اگر کر لیا تو حج کی فرضیت تو ادا ہو گئی لیکن گناہ ہوا۔ توبہ واستغفار کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔[2]

ممانی کا بھانجے کے ساتھ حج:

س: مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ اس سال حج پر جانا چاہتی ہیں اور میرے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی اپنی والدہ، خالہ اور پھوپھی کے ساتھ جا رہے ہیں اور میری والدہ ان کے ساتھ جانا چاہ رہی ہیں۔ میری والدہ رشتہ میں میرے پھوپھی زاد بھائی کی سگی ممانی ہوتی ہیں۔ شرعی لحاظ سے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ ممانی بھی بھانجے کے ساتھ حج کرنے جا سکتی ہیں یا کوئی اور صورت اس کی ہو سکتی ہے؟

ج: ممانی شرعاً محرم نہیں، اس لئے وہ شوہر کے حقیقی بھانجے کے ساتھ حج پر نہیں جا سکتی۔[3]

بہنوئی کے ساتھ حج:

س: اگر بہنوئی کے ساتھ حج یا کسی اور ایسے سفر پر جہاں محرم کے ساتھ جانا ہوتا ہے جا سکتے ہیں یا نہیں جبکہ بہن بھی ساتھ جا رہی ہو؟

ج: بہنوئی کے ساتھ سفر کرنا شرعاً درست نہیں۔

س: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں اور بیوی حج کو جانا چاہتے ہوں تو کیا ان کے ہمراہ بیوی کی بہن بھی بطور محرم جا سکتی ہے؟ شرعی طور پر ایک بیوی کی موجودگی میں اس کی ہمشیرہ سے نکاح جائز نہیں، اس لحاظ سے تو سالی محرم ہی ہوئی۔ بہر حال اگر حکومت پاکستان اس مسئلہ کی وضاحت اخباروں میں شائع کرا دے تو بہت سے لوگ ذہنی پریشانی سے بچ جائیں گے۔

ج: محرم وہ ہے جس سے نکاح کسی حال میں بھی جائز نہ ہو۔ سالی محرم نہیں، چنانچہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے دے یا بیوی کا انتقال ہو جائے تو سالی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے اور نامحرم کو ساتھ لے جانے سے حاجی مجرم بن جاتا ہے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۳ [2] ایضاً۔
[3] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۴ [4] ایضاً۔

جیٹھ کے ساتھ سفرِ حج:

س: الف و ب دو بھائی ہیں۔ چھوٹے بھائی الف کی اہلیہ ب (شوہر کے بڑے بھائی) کے ساتھ حج پر جانا چاہتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: عورت کا جیٹھ نامحرم ہے اور نامحرم کے ساتھ سفرِ حج پر جانا جائز نہیں۔

شوہر کے سگے چچا کے ساتھ سفرِ حج:

س: میری بیوی میرے حقیقی چچا کے ساتھ میری رضامندی سے حج پر جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کاغذات وغیرہ داخل کرا دیئے ہیں۔ کیا میرے چچا کی حیثیت غیر محرم کی تو نہ ہو جائے گی؟ شرعاً ان کے ساتھ میری بیوی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر آپ کی بیوی کی آپ کے چچا سے اور کوئی قرابت نہیں' تو یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں اور آپ کی بیوی کا اس کے ساتھ حج پر جانا جائز نہیں۔[1]

عورت کا بیٹی کے سسر کے ساتھ سفرِ حج:

س: میں اور میری بیوی کا اس سال حج پر جانے کا مصمم ارادہ ہے۔ میرے ہمراہ میرے سالے کی بیوی جو کہ میرے لڑکے کی ساس بھی ہے۔ وہ بھی حج پر جانا چاہتی ہے اور اس کی عمر ۶۰ سال ہے جبکہ میرے سالے کے انتقال کو دو سال گزر چکے ہیں۔ وہ بضد ہے کہ آپ لوگوں سے اچھا میرے ساتھ جانے والا کوئی نہ ہوگا۔ بے حد خواہش ہے کہ دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کرسکوں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میرا فارم بھی ساتھ ہی بھرنا' میں آپ لوگوں کے ساتھ جاؤں گی۔ لہٰذا مسئلہ یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ کس صورت سے حج پر جا سکتی ہے؟

ج: آپ اس کے محرم نہیں اور محرم کے بغیر سفرِ حج جائز نہیں۔ اگر چلی جائے گی تو حج ادا ہو جائے گا مگر گنہگار ہوگی۔[2]

بہن کے دیور کے ساتھ سفرِ حج و عمرہ:

س: میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے حج نہیں کیا۔ کیا میں عمرہ کرسکتی ہوں؟ میری بہن کا دیور اس مرتبہ حج پر جا رہا ہے وہ ہمارا رشتہ دار بھی ہے اور شادی شدہ بھی ہے کیونکہ مجھے یہاں پر بہت سے لوگوں نے کہا کہ جوان لڑکی دوسرے آدمی کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ کیا میں اس کے ساتھ حج پر جا سکتی ہوں؟

ج: بہن کا دیور محرم نہیں ہوتا اور محرم کے بغیر حج یا عمرہ کے لئے جانا جائز نہیں۔[3]

عورت کا منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کرنا:

س: نامحرم کے ساتھ حج پر جانا کیسا ہے؟ اگر عورت بغیر محرم کے حج پر جائے یا کسی نامحرم کو محرم بنا کر اس کے ہمراہ جائے تو اس کا یہ عمل کیسا ہوگا؟ ہماری پھوپھی امسال حج پر گئی ہیں۔ انہوں نے حج کا سفر اپنے ایک منہ بولے بھائی کے ہمراہ کیا اور

---

[1] آپ کے مسائل ج۴ ص۸۴ [2] آپ کے مسائل ج۴ ص۸۵ [3] ایضاً۔

انہیں محرم ظاہر کیا' حالانکہ ان کے بیٹے بیٹیاں بھی ہیں مگر وہ اکیلی منہ بولے بھائی کے ہمراہ گئیں۔ کیا منہ بولے بھائی کو محرم بنایا جا سکتا ہے؟ کیا اس کے ہمراہ ارکان حج ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ان کا حج ہو گیا؟

ج: عورت کا بغیر محرم کے سفر پر جانا گناہ ہے۔ حج تو ہو جائے گا لیکن عورت گنہگار ہو گی۔ منہ بولا بھائی محرم نہیں ہوتا اس کو محرم ظاہر کرنا غلط بیانی ہے۔[1]

بغیر محرم حج کی ممانعت:

س: ایک ضعیفہ اسی سالہ غیر مشتہاۃ اس سال حج کرنا چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جہاز میں جانے والے عازمین حج کی مستورات کی معیت رہے گی۔ کیا شرعاً ایسا جائز ہے؟

ج: عورت خواہ کتنی ہی بوڑھی ہو اس کے لئے بلا محرم سفر حج حرام ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ دوسری عورتیں بھی اپنے محارم کے ساتھ ہوں تو بھی جائز نہیں۔ اگر مرتے دم تک محرم میسر نہ ہو تو اس پر حج بدل کی وصیت فرض ہے۔[2]

س: زینب حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہے۔ مگر اس کا خاوند زید ساتھ جانے سے انکاری ہے۔ رضاء و رغبت سے زینب کو حج بیت اللہ کی اجازت دیتا ہے۔ زینب کی عمر پچپن سال کی ہے ہم عمر عورتیں اور بھی اس کے ساتھ تیار ہیں۔ مگر کوئی محرم ساتھ نہیں تو زینب بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے؟

ج: اگر زید ساتھ جانے سے انکاری ہے تو زینب کسی دوسرے محرم کو ساتھ لے کر فریضہ حج ادا کر سکتی ہے۔ محرم کا خرچ بھی زینب کے ذمہ ہو گا۔ اگر کوئی محرم بھی نہیں جاتا اور زید بھی ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں تو ایسی صورت میں زینب کو سفر حج کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہے جس سے عمر بھر نکاح جائز نہیں جیسے باپ' بھائی' بیٹا وغیرہ۔[3]

س: ایک عورت جو کسی طرح محل فتنہ نہیں۔ ثقہ بھی ہے۔ اس کا کوئی محرم نہیں۔ اس کو ایک شخص جو بظاہر دیندار ہے۔ اپنے ہمراہ حج کے لئے لے جانا چاہتا ہے کہ اس سفر میں اس کی امداد کرے۔ ایسی صورت میں وہ شخص اس کے ہمراہ سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج: روایت فقہیہ جواز کی بعض مشائخ سے بعض معبرات میں موجود ہے۔ قال الشامی۔

((من الحظر والاباحة فصل البيع وفيه اشارة الى ان الحرة لا تسافر ثلاثة ايام بلا محرم واختلف فيما دون الثلاثة وقيل انها تسافر مع الصالحين والصبي والمعتوه غير محرمين كما في المحيط قهستاني)) (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ج۵ ص۳۴۳)

اور فصل حداد میں یہ عبارت بھی قابل لحاظ ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج۴ ص۸۵ [2] احسن الفتاویٰ ج۴ ص۵۲۲ [3] خیر الفتاویٰ ج۴ ص۲۱۴

((قال فی الدر المختار ولا بدمن سترة بینهما فی البائن لئلا یختلی بالاجنبیة ویمکن ان یقال فی الاجنبیة کذلک وان لم تکن معتدته الا ان یوجد نقل بخلافه))

(الدر المختار علی ھامش رد المختار فصل فی الحداد ج ۲ ص ۸۵۵)

اور بعض وقائع صدر اول کے مثلاً مہاجرت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زید بن حارثہؓ اور رجل من الانصار کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تک اور امثال اس کے بھی قابل لحاظ ہیں۔

اور واقعی یہ ہے کہ وقائع میں ایک ضرب اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔

((قال فی الفتح من الخلع والحلق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع))[1]

حج وعمرہ کو گناہوں سے پاک رکھیں:

س: ہمارے گھروں میں وی سی آر پر مخرب اخلاق انڈین فلمیں بھی دیکھی جاتی ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے عمرہ اور مسجد نبوی (ﷺ) میں حاضری بھی دی جاتی ہے۔ کیا اس سے عمرہ ومسجد نبوی (ﷺ) کی حاضری کی افادیت ختم نہیں ہو جاتی؟ عمرہ اور زیارت مسجد نبویؐ سے ثواب بھی کمائیں اور فلمیں دیکھنا برا بھی نہیں سمجھتے۔

ج: عمرہ اور مسجد نبویؐ کی حاضری میں بھی لوگ اتنی غلطیاں کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ دین کے مسائل نہ کسی سے پوچھتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ جو شخص ٹی وی جیسی حرام چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے حج وعمرہ کی کیا ضرورت ہے۔ ایک عارف کا قول ہے۔

بطواف کعبہ رفتم زحرم ندا برآمد
کہ بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

ترجمہ: میں طواف کعبہ کو گیا تو حرم سے ندا آئی کہ تو نے باہر کیا کیا ہے کہ دروازے کے اندر آتا ہے۔

لوگ خوب داڑھی منڈا کر روضہ اطہر پر جاتے ہیں اور ان کو ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ مگر شکل آپ کے دشمنوں جیسی بناتے ہیں۔ اس تحریر سے یہ مقصود نہیں کہ لوگوں کو حج وعمرہ نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان مقدس اعمال کو گناہوں اور غلطیوں سے پاک رکھنا چاہئے۔ ایسے حج وعمرہ ہی پر پورا ثواب مرتب ہوتا ہے۔[2]

عدت میں حج کی ممانعت:

س: میاں بیوی دونوں نے حج کا ارادہ کیا۔ لیکن ۲۹ رمضان المبارک کو شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اب بیوی حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سال مذکورہ عورت کے والد ساتھ جانے کو تیار ہیں۔ اگر کسی وجہ سے اس سال عورت حج کے لئے نہیں جا

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۵۳۴ [2] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۲۷

سکتی تو آئندہ سال ممکن ہے حج کی منظوری نہ ملے اور ہوسکتا ہے محرم بھی نہ ملے۔ کیونکہ اس عورت کے والد بہت عمر رسیدہ ہیں۔

ج: عدت کی حالت میں عورت کو حج کے لئے سفر کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی۔ آئندہ سال یا جب منظوری مل جائے محرم کے ہمراہ حج کے لئے جائے۔ اگر خوانخواستہ آخر تک اجازت نہ ملی یا محرم نہ مل سکا تو حج بدل کی وصیت کر جائے۔ درمختار میں ہے۔

(ومع عدم عدة عليها مطلقاً) اية عدة كانت (قوله ومع عدم عدة الخ) اى فلا يجب عليها الحج اذا وجدت (قوله اية عدة كانت) اى سواء كانت عدة وفاة او طلاق بائن او رجعى

(درمختار والشامی ج ۲ ص ۲۰۰)

معلم الحجاج میں ہے۔

مسئلہ:

عورت کو حج کے لئے جانا اس وقت واجب ہے جب عدت میں نہ ہو۔ اگر عدت میں ہے تو جانا واجب نہیں اور عدت چاہے موت کی ہو یا فسخ نکاح کی اور طلاق وغیرہ کی اور طلاق خواہ رجعی ہو یا بائن۔ سب کا ایک حکم ہے۔ (معلم الحجاج ص ۹۸)

بہشتی زیور حصہ سوم ص ۵۱۳ میں ہے۔ مسئلہ نمبر ۱۱۶ اگر یہ عورت عدت میں ہو تو عدت چھوڑ کر حج کو جانا درست نہیں۔[1]

ج: عدت والی عورت کو دورانِ عدت کوئی سفر نہیں کرنا چاہئے نہ حج کے لئے نہ کسی اور غرض کے لئے اگر روکنے کے باوجود حج پر چلی گئی تو فرض ادا ہو جائے گا۔ البتہ اس معصیت پر استغفار لازم ہے۔

((المعتدة لا تسافر لالحج ولا لغيره)) (عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۸)[2]

احرام کا بیان

عورت کا احرام:

س: مردوں کے لئے احرام دو چادروں کی شکل میں ہوتا ہے۔ عورتوں کے لئے احرام کی کیا شکل ہوگی؟ اور کیا احرام مجھے اور میرے بچوں کو گھر سے باندھنا ہوگا۔ جبکہ میں برقعہ کی حالت میں ہوں؟

ج: مردوں کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے ممنوع ہیں۔ اس لئے وہ احرام باندھنے سے پہلے دو چادریں پہن لیتے ہیں۔ عورتوں کو احرام باندھنے کے لئے کسی خاص قسم کا لباس پہننا لازم نہیں۔ اس لئے وہ معمول کے کپڑوں میں احرام باندھ لیتی ہیں۔ البتہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہوتا ہے۔ اس لئے احرام کی حالت میں وہ چہرے کو اس طرح نہ ڈھکیں کہ کپڑا ان کے چہرہ کو لگے۔ مگر نامحرموں سے چہرے کو چھپانا بھی لازم ہے۔ اس لئے ان کو چاہئے سر پر کوئی ایسی چیز

---
[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۲۳۹ [2] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۷۳

باندھ لیں جو چھجہ کی طرح آگے کو بڑھی ہوئی ہو۔ اس پر نقاب ڈال لیں۔ تاکہ نقاب کا کپڑا چہرے کو نہ لگے اور پردہ بھی ہو جائے۔ حج کا احرام میقات سے پہلے باندھنا ضروری ہے۔ گھر سے باندھنا ضروری نہیں۔[1]

بحالتِ احرام چہرہ کھلا رکھنا:

س: میں نے سنا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ عورت کا احرام چہرے میں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ چہرہ کھلا رکھنا چاہئے۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں عورت کو چہرہ کھولنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ایسی کیا صورت ہوگی جس سے اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے اور چہرہ بھی ڈھکا رہے؟

ج: یہ صحیح ہے کہ احرام کی حالت میں چہرے کو ڈھکنا جائز نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ احرام کی حالت میں عورت کو پردے کی چھوٹ ہوگئی۔ نہیں۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو پردہ ضروری ہے۔ یا تو سر پر کوئی چھجا سا لگایا جائے اور اس کے اوپر سے کپڑا اس طرح ڈالا جائے کہ پردہ ہو جائے۔ مگر کپڑا چہرے کو نہ لگے۔ یا عورت ہاتھ میں پنکھا وغیرہ رکھے اور اسے چہرے کے آڑے کرلیا کرے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حج کے طویل اور پر ہجوم سفر میں عورت کے لئے پردہ کی پابندی بڑی مشکل ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور جو اپنے بس سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔[2]

سفید رومال کا حکم:

س: خواتین عموماً احرام کی حالت میں ایک سفید رومال سر پر باندھتی ہیں۔ جسے وہ احرام کہتی ہیں۔ کیا وہی احرام ہوتا ہے؟ اور اس کا باندھنا شرعاً کیسا ہے؟

ج: جو خواتین احرام میں سر پر سفید رومال باندھنا ضروری سمجھتی ہیں اور اسی کو احرام سمجھتی ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خواتین کا احرام چہرہ میں ہے۔ سر احرام میں داخل ہی نہیں۔ البتہ اگر خواتین اپنے سر کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلنے سے بچانے کے لئے یا اپنے سر کے بالوں کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھنے کے لئے سر پر رومال باندھ لیں تو جائز ہے۔ لیکن پیشانی سے اوپر باندھیں اور اس کو احرام کا جز و یا ضروری نہ سمجھیں۔[3]

احرام کی نیت

حج وعمرہ کی نیت کیسے کی جائے:

س: جب آدمی حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو نیت کس طرح کرے؟

ج: حج کی نیت اس طرح کی جائے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج۴ ص۸۹ [2] آپ کے مسائل ج۴ ص۸۸ [3] فقہی رسائل ج۲ ص۲۹۹

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ))

ترجمہ: اے اللہ! میں حج کی نیت کرتا ہوں۔ تو اسے میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول فرما اور عمرہ کی نیت یوں کرے۔

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ)) (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۴۴۔۱۶۱)

ترجمہ: اے اللہ! میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں۔ تو اسے میرے لئے آسان فرما اور قبول فرما۔

نیت صرف دل کی بھی کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن زبان سے بھی نیت کر لی جائے تا کہ کوئی شبہ نہ رہے۔ حج کی نیت میں حج مفرد۔ حج قران یا حج تمتع کی صراحت بھی کی جائے۔ اگر حج فرض ہے تو حج فرض کی نیت کی جائے اور نفل یا حج بدل ہے تو حج نفل یا بدل کی نیت کی جائے۔

تلبیہ

تلبیہ کب شروع کیا جائے:

س: تلبیہ کب اور کس طرح پڑھنا چاہیے؟

ج: احرام کے دوگانہ نفل پڑھنے کے بعد حج یا عمرہ کی نیت کر لینے کے بعد تلبیہ ماثورہ پڑھنا سنت ہے۔

((لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ))[1]

ترجمہ: میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ یا اللہ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک سب تعریفیں اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور ملک تیرا ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

کیا عورت تلبیہ بلند آواز سے پڑھے:

س: کیا عورت بھی مردوں کی طرح تلبیہ بلند آواز سے پڑھے؟

ج: عورت تلبیہ میں آواز بلند نہ کرے۔ بلکہ آہستہ کہے۔ البتہ غیر محرم آدمی موجود نہ ہو تو قدرے بلند آواز سے کہہ سکتی ہے۔[2]

ج: حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سن سکے۔[3]

مبسوط میں ہے۔

عورت اپنی آواز مطلقاً بلند نہ کرے۔ بلکہ اس طرح آہستہ کہے کہ بس خود ہی سن سکے۔ کوئی دوسرا نہ سنے تا کہ فتنہ سے محفوظ رہے۔ یعنی عورت کی آواز سننے سے غیر مرد کی طرف سے فتنہ کا خوف ہے۔ (مبسوط سرخسی ج ۴ ص ۱۸۸)

---

[1] زبدۃ المناسک ص ۹۳ [2] زبدۃ المناسک ص ۹۸ [3] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۳۶

حالتِ احرام میں سر کا مسح:

س: آج کل عورتیں جو احرام باندھتی ہیں تو بال بالکل ڈھک جاتے ہیں اور اس کا سر سے بار بار اتارنا عورتوں کے لئے مشکل ہوتا ہے تو کیا سر کا مسح اسی کپڑے کے اوپر ٹھیک ہے یا نہیں؟

ج: عورتیں جو سر پر رومال باندھتی ہیں شرعاً اس کا احرام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ رومالی صرف اس لئے باندھی جاتی ہے کہ بال بکھریں اور ٹوٹیں نہیں۔ عورتوں کو اس رومال پر مسح کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ رومالی اتار کر سر پر مسح کرنا لازم ہے۔ اگر رومالی پر مسح کیا اور سر پر مسح نہیں کیا تو نہ وضو ہوگا نہ نماز ہوگی۔ نہ طواف ہوگا۔ نہ حج ہوگا۔ نہ عمرہ ہوگا۔ کیونکہ یہ افعال بغیر وضو جائز نہیں اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ بغیر مسح کے وضو نہیں ہوتا۔[۱]

ماہواری کی حالت میں احرام:

س: جدہ روانگی سے قبل ماہواری کی حالت میں احرام باندھ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: حیض کی حالت میں عورت احرام باندھ سکتی ہے۔ بغیر دوگانہ پڑھے حج یا عمرہ کی نیت کرلے اور تلبیہ پڑھ کر احرام باندھ لے۔[۲]

احرام کہاں سے باندھے:

س: جو لوگ حج یا عمرہ کے لئے جاتے ہیں۔ وہ احرام کہاں سے باندھیں؟

ج: چونکہ پرواز کے دوران جہاز میقات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اس لئے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے یا سوار ہو کر احرام باندھ لیا جائے گا۔ میقات کی حد عبور کرنے سے پہلے احرام باندھ لینا لازم ہے۔[۳]

ج: احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا اور نوافل پڑھنا شرط نہیں۔ مستحب ہے۔ لہٰذا عذر کی صورت میں صرف احرام پہن کر عمرہ یا حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں بس احرام بندھ گیا۔ اس لئے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے یا سوار ہو کر احرام باندھ لینا ضروری ہے۔[۴]

احرام سے پہلے ناخن لینا:

س: کیا احرام باندھنے سے پہلے ناخن کاٹنا۔ مونچھیں تراشنا اور غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

ج: ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے ناخن کاٹ لئے جائیں۔ مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کر لینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کر کے احرام باندھا جائے۔[۵]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۸۹
۲ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۹۰
۳ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۹۴
۴ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۰۰
۵ فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۳۶

غسل احرام:

س: کیا احرام سے پہلے غسل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ بغیر غسل کے صرف وضو کر کے احرام باندھ لینے سے حج میں کوئی نقص تو نہیں آئے گا؟

ج: احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ ایک مستحب عمل ہے۔ اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کر کے احرام باندھا جائے تو بھی حج میں کوئی نقص نہیں آتا۔[1]

مکروہ اوقات میں احرام کے نفل:

س: جن اوقات میں نفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کیا احرام کی نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج: احناف کے ہاں جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو ان ہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز بھی پڑھنا ممنوع ہے۔[2]

حالت احرام میں وکس کا استعمال:

س: سر درد یا سردی کی وجہ سے اگر احرام کی حالت میں وِکس لگایا جائے یا ایسی دوا کا استعمال جس میں خاص قسم کی خوشبو ملی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اگر لگا لیا تو جزاء واجب ہوگی یا نہیں؟

ج: وکس بام خوشبو دار چیز ہے اور اس کی خوشبو تیز ہے۔ اگر پوری پیشانی پر لگایا تو دم لازم ہوگا۔ فقہاء رحمہم اللہ نے ہتھیلی کو بڑا عضو شمار کیا ہے۔ ہاتھ کے تابع نہیں کیا۔ (معلم الحجاج) اس لئے پیشانی بھی بڑا عضو ہونا چاہئے۔

معلم الحجاج میں ہے۔ اگر خوشبو کو دوا کے طور پر لگایا یا ایسی دوا لگائی جس میں خوشبو غالب ہے اور پکی ہوئی نہیں ہے تو اگر زخم ایک بڑے عضو کے برابر یا اس سے زیادہ نہیں تو صدقہ واجب ہے اور اگر ایک بڑے عضو کے برابر ہے (یا اس سے زیادہ ہے) تو دم واجب ہے۔ (معلم الحجاج ص ۲۴۸)

عذر کی وجہ سے جیسے سر درد بام لگایا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ جنایت قصداً کرے یا بھول کر یا خطاءً مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اپنی خوشی سے کرے یا کسی کی زبردستی سے سوتے کرے یا جاگتے۔ نشہ میں ہو یا بے ہوش۔ مالدار ہو یا تنگدست۔ خود کرے یا کسی کے کہنے سے معذور ہو یا غیر معذور سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی۔ (معلم الحجاج ص ۲۴۲)[3]

منجن یا ٹوتھ پیسٹ کا استعمال:

س: ایسا منجن یا ٹوتھ پیسٹ جس میں لونگ کافور الائچی وغیرہ یا خوشبودار دوا ڈالی جاتی ہے۔ احرام کی حالت میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں لونگ، کافور، الائچی یا خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں اور وہ پکی ہوئی نہ ہوں اور مقدار

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۲۸ [2] ایضاً۔ [3] فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۲۸۴

کے اعتبار سے خوشبو دار چیز غالب ہو۔ (یعنی کم نہ ہو) تو ایسا منجن احرام کی حالت میں استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔ مگر صدقہ واجب ہوگا۔

اور اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں خوشبو دار چیز غالب ہو تو چونکہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا اکثر حصہ میں لگ جائے گا۔ لہٰذا دم واجب ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں مسواک ہی استعمال کرے۔ منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال نہ کرے۔ اس سے سنت بھی ادا نہ ہوگی۔ اس لئے مسواک کو اختیار کرنا چاہئے۔[1]

حالتِ احرام میں انجکشن:

س: حاجی احرام کی حالت میں انجکشن لگوا سکتا ہے یا دوسرے آدمی کو لگا سکتا ہے یا نہیں؟

ج: ہاں! حاجی حالت احرام میں انجکشن خود بھی لگا سکتا ہے اور دوسرے کو بھی لگا سکتا ہے۔[2]

بغیر احرام میقات سے گزرنا:

س: جو لوگ بغیر احرام کے حدود حرم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بغیر تنعیم (مسجد عائشہؓ) یا شمیہ سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ کیا اس صورت میں دم لازم آتا ہے؟

ج: بغیر احرام کے حدود حرم میں داخل ہونا گناہ ہے اور ایسے شخص کے ذمہ دم لازم ہے کہ میقات پر واپس جا کر احرام باندھ کر آئے۔ اگر یہ شخص دوبارہ میقات پر گیا اور وہاں سے احرام باندھ کر آیا تو اس کے ذمہ سے دم ساقط ہو گیا۔ اگر واپس نہ گیا تو اس پر دم واجب ہے اور یہ دم اس کے ذمہ ہمیشہ واجب رہے گا۔ جب تک کہ اسے ادا نہ کرے اور اس ترک واجب کا گناہ بھی اس کے ذمہ واجب رہے گا۔[3]

عمرہ کا بیان

عمرہ فرض ہے یا واجب؟

س: عمرہ فی نفسہٖ کیا حکم رکھتا ہے۔ فرض ہے یا واجب یا سنت؟

ج: احناف کے نزدیک زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ فرض نہیں۔[4]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں:

س: کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے کیا کیا کرنا ضروری ہے۔ یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

ج: احناف کے ہاں عمرہ کے لئے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی صفا و مروہ کے درمیان اور حلق یا قصر

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۲۸۵
[2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۶۰
[3] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۹۶
[4] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۸۳

واجبات میں شامل ہے۔[1]

عمرہ کا طریقہ:

س: عمرہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: مسجد الحرام میں داخل ہونے کے بعد حجر اسود کے سامنے اس طرح کھڑی ہوں کہ حجر اسود دائیں کندھے کے برابر ہو۔ پھر نیت کر کے طواف شروع کر دیں۔

''اے اللہ! میں آپ کی رضا کے لئے عمرہ کا طواف کرتی ہوں۔ آپ اسے میرے لئے آسان کر دیجئے اور قبول کر لیجئے۔''

پھر ذرا دائیں طرف کھسک کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور ہتھیلیوں کا رخ حجر اسود کی طرف کریں اور کہیں۔

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ))

پھر استلام کریں۔ یعنی دونوں ہتھیلیوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کریں اور انہیں چوم لیں۔ اور دائیں طرف مڑ کر طواف شروع کر دیں۔ خواتین کے لئے رمل اور اضطباع نہیں ہے۔ وقار اور اطمینان کے ساتھ مردوں سے علیحدہ ہو کر چلیں۔

نگاہ سامنے رکھیں۔ دائیں بائیں نہ دیکھیں حجر اسود کے استلام کے سوا کعبہ شریف کی طرف سینہ یا پشت کرنا جائز نہیں۔ ہاتھ اٹھائے بغیر زبان ہی سے دل میں جو چاہیں دعا کریں۔ حطیم کے باہر سے گزریں۔

''رکن یمانی'' پر اگر خوشبو نہ لگی ہو تو دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ پھیریں۔ بشرطیکہ ہجوم بالکل نہ ہو اور اپنا رخ سیدھا رہے۔ ہجوم کی صورت میں بغیر اشارہ کئے یونہی گزر جائیں اور یہ دعا پڑھیں۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ))

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت کی عافیت اور معافی چاہتا ہوں۔

رکن یمانی سے حجر اسود کی طرف بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھیں۔

((رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ))

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

پھر حجر اسود کے سامنے پہنچ کر حجر اسود کی طرف دونوں ہاتھوں سے اشارہ کریں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ یہ طواف کا ایک چکر ہوا۔ اسی طرح سات چکر پورے کریں۔

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۲۸۴

واجبِ طواف:

طواف کے ساتھ چکر پورے کرنے کے بعد دوگانہ واجب الطواف پڑھیں۔ مقام ابراہیم کے پاس یا جس جگہ بھی ہجوم نہ ہو اور اطمینان سے پڑھ سکیں پڑھیں۔ لیکن مکروہ اوقات میں نفل نہ پڑھیں۔ پھر آبِ زمزم پی لیں۔

سعی کا طریقہ

اس کے بعد حجر اسود کے سامنے آئیں اور حجر اسود کا استلام کریں اور سعی کرنے کے لئے صفا کی طرف چلیں۔ اب زائرین کی سہولت کی غرض سے سعی کرنے کے لئے پہلی اور دوسری چھت پر بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔ اگر نیچے رش زیادہ ہو تو اوپر کی کسی منزل پر بھی سعی کرنا جائز ہے۔

صفا پر قبلہ رو کھڑے ہو کر بغیر ہاتھ اٹھائے سعی کی نیت کریں۔

اے اللہ! میں آپ کی رضا کے لئے صفا مروہ کے درمیان سعی کرتی ہوں۔ آپ اسے قبول کر لیجئے اور میرے لئے آسان کر دیجئے۔

پھر دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائیں اور ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہو۔

تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں۔ تین مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں۔

ایک مرتبہ کلمہ توحید پڑھیں۔ پھر درود شریف پڑھ کر اپنے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کریں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہجوم کی وجہ سے اگر کھڑے ہونے میں دقت ہو تو مختصر دعا کر کے چل پڑیں۔ صفا سے اتر کر سکون و اطمینان سے مروہ کی طرف چلیں۔ ذکر اور دعا میں مشغول رہیں۔ کوئی مقرر دعا نہیں جو چاہیں دعا کریں۔

خواتین دو سبز ستونوں کے درمیان نہ دوڑیں اور یہ دعا کریں۔

((رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَم))

ترجمہ: اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور رحم فرما۔ آپ ہی بڑے عزت والے اور اکرام والے ہیں۔

پھر مروہ پر پہنچ کر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا کریں۔ یہ خیال رہے کہ دوسروں کو آنے جانے کی تکلیف نہ ہو۔

یہ سعی کا ایک چکر ہوا۔ اسی طرح چھ چکر اور کرنے ہیں۔ یہاں سے صفا پر جائیں دو چکر ہو جائیں گے اور صفا سے مروہ پر تین چکر ہو جائیں گے۔ آخری ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔

اور اگر عورت نے عمرہ کا احرام باندھا تھا تو حیض سے پاک ہونے تک عمرہ کا طواف اور سعی نہ کرے اور اگر اس صورت میں اس کو عمرہ کے افعال ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حتیٰ کہ حج کے لئے منیٰ کی روانگی کا وقت آ گیا تو عمرہ کا احرام کھول کر حج کا احرام باندھ لے (اور حج کی نیت اور تلبیہ پکارے) اور یہ عمرہ جو توڑ دیا تھا اس کی جگہ بعد میں عمرہ

کرلے[۱]

باریک دوپٹہ:

س: ہماری بعض بہنیں حرم شریف میں بھی باریک دوپٹہ اوڑھ کر بغیر پردہ کے نماز کے لئے جاتی ہیں۔ کیا ایسی حالت میں طواف اور نماز ہو جاتی ہے؟

ج: عورت کو ایسا کپڑا پہن کر باہر نکلنا حرام ہے۔ جس سے بدن نظر آتا ہو یا سر کے بال نظر آتے ہوں۔ ایسے باریک کپڑے میں نماز بھی نہیں ہوتی[۲]

قصر کی مقدار:

س: حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟

ج: حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لئے حلق وقصر دونوں جائز ہیں۔ البتہ مردوں کے لئے حلق افضل ہے اور عورت کے لئے حلق (یعنی سر منڈوانا) نہیں بلکہ مرد اور عورت کے لئے ایک بند انگشت (ایک پورہ) کی مقدار تمام سر سے بال کتروانا ضروری ہے اور اس طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

((قال العلامة ابن العلاء الانصاری اما المرأة فلا علیها ولکنها تقصر باخذ شیء من اطراف الشعر مقدار انملة والافضل لها ان تقصر من کل شعرة مقدار ربع رأس فصاعداً وان کان اقل من ذلك لا یجزیها اعتباراً لتقصیر فی حقها وبالحلق فی حق الرجال (فتاوٰی تاتارخانیه ج۲ ص۵۴۳) الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر))[۳]

عورت کو حلق حرام ہے۔ چوتھائی سر کا قصر بقدر ایک پورے کے کرالے سارے سر کا قصر سنت ہے۔ عورت کو سر منڈانا ممنوع ہے۔ جیسے مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے۔ مرد ہو یا عورت ہو اور سر پر بڑے بال ہوں تو چاہئے کہ سارے سر کے سب بالوں سے انگشت کے جوڑ (یعنی پورے) سے زیادہ بال کاٹے تا کہ چھوٹے بڑے بالوں میں پورے کے برابر کٹ جائیں۔

بلکہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ بالوں کے تین حصے کرلے ایک داہنی طرف کو اور ایک بائیں طرف تیسرا پیچھے کو۔ پھر ہر ایک حصہ کو مٹھی میں پکڑ کر ہر ایک پورے سے زیادہ کاٹ دے۔[۴]

---

۱ آپ کے مسائل ج۴ ص۱۱۸ ۲ آپ کے مسائل ج۴ ص۱۱۹

۳ فتاوٰی حقانیہ ج۴ ص۲۳۷ ۴ زبدۃ المناسک وعمدۃ المناسک ص۱۹۶

خواتین کے مسائل

ایام شروع ہو جانا:

س: حج یا عمرہ کے دوران عورت کو ایام حیض شروع ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟

ج: اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے ایام شروع ہو جائیں تو عورت غسل یا وضو کر کے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے۔ احرام باندھنے سے پہلے جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ نہ پڑھے۔ حاجی کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلا طواف (جسے طواف قدوم کہا جاتا ہے) سنت ہے۔ اگر عورت خاص ایام میں ہو تو یہ طواف چھوڑ دے۔ منیٰ جانے سے پہلے اگر پاک ہو گئی ہو تو طواف کرے ورنہ ضرورت نہیں اور نہ ہی اس پر اس کا کفارہ لازم ہے۔

دوسرا طواف (طواف زیارت) دس ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے۔ یہ حج کا فرض ہے۔ اگر عورت اس دوران حیض کی حالت میں ہو تو طواف زیارت میں تاخیر کرے۔ پاک ہونے کے بعد طواف کرے۔

تیسرا طواف مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کے وقت کیا جاتا ہے۔ یہ واجب ہے۔ لیکن اگر اس دوران عورت خاص ایام میں ہو تو اس طواف کو بھی چھوڑ دے۔ اس عورت سے یہ طواف ساقط ہو جاتا ہے۔

باقی منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں جو مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے عورت کا پاک ہونا شرط نہیں۔

طواف عمرہ میں ایام آ جانا:

س: ایک بارہ سالہ بچی نے بلوغت کو پہنچنے سے پہلے مدینہ منورہ سے احرام باندھا۔ مکہ مکرمہ پہنچنے پر عمرہ کا طواف کیا اور پھر سعی کی۔ سعی سے فارغ ہو کر بچی نے والدہ کو حیض آنے کی اطلاع کی۔ ماں کے دریافت کرنے پر بچی نے بتایا کہ طواف کے دوران شروع ہوا۔

گویا حیض کی حالت میں پورا یا طواف کا بیشتر حصہ ادا کیا، پھر اسی حالت میں سعی بھی کی۔ بچی کی ناواقفیت کے عالم میں جو کچھ ہوا۔ کیا اس پر کوئی دم وغیرہ واجب ہو گا یا نہیں؟

ج: بچی کو چاہئے تھا کہ عمرہ کا احرام نہ کھولتی۔ بلکہ پاک ہونے کے بعد دوبارہ طواف اور سعی کر لیتی۔ بہر حال چونکہ اس نے احرام نابالغی کی حالت میں باندھا تھا۔ اس لئے اس پر دم جنایت نہیں۔ مناسک ملا علی قاریؒ میں ہے۔

(وان ارتکب) ای الصبی شیئاً من المحظورات (لا شیء علیه) ای ولو بعد بلوغه لعدم تکلیفه قبله ۔(ص ٤٩)

ترجمہ: اور اگر بچے نے ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ خواہ یہ ارتکاب بلوغ کے بعد ہو۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے مکلّف نہیں تھا۔[1]

دوران طواف وضوٹوٹ گیا:

س: نفلی یا فرض طواف کے دوران اگر وضوٹوٹ جائے یا قیام عرفات یا سعی کرتے ہوئے وضو فاسد ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

ج: طواف کے لئے وضو شرط ہے۔ اگر طواف کے دوران وضوٹوٹ جائے تو وضو کر کے دوبارہ طواف کیا جائے اور اگر چار یا پانچ چکر پورے ہو چکے ہوں تو وضو کر کے باقی چکر پورے کر لے۔ ورنہ نئے سرے سے طواف شروع کرے۔ البتہ سعی کے دوران وضو شرط نہیں۔ اگر بغیر وضو کے سعی کر لی تو ادا ہو جائے گی۔ یہی حکم وقوف عرفات کا بھی ہے۔[2]

مقام ابراہیم پر نفل:

س: بعض حضرات یہ جانتے ہوئے کہ ہجوم زیادہ ہے مقام ابراہیم پر نماز واجب الطواف پڑھنے لگتے ہیں۔ جس سے ان کو بھی چوٹ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ نیز ضعیف اور مستورات کے زخمی ہونے کا احتمال ہے۔ کیا یہ نماز ہجوم سے ہٹ کر نہیں پڑھی جاسکتی؟

ج: ضرور پڑھی جاسکتی ہے اور اگر مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے سے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مقام ابراہیم پر نماز نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ کسی کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔[3]

اگر ہجوم نہ ہو تو مقام ابراہیم پر پڑھنا افضل ہے یا حطیم میں گنجائش ہو تو وہاں پڑھ لے۔ ورنہ کسی بھی جگہ پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ مسجد حرام شریف سے باہر اپنے مکان پر پڑھے تب بھی جائز ہے کوئی کراہت نہیں۔[4]

ممنوع اوقات میں نفل:

س: طواف کے دو نفل ممنوع اوقات (صبح فجر سے طلوع آفتاب تک اور شام عصر سے مغرب تک) پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ممنوع اوقات میں (عصر کے بعد سے مغرب تک۔ فجر کے بعد سے اشراق تک اور زوال کے وقت) دوگانہ طواف ادا کرنا جائز نہیں۔ اس دوران جتنے طواف کئے ہوں مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد ان کے دوگانے الگ الگ ادا کر لے۔[5]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۱۴ ۔ ۲ ایضاً۔ ۳ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۱۳

۴ ایضاً۔ ۵ آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۱۴

حج کا طریقہ

۸ ذی الحجہ۔ حج کا پہلا دن:

۸ ذی الحجہ کی رات کو منیٰ جانے کی مکمل تیاری کرلیں۔ احرام کی نیت سے غسل کرلیں' یا صرف وضو کرلیں۔

نفل نماز:

کوئی شرعی عذر نہ ہو اور مکروہ وقت بھی نہ ہو تو مرد حرم میں آ کر احرام کی نیت سے دو رکعت نفل سر ڈھک کر ادا کرلیں اور خواتین گھر میں یہ نفل پڑھ سکتی ہیں۔

نیت اور تلبیہ:

نفل پڑھ کر اس طرح نیت کریں' یا اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں/ کرتی ہوں اسے آسان فرما اور قبول فرما۔

پھر تین مرتبہ لبیک پڑھیں۔

((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ))

اب احرام کی پابندیاں شروع ہوگئی ہیں۔ ان کا خاص خیال رکھیں۔

منیٰ روانگی:

ہو سکے تو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہوں یا جیسے معلم کا انتظام ہو۔ راستہ میں تلبیہ اور دیگر تسبیحات زیادہ سے زیادہ پڑھتے رہیں۔

۹ ذی الحجہ۔ حج کا دوسرا دن

منیٰ میں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور ۹ ذی الحجہ کی فجر کی نماز ادا کریں اور رات منیٰ میں رہیں۔ ہو سکے تو نماز فجر منیٰ میں ادا کریں۔ تکبیر تشریق کہیں۔ لبیک پڑھیں اور عرفات کے لئے روانہ ہو جائیں۔

عرفات پہنچ کر وضو کرلیں۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کرلیں۔ زوال کے بعد یعنی نماز ظہر کے بعد وقوف شروع کر دیں تلبیہ کہیں۔ دعا اور توبہ واستغفار میں مصروف رہیں چوتھا کلمہ اور دیگر اوراد و وظائف پڑھتے رہیں۔ گریہ

زاری سے اللہ کے حضور دعا کریں یہ سلسلہ شام تک جاری رہے وقوف کھڑے ہو کر کرنا افضل ہے تھکان کے باعث بیٹھ کر بھی جائز ہے اپنے قیام کی جگہ ظہر کی نماز ظہر کے وقت اور عصر کی نماز عصر کے وقت اذان اور اقامت کے ساتھ باجماعت ادا کریں اور دونوں نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہیں۔

مزدلفہ روانگی:

جب عرفات میں سورج غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھے بغیر ذکر و تلبیہ پڑھتے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

نمازِ مغرب اور عشاء:

مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا وقت شروع ہو جانے پر مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر ادا کریں۔ دونوں نمازوں کے لئے صرف ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے۔ پہلے مغرب کے فرض با جماعت ادا کریں۔ پھر تکبیر تشریق اور لبیک کہیں اس کے بعد فوراً عشاء کے فرض با جماعت ادا کریں۔ اس کے بعد بھی تکبیر تشریق کہیں۔ پھر عشاء کی سنت اور وتر پڑھ کر مغرب کی دو سنت ادا کریں یا عشاء کے فرض پڑھ کر پہلے مغرب کی دو سنت ادا کر لیں اور اس کے بعد عشاء کی سنتیں نفل اور وتر ادا کریں۔

یہ رات بڑی مبارک ہے اس میں ذکر' درود شریف' تلاوت' استغفار اور تلبیہ پڑھیں اور خوب دعا کریں۔ کچھ دیر آرام بھی کر لیں۔ مزدلفہ سے موٹے چنے کے برابر ۷۰ کنکریاں فی آدمی چن لیں۔

صبح صادق ہونے پر فجر کی نماز پڑھیں اور وقوف کریں۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے۔ جب سورج نکلنے والا ہو تو منیٰ روانہ ہو جائیں۔

۱۰ ذی الحجہ۔ حج کا تیسرا دن

جمرہ عقبہ کی رمی:

منیٰ پہنچ کر جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں ایک ایک کر کے ماریں۔ مرد اور عورتیں سب اپنے ہاتھ سے ماریں' زیادہ بھیڑ کی وجہ سے شام کے یا رات کے وقت کنکریاں مارنا جائز ہے۔

جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتے ہی لبیک کہنا بند کر دیں۔

قربانی:

قربانی کے تین دن مقرر ہیں۔ ۱۰' ۱۱' ۱۲ ذی الحجہ دن اور رات میں جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں۔ قربانی خود کریں یا کسی قابل اعتماد آدمی سے کروائیں۔

حلق یا قصر:

قربانی سے فارغ ہو کر مرد سارا سر منڈ والیں اور خواتین سر کے بالوں کے تین حصے کر لیں دائیں' بائیں اور پیچھے پھر ہر ایک حصہ میں سے ایک انگلی کے برابر بال کاٹ دیں۔

طواف زیارت:

حلق سے فارغ ہو کر طواف زیارت کریں۔ اس کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ یہ طواف وقوف عرفات کی طرح فرض ہے۔ اس کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہے۔ اس کا بدل کچھ بھی نہیں ہوسکتا اس کی ادائیگی باوضو ضروری ہے۔

حج کی سعی:

طواف زیارت کرنے کے بعد سعی بھی کریں اور یہ سعی واجب ہے۔ سعی سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آ جائیں اور رات منیٰ میں بسر کریں۔

۱۱ ذی الحجہ۔ حج کا چوتھا دن

گیارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارنی ہیں۔ پہلے چھوٹے کو پھر درمیانے کو اور آخر میں بڑے کو شدید بھیڑ کی وجہ سے رات کے وقت رمی کرنا بھی جائز ہے۔

قیام گاہ میں تلاوت' ذکر اللہ' توبہ استغفار اور دعا میں مشغول رہیں۔

۱۲ ذی الحجہ۔ حج کا پانچواں دن

زوال کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں ماریں کچھ دیر سے کنکریاں مارنے میں آسانی ہوتی ہے۔ تیسرے دن کی رمی کے بعد اختیار ہے کہ منیٰ میں مزید قیام کریں یا مکہ مکرمہ چلے جائیں۔ لیکن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ کی حدود سے نکل جانا جائز ہے۔ غروب آفتاب کے بعد اگلے دن کی رمی کرنے کے بعد جانا ہوگا۔

طواف وداع:

حج کے بعد جب مکہ مکرمہ سے وطن واپسی کا ارادہ ہو تو طواف وداع کرنا واجب ہے۔

حائضہ حج کیسے کرے:

س: ایک عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کو جا رہی ہے۔ جب عمرہ کا احرام باندھنے لگی تو اسے حیض آ گیا۔ اب وہ احرام باندھے یا نہ؟

کیا وہ عورت حضرت عائشہؓ کی حدیث کے تحت مکہ میں احرام کھول سکتی ہے؟ اگر کھول دے تو پھر کب اور کہاں سے احرام باندھے؟

اگر حضرت عائشہؓ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے بغیر احرام عمرہ مکہ میں داخل ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ اگر بغیر احرام داخل ہونے پر دم واجب ہے تو اس دم سے بری ہونے کی کیا صورت ہے؟ اگر وہ مکہ سے مدینہ چلی جائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آ جائے تو دم ساقط ہو جائے گا؟

ج: حائضہ احرام باندھے گی اور احرام ہی میں رہے گی۔ اگر پاک ہونے سے پہلے ایام حج شروع ہو گئے تو اب عمرہ کا احرام کھول دے اور حج کا احرام باندھ کر منیٰ کو چلی جائے اور افعال حج بجا لائے۔ بعد از فراغت عن الحج عمرہ کر سکتی ہے۔ احرام خواہ تنعیم سے باندھے یا دوسرے میقاتِ عمرہ سے البتہ پہلے عمرہ کا احرام توڑنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئی تھیں۔ بغیر احرام نہیں۔ پس یہ حائضہ بھی احرام باندھ کر داخل ہو ورنہ دم واجب ہوگا اور اگر پاک ہونے کے بعد کسی میقات پر آ کر دوبارہ احرام باندھ لے اور تلبیہ پڑھے تو دم ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ مکہ مکرمہ میں قبل ازیں عمرہ یا حج نہ کیا ہو۔[1]

ج: حج کے دوران جب کسی خاتون کو حیض شروع ہو جائے تو اس کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف اور سعی بین الصفا والمروۃ کے علاوہ تمام ارکان ادا کرے گی۔ مثلاً وقوف عرفات و مزدلفہ رمی جمار اور ذبح وغیرہ اور جب پاک ہو جائے تو پھر طواف زیارت وغیرہ کرے گی۔

((اذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت كما يصنع الحاج غير انها لا تطوف بالبيت حتى تطهر لحديث عائشة رضى الله عنها)) (الہدایہ ج ۱ ص ۲۴۵ کتاب الحج)[2]

ترجمہ: جب عورت کو احرام کے وقت حیض شروع ہو جائے تو وہ غسل کر کے احرام باندھ لے اور حجاج کی طرح وہ بھی اعمال ادا کرے۔ سوائے بیت اللہ شریف کے طواف کے۔ طواف پاک ہونے کے بعد کرے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں آیا ہے۔

❀❀❀

---

[1] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۲۲۳

[2] فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۲۳۲

رمی

(شیطان کو کنکریاں مارنا)

کنکریاں مارنے کی کیا علت ہے:

س: حج مبارک کے موقع پر شیطان کو جو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ کیا اس کی علت وہ ہاتھیوں کا لشکر ہے جس پر اللہ جل شانہ نے کنکریاں برسوا کر پامال کیا تھا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے۔ جس میں شیطان نے متعدد دفعہ بہکایا تھا؟ ممکن ہے اس موقع کی علتیں بہت سی ہوں' امید ہے راجح علت تحریر فرما کر ہمارے مسئلہ کا حل فرما دیں گے۔

ج: غالباً حضرت ابراہیم علیہ السلام والا واقعہ ہی اس کا سبب ہے مگر یہ علت نہیں۔ ایسے امور کی علت تلاش نہیں کی جاتی۔ بس جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جاتی ہے اور حج کے اکثر افعال و ارکان عاشقانہ انداز کے ہیں کہ عقلاء ان کی علتیں تلاش کرنے سے قاصر ہیں۔[1]

کنکریاں مارنے کا وقت:

س: شیطان کو کنکریاں مارنے کا وقت کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کب تک کنکریاں مارنا جائز ہے؟ برائے مہربانی اس کو بھی تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

ج: پہلے دن دسویں ذوالحجہ کو صرف جمرۂ عقبہ (بڑا شیطان) کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے مگر طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرنا خلاف سنت ہے۔ اس کا وقت مسنون طلوع آفتاب سے زوال تک ہے۔ زوال سے غروب تک بلا کراہت جواز کا وقت ہے اور غروب سے اگلے دن کی صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی عذر ہو تو غروب کے بعد بھی بلا کراہت جائز ہے۔ گیارہویں اور بارہویں کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے غروب آفتاب تک بلا کراہت اور غروب سے صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ مگر آج کل ہجوم کی وجہ سے غروب سے پہلے رمی نہ کر سکے تو غروب کے بعد بلا کراہت جائز ہے۔ تیرہویں تاریخ کی رمی کا مسنون وقت تو زوال کے

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۳۰

بعد ہے لیکن صبح صادق کے بعد زوال سے پہلے اس دن کی رمی کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

رات کے وقت رمی:

س: رمی جمرات کے وقت کافی رش ہوتا ہے اور حجاج پاؤں تلے دب کر مر جاتے ہیں' تو کیا کمزور مرد و عورت بجائے دن کے رات کے کسی حصہ میں رمی کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہاں کے علماء کا کہنا ہے کہ چوبیس گھنٹے رمی جمار کر سکتے ہیں؟

ج: طاقتور مردوں کو رات کے وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔ البتہ عورتیں اور کمزور مرد اگر عذر کی بنا پر رات کو رمی کریں تو ان کے لئے نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

ترتیب بدلنے سے دم نہیں:

س: ایک صاحب نے اس سال حج بیت اللہ ادا فرمایا اور شیطانوں پر کنکریاں مارنے کے سلسلہ میں تاریخ دس' گیارہ' بارہ یعنی تین یوم میں بھول یا غلطی سے جمرۂ عقبیٰ سے شروع ہو کر جمرۂ اولیٰ پر ختم کیں تو اس غلطی و بھول کی کیا سزا و جزا ہے؟ اس سے حج میں فرق آیا یا نہیں؟

ج: چونکہ جمرات میں ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے اور ترک سنت پر دم نہیں آتا اس لئے نہ حج میں کوئی خرابی آئے گی اور نہ دم واجب ہوگا۔ البتہ ترک سنت سے کچھ اساءت آتی ہے یعنی خلاف سنت کام کیا۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص جمرۂ اولیٰ کی رمی کے بعد علی الرتیب جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کی رمی دوبارہ کر لیتا تو اس کا فعل سنت کے مطابق ہو جاتا اور اساءت ختم ہو جاتی۔[1]

دسویں ذی الحجہ کو مغرب کے وقت رمی:

س: لوگوں کے کہنے کے مطابق کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی کرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ خواتین ہمارے ساتھ تھیں۔ ہم نے صبح کے بجائے مغرب کے وقت رمی کی کیا یہ عمل صحیح ہوا؟

ج: مغرب تک رمی کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جب تک رمی نہ کر لیں تب تک تمتع اور قران کی قربانی نہیں کر سکتے اور جب تک قربانی نہ کر لیں' بال نہیں کٹا سکتے۔ اگر آپ نے اس شرط کو ملحوظ رکھا تو ٹھیک کیا۔

کسی سے کنکریاں مروانا:

س: میں نے اپنے شوہر کے ساتھ حج کیا ہے۔ چونکہ میرے شوہر بہت بیمار ہو گئے تھے اور میرے ساتھ اپنا کوئی خاص نہیں تھا جس کی وجہ سے میں کنکریاں خود نہیں مار سکی نہ میرے شوہر۔ ہمارے ساتھ جو اور لوگ تھے ان کی بھی کوئی عورت نہیں گئی کنکریاں مارنے ان کی طرف سے اور میری اور میرے شوہر کی طرف سے ہمارے ساتھ والے مردوں نے ہی کنکریاں مار دیں۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جو آدمی نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے وہ کنکریاں خود مارے اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کا فدیہ دے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۳۰

اب مجھے بہت فکر ہوگئی ہے آپ مجھے بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ہم نے اپنی قربانی بھی انہیں لوگوں کی معرفت کرائی تھی۔

ج: آپ کے ذمہ قربانی لازم ہوگئی مکہ جانے والے کسی آدمی کے ہاتھ رقم بھیج دیجئے اور اس کو تاکید کر دیجئے کہ وہ بکری ذبح کرادے۔[۱]

جمرات کی رمی کرنا:

س: دوسرے کی طرف سے منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: حالت عذر میں دوسرے کی طرف سے رمی کرنے کا طریقہ فقہاء نے یوں لکھا ہے کہ پہلے اپنی طرف سے سات کنکریاں مارے اور پھر دوسرے کی طرف سے نیابت کے طور پر سات کنکریاں مارے۔ ایک کنکری اپنی طرف سے مارنا اور دوسری دوسرے شخص کی طرف سے مارنے کو مکروہ لکھا ہے۔[۲]

بیمار کی طرف سے رمی کرنا:

س: ایک شخص بیماری یا کمزوری کی حالت میں حج کرتا ہے اب وہ جمرات کی رمی کس طرح کرے؟ کیا وہ کسی دوسرے سے رمی کروا سکتا ہے؟

ج: جو شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے اور اگر اس کو آنے میں مرض بڑھنے یا تکلیف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اب اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو وہ معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ جس کو معذوری نہ ہو اس کا دوسرے کے ذریعہ رمی کرانا جائز نہیں، بہت سے لوگ محض ہجوم کی وجہ سے دوسرے کو کنکریاں دے دیتے ہیں۔ ان کی رمی نہیں ہوتی۔ البتہ سخت ہجوم میں ضعیف و ناتواں لوگ پس جاتے ہیں گو وہ چلنے سے معذور نہیں۔ لہٰذا ان کے لئے رات کو رمی کرنا افضل ہے۔[۳]

حلق یا قصر کرانا

رمی جمار کے بعد سر منڈانا:

س: بعض حاجی صاحبان ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کرنے سے پہلے ہی بال کٹوا لیتے یا سر منڈوا لیتے ہیں۔ حالانکہ قربانی کے بعد ہی احرام سے فارغ ہوا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں کیا کوئی جزا واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر حج مفرد کا احرام ہو تو قربانی اس کے ذمہ واجب نہیں اس لئے رمی کے بعد سر منڈا سکتا ہے اور اگر تمتع یا قران کا احرام تھا تو رمی کے بعد پہلے قربانی کرے پھر احرام کھولے اگر قربانی سے پہلے احرام کھول دیا تو اس پر دم لازم ہوگا۔[۴]

---

[۱] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۳، ۱۴۴ [۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔ [۴] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۱

بار بار عمرہ کرنے والے کے لئے حلق لازم ہے:

س: حج وعمرہ کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ حج یا عمرہ کے بعد اگر سر کے بال انگلی کے پورے سے چھوٹے ہیں تو قصر نہیں ہوسکتی۔ حلق ہی کرنا پڑے گا اگر بال انگلی کے پورے سے بڑے ہیں پھر قصر ہوسکتی ہے۔ عرض ہے کہ جو لوگ طائف' جدہ یا مکہ مکرمہ کے قریب رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دیتا ہے تو وہ ہر مہینے ۲-۳ عمرے ادا کرنا چاہیں اور ان کے بال چھوٹے ہوں تو کیا وہ ہمیشہ حلق ہی کرتے رہیں گے؟ کیونکہ ایک مرتبہ حلق کروانے سے کم از کم ۲ ماہ تو بال اتنے نہیں بڑھتے کہ قصر کرائی جاسکے۔ اگر کوئی خوش نصیب ہر جمعہ کو عمرہ ادا کرنا چاہے اور حلق نہیں کروانا چاہتا تو کیا قصر کراسکتا ہے؟

ج: قصر اس وقت ہوسکتا ہے جب سر کے بال انگلی کے پورے کے برابر ہوں لیکن اگر بال اس سے چھوٹے ہوں تو حلق متعین ہے۔ قصر صحیح نہیں' اس لئے جو حضرات بار بار عمرے کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ ہر عمرہ کے بعد حلق کرایا کریں۔ قصر سے ان کا احرام نہیں کھلے گا۔[1]

حج وعمرہ میں کتنے بال کٹوائیں:

س: حج یا عمرہ مسلمان کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ ان کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ رکن مقرر کئے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو حج یا عمرہ نہیں ہوتا۔ ان دونوں فریضوں میں ایک آخری رکن ہے۔ سر کے بال کٹانا۔ استرے سے یا مشین سے' یعنی سر کے ہر ایک بال کا چوتھا حصہ کٹانا چاہئے۔ آج کل جو لوگ حج یا عمرہ کے لئے آتے ہیں تو وہ تمام کے تمام بال یا بالوں کا چوتھا حصہ کٹانے کے بجائے قینچی سے ایک دو جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال بالکل کاٹ دیتے ہیں اور یہ رکن اس طرح پورا کرتے ہیں' کیا اس طرح بال کٹانے سے رکن پورا ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ بال استرے سے مونڈنا زیادہ افضل ہے۔ نہیں تو چوتھا حصہ بالوں کا۔

ج: احرام کھولنے کے لئے سر کے بال اتارنا ضروری ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ حلق کرانا ہے۔ یعنی استرے سے سر کے بال صاف کر دینا۔ یہ سب سے افضل ہے اور ایسے لوگوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے تین بار رحمت کی دعا فرمائی۔ جو لوگ دور دور سے سفر کر کے حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی تین بار کی دعائے رحمت سے محروم رہتے ہیں ان کی حالت بہت ہی افسوس کے لائق ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بالوں کے عشق میں دعائے خیر سے محروم ہو جانے کو گوارا کرلیا۔ گویا ان کی حالت اس شعر کے مصداق ہے ۔

کعبے بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا
اور زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

دوسرا درجہ یہ ہے کہ پورے سر کے بال مشین یا قینچی سے اتار دیئے جائیں۔ اس کی فضیلت حلق (سر منڈانے) کے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۲

برابر نہیں۔لیکن تین مرتبہ حلق کرانے والوں کے لئے دعا کرنے کے بعد چوتھی مرتبہ دعا میں ان لوگوں کو بھی شامل فرمایا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کم سے کم چوتھائی سر کے بال ایک پورے کے برابر کاٹ دیئے جائیں۔ جو شخص چوتھائی سر کے بال نہ کٹوائے اس کا احرام ہی نہیں کھلتا اور اس کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا اور بیوی کے پاس جانا بدستور حرام رہتا ہے۔ جو لوگ اوپر اوپر سے دو چار بال کٹا کر کپڑے پہن لیتے ہیں۔ وہ گویا احرام کی حالت میں کپڑے پہنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ذمہ جنایت کا دم لازم آتا رہتا ہے۔

س: ہم لوگ یہاں سعودی عرب میں بغرض ملازمت مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہمیں حج اور عمرہ ادا کرنے کی سعادت اکثر نصیب ہوتی رہتی ہے۔ مگر عمرہ ادا کرنے کے بعد ہم لوگ اکثر یہ غلطی کرتے رہے ہیں کہ مقامی لوگوں' مصری' یمنی اور سوڈانی لوگوں کو دیکھا دیکھی سر کے بال صرف دو تین جگہ سے معمولی سے کاٹ کر احرام کھول دیتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں اس طرح کرنے سے احرام سے خارج نہیں ہوتے' کیونکہ فقہ حنفیہ میں اس طرح کرنا جائز نہیں بلکہ کم از کم سر کے چوتھائی بال کاٹنے چاہئیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر بال کا چوتھائی حصہ کاٹنا ضروری ہے جو کہ بہت مشکل ہے۔ عمرہ کی کتابوں سے بھی یہ بات واضح طور سے نہیں ملتی ہے۔ آپ سے مؤدبانہ عرض ہے کہ برائے مہربانی بال کٹوانے کا مسئلہ اور اب تک جو عمرے غلطی کے ساتھ کئے ہیں ان کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے تفصیلاً اور واضح طور سے روزنامہ جنگ جمعہ ایڈیشن کے اسلامی صفحہ میں چھاپ کر ان لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح فرمائیں جو یہ غلطی کر رہے ہیں۔ مشاہدہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ عمرہ ادا کرنے آنے والے پاکستانی اور انڈین حضرات میں سے ۹۰ فیصد لوگ مقامی لوگوں کی تقلید کرتے ہوئے اسی غلطی کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔

ج: احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم سے کم چوتھائی سر کے بال کاٹنا احرام کھولنے کے لئے شرط ہے۔ اگر چوتھائی سر کے بال نہیں کاٹے تو احرام نہیں کھلا۔ اس صورت میں احرام کے منافی عمل کرنے سے دم لازم آئے گا۔[1]

رمی کے بقیہ مسائل

دوسرے کو کنکریاں دے کر چلا جانا:

س: میرے ایک دوست جن کا تعلق انڈیا سے ہے۔ اس مرتبہ ان کا ارادہ حج کرنے کا بھی ہے اور اپنے وطن جا کر گھر والوں کے ساتھ عید کرنے کا بھی۔ جبکہ عربی کیلنڈر کے مطابق عربی کی دس بروز جمعرات ہے اور اس طرح سے حج جمعرات کو ہو جاتا ہے۔ لیکن شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے تین دن تک منیٰ میں رکنا پڑتا ہے۔ میرے دوست چاہتے ہیں کہ جمعہ کی صبح والی فلائٹ سے انڈیا روانہ ہو جائیں اور اپنی کنکریاں مارنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو دے دیں تو کیا اس صورت میں اس کے حج کے تمام فرائض ادا ہو جاتے ہیں؟ اور حج مکمل ہو جاتا ہے یا کہ نہیں؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۲

ج: جمرات کی رمی واجب ہے اوراس کے ترک پر دم لازم آتا ہے۔آپ کے دوست بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔اپنی کنکریاں کسی دوسرے کے حوالے کر کے خود چلے آنا جائز نہیں۔ان کا حج ناقص رہے گا ان کا دم لازم آئے گا اور وہ قصداً حج کا واجب چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔تعجب ہے کہ ایک شخص اتنا خرچ کر کے آئے اور پھر حج کو ادھورا اور ناقص چھوڑ کر بھاگ جائے۔اگر ایک سال عید گھر والوں کے ساتھ نہ کی جائے تو کیا حرج ہے؟ واضح رہے کہ جو شخص خود رمی کرنے پر قادر ہو اس کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا رمی کر دینا کافی نہیں۔بلکہ اس کے ذمہ بذات خود رمی کرنا لازم ہے۔البتہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار یا معذور ہو کہ خود جمرات تک آنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کی طرف سے نیابت جائز ہے کہ اس کے حکم سے دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کر دے۔

١٢ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی:

س: ١٢ ذوالحجہ کو اکثر دیکھا گیا کہ لوگ زوال سے پہلے رمی کر کے نکل جاتے ہیں کہ بعد میں رش ہو جائے گا اس لئے قبل از وقت مار کر نکل جاتے ہیں پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ عمل درست ہے اور اگر درست نہیں تو جس نے کر لیا اس پر کیا تاوان آئے گا اس کا حج درست ہوا یا فاسد؟

ج: صرف دس ذوالحجہ کی رمی زوال سے پہلے ہے۔١١-١٢ کی رمی زوال کے بعد ہی ہو سکتی ہے اگر زوال سے پہلے کر لی تو وہ رمی ادا نہیں ہوئی اس صورت میں دم واجب ہو گا۔البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کر کے جانا جائز ہے۔

عورتوں اور ضعفاء کا بارہویں اور تیرہویں کی درمیانی شب میں رمی کرنا:

س: عورتوں اور ضعفاء کے لئے تو رات کو کنکریاں مارنا جائز ہے لیکن بارہویں ذوالحجہ کو اگر وہ غروب آفتاب کے بعد ٹھہریں اور رات کو رمی کریں تو کیا ان پر تیرہویں کی رمی بھی لازم ہوتی ہے؟ صحیح مسئلہ کیا ہے؟

ج: بارہویں تاریخ کو بھی عورتیں و دیگر ضعفاء و کمزور حضرات رات کو رمی کر سکتے ہیں۔بارہویں تاریخ کو منیٰ سے غروب آفتاب کے بعد بھی تیرہویں کی فجر سے پہلے آنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔اس لئے اگر تیرہویں تاریخ کی صبح صادق ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل جائیں تو تیرہویں تاریخ کی رمی لازم نہیں ہو گی اور اس کے چھوڑنے پر دم لازم نہیں آئے گا۔ہاں! اگر تیرہویں کی فجر بھی منیٰ میں ہو گئی تو پھر تیرہویں کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے۔اس کے چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔

تیرھویں کو صبح سے پہلے منیٰ سے نکلنا:

س: مسئلہ یہ ہے کہ بارہویں تاریخ کو ہم یعنی عورتوں نے رات کو رمی کا فعل ادا کیا اور پھر غروب کے بعد وہاں سے نکلے۔پوچھنا میں یہ چاہتی ہوں کہ غروب کے بعد نکلنے سے تیرہ کا ٹھہرنا ضروری تو نہیں ہو گیا کیونکہ بعض لوگوں نے وہاں بتلایا کہ بارہ کو منیٰ سے دیر سے نکلنے پر تیرہ کی رمی کرنا واجب ہو جاتی ہے اور یہ بھی بتلائیں کہ ہمارے ان عملوں سے کوئی حج میں نقص و فساد تو نہیں آیا اگر آیا تو اس کا تاوان کیا ہے؟

ج: بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں تیرہویں تاریخ کی رمی لازم نہیں ہوتی بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے منیٰ سے نکل گیا ہو اور اگر منیٰ میں تیرہویں تاریخ کی صبح صادق ہوگئی تو اب تیرہویں تاریخ کی رمی بھی واجب ہوگئی۔ اب اگر رمی کئے بغیر منیٰ سے جائے گا تو دم لازم ہوگا۔

قربانی کے مسائل

حج میں قربانی کریں یا دم شکر:

س: اب تک تو میں نے سنا تھا کہ قربانی ایک ہوتی ہے جو کہ عرصہ سے ہم ادھر کرتے آئے ہیں۔ آج ہمارے ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ قربانی کے دنوں میں جو قربانی ہوتی ہے وہ دم ہے حج کا' اور قربانی کا کرنا حاجی پر ضروری نہیں کیونکہ حاجی مسافر ہوتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ بات کہاں تک درست ہے؟

ج: جس شخص کا حج تمتع یا قران ہو اس پر حج کی وجہ سے قربانی واجب ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر حج وعمرہ میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اس کی وجہ سے بھی بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوجاتی ہے اس کو دم کہتے ہیں۔

بقرعید کی عام قربانی دو شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ ایک یہ کہ آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ دوم یہ کہ حج کے ضروری اخراجات ادا کرنے کے بعد اس کے پاس قربانی کی گنجائش ہو۔ اگر مقیم نہیں تو قربانی واجب نہیں اور اگر حج کے ضروری اخراجات کے بعد قربانی کی گنجائش نہیں تب بھی اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں۔[1]

کیا حاجی پر عید کی قربانی بھی واجب ہے:

س: جو حضرات پاکستان سے حج کے لئے جاتے ہیں ان کے لئے وہاں حج کے دوران ایک قربانی واجب ہے یا دو واجب ہیں اور اگر ایک قربانی کردی ہو تو اب کیا کیا جائے؟

ج: جو حاجی صاحبان مسافر ہوں اور انہوں نے حج تمتع یا قران کیا ہو ان پر صرف حج کی قربانی واجب ہے اور اگر انہوں نے حج مفرد کیا ہو تو ان کے ذمہ کوئی قربانی واجب نہیں اور جو حاجی مسافر نہ ہوں بلکہ مقیم ہوں ان پر بشرط استطاعت عید کی قربانی بھی واجب ہے۔[2]

مسافر حاجی پر قربانی:

س: کیا مسافرت میں قربانی معاف ہے۔ دوران حج جب کہ حالت سفر ہوتی ہے اس وقت بھی قربانی معاف ہے؟

ج: دوران سفر عام طور پر حاجی سفر میں ہوتا ہے اس لئے اس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی واجب نہیں' البتہ اگر حاجی نے حج تمتع یا حج قران کا احرام باندھا ہے تو اس پر اس حج کی قربانی واجب ہوگی عیدالاضحیٰ کی نہیں۔ البتہ اگر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی کرلے تو ثواب ہوگا۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۲۷ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

میقات سے باہر رہنے والا شخص جو آفاقی کے حکم میں ہے۔ حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرے تو اس پر شکرانہ کے طور پر ایک دم واجب ہے۔ خواہ حج فرض ہو یا نفل دونوں صورتوں میں دم تمتع یا دم قران واجب ہے۔ یہ دم قربانی کے علاوہ ہے۔[1]

رمی مؤخر ہونے پر قربانی بھی بعد میں ہوگی:

س: ہجوم وغیرہ کی وجہ سے اگر عورت رات تک رمی مؤخر کرے تو کیا اس کے حصے کی قربانی پہلے کی جا سکتی ہے؟

ج: جس شخص کا تمتع یا قران کا احرام ہو اس کے لئے رمی اور قربانی میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے رمی کرے، پھر قربانی کرے، پھر احرام کھولے۔ پس جس عورت نے تمتع یا قران کیا ہو اگر وہ ہجوم کی وجہ سے رات تک رمی کو مؤخر کرے تو قربانی کو بھی رمی سے فارغ ہونے تک مؤخر کرنا لازم ہوگا۔ جب تک وہ رمی نہ کرے اس کے حصہ کی قربانی نہیں ہو سکتی اور جب تک قربانی نہ ہو جائے، اس کا احرام نہیں کھل سکتا۔[2]

حاجی کا قربانی کے لئے کسی جگہ رقم جمع کروانا:

س: قربانی کے لئے مدرسہ صولتیہ میں رقم جمع کروائی۔ اپنے ہاتھ سے یہ قربانی نہیں کی یہ عمل صحیح ہوا؟

ج: حاجی کو مزدلفہ سے منیٰ آ کر چار کام کرنے ہوتے ہیں۔ (۱) رمی (۲) قربانی (۳) حلق (۴) طواف افاضہ، پہلے تین کاموں میں ترتیب واجب ہے، یعنی سب سے پہلے رمی کرے، پھر قربانی کرے (جبکہ حج تمتع یا قران کیا ہو) اس کے بعد بال کٹائے۔ اگر ان تین کاموں میں ترتیب قائم نہ رکھی مثلاً رمی سے پہلے قربانی کر دی یا حلق کرا لیا، یا قربانی سے پہلے حلق کرا لیا تو دم واجب ہے۔ اب آپ نے جو صولتیہ میں رقم جمع کروائی تو ضروری تھا کہ وہ قربانی آپ کی رمی کے بعد اور حلق سے پہلے ہو اگر آپ نے رمی نہیں کی تھی کہ انہوں نے آپ کی طرف سے قربانی کر دی تو دم لازم آیا، یا انہوں نے قربانی نہیں کی تھی اور آپ نے حلق کرا لیا تب بھی دم لازم آ گیا۔ اس لئے ان سے تحقیق کر لی جائے کہ انہوں نے قربانی کس وقت کی تھی۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ آپ نے حج قران یا تمتع کیا ہو لیکن اگر آپ نے صرف حج مفرد کیا تھا تو قربانی آپ کے ذمہ واجب نہیں تھی اور آپ رمی کے بعد حلق کرا سکتے ہیں۔[3]

بینک کے ذریعہ قربانی کروانا:

س: میرا اور میری بیوی کا حج پر جانا ہوا۔ حج سے پہلے ہم نے قربانی کے پیسے وہاں کے بینک میں جمع کرا دیئے تا کہ اس دن مذبح خانہ جانے کی پریشانی نہ ہو لیکن یہاں آ کر میرے بھائی نے بتلایا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس بنا پر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ عمل ٹھیک ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے اور پھر اس عمل سے حج میں کوئی نقص آیا ہوگا وہ

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۳ [2] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۳۸ [3] ایضاً۔

نقص کیا ہے اور اب اس کا کیا تاوان ہے جس کی وجہ سے وہ غلطی پوری ہو جائے؟

ج: جس شخص کا حج تمتع یا قران کا ہو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ پہلے قربانی کی جائے اس کے بعد حلق کرایا جائے۔ اگر قربانی سے پہلے حلق کرالیا تو دم واجب ہوگا۔ آپ نے بینک میں جو رقم جمع کرائی۔ آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ آپ کے نام کی قربانی ہو جانے کے بعد آپ نے حلق کرایا یا پہلے کرالیا۔ اس لئے آپ کے ذمہ احتیاطاً دم لازم ہے۔

س: اکثر حج کے دنوں میں دیکھا گیا ہے کہ حاجی حضرات وہاں کے بینک میں قربانی کی رقم جمع کراتے ہیں اور پھر دسویں ذوالحجہ کو رمی کے بعد فوراً حلق کر کے احرام اتار لیتے ہیں حالانکہ بینک والے قربانی بے ترتیب اور بغیر حساب کے مسلسل تین دن تک کرتے ہیں جس میں کوئی معلوم نہیں کہ پہلے کس کی قربانی ہوگی تاکہ اس اعتبار سے حلال ہو، پوچھنا یہ ہے کہ حاجیوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ کیا یہ لوگ بغیر قربانی کے احرام اتار سکتے ہیں یا نہیں اور مسنون اور واجب طریقہ کیا ہے؟

ج: جس شخص کا حج تمتع یا قران ہو اس پر قربانی واجب ہے اور اس قربانی کا حلق سے پہلے کرنا واجب ہے۔ اگر حلق کرالیا اور قربانی نہیں کی تو دم لازم آئے گا جو لوگ بینک میں قربانی کی رقم جمع کراتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ بینک والوں سے وقت کا تعین کرالیں اور پھر قربانی کے دن قربان گاہ پر اپنا آدمی بھیج کر اپنے نام کی قربانی کو ذبح کرادیں اس کے بعد حلق کرائیں۔ جب تک کسی حاجی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی قربانی ہو چکی ہے یا نہیں اس وقت تک اس کا حلق کرنا جائز نہیں ورنہ دم لازم آئے گا اس لئے یا تو اس طریقہ پر عمل کیا جائے جو میں نے لکھا ہے یا پھر بینک میں رقم جمع ہی نہ کرائی جائے بلکہ اپنے طور پر قربانی کا انتظام کیا جائے۔[1]

طوافِ زیارت

طواف زیارت رمی یا ذبح سے پہلے کرنا:

س: حج تمتع اور حج قران کرنے والوں کے لئے رمی، قربانی اور بال کٹوانا اسی ترتیب کے ساتھ کرنا ہوتا ہے یا اس کی اجازت ہے کہ رمی کے بعد احرام کی حالت میں مسجد حرام جا کر طواف زیارت کر لیا جائے اور پھر منیٰ آ کر قربانی اور بال کٹوائے جائیں؟

ج: جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو اس کیلئے تین چیزوں میں تو ترتیب واجب ہے۔ پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی کرے، پھر بال کٹائے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف کیا تو دم لازم ہوگا۔ لیکن ان تین چیزوں کے درمیان اور طواف زیارت کے درمیان ترتیب واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔ پس ان تین چیزوں سے علی الترتیب فارغ ہو کر طواف زیارت کے لئے جانا سنت ہے۔ لیکن اگر کسی نے ان تین چیزوں سے پہلے طواف زیارت کر لیا تو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۴ ص ۱۳۸

ہے۔ مگر اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔[1]

کیا ضعیف مرد یا عورت ۷ یا ۸ ذوالحجہ کو طواف زیارت کر سکتے ہیں:

س: کوئی مرد یا عورت جو نہایت کمزوری کی حالت میں ہوں اور ۱۰ ذوالحجہ یا ۱۱ ذوالحجہ کو حرم شریف میں بہت رش ہوتا ہے۔ تو کیا ایسا شخص سات یا آٹھ ذوالحجہ کو طواف زیارت کر سکتا ہے یا نہیں؟ تا کہ آنے جانے کے سفر سے بچ جائے۔ نیز اگر کوئی تیرہ یا چودہ تاریخ کو طواف زیارت کر لے تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟

ج: طواف زیارت کا وقت ذوالحجہ کی دسویں تاریخ (یوم النحر) کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے طواف زیارت جائز نہیں اور اس کو بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہونے سے پہلے ادا کر لینا واجب ہے۔ پس اگر بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو گیا اور اس نے طواف زیارت نہیں کیا تو اس کے ذمہ دم لازم آئے گا۔[2]

حیض کی وجہ سے طواف زیارت چھوڑنا:

س: اگر کسی عورت کی بارہ ذوالحجہ کی فلائٹ ہے اور وہ اپنے خاص ایام میں ہے تو کیا وہ طواف زیارت ترک کر کے وطن آ جائے اور دم دے دے یا کوئی مانع چیز (دوائی وغیرہ) استعمال کر کے طواف ادا کرے۔ براہ مہربانی واضح فرمائیں کہ ایسی صورت میں کیا کرے؟

ج: بڑا طواف حج کا فرض ہے۔ وہ جب تک ادا نہ کیا جائے میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتے اور احرام ختم نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس طواف کے بغیر آ جائے تو اس پر لازم ہے کہ نیا احرام باندھے بغیر واپس جائے اور جا کر طواف کرے جب تک نہیں کرے گا۔ میاں بیوی کے تعلق کے حق میں احرام میں رہے گا اور اس کا حج بھی نہیں ہوتا اس کا کوئی بدل بھی نہیں۔ دم دینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ واپس جا کر طواف کرنا ضروری ہوگا۔

جو خواتین ان دنوں میں ناپاک ہوں ان کو چاہئے کہ اپنا سفر ملتوی کر دیں اور جب تک پاک ہو کر طواف نہیں کر لیتیں مکہ مکرمہ سے واپس نہ جائیں۔ اگر کوئی تدبیر ایام کے روکنے کی ہو سکتی ہے تو پہلے سے اس کا اختیار کر لینا جائز ہے۔[3]

س: ناپاکی (حیض) کے باعث عورت طواف زیارت نہ کر سکی کہ واپسی کا سرکاری حکم ہو گیا۔ اب اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: طواف زیارت حج کا اہم ترین رکن ہے۔ جب تک یہ طواف نہ کر لیا جائے' نہ تو حج مکمل ہوتا ہے' نہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہوتے ہیں۔ جن خواتین کو طواف زیارت کے دنوں میں ''خاص ایام'' کا عارضہ پیش آ جائے انہیں چاہئے کہ پاک ہونے تک مکہ مکرمہ سے واپس نہ ہوں بلکہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت سے فارغ ہو کر واپس ہوں۔ اگر ان کی واپسی کی تاریخ مقرر ہو تو اس کو تبدیل کرا لیا جائے' اگر طواف زیارت کے بغیر واپس آ گئی تو اس کا حج نہیں ہوگا اور نہ وہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔ جب تک کہ واپس جا کر طواف زیارت نہ کر لے اور جب تک طواف زیارت

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۶ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۸

نہ کرلے احرام کی حالت میں رہے گی۔ جو شخص طواف زیارت کے بغیر واپس آ گیا ہو اسے چاہئے کہ بغیر نیا احرام باندھے کے مکہ مکرمہ جائے اور طواف زیارت کرے۔ تاخیر کی وجہ سے اس پر دم بھی لازم ہوگا۔[1]

حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرنا:

س: آج کل حج کے سفر میں آمد و رفت کی تاریخ پہلے ہی سے متعین ہوتی ہے۔ تبدیل کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے اور کافی پریشانی ہوتی ہے۔ کبھی دو تین ماہ وہاں قیام کرنا پڑتا ہے۔ پھر جہاز میں سیٹ نہیں ملتی۔ ایسی مجبوری کی حالت میں کیا عورت حیض کی حالت میں طوافِ زیارت کرسکتی ہے یا نہیں؟

ج: حیض کی حالت میں حج کا رکن اعظم ''طواف زیارت'' کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔ حدثِ اکبر کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا پڑے گا۔ جبکہ اس حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا حرام ہے۔ لہٰذا پاک ہونے کے بعد ہی طواف زیارت کرنے کی کوشش کرے۔[2]

اگر بالفرض پاک ہونے تک عورت کا ٹھہرنا کسی طور ممکن نہ ہو تو ایسی حالت ہی میں اگر یہ عورت طواف کرے گی تو اس کا طوافِ زیارت ادا ہو جائے گا۔ مگر دوگانہ طواف پاک ہونے تک نہ پڑھے اور اگر حج کی سعی پہلے نہ کر چکی ہو تو اب طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرے۔

حائضہ عورت نے چونکہ یہ طواف ناپاکی کی حالت میں کیا ہے۔ اس لئے بطور کفارہ اس پر سالم گائے یا سالم اونٹ کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا لازم ہے تاکہ نقصان کی تلافی ہو سکے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے خوب استغفار کرے اور معافی بھی مانگے۔[3]

طوافِ وداع

طواف وداع کب کیا جائے:

س: زیادہ تر لوگوں سے یہ بات سننے میں آئی ہے کہ طواف وداع کے بعد حرم شریف میں نہیں جانا چاہئے۔ یعنی اگر مغرب کے بعد طواف وداع کیا اور عشاء کے بعد مکہ مکرمہ سے روانگی ہے تو عشاء کی نماز کے لئے حرم شریف میں نہ جائے۔ کیا یہ خیال درست ہے؟ نیز اگر کیا تو کیا طواف وداع کا اعادہ ضروری ہے؟

ج: اگر کسی نے طواف وداع کر لیا اور اس کے بعد مکہ معظمہ میں رہا تو وہ مسجد حرام میں جا سکتا ہے اور اس پر طواف وداع کا اعادہ واجب نہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ جب مکہ سے چلنے لگے تو طواف وداع کرے تاکہ اس کی آخری ملاقات بیت اللہ شریف کے ساتھ ہو چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی دن کو طواف وداع کر کے عشاء تک مکہ میں ٹھہر گیا تو میرے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۸ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۲۸۰ [3] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۷۹

نزدیک بہت پسندیدہ ہے کہ وہ وداع کی نیت سے دوسرا طواف کرے تاکہ نکلنے کے ساتھ اس کا طواف متصل ہو۔ الغرض یہ خیال کہ طواف وداع کے بعد حرم شریف میں نہیں جانا چاہئے۔ بالکل غلط ہے۔[1]

طواف وداع کا مسئلہ:

س: اس سال خانہ کعبہ کے حادثہ کی وجہ سے بہت سے حاجی صاحبان کو یہ صورت پیش آئی ہے کہ اس حادثہ سے پہلے وہ جب تک مکہ شریف میں رہے نفلی طواف تو کرتے رہے مگر آتے وقت طواف وداع کی نیت سے طواف نہیں کر سکے۔ میں نے ایک مسجد کے خطیب صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو دم بھیجنا ہوگا مگر ''معلم الحجاج'' میں مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ:

''طواف زیارت کے بعد اگر نفلی طواف کر چکا ہے تو وہ بھی طواف وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حاجی صاحبان کا طواف وداع ادا ہو گیا اور ان کو دم بھیجنے کی ضرورت نہیں' خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ معلم الحجاج کا یہ مسئلہ غلط ہے۔ ان لوگوں کا طواف وداع ادا نہیں ہوا۔ اس لئے ان کو دم بھیجنا چاہئے۔ چونکہ یہ صورت بہت سے حاجی صاحبان کو پیش آئی ہے اس لئے براہِ مہربانی آپ بتائیں کہ ان کو دم بھیجنا ہوگا یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ اگر طواف زیارت کے بعد نفلی طواف کر چکا ہے تو وہ بھی طواف وداع کا قائم مقام ہوگا جواب اخبار جنگ کے ذریعہ دیں تاکہ تمام حاجی صاحبان پڑھ لیں۔

ج: فتح القدیر میں ہے:

((والحاصل ان المستحب فيه ان يوقع عند ارادة السفر اما وقته على التعين فأوله بعد طواف الزيارة اذا كان على عزم السفر)) (ص۸۸ ج۲)

ترجمہ: ''حاصل یہ کہ مستحب تو یہ ہے کہ ارادہ سفر کے وقت طواف وداع کرے۔ لیکن اس کا وقت طواف زیارت کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ سفر کا عزم ہو (مکہ مکرمہ میں رہنے کا ارادہ نہ ہو)۔''

((فلو طاف بعد ارادة السفر ونوى التطوع اجزأه عن الصدر)) (ردالمحتار صفحہ ۵۲۳ جلد۲)

ترجمہ: ''پس اگر سفر کا ارادہ ہونے کے بعد نفل کی نیت سے طواف کر لیا تو طواف وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔''

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک یہ کہ طواف وداع کا وقت طواف زیارت کے بعد شروع ہو جاتا ہے بشرطیکہ حاجی مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہونے کی نیت نہ رکھتا ہو بلکہ وطن واپسی کا عزم رکھتا ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طواف وداع کے وقت میں اگر نفل کی

---

[1] آپ کے مسائل ج۴ ص۱۴۸

نیت سے طواف کرلیا جائے تب بھی طواف وداع ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ واپسی کے ارادہ کے وقت طواف وداع کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معلم الحجاج کا مسئلہ صحیح ہے۔ جن حضرات نے طواف زیارت کے بعد نفلی طواف کئے ہیں ان کا طواف وداع ادا ہو گیا۔ ان کے ذمہ دم واجب نہیں۔[1]

حائضہ کے لئے طوافِ وداع لازم نہیں:

س: ایک عورت حیض کی وجہ سے طوافِ وداع نہیں کرسکی۔ پاک ہونے سے پہلے اس کی روانگی کی فلائٹ کا وقت ہو گیا تھا۔ کیا اس پر دم آئے گا؟

ج: ایام حیض میں عورت کے لئے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے۔ اگر حیض کی وجہ سے عورت نے طوافِ وداع ترک کردیا تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

حج بدل

حج بدل کی شرائط:

س: حج بدل کی کیا شرائط ہیں؟ کیا سعودی عرب میں مقیم شخص کسی پاکستانی کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

ج: جس شخص پر حج فرض ہوا اور اس نے ادائیگی حج کے لئے وصیت بھی کی تھی۔ تو اس کا حج بدل اس کے وطن سے ہوسکتا ہے۔ سعودی عرب سے جائز نہیں۔ البتہ اگر بغیر وصیت کے یا بغیر فرضیت کے کوئی شخص اپنے عزیز کی جانب سے حج بدل کرتا ہے تو وہ حج نفل برائے ایصال ثواب ہے۔ وہ ہر جگہ سے صحیح ہے۔[3]

حج بدل کون کرسکتا ہے؟

س: حج بدل کون شخص کرسکتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں۔ جس نے اپنا حج ادا کرلیا ہو وہی بدل کرسکتا ہے۔ اگر کسی کے ذمہ حج فرض نہیں تو کیا وہ شخص حج بدل ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

ج: حنفی مسلک کے مطابق جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کا کسی کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے۔ مگر مکروہ ہے۔[4]

ج: جس شخص پر پہلے سے (اپنا) حج فرض ہو چکا ہے۔ اس کا حج بدل کو جانا تو باتفاق مکروہ تحریمی ہے اور جس پر حج فرض نہیں ہے اور اس کو استطاعت نہیں ہے۔ اس پر چونکہ بعض علماء محققین کے نزدیک مکہ معظمہ پہنچ کر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان علماء کے نزدیک وہ بھی تارک فرض ہونے کی وجہ سے مرتکب کراہت تحریمہ کا ہے۔ بہر حال جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اس کو حج بدل کرنا کسی صورت میں کراہت سے خالی نہیں ہے۔[5]

---

1. آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۴۹
2. فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۲۳۲
3. آپ کے مسائل ج ۴ ص ۶۸
4. ایضاً۔
5. فتاوی دار العلوم ج ۶ ص ۵۷۶

ضعیف کی طرف سے حج بدل:

س: ایک شخص پر حج فرض ہے۔ عمر ۶۲ برس کی ہے ضعیفی قویٰ' کمزور اور ناتواں ہے۔ اسے فکر ہے کہ سفری تکالیف کا متحمل نہ ہوسکوں گا۔ کیا ایسی حالت میں اسے خود جانا چاہئے یا حج بدل کرا سکتا ہے؟

ج: ایسے احتمالات سے حج بدل کرنا مسقط فرض نہیں ہے کیونکہ حج بدل کے لئے بالکل عاجز ہونا اصل کا شرط ہے۔[1]

نفل حج بدل کی کوئی شرط نہیں:

س: پاکستان سے کوئی شخص سعودی عرب میں مقیم کسی اپنے آدمی کو کہے کہ میری طرف سے حج یا عمرہ کر دیں۔ یا سعودیہ والا آدمی اپنے کسی رشتہ دار زندہ یا مردہ کا حج یا عمرہ ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

ج: نفل حج یا عمرہ مردہ کی طرف سے ہو یا زندہ کی طرف سے جائز ہے اور حج فرض دوسرے کی طرف سے کرنے کی متعدد شرائط ہیں۔[2]

حج بدل کوئی بھی کرسکتا ہے:

س: کون شخص حج بدل کرسکتا ہے۔ کیا جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے بدل پر بھیجنا چاہئے۔ کیونکہ غریب پر حج فرض ہی نہیں ہوتا تو حج بدل کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ امیر کا بھیجنا بہتر ہے یا غریب کا؟

ج: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا اس کو حج بدل کے لئے بھیجنے سے حج بدل ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کو حج بدل پر بھیجنا مکروہ ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو بھیجا جائے جو پہلے حج کر چکا ہو۔ خواہ غریب ہو یا امیر' غریب یا امیر کی بحث اس مسئلہ میں نہیں ہے۔[3]

والدین کی طرف سے حج بدل:

س: ایک شخص والدین کے انتقال کے بعد ان کی جانب سے حج بدل کرانا چاہتا ہے۔ ان کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

ج: فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر وصیت متوفی کے اگر ورثاء اس کی طرف سے تبرعاً حج کرا دیں تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا اور فرضیت ساقط ہو جائے گی اگرچہ یقینی نہیں اور حصول ثواب میں تو کچھ تردد ہی نہیں۔[4]

❀❀❀

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۵۵۷
[2] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۱۳
[3] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۶۷
[4] فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۵۷۲

مدینہ منورہ کی حاضری

زیارت روضۂ اطہر اور حج:

س: اگر کوئی شخص حج کے لئے جائے اور زیارت روضہ کئے بغیر آ جائے تو اس کا حج مکمل ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ہو جائے گا تو حدیث کے ساتھ اس کا ٹکراؤ آتا ہے لہٰذا ضروری تاکید کی جاتی ہے احقر کی ان مشکلات کا حل تحریر فرما کر ہمیشہ کے لئے مشکور فرمائیں۔

ج: آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے بغیر جو شخص واپس آ جائے حج تو اس کا ادا ہو گیا۔ لیکن اس نے بے مروتی سے کام لیا اور زیارت شریفہ کی برکت سے محروم رہا۔ یوں کہہ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے جانا ایک مستقل عمل مندوب ہے جو حج کے اعمال میں تو داخل نہیں مگر جو شخص حج پر جائے اس کے لئے یہ سعادت حاصل کرنا آسان ہے اس لئے حدیث میں فرمایا:

((من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی)) (رواہ ابن عدی بسند حسن شرح مناسک ملا علی قاری)

یعنی ''جس شخص نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ سے بے مروتی کی۔''[1]

مسجد نبویؐ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا اور شفاعت کی درخواست:

س: میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ آدمی مسجد نبویؐ کی زیارت کی نیت سے سفر نہیں کر سکتا اور سنا ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر شفاعت کی درخواست ممنوع ہے۔ بتلائیں کہ کیا یہ ٹھیک ہے اور روضہ مبارک پر دعا مانگنا کیسا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے کس طرف منہ کر کے مانگیں گے؟ آیا کعبہ کی جانب یا روضہ مبارک کی جانب اور مسجد نبویؐ میں کثرت درود افضل ہے یا تلاوت قرآن؟

ج: یہ تو آپ نے غلط سنا ہے یا غلط سمجھا ہے کہ مسجد نبویؐ (علی صاحبها الصلوات والتسلیمات) کی نیت سے سفر نہیں کر سکتے۔ اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ مسجد شریف کی نیت سے سفر کرنا صحیح ہے۔ البتہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ روضہ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر جائز نہیں۔ لیکن جمہور اکابر امت کے نزدیک روضہ شریف کی زیارت کی بھی ضرور

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۵۱

نیت کرنی چاہئے اور روضہ اطہر پر حاضر ہوکر شفاعت ممنوع نہیں۔ فقہائے امت نے زیارت نبوی ﷺ کے آداب میں تحریر فرمایا ہے کہ بارگاہِ عالی میں سلام پیش کرنے کے بعد شفاعت کی درخواست کرے۔ امام جزریؒ ''حصن حصین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرتؐ (کی قبر مبارک) کے پاس دعا قبول نہ ہوگی تو اور کہاں ہوگی؟ صلوٰۃ وسلام اور شفاعت کی درخواست پیش کرنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگے' مدینہ طیبہ میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے اور تلاوت قرآن کریم کی مقدار بھی بڑھا دینی چاہئے۔[1]

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں چالیس نمازیں:

س: میں یہاں عمرہ پر گیا۔ عمرہ ادا کر کے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حاضری دی اور اپنی نیت کے مطابق دونوں جگہ ایک ایک جمعہ پڑھ کر واپس آ گیا۔ یعنی مدینہ شریف میں چالیس نمازیں پوری نہیں کیں کیا اس کا کوئی گناہ ہے؟

ج: گناہ تو کوئی نہیں مگر مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس طرح چالیس نمازیں پڑھنے کی ایک خاص فضیلت ہے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو۔ یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

س: میں نے اپنے امام سے سنا ہے کہ مسجد نبویؐ میں چالیس نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ ضروری ہے کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث ہے جس میں ضروری یا فضیلت کا ہونا بتلایا گیا ہو؟ براہِ مہربانی تفصیل سے جواب دیں۔

ج: ایک حدیث میں مسجد نبوی شریف میں چالیس نمازیں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرنے کی خاص فضیلت آئی ہے۔ اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔ ''حضرت انسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح ادا کیں کہ اس کی کوئی بھی نماز (باجماعت) فوت نہ ہو اس کے لئے دوزخ سے اور عذاب سے براءت لکھی جائے گی۔ اور وہ نفاق سے بری ہوگا۔ (مسند احمد ص ۱۵۵ ج ۳)[2]

❀❀❀

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۵۱ [2] ایضاً

كتاب النكاح

نکاح کے مسائل اور احکام

نکاح کرنا فرض ہے یا سنت:

س: نکاح کرنا فرض ہے یا سنت۔ اور اس کے حقوق اور فوائد کیا ہیں؟

ج: نکاح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اور نکاح کے بہت سے فوائد احادیث میں وارد ہیں۔ اور جو شخص باوجود استطاعت کے نکاح سے بے رغبتی اور اعراض کرے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ وہ شخص میرے طریق پر نہیں ہے۔[1]

نکاح میں کتنے فرض ہیں اور کتنے واجب ہیں:

س: (۱) نکاح میں کتنے امور فرض اور واجب ہیں۔

(۲) عاقدین کو یہ اختیار ہے کہ نہیں کہ وہ جس سے چاہیں نکاح پڑھوالیں یا شریعت کسی خاص شخص کو حکم دیتی ہے۔

(۳) کیا قاضی اور ملّا بلا رضامندی اور بلا طلب عاقدین کے نکاح پڑھانے اور سرکار میں جبراً نالش کر کے اجرت نکاح حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔

(۴) اور جب کہ وہ نکاح ہی نہ پڑھائیں تو اجرت نکاح خوانی کے مستحق ہو سکتے ہیں اور جبراً بذریعہ عدالت وصول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) جو فطری حقوق شارع علیہ السلام نے مسلمانوں کو مرحمت فرمائے ہیں ان میں کوئی شخص مداخلت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۶) اگر کوئی شخص مسلمانوں کو ان کے فطری حقوق عطا کردہ شارع علیہ السلام سے بطمع نفسانی رسم جہلاء کے پیش کر کے سرکار میں نالش کر کے جبراً محروم کرنے والا کیسا ہے اور اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: نکاح نام ایجاب وقبول کا ہے۔ یہ دونوں رکن نکاح ہیں اور سننا ہر ایک کا عاقدین میں سے دوسرے کے لفظ کو اور سننا گواہوں کا ایجاب وقبول کو۔ یہ شرائط میں سے نہیں۔

یہ شرائط میں سے ہیں اور سنن نہ مستحبات میں سے اعلان نکاح وغیرہ ہے جس کو درمختار میں اس عبارت میں بیان کیا ہے **ویندب اعلانه و تقديم خطبة و كونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد و شهود عدول الخ۔ وفيه ايضاً وينعقد بايجاب و قبول الخ۔ وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الاخر الخ و شرط حضور شاهدين الخ ملخصاً و التفصيل يطلب من كتب الفقه**

---

[1] فتاوی دارالعلوم ج ۷ ص ۴۱

(۲) شرعاً عاقدین کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ وہ خود بلاواسطہ ایجاب وقبول کرلیں یا کسی دوسرے شخص سے ایجاب وقبول نیابۃً وتوکیلا کرائیں اور اگر انتظاماً حکام کی طرف سے اس کام پر کوئی قاضی وغیرہ مقرر ہوتا کہ ناجائز طور سے نکاح نہ ہوا کرے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے کہ اس سے نکاح پڑھوائیں۔

(۳) شرعاً ان کو از خود یہ حق نہیں ہے لیکن اگر حکام کی طرف سے وہ اس کام پر مقرر ہیں اور انتظام اس کو مقتضی ہے کہ جو اشخاص اس کام کے لئے منجانب حکام مقرر ہیں انہیں سے نکاح پڑھوالیا جائے اور درج رجسٹر کرایا جائے تاکہ بعد میں جھوٹے دعاوی اور غلط انکحہ کا نزاع پیش نہ آئے تو شریعت اس کو منع نہیں فرماتی بلکہ یہ بھی شرعی حکم ہے کیونکہ انتظام معاملات اور دفع خصومات ورفع نزاع بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ بیع وشراء کے لئے اس قسم کے انتظامات کردیئے گئے ہیں کہ ان کی پابندی حکام کے امر سے کی جاتی ہو۔

(۴) اس صورت میں وہ مستحق اجرت کا نہیں ہے۔ باقی تحریر وغیرہ کی اجرت جو اس کے لئے حکام کی طرف سے مقرر ہو، اس کی بابت موافق قواعد مقررہ عمل کیا جائے گا۔

(۵) دراصل تمام معاملات شرعیہ میں کسی تحریر اور دستاویز اور رجسٹر وغیرہ کی ضرورت نہیں، جملہ عقود بیع وشراء ونکاح وغیرہ زبانی طے ہوسکتے ہیں، لیکن حکام اگر کوئی انتظام اور قواعد اس کے لئے مصلحت سمجھیں تو وہ بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الٰی اجل مسمی فاکتبوہ ﴾ (بقرہ: رکوع نمبر ۳۹)

پس یہ لکھنا اگرچہ ضروری نہیں تھا لیکن مصالح کی وجہ سے مفید ہے۔ اس لئے ان امور کی بھی شریعت میں اجازت ہے۔[1]

لڑکی کن اوصاف کی مالک ہو:

س: ایک آدمی کے لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی بات ہورہی ہے۔ دونوں نمازی اور دیندار ہیں۔ مالی حالت کمزور ہے، جس کی بنا پر نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اور جو دیندار نمازی نہیں ہے مگر صاحب مال ہیں۔ نیز خوبصورت بھی ہیں۔ ان کی طرف سب کا رجحان اور رغبت ہے، اہل محلہ بھی ان ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔ صرف میں نے دیندار، نمازی کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے۔ کیا یہ مناسب ہے؟

ج: شادی کے لئے لڑکی کے انتخاب میں شریعت نے مال۔ جمال۔ حسب، نسب (خاندانی شرافت) اور دینداری وغیرہ اوصاف میں دینداری کو ترجیح دی ہے۔ بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار اوصاف کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال۔ جمال۔ حسب ونسب اور دینداری۔ تمہاری کامیابی یہ ہے کہ تم دیندار کو حاصل کرو۔

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۷ ص ۵۳

دوسری حدیث میں پانچواں وصف ''اخلاق'' بھی بیان فرمایا ہے، اس میں حسب کا ذکر نہیں ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ باندی، ناک کان کٹی، عیب دار، کالی کلوٹی جو دیندار ہے۔غیر دیندار، آزاد، مالدار اور خوبصورت سے بہت اچھی ہے۔ (جمع الفوائد ج اص ۲۱۶)

ترمذی شریف میں ہے کہ جب تمہیں ایسا آدمی پیغام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کردو۔ ورنہ زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیل جائے گا۔ (ترمذی ج اص ۱۲۸)

مشورہ کی اہمیت:

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی تاکید یہ ہے کہ نکاح کے لئے دیندار کو منتخب کیا جائے۔لہٰذا آپ کا مشورہ صحیح ہے۔اور جب آپ سے مشورہ لیا گیا تھا تو آپ کا فرض یہی تھا کہ جس بات کو آپ صحیح اور موزوں سمجھیں اس کا مشورہ دیں حدیث شریف میں ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ص ۱۰۵)

ایک حدیث میں ہے جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو ایسے کام کا مشورہ دے کہ اس کے سوا دوسرے کام میں خیر و برکت ہو تو اس نے اپنے بھائی سے خیانت کی۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ص ۱۵۱)

افسوس! اس صدی کے مسلمانوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقدس تعلیم اور حکمت وعظمت سے بھرپور فرامین کی قولاً وفعلاً وعملاً خلاف ورزی پر کمر کس لی ہے، اکثر افعال میں مسلمانوں کے قلوب میں تعلیم نبویؐ کی اتنی بھی قدر و منزلت نظر نہیں آتی۔جس قدر بعض عوام (کافروں) کے دلوں میں دیکھی جاتی ہے، سبق آموزی کے لئے دو واقعات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) ایک بزرگ کی لڑکی کے لئے کئی جگہ سے پیغام پہنچے، بڑے بڑے نواب ورئیس اور شہزادوں نے بھی رشتہ بھیجا۔ بزرگ نے اپنے پڑوسی یہودی سے مشورہ کیا کہ کس کا پیغام قبول کروں؟ یہودی کہنے لگا میں نے سنا ہے۔تمہارے نبی صاحب نے فرمایا کہ چار چیزوں کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے۔ مال- جمال- حسب اور دین-مگر سب سے اچھا اور بہتر دیندار سے نکاح کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دیندار سب سے مقدم ہے۔لہٰذا میری بات تسلیم ہو تو فلاں طالب علم کے ساتھ شادی کردو۔ مالداروں اور بڑوں سے انکار کردو کہ تم میں دینداری نہیں ہے، چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) نوح بن مریم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہا تو ایک مجوسی سے مشورہ کیا۔اس نے کہا کہ فارس کا بادشاہ کسریٰ تو مال کو ترجیح دیتا تھا۔اور قیصر شاہ ایران حسن و جمال کو پسند کرتا تھا۔اور رئیس عرب خاندانی شرافت اور حسب ونسب کو۔اور تمہارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دینداری کو ان سب پر مقدم سمجھتے تھے۔

یعنی کوئی دیندار اور متشرع تو ہے لیکن مال، جمال اور شرافت نہیں تو ایسے کو غیر دیندار، مال و جمال اور خاندانی شرافت والے پر ترجیح دیتے تھے، اب تم بھی غور کرو کہ کس کی اقتداء کی جائے؟ فارس اور روم کے بادشاہوں کی یا سرور دو عالم ﷺ کی۔

غرض کہ دیندار کو پسند کرے۔اس میں مال، جمال اور شرافت بھی ہو تو نورٌ علیٰ نورٍ ہوگا۔[1]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ص ۱۰۹

مدتِ بلوغ:

س: لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی مدت کیا ہے؟

ج: لڑکا بالغ ہونے کی مدت احتلام یا انزال ہونے سے اور لڑکی حیض، حمل اور انزال سے بالغ ہوتی ہے۔ لڑکے کے لئے مونچھوں کا پیدا ہونا، بغل اور زیر ناف بالوں کا اُگنا معتبر نہیں۔ اسی طرح لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا اور زیر ناف بال آنا بھی بلوغت کی معتبر نشانی نہیں ہے۔

عمر کے اعتبار سے لڑکا اور لڑکی پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوتے ہیں۔ اور کم از کم مدت لڑکے کے بالغ ہونے کی بارہ سال اور لڑکی کے بالغ ہونے کی نو سال ہے۔ اور یہی قول مختار ہے۔[1]

خطبہ ایجاب وقبول سے پہلے ہو:

س: خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے پڑھا جائے یا بعد میں؟

ج: ۱- خطبہ پہلے ہونا چاہئے۔ ((ویندب اعلانه وتقدیم خطبة)) (الدر المختار علی الشامیہ ج ۲ ص ۲۶۱)[2]

۲- نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لئے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

((وفی المجتبٰی یستحب ان یکون النکاح ظاهراً وان یکون قبله خطبة)) (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۱)[3]

ایجاب وقبول تین مرتبہ:

س: بوقت نکاح ایجاب سے متعلقہ سوال کے جواب میں دلہن اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے جہری آواز سے اجازت دے دیتی ہے۔ اور نکاح فارم کے چار پرتوں پر دستخط بھی کر دیتی ہے۔ اور پھر ایجاب وقبول بھی ایک دفعہ کرایا جاتا ہے۔ آیا ایک ہی مرتبہ ایجاب وقبول سے نکاح درست ہے یا تین دفعہ ایجاب وقبول کرانا ضروری ہے؟

ج: نکاح ہو جاتا ہے۔ تین دفعہ مکرر ایجاب وقبول کرنے کرانے کی ضرورت نہیں۔[4]

((وینعقد بایجاب من احدهما والقبول من الآخر))[5]

کتنی عمر میں شادی کی جائے:

س: مسلمان مرد اور عورت پر کتنی عمر میں شادی کرنی واجب ہے؟ میں نے سنا ہے کہ لڑکی کی عمر ۱۶ سال ہو اور لڑکے کی عمر ۲۵ سال ہو؟

---

[1] درمختار، ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۷ کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام
[2] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۲۵۴
[3] فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۲۹۳
[4] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۲۵۵
[5] (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۸۵)

ج: شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں۔ والدین بچے کا نکاح نابالغی میں بھی کر سکتے ہیں اور بالغ ہو جانے کے بعد اگر شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا واجب ہے۔ ورنہ کسی بھی وقت واجب نہیں۔ البتہ ماحول کی گندگی سے پاکدامن رہنے کے لئے شادی کرنا افضل ہے۔

درمختار میں ہے کہ اگر نکاح کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔ اگر غالب گمان ہو تو نکاح واجب ہے (بشرطیکہ مہر اور نان ونفقہ پر قادر ہو) اگر یقین ہو کہ نکاح کر کے ظلم و ناانصافی کرے گا تو نکاح کرنا حرام ہے اور اگر ظلم و ناانصافی کا غالب گمان ہو تو نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور معتدل حالات میں سنت مؤکدہ ہے۔[1]

تعلیم کی وجہ سے نکاح میں تاخیر:

س: میرے والدین اگرچہ ہم سب کو بڑی محنت اور توجہ سے تعلیم حاصل کروار ہے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ سب کچھ تعلیم ہی ہے۔ میں اگرچہ بہت چھوٹا ہوں لیکن میری بڑی بہنیں ہیں، جنہیں اعلیٰ تعلیم دلوائی جارہی ہے۔ لیکن میرے والدین کو ذرا بھی ان کی شادی کی فکر نہیں جبکہ وہ خود بوڑھے ہورہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل کا زمانہ کتنا خراب ہے۔ اور میں ابھی بہت چھوٹا ہوں اور جب میں بڑا ہوں گا تو اس وقت تک میری بہنیں ادھیڑ عمر کی ہو چکی ہوں گی پھر تو رشتہ ملنا ہی مشکل ہوگا۔ جبکہ اس وقت رشتے آرہے ہیں۔ لیکن میرے والد صاحب سب سے ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں میری بہنیں ان رشتوں پر خوش ہیں۔ اگر والدین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے تو کیا اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سول میرج کرلیں؟ جبکہ دونوں ہی مسلمان ہیں اور اسلام میں یہ بات جائز بھی ہے؟

ج: آج کل اعلیٰ تعلیم کے شوق نے والدین کو اپنے اس فریضہ سے غافل کر رکھا ہے۔ لڑکوں کی عمر کالج اور یونیورسٹیوں کے چکر میں ڈھل جاتی ہیں اور جب وقت گذر جاتا ہے تو ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مجھے اس طرح کے سینکڑوں خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ لڑکی کی عمر ۲۰ سے ۳۰ برس کی ہوگئی، کوئی رشتہ نہیں آتا اور جو آتا ہے وہ بھی دیکھ دا کھ کر چپ سادھ لیتا ہے۔ کوئی تعویذ، وظیفہ اور عمل بتاؤ کہ بچیوں کی شادی ہو جائے۔ لڑکی پڑھی لکھی قبول صورت اور سگھڑ ہے مگر رشتہ نہیں ہو پاتا، وغیرہ وغیرہ۔ خدا جانے کتنے خاندان اس سیلاب میں ڈوب چکے ہیں اور کتنے لڑکے لڑکیاں غلط راستے پر چل نکلے ہیں۔ اس لئے آپ نے جو لکھا ہے وہ ایک دل خراش حقیقت ہے۔ حدیث میں ہے:

((عن أبي سعيد وابن عباس قالا: قال رسول الله ﷺ: ((من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه۔ فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه))

(مشکوۃ ص ۲۷۱)

''جب اولاد بالغ ہو جائے اور والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کئے رکھیں اس صورت میں اگر اولاد

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۲۸

کسی غلطی کی مرتکب ہوتو والدین بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے''۔

باقی رہا یہ سوال کہ اگر والدین غفلت برتیں تو کیا لڑکا لڑکی خود اپنا نکاح بذریعہ عدالت کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دونوں ہر حیثیت سے برابر ہوں تو یہ نکاح صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ البتہ لڑکے کا کسی جگہ خود شادی کر لینا تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن لڑکی کے لئے مشکل ہے بہرحال اگر لڑکی خود شادی کرنا چاہے تو اس کو یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ جس لڑکے سے وہ عقد کرنا چاہتی ہے وہ ہر حیثیت سے لڑکی کے جوڑ کا ہو۔ اس کو فقہ کی زبان میں ''کفو'' کہتے ہیں۔[1]

بلا وجہ لڑکی لڑکے کی شادی نہ کرنا:

س: جس شخص کی لڑکی پچیس سال کی ہوگئی ہو اور وہ اس کی شادی نہ کرے۔ تو کیا اس کے پیچھے نماز درست ہے؟

ج: ۱- اپنی دختر کی شادی کرنا موقع اور کفو کے ملنے پر ضروری ہے۔ بعد ملنے کفو کے اور موقع مناسب کے دیر نہ کرنی چاہئے، حدیث شریف میں اس کی بہت تاکید وارد ہے کہ لڑکا لڑکی بعد بالغ ہونے کے اس کے نکاح میں جلدی کرنا چاہئے اور اچھا موقع ملنے پر فوراً کر دینا چاہئے۔[2]

ج: ۲- اگر باوجود ملنے کفو کے نکاح دختر بالغہ میں تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے اور ان کا باپ ان کا نکاح نہ کرے اور ان سے کوئی گناہ یعنی زنا سرزد ہو جائے تو وہ گناہ باپ کو بھی ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس کی لڑکی بارہ برس کو پہنچ جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اور اس سے کوئی معصیت سرزد ہو تو وہ معصیت باپ کے ذمہ ہے۔ لفظ حدیث یہ ہیں:

((وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول اللهﷺ قال فى التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتى عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثماً فاثم ذلك عليه)) (رواہ البیھقی)

اور غرض بارہ برس کو پہنچنے سے بالغہ ہونا ہے اور یہ تہدیداً و زجراً فرمایا ہے تا کہ لوگ نکاح دختر بالغہ میں بے وجہ تاخیر نہ کریں۔ فقط۔[3]

لڑکیوں کی شادی میں تاخیر گناہ ہے:

س: زید کے دو لڑکیاں جوان بلکہ قریب ادھیڑ عمر کے پہنچ گئی ہیں، زید ان کی شادی کرنے میں دیر کر رہا ہے، اس بارہ میں اگر کوئی وعید ہو تو لکھئے؟

ج: حدیث شریف میں ہے **من ولد له ولد فليحسن اسمه واودبه فاذا بلغ فليز وجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه على ابيه** اور دوسری روایت میں ہے **من بلغت ابنته اثنتى عشرة سنةً ولم يزوجها فاصابت اثمافا ثم ذلك عليه**۔ الحاصل جوان اولاد کے نکاح میں حتی الوسع جلدی کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً لڑکی کے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷ [2] فتاوی دار العلوم ج ۷ ص ۴۱، ص ۴۳ [3] ایضاً۔

نکاح میں باوجود موقع مناسب ملنے کے دیر کرنا بہت بُرا ہے، اور حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر اس اولاد سے گناہ سرزد ہوا تو وبال اس کا باپ پر ہے۔ فقط۔[1]

نکاح موجب اجر ہے:

س: میری عمر ۲۲ سال ہے اور سجادہ نشینی مدار صاحب کی خدمت پر مامور ہوں، اب میرے بزرگان ومربیان کو میرے نکاح کا خیال مطابق رسم نبویؐ پیدا ہوا ہے، وبلحاظ عمر و بتقاضائے سن خود میری طبیعت کا اس طرف میلان ورجحان ہے۔ مگر چند اشخاص اعتراض کرتے ہیں کہ سجادہ نشینی مدار صاحب کو نکاح کرنا فعل عبث بلکہ ممنوع وخلاف شرع ہے۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

ج: اعتراض معترضین غلط اور خلاف حکم شریعت ہے۔ حکم فانکحوا ما طاب لکم عام ہے اور حکم حدیث ''النکاح سنتی'' سب کو شامل ہے۔ پس نکاح کرنے میں اجر وثواب واتباع سنت ہے، اور بحالت ضرورت نکاح نہ کرنا موجب خوف معصیت ہے۔[2]

بیوہ کا نکاح:

س: سنا ہے کہ بیوہ عورت بچہ والی کا نکاح جائز نہیں ہے۔ ایسی عورت کو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر بیوہ عورت بوجہ اولاد کی پرورش کے نکاح ثانی اپنا نہ کرے اس کو ثواب ملتا ہے۔ لیکن نکاح کرنا درست ہے، نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں بلکہ اس زمانہ میں چونکہ نکاح ثانی کو عیب سمجھتے ہیں اس لئے ضرور کرنا چاہئے، اور ثواب زیادہ ہے۔[3]

س: زید نے ایک بیوہ خاندانی مسماۃ ہندہ سے عقد کرلیا ہے، اہل خاندان اس پر ناراض ہیں اور انواع واقسام سے نقصان رسانی کے درپے۔ جمعہ کے روز ایک واعظ صاحب نے دوران وعظ میں یہ بیان کیا کہ جس سنت کے اجراء سے فتنہ آئے اس پر عمل کرنا ناجائز ہے اور مثال میں ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کا بیان کیا کہ خانہ کعبہ کی دیوار خمیدہ تھی، حضور نے فتنہ کے خوف سے اس کو سیدھا نہیں فرمایا، اور یہ ارشاد فرما کر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا کہ سیدھا کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا اس کو اسی حالت پر چھوڑتا ہوں۔ نظر برحالات معروضہ بالا زید متردد ہے کہ یہ روایت اس کے حال پر منطبق ہو کر عنداللہ اس کا مواخذہ دار تو نہیں ہوگا؟ اور اگر خدانخواستہ مواخذہ دار ہے تو اب کیا کرنا چاہئے کہ آخرت کے مواخذہ سے بری ہو؟

ج: بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً کسی طرح معیوب اور سبب طعن وناراضی کا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نکاح بیوہ کا آیات واحادیث وعمل مستمر آنحضرت ﷺ وصحابہؓ سے ثابت ہے۔ طعن کرنے والا اس پر اور ناراض ہونے والا مخالف ہے حکم خدا تعالیٰ ورسول کریم ﷺ کا۔ جو لوگ اہل خاندان اس نکاح کی وجہ سے ناراض ہیں اور درپے ایذاء رسانی کے ہیں۔ اگر یہ ناراضی اور ایذاء رسانی محض اس وجہ سے ہے کہ بیوہ کے نکاح کو وہ معیوب اور سبب عار کا جانتے ہیں تو سخت جہالت اور معصیت ہے ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے ورنہ خوف کفر ہے۔ اس واعظ کا بیان صحیح نہیں ہے۔ اس نے جو مسئلہ بتلایا وہ بھی

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۷ ص ۴۱ تا ۴۳ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۷ ص ۴۳ [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۷ ص ۴۵

غلط ہے اور جو مثال میں واقعہ رسول مقبول ﷺ کا بیان کیا وہ بھی غلط ہے۔ وہ واقعہ اس طرح نہیں ہے جو اس نے بیان کیا بلکہ کتب حدیث مسلم شریف وابوداؤد وترمذی شریف میں وہ واقعہ اس طرح وارد ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ نذر کی تھی کہ اگر مکہ معظمہ آں حضرت ﷺ کے ہاتھ پر فتح ہوگیا تو میں دو رکعت خانہ کعبہ کے اندر پڑھوں گی۔ جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حطیم کے اندر داخل کیا اور یہ فرمایا کہ حطیم میں دو رکعت ادا کرلو، کیونکہ حطیم بھی بیت اللہ میں سے ہے۔ تمہاری قوم نے بسبب قلت خرچ بوقت تعمیر حطیم کو خانہ کعبہ سے خارج کر دیا اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو توڑ کر از سر نو بناء ابراہیمی کے موافق بناتا اور حطیم کو خانہ کعبہ کے اندر داخل کرتا اور چوکھٹ خانہ کعبہ کو زمین سے ملا دیتا اور دو دروازے خانہ کعبہ کے کرتا۔ ایک دروازہ شرقی اور ایک غربی، اور اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ایسا ہی کروں گا۔

معلوم ہوا کہ اس واعظ نے جو واقعہ بیان کیا وہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس میں فتنہ کے خوف سے کسی سنت کے ترک کرنے کا ذکر ہے۔ بلکہ غرض آپ کی یہ تھی کہ قوم قریش چونکہ ابھی اسلام لائی ہے، زمانہ کفر اور جاہلیت قریب ہے ایسا نہ ہو کہ ان کے ایمان واسلام میں کچھ خلل واقع ہو، ادھر فی الحال خانہ کعبہ کا متغیر کرنا امر ضروری نہیں ہے اور پھر آپ نے یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ سال آئندہ تک اگر زندہ رہا تو اس کام کو کروں گا۔ مگر آپ کی وفات اس سے پہلے ہی ہوگئی۔ الغرض اس واقعہ کو مسئلہ نکاح بیوہ سے کچھ مناسبت نہیں ہے، کسی امر دینی کو اس وجہ سے کہ لوگ ناراض ہوں گے چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اور زید پر اس نکاح کی وجہ سے کچھ مواخذہ نہیں ہے، بلکہ وہ ماجور ہے۔[1]

بغیر گواہ کے نکاح نہیں ہوتا:

س: اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو کیا شرعی نکاح متصور ہوگا یا نہیں؟

ج: نکاح کے انعقاد کے لئے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے، اس لئے اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو بے سود ہے۔ شرعاً ایسے معاہدہ نکاح کو نکاح نہیں کہا جا سکتا۔[2]

س: میری ایک دوست اپنی مرضی سے ایک لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ لڑکا بھی اسے خلوص دل سے چاہتا تھا۔ دونوں بالغ تھے لیکن اس کام کے لئے حالات سازگار نہیں تھے۔ اس لئے دونوں نے رمضان کی ستائیسویں شب قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے کے جسم کو اپنے لئے حلال کرلیا۔ اور اب اس دن کے بعد سے وہ دنیا والوں سے چھپ کر باقاعدہ ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ کتاب وسنت میں کہیں اس قسم کا نکاح جائز ہے یا وہ زنا کاری کے مرتکب ہو رہے ہیں؟

ج: نکاح کے لئے دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرنا شرط ہے۔ جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس سے نکاح نہیں ہوا بلکہ وہ فعل حرام کے مرتکب ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اس فعل حرام سے توبہ کریں اور والدین کی اجازت سے باقاعدہ نکاح کرلیں۔[3]

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۷ ص ۴۸ [2] فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۲۹۵ [3] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۴۳،

س: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے کوئی رشتہ دار نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے کورٹ میں شادی کا فیصلہ کیا۔ اور ہم دونوں کورٹ گئے اور کورٹ کے باہر جو ٹائپسٹ بیٹھے ہوتے ہیں ان سے حلف نامہ کے فارم پر نکاح نامہ ٹائپ کروایا اور میں نے دستخط کئے۔ جبکہ میرے شوہر نے دستخط نہیں کئے۔ اس نے اس کے بارے میں کہا کہ میں مجسٹریٹ کے دستخط کے بعد دستخط کروں گا اور تمہیں مجسٹریٹ کے سامنے حلف دینا پڑے گا۔ میں خاموش ہوگئی۔ دوسرے دن کہنے لگے کہ تم کو کورٹ نہیں جانا پڑے گا۔ میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے وہ فیس لے کر مجسٹریٹ کے سائن کرادے گا۔ وہ گئے اور مجسٹریٹ کے سائن کروا کر لے آئے اور کہنے لگے کہ اب تم میری بیوی ہوگئی ہو۔ بیوی کے حقوق ادا کرو۔ میں نے کہا کہ یہ تو کوئی نکاح نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے دو گواہوں کے سامنے دستخط کر دیئے یعنی دو گواہوں کے سامنے قرار کرلیا۔ اس لئے نکاح ہوگیا ہے۔ وہ دو گواہ ٹائپسٹ تھے جبکہ ان دونوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت نہ ہی میرے شوہر کے دستخط ہوئے۔ ہم دونوں میں بحث ہوتی ہے۔ میں کہتی ہوں کے نکاح نہیں ہوا وہ کہتا ہے کہ نکاح ہوگیا ہے؟

ج: جو صورت آپ نے لکھی ہے اس سے نکاح نہیں ہوا۔ نکاح میں فریقین کی طرف سے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا کرتا ہے، جو نہیں ہوا۔ اب تک آپ لوگوں نے جو کچھ کیا ناجائز کیا۔ آئندہ حرام سے بچنے کے لئے باقاعدہ نکاح کر لیجئے۔[1]

نکاح کے وقت کلمے پڑھانا:

س: کافی عرصہ پہلے ایک دوست کی شادی میں شرکت کی۔ نکاح کے وقت نکاح خواں نے لڑکے سے قبول کے بعد پہلے تین کلمے پڑھائے، پھر دعا کی۔ کچھ دن پہلے ایک اور دوست کی شادی میں شرکت کی، وہاں پر مولوی صاحب نے لڑکے سے تین مرتبہ قبول کرانے کے بعد دعا کرادی اور کلمے نہیں پڑھائے۔ لہٰذا یہ تحریر فرمائیں کہ کلمے پڑھنے والا نکاح صحیح تھا یا کہ بغیر کلمے کے؟ نیز قبول وایجاب کے معنی بھی بتائیے؟

ج: نکاح کے لئے ایجاب وقبول شرط ہے۔ یعنی ایک طرف سے کہا جائے کہ میں نے نکاح کیا اور دوسری طرف سے کہا جائے میں نے قبول کیا۔ ایجاب وقبول ایک بار کافی ہے۔ تین بار کوئی ضروری نہیں اور کلمے پڑھانا بھی کوئی شرط نہیں مگر آج کل لوگ جہالت کی وجہ سے کفر کی باتیں بکتے رہتے ہیں۔ اس لئے بعض مولوی صاحبان کلمے پڑھا دیتے ہیں تاکہ اگر لڑکے نے نادانی سے کبھی کلمہ کفر بک دیا ہو تو کم سے کم نکاح کے وقت تو مسلمان ہو جائے۔[2]

س: ہمارے ہاں شادی بیاہ میں بعض اوقات تو کوئی قاضی بہت سے کلمے، کلمات، درود وغیرہ پڑھاتا ہے اور بعض قاضی مختصر اور جلد نکاح کرادیتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ ایک مسلمان کے لئے نکاح کن کلموں، کلمات سے ہو جاتا ہے اور کن کے بغیر نہیں ہوسکتا؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۲ ص ۴۳ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۸، ص ۳۹

ج: نکاح ایجاب وقبول سے ہوجاتا ہے۔ خطبہ اس کے لئے سنت ہے۔ دو گواہوں کا ہونا اس کے لئے شرط ہے۔ قاضی صاحبان جو کلمے پڑھاتے ہیں وہ کچھ ضروری نہیں، غالباً ان کلموں کا رواج اس لئے ہوا کہ لوگ جہالت کی وجہ سے بسا اوقات کلمات کفر بک دیتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کلمہ کفر زبان سے کہہ کر اسلام سے خارج ہو رہے ہیں۔ نکاح سے پہلے کلمے پڑھا دیئے جاتے ہیں تاکہ خدانخواستہ ایسی صورت پیش آئی ہو تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائیں تب نکاح ہو۔ بہر حال نکاح سے پہلے کلمے پڑھانا کوئی ضروری نہیں اور کوئی بری بات بھی نہیں۔[1]

خطبہ کے بغیر نکاح ہوجائیگا:

س: ایک نابالغ لڑکی اور نابالغ لڑکے کا نکاح لڑکی کے باپ نے کردیا ہے، گواہوں کی موجودگی میں اس کا ایجاب وقبول بھی کرایا گیا اور مہر بھی مقرر کیا گیا ہے۔ مگر نکاح کے وقت خطبہ نہیں پڑھا گیا۔ کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

ج: خطبہ نکاح کا جزء نہیں ہے۔ اصل نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے۔ لہٰذا اگر گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ شرعی قواعد کے مطابق ایجاب وقبول ہوا ہے۔ تو وہ نکاح ہوگیا ہے۔

((وینعقدأی النکاح، أی یثبت ویحصل انعقاده' بالإیجاب والقبول)) (شامیہ ج۲ص۲۸۵)[2]

ج: ۲- نکاح کے ارکان ایجاب وقبول ہیں۔ خطبہ نکاح کے لئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ سنت ہے۔ اس لئے بغیر خطبہ کے بھی نکاح جائز ہے۔[3]

بغیر ولی کی اجازت کے نکاح:

س: میں ایک کنواری، عاقل، بالغ، حنفی، سنی مسلمان لڑکی ہوں۔ میں نے ایک لڑکے سے خفیہ نکاح کرلیا ہے۔ نکاح اس طرح ہوا ہے کہ لڑکے نے مجھ سے تین بار کہا کہ اس نے مجھے بہ عوض پانچ سو روپیہ حق مہر شرعی محمدیؐ کے بموجب اپنے نکاح میں لیا۔ میں نے تینوں بار قبول کیا۔ اس ایجاب وقبول کا کوئی وکیل، کوئی گواہ نہیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہم نکاح کی تشہیر بھی نہیں چاہتے۔ کیا شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا کہ نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیسے ہوگا؟ براہ کرم آپ کا جواب خالصتاً فقہ کی رو سے ہونا چاہئے؟

ج: یہ نکاح دو وجہ سے فاسد ہے۔ اول یہ کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو عاقل، بالغ مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری شرط ہے۔ اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے:

((البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن من غیر بینة)) (البحر الرائق ج۳ص۹۴)

''وہ عورتیں زانیہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کرلیتی ہیں''۔ (مشکوٰۃ شریف،) (البحر الرائق صفحہ۹۴۔ جلد۳)

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ص۳۸ تا ۳۹ [2] خیر الفتاویٰ ج۴ص۲۷۱

[3] فتاویٰ دار العلوم ج۷ص۱۵۹

دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کی اطلاع و اجازت کے بغیر خفیہ نکاح عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں لڑکا لڑکی کے جوڑ کا نہ ہو۔ اور ایسی صورت میں والدین کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

((عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل)) (مشکوۃ شریف)

''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے'' (مشکوۃ شریف،) (البحر الرائق..... صفحہ ۱۱۸۔ جلد ۳)

بہر حال آپ کا نکاح نہیں ہوا، آپ دونوں الگ ہو جائیں۔ اور اگر میاں بیوی کا تعلق قائم ہو چکا ہے تو اس لڑکے کے ذمہ آپ کا مقرر کردہ مہر پانچ سو روپیہ لازم نہیں بلکہ اس کے ذمہ مہر مثل لازم ہے۔ مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ اس خاندان کی لڑکیوں کا جتنا مہر عموماً رکھا جاتا ہے اتنا دلوایا جائے۔ بہر صورت آپ دونوں الگ ہو جائیں اور توبہ کریں۔[1]

لڑکے کے والدین کی اجازت کے بغیر نکاح:

س: ایک لڑکا لڑکی کو پسند کرتا ہے اور اپنے گھر والوں سے رشتہ مانگنے کے لئے کہتا ہے۔ مگر گھر والے محض اس لئے لڑکی کا رشتہ نہیں چاہتے کہ وہ اونچے گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی حالانکہ لڑکی ہر طرح سے شریف ہے پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھتی ہے۔ کیا شریعت کی رو سے یہ شادی جائز ہے؟ یعنی ایسی شادی میں لڑکی کے گھر والے شامل ہوں گے مگر لڑکے کے والے نہیں؟

ج: اگر لڑکی کے والدین رضامند ہوں تو نکاح جائز ہے۔ لڑکے کے والدین کی رضامندی کوئی ضروری نہیں۔[2]

ولی کی اجازت کے بغیر اغوا شدہ لڑکی سے نکاح:

س: کسی شخص نے کسی بالغہ کو اغوا کر کے دو گواہوں کی موجودگی میں مہر مقرر کر کے نکاح کر لیا ہے۔ جبکہ یہ نکاح دونوں کے والدین و رشتہ داروں کے لئے بدنامی کا باعث ہے۔ نیز دونوں ہم کفو بھی نہیں۔ کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

ج: دوسرے ائمہ کے نزدیک تو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں۔ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفو میں تو ہو جاتا ہے اور غیر کفو میں دو روایتیں ہیں۔ فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے اغوا شدہ لڑکیاں جو غیر کفو میں والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیتی ہیں، چاروں فقہائے امت کے مفتی بہ قول کے مطابق ان کا نکاح فاسد ہے۔[3]

س: محترم! کیا دین اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک بالغ لڑکی اپنی پسند کے مطابق کسی لڑکے سے شادی کر سکے۔ جبکہ والدین جبراً کسی دوسری جگہ چاہتے ہوں؟ جہاں لڑکی تصور ہی نہ کر سکے اور مر جانا پسند کرے؟

ج: لڑکی کا والدین سے بلا اجازت نکاح کر لینا شرافت و حیا کے خلاف ہے۔ تاہم اگر اس نے نکاح کر لیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ لڑکا اس کی برادری کا تھا اور تعلیم، اخلاق، مال وغیرہ میں بھی اس کے جوڑ کا تھا۔ تب تو

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۰ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۰

نکاح صحیح ہوگیا۔ والدین کو بھی اس پر راضی ہونا چاہئے کیونکہ ان کے لئے یہ نکاح کسی عار کا موجب نہیں۔ اس لئے انہیں خود ہی لڑکی کی چاہت کو پورا کرنا چاہئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لڑکا خاندانی لحاظ سے لڑکی کے برابر کا نہیں، (اس میں بھی کچھ تفصیل ہے) یا ہے تو اس کی برادری کا، مگر عقل وشکل، مال ودولت، تعلیم اور اخلاق ومذہب کے لحاظ سے لڑکی سے گھٹیا ہے تو اس صورت میں لڑکی کا اپنے طور پر نکاح کرنا شرعاً لغو اور باطل ہوگا، جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں۔ آج کل جو لڑکیاں اپنی پسند کی شادیاں کرتی ہیں آپ دیکھ لیجئے کہ وہ اس شرعی مسئلہ کی رعایت کہاں تک کرتی ہیں؟[1]

لڑکی اور لڑکے کی کن صفات کو ترجیح دینا چاہئے:

س: جس وقت رشتوں کا سلسلہ ہوتا ہے یہ بات مشاہدے میں ہے کہ لڑکیوں کو اس طرح دیکھا جاتا ہے جیسے بھیڑ بکریوں کو عید کے موقع پر دیکھا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟ دوسری بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ چاہے لڑکی ہو یا لڑکا اس سلسلے میں معاملہ تجارتی بنیادوں پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً لڑکا کتنا امیر ہے، (چاہے حرام ہی کماتا ہو) لڑکی کتنا جہیز لائے گی، (چاہے حرام آمدنی کا کیوں نہ ہو)۔ اس سلسلے میں احکام اسلامی کیا ہوں گے؟

ج: اسلام کا حکم یہ ہے کہ رشتہ کرتے وقت لڑکے اور لڑکی دونوں کی دینداری اور شرافت وامانت کو ترجیح دی جائے۔ جو لڑکا حرام کماتا ہو، اس سے وہ لڑکا اچھا ہے جو رزق حلال کماتا ہو، خواہ مالی حیثیت سے کمزور ہو۔ اور جو لڑکی دیندار ہو، عفیفہ ہو، شوہر کی فرمانبردار ہو وہ بہتر ہے۔ خواہ جہیز نہ لائے یا کم لائے۔

لڑکیوں کی وجہ سے لڑکوں کی شادی میں دیر کرنا:

س: اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں بیٹیاں ہوتی ہیں، ان کی شادی وغیرہ کے سلسلے میں ان کے بھائیوں کو طویل فہرست انتظار میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ جس کے باعث ان کی عمریں نکل جاتی ہیں یا کافی دیر ہو جاتی ہے۔ کیا ازروئے اسلام یہ طریقہ جائز تصور ہوگا اور یہ کہ اس دوران اگر خدانخواستہ کوئی فرد گناہ کی طرف راغب ہوگیا اس کا وبال کس پر ہوگا؟

ج: شرعی حکم یہ ہے کہ مناسب رشتہ ملنے پر عقد جلدی کردیا جائے تاکہ نوجوان نسل کے جذبات کا بہاؤ غلط رخ کی طرف نہ ہو جائے۔ ورنہ والدین بھی گناہ میں شریک ہوں گے۔ ہاں! رشتہ ہی نہ ملتا ہو تو والدین پر گناہ نہیں۔[2]

نکاح ثانی کا حکم:

س: جو شخص نکاح ثانی کو باوجود علم اس امر کے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے اور آں حضرت ﷺ کی یہ سنت ہے، عیب اور بے عزتی سمجھتا ہو اور جو شخص اس کی نسبت لوگوں کو ترغیب دے اور وعظ ونصیحت کرے تو اس کے ساتھ وہ دنگہ فساد کے لئے آمادہ ہو اور اس پر عمل کرنے والے کو بے عزت اور کمینہ کہتا ہو یا یہ کہتا ہو کہ ہم اس کو حق سمجھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ

---

[1] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۴۸ [2] آپ کے مسائل ج ۴ ص ۳۲

کی سنت جانتے ہیں مگر چونکہ ہماری قوم میں اس کا رواج نہیں، اس واسطے اس کو عار ونگ جانتے ہیں؟

ج: یہ ظاہر ہے کہ نکاح ثانی شرعاً جائز ومستحب ہے اور آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اس کو بوجہ عدم رواج قومی کے عیب اور ننگ جاننا جہالت کی بات ہے اور گناہ سخت ہے اور جب کہ وہ اس فعل کو اچھا جانتا ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت جانتا ہے تو پھر اس کی اور بھی زیادہ جہالت ہے کہ بوجہ رواج قومی کے اس کو برا سمجھے، یہ امر نہایت قبیح ہے، اس سے توبہ کرنی چاہئے اور ترغیب نکاح ثانی دینے والے کو بھی یہ چاہئے کہ سختی سے کام نہ لے بلکہ بہ نرمی وملاطفت بتدریج لوگوں کو سمجھانا چاہئے۔ کما قال اللّٰہ تعالٰی لنبیہ ﷺ ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة۔ بس جس جگہ شر اور فساد کا خوف ہو وہاں سے علیحدہ ہو جائے کیونکہ امر بالمعروف کے لئے بھی موقع اور محل ہے اور شرائط وخصوصیات ہیں کہ بدون ان کے امر بالمعروف سے نفع نہیں ہوتا۔[1]

منگنی کی شرعی حیثیت

ناطہ دے دیا سے نکاح نہیں ہوتا:

س: گل زمان کی والدہ نے مسمی سمندر سے کہا کہ اپنی دختر کا ناطہ میرے فرزند گل زمان کو دے دو۔ سمندر نے روبرو گواہان اسی مجلس میں جواب دیا کہ میں نے اپنی دختر مذکورہ کا ناطہ گل زمان کے لئے دے دیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد سمندر فوت ہو گیا۔ کیا مذکورہ لڑکی کا بھائی اس کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے؟

ج: اقول وباللّٰہ التوفیق۔ سوال کے مختلف پہلوؤں اور لفظوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کا کہنا (یعنی لڑکی کے باپ کا) محض وعدہ نکاح ہے عقد نہیں۔ ناطہ کا لفظ ہندو پاک اور پنجاب میں رشتہ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ پنجاب میں ناطہ دار بمعنی رشتہ دار کے مستعمل ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی واضح ہے کہ عقد نکاح یعنی ایجاب وقبول کے لئے مجلس منعقد نہ کی گئی تھی۔ اور گل زمان کی والدہ کا کوئی جواب بھی سمندر کے اس جملہ کے مقابلہ میں مذکور نہیں (یعنی اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے یہ ناطہ اپنے بیٹے کے لئے قبول کیا) پھر اگر اسے عقد بھی قرار دیا جائے تو اس کے لئے تاویلات بعیدہ کے ارتکاب کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً گل زمان اس وقت بالغ تھا تو اس کی والدہ وکیل یا فضولی ہوگی۔ اور اگر نابالغ تھا تو وکیل ولی یا فضولی اس کی ہوگی۔ حالانکہ سوال میں والدہ کو وکیل بنانے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ کسی نے صاحبِ دختر سے کہا میرے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دو۔ اور اس نے کہا دے دی تو یہ نکاح نہ ہوا۔

پس اگر مجلس وعدہ نکاح کی ہوگی تو الفاظ محتملہ کو وعدہ نکاح پر حمل کیا جائے گا۔ اور اگر مجلس نکاح کی ہے تو نکاح ہوگا۔

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۷ ص ۴۴

چنانچہ شامی میں ہے۔

قال الرحمتی فعلمنا ان العبرة لما یظهر من کلامهما الالنیتهما الخ اذا قال احدهما ده وقال الأخر دادم او داد یکون نکاحاً وان لم یقل الاخر پذیر فتم۔ اعتبار وعدہ کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ فقہاء کی مراد اس قول سے یہ ہے، کہ امر توکیل ہے یا ایجاب ہے۔ چونکہ اس میں بہت بڑا اختلاف ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ مجیب کے جواب کے بعد آمر کے قبول کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور چونکہ فقہاء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ آمر کے قبول کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔[1]

کیا بغیر عذر شرعی منگنی کو توڑنا جائز ہے:

س: رشتہ یا منگنی طے ہو جانے کے بعد کسی شرعی عذر کے بغیر منسوخ یا توڑ دینا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟

ج: منگنی، وعدہ نکاح کا نام ہے، اور بغیر عذر کے وعدہ پورا نہ کرنا گناہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو منافق کی علامتوں میں شمار فرمایا ہے۔ ہاں! اگر اس وعدہ کے پورا کرنے میں کسی معقول مضرت کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو شاید اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں۔[2]

منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے:

س: ایک شخص نے اپنے رشتہ دار سے کہا کہ میں آپ کی لڑکی کا رشتہ اپنے لڑکے کے لئے چاہتا ہوں۔ اس پر ان صاحب نے رضا مندی کا اظہار کیا اور بروز جمعہ کو منگنی کی رسم ادا کرنے کے لئے طے پایا۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کے باپ سے مخاطب ہو کر کہا میں نے اپنی فلاں لڑکی تمہارے بیٹے کو دی۔ اس نے کہا میں نے یہ لڑکی اپنے فلاں بیٹے کے لئے قبول کی۔ تقریباً ایک ماہ دس دن گزرنے کے بعد لڑکی کی والدہ لڑکے کے گھر گئی اور ان سے معذرت کرنے لگی کہ میرے رشتہ دار ناراض ہوتے ہیں، لہٰذا یہ رشتہ ہم لوگ منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن لڑکے والے منسوخ کرنا نہیں چاہتے۔ کیا یہ رشتہ لڑکے کی مرضی کے خلاف منسوخ ہو سکتا ہے؟

ج: منگنی رشتہ لینے دینے کے وعدے کا نام ہے۔ مگر منگنی سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے اور بغیر کسی معقول اور صحیح عذر کے وعدہ خلافی گناہ ہے۔ مگر چونکہ عقد نکاح نہیں ہوا، اس لئے لڑکے سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔[3]

منگنی میں ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے:

س: ہمارے یہاں رسم ہے کہ منگنی کی رات دعوت ہوتی ہے اور مولوی کو لڑکے والے لاتے ہیں اور مجلس میں باقاعدہ ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ اور بعد میں کچھ مدت گزرنے کے بعد شادی کے وقت پھر ایجاب وقبول ہوتا ہے اور رخصتی ہوتی ہے۔ کیا پہلے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر شادی اور منگنی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو بغیر طلاق کے

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۷ ص ۱۳۱ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۴ [3] ایضاً۔

تفریق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اگر منگنی والے ایجاب وقبول کے بعد دونوں میں سے کوئی فوت ہوگیا تو کیا ایک دوسرے سے اپنا حق وراثت لے سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے یہاں یہ بھی رسم اور رواج ہے کہ منگنی والے ایجاب وقبول کے بعد لڑکی کے والدین پھر دوسری جگہ منگنی نہیں کر سکتے لیکن یہ بات ہے کہ اگر لڑکا منگنی کے بعد اپنی منگیتر کے پاس آیا تو بہت لعن طعن کرتے ہیں؟

ج: اگر منگنی کی دعوت کے موقع پر باقاعدہ نکاح کا ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے اور اس پر گواہ بھی مقرر کئے جاتے ہیں تو یہ منگنی درحقیقت نکاح ہے اور شادی کے معنی رخصتی کے ہوں گے۔ اس لئے لڑکا اور لڑکی منگنی والے ایجاب وقبول کے بعد شرعاً میاں بیوی ہوں گے۔ اور ان پر میاں بیوی کے تمام احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً دونوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی پر ''عدت وفات'' لازم ہوگی۔ اور اگر منگنی کے موقع پر نکاح کا ایجاب وقبول نہیں ہوتا، صرف والدین سے وعدہ لیا جاتا ہے تو یہ نکاح نہیں اس پر نکاح کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔[1]

منگنی کے وقت والدین کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح ہوجاتا ہے:

س: شادی سے پہلے منگنی کی جاتی ہے۔ منگنی میں دلہا اور دلہن کی غیر موجودگی میں نکاح پڑھ دیا جاتا ہے۔ رواج کے مطابق دلہا اور دلہن کے والدین مولوی صاحب اور گواہوں کے سامنے بیٹھ کر دلہن کے والد صاحب اپنی بیٹی دلہا کے والد صاحب کو اس کے بیٹے کے لئے زوجیت میں دے دیتے ہیں۔ اور یہ الفاظ تین بار ادا ہوتے ہیں اور دلہا کے والد صاحب دلہن کو اپنے بیٹے کے لئے تین بار قبول کر لیتے ہیں۔ کیا نکاح ہوگیا؟ اب شادی کے بعد کا نکاح لازمی ہے یا نہیں؟

ج: منگنی کے وقت ایجاب وقبول کے جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں، ان سے نکاح ہوجاتا ہے۔ دوبارہ نکاح اور ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں۔

قرآن گود میں رکھ کر رشتہ کا وعدہ لینے سے نکاح نہیں ہوتا:

س: ہمارے گاؤں میں ایک شادی شدہ مرد کے لئے اس کے گھر والوں نے کسی دوسرے شخص سے رشتہ مانگا ہے جو اس نے انکار کردیا پھر انہوں نے کہا کہ اگر تم رشتہ دو گے تو پہلی بیوی کو طلاق دے دیں گے۔ کیونکہ اس سے ناچاقی ہے۔ وہ نامانا۔ لڑکے والوں نے قرآن مجید لے کر اس کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ تم رشتہ دو تو ہم اس لڑکی کو طلاق دے دیں گے۔ اس آدمی نے قرآن پاک کی وجہ سے رشتہ کی حامی بھرلی جس پر یہ نادم ہے۔ دوسری شادی کے لئے قانونی اجازت بھی نہیں لی گئی۔ مسئلہ اس صورت میں یہ درپیش ہے کہ کیا یہ آدمی رشتہ دینے کا پابند ہے اور اس لڑکی کو طلاق ہوگئی اور کیا قرآن مجید کا ایسا استعمال شریعت میں جائز ہے کیا صورت ہوں؟ کیا وہ رشتہ دینے سے انکار کرسکتا ہے؟ کیونکہ اس نے قرآن کے ڈر کی

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۵

وجہ سے ہاں کردی تھی؟

ج: صرف کسی کی گود میں قرآن رکھ دینے سے قسم نہیں ہوجاتی بہرکیف اگر آپ نے رشتہ دینے کی صرف حامی بھرلی تھی تو یہ نکاح نہیں بلکہ وعدہ نکاح ہے اور اگر آپ رشتہ نہیں دینا چاہتے تو اس میں صرف وعدہ خلافی ہوگی اور اگر آپ نے قسم اٹھا کر حامی بھری تھی تو اب رشتہ نہ دینے کی صورت میں قسم کا کفارہ بھی آپ کو ادا کرنا ہوگا۔ قرآن کریم کو ایسی باتوں کے لئے استعمال کرنا برا ہے۔ یہ آدمی رشتہ دینے کا پابند نہیں، اور اس لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔

لڑکا دیندار نہ ہو تو کیا منگنی توڑ سکتے ہیں:

س: (۱) ہماری ایک بیٹی ہے ہمارے گھرانہ کو الحمد للہ دیندار کہہ سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی بیٹی کی منگنی ایک دیندار لڑکے کے بجائے ایک دنیادار لڑکے سے کی ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اگر ایک دیندار لڑکے سے کرتے تو ان کی اولاد انشاء اللہ حافظ قرآن اور باعمل عالم ہوتی اس کے برعکس ان کے گھر میں ٹی وی، وی سی آر اور ہر طرح کی لغویات ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بیٹی کے اعمال بھی خراب ہوں گے۔ مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ اس رشتہ کے ذمہ دار ہم ہیں تو کیا آخرت میں ہماری بیٹی کے متوقع گناہوں کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی؟ کیونکہ ایک باشرع رشتہ کے موجود ہوتے ہوئے دوسری جگہ کا انتخاب کیا جارہا ہے کیا اس کے بارے میں قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ ہیں؟ اگر ہیں تو از راہ کرم مجھ کو ضرور مطلع فرمائیں۔

(۲) اور شرعی لحاظ سے رشتہ کے سلسلہ میں کیا چیزیں دیکھنا ضروری ہیں کہ جن کا خیال رکھا جائے؟

(۳) کیا منگنی وعدہ کے ضمن میں ہے اگر نہیں تو کیا اس کو ختم کرسکتے ہیں اور اگر میں ختم کروں تو گنہگار تو نہ ہوں گی؟

ج: یہ تو ظاہر ہے کہ جب آپ اپنی بیٹی کا رشتہ ایک ایسے لڑکے سے کریں گی جو دین سے بے بہرہ ہے تو متوقع گناہوں کا وبال آپ پر بھی پڑے گا اور قیامت کے دن ان گناہوں کا خمیازہ آپ کو بھی بھگتنا ہوگا۔ قرآن کریم اور احادیث شریف میں یہ مضمون بہت کثرت سے آیا ہے جو شخص کسی نیکی کا ذریعہ بنے اس کو اس نیکی میں برابر کا حصہ ملے گا اور نیکی کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جو شخص کسی گناہ اور برائی کا ذریعہ بنے گا اس کو اس گناہ میں بھی برابر کا حصہ ملے گا اور گناہ کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲) رشتہ تجویز کرنے میں والدین حسب ونسب' مال ومتاع اور ذریعہ معاش کے علاوہ اخلاق وکردار بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ شریعت میں بھی لڑکے اور لڑکی کی دینداری کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔[۱]

س: میری شادی یوں ہوئی۔ میں ایک گاؤں میں تھی اور لڑکا (جواب میرا شوہر ہے) کراچی مقیم تھا۔ ہم آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ میرے شوہر نے مجھے لکھا کہ میں تم سے بیس ہزار روپے مہر کے عوض شادی کرنا چاہتا ہوں اگر قبول ہو تو فارم پر دستخط کردیں۔ اس فارم پر میرے شوہر کے دستخط اور دو گواہوں کے دستخط تھے۔ ادھر میں نے بھی اسی فارم پر دستخط کئے اور

میری دو سہیلیوں اور ایک مرد کو (جو میری سہیلی کا بھائی تھا) گواہ کیا۔ ان سے بھی دستخط لئے۔ بعد میں میرے شوہر آئے اور ہم چپ چاپ کراچی آ گئے۔ اب جبکہ ہماری اولاد بھی ہو گئی ہے میرے والدین کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح غلط تھا۔ یہ بتایئے کہ جن حالات میں، میں تھی اور جیسے ہم نے دور دور الگ مقامات پر رہ کر نکاح کیا ہے، دل سے ہم نے قبول کیا۔ تو کیا یہ نکاح صحیح نہ تھا؟ بعد میں بہر حال ہم نے یہ بھی کر لیا کہ سول کورٹ گئے اور وہاں قاعدے کے مطابق سب کچھ کر لیا۔ مگر کیا اس سے پہلے ہم میاں بیوی ''حرام'' کے مرتکب ہوئے؟

ج: آپ کا نکاح درست نہیں تھا، اس لئے کہ نکاح میں ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہونا چاہئے۔ اور مزید یہ کہ نکاح کے گواہ دلہا اور دلہن دونوں کے مشترکہ ہونے چاہئیں۔ جبکہ یہاں نہ تو ایجاب وقبول زبانی ہوا اور نہ ایک مجلس میں ہوا اور گواہ بھی مشترکہ نہیں تھے بلکہ شوہر کے گواہ کراچی میں تھے اور آپ کے گواہ گاؤں میں تھے۔ سول کورٹ میں جا کر اگر آپ نے شرعی ضابطہ کے مطابق شادی کر لی ہے تو آپ میاں بیوی ہیں جبکہ اس سے قبل آپ دونوں حرام کے مرتکب ہوئے۔ خدا سے مغفرت طلب کریں۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ کے سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والدین اس نکاح میں شریک نہیں ہوئے۔ ورنہ پہلے ''خفیہ نکاح'' کرنے کی اور بعد میں سول کورٹ جا کر نکاح کرنے کی ضرورت پیش کیوں آتی؟ سو ایسا نکاح جو والدین کی اجازت کے بغیر کیا جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر لڑکا ہر اعتبار سے لڑکی کے جوڑ کا ہو تب تو نکاح صحیح ہے۔ ورنہ صحیح نہیں، خواہ عدالت میں کیا گیا ہو، پس اگر آپ کے شوہر آپ کے جوڑ کے ہیں تو سول کورٹ میں جو نکاح کیا گیا وہ صحیح ہے۔ اور اگر آپ کے شوہر کمتر حیثیت کے مالک ہیں تو سول کورٹ والا نکاح نہیں ہوا۔ والدین کی اجازت کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا جائے۔[1]

منگنی پر دیا ہوا سامان واپس لینا:

س: جہاں منگنی ہوئی تھی وہاں نکاح نہیں ہوا۔ تو منسوبہ کو جو کچھ دیا گیا تھا اسے واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: درمختار میں ہے۔

((خطب بنت رجل وبعث الیها اشیاء ولم یزوجها ابوها الخ۔ یسترد عینه قائما الخ وکذا یسترد ما هدی هدیة۔ قائم دون الهالك والمستهلك)) (الدر المختار ج۲ ص۵۰۱)

معلوم ہوا کہ جب نکاح نہ ہوا تو جو کچھ اس نے اس وجہ سے دیا ہے اور وہ موجود ہے۔ اس کو واپس لے سکتا ہے۔[2]

لڑکی کے قبول کئے بغیر نکاح نہیں ہوتا:

س: ایک لڑکا اور لڑکی آپس میں بہت پیار کرتے تھے۔ اور دونوں کا شادی کا بھی ارادہ تھا۔ جب یہ سب کچھ لڑکی کے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۶، تا ص ۴۰ [2] فتاوی دار العلوم ج ۷ ص ۱۵۹

والدین کو معلوم ہوا تو لڑکی کے والدین نے لڑکی کی شادی دوسرے لڑکے سے کروادی۔ جب لڑکی کا نکاح ہونے لگا تو لڑکی نے وکیلوں اور گواہوں کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ لڑکی کے باپ نے جھوٹے وکیلوں اور گواہوں کے ساتھ سیٹ کردیا۔ اسی جھوٹی گواہی سے مولوی صاحب سے نکاح پڑھوالیا۔ اب بتایئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اوران دونوں میاں بیوی کی اولاد جائز ہوگی یا نہیں؟

ج: عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کو قبول کرنا ضروری ہے، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا۔ آپ کی تحریر کردہ صورت میں لڑکی نے نکاح کی اجازت بھی نہیں دی اور نکاح ہونے کے بعد اس کو مسترد کردیا، تو یہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ نکاح کے بعد اگر لڑکی نے زبان سے اس نکاح کو مسترد نہیں کیا تھا بلکہ خاموش رہی تھی اور پھر جب لڑکی کو رخصت کیا گیا تو وہ چپ چاپ رخصت ہوگئی اور جس شخص سے اس کا نکاح کیا گیا تھا اس کو میاں بیوی کے تعلق کی اجازت دے دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے والدین کے کئے ہوئے نکاح کو عملاً قبول کرلیا۔ لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا اور اولاد بھی جائز ہے۔[1]

س: میں ایک لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔ اتنی محبت کہ میں نے روحانی طور پر اسے اپنی بیوی مان لیا ہے۔ اور کچھ عرصہ پہلے باقاعدہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بیوی مانا ہے۔ آپ بتایئے کہ کیا وہ لڑکی ایسا کرنے سے میری بیوی ہوگئی؟ اگر نہیں تو کیا کہیں اور شادی کرتے وقت مجھے اسے طلاق دینا ہوگی یا اس کی کوئی عدت وغیرہ کرنی ہوگی؟

ج: قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر بیوی ماننے سے بیوی نہیں ہوجاتی۔ چونکہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے سے دونوں کا نکاح نہیں ہوا اس لئے اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے اور آپ بھی والدین کی خواہش کے مطابق شادی کرسکتے ہیں۔ البتہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر آپ نے جو قسم کھائی تھی وہ ٹوٹ جائے گی لہٰذا نکاح کے بعد دونوں اپنی قسم کا کفارا ادا کریں۔

مسجد اور قرآن کو گواہ بنانا:

س: میں بنگلہ دیش میں رہتی تھی ہمارا چھوٹا سا خاندان تھا وہ سب جنگ میں مارا گیا۔ میں نے ایک گھر میں نوکری کرلی وہاں ایک ڈرائیور تھا بہت شریف خاندانی اور پڑھا لکھا۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم شادی کرلیتے ہیں، ہم دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ خدا کی کتاب اور اللہ کا گھر ہے اس کے سامنے کھڑے ہوکر ہم نے خدا کے سامنے وعدہ کیا کہ اے اللہ ہم دونوں کا نکاح قبول فرما۔ پھر ہم دونوں نے ازدواجی زندگی بسر کرنا شروع کردی۔ ہمارا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا ہے تو وہ طریقہ بتلائیں کہ کسی طرح سے ہمارا نکاح ہوجائے؟

ج: آپ نے جس طرح نکاح کرلیا ہے اس طرح نکاح نہیں ہوتا، دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے، موجودہ حالات میں تو آپ دونوں غلط کاری میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ کسی عالم کے پاس جانے سے بھی شرماتے ہیں تو کم ازکم دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کو بٹھا کر ان کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیجئے اور مہر بھی مقرر کرلیجئے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۲

[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۲

نامحرم کو لڑکی کا وکیل بنانا:

س: ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کسی گھر میں لڑکی کی منگنی کی جاتی ہے تو دس بیس آدمی یا کم وبیش لڑکے کے گھر والوں کی طرف سے لڑکی والے کے گھر جاتے ہیں، ساتھ ہی کافی مقدار میں مٹھائی وغیرہ اور لڑکی کے لئے کئی جوڑے کپڑے اور جوتے، انگوٹھی لڑکی کو پہناتے ہیں جو تھوڑی دیر کے بعد اتار دیتے ہیں، اس کے بعد لڑکے کے والوں کی آمد و رفت خلاف معمول کسی تکلف کے بغیر رہتی ہے، پھر شادی سے دو چار دن پہلے لڑکی کو کچھ مستورات لڑکے کے گھر سے آکر مایوں بٹھاتی ہیں اور لڑکی کے والدین لڑکی کے لئے جہیز وغیرہ بناتے ہیں۔ غرض مدعا یہ ہے کہ یہ سب باتیں ہوتی ہیں اور لڑکی کو اپنے رشتے اور نسبت کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور وہ تمام معاملے میں خاموش رہتی ہے۔ اور ان تمام باتوں کو لڑکی منظور کرتی ہے، اس کی صاف دلیل یہ ہے کہ لڑکی کسی بات پر انکار نہیں کرتی تو بوقت نکاح بعض حضرات لڑکی کے پاس اجازت کے لئے دو گواہ بھیجتے ہیں جو کہ غیر محرم ہوتے ہیں اور غیر محرم عورتوں میں بلا جھجک جاتے اور لڑکی سے اجازت نکاح اور وکیل کا سوال کرتے ہیں، اکثر و بیشتر لڑکی خود نہیں بولتی، پڑوس والی عورتوں میں سے کوئی عورت کہہ دیتی ہے کہ لڑکی نے فلاں کو وکیل مقرر کیا ہے، جب کہ لڑکی کا باپ، بھائی، چچا وغیرہ مجلس میں موجود ہوتے ہیں بعض اوقات ایسے نام بھی وکالت کے لئے سامنے آتے ہیں جن کی ولی اقرب کی موجودگی میں وکالت جائز بھی نہیں ہوتی کیا یہ سب کچھ جائز ہے؟

ج: اجنبی اور نامحرم لوگوں کا لڑکی کے پاس اجازت کے لئے جانا خلاف غیرت ہے، معلوم نہیں لوگ اس خلاف غیرت وحیا رسم کو کیوں سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔ باپ لڑکی کا ولی ہے وہی اس کی جانب سے نکاح کرنے کا وکیل اور مجاز بھی ہے، البتہ رشتہ طے کرنے اور مہر وغیرہ کے سلسلے میں لڑکی سے مشورہ ضرور ہونا چاہئے، اور یہ مشورہ لڑکی کی والدہ اور دوسری مستورات کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور آج کل تو نکاح کے فارم میں تمام امور کا اندراج ہوتا ہے، نکاح کے فارم پر دستخط کرنے سے لڑکی کی اجازت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اجنبی نامحرم اشخاص کو دلہن کے پاس بھیجنے (اور ان کے دلہن سے بے حجابانہ ملنے) کی رسم قطعاً موقوف کر دینی چاہئے۔ شادی کی تیاری کے باوجود کنواری لڑکی کا اس پر خاموش رہنا اس کی طرف سے اجازت ہے۔[1]

گونگے سے ایجاب وقبول کیسے کرایا جائے:

س: ایک لڑکی پیدائشی گونگی، بہری، نابینا ہے۔ یعنی نہ دیکھ سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے اور نہ بول سکتی ہے۔ اب وہ جوان ہو گئی اس کی شادی کا مسئلہ ہوا تو اس کی رضامندی کیسے پتہ چلے گی؟

ج: گونگا اشاروں کے ذریعہ اپنی رضامندی وناراضی کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور اشاروں سے اس کو بات سمجھائی جا سکتی ہے۔[2]

نکاح میں غلط ولدیت کا اظہار:

س: ایک شخص نے ایک لڑکا گود لیا۔ جب لڑکے کی شادی ہوئی تو اس شخص نے جس نے لڑکا گود لیا ہے، نکاح نامے پر

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۵ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۲

لڑکے کی اصل ولدیت کے بجائے اپنا نام لکھوا دیا۔ جبکہ لڑکے کا اصل والد بھی نکاح کے وقت موجود تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا لڑکے کا نکاح ہوگیا ہے؟

ج: غلط ولدیت نہیں لکھوانی چاہئے تھی۔ تاہم اگر مجلس نکاح کے حاضرین کو معلوم تھا کہ فلاں لڑکے کا نکاح ہورہا ہے تو نکاح ہوگیا۔[۱]

لڑکی کے دستخط اور لڑکے کا ایک بار قبول کرنا:

س: ایک دن میری ہمشیرہ کا اور دوسرے دن میرے کزن کا نکاح ہوا۔ جس میں محلہ کے امام صاحب نے نکاح پڑھایا مگر دولہا سے دو مرتبہ پوچھا "تمہیں قبول ہے" مگر دلہنوں سے صرف ایک دستخط کرائے۔ استفسار پر جواباً فرمانے لگے کہ شریعت میں ایک مرتبہ پوچھنا ہوتا ہے دوسری مرتبہ گواہوں کی تسلی کے لئے ہوتا ہے۔ آپ ہماری ذہنی خلش کو دور فرمادیں کیا یہ نکاح درست ہوئے ہیں؟

ج: صرف ایک دفعہ کے "قبول ہے" سے بھی نکاح ہوجاتا ہے۔ اور لڑکی نے جب دستخط کردیئے تو گویا اپنی رضامندی سے مولوی صاحب کو وکیل بنادیا اس لئے نکاح صحیح ہے۔[۲]

لڑکی کے صرف دستخط کرنا:

س: پندرہ دن پہلے میری شادی ہوئی تھی۔ نکاح کے وقت وکیل نے مجھ سے نکاح نامے پر صرف دستخط کرالئے یہ نہیں پوچھا کہ "آپ کو فلاں لڑکا قبول ہے۔" اب میں پریشان ہوں کہ آیا صرف دستخط کرنے سے نکاح ہوجاتا ہے یا وکیل کی طرف سے پورا جملہ بھی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اور کیا لڑکی کو بھی تین مرتبہ منہ سے "قبول ہے" بولنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ دستخط کرنے سے بھی نکاح ہوجاتا ہے بشرطیکہ لڑکی پر جبر نہ کریں اور وہ اپنی مرضی سے کرے۔ یہ بات میں واضح کردوں کہ نکاح نامے پر دستخط میں نے کسی کے دباؤ یا زور دینے پر نہیں کیے بلکہ اپنی مرضی خوشی اور ہوش وحواس میں کئے تھے۔

ج: لڑکی کی طرف سے فارم پر بغیر جبر واکراہ کے دستخط کردینے سے بھی اجازت ہوجاتی ہے۔ اس لئے نکاح صحیح ہے منہ سے "قبول" کہنا ضروری نہیں۔[۳]

فون پر نکاح کی شرعی حیثیت

فون پر ایجاب وقبول کا حکم:

س: لڑکا سعودی عرب میں اور لڑکی پاکستان میں ہے۔ پاکستان میں مجلس نکاح منعقد کی جاتی ہے۔ پھر فون پر لڑکے سے بات کی جاتی ہے۔ گواہ لڑکے کی آواز اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور اس کے قبول کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کیا اس طرح فون پر نکاح جائز ہے؟

---

[۱] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۲ [۲] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱ [۳] ایضاً۔

ج: ۱- نکاح کے انعقاد کے لئے مجلس کا ایک ہونا ضروری ہے۔مجلس سے غائب ہونے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا۔اگر ایسی ضرورت پیش ہوتو خاوند کسی کو وکیل بنادے وہ وکیل اس کا نکاح کردے، پھر فون پر خاوند کو مطلع کردے اور خاوند اجازت دیدے۔[۱]

دراصل فون دوطرح کے ہیں ایک وہ کہ اس کی آواز صرف وہی شخص سن سکتا ہے جس نے فون اٹھایا ہوا ہو، دوسرا فون وہ ہے جس کی آواز سب حاضرین کو سنائی دیتی ہے، پہلی قسم کے فون پر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایجاب وقبول کو معاً دونوں گواہوں کا سننا شرعاً ضروری ہے۔اس فون پر معاً سننا نہ ہوگا۔ بلکہ علی التعاقب ہوگا۔

چونکہ عموماً فون ایسے ہی ہیں اس لئے نکاح کے عدم انعقاد کا قول کیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے فون میں چونکہ مذکورہ شرط پائی جائے گی اس لئے نکاح منعقد ہوجائے گا۔فون کے ذریعہ جو براہ راست آواز آتی ہے اسے رسول کے پیغام ایجاب یا خط کے مضمون کے اعادہ کی طرح قرار دیں گے۔[۲]

ج: ۲-آج کل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں۔

(۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔

(۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

(۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرین مجلس بھی سن سکتے ہیں۔

اول الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اس لئے کہ گواہوں کے لئے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے۔ جو یہاں مفقود ہے اور دوسرے اور تیسرے فون سے چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا نکاح درست ہے۔[۳]

ج: ۳- نکاح کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب وقبول مجلس عقد میں گواہوں کے سامنے ہو اور ٹیلیفون پر یہ بات ممکن نہیں۔ اس لئے ٹیلیفون پر نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسی ضرورت ہو تو ٹیلیفون پر یا خط کے ذریعہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنادے اور وہ وکیل لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے۔ چونکہ آپ کی تحریر کردہ صورت میں نکاح نہیں ہوا اس لئے اب رخصتی سے پہلے ایجاب وقبول گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ کرالیا جائے۔[۴]

ج: صرف ٹیلیفون پر ایجاب وقبول کافی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ایک تو دونوں کی مجلس بالکل مختلف ہے۔ دوسرے گواہان، فریقین کی بات پوری طرح سن نہیں سکتے۔ البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ گواہان کے ذریعہ کوئی فریق (لڑکی یا لڑکا) کسی کو نکاح کے لئے وکیل بنادے اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں بحیثیت وکیل ایجاب وقبول کا فریضہ انجام دے۔

مثلاً ہندہ، زید کو ٹیلیفون کردے کہ میں تم کو اس بات کا وکیل بناتی ہوں کہ تم اپنے آپ سے میرا نکاح کردو۔ اب زید

---

۱ خیر الفتاوی ج ۴ ص ۳۶۹ ۲ خیر الفتاوی ج ۴ ص ۳۷۷

۳ فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۳۱۱ ۴ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱

دو گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ تم گواہ ہو کہ میں نے فلانہ بنت فلاں سے نکاح کرلیا تو نکاح ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ گواہان اس عورت (یا مرد) سے واقف اور متعارف ہوں۔[1]

بذریعہ خط نکاح کا حکم

کیا بذریعہ خط نکاح جائز ہے:

س: اگر کوئی عورت کسی مرد کو خط میں لکھے کہ میں اتنے مہر کے عوض آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ آپ منظور کریں۔ اس کے جواب میں اس شخص نے لکھا مجھے منظور ہے، اس شخص نے دو گواہوں کے سامنے عورت کا خط پڑھ کر سنایا اور اپنا جواب بھی سنایا، تو کیا یہ نکاح ہو گیا؟

جبکہ عورت نے بغیر گواہوں کی موجودگی کے خفیہ طور پر خط لکھا تھا۔ کیا دونوں کے خطوں پر بھی گواہان کے دستخط ہونے چاہئیں؟

ج: بذریعہ خط جواز نکاح کی صورت شامی میں یوں مذکور ہے۔ مثلاً مرد عورت کو خط لکھے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور عورت دو گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے اس خط کو پڑھے اور کہہ دے میں نے اپنا نکاح اس سے کیا۔ اس صورت کے موافق یہ بھی جائز ہے کہ عورت مرد کو خط لکھے اور مرد دو گواہوں کے سامنے اس خط کو پڑھے اور کہے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا۔ غرض یہ کہ اگر دو گواہوں کے سامنے شوہر نے اس خط کو پڑھ دیا یا قبول کرلیا تو نکاح ہو گیا۔[2]

س: ہندہ عاقلہ بالغہ اٹھارہ سالہ، کنواری۔ اس لحاظ سے کہ عنفوان جوانی کی وجہ سے بدکاری نہ ہو جائے، والدین اس کا نکاح ایسے شخص سے کرنا چاہتے ہیں جس سے ہندہ کو سخت نفرت ہے، اور شرم کی ناجائز رسم کے موافق اپنے ماں باپ کو روک بھی نہیں سکتی۔ خود پسند شوہر کو ایک تحریری ایجاب بصورت وکالت زید کی طرف ان الفاظ کے ساتھ لکھتی ہے۔

"زید من ترا اجازت مے دهمْ ووکیل مے سازم ترا درحق عقدِ نکاح من باخودت که درحضور گواهان معتبر عقد نکاح من باخود قبول کن۔ ومهرمن یك صدروپیه است"

زید نے ہندہ کی اس تحریر کے موافق اور معتبر گواہ بلا کر ہندہ کی یہ تحریر دکھا کر بایں الفاظ نکاح قبول کیا۔

((من بحسب و کالت نکاح هنده باخود نکاح هنده بنت بکر راگواهی شما بحق مهر مبلغ یك صد روپیه قبول کرده ام))

اور ان الفاظ کو تین بار دہرایا اور پھر اس کی خبر ہندہ کو دیدی۔ تو کیا ہندہ کا نکاح درست ہوگا؟

ج: ہندہ کا زید کو نکاح کا وکیل بنانا صحیح ہے، پس زید کا دو گواہوں کے سامنے ہندہ کا اپنے ساتھ نکاح کر لینا صحیح ہے۔ اور

---

[1] جدید فقہی مسائل ج۱ ص۱۴۹ [2] فتاوی دار العلوم ج۷ ص۱۰۲

ہندہ کی جانب سے گواہوں کا نامزد کرنا ضروری نہیں۔[1]

بغیر ولی کی اجازت کا نکاح

نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے:

س: ایک لڑکی کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی۔ اس نے عدت کے بعد تایازاد بہن کے لڑکے سے نکاح کیا اس نے بھی طلاق دے دی اور عدت گزرنے کے بعد اس نے پہلے شوہر سے نکاح کرلیا۔ دوبارہ نکاح میں لڑکی کے رشتہ دار شامل نہ ہوسکے کیونکہ صرف ماں راضی تھی گو بھائی شامل نہ ہوں اور گواہ میں کوئی دوسرے شامل ہوں تو نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

ج: جو صورت آپ نے لکھی ہے اس کے مطابق پہلے شوہر سے نکاح صحیح ہے۔ خواہ بھائی یا رشتہ دار اس نکاح میں شامل نہ ہوئے ہوں تب بھی یہ نکاح صحیح ہے۔ اولیاء کی رضامندی پہلی بار نکاح کے لئے ضروری ہے۔ اسی شوہر سے دوبارہ نکاح کے لئے ضروری نہیں کیونکہ وہ ایک بار اس شوہر سے نکاح پر رضامندی کا اظہار کرچکے ہیں۔ بلکہ اگر لڑکی پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو اولیاء کو اس سے روکنے کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے اس لئے اگر بھائی راضی نہیں تو وہ گنہگار رہیں لڑکی کا نکاح پہلے شوہر سے صحیح ہے۔[2]

ولی نابالغ بھائی کا نکاح کرسکتا ہے:

س: اولاد کا ''ولی'' باپ ہوتا ہے، باپ کی وفات کے بعد بڑا بھائی ''ولی'' ہوگا۔ میں سب سے چھوٹا بھائی ہوں، شادی شدہ ہوں اور پانچ بچے بھی ہیں، والد کی وفات کے بعد سے میرا سب سے بڑا بھائی اور سب سے بڑی بیوہ بہن اس حد تک ''ولایت'' جگاتے رہے ہیں کہ پوری وراثت (جائیداد) پر قابض ہیں۔ میری بیوی بچوں کو آنے بہانے جھگڑے کھڑے کرکے ایک سال سے زائد عرصہ ہوا میرے سسرال بھجوانے پر مجبور کردیا۔ شاید اس کا گناہ مجھ پر بھی ہو کہ مار پیٹ کا ظلم بیوی پر میں نے کیا۔ میری بڑی بہن اور بڑے بھائی کی توقعات میرے سسرال والوں سے ان کے لڑکوں کے رشتوں کے لئے ہیں جس دباؤ کے سبب مجھ سے بھی اپنی بیوی پر سختی کراتے ہیں۔ میرے بڑے بھائی بہن کی بیٹیاں جوان ہیں۔ کیا مجھے ان کی بات (حکم) ماننا چاہئے؟ کیا میرا بھائی بڑا ہونے کے سبب شرعی ''ولی'' ہے۔ کہ اس کی ہر اچھی اور بری بات مانیں؟

ج: ''ولی'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نابالغ بہن بھائیوں کا نکاح کرسکتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ جائیداد پر قابض ہوجائے۔ یا اپنے بھائی کی بیوی کو سسرال بھیج دے۔ آپ اپنے بھائی سے الگ رہائش اختیار کریں اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھیں۔[3]

---

[1] خیر الفتاوی ج۴ ص ۲۸۹ [2] آپ کے مسائل ج۵ ص ۴۶ [3] آپ کے مسائل ج۵ ص ۴۷

والدین کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا:

س: اگر لڑکی لڑکا اپنی رضامندی سے شادی کرنا چاہتے ہوں، والدین آڑے ہوں اور لڑکی لڑکا کورٹ نہ جا سکتے ہوں تو کیا کسی وکیل کے پاس جا کر دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح منعقد کیا جا سکتا ہے؟

ج: عام طور پر ایسے نکاح جن میں میں والدین کی رضامندی شامل نہ ہو یا والدین کے لئے ہتک عزت کے موجب ہوں وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتے۔ خواہ وکیل کے ذریعے سے ہوں یا عدالت میں ہوں۔

غیر کفو میں من پسند شادی:

س: مارچ ۸۶ء کے ڈائجسٹ میں مضمون ''شادی کیوں'' کے مطالعے کا موقع ملا۔ دوران مطالعہ یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ لڑکی خود اگر اپنی مرضی سے شادی کرلے تو نکاح ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کی ماں یا ولی وارث اور سرپرست کو اس نکاح پر کفو کا اعتراض ہے کہ اپنے جوڑ میں شادی نہیں ہے تو اسلامی عدالت میں اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ اور اگر حقیقت میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس لڑکی نے ماں باپ کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں شادی کی ہے تو قاضی اس نکاح کو فسخ کردے گا۔ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کا یہ مسئلہ غیر مفتی بہ ہے۔ علماء میں سے متاخرین احناف نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اب مفتی بہ یہی ہے کہ اگر بالغ لڑکی ولی عصبہ کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو وہ نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیلات کتب فقہ وفتاویٰ میں موجود ہیں۔

دوسری بات اس میں قابل تصحیح یہ ہے کہ ماں کو اس صورت میں ظاہر الروایہ کے مطابق نہ اعتراض کا حق ہے اور نہ ہی اس کی عدم رضا معتبر ہے تو مضمون مذکور میں ماں کا لفظ قابل حذف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ صرف ولی عصبہ کو غیر کفو میں نکاح کرنے پر ظاہر الروایہ کے مطابق حق اعتراض حاصل ہے۔ اور یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ متاخرین احناف نے اس مسئلہ میں روایت حسن ''عن ابی حنیفہ'' کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

ج: جناب کی یہ تنقید صحیح ہے۔ غیر کفو میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسا نکاح کالعدم اور لغو تصور کیا جائے گا، اس کو فسخ کرانے کے لئے ولی کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت نہیں۔ یہی مفتی بہ قول ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ماں ولی نہیں، عصبات علی الترتیب ولی ہیں۔ مضمون نگار کو ان دونوں مسئلوں میں سہو ہوا ہے۔

نوٹ: عصبہ ان وارثوں کو کہا جاتا ہے جن کا وراثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا بلکہ حصے والوں کے حصے ادا کرنے کے بعد جو مال باقی رہ جاتا ہے وہ ان کو دے دیا جاتا ہے اور یہ عصبات علی الترتیب چار ہیں۔

(۱) میت کے فروع یعنی بیٹا، پوتا، نیچے تک۔

(۲) میت کے اصول یعنی باپ یا دادا، پردادا اوپر تک۔

(۳) باپ کی اولاد یعنی بھائی بھتیجے بھتیجوں کی اولاد۔

(۴) دادا کی اولاد یعنی چچا، چچا کے لڑکے، پوتے۔

یہی عصبات علی الترتیب لڑکی کے نکاح کے لئے اس کے ولی ہیں۔[۱]

بغیر ولی کی اجازت کے پسند کی شادی:

س: کیا بالغ لڑکی اپنی پسند کے مطابق کسی لڑکے سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ والدین جبراً کسی دوسری جگہ چاہتے ہوں جہاں لڑکی تصور ہی نہ کر سکے اور مر جانا پسند کرے؟

ج: لڑکی کا والدین سے بالا بالا نکاح کر لینا شرافت وحیا کے خلاف ہے۔ تاہم اگر اس نے نکاح کر لیا تو اس کی دوصورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لڑکا اس کی برادری کا تھا۔ تعلیم، اخلاق اور مال وغیرہ میں بھی اس کے جوڑ کا تھا۔ تب تو نکاح صحیح ہو گیا۔ والدین کو بھی اس پر راضی ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان کے لئے یہ نکاح کسی عار کا موجب نہیں۔ اس لئے انہیں خود ہی لڑکی کی چاہت کو پورا کرنا چاہئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لڑکا خاندانی لحاظ سے لڑکی کے برابر کا نہیں۔ (اس میں بھی کچھ تفصیل ہے) یا ہے تو اس کی برادری کا مگر عقل وشکل۔ مال ودولت، تعلیم اور اخلاق ومذہب کے لحاظ سے لڑکی سے گھٹیا ہے۔ تو اس صورت میں لڑکی کا اپنے طور پر نکاح کرنا شرعاً لغو اور باطل ہوگا۔ جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں۔ آج کل جو لڑکیاں پسند کی شادیاں کرتی ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے کہ وہ اس شرعی مسئلہ کی رعایت کہاں تک کرتی ہیں؟[۲]

بھائی ولی بن سکتا ہے:

س: جب مسلمان کے گھر میں لڑکی جوان ہو جائے اور اس کے لئے مناسب رشتے بھی آتے ہوں لیکن لڑکی کے ماں باپ بضد ہیں کہ ہم لڑکی کا بیاہ نہیں کریں گے اور اس کے برخلاف لڑکی کا بڑا بھائی کہتا ہے کہ بہن کی شادی کر دینی چاہئے لیکن ماں بالکل نہیں مانتی کہ میں بیٹی کی شادی نہیں کرنے دوں گی اور لڑکی گھر پر بیٹھی رہے گی۔ اس ضمن میں لڑکی کے ماں باپ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور لڑکی کا بھائی بہت اصرار کرتا ہے کہ لڑکی کی شادی ضرور ہوگی لیکن ماں باپ نہیں مانتے۔ تو اب لڑکی کے بھائی کا خاموش رہنا بہتر ہے یا کہ سختی سے اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہئے؟

ج: لڑکی کے بھائی کا موقف صحیح ہے۔ والدین اگر بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں تو گنہگار ہیں اور اگر باپ نہیں صرف ماں ہے تو لڑکی کا ولی حقیقی بھائی ہے وہ لڑکی کی رضامندی سے عقد کر سکتا ہے ماں کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔[۳]

بالغ لڑکے، لڑکی کا نکاح ان کی اجازت پر موقوف ہے:

س: لڑکے کی عمر تقریباً بیس بائیس سال ہے۔ لڑکی کی عمر اٹھارہ تا بیس سال ہے دونوں عاقل بالغ شرعی اعتبار سے خودمختار

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۱ ۲ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۸

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۷

ہیں ان کا نکاح اس طرح کرایا گیا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے باپ کو مولوی صاحب نے اس طور سے ایجاب وقبول کرایا کہ لڑکی کے باپ سے مولوی صاحب نے پوچھا کہ تم نے اپنی لڑکی بہ عوض حق مہران صاحب کے بیٹے کے نکاح میں دی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے دی۔ لڑکے کے باپ سے پوچھا کہ تم نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی، انہوں نے کہا قبول کی۔ اس کے بعد لڑکا اور لڑکی ہر دو کے والدین نے اپنے بچوں کو اس نکاح سے مطلع نہیں کیا۔ اب لڑکا علیحدہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج: یہ نکاح تو ہوگیا مگر لڑکے اور لڑکی دونوں کی اجازت پر موقوف رہا۔ اطلاع ہونے کے بعد اگر دونوں نے قبول کرلیا تھا تو نکاح صحیح ہوگیا۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک نے انکار کردیا تھا تو نکاح ختم ہوگیا۔[1]

عدالتی نکاح کا حکم:

س: ایک لڑکی اور لڑکے نے اپنے ورثاء کو بتائے بغیر چپکے سے عدالت میں جاکر کورٹ میرج (نکاح) کرلیا۔ جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب کے علاوہ صرف دو آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ کیا ایسا نکاح شرعاً جائز ہے؟

ج: احادیث مبارکہ میں ہے کہ عقد نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے۔ چپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعت مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورت مسئولہ میں اس نکاح میں لڑکے اور لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی بطور گواہ بھی شریک تھے۔ اس لئے یہ نکاح جائز اور درست ہے۔ مگر کراہت سے خالی نہیں۔ تاہم اس عقدِ نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لئے حلال ہیں۔[2]

نابالغ اولاد کا نکاح

- **نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح جائز ہے:**

س: عرض یہ ہے کہ ہماری برادری میں لڑکے یا لڑکی ابھی چار پانچ سال کے بھی نہیں ہوتے کہ ان کی شادی کردی جاتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتے ہیں تو ان کی رخصتی کردیتے ہیں۔ لڑکے یا لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول ان کے والدین کرتے ہیں جبکہ لڑکے یا لڑکی کی رضامندی نہیں ہوتی۔ اس طرح کی شادیاں ہمارے اسلام میں جائز ہیں یا نہیں؟

ج: نابالغ لڑکے، لڑکی کا نکاح ان کے ولی کے ایجاب وقبول کے ساتھ صحیح ہے۔ اور بالغ ہونے کے بعد باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح کو مسترد کرنے کا اختیار ان کو نہیں۔[3]

بالغ ہوتے ہی نکاح فوراً مسترد کرنے کا اختیار:

س: کیا نابالغ لڑکی کا نکاح نابالغ لڑکے سے ہوجاتا ہے، جبکہ وہ دونوں اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اپنی والدہ کا

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۴ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۳۰۳ [3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۷، ص ۵۸

دودھ پی رہے ہوتے ہیں؟ بعض خاندانوں میں ایسے نکاح کا رواج عام ہے۔ اور اس نکاح کے تمام فرائض لڑکی کی ماں اور لڑکے کا باپ انجام دیتا ہے۔ کیا یہ نکاح شریعت کی رو سے جائز ہے؟

ج: نابالغی میں بچوں کا نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کے بالغ ہونے کے بعد ان کے رجحان کا لحاظ کرتے ہوئے کرنا چاہئے۔ تاہم بعض اوقات والدین از راہ شفقت اسی میں بھلائی دیکھتے ہیں کہ نابالغی میں بچے کا عقد کر دیا جائے۔ اس لئے شریعت نے نابالغی کے نکاح کو بھی جائز رکھا ہے۔ پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نکاح باپ نے یا دادا نے کیا ہو تو بچوں کو بالغ ہونے کے بعد اختیار نہیں۔ بلکہ لڑکا اگر اس رشتہ کو پسند نہیں کرتا تو طلاق دے سکتا ہے۔ اور اگر لڑکی پسند نہیں کرتی تو خلع لے سکتی ہے۔ اور اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے نابالغ کا نکاح کر دیا تھا تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اس نکاح کے رکھنے یا مسترد کرنے کا اختیار ہے مگر اس کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ جس مجلس میں وہ بالغ ہوئے ہوں، اسی مجلس میں بالغ ہوتے ہی اس کو مسترد کر دیں۔ اور اگر بالغ ہونے کے بعد فوراً اسی مجلس میں نکاح کو مسترد نہیں کیا۔ بلکہ مجلس کے برخاست ہونے تک خاموش رہے تو نکاح پکا ہو جائے گا۔ بعد میں اس کو مسترد نہیں کر سکتے۔[1]

نابالغی کا نکاح اور بلوغت کے بعد اختیار:

س: ہمارے گاؤں میں نکاح کا ایک طریقہ رائج ہے جو کہ کم وبیش ہی پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ لڑکا اور لڑکی ابھی چھوٹی عمر کے ہی ہوتے ہیں یعنی بالکل نابالغ بچے ہوتے ہیں کہ ان کے والدین ان نابالغ بچوں کے نکاح کا آپس میں ایک معاہدہ کر لیتے ہیں۔ میری آپ سے گزارش یہ ہے کہ کیا یہ نکاح اسلام میں جائز ہے؟ ہماری مقامی زبان میں اسے ''جابہ قبولہ'' کہتے ہیں کیوں کہ میں نے کتاب میں پڑھا ہے کہ نکاح میں لڑکے اور لڑکی کا رضامند ہونا نہایت ہی ضروری ہے ورنہ جبراً نکاح نہیں ہوتا۔ اگر یہ جابہ قبولہ جائز ہے تو اس کی شرائط کیا ہیں اور یہ معاہدہ کون کر سکتا ہے؟ نیز بالغ ہونے پر لڑکے اور لڑکی کی رضامندی نہ ہو تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اس معاہدہ یعنی جابہ قبولہ کا شریعت کی رو سے نام کیا ہے؟

ج: نابالغی کا نکاح جائز ہے، پھر اگر باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور نے کرا دیا تھا تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اختیار ہوگا کہ وہ اسے رکھے یا مسترد کر دے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں لڑکی بالغ ہو اسی مجلس میں اعلان کر دے، ورنہ نکاح لازم ہو جائے گا اور بعد میں مسترد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو مسترد کرنے کا اختیار نہیں الا یہ کہ واضح طور پر یہ نکاح اولاد کی رعایت وشفقت کی بنا پر نہیں بلکہ کسی لالچ کی بناء پر کیا گیا ہو۔[2]

بچپن کے نکاح کے فسخ کی صورت:

س: ایک لڑکی کے بچپن میں باپ نے ایک شخص کو عام طریقے سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے لڑکے کو دے دیا۔ اب لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد عدالت میں بیان دیا ہے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی۔ اس صورت میں پہلا

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۵۷ ص ۵۸ [2] ایضاً۔

نکاح ہوایا نہیں؟

ج: ''میں نے اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کو دے دی۔'' کے الفاظ کبھی ''رشتہ کا وعدہ'' یعنی منگنی کے لئے بولے جاتے ہیں اور کبھی نکاح کے ایجاب وقبول کے لئے۔ اب فیصلہ طلب چیز یہ ہے کہ یہ الفاظ لڑکی کے والد نے کس حیثیت سے کہے تھے؟ اس کا فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ:

الف: جس مجلس میں یہ الفاظ کہے گئے اگر وہ مجلس لڑکے یا لڑکی کے نکاح کے لئے منعقد کی گئی تھی، قاضی کو بھی بلایا گیا تھا، گواہ بھی بلائے گئے تھے، مہر بھی مقرر کیا گیا تھا اور لڑکے لڑکی کے والدین نے اپنے بچوں کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب وقبول بھی کیا تھا تو یہ ''نکاح'' ہوا۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کے توڑنے کا اختیار نہیں۔ اور اس کا عدالت میں دیا ہوا بیان بھی بے محل ہے۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ لڑکے سے باقاعدہ طلاق لی جائے۔

ب: دوسری صورت یہ ہے کہ جس موقع پر یہ الفاظ کہے گئے تھے نہ وہ نکاح کی مجلس تھی، نہ مہر کا ذکر تھا، نہ گواہ تھے تو ''میں نے اپنی لڑکی تمہارے لڑکے کو دے دی'' کے الفاظ محض وعدہ نکاح یا منگنی شمار ہوں گے۔ اس لئے لڑکی کا وہاں شادی کرنے سے انکار صحیح ہے۔ کیونکہ جب ان الفاظ سے نکاح ہی نہیں ہوا، تو لڑکی کو عدالت میں جا کر بیان دینے کی ضرورت نہیں۔ [1]

کفو کے احکام

کفو کا کیا مفہوم ہے:

س: کیا لڑکا اور لڑکی سول میرج کر سکتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا تھا کہ ''اگر دونوں ہر حیثیت سے برابر ہوں، تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔'' آپ ''ہر حیثیت سے برابر'' کی وضاحت کریں؟

ج: ''لڑکا ہر حیثیت سے لڑکی کے برابر ہو'' اس سے مراد یہ ہے کہ دین، دیانت، مال، نسب، پیشہ اور تعلیم میں لڑکا لڑکی سے کم تر نہ ہو۔ [2]

فلسفۂ کفو:

س: دو ایک سوال کے جواب میں نکاح کی بابت آپ نے کچھ فرمایا، جس کا نچوڑ یہ ہے کہ بالغ لڑکا اور لڑکی کا نکاح ان کے والدین کی مرضی کے خلاف ان کی عدم موجودگی میں صرف اسی صورت جائز ہوگا جب دونوں، لڑکا اور لڑکی برادری، تعلیم، اخلاق، مال، عقل وشکل میں (آپ کے الفاظ میں) ہم پلہ ہوں۔ قبلہ......! جہاں تک اخلاق کی بات ہے وہ تو قابل فہم ہے، باقی باتیں میری ناقص عقل میں نہیں آتیں۔ میں نے اب تک تو یہی پڑھا اور سنا ہے کہ مذہب اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فوقیت حاصل نہیں۔ اور مسلمانوں کی حیثیت ومرتبہ کا تعین صرف تقویٰ، ایمان واخلاق اور نیک اعمال سے

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۶۰　[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱

ہوگا۔ نسل، برادری، وجاہت و دولت سے نہیں۔

اور جب یہ بات ہے تو بالغ مرد و عورت کے نکاح کے لئے مذکورہ بالا شرائط عقل وشکل، مال، برادری وغیرہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ (خواہ یہ نکاح والدین کی مرضی کے مطابق نہ ہو)۔ حضور والا اگر کچھ اس پر روشنی ڈالیں تو مجھ کم علم کی الجھن دور ہو جائے۔

ج: جناب نے ''اسلامی مساوات'' کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست اور بجا ہے۔ اسلام کسی کو کسی پر فخر کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ رنگ ونسل، عقل وشکل اور برادری یا مال کو معیار فضیلت قرار دیتا ہے۔ لیکن اس پر بھی غور فرمایئے کہ ''نکاح'' اس مقدس رشتہ کا نام ہے جو نہ صرف زوجین کو بلکہ ان کے تمام متعلقین کو بھی بہت سے حقوق وفرائض کا پابند کرتا ہے۔ اور ان تمام حقوق وفرائض کی ادائیگی نہ صرف میاں بیوی کی مکمل یکجہتی اور ہم آہنگی پر موقوف ہے بلکہ دونوں طرف کے اہل تعلق کے درمیان باہمی انس واحترام کو بھی چاہتی ہے۔

ادھر انسانی نفسیات کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ بہت ہی کم اور شاذ ونادر ایسے حضرات ہوں گے جو صرف (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم) کے اصول کو رشتہ ازدواج میں کافی سمجھیں اور ان کی نظر نہ لڑکے لڑکی کی عقل وشکل پر جائے، نہ تعلیم وتہذیب پر، نہ رنگ ونسب پر، نہ جان ومال پر۔ رشتہ ازدواج چونکہ محض ایک نظریاتی چیز نہیں، بلکہ زندگی کی امتحان گاہ میں ہر لحہ اسے عملی تجربوں سے گزرنا ہوتا ہے اور اس رشتہ سے بڑھ کر (اپنے عملی آثار ونتائج کے اعتبار سے) کوئی رشتہ اتنا نازک، اتنا طویل اور ایسے وسیع تعلقات اور ذمہ داریوں کا حامل نہیں۔ اس لئے اسلام نے جو صحیح معنوں میں دین فطرت ہے، انسانی فطرت کی ان کمزوریوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور نہ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے ''اصول مساوات'' کے مطابق جہاں یہ فتویٰ دیا کہ ایک مسلمان خاتون کا نکاح، بلاتمیز رنگ ونسل، عقل وشکل اور مال ووجاہت ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے۔ وہاں اس نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ اس عقد سے متاثر ہونے والے اہم ترین افراد کی رضامندی کے بغیر بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے۔ تاکہ اس عقد کے نتیجہ میں ناخوشگواریوں، تلخیوں اور لڑائی جھگڑوں کا طوفان برپا نہ ہو جائے۔ یہ حاصل ہے اسلام میں مسئلہ کفو کی اہمیت کا۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب مسئلہ لکھتا ہوں۔ ایک اعلیٰ ترین خاندان کا فرد، اپنی فرشتہ سیرت اور حور شمائل صاحب زادی کا عقد اس کی رضامندی سے، کسی نومسلم حبشی کے ساتھ کر دیتا ہے تو اسلام نہ صرف اس کو جائز رکھتا ہے، بلکہ اسے داد تحسین دیتا ہے۔ یہ تو ہوا اسلام کا اصول مساوات۔

اب لیجئے دوسری صورت...... کہ ایک شریف اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی صرف اپنے جوش عشق میں کسی ایسے لڑکے سے نکاح کر لیتی ہے۔ جو حسب ونسب، عزوشرف، دین وتقویٰ، علم وفضل، مال وجاہ کے لحاظ سے کسی طرح بھی اس کے جوڑ کا نہیں اور یہ عقد والدین اور اقرباء کی رائے کے علی الرغم ہوتا ہے تو چونکہ رشتہ ازدواج میاں بیوی کو دو بکریوں کی طرح باندھ

دینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے کچھ حقوق وفرائض بھی ہیں۔ اور اسلام یہ دیکھتا ہے کہ ان حالات میں اس مقدس رشتہ کے نازک ترین حقوق اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ادا نہیں ہوسکیں گے۔ اس لئے والدین اور اولیاء کی رضامندی کے بغیر اسلام اس بے جوڑ عقد کو ناروا قرار دے کر ان تمام فتنوں اور لڑائی جھگڑوں کا دروازہ بند کر دینا چاہتا ہے جو اس بے جوڑ عقد کے نتیجے میں پیدا ہوسکتے ہیں۔ اگر جناب ان معروضات پر توجہ فرمائیں گے تو مجھے توقع ہے کہ اسلام کا دین فطرت ہونا بھی آپ پر کھل جائے گا۔[1]

غیر کفو میں نکاح باطل ہے:

س: اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور لڑکی والوں کا یہ قانون یا رواج ہے کہ وہ خاندان سے یا برادری سے باہر لڑکی نہیں دیتے اور جس لڑکے کو لڑکی پسند کرتی ہے وہ غیر برادری کا ہے اور تعلیم، اخلاق اور مالی حیثیت میں لڑکی سے کم نہیں ہے اور وہ دونوں گھر والوں سے چھپ کر شادی کر لیتے ہیں تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر لڑکا ہر طرح لڑکی کی حیثیت کے برابر کا ہے کہ لڑکی کے وارثوں کو اس نکاح سے کوئی عار نہیں لاحق ہوتی تو نکاح صحیح ہے۔

س: اگر باپ دادا اور بھائیوں کی غیر موجودگی میں نکاح باطل ہے تو شریعت کے مطابق اس نکاح کی اہمیت کیا ہے جو والدین سے چھپ کر کرتے ہیں، یعنی کورٹ میرج؟

ج: اگر کفو میں ہو تو جائز ہے اور غیر کفو میں ہو تو باطل ہے۔[2]

غیر برادری میں شادی منع نہیں:

س: بعض مسلمان برادریاں اپنے سوا دوسری مسلمان برادریوں میں شادی بیاہ کرنا بہ منزلہ حرام کے سمجھتے ہیں۔ براہ مہربانی تحریر فرمائیے کہ ان کا یہ فعل شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟ اس قسم کے ایک نکاح کی ایک ایسے صاحب شدید مخالفت کر رہے ہیں جن کے والد کے نکاح میں غیر برادری کی دو خواتین تھیں اور بیٹے کے گھر میں بھی غیر برادری کی خاتون ہے۔ ان صاحب کی اس مخالفت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج: برادری کے محدود دائرے میں شادی بیاہ کرنے پر بعض برادریوں کی طرف سے جو زور دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس پر ہرجانہ یا بائیکاٹ تک کی سزا دی جاتی ہے، یہ تو شرعاً بالکل غلط ہے اور حرام ہے۔ لڑکی اور اس کے والدین کی رضامندی سے دوسری اسلامی برادریوں میں بھی نکاح ہوسکتا ہے اور اس میں شرعاً کوئی عیب کی بات نہیں اور اگر دوسری برادری کا لڑکا نیک ہو اور اپنی برادری میں ایسا رشتہ نہ ہو تو غیر برادری کے ایسے نیک رشتے کو ترجیح دینی چاہئے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۶۲ تا ۶۳ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج۵ ص۶۴

غیر کفو میں نکاح والدین کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا:

س: کیا کوئی مسلمان بالغ لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر اپنی پسند کی شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

ج: لڑکی کا نکاح تو والدین ہی کو کرنا چاہئے اور ان کو لڑکی کی پسند کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے۔ لڑکی کا والدین سے بالا بالا نکاح کر لینا حیا کے خلاف ہے اور اگر لڑکا کمتر حیثیت کا مالک ہو تو ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔[1]

س: ایک لڑکی نے والدین کی رضامندی کے بغیر کورٹ سے مختار نامہ لے کر اپنے سابقہ ڈرائیور سے شادی کر لی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا والد کو فسخ کرنے کا حق ہے، جبکہ لڑکی میمن خاندان کی ہے، لڑکا پٹھان ہے۔ عادات واخلاق کے اعتبار سے لڑکی والے اور لڑکے والوں میں بڑا فرق ہے۔ مالی اعتبار سے بھی لڑکے کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ لڑکی کو اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ بھی نہیں دے سکتا۔ والدین کا خیال ہے کہ موجودہ نکاح غیر قانونی اور غیر شرعی ہے۔ لڑکی والوں کے خاندان پر بدنما داغ ہے جبکہ لڑکے کی ایک بیوی پہلے سے موجود بھی ہے۔ اب کیا صورت ہوگی؟

ج: اگر لڑکے اور لڑکی کے درمیان نسب کے اعتبار سے، مال کے اعتبار سے، دین کے اعتبار سے یا پیشے کے اعتبار سے جوڑ نہ ہو تو والدین کی رضامندی کے بغیر کیا گیا نکاح شرعاً صحیح نہیں ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دینا واجب ہے۔ مذکورہ سوال میں چونکہ پیشہ اور مال کے اعتبار سے لڑکا لڑکی ہم پلہ نہیں ہیں اس لئے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ دونوں کے درمیان علیحدگی ضروری ہے۔ لڑکی اور لڑکا اگر علیحدگی پر رضامند نہیں تو لڑکی کے والدین کو شرعاً قانونی وعدالتی کارروائی کرنے کا حق ہے۔ بہر حال لڑکی کی رضامندی پر والدین کی مرضی کے خلاف غیر خاندان میں جو نکاح ہوا وہ صحیح نہ ہوا۔[2]

چاہت میں خفیہ شادی کرنا غلط ہے:

س: ایک لڑکے لڑکی نے چاہت میں شادی کر لی۔ دونوں کے والدین کو علم نہیں بعد ازاں لڑکی کے چچا نے پولیس کے ذریعہ لڑکی واپس منگوائی اور یہ کہہ کر اس کا دوسرا نکاح کر دیا کہ پہلا نکاح نابالغی میں ہوا تھا۔ اب اگر لڑکا ثبوت پیش کرے کہ جب میں نے نکاح کیا تھا تو لڑکی بالغ تھی۔ تو ایسی صورت میں کون سا نکاح صحیح ہوا؟ پہلا یا دوسرا؟

ج: لڑکی اگر اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں شادی کرنا چاہے تو یہ نکاح نہیں ہوتا۔ والدین کے علم کے بغیر جو شادیاں کی جاتی ہیں وہ عموماً ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں پہلا نکاح غلط تھا، دوسرا صحیح ہے۔[3]

سید کا نکاح غیر سید سے:

س: ہمارے ملک پاکستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو سید ہیں وہ دوسرے گھرانوں یعنی اہلسنت والجماعت وغیرہ کے ہاں، یا جو اہلسنت ہیں سید خاندان کے ہاں شادی کر لیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کی تفصیل بیان کریں۔

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۶۴ [2] آپ کے مسائل ج۵ ص۶۵ [3] ایضاً۔

ج: لڑکی اور اس کے والدین کی رضامندی سے ہر مسلمان کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔ خواہ لڑکی اعلیٰ ترین شریف خاندان کی ہو اور لڑکا فرض کیجئے نومسلم ہو۔ لیکن اگر والدین یہ نکاح لڑکی کی اجازت کے بغیر کرتے ہیں یا لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر کر لیتی ہے تو جائز نہیں۔[1]

سید کا غیر سید سے نکاح کا جواز:

س: ایک مسئلہ "سید قوم کی خاتون کا نکاح غیر سید سے ہوسکتا ہے" پڑھا۔ ہمارے یہاں پر ایک شاہ صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید نہ تھے بلکہ سید آل حسنؓ وحسینؓ کہلاتی ہے۔ آپ ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔

ج: جس طرح ان شاہ صاحب کے نزدیک حضور ﷺ سید نہیں تھے، اسی طرح حضرت علیؓ بھی سید نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہ سیدہ تھیں ان سیدہ کا نکاح آنحضرت ﷺ نے غیر سید سے کیا، بلکہ آپ ﷺ کی چاروں صاحب زادیاں سیدہ تھیں۔ ان کے نکاح غیر سیدوں سے ہوئے۔ پھر حضرت علیؓ کی ساری صاحب زادیوں کے نکاح غیر سیدوں سے ہوئے۔ اگر شاہ صاحب کے نزدیک آج کی سید زادیاں حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے زیادہ مقدس ہیں تو میں ان کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتا اور آج تک کسی امام وفقیہ نے یہ نہیں کہا کہ سید زادی کا نکاح غیر سید سے نہیں ہوسکتا۔ شاہ صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ امام زین العابدین نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کیا تھا۔[2]

سید لڑکی کی غیر سید لڑکے سے خفیہ شادی کالعدم ہے:

س: میں اور مشتاق ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مشتاق نے میرے گھر رشتہ بھیجا مگر میرے گھر والوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم سید ہیں، باہر شادی نہیں کریں گے۔ ہم نے مایوس ہو کر علیحدگی میں پانچ آدمیوں کی گواہی میں سارے کاغذات پر نکاح نامہ لکھ کر ایجاب وقبول کیا اور شیرینی تقسیم کی اور کورٹ میں جانے کو فرصت پر ٹال دیا۔ مگر اب صورتحال یہ ہے کہ چند وجوہ کی بنا پر کورٹ نہ جاسکے تو ہمارا سابقہ نکاح کافی ہے یا نہیں؟

ج: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی سید ہے اور لڑکے کا تعلق کسی غیر قریشی خاندان سے ہے۔ پس اگر لڑکا قریشی نہیں تو وہ سید لڑکی کا "کفو" نہیں، یعنی خاندانی اعتبار سے برابر نہیں۔ ایسا رشتہ والدین کی اجازت سے تو ہوسکتا ہے لیکن جب والدین ناخوش ہوں تو نکاح صحیح نہیں۔ چونکہ یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، اس لئے آپ دونوں میاں بیوی نہیں بنے اور اگر آپ کورٹ جا کر نکاح کر لیں گے والدین کی اطلاع واجازت کے بغیر یہ نکاح جب بھی نہیں ہوگا۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۶۵

[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۶۶ [3] ایضاً۔

صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح حرام ہے:

س: کیا ایک مسلمان عورت کسی مجبوری کی وجہ سے یا بے آسرا ہونے کی وجہ سے کسی عیسائی مرد کے ساتھ شادی کرسکتی ہے؟ جبکہ اس عورت کی پہلے کسی مسلمان آدمی سے شادی ہوئی تھی اور اس سے اس عورت کی ایک لڑکی بھی ہے اور اب عیسائی مرد سے بھی دو بچے ہیں، کیا مسلمان عورت عیسائی سے شادی کرسکتی ہے؟ کیا وہ اپنا مذہب تبدیل کرسکتی ہے یعنی مسلمان سے عیسائی ہوسکتی ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کی کیا سزا ہے؟

ج: کسی مسلمان عورت کی غیر مسلم سے شادی نہیں ہوسکتی۔ اس کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ اس عورت کو چاہئے کہ اس شخص سے فوراً الگ ہو جائے اور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور جن لوگوں نے اس شادی کو جائز کہا ہے وہ بھی توبہ کریں اور اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں اور کسی مسلمان کا عیسائی بن جانے کا ارادہ کرنا بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔[1]

سنی لڑکی کا نکاح شیعہ مرد سے نہیں ہوسکتا:

س: کیا سنی لڑکی کا نکاح غیر سنی یعنی شیعہ مرد کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

ج: جو شخص کفریہ عقیدہ رکھتا ہو، مثلاً قرآن کریم میں کمی بیشی کا قائل ہو، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہو، یا حضرت علیؓ کو صفات الوہیت سے متصف مانتا ہو، یا یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حضرت جبریل علیہ السلام غلطی سے آنحضرت ﷺ پر وحی لے آئے تھے، یا کسی اور ضرورت دین کا منکر ہو، ایسا شخص تو مسلمان ہی نہیں۔ اور اس سے کسی سنی عورت کا نکاح درست نہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ تین چار افراد کے سوا باقی پوری جماعت صحابہؓ کو (نعوذ باللہ) کافر و منافق اور مرتد سمجھتے ہیں اور اپنے ائمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل و برتر سمجھتے ہیں اس لئے وہ مسلمان نہیں اور ان سے مسلمانوں کا رشتہ ناتا جائز نہیں۔ شیعہ عقائد ونظریات کے لئے میری کتاب ''شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم'' دیکھ لی جائے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۶۷ [2] ایضاً۔

قادیانی عورت سے نکاح حرام ہے:

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ کیا کسی قادیانی عورت سے نکاح جائز ہے؟

ج: قادیانی زندیق اور مرتد ہیں اور مرتدہ کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے نہ کسی کافر سے اور نہ کسی مرتد سے۔

''ہدایہ'' میں ہے:

((اعلم أن تصرفات المرتد على أقسام نافذ بالاتفاق كالا ستيلاد والطلاق وباطل بالاتفاق كالنكاح والذبيحة لأنه يعتمد الملة ولا ملة له))۔ (ھدایہ ج۲،ص۵۸۳)

ترجمہ: ''جاننا چاہئے کہ مرتد کے تصرفات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم بالاتفاق نافذ ہے۔ جیسے استیلاد اور طلاق۔ دوسری قسم بالاتفاق باطل ہے۔ جیسے نکاح اور ذبیحہ، کیونکہ یہ موقوف ہے ملت پر اور مرتد کی کوئی ملت نہیں۔''

درمختار میں ہے:

((ولا يصح (أن ينكح مرتد أو مرتدة أحدا) من الناس مطلقا وفي الشامية (قوله مطلقا) أي مسلما أو كافرا أو مرتدا)) (فتاویٰ شامی ص۲۰۰، ج۳)

ترجمہ: ''اور مرتد یا مرتدہ کا نکاح کسی انسان سے مطلقاً صحیح نہیں۔ یعنی نہ مسلمان سے نہ کافر سے اور نہ مرتد سے۔''

فتاویٰ عالمگیری میں مرتد کے نکاح کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

((فلا يجوز له أن يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمية ولا حرة ولا مملوكة۔))

(فتاویٰ عالمگیری ج۳،ص۵۸۰)

ترجمہ: ''پس مرتد کو اجازت نہیں کہ وہ نکاح کرے کسی مسلمان عورت سے نہ کسی مرتدہ سے نہ ذمی عورت سے نہ آزاد سے اور نہ باندی سے۔''

فقہ شافعی کی مستند کتاب ''شرح مہذب'' میں ہے،

((لا يصح نكاح المرتد والمرتدة لأن القصد بالنكاح الاستمتاع ولما كان دمهما هدراً ووجب قتلهما فلا يتحقق الا ستمتاع ولأن الرحمة تقتضي إبطال النكاح قبل الدخول فلا ينعقد النكاح معها)) (شرح مہذب ج۱۶،ص۲۱۴)

ترجمہ: اور مرتد اور مرتدہ کا نکاح صحیح نہیں۔ کیونکہ نکاح سے مقصود نکاح کے فوائد کا حصول ہے۔ چونکہ ان کا خون مباح ہے اور انکا قتل واجب ہے، اس لئے میاں بیوی کا استمتاع متحقق نہیں ہوسکتا۔ اور اس لئے

بھی کہ تقاضائے رحمت یہ ہے کہ اس نکاح کو رخصتی سے پہلے ہی باطل قرار دیا جائے۔ اس بنا پر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔''

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی مع الشرح الکبیر'' میں ہے:

((والمرتدة يحرم نكاحها على أى دين كانت لأنه لم يثبت لها حكم أهل الدين الذى انتقلت إليه فى إقرارها عليه ففى حلها أولى))

ترجمہ: ''اور مرتد عورت سے نکاح حرام ہے خواہ اس نے کوئی سا دین اختیار کیا ہو۔ کیونکہ جس دین کی طرف وہ منتقل ہوئی ہے اس کے لئے اس دین کے لوگوں کا حکم ثابت نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ اس دین پر برقرار رکھی جائے تو اس سے نکاح کے حلال ہونے کا حکم بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں ہوگا۔''

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ قادیانی مرتد کا نکاح صحیح نہیں بلکہ باطل محض ہے۔

س: اولاد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

ج: جب اوپر معلوم ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہیں تو ظاہر ہے کہ قادیانی مرتدہ سے پیدا ہونے والی اولاد بھی جائز اولاد نہیں ہوگی۔ البتہ اوپر جو صورتیں اس شخص کے مسلمان ہونے کی ذکر کی گئیں اگر وہ صورتیں ہیں تو یہ ''شبہ کا نکاح'' ہوگا۔ اور اس کی اولاد جائز ہوگی۔ اور یہ اولاد مسلمان باپ کے تابع ہو تو مسلمان ہوگی۔

س: اس شخص سے معاشرتی تعلق روا رکھنا جائز ہے یا نہیں جسے علاقے کے لوگ مختلف اداروں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کی بیوی قادیانی ہے؟ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اس کا مذہب اس کے ساتھ ہے ہمیں اس کے مذہب سے کیا لینا، یہ ہمارے مسائل حل کراتا ہے۔ تو از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

ج: یہ شخص جب تک قادیانی عورت کو علیحدہ نہ کردے اس وقت تک اس سے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ جو لوگ مذہب سے بے پروا ہو کر محض دنیوی مفادات کے لئے اس سے تعلقات رکھتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہیں۔ اگر انہیں اپنا ایمان عزیز ہے اور اگر وہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے خواستگار ہیں تو ان کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور جب تک یہ شخص اس قادیانی مرتدہ کو علیحدہ نہیں کر دیتا اس سے تمام معاشرتی تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (مجادلہ ۲۲)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ

ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے) اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے۔''

س: اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ مرتد تو وہ ہوتا ہے جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی پہلے مسلمان تھا بعد میں نعوذ باللہ کافر ہوگیا۔ اس لئے جو شخص پہلے مسلمان تھا پھر اس نے مرزائی مذہب اختیار کر لیا وہ تو مرتد ہوا۔ لیکن جو شخص پیدائشی قادیانی ہو وہ تو مرتد نہیں کیونکہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر قادیانی کفر اختیار نہیں کیا بلکہ وہ ابتدا ہی سے کافر ہے۔ وہ مرتد کیسے ہوا؟

ج: اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہر قادیانی ''زندیق'' ہے۔ اور ''زندیق'' وہ شخص ہے جو اسلام کے خلاف عقائد رکھتا ہو، اس کے باوجود اسلام کا دعویٰ کرتا ہو اور تاویلات باطلہ کے ذریعے اپنے عقائد کو عین اسلام قرار دیتا ہو۔ اور ''زندیق'' کا حکم بعینہ مرتد کا ہے۔ البتہ ''زندیق'' اور ''مرتد'' میں یہ فرق ہے کہ مرتد کی توبہ بالاتفاق لائق قبول ہے اور زندیق کی توبہ کے قبول کئے جانے یا نہ کئے جانے میں اختلاف ہے۔ اس ایک فرق کے علاوہ باقی تمام احکام میں مرتد اور زندیق برابر ہیں۔ اس لئے قادیانی مرزائی خواہ پیدائشی مرزائی ہوں یا اسلام کو چھوڑ کر مرزائی بنے ہوں دونوں صورتوں میں ان کا حکم مرتد کا ہے۔[1]

جن عورتوں سے نکاح جائز ہے

ناجائز حمل کی صورت میں نکاح کا جواز:

س: ایک لڑکی کے ناجائز تعلقات تھے اور عملاً ناجائز حمل ٹھہر گیا۔ اب مذکورہ آدمی اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ حمل کی صورت میں نکاح جائز ہے؟

ج: نکاح تو اس سے بھی جائز ہے جس کا حمل ہے اور کسی دوسرے سے بھی۔ مگر جس کا حمل ہے وہ نکاح کے بعد صحبت بھی کر سکتا ہے۔ دوسرے سے اگر نکاح ہو تو اس کو وضع حمل تک صحبت کرنے کی اجازت نہیں۔[2]

زنا کے حمل کی صورت میں نکاح کا جواز:

س: آپ سے ایک عورت نے یہ سوال کیا تھا، ''میرا نکاح ہوا تو غیر آدمی کا حمل پیٹ میں تھا اس نکاح کے بعد ۷ سال ہو چکے ہیں اور دو بچے بھی ہیں۔ خدا کے واسطے مولانا صاحب آپ بتلایئے کہ میں کیا کفارہ ادا کروں؟'' جواب میں آپ

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۷۶ [2] ایضاً۔

نے فرمایا تھا، ''آپ کا نکاح جو ناجائز حمل کی حالت میں ہوا، صحیح تھا''

مولانا صاحب عرض ہے کہ آپ کا مندرجہ بالا جواب کس فقہ کے مطابق ہے کسی ایک کتاب کا حوالہ دیجئے۔ میں بے حد ممنون ومشکور ہوں گا۔ کیونکہ بعض علماء کرام کے مطابق غیر آدمی سے حاملہ عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ صرف زانی مرد سے ہوسکتا ہے اور اگر حاملہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا یا ہوسکتا ہے تو پھر بیوہ یا مطلقہ عورت کا نکاح بھی حاملہ کی صورت میں ہوسکتا ہے یا نہیں۔

ج: میں نے جو مسئلہ لکھا ہے وہ فقہ حنفی کی تقریباً ساری بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ درمختار میں ہے،

((وصح نکاح حبلی من زنی وإن حرم وطؤها حتیٰ تضع لو نكحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا)) (شامی ج۲،ص۴۸ طبع جدید)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

((وقال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى يجوز أن يتزوج امرأة حملا من الزنا ولا يطؤها حتى تضع۔ وقال أبويوسف رحمه الله لا يصح والفتوى على قولهما كذا في المحيط))

(فتاویٰ عالمگیری ص۲۸۰، ج۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق حاملہ کا نکاح زانی اور غیر زانی دونوں سے ہوجاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وضع حمل سے پہلے زانی صحبت بھی کرسکتا ہے اور غیر زانی نہیں کرسکتا۔ جس خاتون نے مسئلہ پوچھا تھا اس کا کیس کئی سال پرانا تھا اس لئے اس کو صرف نکاح کے صحیح ہونے کا مسئلہ بتادیا گیا۔ دوسرا حصہ اس سے متعلق نہیں تھا اس لئے اسے ذکر نہیں کیا گیا۔ بیوہ یا مطلقہ عورت کا نکاح حمل میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ عدت میں ہے۔

مرحومہ بیوی کی پھوپھی سے نکاح:

س: میرے دوست کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے اور میرے دوست کے خاندان والے اس کی شادی بیوی کی پھوپھی سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ پھوپھی ساس کے ساتھ شادی کرے؟

ج: بیوی کے مرنے کے بعد بیوی کی پھوپھی، اس کی خالہ اور اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔[۱]

بھائی کی بیوی کی پہلی اولاد سے نکاح:

س: میرے بھائی نے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کیا۔ ان خاتون کے ایک لڑکی پہلے شوہر سے تھی اب میرے بھائی سے بھی ماشاءاللہ دو بچے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں بچے تو میرے سگے بھتیجے ہوئے اور اسی رشتے سے پہلے شوہر سے جو لڑکی ہے وہ میری بھتیجی ہوئی۔ مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ آیا میں لڑکی سے (جو پہلے شوہر سے ہے) شادی کرسکتا ہوں؟

---

[۱] آپ کے مسائل ج۵ ص۸۸

ج: آپ کے بھائی کی بیوی کی پہلی اولاد سے آپ کی شادی میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔[1]

باپ کی پھوپھی زاد بہن سے نکاح:

س: میرے والد کی سگی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ مجھے فوراً بتائیں مہربانی ہوگی۔ اور میرا اس لڑکی کے ساتھ کیا رشتہ بنتا ہے؟

ج: باپ کی پھوپھی زاد بہن سے نکاح جائز ہے۔[2]

رشتہ کی پھوپھی سے نکاح:

س: بشیر اور نصیر دونوں بھائی ہیں۔ زید بشیر کے پوتے کی شادی نصیر کی لڑکی بندہ سے کرنا چاہتے ہیں جو کہ ایک رشتے سے زید کی پھوپھی لگتی ہے۔ ہماری برادری کے بہت سے لوگوں کا اعتراض ہے کہ یہ شادی جائز نہیں۔ حالانکہ رضاعت کا بھی کوئی رشتہ نہیں ہے۔

ج: ایک بھائی کے پوتے کا دوسرے بھائی کی لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ رشتہ شرعاً درست ہے۔ کوئی قباحت نہیں۔ لڑکی، لڑکے کی سگی پھوپھی نہیں کہ اشکال ہو۔[3]

بیوہ چچی سے نکاح جائز ہے:

س: ایک شخص نے ایک غیر مسلم عورت کو مسلمان کر کے اس سے شادی کی۔ اس عورت سے اس شخص کے چار بچے ہوئے پھر وہ شخص انتقال کر گیا۔ اس شخص کے مرنے کے دوسال بعد بچوں کے مستقبل کی خاطر اس شخص کے سگے بھتیجے نے اس عورت سے شادی کر لی۔ کیا اسلام کی رو سے یہ شادی جائز ہے؟

ج: شوہر کا بھتیجا عورت کا محرم نہیں۔ اس سے نکاح جائز ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور رشتہ محرمیت کا نہ ہو۔[4]

تایازاد بہن کے لڑکے سے نکاح:

س: کیا تایازاد بہن کے لڑکے سے شادی ہوسکتی ہے؟ کیونکہ وہ لڑکا رشتے میں لڑکی کا بھانجا ہوتا ہے۔ ان دونوں کا رشتہ خالہ بھانجے کا ہوا۔

ج: تایازاد بہن کے لڑکے سے نکاح جائز ہے وہ سگا بھانجا نہیں۔[5]

تایازاد بہن سے نکاح جائز ہے:

س: میرے والدین میری شادی میرے تایا کی لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اسلام میں تایازاد بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ج: نکاح جائز ہے۔[6]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۵۵ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج۵ ص۸۹
[4] ایضاً۔ [5] آپ کے مسائل ج۵ ص۸۹ [6] ایضاً

جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں

باپ شریک بہن کے لڑکے سے نکاح جائز نہیں:

س: میرے ابا نے پہلے شادی کی، چھ بچے پیدا ہوئے، پھر پہلی بیوی کو طلاق دے دی، پھر میرے ابا نے اپنی سگی خالہ کی لڑکی سے دوسری شادی کی، اس سے بھی چھ بچے ہوئے۔ پھر پہلی بیوی کی لڑکی کی شادی دوسری بیوی کے بھائی سے کر دی۔ اب وہ میرے ماموں اور ممانی بھی لگتے ہیں، اور سوتیلی بہن بہنوئی بھی۔ ان کا ایک لڑکا ہے اب ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں ہم ایک دوسرے کے ماموں، پھوپھی زاد بہن بھائی بھی ہیں اور خالہ بھانجے بھی ہیں۔ کیا ہم دونوں کی آپس میں شادی ہوسکتی ہے؟

ج: آپ کی سوتیلی بہن، جو رشتہ میں آپ کی ممانی بھی لگتی ہیں اس کے لڑکے سے آپ کا عقد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ لڑکا آپ کا بھانجا ہے۔ اور خالہ بھانجے کا عقد نہیں ہوسکتا۔[٢]

بھانجی سے نکاح باطل ہے:

س: میرا ایک دوست ہے، اس نے اپنی حقیقی بھانجی سے شادی کر لی ہے، یہ اس طرح کہ میرا دوست سلیم اور اس کی بہن شاہدہ ایک ماں کی اولاد ہیں۔ شاہدہ کا باپ مر گیا تھا تو شاہدہ کی ماں نے نکاح کر لیا۔ اس سے سلیم پیدا ہوا۔ شاہدہ اور سلیم نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے، ایک ماں سے پیدا ہوئے ہیں، جبکہ باپ الگ الگ تھے۔ شاہدہ کی شادی کے بعد نوراں پیدا ہوئی اور جب وہ جوان ہوئی تو سلیم کو پسند کرنے لگی۔ سلیم بھی چاہنے لگا اور خود کو عاقل و بالغ ظاہر کر کے شادی کر لی۔ میرا دوست کہتا ہے کہ یہ شادی جائز ہے۔ کیونکہ ہم نے نکاح کیا ہے۔ نکاح کسی سے بھی جائز ہے ہم نے حرام نہیں کیا۔ جبکہ شرعی لحاظ سے یہ نکاح ہوا ہی نہیں ہے۔ نوراں کا کہنا ہے کہ سلیم مجھے طلاق دے دے میں الگ ہو جاؤں گی۔ سلیم کہتا ہے کہ جب نکاح نہیں ہوا تو طلاق کیسی؟ یہ الگ رہے اور نکاح کر لے میں زبردستی تھوڑی رکھ رہا ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا جب تک وہ طلاق نہ لکھے نوراں شادی نہیں کر سکتی یا بغیر طلاق کے نوراں کا نکاح جائز ہوگا۔ وہ الگ ہو جائے یا وہ اسی طرح زندگی بسر کریں۔ اور ان لوگوں کے یہاں کا کھانا پینا، ان سے ملنا جلنا جائز ہے یا نہیں؟ اسلام کی رو سے کیا حکم ہے؟

ج: آپ کے دوست کا اپنی بھانجی سے نکاح قرآن کریم کی نص قطعی سے باطل ہے۔ اور اس کو حلال اور جائز سمجھنے والا کافر و مرتد ہے۔ یہ نکاح نہیں ہوا نہ طلاق کی ضرورت ہے۔ کیونکہ طلاق کی ضرورت نکاح کے بعد ہوتی ہے جب نکاح ہی

---

[١] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۸۹ [٢] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۹۵

نہیں ہوا تو طلاق کے کیا معنی؟ البتہ چونکہ یہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے ملاپ کر چکے ہیں، اس لئے آپ کے دوست پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان سے یہ الفاظ کہہ دے کہ میں نے اس کو الگ کیا، اور یہ کہہ کر دونوں فوراً الگ ہو جائیں اور اس فعل بد سے توبہ کریں اور دونوں اپنے ایمان کی بھی تجدید کریں۔ جب تک وہ توبہ کر کے الگ الگ نہیں ہو جاتے ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ جائز نہیں۔[1]

بھانجے کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں:

س: کریم بخش کی بڑی بہن کا ایک ہی لڑکا ہے جس نے غیر خاندان میں شادی کی ہے جس سے اس کی ایک لڑکی ریحانہ ہے۔ اس طرح یہ لڑکی ریحانہ، کریم بخش کے بھانجے کی لڑکی اور بڑی بہن کی پوتی ہے۔ مولانا صاحب کیا قانون خداوندی کے تحت لڑکی ریحانہ اور کریم بخش کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ج: بھانجے کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح بہن سے نکاح حرام ہے، اسی طرح بہن کی اولاد اور اولاد کی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے۔[2]

سوتیلی بہن کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں:

س: مسئلہ یہ ہے کہ سوتیلے بھائی کی شادی سوتیلی بہن کی لڑکی سے ہوسکتی ہے؟ یعنی سوتیلے ماموں اور بھتیجی کا نکاح اسلام کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شادی ہو جاتی ہے کچھ کہتے ہیں کہ نہیں ہوسکتی ہے۔ میں اس سلسلے میں بڑا پریشان ہوں خدارا جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں؟

ج: سوتیلی بہن کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن کریم میں اس کو محرمات میں شمار کیا ہے۔[3]

سوتیلے والد سے نکاح جائز نہیں:

س: رضیہ کی والدہ کی شادی پچیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اور ایک سال بعد رضیہ نے جنم لیا۔ لیکن جب رضیہ کی عمر دس سال ہوئی تو اس کے والدین میں کچھ ناچاقی پیدا ہوگئی۔ جس سے رضیہ کے والد نے رضیہ کی والدہ کو طلاق دے دی اور رضیہ کو مہر کی جگہ والدہ کو لکھ کر دے دیا۔ کچھ عرصہ گزرا تو رضیہ کی والدہ نے اپنے سے پندرہ سال کم عمر لڑکے سے شادی کر لی۔ رضیہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ رہتی رہی۔ لیکن خدا کو کچھ منظور نہ تھا اس لئے دوسری شادی بھی کامیاب نہ رہی اور طلاق ہوگئی۔ اس وقت رضیہ کی عمر ۲۴ سال ہے اور اس کے سوتیلے باپ کی عمر ۳۵ سال ہے۔ رضیہ کا خیال ہے کہ وہ اس آدمی سے شادی کر لے جبکہ پہلے رشتہ سے وہ رضی کا سوتیلا باپ لگتا تھا لیکن اب کوئی رشتہ نہیں کیونکہ اس نے رضیہ کی والدہ کو طلاق دے دی ہے اور نہ ہی یہ آدمی خاندان میں سے ہے۔ ہمیں قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیے کہ کیا رضیہ کا نکاح اس آدمی سے ہوسکتا ہے؟

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۹۶ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔

ج: سوتیلا باپ ہمیشہ کے لئے باپ رہتا ہے خواہ لڑکی کی والدہ مرگئی ہو یا اسے طلاق دے دی ہو۔ رضیہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ سے نہیں ہوسکتا۔ سوتیلا باپ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح سگا باپ حرام ہے۔[1]

سوتیلی پھوپھی سے شادی جائز نہیں:

س: ''ق'' نے پہلی شادی کے کافی عرصہ بعد دوسری شادی کی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ''ق'' کی پہلی بیوی کے بیٹے کی شادی اس کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جائز ہے کہ نہیں؟ یعنی ''ق'' کے پوتے کی شادی اس کی بیٹی سے جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ رشتے میں لڑکی لڑکے کی سوتیلی پھوپھی ہوتی ہے اور لڑکا سوتیلا بھتیجا۔ دراصل پریشانی یہ ہے کہ یہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں اور ہم سب کے خیال میں کتاب وسنت کی روشنی میں یہ سب جائز نہیں۔ آپ جلد از جلد ہمیں اس کا جواب دیں تاکہ دونوں کو سمجھایا جاسکے؟

ج: جس طرح سگی پھوپھی سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح سوتیلی پھوپھی سے بھی جائز نہیں۔[2]

دو سوتیلی بہنوں کو ایک نکاح میں رکھنا جائز نہیں:

س: میرا دوست زید اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی سوتیلی بہن (سالی) سے نکاح کا خواہشمند ہے۔ (دونوں بہنوں کی ماں ایک ہی ہے مگر باپ سوتیلے ہیں) کیا دو سوتیلی بہنیں ایک نکاح میں رہ سکتی ہیں؟ جبکہ حالات بھی ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہوں؟

ج: دو بہنیں ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ خواہ دونوں سگی ہوں یا باپ شریک ہوں یا ماں شریک۔[3]

خالہ اور بھانجی سے بیک وقت نکاح حرام ہے:

س ہمارے والد محترم نے ہماری والدہ سے شادی کے کئی سال بعد ہماری والدہ کی بڑی بہن کی بیٹی سے خفیہ طور پر نکاح خواں سے رشتہ کی نوعیت کا اظہار کئے بغیر شادی کرلی ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ آیا شریعت کی رو سے ''خالہ'' اور ''بھانجی'' سے بیک وقت اس طرح نکاح جائز ہے؟ اور آیا ہماری نئی والدہ جو رشتے کے اعتبار سے ہماری خالہ کی بیٹی ہے، ماں کی حیثیت حاصل کرسکتی ہے؟

ج: آپ کی والدہ کی موجودگی میں یہ نکاح جائز نہیں، بلکہ نص قرآن کی رو سے حرام اور ممنوع ہے۔ آپ کے والد محترم نئی دلہن کو فوراً الگ کردیں یہ نکاح نہیں زنا ہے۔ اور آپ کے والد کے حق میں اندیشہ کفر ہے اس لئے ایمان کی تجدید کرکے آپ کی والدہ سے بھی دوبارہ نکاح کریں۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ص۹۸ [2] آپ کے مسائل ج۵ص۹۹
[3] ایضاً۔ [4] آپ کے مسائل ج۵ص۹۹

نکاح پر نکاح کرنا

کسی کی منکوحہ سے نکاح:

س: میرے دو بچے ہیں۔۱۲ سال قبل شادی ہوئی تھی مجھ سے پہلے میری بیوی کی شادی ایک دوسرے شخص سے ہوئی تھی اس شخص کو ایک مقدمہ میں ۱۶ سال سزائے قید ہوگئی تھی۔ دو سال کے بعد میں نے اس کی بیوی سے عدالت میں نکاح کرلیا، جبکہ پہلے شوہر نے ابھی تک طلاق نہیں دی۔ اس سے بھی میری بیوی کی چار بچے ہیں۔ اب اس نے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ خدا کے لئے قرآن کی روشنی میں بتائیے کہ یہ میری بیوی ہے یا پہلے شوہر کی یا اب ہم کیا کریں؟

ج: یہ تو ظاہر ہے کہ جب یہ عورت پہلے ایک شخص کی منکوحہ ہے اور اس نے طلاق نہیں دی تو یہ عورت اسی کی بیوی ہے، اور یہ مسئلہ ہر عام وخاص کو معلوم ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے دوسرے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے یہ عورت آپ کی بیوی نہیں، بلکہ پہلے شوہر کی بیوی ہے، آپ اس کو علیحدہ کردیں، اور وہ عدت گزار کر پہلے شوہر کے پاس چلی جائے یا پہلے شوہر سے طلاق لے لی جائے۔ اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے دوبارہ صحیح نکاح کریں۔[1]

نکاح پر نکاح کو جائز سمجھنا کفر ہے:

س: ایک عورت جس کے شوہر عرصہ پندرہ سال سے انڈیا میں رہتے ہیں، اس عورت نے پاکستان میں کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے۔ جبکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اس میں بھی کئی اشخاص شامل تھے جبکہ دوسری مرتبہ نکاح پڑھوالیا اور ان لوگوں کو علم بھی ہے کہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اس کے متعلق بھی یہی سنا ہے کہ نکاح میں شامل ہونے والوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ کیا یہ شادی درست ہے؟ کیا ان لوگوں کا نکاح فسخ ہوگیا اور اگر شوہر لاپتہ ہوجائے تو کتنے عرصے کے بعد عورت نکاح کرے یا علم بھی ہو اور شوہر طلاق نہ دیتا ہو تو بھی عورت کتنے عرصے کے بعد نکاح کرسکتی ہے؟

ج: جو عورت کسی کے نکاح میں ہو جب تک وہ اسے طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کو جائز سمجھ کر دوسرے نکاح میں شریک ہونے والے اسلام سے خارج ہوگئے۔ ان کو لازم ہے کہ توبہ کریں اور اپنے ایمان ونکاح کی تجدید کریں۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۰۴

جس عورت کا شوہر لا پتہ ہو گیا ہو اس کو چاہئے کہ عدالت سے رجوع کرے۔ عدالت میں اپنے نکاح کا ثبوت اور شوہر کی گمشدگی کا ثبوت پیش کرے۔ اس ثبوت کے بعد عدالت اس عورت کو مزید چار سال انتظار کرنے کا حکم دے، اور اس دوران اس کے لا پتہ شوہر کا پتہ چلانے کی کوشش کرے، اگر اس عرصہ میں شوہر کا سراغ نہ مل سکے تو عدالت اس کی موت کا فیصلہ کر دے۔ اس فیصلہ کے بعد عورت اپنے شوہر کی موت کی عدت (چار مہینے دس دن) پوری کرے۔ عدت پوری ہونے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن جب تک عدالت سے اس کے لا پتہ شوہر کی موت کا فیصلہ نہ کرالیا جائے عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔

جو شوہر نہ تو اپنی بیوی کو آباد کرتا ہو نہ اسے طلاق دیتا ہو وہ عورت عدالت سے رجوع کرے اور عدالت تحقیق و تفتیش کے بعد شوہر کو حکم دے کہ وہ یا تو دستور کے مطابق بیوی کو آباد کرے، یا اسے طلاق دیدے۔ اگر وہ کسی بات پر بھی آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر یا اس کے وکیل کی موجودگی میں ''فسخ نکاح'' کا خود فیصلہ کر دے۔ اس فیصلے کے بعد عورت عدت گزارے عدت کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔[1]

جبر واکراہ سے نکاح

نکاح میں لڑکے لڑکی پر زبردستی نہ کی جائے:

س: زید کا نکاح ایسی جگہ کیا جا رہا ہے کہ نہ تو زید اس سے رضامند ہے اور نہ ہی زید کا والد راضی ہے۔ صرف والدہ زید اس پر اصرار کر رہی ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج: جب زید رشتہ پر راضی نہیں ہے تو اس پر جبر واکراہ صحیح نہیں۔ ورنہ آج اس نے اگر نکاح کا ایجاب وقبول کر بھی لیا تو کل جب موافقت نہیں ہوگی تو طلاق دے دے گا۔

بچپن کی منگنی کی بنیاد پر زبردستی نکاح:

ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً چھ سال تھی، اس کی منگنی کی گئی۔ اب وہ جوان ہے اور میٹرک پاس ہے۔ اب وہ شادی سے انکار کرتی ہے شادی سے اس کے ماں باپ نے لڑکے والوں کو منع کر دیا کہ لڑکی رضامند نہیں ہے لڑکے والے راضی نہیں ہو رہے ہیں اور عدالت تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ زبردستی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیں۔ مشکور ہوں گا۔

ج: اگر لڑکی وہاں رضامند نہیں تو اس کی رضا کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ختم کر دینا چاہئے۔ اور لڑکے والوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ عدالت میں پہنچ کر کیا کریں گے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۰۴

بالغہ لڑکی کی زبردستی شادی:

س: والدین نے لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کردی۔ لڑکے نے لڑکی کو خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن لڑکی کے دل میں لڑکے کی جگہ نہ بن سکی تو اس سلسلے میں لڑکے کو کیا کرنا چاہئے؟ براہ مہربانی اس کا جواب شریعت کی رو سے ارسال فرمائیں؟

ج: عاقلہ، بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کرنا جائز نہیں۔ اگر لڑکی نے والدین کے کہنے کی وجہ سے نکاح منظور کرلیا تھا تو نکاح تو ہوگیا لیکن چونکہ دونوں میاں بیوی کے درمیان الفت پیدا نہیں ہوسکی اس لئے لڑکے کو چاہئے کہ اگر لڑکی خوش نہیں تو اسے طلاق دے کر فارغ کردے۔

لڑکی کا بیہوش ہونے پر انگوٹھا لگوانا:

س: ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہوگی اس کی شادی ایک ۳۵ سال سے زیادہ عمر کے شخص سے ہوئی۔ اس شخص کی پہلی بیوی سے بھی اولاد تھی جو اس لڑکی سے بھی زیادہ عمر کی تھی۔ نکاح کے وقت جب لڑکی سے اجازت نامہ پر دستخط کروانے گئے تو اس نے انکار کردیا کیونکہ لڑکی اس شادی پر تیار نہ تھی وہ مسلسل رو رو کر انکار کررہی تھی۔ اور روتے روتے بیہوش ہوگئی اور بیہوشی کی حالت میں اجازت نامہ پر انگوٹھا لگوایا گیا یعنی گواہوں نے ہاتھ پکڑ کر لگایا۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا یہ نکاح ہوگیا؟ اگر نہیں تو ان کو کیا کرنا چاہئے؟

ج: نکاح کے لئے لڑکی کا اجازت دینا شرط ہے۔ آپ نے جو واقعات لکھے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اس لڑکی کی طرف سے نکاح کی اجازت ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے نکاح نہیں ہوا۔

بالغہ لڑکی کا نکاح قبول نہ کرنا:

س: ہمارے مذہب اسلام میں ہر بالغہ لڑکی کو پسند کی شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر ماں باپ بالغہ لڑکی کا نکاح کسی لڑکے سے زبردستی اس کی مرضی کے خلاف کردیں تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر بالغہ لڑکی نے نکاح قبول نہیں کیا بلکہ نکاح کا سن کر اس نے انکار کردیا تو نکاح نہیں ہوا۔ اور اگر والدین کی عزت وآبرو کا خیال کرکے اس نے انکار نہیں کیا بلکہ خاموش رہی، نکاح قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگیا۔[1]

بالغ اولاد کا نکاح رضامندی کے بغیر کرنا:

س: کیا بالغ اولاد کی شادی اس کی بغیر رضامندی کے والدین کرسکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ زندگی اولاد نے گزارنی ہے نہ کہ والدین نے؟

ج: بالغ اولاد کی رضامندی نکاح کے لئے شرط ہے۔ اس لئے والدین کے لئے یہ جائز نہیں کہ بالغ اولاد کو اس کی مرضی کے خلاف پر مجبور کرے۔ لیکن اگر بالغ لڑکے اور لڑکی نے اپنی خواہش کے خلاف والدین کی تجویز کو قبول کرلیا اور اس کی

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۴

منظوری دے دی تو نکاح ہو جائے گا۔ اور اگر لڑکے یا لڑکی نے نکاح کو قبول نہیں کیا تو نکاح نہیں ہوگا۔[1]

دھوکے کا نکاح صحیح نہیں:

س: میرے ایک دوست کی بہن کا نکاح میرے دوست نے زبردست دباؤ کی وجہ سے ایک ایسے شخص سے کر دیا جو کہ کسی طور پر بھی موزوں نہیں تھا۔ نکاح کے وقت لڑکی کی عمر گیارہ سال تھی اور اسے یہ کہہ کر کہ یہ زمین کے کاغذات ہیں نکاح نامہ پر دستخط کرائے گئے۔ (ان دنوں میں لڑکی کے والد کا انتقال ہوا تھا اور زمین کی ٹرانسفر کا مسئلہ تھا) پوچھنا یہ ہے کہ اگر یہ نکاح ہو گیا تو اب اس لڑکی کو کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ وہ اس شادی کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں ہے؟

ج: یہ نکاح نہیں ہوا۔ لڑکی اپنا عقد جہاں چاہے کر سکتی ہے۔[2]

بیوہ کی مرضی کے خلاف نکاح جائز نہیں:

س: کیا شرعاً عدت وفات کے اندر بیوہ کا نکاح یا نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا عدت کے بعد بیوہ کی مرضی کے خلاف نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عورت کی مرضی نہ ہو؟

ج: عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا، بلکہ عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینا بھی حرام اور ممنوع ہے۔ عدت کے بعد عورت کا نکاح دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ عورت بھی راضی ہو۔ اس کی مرضی کے خلاف اس کے شوہر والوں کو یا کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ زبردستی اس بیوہ کا نکاح کرائے۔[3]

نابالغہ کا نکاح بالغ ہونے پر دوبارہ کرنا:

س: میرے عزیز دوست کا نکاح تقریباً چار سال قبل ہوا۔ چار سال بعد جب شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تو لڑکی والوں نے دوبارہ نکاح پر اصرار کیا اور دلائل یہ دیئے کہ اس وقت لڑکی نابالغہ تھی اور یہ کہ اس کے پاس دو گواہ دستخط لینے نہیں گئے تھے حالانکہ اصل وجہ حق مہر میں اضافہ کرنا تھا۔ لڑکے والوں نے لڑکی والوں کے دباؤ میں آ کر دوبارہ نکاح کروایا اور مہر کی رقم چھ ہزار کے بجائے بیس ہزار لکھوائی اور پہلے مولوی صاحب نے ہی دوبارہ نکاح پڑھوایا۔ مجلس میں ایک بڑے مولوی صاحب بھی موجود تھے جنہوں نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ مسئلہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب مولانا نے مجمع کی موجودگی میں ولیوں سے ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح پڑھوایا تھا تو لڑکی کے نابالغ ہونے کی بنا پر یا گواہوں کا باقاعدہ رسمی طریقہ سے جا کر لڑکی سے دستخط نہ لینے کی وجہ سے نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر پہلا نکاح (غیر تحریری) ہو گیا تو دوبارہ نکاح (تحریری) ہونے پر پہلا درست سمجھا جائے گا یا دوسرا؟

ج: پہلا نکاح اگر گواہوں کی موجودگی میں ہوا تھا تو وہ صحیح ہو گیا۔ اور دوسرا غیر ضروری اور لغو۔ پہلا نکاح رجسٹرڈ نہیں ہو سکتا تھا شاید اس وجہ سے دوبارہ کرایا گیا ہوگا، لیکن ان کو مہر میں اضافہ کا حق نہیں تھا۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۴ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۵
[3] ایضاً۔ [4] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۵

رضاعت یعنی بچوں کو دودھ پلانا

رضاعت کا ثبوت:

س: میری، میرے ماموں کی لڑکی کے ساتھ منگنی ہوئی ہے۔ میری والدہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو دودھ پلایا تھا اور کسی وقت کہتی ہیں نہیں۔ میرا، میرے ماموں کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ج: رضاعت کا ثبوت دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ہوتا ہے۔ پس جب آپ کی والدہ کو بھی یقین نہیں اور دودھ پلانے کے گواہ بھی نہیں تو رضاعت ثابت نہ ہوئی اس لئے نکاح ہوسکتا ہے البتہ اس نکاح سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔[1]

دودھ کی حرمت کا حکم کب تک ہوتا ہے:

س: ایک میاں بیوی جو خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے تین بچوں سے نوازا ہے، سب سے چھوٹی شیر خوار بچی جس کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے اور ماں کا دودھ پیتی ہے۔ ایک روز رات کے وقت بچی نے دودھ نہیں پیا جس کی وجہ سے اس عورت کا دودھ بہت چڑھ آیا۔ تکلیف کی وجہ سے مجبوراً اس عورت کو اپنا دودھ خود نکالنا پڑا اس نے اپنا دودھ نکال کر کسی برتن میں اس غرض سے رکھا کہ بعد میں کسی صاف جگہ یہ دودھ ڈال دیں گی یا ڈلوادیں گی کیونکہ اس عورت نے کسی سے سن رکھا تھا کہ ویسے ہی عام جگہ یا گندی جگہ پر اس قسم کا دودھ پھینکنا گناہ ہے۔ حسب معمول وہ صبح کی چائے کے لئے بھی رات ہی کو دودھ منگوا کر رکھ لیا کرتے تھے۔ یعنی اس کا شوہر چائے کے لئے دودھ لا کر رکھ دیا کرتا تھا۔ صبح اس کے شوہر نے اٹھ کر چائے بنائی اور غلطی سے چائے والا دودھ چائے میں ڈالنے کے بجائے اپنی بیوی کا وہ نکالا ہوا دودھ چائے میں ڈال کر چائے بنائی اور وہ چائے دونوں میاں بیوی اور بچوں نے پی لی۔ چائے پینے کے کچھ دیر بعد جب اس کی بیوی نے وہ اپنا نکالا ہوا دودھ کسی صاف جگہ ڈلوانے کے لئے اپنے شوہر کو دینا چاہا تو دیکھا کہ اس برتن میں دودھ نہیں۔ اس بارے میں اس نے اپنے شوہر سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس برتن والا دودھ تو میں چائے میں ڈال چکا ہوں اور جب اس نے دیکھا تو چائے والا دودھ ویسے کا ویسا ہی پڑا تھا۔ بیوی یہ دیکھ کر حیران اور پریشان ہوئی تو شوہر نے پریشانی کی وجہ پوچھی

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۷

تو بیوی نے بتایا کہ اس برتن میں تو میں نے اپنا دودھ رات کے وقت تمہارے سامنے نکال کر رکھا تھا، جو تم نے چائے میں ڈال دیا اور وہ چائے ہم سب نے پی لی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی سخت پریشان ہوئے تو انہوں نے ایک عالم صاحب سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا۔ تمام واقعات سننے کے بعد اس عالم صاحب نے بتایا کہ تم دونوں میاں بیوی کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اب تم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے کسی صورت میں بھی نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ تمہاری بیوی اب تمہاری رضاعی ماں بن چکی ہے۔ اب یہ بیوی تم پر حرام ہے۔

لہٰذا اب آپ اس مسئلہ پر قرآن سنت کے مطابق روشنی ڈالیں کہ کیا واقعی ان دونوں میاں بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا؟ کیا ان دونوں میاں بیوی کے مابین طلاق ہوگئی؟ کیا اب یہ عورت اپنے میاں پر حرام ہے؟ کیا رجوع کرنے سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے؟ کیا حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے؟

ج: عورت کے دودھ سے حرمت جب ثابت ہوتی ہے جبکہ بچے نے دو سال کی عمر کے اندر اس کا دودھ پیا ہو، بڑی عمر کے آدمی کے لئے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ نہ عورت رضاعی ماں بنتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں میاں بیوی کا نکاح قائم ہے۔ اس عالم صاحب نے مسئلہ قطعاً غلط بتایا ان دونوں کا نکاح نہیں ٹوٹا۔ اس لئے نہ حلالہ کی ضرورت ہے نہ دوبارہ نکاح کرنے کی، اور نہ کسی کفارے کی۔ اطمینان رکھیں۔[1]

رضاعت کے متعلق عورت کا قول، نا قابل اعتبار ہے:

س: میرے چچا زاد دو بھائیوں کے لڑکا اور لڑکی (جو آپس میں رضاعی بہن بھائی بتائے جاتے ہیں) نے نکاح کیا۔ جس مولوی صاحب نے نکاح پڑھوایا۔ اس کو بعد میں بتایا گیا کہ معاملہ تو ایسا ہے۔ مولوی صاحب نے جواباً کہا کہ تین آدمیوں کی شہادت پیش کرو کہ یہ دودھ پیا گیا ہے۔ لڑکا اور لڑکی کے والدین کا کہنا ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ لڑکے نے لڑکی کی سوتیلی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے۔ میں اور خاندان کے چند اور بھائیوں نے اسی دوران اس بات پر لڑکا اور لڑکی کے والدین کے ساتھ فتویٰ لے کر قطع تعلق کیا۔ چونکہ تین شہادتیں ہمارے پاس نہیں تھیں۔ البتہ جس عورت کا دودھ پیا گیا تھا۔ چونکہ لڑکی کے والد نے دوسری شادی کی اور پہلی عورت سے ناچاقی ہوگئی ہے اس لئے وہ اپنے والدین کے ہاں رہائش پذیر ہے۔ ہم تین آدمی اس عورت کے پاس چلے گئے اور اس کے حالات معلوم کئے تو اس عورت نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ میں نے اس لڑکے کو دودھ پلایا ہے اور اس کے خاوند کا کہنا ہے کہ چونکہ میرے اس عورت کے ساتھ تعلقات دوسری شادی کی وجہ سے اچھے نہیں۔ اس لئے وہ مجھ سے انتقام لینا چاہتی ہے اور جھوٹے الزام لگاتی ہے۔

اب چونکہ یہ بات مشکوک ہوگئی ہے کہ عورت سچ بولتی ہے یا جھوٹ اور تین گواہ بھی ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اس لئے گزارش ہے کہ ہمیں اس بات کا فتویٰ صادر فرمایا جائے کہ آیا میں نے جو قطع تعلق کیا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۱۷

ج: رضاعت کے ثبوت کے لئے دو گواہوں کی چشم دید شہادت ضروری ہے، صرف دودھ پلانے والی کا یہ کہنا کہ میں نے دودھ پلایا کافی نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اور اس عورت کا قول نا قابل اعتبار ہے۔[1]

دودھ پلانے کی مدت کتنی ہے:

س: بچے کو دودھ پلانے کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں لڑکی کو پونے دو سال اور لڑکے کو دو سال کی عمر تک دودھ پلانے کا حکم ہے، کیا دونوں کو دو سال تک دودھ پلانے کا حکم ہے۔ یا دونوں کی مدت کے درمیان فرق ہے؟

ج: دونوں کے لئے پورے دو سال دودھ پلانے کا حکم ہے۔ دونوں کا دودھ پہلے چھڑا دینا بھی جائز ہے۔ اگر اس کی ضرورت و مصلحت ہو۔ بہر حال دونوں کی مدت رضاعت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔[2]

شیر خوارگی کی مدت کے بعد دودھ پینا:

س: کیا کوئی بالغ شخص کسی عورت کا دودھ پینے پر اس عورت کا بیٹا شمار ہوگا یا نہیں؟ یعنی رضاعت کا اعتبار زمانہ شیر خوارگی پر کیا جائے گا یا کہ دودھ پر۔ کیونکہ ہمارے محلے میں ایک گھر ایسا ہے جہاں وہ لوگ اپنے جس نوکر کو گھر میں آنے کی اجازت دینا چاہتے ہیں تو اسے عورت کا دودھ کچھ مقدار میں پلا دیا جاتا ہے۔ مزید برآں اگر بالغ شخص کو دودھ پلانے پر رضاعت کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تو پھر شوہر کا اپنی بیوی کا دودھ پینے کے متعلق قرآن وسنت کا کیا حکم ہے؟

ج: رضاعت صرف شیر خوارگی کے زمانہ میں ثابت ہوتی ہے، جس کی مدت صحیح قول کے مطابق دو سال ہے اور ایک قول کے مطابق اڑھائی سال ہے۔ شیر خوارگی کی مذکورہ بالا مدت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، نہ اس پر حرمت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ شیر خوارگی کی مدت کے بعد اپنے بچے کو بھی دودھ پلانا حرام ہے۔ اسی طرح کسی عورت کا دودھ کسی بڑی عمر کے لڑکے کو پلانا حرام ہے۔ اس لئے آپ نے اپنے محلے کے جس گھر کا ذکر کیا ہے ان کا فعل ناجائز ہے۔ بیوی کا دودھ پینا بھی حرام ہے۔ مگر اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔[3]

دس سال بعد دودھ پینے سے حرمت:

س: آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کسی بچے نے شیر خوارگی کی مدت میں کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو وہ اس عورت کا رضاعی بیٹا ہوا۔ اور اس عورت کے بچے اس کے دودھ شریک بھائی بہن ہوئے۔ اگر اس مدت کے بعد دودھ پیا ہو تو وہ رضاعت کے حکم میں نہیں آتا۔ مگر ایک مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ نہیں چاہے دودھ کبھی بھی کیوں نہ پیا ہو، وہ دودھ پینے والا یا والی جس عورت کا دودھ پیا ہے اس کے رضاعی بیٹا یا بیٹی ہوگئے۔ میں نے انہیں بہشتی زیور از مولانا اشرف علی تھانویؒ کا حوالہ دیا اور آپ کے فیصلے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اسی کے مسئلہ نمبر ١٤ چوتھا حصہ صفحہ نمبر ٢١١ کا حوالہ دیا۔ اس کے مطابق ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی۔ دونوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے تو ان میں نکاح نہیں ہوسکتا، خواہ ایک ہی زمانہ میں پیا ہو یا ایک

---

[1] آپ کے مسائل ج ٥ ص ١١٨ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ٥ ص ١٢١

نے پہلے، دوسرے نے کئی برس کے بعد، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اسی میں یہ بھی ہے کہ دودھ پلانے کی مدت امام اعظم کے فتویٰ کے بموجب زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے اگر اس کے بعد دودھ پیا ہو تو اس عورت کی لڑکی سے نکاح درست ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ بہشتی زیور کے اس مسئلہ نمبر ۱۴ کی وضاحت فرما دیجئے؟

ج: بہشتی زیور کے اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں نے مدت رضاعت کے اندر دودھ پیا ہو، خواہ لڑکے نے دس سال پہلے پیا تھا (جبکہ وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھا) اور لڑکی نے دس سال بعد پیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حرمت تو اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ لڑکے اور لڑکی دونوں نے اپنی اپنی شیر خوارگی کی مدت میں دودھ پیا ہو۔ البتہ یہ شرط نہیں کہ دونوں نے ایک ہی وقت میں دودھ پیا ہو۔ اور اگر دونوں نے یا ان میں سے ایک نے مدت رضاعت (ڈھائی سال) کے بعد دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ دونوں کا نکاح جائز ہوگا۔[1]

دودھ پلانے والی کی تمام اولاد سے نکاح حرام ہے:

س: میرے چھوٹے بھائی نے بچپن میں ہماری ممانی کا دودھ پیا ہے۔ اب ان کی دونوں لڑکیوں سے ہم دونوں بھائیوں کی شادی کی بات چیت طے پائی ہے۔ میں نے بھائی کے سلسلے میں ان سے اختلاف کیا جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے وہ یہ کہ کسی عورت کا دودھ پی لینے کے بعد اس کی لڑکیوں سے دودھ پینے والے لڑکے کا نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کا (میرے بزرگوں کا) استدلال یہ ہے کہ دودھ پیتے ہوئے جس کے حصے کا دودھ پیا ہو، وہی اس کے لئے جائز نہیں بعد کی یا پہلے کی اولاد سے نکاح ہوسکتا ہے۔ ہماری رہنمائی کر کے ہم پر احسان کریں۔ عین نوازش ہوگی؟

ج: جس بچے نے شیر خوارگی کے زمانے میں کسی عورت کا دودھ پیا ہو وہ اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے۔ اور اس عورت کی اولاد، خواہ پہلے کی ہو یا بعد کی، اس بچے کے بہن بھائی بن جاتے ہیں۔ اس لئے آپ کی رائے صحیح ہے۔ آپ کے بھائی کا نکاح آپ کی ممانی کی لڑکی سے جائز نہیں۔ آپ کے بزرگوں کا خیال غلط ہے۔[2]

رضاعی بھائی کی بہن اور رضاعی بھانجی سے نکاح:

س: ایک عورت جس کا دودھ ''ت'' نے پیا ہے اور اس عورت کا دودھ ''ج'' نے بھی پیا ہے ''ت'' کی عمر تقریباً ۳۸ سال ہے، جب کہ ''ج'' کی عمر تقریباً ۴۵ سال ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ''ت'' کی بیٹی کا رشتہ ''ج'' کے لئے مانگ رہے ہیں۔ جبکہ ج اور ت دونوں رضاعی بہن بھائی ہوگئے ہیں۔ دودھ کے پینے سے کیا یہ رشتہ شریعت کے مطابق ٹھیک ہے یا غلط؟ رشتہ ہوا یا نہیں؟

س: دوسرا مسئلہ: ایک عورت جس کا دودھ ص نے پیا ہے اور اسی عورت کا دودھ ج نے بھی پیا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ ص کے لئے ج کی چھوٹی بہن کا رشتہ مانگ رہے ہیں، لڑکی والے کہتے ہیں کہ یہ رشتہ نہیں ہوسکتا کیونکہ لڑکی کا بھائی ج اور لڑکا ص

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۲۲ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۲۴

نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے۔

ج: ت کی بیٹی ج کی رضاعی بھانجی ہے ان دونوں کا عقد نہیں ہوسکتا۔

ج: رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے اس لئے ص کا نکاح ج کی بہن سے ہوسکتا ہے۔[1]

رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح:

س: میری منگنی میرے چچا کی لڑکی سے میرے والدین کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جو لڑکی میرے نکاح میں لانا چاہتے ہیں اس کی بڑی بہن نے میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ میری ماں کا دودھ پیا مگر نہ تو میں نے اور نہ میرے کسی بہن بھائی نے میری چچی کا دودھ پیا۔ کیا میری شادی جائز ہوگی یا ناجائز؟ میری تسلی فرمائیے۔

ج: جس لڑکی نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح تم بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ وہ آپ کی رضاعی بہن ہے مگر جس لڑکی سے آپ کا رشتہ تجویز کیا گیا ہے وہ رضاعی بہن کی حقیقی بہن ہے۔ اس سے آپ کا نکاح جائز ہے۔

خون دینے سے حرمت کے مسائل

اپنے لڑکے کا نکاح ایسی عورت سے کرنا جس کو اس نے خون دیا تھا:

س: زید نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کی بیٹی کو جبکہ وہ بہت چھوٹی تھی، اس کے بیمار ہونے پر اس کو اپنا خون دیا تھا۔ اب زید یہ چاہتا ہے کہ اس کے لڑکے کی شادی اس لڑکی سے ہو جائے۔ کیا یہ جائز ہے؟

ج: خون دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اس لئے اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔[2]

جس عورت کو خون دیا ہو اس کے لڑکے سے نکاح جائز ہے:

س: ایک لڑکی نے ایک بوڑھی عورت کو خون دیا ہے۔ اب اس عورت کا لڑکا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

ج: ہوسکتی ہے۔ خون دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔[3]

بہنوئی کو خون دینے سے بہن کے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا:

س: زید نے اپنی سگی بہن کے شوہر یعنی اپنے بہنوئی بکر کو بیماری میں اپنا خون دیا۔ یعنی اب بکر کے جسم میں اس کے سگے سالے کا خون داخل ہوگیا۔ کیا اس سے بکر کا اپنی بیوی سے نکاح باطل ہو جائے گا؟

ج: اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۲۵ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۳۵

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

شوہر کا اپنی بیوی کو خون دینا:

س: میرے ایک عزیز کی بیوی سخت بیمار ہوئی۔ اس کو خون کی ضرورت تھی۔ کسی رشتہ دار بہن بھائی کا خون اس کے خون سے نہ ملا۔ مگر خاوند کا خون اس گروپ کا نکلا جو دیا گیا ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں رہا؟

ج: لوگ غلط کہتے ہیں۔ وہ بدستور میاں بیوی ہیں۔[۱]

رسم و رواج

سہرا باندھنا:

س: دولہا کو نکاح کے وقت سہرا کنگنا باندھنا درست ہے یا نہیں؟

ج: یہ افعال درست نہیں مگر نکاح ہو جاتا ہے۔[۲]

ج: سہرا باندھنا خالص ہندوؤں کی رسم ہے۔ اس لئے یہ ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ اس سے احتراز از حد ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم۔ اور تشبہ بالکفار ممنوع ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسائل اربعین میں لکھتے ہیں۔

> **اما سهرا که از گل تیار میکنند اینهمه بسبب مشابهت کفار جائز نیست بلکه هار گل که بر سر نوشه و عروس وقت نکاح یا بعد ازاں می بندند بدعت است ومشابه ست باگبراں وازمشابهت کافراں و گبراں احتراز لازم است** (مسائل اربعین ص۱۶)[۳]

دولہا کو نوٹوں کے ہار پہنانا:

س: دولہا کو پھولوں یا نوٹوں کے ہار پہنانا اور ان کا فوٹو لینا۔ اسی طرح حجاج کو بھی ہار ڈالے جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

ج: دولہا اور حجاج کرام کو نوٹوں وغیرہ کا ہار پہنانا محض ایک رسم ہے۔ اس سے احترام لازم ہے۔ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔[۴]

بوقت نکاح چھوہارے تقسیم کرنا:

س: آج کل نکاح کے بعد ایک پیکٹ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس میں ٹافیاں، بادام اور چھوہارے وغیرہ ہوتے ہیں۔ کیا ان کا تقسیم کرنا جائز ہے؟

ج: چھواروں کے علاوہ مذکورہ اشیاء کا تقسیم کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اخروٹ اور بادام وغیرہ تقسیم کرنے

---

۱ آپ کے مسائل ج۵ ص۱۳۵ — ۲ فتاویٰ دار العلوم ج۷ ص۱۵۱

۳ خیر الفتاویٰ ج۴ ص۵۸۴ — ۴ خیر الفتاویٰ ج۴ ص۵۸۷

کا ذکر ہے۔

((ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حضر فی املاك (ای نکاح فاتی بطباق) علیها جوذولوذوتمر فنثرت فقبضتها ایدینا الی اخر الحدیث۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۱) [1]

چھوہارے پھینکنا سنت ہے یا تقسیم کرنا:

س: شادی کے موقع پر چھوارے پھینکنا سنت ہے یا تقسیم کرنا؟

ج: شادی کے موقع پر چھوارے پھینکنا سنت ہے۔ [2]

ناچ گانا اور آتش بازی ممنوع ہے:

س: شادی کے موقع پر ناچ گانا اور آتش بازی جائز ہے یا نہیں؟

ج: شادی بیاہ میں بہت سی رسومات خلاف شرع ہیں۔ جیسے ناچ گانا، آتش بازی چھوڑنا ضرورت سے زائد روشنی کرنا (لائیٹنگ کرنا) غیر عورتوں سے مذاق کرنا یہ سب ناجائز اور ممنوع ہیں۔ [3]

نکاح کے بعد مصافحہ:

س: عام طور پر رواج ہے کہ جب نکاح ہوجاتا ہے تو دولہا کھڑے ہوکر حاضرین مجلس کو سلام کرتا ہے اور پھر مصافحہ کرتا (اور گلے ملتا ہے) کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کو بدعت سمجھ کر نہ کرے تو اسے بے ادب کہا جاتا ہے اور اسے برا بھلا کہتے ہیں؟

ج: اس موقع پر سلام اور مصافحہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا بے اصل اور بدعت ہے۔ اور مصافحہ نہ کرنے والے کو برا کہنا کسی طرح درست نہیں۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اس کی اصل شرع میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے بدعت سیئہ ہے۔ [4]

جہیز

جہیز کی شرعی حیثیت:

س: اکثر لوگ جہیز کو لعنت کہتے ہیں۔ کیا یہ واقعی لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

ج: کوئی باپ جب اپنی بیٹی کے لئے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہرہؓ کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۸۴ — [2] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۵۸۵

[3] علم الفقہ ج ٦ ص ٦٥٦ — [4] فتاوی محمودیہ ج ۳ ص ۳۱۴

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ایک چادر، ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے۔ دو چکیاں اور دو مشکیں بھیجی تھیں۔

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۷۱) (نسائی شریف ج ۲ ص ۹۲ جہاز الرجل ابنتہ) [1]

موجودہ دور میں جہیز:

س: ٹی وی پروگرام ''تفہیم دین'' میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مقرر نے غیر مشروط طور پر جہیز کو کافرانہ رسم اور رسم بد قرار دیا ہے۔

۱- کیا قرآن وسنت کی رو سے جہیز کو کافرانہ رسم اور رسم بد کہنا صحیح ہے؟

۲- کیا حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو جہیز دیا تھا؟

ج: ''جہیز'' ان تحائف اور سامان کا نام ہے جو والدین اپنی بچی کو رخصت کرتے ہوئے دیتے ہیں۔ یہ رحمت ومحبت کی علامت تھی بشرطیکہ نمود ونمائش سے پاک ہو اور والدین کیلئے کسی پریشانی واذیت کا باعث نہ بنتا ہو، لیکن مسلمانوں کی شامت اعمال نے اس رحمت کو زحمت بنا دیا ہے۔ اب لڑکے والے بڑی ڈھٹائی سے یہ دیکھتے ہی نہیں بلکہ پوچھتے بھی ہیں کہ جہیز کتنا ملے گا؟ ورنہ ہم رشتہ نہیں لیں گے۔ اسی معاشرتی بگاڑ کا نتیجہ ہے کہ غریب والدین کیلئے بچیوں کا عقد کرنا وبال جان بن گیا ہے۔ فرمائیے کیا اس جہیز کی لعنت کو ''کافرانہ رسم'' اور ''رسم بد'' سے بھی زیادہ سخت الفاظ کے ساتھ یاد نہ کیا جائے؟

آپ نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں دریافت فرمایا ہے کہ کیا آپ نے اپنی صاحب زادیوں کو جہیز دیا تھا؟ جی ہاں! دیا تھا۔ لیکن کسی سیرت کی کتاب میں یہ پڑھ لیجئے کہ آپ نے اپنی چہیتی بیٹی خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کو کیا جہیز دیا تھا؟ دو چکیاں، پانی کے لئے دو مشکیزے، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک چادر۔ کیا آپ کے یہاں بھی بیٹیوں کو یہی جہیز دیا جاتا ہے؟ کاش ہم سیرت نبوی ﷺ کے آئینہ میں اپنی سیرت کا چہرہ سنوارنے کی کوشش کریں۔ [2]

جہیز کا جو سامان استعمال سے خراب ہو جائے:

س: جہیز کی مسہری اور گدا میاں بیوی کے مشترکہ استعمال میں ٹوٹ پھوٹ گئے۔ شوہر پورے نقصان کی تلافی کرے یا صرف اپنے حصہ کی؟

ج: جہیز کی جو چیزیں جس حالت میں ہیں وہ عورت کا حق ہے۔ لیکن استعمال سے جو نقصان ہو، وہ شوہر سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ استعمال عورت کی اجازت سے ہوا ہے۔ [3]

---

[1] فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۳۶۴ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۳۷

[3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۳۸

جہیز کی نمائش کرنا جاہلانہ رسم ہے:

س: ہمارے قبیلے کا یہ رواج ہے کہ ماں باپ لڑکی کو جو جہیز دیتے ہیں اسے سرعام دکھاتے ہیں جس میں عورت کے کپڑے بھی دکھائے جاتے ہیں۔ اور یہاں بہت سے مرد بھی جہیز دیکھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا عورت کے کپڑے اور زیور نامحرموں کو سرعام دکھانا دین اسلام میں جائز ہے؟

ج: لڑکی کو دیئے جانے والے جہیز کا سرعام دکھانا جاہلی رسم ہے۔ جس کا منشا محض نمود و نمائش ہے۔ اور مستورات کے زیور اور کپڑے غیر مردوں کو دکھانا بھی بری رسم ہے۔ شرفاء کو اس سے غیرت آتی ہے۔[1]

لڑکی کو ملنے والے تحفے تحائف اس کی ملکیت ہیں:

س: لڑکی کو جو ماں باپ نے تحفے تحائف دیئے تھے وہ کس کی ملکیت ہیں؟ ان کی حق دار لڑکی ہے یا شوہر؟

ج: ہر وہ چیز جو لڑکی کو والدین اور شوہر والوں کی طرف سے ملی ہے وہ اس کی ملکیت ہے۔ شوہر کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔[2]

جہیز اور تحائف لڑکی کی ملکیت ہیں:

س: نکاح کے موقع پر لڑکی کو جہیز اس کے والدین اور بَری اس کی ساس سسر دیا کرتے ہیں۔ شرعاً وہ چیز مستعار ہوں گی یا لڑکی اس کی کامل مالک ہوگی۔ اگر نہیں تو شوہر یا عورت کے والدین میں سے کون اس کا مالک کامل ہے؟

ج: جو کچھ عورت کو والدین نے جہیز میں دیا ہے وہ عورت کی ملکیت ہے، عورت کے والدین یا سسرال والے اس کے مالک نہیں۔ اور جو ساس وسسر نے زیور وغیرہ چڑھایا ہے، وہ مستعار سمجھا جاتا ہے وہ عورت کی ملک نہیں۔ اگر زیور کا مالک عورت کو بنا دیا جائے تو وہ اس زیور کی مالک ہوگی۔[3]

ج: جہیز میں جو اشیاء ماں باپ کی طرف سے دی جائیں وہ زوجہ کی ملکیت ہیں اور جو اشیاء شوہر یا اس کے والدین کی طرف سے دی جائیں۔ اس میں نیت کا اعتبار ہے۔ جیسی نیت ہو اور جس کے لئے نیت ہو اس کی ملک ہے۔[4]

عورت کی وفات کے بعد جہیز کس کو ملے گا:

س: میرے دوست نے اپنی بیوی کی معذوری کے باعث دوسری شادی کی جس کی اجازت اس نے خود دی۔ پہلی بیوی کا حال ہی میں زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد انتقال ہوگیا۔ جس سے اس کے ۴ بچے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ میرے دوست کی پہلی (مرحومہ) بیوی کے والدین اپنی بیٹی کے جہیز کی اشیاء کی واپسی کا تقاضا کر رہے ہیں جبکہ جہیز میں کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔ شریعت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں کہ یہ حضرات اپنے مطالبے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟ اور

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۳۸ ۲ ایضاً۔

۳ فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۳۶۳ ۴ ایضاً۔

میرے دوست کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

ج: والدین کا جہیز کی واپسی کا مطالبہ غلط ہے۔ مرحومہ کی ملکیت میں جو چیزیں تھیں ان کو شرعی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ مرحومہ کا ترکہ ۷۲ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ان میں سے ۱۲-۱۲ حصے مرحومہ کے والدین کے ہیں۔ اٹھارہ حصے شوہر کے، دس دس حصے دونوں لڑکوں اور پانچ پانچ دونوں لڑکیوں کے۔ نقشہ حسب ذیل ہے۔

۷۲- والد ۱۲، والدہ ۱۲، شوہر ۱۸، بیٹا ۱۰، بیٹا ۱۰، بیٹی ۵، بیٹی ۵

لڑکے دونوں اپنے والد کے پاس رہیں گے۔ اورلڑکیاں جوان ہونے تک اپنی نانی اور نانی نہ ہوتو خالہ کے پاس رہیں گی۔ جوان ہونے کے بعد والد کے سپرد کردی جائیں۔[1]

عورت شوہر کے انتقال پر کس سامان کی حقدار ہے:

س: میرا ایک لڑکا تھا جس کی شادی ہوئی اور وہ اب انتقال کرگیا۔ بہو اپنی مرضی سے میکے چلی گئی اور جو سامان ساتھ لائی تھی وہ لے گئی اب وہ اس سامان کا مطالبہ کررہی ہے جو ہم نے دیا تھا جبکہ وہ سامان ہم نے اس لئے رکھا ہوا ہے کہ میری ایک پوتی بھی ہے جو میرے پاس ہی ہے بعد میں وہ اس کے کام آجائے گا۔ علاوہ ازیں جہاں میں نے لڑکے کی شادی کی تھی وہاں بدلے میں اپنی ایک لڑکی بھی دی تھی۔ اب آپ بتائیں کہ اس سامان کے بارے میں علماء کرام کا کیا فتویٰ ہے؟ اس کے علاوہ میری زمین اور مکان بھی ہے اسے میں کس طرح تقسیم کروں؟ نیز میری پوتی کی عمر سات سال ہے اس کو ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں یا والدہ کے حوالے کردیں؟ جواب سے نوازیں۔

ج: جو سامان آپ نے شادی کے موقع پر بہو کو دیا تھا اگر اس کی ملکیت کردیا تھا تو وہ سامان اسی کا ہے۔ اور آپ کو اس کا رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کی ملکیت نہیں کیا تھا بلکہ اس کو صرف استعمال کی اجازت دی تھی تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سامان آپ کے مرحوم بیٹے کی ملکیت تھا اس صورت میں اس کا آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کا ہے۔ نصف اس کی بیٹی کا اور باقی آپ کا۔ اور اگر مرحوم کی والدہ بھی زندہ ہے تو چھٹا حصہ اس کا۔ گویا کل ۲۴ حصے کئے جائیں گے ان میں تین بیوہ کے، ۱۲ لڑکی کے، ۴ ماں کے اور ۵ والد کے۔

اور اگر سامان خود آپ کی اپنی ملکیت ہے، آپ کا بیٹا بھی اس کا مالک نہیں تھا تو بیوہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ آپ اس کا جو چاہیں کریں آپ کی جائیداد آپ کے انتقال کے بعد دو تہائی آپ کی تینوں لڑکیوں کو ملے گی (آپ کی اہلیہ زندہ ہیں تو آٹھواں حصہ ان کو ملے گا) اور باقی آپ کے جدی وارثوں کو دی جائے گی۔ آپ کی پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر آپ پوتی کو بھی کچھ دینا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اپنی زندگی میں مناسب حصہ اس کے نام کردیں۔ دوسری یہ کہ آپ وصیت کرجائیں کہ آپ کی پوتی کو اتنا حصہ دیا جائے۔ (تہائی مال کے اندر اندر وصیت کرسکتے ہیں) اور اس پر گواہ بھی

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۳۹

مقرر کرلیں۔ اگر آپ نے ایسی وصیت کردی تو جائیداد کی تقسیم سے پہلے آپ کی پوتی کو وہ حصہ دیا جائے گا وارثوں کو بعد میں دیا جائے گا۔

بچی کے لئے حکم تو یہ ہے کہ بالغ ہونے تک اپنی والدہ کے پاس رہے لیکن اگر والدہ کا مطالبہ نہ ہو یا اس نے کسی ''غیر جگہ'' نکاح کرلیا ہوتو آپ رکھ سکتے ہیں۔[1]

عورت کے انتقال کے بعد جہیز اور مہر کا کون حقدار ہے:

س: ایک شخص کی شادی ہوئی۔ تین چار سال بعد بیوی کا انتقال ہوگیا۔ جس سے اس کا ایک بچہ بھی ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس عورت یعنی اس کی بیوی کے والدین اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کے جہیز کا سامان زیور وغیرہ یا جو کچھ انہوں نے شادی کے وقت اپنی بیٹی کو دیا تھا، واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟ اور واپس لیا ہوا سامان اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا اس سارے سامان کو ازراہ خدا مسجد وغیرہ میں دے سکتے ہیں، یا ان کی بیٹی کے بیٹے کی موجودگی میں کسی بھی چیز پر ان کا کوئی حق نہیں، سوائے اس فوت شدہ عورت کے بیٹے کے؟ یہ ذہن میں رہے کہ عورت کے والدین ہر معاملے میں اپنے آپ کو اسلامی اصولوں کا پابند سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: والدین جہیز میں اپنی بیٹی کو جو کچھ دیتے ہیں وہ اس کی ملکیت بن جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ شمار ہوتا ہے، والدین اس کو واپس نہیں لے سکتے۔ بلکہ وہ شرعی حصوں کے مطابق وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ آپ نے جو صورت لکھی ہے اس کے مطابق مرحومہ کا ترکہ (جس میں مہر کی رقم بھی شامل ہے، اگر وہ ادا نہ کیا گیا ہو، یا معاف نہ کردیا گیا ہو) بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ان مین سے تین حصے مرحومہ کے شوہر کو ملیں گے، دو- دو حصے ماں اور باپ کو۔ اور باقی پانچ حصے مرحومہ کے لڑکے کے ہیں، وہ لڑکے کے باپ کی تحویل میں رہیں گے۔[2]

ایضاً

س: زید اور زینب کا نکاح ہوا، زینب کا مہر مبلغ ۳۰ ہزار مقرر کیا گیا جو مبلغ ۲۰ ہزار کا زیور اور مبلغ ۱۰ ہزار کی مالیت کا ایک کمرہ ادائیگی کی صورت قرار پایا۔ شادی کے چھ ماہ بعد زینب حادثہ کے باعث وفات پاگئی۔ زینب نے جو ترکہ چھوڑا مبلغ ۲۰ ہزار کا زیور کپڑے وغیرہ شامل ہیں۔ لڑکی کے حقیقی والدین نے زیور اور کپڑے اپنے پاس رکھ لئے ہیں جبکہ لڑکی کے والدین نے اپنی جائیداد میں سے لڑکی کو کچھ نہیں دیا، لڑکی کا شوہر جو کہ اکیلا رہ گیا ہے، اس کا لڑکا یا لڑکی وغیرہ نہیں ہے، زیور مانگتا ہے۔ لڑکی کے حقیقی والدین نے دینے سے انکار کردیا ہے اور کہتے ہیں مسئلہ معلوم کریں کہ مہر میں ادا کیا گیا زیور لڑکی کے والدین کے حصے میں آتا ہے یا شوہر کے حصے میں؟

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۳۹ [2] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۵۷

ج: لڑکی کا مہر، کپڑے، جہیز کا سامان اور دیگر اشیاء جن کی وہ مالک تھی، مرنے کے بعد اس کا ترکہ شمار ہوتا ہے، پورے ترکہ میں شوہر کا نصف حصہ ہے اور نصف اس کے والدین کا ہے۔ والدین کو نصف سے زیادہ پر قبضہ جمالینا حلال نہیں۔

ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لڑکی کے انتقال کے بعد جو چیز سسرال والوں کے قبضہ میں آئے وہ دبا بیٹھتے ہیں۔ اور جو چیز میکے والوں کے ہاتھ لگ جائے اس پر وہ قبضہ جمالیتے ہیں۔ یہ بڑا ہی غلط رواج ہے۔ شریعت نے جس کا جتنا حصہ رکھا ہے اس کے لئے بس وہی حلال ہے۔ اس سے زیادہ پر قبضہ جمانا حرام ہے۔ زینب مرحومہ کا ۳۰ ہزار مہر تھا، اس کے علاوہ اس کے جہیز وغیرہ کا سامان بھی ہوگا۔ ان تمام چیزوں کی آج کے نرخ سے قیمت لگالی جائے، جتنی رقم بنے اس کے چھ حصے کئے جائیں، تین حصے (یعنی کل ترکہ کا نصف) شوہر کا ہے، ایک حصہ (کل ترکہ کا چھٹا حصہ) مرحومہ کی والدہ کا ہے، اور دو حصے (یعنی کل ترکہ کا تہائی) مرحومہ کے والد کے ہیں۔[1]

طلاق کے بعد عورت کے جہیز کا حقدار کون ہے:

س: میری ایک رشتہ دار لڑکی کی شادی میرے ایک قریبی رشتہ دار لڑکے سے ہوئی مگر ان کا آپس میں گزارہ نہ ہوسکا، ہر بار لڑکا ہی تنگ نظری کرتا رہا۔ آخر میں اس نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ اب لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہمارا سامان واپس کریں مگر لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم نے جو خرچ کیا ہے شادی پر، وہ دیں۔ اس طرح برادری میں ایک جھگڑا ہونے کا خطرہ ہے، آپ شرعی طریقہ سے جواب دیں کہ کیا ہونا چاہئے؟

ج: لڑکی والوں نے اپنی بیٹی کو جو سامان دیا تھا لڑکے والوں کا فرض ہے کہ اس کو واپس کردیں، اس کا رکھنا ان کے لئے حلال نہیں، کیونکہ یہ لڑکی کی ملکیت ہے، اور لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ ہمارا شادی پر خرچ ہوا ہے، یہ عذر نہایت لغو اور فضول ہے۔ اول تو اس لئے کہ کیا لڑکے والوں کا ہی خرچ ہوا تھا؟ لڑکی والوں کا کچھ خرچ نہیں ہوا تھا، اور لڑکی والوں کا جو کچھ خرچ ہوا تھا کیا لڑکے والوں نے اس کا ہرجانہ ادا کردیا ہے؟ دوم یہ کہ اگر لڑکے والوں کا خرچ ہوا تھا تو ان کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ وہ لڑکی کو شریفانہ طور پر نہ بسائیں یہاں تک کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ جائے؟ اس علیحدگی میں قصور لڑکی کا بھی ہوسکتا ہے مگر عموماً بڑا قصور شوہر کا اور اس کے رشتہ داروں کا ہوتا ہے۔ الغرض لڑکے والوں کی یہ منطق قطعاً غلط ہے اور لڑکی کا سامان واپس کرنا ان پر فرض ہے۔ اس سامان کو جتنے لوگ استعمال کریں گے، وہ سب کے سب غاصب شمار ہوں گے اور قیامت کے دن ان کو بھگتنا پڑے گا۔ نیز لڑکی کا مہر اگر ادا نہ کیا، یا لڑکی نے معاف نہ کردیا ہو تو وہ بھی واجب الادا ہے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۵۸، ص ۱۵۹ [2] ایضاً۔

حق مہر

مہر کی کم از کم مقدار:

س: مہر کی شرعاً مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ تو موجودہ دور میں دس درہم کا وزن کلو اور گرام کے اعتبار سے کتنا بنتا ہے؟

ج: دس درہم کا وزن تولوں کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات ماشے بنتا ہے اور گرام کے لحاظ سے ۳۴.۲ گرام بنتا ہے۔ اگر کم از کم مقدار کو مہر مقرر کرنا ہو تو احتیاطاً ۳۵ گرام چاندی یا اس کی قیمت کو مہر بنادیں۔[1]

مہر فاطمی کی وضاحت:

س: اگر کوئی اعتدال کے ساتھ مہر کی رقم مقرر کرنا چاہے تو آپ کی رائے میں کتنی رقم ہونی چاہئے؟ بعض لوگ ''مہر فاطمی'' یا ''مہر محمدی'' رکھتے ہیں، ان کی کیا تعریف ہے؟ اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ بیوی زندہ ہو یا مرجائے اس کے مہر کی ادائیگی کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا ہے۔ اس کوتاہی کا ذمہ دار کون ہے؟

ج: مہر کے متعلق نبی کریم ﷺ کی احادیث طیبہ واضح ہیں مثلاً:

((عن أبی سلمة قال: سألت عائشة کم کان صداق النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم ؟ قال: ((کان صداقه لأزواجه ثنتی عشرة أوقیة ونش، قالت: أتدری ماالنش قلت لا: قالت نصف أوقیة فتلك خمسمائة درهم)) (رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

''حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں، میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا مہر (اپنی ازواج مطہرات کے لئے) کتنا تھا؟ فرمایا، ساڑھے بارہ اوقیہ۔ اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

((عن عمر بن الخطاب قال: ((ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لوکانت مکرمة فی الدنیا وتقوی عند اللّٰه لکان أولکم بها نبی اللّٰه ﷺ ما علمت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۳۴، فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۳۵۶، احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۲

وسلم نکح شیئا من نساء، ولا أنکح شیئاً من بناته علی أکثر من اثنتی عشرة أوقیة))۔

(رواه أحمد والترمذی وأبو داؤد والنسائی وابن ماجة)) (مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

''حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو، کیونکہ یہ اگر دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ مجھے علم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو، یا اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔'' (مشکوٰۃ شریف)

بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے، جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دوتولے ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے۔ اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں، حسب حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ یوں تو کوئی نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز واقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف وسیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپؐ کی صاحب زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحب زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم کے ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱ ۱/۴) چاندی بنتی ہے۔ اگر چاندی کا بھاؤ پچاس روپے تولہ ہو تو پانچ سو درہم یعنی ۱۳۱ ۱/۴ تولے چاندی کے چھ ہزار پانچ سو ترسٹھ (۶۵۶۳) روپے بنتے ہیں۔ (بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق اس مقدار میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ بہر حال ۱۳۱ ۱/۴ تولے چاندی کا حساب رکھنا چاہئے) اسی کو ''مہر فاطمیؓ'' کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر ''مہر فاطمیؓ'' رکھو تو نکاح پڑھائیں گے، ورنہ کسی اور سے پڑھوالو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرت ﷺ نے اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب زادیوں کے لئے رکھی۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

ج: ۲- رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر بارہ اوقیہ ونصف تھا۔جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔سوائے ام حبیبہؓ کے، کہ ان کا مہر چار ہزار درہم شاہ نجاشی نے باندھا تھا۔(مشکوٰۃ ص ۲۷۷) پانچ سو درہم کا وزن ایک سو اکتیس تولہ چاندی ہے، اس کی قیمت چاندی کے بھاؤ سے ہر زمانہ میں لگائی جائے۔[1]

ج: ۳: مہر فاطمی کی مقدار میں بعض محققین کے نزدیک ایک سو چالیس (۱۴۰) تولہ چاندی کے برابر ہے، اور بعض محققین کے نزدیک مہر فاطمی کی مقدار تقریباً ۱۳۲ تولہ چاندی کے برابر ہے۔یہی دوسرا قول (تقریباً ۱۳۲ تولہ چاندی) حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ، مفتی اعظم دار العلوم دیوبند، صاحب فتاوی دار العلوم کا ہے۔اور یہی ہمارے نزدیک ماخوذ ہے۔[2]

مہر فاطمی ۱۳۱٫۲۵ تولہ چاندی مساوی ہے۔۱٫۵۳۰۹ کلوگرام چاندی کے۔[3]

مفتی رشید احمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

۵۰۰ درہم: ۱٫۷۰ کلو چاندی تھا۔[4]

مہر معجّل اور مہر مؤجل کی تعریف:

س: جہاں تک میں نے سنا ہے حق مہر کی دو اقسام ہیں۔''مہر معجّل'' اور ''مہر مؤجل۔'' براہ کرم دونوں کی تعریف اور ان کا فرق واضح فرمائیں؟

ج: ''مہر مؤجل'' اس کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص میعاد مقرر کی گئی ہو اور جس کی ادائیگی فوراً یا عورت کے مطالبہ پر واجب ہو وہ مہر معجّل ہے۔مہر معجّل کا مطالبہ عورت جب چاہے کرسکتی ہے، لیکن مہر مؤجل کا مطالبہ مقررہ میعاد سے پہلے کرنے کی مجاز نہیں۔[5]

ج: ۲- جو شادی کے وقت دیا گیا یا اس کا ادا کرنا قرار پایا وہ معجّل ہے۔اور جس مہر کی کچھ مدت ادا کے لئے مقرر کی گئی یا بلا تعیین چھوڑا گیا وہ مؤجل ہے، اور غیر معین مدت کے لئے مدت موت یا طلاق ہے۔اگر نصف مہر معجّل اور نصف مؤجل ہو تو معجّل کا مطالبہ عورت فی الحال کرسکتی ہے۔[6]

سوا بتیس روپے شرعی مہر نہیں:

س: جب محفل نکاح منعقد ہوتی ہے تو مولوی صاحب جو نکاح خواں ہوتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ حق مہر کتنا مقرر کیا جائے؟ اس وقت حاضرین ورثاء عموماً یہ کہتے ہیں کہ مہر شرعی مقرر کردو تو مہر شرع محمدیؐ بتیس روپے دس آنے دس پیسے مقرر کیا جاتا ہے۔کیا شرعی مہر اتنا ہی ہوتا ہے؟

ج: بتیس روپے کو شرعی مہر سمجھنا بالکل غلط ہے۔مہر کی کم سے کم مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی ہے۔اس قدر

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۳۴۸ [2] نظام الفتاوی ج ۲ ص ۲۰۸ [3] اوزان شرعیہ ص ۴۹

[4] احسن الفتاوی ج ۵ ص ۳۲ [5] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۴۸ [6] ،فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۲۴۹

مالیت سے کم مہر رکھنا درست نہیں۔[1]

ج: ۲-سوا بتیس روپے مہر کی شرعی حیثیت کی کوئی اصل نہیں۔ مہر کی کم از کم مقدار میں اصل اعتبار وزن کا ہے۔ اور وہ دس درہم ہے۔ دس درہم کی چاندی ہمارے مروجہ وزن کے اعتبار سے دو تولے ۱/۲: ۷ ماشے بنتی ہے (۳۵ گرام) اتنی مقدار چاندی یا اس کے برابر کوئی بھی مالیت مہر شرعی کی کم از کم مقدار ہے۔ قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ سے اتنی چاندی کی مالیت مہر شرعی کہلائے گا۔[2]

مہر کی ادائیگی میں کوتاہیاں:

۱- ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے کہ سوا بتیس روپے مہر کو ''شرع محمدیؐ'' سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی۔ مگر لوگ اسی مقدار کو ''شرع محمدیؐ'' سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ ''میاں جی'' صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی ۲ تولے ۱/۲: ۷ ماشے چاندی ہے۔ جس کے آج کے حساب سے تقریباً ایک سو اکتیس (۱۳۱) روپے بنتے ہیں۔ اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کرلیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۲- ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔''

۳- ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سے خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے۔ اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے وہ چارو ناچار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کریں تو معاشرے میں ''نکو'' سمجھی جاتی ہیں۔ دیندار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

۴- مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی مرجائے اور اسکا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۵۲ [2] خیر الفتاوی ج ۴ ص ۵۴۹

الادا ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہوکر اس کے جائز ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کر لینا چاہئے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آجاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا بڑی گری ہوئی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات دوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل وایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم ورواج سے محفوظ رکھے۔[1]

زیور کی صورت میں مہر ادا کرنا:

س: کیا شرع میں مہر کی کوئی حد مقرر ہے؟ لڑکے والے بری میں کپڑوں وغیرہ کے علاوہ لڑکی کو زیور بھی دیتے ہیں۔ کیا اس زیور کو لڑکے کی طرف سے مہر میں لکھایا جاسکتا ہے۔ جبکہ سونے کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے؟

ج: مہر کی کم ازکم مقدار حنفیہ کے نزدیک دوتولے ساڑھے سات ماشے چاندی کی مالیت ہے۔ زیادہ پر کوئی پابندی نہیں۔ لڑکے کی طرف سے جو زیور دیا جاتا ہے اس کو مہر میں لکھایا جاسکتا ہے۔[2]

مہر مرد کے ذمہ قرض ہے:

س: اگر حق مہر طے ہوا ہو اور وہ شوہر نے ادا نہ کیا ہو اور نہ بخشایا ہو تو اس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیونکہ اب ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے شادی کئے ہوئے بھی ۲۰ سال ہوگئے ہیں اور میں نے حق مہر کے بارے میں کبھی خیال بھی نہیں کیا ہے؟

ج: عورت کا مہر، شوہر کے ذمہ قرض ہے۔ خواہ شادی کو کتنے ہی سال ہوگئے ہوں وہ واجب الادا رہتا ہے اور اگر شوہر کا انتقال ہوجائے اور اس نے مہر نہ ادا کیا تو اس کے ترکہ میں سے پہلے مہر ادا کیا جائے گا پھر ترکہ تقسیم ہوگا۔[3]

طلاق کے بعد مہر اور بچوں کا خرچ دینا ہوگا:

س: اگر زید اپنی بیوی کو طلاق نامہ ارسال کردے تو کیا شرعی حیثیت سے وہ حق مہر اور بچوں کے خرچہ کا ذمہ دار ہوگا۔ جبکہ وہ بچے لینا نہیں چاہتا اور اس کے مالی وسائل بھی اتنے نہیں کہ وہ حق مہر کی کثیر رقم کے علاوہ بچوں کا خرچہ بھی یکمشت دے سکے۔ جبکہ زید کی سسرال والے طلاق نامہ ملنے پر یکمشت مہر کی رقم اور بچوں کے خرچ کا دعویٰ کریں گے۔ ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۵۱،۱۵۲ [2] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۵۵

[3] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۵۶

ج: مہر تو دینا ہی پڑے گا۔ عورت اگر چاہے تو قسطوں میں وصول کرسکتی ہے۔ بچوں کا خرچ اس کو ماہوار دینا ہوگا۔ خرچ کی مقدار صلح صفائی سے بھی طے ہوسکتی ہے اور عدالت کے ذریعہ بھی۔[۱]

شوہر اگر مرجائے تو مہر وارثوں کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں:

س: زید اپنی اہلیہ کی مہر کی رقم ادا کئے بغیر فوت ہوگیا۔ اب زید کی اہلیہ اپنے بڑے بچے سے مہر کی رقم جو زید کے ذمہ واجب الادا تھی، یہ کہہ کر وصول کرنا چاہتی ہیں کہ اپنے باپ کے قرض کی ادائیگی تم پر واجب الادا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا صورت کے پیش نظر زید کے بچے پر ماں کی مہر کی رقم کی ادائیگی منجانب زید مرحوم کے لازم ہے یا نہیں؟

ج: عورت کا مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے۔ پس اگر شوہر کوئی چیز چھوڑ کر مرے (خواہ گھر کا سامان، کپڑے، مکان وغیرہ ہو) اس سے یہ قرضہ ادا کیا جائے گا اور اگر وہ کوئی چیز چھوڑ کر نہیں مرا تو اس کے وارثوں کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں بلکہ وہ گنہگار رہے گا اور قیامت کے دن اس کو ادائیگی کرنا ہوگی۔[۲]

خلع والی عورت مہر کی حقدار ہے:

س: خلع لینے کی صورت میں عورت مقررہ مہر کی حقدار رہتی ہے یا نہیں؟ یعنی شوہر کے لئے بیوی کا مہر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج: خلع میں جو شرائط طے ہوجائیں فریقین کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ اگر مہر چھوڑنے کی شرط پر خلع ہوا ہے تو عورت مہر کی حقدار نہیں اور اگر مہر کا کچھ تذکرہ نہیں آیا کہ وہ بھی چھوڑا جائے گا یا نہیں، تب بھی مہر معاف ہوگیا۔ البتہ اگر مہر ادا کرنے کی شرط تھی تو مہر واجب الادا رہے گا۔[۳]

حق مہر عورت کس طرح معاف کرسکتی ہے؟

س: میں آپ سے ایک شرعی سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنے شوہر کو حق مہر اپنی خوشی سے معاف کردیا۔ میں نے اپنی زبان سے اور سادہ کاغذ پر بھی لکھ کر دے دیا ہے۔ کیا اتنا کہنے اور لکھ دینے سے حق مہر معاف ہوجاتا ہے؟ اسلام اور شرعی حیثیت سے کیا یہ ٹھیک ہے؟

ج: حق مہر عورت کا شوہر کے ذمہ قرض ہے۔ اگر صاحب قرض مقروض کو زبانی یا تحریری طور سے معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مہر بھی عورت کے معاف کردینے سے معاف ہوجاتا ہے۔[۴]

مہر معاف کردینے کے بعد لڑکی مہر وصول کرنے کی حقدار نہیں:

س: کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک لڑکی کی شادی ہوئی۔ نکاح کے وقت لڑکی کا حق مہر ۸۰۰۰ روپے طے پایا اور اسی وقت لڑکی

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۵۷ ۲ ایضاً۔

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۶۰ ۴ ایضاً۔

کو سسرال والوں نے ۴۰۰۰ روپے یعنی نصف مہر ادا کر دیا۔ اور نصف مہر یعنی ۴۰۰۰ روپے لڑکی نے اپنے شوہر کو معاف کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد لڑکی سسرال کی مرضی کے بغیر اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئی اور پھر لڑکی کے ماں باپ نے لڑکی کی طلاق کا مطالبہ کیا۔ کچھ زور زیادتی پر لڑکے نے طلاق دے دی۔ لڑکی والوں نے معاف شدہ مہر بھی مانگا اور شوہر سے پھر ۴۰۰۰ روپے وصول کئے گئے پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی والوں نے ۴۰۰۰ روپے جو کہ ایک طریقے سے زبردستی لئے ہیں، وہ جائز لیے ہیں یا ناجائز ہیں؟

ج: جو مہر لڑکی معاف کر چکی تھی، اس کے وصول کرنے کا حق نہیں تھا۔ لیکن شوہر نے اچھا کیا کہ اس کا احسان اپنے ذمہ نہیں لیا۔[۱]

بیوی اگر مہر معاف کر دے تو شوہر کے ذمہ دینا ضروری نہیں:

س: میرے نکاح کا حق مہر مبلغ = / ۱۱،۵۰۰ روپے مقرر کیا گیا ہے جس میں سے آدھا معجّل اور آدھا مؤجل طے پایا ہے۔ جس کو میں فوری طور پر ادا نہیں کر سکتا تھا۔ شادی کی رات جب میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور سلام وکلام کے بعد میں نے یہ صورت حال اپنی بیوی کے سامنے رکھی تو اس نے اسی وقت اپنا تمام حق مہر مجھ پر معاف کر دیا۔ براہ کرم مجھے قانون شریعت کے مطابق بتائیں کہ اس کے بعد میری بیوی مجھ پر جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر آپ کا بیان اور بیوی کا اقرار نامہ درست ہے تو آپ کی بیوی کی طرف سے آپ کو مہر معاف ہو گیا اور اب آپ پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں۔[۲]

دعوتِ ولیمہ

ولیمہ کی شرعی حیثیت:

س: شریعت مقدسہ میں ولیمہ کی حیثیت واجب کی ہے یا سنت کی؟

ج: دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے، جناب نبی کریم ﷺ کا اپنا قول وفعل اس پر دال ہے۔ تاہم واجب نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

((فخرج الى السوق فباع واشترى فاصاب شيئاً من اقط وسمن فتزوج۔ فقال النبى ﷺ أولم ولو بشاة)) (صحیح بخاری ج۲ ص۷۷۷ باب من اولم على بعض نسائه)

((وعن انسؓ قال ما اولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب اولم بشاة))(مشکوٰۃ ج۲ص۲۷۸ باب الولیمۃ)[۳]

---

۱ آپ کے مسائل ج۵ ص۱۶۰ ۲ آپ کے مسائل ج۵ ص۱۶۱ ۳ فتاویٰ حقانیہ ج۴ ص۴۲۸

دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت:

س: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟ شادی کے بعد یا پہلے؟

ج: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت دلہن کو گھر لانے کے بعد کا ہے، خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد دعوت کھلانا مسنون ولیمہ ہے تاہم دلہن کو گھر لانے سے قبل کھلایا جانے والا طعام مسنون ولیمہ نہیں۔ بلکہ عام دعوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے قربانی کے جانور کو قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کیا جائے تو قربانی نہیں ہوگی تاہم اس کا کھانا جائز ہے۔[1]

ولیمہ میں غیر شرعی امور:

س: جس دعوت ولیمہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو (ویڈیو فلم اور گانا بجانا) اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جس دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور پہلے سے اس بات کا علم بھی ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں۔ اور اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوا تو اگر دستر خوان کے پاس نہ ہو۔ عالم اور مقتداء ہونے کی صورت میں واپس آجائے۔ اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے، اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دستر خوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس جانا ضروری ہے، چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔[2]

ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے:

س: ولیمہ صرف ایک دن ہی ہونا چاہئے یا ایک دن سے زیادہ بھی کرنا جائز ہے؟

ج: ولیمہ اس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد دی جاتی ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا۔ بلکہ اس دعوت کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے۔ اگر وہ ایک دن سے زیادہ یہ دعوت کرنا چاہے تو کوئی قباحت نہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کا ولیمہ تین دن تک کیا ہے۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۳ باب جواز الولیمة الی ایام ان لم یکن فخراً)[3]

مسنون ولیمہ میں فقراء کی شرکت ضروری ہے:

س: طعام ولیمہ کی از روئے شریعت کیا حقیقت ہے؟ ابھی جو صورتحال پاکستان میں رائج ہے کیا یہ سنت محمدی ﷺ کے مطابق ہے؟

ج: مسنون ولیمہ یہ ہے کہ جس رات میاں بیوی کی پہلی خلوت ہو، اس سے اگلے دن حسب توفیق کھانا کھلایا جائے۔ مگر اس میں نمود و نمائش کرنا، قرض لے کر زیر بار ہونا اور اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا منع ہے۔ نیز اس موقع پر فقراء مساکین

---

[1] فتاوی حقانیہ ج۴ ص ۴۲۸ [2] فتاوی حقانیہ ج۴ ص ۴۲۹

[3] فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۴۳۰

کو بھی کھلایا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ:

((عن أبی هریرة قال: قال رسول اللهﷺ: ((شر الطعام طعام الولیمة مادعی لها الأغنیاء ویترك الفقراء ۔۔۔۔))

''بدترین کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں اغنیاء کی دعوت کی جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔''

(صحیح بخاری ومسلم)

آج کل جس انداز سے ولیمے کئے جاتے ہیں ان میں فخر ومباہات اور نام ونمود کا پہلو غالب ہے۔ سنت کی حیثیت بہت ہی مغلوب نظر آتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ: **عن عکرمة عن ابن عباس: ((ان النبی ﷺ نهی عن طعام المتبارئین أن یوکل))**۔ (رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص۲۷۹)

''آنحضرت ﷺ نے فخر ومباہات والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔''

اس لئے ایسے ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا بھی مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں آج کل ولیمہ کی دعوتوں میں مردوں اور عورتوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے۔ کھانا عموماً میز کرسی پر یا کھڑے ہوکر کھایا جاتا ہے۔ اور اب تو ویڈیو فلمیں بنانے کا بھی رواج چل نکلا ہے۔ بعض جگہ گانے بجانے کا شغل بھی رہتا ہے۔ اس طرح کی اور بہت سے قباحتیں پیدا ہوگئی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ایسی دعوت میں جانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔[1]

ولیمہ کے لئے ہم بستری شرط نہیں:

س: کیا بیوی سے ہم بستر ہوئے بغیر ولیمہ ہوسکتا ہے؟ یعنی اگر ہم پہلی رات ہم بستر نہ ہوں اور دوسرے دن ولیمہ کریں تو کیا ولیمہ ہوگا یا نہیں؟

ج: ولیمہ صحیح ہے۔ میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ولیمہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم بستری شرط نہیں۔[2]

حکومت کی طرف سے ولیمہ کی فضول خرچی پر پابندی درست ہے:

س: شادی کا ولیمہ لازمی ہے مگر حکومت کی جانب سے پابندی کی صورت میں مجبور ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے؟

ج: ولیمہ سنت نبویؐ ہے۔ اور بقدر سنت ادائیگی اب بھی ہوسکتی ہے۔ البتہ ولیمہ کے نام سے جو نام ونمود اور فضول خرچی ہوتی ہے وہ حرام ہے۔ حکومت نے اس کو بند کیا ہے تو کچھ برا نہیں کیا۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۶۴۔ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج۵ ص۱۶۴

حقوق الزوجین

عورت کے لئے شوہر کا حکم مقدم ہے یا والدین کا:

س: عورت کے ذمہ والدین کا حکم ماننا ضروری اور مقدم ہے یا شوہر کا؟

ج: علی قدر مراتب دونوں کی اطاعت ضروری ہے جو امور متعلق حق شوہری کے ہیں ان میں شوہر کی اطاعت ضروری ہے اور جو امور متعلق والدین کی خدمت وراحت کے ہیں ان میں والدین کی اطاعت لازم ہے۔ یہ نہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کے حقوق ادا نہ کرے، کیونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت درست نہیں، **کما ورد لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔**[1]

کیا والدین کے کہنے پر شوہر کی مخالفت جائز ہے:

س: اگر والدین دختر کو کہیں کہ تو اپنے زوج سے بے رخی سے پیش آ، اور ہمارے کہنے کے موافق کام کر اور شوہر کا کہنا نہ مان، اس کی راحت وتکلیف کا کچھ خیال نہ کر، ایسی حالت میں والدین کا کہنا ماننا چاہئے یا نہیں؟

ج: یہ حکم والدین کا ماننے کے لائق نہیں ہے اور خلاف حکم شرع ہے، موافق حدیث مذکور **لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق** کے اس بارے میں والدین کی اطاعت اور فرماں برداری جائز نہیں ہے اگر لڑکی اس بارہ میں والدین کے کہنے کے مطابق کرے تو گنہگار ہوگی۔[2]

عورت پر خاوند کی اطاعت لازم ہے:

س: عورت اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف چلے اور اس کے کہنے پر عمل نہ کرے تو اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: عورت کے ذمہ اپنے خاوند کی اطاعت ان امور میں جو شرعاً ممنوع نہ ہوں ضروری اور لازم ہے اگر وہ اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اور اگرچہ والدین کی اطاعت ضروری ہے مگر عورت پر خاوند کا حق زیادہ ہے۔[3]

س: عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوا میرے سالے کے ضرب لگنے کی اطلاع پہنچی، جس پر میں زوجہ کو لے کر وہاں پہنچا

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۴۱۷ [2] ایضاً۔

[3] فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۴۰۸

میری سسرال نے زوجہ ام کو بحیلہ صحت رکھ لیا، اور اب ہرگز نہیں بھیجتے چند مرتبہ میں خود اور ایک مرتبہ میرے والدین لینے کے لئے گئے مگر تب بھی نہیں بھیجا اس صورت میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟

ج: بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنے کا والدینؑ کو کچھ حق نہیں ہے والدین دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اس کے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت کرنا زوجہ کو مقدم ہے۔[1]

شوہر سے اندازِ گفتگو:

س: اگر بیوی کسی ناحق بات پر شوہر کو ٹوکے، لیکن شوہر برا منائے تو کیا یہ گناہ ہے؟ اور کیا وہ بات بے دھڑک اسی وقت کہہ دی جائے یا بیوی بعد میں آرام سے کہے؟

ج: اگر شوہر غلط کام کرے تو اس کو ضرور ٹوکا جائے۔ مگر لب و لہجہ نہ تو گستاخانہ ہو، نہ حاکمانہ اور نہ طعن و تشنیع کا۔ بلکہ بے حد پیار و محبت کا اور دانشمندانہ انداز ہونا چاہئے۔ پھر ممکن نہیں کہ اس کی اصلاح نہ ہو۔[2]

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کو کہیں جانا کیسا ہے؟

س: عورت اپنے خاوند کی بلا اجازت کسی رشتہ دار کے گھر یا میکے یا تماشہ میں جائے اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: عورت کو بلا اجازت والدین کے یا کسی اپنے رشتہ دار کے گھر جانا درست نہیں ہے، اور مرد کو بھی مطلقاً روکنے کا حکم نہیں ہے بلکہ گاہ گاہ رشتہ داروں سے علی قدر مراتب ملنے دینا چاہئے۔[3]

س: کیا بیوی شوہر کے حکم کے خلاف کہیں جاسکتی ہے؟

ج: نہیں جاسکتی۔ البتہ چند صورتوں میں جاسکتی ہے۔

۱- اپنے والدین کو دیکھنے کے لئے ہر ہفتہ جاسکتی ہے۔

۲- دوسرے محرم عزیزوں سے ملنے کے لئے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے۔

۳- باپ اگر محتاج خدمت ہو، مثلاً اپاہج ہو اور اس کی خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس کی خدمت کے لئے روزانہ جاسکتی ہے۔ یہی حکم ماں کے محتاج خدمت ہونے کا ہے۔[4]

شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا:

س: کیا شوہر کے گھر کے اخراجات کے لئے دیئے ہوئے پیسوں میں سے بیوی ان لوگوں پر برائے نام کچھ خرچ کرسکتی ہے جو جان اور مال سے بیوی کے کام آتے ہوں، گو شوہر کو کچھ ناگوار ہی ہو؟

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۸ ص ۴۰۸ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۷۳

[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۸ ص ۴۰۹ [4] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۷۴

ج: ایسے خرچ سے جو شوہر کو ناگوار ہو، احتراز کرنا چاہئے البتہ اس کی تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ شوہر سے کچھ رقم اپنے ذاتی خرچ کے لئے لی جائے اور اس میں سے یہ خرچ کیا جائے۔[1]

کیا شوہر مجازی خدا ہوتا ہے:

س: ایک ہفت روزہ میں ''مسائل'' کے کالم میں ایک عورت نے لکھا ہے کہ ''اس کا شوہر بدصورت ہونے کی وجہ سے اسے ناپسند ہے۔ لہٰذا اس شخص کے ساتھ رہنے میں لغزش ہوسکتی ہے۔ اور وہ خلع چاہتی ہے جبکہ اس عورت کے والدین کہتے ہیں کہ شوہر کو بدصورت کہنا گناہ ہوتا ہے۔'' تو اسے جواباً بتایا گیا کہ ''شوہر کو خدا سمجھ لینے کا تصور ہندو عورتوں کا ہے ورنہ اسلام میں نکاح طرفین کی خوشی سے ہوتا ہے اور اگر وہ عورت چاہے تو لغزش سے بچنے کے لئے خلع لے سکتی ہے۔ کیونکہ نکاح کا مقصد ہی معاشرتی برائی سے بچنا ہے۔'' اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی شوہر کو مجازی خدا سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں نے اب تک اپنی اطاعت گزار بیوی پر خود کو مجازی خدا اور باحیثیت مرد حاکم سمجھ کر جو ظلم کئے ہیں کیا میں گنہگار ہوا ہوں یا اپنی لاعلمی کی وجہ سے بے قصور ہوں یا مجھے اپنی بیوی سے معافی مانگنی ہوگی؟ کہ خدا مجھ کو معاف کردے یا حق پر ہوں اور یہ بات غلط ہے کہ شوہر کو مجازی خدا سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے۔ مگر نہ وہ حقیقی خدا ہے اور نہ مجازی خدا۔ حاکم کی حیثیت سے اسے بیوی پر ظلم وستم توڑنے کی اجازت نہیں۔ نہ اس کی تحقیر وتذلیل ہی روا ہے۔ جو شوہر اپنی بیویوں پر زیادتی کرتے ہیں وہ بدترین قسم کے ظالم ہیں۔ آپ کو اپنی بیوی سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور جو ظلم وزیادتی کر چکے ہیں اس کی تلافی کرنی چاہئے۔ شوہر کو خدائی منصب پر فائز سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہو تو ہو اسلام کا طریقہ بہرحال نہیں۔ البتہ عورت کو اپنے شوہر کی عزت واحترام کا یہاں تک حکم ہے کہ اس کا نام لے کر بھی نہ پکارے۔ اور اس کے کسی بھی جائز حکم کو مسترد نہ کرے۔ اور اگر شوہر سے عورت کا دل نہ ملتا ہو، خواہ شوہر کی بدصورتی کی وجہ سے، خواہ اس کی بدخلقی کی وجہ سے، خواہ اس کی بددینی کی وجہ سے، خواہ کسی اور وجہ سے، تو اس کو خلع لینے کی اجازت ہے۔[2]

نافرمان بیوی کا شرعی حکم:

س: ہمارے پڑوس میں ایک کنبہ آباد ہے۔ ویسے تو میاں بیوی میں تعلقات نہایت اچھے تھے۔ میاں بے حد شریف ہے ایک روز کسی بات پر بیوی نے ضد کی جو ناجائز قسم کی ضد تھی۔ میاں نے بہت صبر کیا مگر بیوی کی دوبارہ ضد پر میاں کو غصہ آ گیا اور انہوں نے بیوی کو ایک تھپڑ مار دیا۔ بیوی نے اس پر میاں اور اس کے والدین کے لئے ''کنجر'' جیسا ناپاک لفظ استعمال کیا اور اپنے میکے چلی گئی۔ والدہ نے اس کے اس طرح آ جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا تو وہ پھر آ گئی۔ مگر دونوں میں بات چیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی بیوی میاں کو منانے کی کوشش کرتی ہے۔ واقعہ بالا پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی قیمتی

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۷۴ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۱۷۷

رائے سے مستفید فرمائیں؟

ج: منہ پر تھپڑ مارنے کی حدیث شریف میں بہت سخت ممانعت آئی ہے۔ اس لئے شوہر نے بڑی زیادتی کی، عورت کی بے جا ضد پر شوہر کو اس طرح مشتعل نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس نیک بخت نے جو تھپڑ کا جواب گندی گالی سے دیا یہ اس سے بھی زیادہ بری بات تھی۔ عورت کے لئے شوہر کی بے ادبی جائز نہیں اور گالی گلوچ تو گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''تین آدمی ایسے ہیں جن کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ کوئی اور نیکی۔ ان تین میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ فرشتے ایسی عورت پر لعنت کرتے ہیں۔'' شوہر کو چاہئے کہ بیوی کی دلجوئی کرے اور بیوی نے اگر جذبات میں نامناسب الفاظ کہہ دیئے تو اس کو اپنے میاں سے معافی مانگ لینی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی توبہ کرنی چاہئے۔[1]

شوہر پر بیوی کے حقوق:

س: معمولی نوعیت کے روزمرہ کے کپڑے اور غذا حسب استطاعت شوہر اور مہر معین کے علاوہ شوہر پر بیوی کا اور بھی کوئی حق واجب ہے مثلاً عید بقرعید کے لئے عمدہ قیمتی کپڑے، بیماری میں قیمت دوا، فیس طبیب، تیمارداری وغیرہ کا خرچ اور رشتہ داروں کے گھر جانے کا سفرخرچ اور تحفہ کی قیمت، اگر شوہر بیوی کو اسی کے اصرار سے اپنے ساتھ سفر میں رکھے تو سفرخرچ کس کے ذمہ ہوگا، اور زیور بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے یا نہیں، اگر اشیاء مذکورہ میں سے کچھ شوہر کے ذمہ واجب نہیں تو اشیائے مذکورہ کو مہر میں محسوب کرسکتا ہے، اگر بیوی اس پر راضی نہ ہو تو شوہر اس کو رشتہ داروں میں جانے سے اور غیر محرم کو خط لکھنے اور ملنے سے روک سکتا ہے۔ یا نہیں، مہر عنداللہ بیوی خود شوہر سے لے گی یا اس کے ورثاء، کیا شوہر کا بھی کوئی حق مالی بیوی پر ہے یا نہیں جس کو شوہر بیوی سے لے سکے گا؟

ج: درمختار میں ہے۔

((کما لایلزم مداواتها ای ایتانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة الخ شامی وأیضاً فی الشامی تنبيه قدعلم مما ذكر انه لا يلزمه لها القهوة والدخان وان تضررت بتركهما لان ذلك ان كان من قبيل الدواء او من قبيل التفكه فكل من الدواء والتفكه لايلزمه كما علمت۔ الخ)) (ج۲ص۶۴۹)

الحاصل شوہر کے ذمہ سوائے نفقہ معمولی یعنی کپڑے وکھانے وغیرہ ضروریات خانہ داری کے اور کوئی چیز مثل قیمت دواء واجرت طبیب اور عید کے لئے خاص قیمتی کپڑے اور اقرباء کے گھر جانے کا سفرخرچ واجب نہیں ہے، اگر یہ اشیاء بہ نیت مہر ادا کرے اور زوجہ اس کو منظور کرے تو وہ روپیہ مہر میں محسوب ہوجائے گا اور اگر شوہر اپنے ساتھ سفر میں لے جائے تو وہ

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ص۱۷۷

سفر خرچ بذمہ شوہر ہے اس کو مہر میں محسوب نہیں کر سکتا۔

اور نیز درمختار میں ہے ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة (ترجمہ) اور شوہر منع نہ کرے زوجہ کو والدین کے گھر جانے سے ہر جمعہ میں اور غیر محرم سے ملنے اور خط لکھنے سے منع کر سکتا ہے اور منع کرنا ہی چاہئے مہر موجل کے وصول کا وقت طلاق یا موت ہے، اگر شوہر نے اس کو طلاق دے دی تو بعد طلاق کے وہ عورت خود اپنا مہر لے سکتی ہے، یا شوہر مرگیا تو اس کے ترکہ میں سے لے سکتی ہے اور اگر عورت مرگئی تو اس کے ورثاء لیں گے، ان ورثاء میں خود شوہر بھی داخل ہے، اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ شوہر کا کوئی حق مالی عورت کے ذمہ بسبب نکاح کے نہیں ہے کہ جس کو شوہر بی بی سے وصول کرے قال الله تعالٰی واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم، مردوں کو حکم ہے کہ مال خرچ کر کے عورتوں کو طلب کریں اور ان کا حق ادا کریں نہ یہ کہ شوہر زوجہ سے کچھ مال لے، البتہ اگر مال کے عوض خلع ہوا ہے تو وہ مال شوہر زوجہ سے لے گا۔[1]

طلاق کے احکام ومسائل

طلاق دینے کا شرعی طریقہ:[2]

س: اسلام میں طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ یعنی طلاق کس طرح دی جاتی ہے؟

ج: طلاق دینے کے تین طریقے ہیں۔

۱- ایک یہ کہ بیوی ماہواری سے پاک ہو تو اس سے جنسی تعلق قائم کئے بغیر ایک ''رجعی طلاق'' دے اور پھر اس سے رجوع نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اس صورت میں عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کی گنجائش ہوگی۔ اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔

۲- دوسرا طریقہ یہ کہ الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ یہ صورت زیادہ بہتر نہیں، اور بغیر شرعی حلالہ کے آئندہ نکاح نہیں ہو سکے گا۔

۳- تیسری صورت ''طلاق بدعت'' کی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ بیوی کو ماہواری کی حالت میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت کر چکا ہو۔ یا ایک ہی لفظ سے یا ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے ڈالے۔ یہ ''طلاق بدعت'' کہلاتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طریقہ سے طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ایک دی تو ایک واقع ہوئی، اگر دو طلاقیں دیں تو دو واقع ہوئیں اور اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہوگئیں خواہ ایک لفظ میں دی ہوں یا ایک مجلس میں یا ایک طہر میں۔

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۸ ص ۴۱۹ [2] طلاق کے جملہ مسائل ''آپ کے مسائل'' ج ۵ ص ۲۱۵ تا ۲۳۹ سے لئے گئے ہیں۔

طلاق کس طرح دینی چاہئے:

س: ہمارے ملک میں جب سے عائلی قوانین نافذ ہوئے ہیں اس دور سے اب تک یہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ جب تک خاوند اپنی بیوی کو تین دفعہ طلاق نہ دے اس وقت تک طلاق کو مؤثر نہیں سمجھا جاتا۔ یعنی ایک اور دو طلاق کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی۔ جب بھی کوئی شخص طلاق دیتا ہے یا یونین کونسل کی طرف سے طلاق دلوائی جاتی ہے تو تین طلاقیں دی جاتی ہیں اور تحریر میں بھی تین ہی لکھی جاتی ہیں۔ کیا یہی طریقہ درست ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو صحیح طریقہ بتلائیں۔

ج: ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینا برا ہے اس سے میاں بیوی کا رشتہ یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ رجوع اور مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اور بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینا چاہے تو بیوی کے ایام سے فارغ ہونے کے بعد اس کے قریب نہ جائے اور اسے ایک ''رجعی طلاق'' دے دے اس صورت میں جب تک عورت عدت سے فارغ نہیں ہوجاتی، تب تک طلاق مؤثر نہیں ہوگی۔ بلکہ نکاح بدستور قائم رہے گا۔ اور عدت کے اندر شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اگر شوہر نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو عدت کے ختم ہوتے ہی طلاق مؤثر ہوجائے گی اور نکاح ختم ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد بھی اگر دونوں مصالحت کرنا چاہیں تو دوبارہ نکاح ہوسکے گا۔

س: بیوی کو اگر طلاق دینی ہو تو زبانی کیسے دی جاتی ہے اور اگر لکھ کر دینی ہو تو کیسے دی جاتی ہے؟ علاوہ ازیں طلاق کے وقت کتنی رقم دینی پڑتی ہے؟

ج: طلاق خواہ زبانی دے یا تحریری طور پر، اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایک ''رجعی طلاق'' دے دے اور پھر اس سے رجوع نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ مطلقہ عورت سے اگر ''خلوت'' ہوچکی ہو تو اس کو اس کا مہر ادا کر دینا ضروری ہے۔ مزید برآں اس کو ایک جوڑا حسب حیثیت دینا مستحب ہے۔ اور اگر ''خلوت'' نہیں ہوئی تو آدھا مہر دینا لازم ہے۔

رخصتی سے قبل ایک طلاق کا حکم:

س: کسی لڑکی کا نکاح ہوا ہو لیکن رخصتی نہ ہوئی ہو، اگر لڑکا لڑکی کو صرف ایک بار کہہ دے ''طلاق دی'' اس بات کو چار ماہ سے زائد عرصہ ہوچکا ہو تو کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

ج: ایسی حالت میں ایک دفعہ طلاق دینے سے ''طلاق بائن'' واقع ہو جاتی ہے۔ اور ایسی عورت کے لئے طلاق کی عدت بھی نہیں، وہ لڑکی بلا توقف دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ اور فریقین کی رضامندی سے طلاق دینے والے سے بھی دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

رخصتی سے قبل ''تین طلاق دیتا ہوں'':

س: میرے ایک دوست کی شادی ہونے سے پہلے نکاح ہوا تھا مگر اس کی شادی نہیں ہوئی۔ اس نے کسی کے کہنے پر طلاق

دے دی ہے اور اس لڑکی کے باپ کے پاس طلاق نامہ بھیج چکا۔ اگر وہ اسی لڑکی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو حلالہ کرنا ہوگا اور کچھ کہتے ہیں نہیں؟

ج: اگر اس نے ایک طلاق دی تھی تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور اگر یوں لکھا تھا کہ میں ''تین طلاق دیتا ہوں'' تو شرعی حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔

ایضاً:

س: میری منگنی ہوئی اور نکاح بھی ہوا تھا، جس کے بعد شادی نہیں ہوئی۔ تو اس دوران میں نے ایک کام کو نہ کرنے کا عہد کرلیا۔ اور اس میں، میں نے یہ جملے دہرائے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو یعنی طلاق کا لفظ تین مرتبہ استعمال کیا جس کے بعد میری شادی دوسال کے بعد ہوئی۔ لیکن میں نے بہشتی زیور میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا مسئلہ رخصتی سے پہلے طلاق میں پڑھا، اس میں تھوڑی بہت گنجائش موجود تھی تو میں نے نکاح کی تجدید کرلی۔ مگر پھر بھی میرے دل میں خلش ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ طلاق ثلاثہ واقع ہوئی ہو؟ براہ کرم قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی رو سے ہمیں جواب لکھ دیں تو نہایت مشکور ہوں گا؟

ج: آپ نے جو صورت لکھی ہے اس میں ایک طلاق واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ طلاق کا لفظ تین بار الگ الگ کہا تھا۔ لہٰذا ایک طلاق کے واقع ہوتے ہی بیوی ''بائنہ'' ہوگئی۔ دوطلاقیں لغو گئیں۔ آپ نے دوبارہ نکاح کرلیا تو ٹھیک کیا۔

ایضاً:

س: میرا ایک لڑکی کے ساتھ نکاح ہوا۔ ابھی رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ کچھ اختلافات کے سبب میں نے لڑکی کو ایک دفعہ لکھ دیا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ لڑکی نے حق زوجیت ادا نہیں کیا تھا۔ اب لڑکی والے کہتے ہیں چونکہ حق زوجیت ادا نہیں ہوا تھا اس لئے طلاق وارد ہوجاتی ہے۔ مگر طلاق دیتے وقت مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ ایسے حالات میں ایک دفعہ طلاق کہنے سے طلاق ہوجاتی ہے۔ تو کیا طلاق وارد ہوگی یا نہیں؟

ج: جب میاں بیوی کی ''خلوت'' نہ ہوئی ہو، تو ایک طلاق سے بیوی نکاح سے خارج ہوجاتی ہے، اس طلاق کو واپس بھی نہیں لیا جاسکتا۔ خواہ مسئلہ کا علم ہو یا نہ ہو، اب آپ کی بیوی آپ کے نکاح سے فارغ ہے، آدھا مہر دینا آپ پر لازم ہے وہ لڑکی بغیر عدت کے دوسری جگہ عقد کرسکتی ہے اور اگر لڑکی اور لڑکی کے والدین راضی ہوں تو آپ سے بھی دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اس نئے نکاح کا مہر الگ رکھنا ہوگا۔

ایضاً:

س: عام رواج کے مطابق والدین اپنی اولاد کا بحالت مجبوری بچپن میں نکاح کردیتے ہیں۔ جو والدین میں سے کوئی ایک قبول کرتا ہے۔ اس طرح لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہوجاتا ہے۔ لیکن لڑکا اور لڑکی جوان ہوتے ہیں تو حالات ایسا رخ اختیار کرتے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور لڑکا لڑکی کو طلاق دے دیتا ہے۔ ہمیں یہ پوچھنا ہے کہ نکاح کے بعد

رخصتی نہیں ہوئی اور طلاق ہوگئی، کیا دوبارہ اس سے نکاح ہوسکتا ہے یا نکاح نہیں ہوسکتا؟ کیا اس لڑکی سے اس لڑکے کی بول چال شریعت کے لحاظ سے جائز ہے یا کہ نہیں؟

ج: اگر رخصتی سے پہلے طلاق دی تھی تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ تین طلاقیں بیک وقت نہ دی گئی ہوں۔ نکاح کے بغیر اس لڑکی سے بول چال درست نہیں، کیونکہ طلاق کے بعد وہ لڑکی ''اجنبی'' ہے۔

طلاق رجعی

طلاق رجعی کی تعریف:

س: اسلام میں ''طلاق رجعی'' کی تعریف کی کیا صورت اور کیا حکم ہے؟

ج: ''رجعی طلاق'' یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ صاف لفظوں میں طلاق دے دے اور اس کے ساتھ کوئی اور لفظ استعمال نہ کرے جس کا مفہوم یہ ہو کہ وہ فوری طور پر نکاح کو ختم کر رہا ہے۔

''رجعی طلاق'' کا حکم یہ ہے کہ عدت کے پورا ہونے تک بیوی بدستور شوہر کے نکاح میں رہتی ہے اور شوہر کو یہ حق رہتا ہے کہ وہ عدت کے اندر جب چاہے بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔ اور ''رجوع'' کا مطلب یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی یا بیوی کو ہاتھ لگا دے۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر عدت گزر گئی اور اس نے اپنے قول یا فعل سے رجوع نہیں کیا تو اب دونوں میاں بیوی نہیں رہے عورت دوسری جگہ اپنا عقد کرسکتی ہے اور اگر ان دونوں کے درمیان مصالحت ہوجائے تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور ''رجوع'' کے بعد اگرچہ طلاق کا اثر ختم ہو جاتا ہے، لیکن جو طلاقیں دے چکا ہے وہ چونکہ اس نے استعمال کرلیں لہٰذا اب اس کو صرف باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ شوہر کو کل تین طلاقوں کا اختیار دیا گیا۔ اگر اس نے ایک ''رجعی طلاق'' دے دی تو اب پیچھے اس کے پاس دو رہ گئیں۔ اور اگر دو ''رجعی طلاقیں'' دی تھیں تو اب اس کے پاس صرف ایک طلاق باقی رہی۔ اب اگر یہ شخص اپنی بیوی کو کسی وقت ایک طلاق دے دے گا تو بیوی حرام ہوجائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔

س: میرے ایک دوست نے اپنی بیوی جو ناراض ہے، کو غصے میں، میں مسمی فلاں بن فلاں اپنی بیوی مسماۃ فلاں زوجہ فلاں دختر فلاں کو تحریری طور پر یہ الفاظ کہ ''میں تم کو ایک طلاق دیتا ہوں'' لکھ کر بھیج دیئے۔ اب وہ بیوی سے دوبارہ ملاپ چاہتا ہے۔ شرعی طور پر وہ کیا کفارہ ادا کرے یا دوبارہ نکاح یا کیا کرنا چاہئے؟ جب اس نے یہ الفاظ لکھے دو تین دن کے بعد بیوی اس کے گھر آ گئی۔ اب دونوں راضی ہیں لیکن ابھی تک جسمانی قرب حاصل نہیں کیا۔ اس لئے جلدی تفصیل لکھیں۔

ج: اگر صرف ایک طلاق لکھی تھی تو کسی کفارہ کی ضرورت نہیں۔ عدت ختم ہونے تک نکاح باقی ہے، عدت کے اندر دونوں میاں بیوی کا تعلق قائم کرلیں تو طلاق غیر مؤثر ہوجائے گی۔

رجعی طلاق میں کب تک رجوع کرسکتا ہے:

س: رجعی طلاق میں رجوع کرنے کی میعاد ایک ماہ ہے یا زیادہ؟ رجوع کرنے سے مراد وظیفۂ زوجیت ادا کرنا ضروری ہے؟ اگر دونوں میں سے ایک یا دونوں اس قابل نہ ہوں تو کس طرح رجوع کیا جائے گا؟

ج: رجعی طلاق میں ''عدت'' کے اندر رجوع کرسکتا ہے اور ''عدت'' کے لحاظ سے مطلقہ عورتوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱- حاملہ، اس کی عدت وضع حمل ہے۔ بچے، بچی کی پیدائش سے اس کی عدت ختم ہوجائے گی، خواہ بچے کی پیدائش جلدی ہوجائے یا دیر سے۔

۲- دوسری قسم، وہ عورت جس کو ''ایام'' آتے ہوں اس کی عدت تین حیض ہیں۔ جب طلاق کے بعد وہ تیسری مرتبہ پاک ہوجائے گی تو اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔

۳- تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جو نہ حاملہ ہوں اور نہ ان کو ایام آتے ہوں، ان کی ''عدت'' تین ماہ ہے۔

رجعی طلاق میں اگر مرد اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہے تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا۔ بس رجوع ہو جائے گا اور اگر زبان سے کچھ نہ کہا مگر میاں بیوی کا تعلق قائم کرلیا یا خواہش و رغبت سے اس کو ہاتھ لگا دیا تب بھی رجوع ہو جائے گا۔

طلاق لکھ کر رجسٹری کردینے سے ہی طلاق ہوجاتی ہے اگرچہ عورت کو نہ پہنچی ہو:

س: زید نے ایک گھرانے میں شادی کی۔ شادی کے ۳ ماہ بعد زید کی بیوی کے بھائی اسے زید کی غیر موجودگی میں اپنے گھر لے گئے۔ زید نے ایک طلاق لکھ کر رجسٹری کردی، لیکن زید کے ہمدردوں نے یہ رجسٹری منسوخ کرواکے زید کے گھر واپس بذریعہ ڈاک بھجوادی جو ابھی تک زید کے پاس محفوظ ہے۔ عرض یہ ہے کہ اس صورت میں کیا زید اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے؟ جبکہ اس طلاق کا علم زید کی بیوی کو نہیں ہے کیونکہ رجسٹری اس تک پہنچی ہی نہیں۔

ج: اگر رجسٹری میں ایک طلاق لکھی تھی تو لکھتے ہی ایک ''رجعی طلاق'' واقع ہوگئی۔ بیوی تک رجسٹری کا پہنچنا یا اس کو علم ہوجانا کوئی شرط نہیں، رجسٹری عورت تک پہنچے یا نہ پہنچے اور اس کو طلاق بھیجنے کا علم ہو یا نہ ہو، طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ مگر چونکہ مذکورہ صورت میں ایک رجعی طلاق ہوئی، لہٰذا عدت کے اندر رجوع ہوسکتا ہے۔ اور عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

کیا طلاق کے بعد میاں بیوی اجنبی ہوجاتے ہیں:

س: ہمارے ایک دوست نے ۲۲ ماہ قبل ایک طلاق دی تھی اس کے دو ماہ بعد اس کی بیوی نے پردہ کرنا شروع کردیا۔ پھر ان کی بیوی نے یہ کہا کہ طلاق ہوگئی۔ کیا یہ درست ہے؟

ج: ایک طلاق دینے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے۔ عدت کے اندر اندر شوہر رجوع کرسکتا ہے۔ اور بغیر تجدید

نکاح کے میاں بیوی کا تعلق بحال ہوسکتا ہے۔ اور عدت (جو کہ تین حیض ہے) گزرنے کے بعد نکاح ختم ہوجاتا ہے اور دونوں اجنبی بن جاتے ہیں۔ چونکہ دو مہینے میں عدت پوری ہوسکتی ہے اس لئے اگر شوہر نے رجوع نہیں کیا تھا اور عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ان دو مہینوں میں وہ تین مرتبہ حیض سے فارغ ہوچکی ہے تو عورت کا دعویٰ لائق تسلیم ہے اور دو مہینے کے بعد عورت کا پردہ کرنا بالکل صحیح تھا۔ اگر دونوں فریق رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح اب بھی ہوسکتا ہے۔

حاملہ عورت سے رجوع کس طرح کیا جائے:

س: میں نے اپنی پانچ ماہ کی حاملہ بیوی کو غصے کی حالت میں طلاق دے دی۔ اور ابھی تک رجوع نہیں کیا ہے۔ اب جبکہ ولادت قریب ہے تو رجوع کی کیا صورت ہوگی؟

ج: اگر رجعی طلاق دی تھی تو وضع حمل سے پہلے رجوع ہوسکتا ہے۔ وضع حمل کے بعد عدت ختم ہوجائے گی اس کے بعد رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکے گا۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرنے کی صورت یہ ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا یا میاں بیوی کا تعلق قائم کرلیا جائے یا رجوع کی نیت سے اس کو ہاتھ لگا دیا جائے۔

ایک یا دو طلاق دینے سے مصالحت کی گنجائش رہتی ہے:

س: ہم سنتے آئے ہیں کہ جب تک تین دفعہ طلاق نہیں دی جاتی، واقع نہیں ہوتی۔ مگر آپ نے دو دفعہ کو مکمل طلاق قرار دے دیا، کس طرح؟

ج: طلاق تو ایک بھی واقع ہوجاتی ہے مگر ایک یا دو طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی ہے۔ تین طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے عوام کا یہ سمجھنا کہ طلاق ہوتی ہی نہیں، جب تک کہ تین مرتبہ نہ دی جائے بالکل غلط ہے۔ تین طلاق بیک وقت دینا جائز نہیں اور اگر کوئی دے ڈالے تو مصالحت کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے۔

نوٹ: رجوع کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق سے رجوع کیا یا میاں بیوی کے تعلقات قائم کرلیں۔ اس کے علاوہ بوس وکنار سے بھی رجوع ثابت ہوجاتا ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی میں دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی، جب تک عورت کی عدت ختم نہ ہوجائے۔

کیا دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد کفارہ ہے:

س: ایک شخص عاشق حسین نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دے دی۔ اب کچھ لوگ کہتے ہیں، طلاق نہیں ہوئی۔ کیا اس کا کچھ کھانا بطور کفارہ دے کر بیوی کو گھر میں رکھ لے؟

ج: اگر صرف دو مرتبہ طلاق کا لفظ کہا تھا تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ کھانا وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب اگر تیسری بار طلاق دے گا تو دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہوجائیں

گے اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔

دو طلاق کے بعد کب تک رجوع جائز ہے:

س: ایک ہفت روزہ میں ایک صاحب مذہبی کالم لکھتے ہیں۔ جس میں وہ لوگوں کے مسائل کے جواب دیتے ہیں۔ راولپنڈی کی ایک خاتون نے ان سے دریافت کیا کہ اس خاتون کے شوہر نے انہیں دو مرتبہ طلاق دے دی جس کے بعد وہ اپنے میکے چلی گئیں۔ تقریباً ساڑھے تین ماہ بعد ان کے شوہر آ کر انہیں لے گئے۔ لیکن انہوں نے ذہنی طور پر اپنے شوہر کو قبول نہ کیا۔ وہ اس وجہ سے پریشان تھیں کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دو مرتبہ طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں۔ یہی ان کے سوال پوچھنے کا مقصد تھا، جواب میں ان صاحب نے لکھا کہ ''جس چیز کو ذہن قبول نہ کرے اس میں صلاح ومشورے کی گنجائش ہے۔'' حالانکہ میری معلومات جہاں تک ہیں، ان کے مطابق دو مرتبہ طلاق دینے سے طلاق ہو تو جاتی ہے لیکن اس میں صلح کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔

ج: اس مسئلہ کا صحیح جواب یہ ہے کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ طلاق دینے سے طلاق تو ہو جاتی ہے لیکن شوہر کو عدت کے اندر اندر رجوع کر لینے کا حق ہوتا ہے اور عدت ختم ہو جانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ان صاحبہ کے شوہر نے اگر عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا تو نکاح قائم رہا اور اگر رجوع نہیں کیا تھا تو تجدید نکاح کے بغیر دوبارہ اس شوہر کے گھر آباد ہونا جائز نہیں۔

طلاق بائن

طلاق بائن کی تعریف:

س: طلاق بائن کی تعریف کیا ہے؟ اگر تین مرتبہ یا اس سے زائد مرتبہ کہا جائے کہ ''میرا تم سے کوئی تعلق نہیں'' یا ''میں نے تم کو آزاد کر دیا ہے'' تو کیا دوبارہ اسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے؟

ج: طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ ''طلاق رجعی''، ''طلاق بائن'' اور ''طلاق مغلظہ''۔

''طلاق رجعی'' یہ ہے کہ صاف اور صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی طلاق میں عدت پوری ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے بیوی سے رجوع کر لے۔ اگر اس نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تو نکاح بحال رہے گا اور دوبارہ نکاح کی ضرورت نہ ہو گی اور اگر اس نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو طلاق مؤثر ہو جائے گی۔ اور نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ (لیکن جتنی طلاقیں وہ استعمال کر چکا ہے وہ ختم ہو گئیں، آئندہ اس کو تین میں سے صرف باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہو گا) مثلاً اگر ایک طلاق دی تھی اور اس سے رجوع کر لیا تھا تو اب اس کے پاس صرف دو طلاقیں باقی رہ گئیں اور اگر دو طلاقیں دے کر رجوع

کرلیا تھا تو اب صرف ایک باقی رہ گئی۔ اب اگر ایک طلاق دے دی تو بیوی تین طلاق کے ساتھ حرام ہوجائے گی۔

''طلاق بائن'' یہ ہے کہ گول مول الفاظ (یعنی کنایہ کے الفاظ) میں طلاق دی ہو یا طلاق کے ساتھ کوئی صفت ایسی ذکر کی جائے جس سے اس کی سختی کا اظہار ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ ''تجھ کو سخت طلاق'' یا ''لمبی چوڑی طلاق''۔ طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ بیوی فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔ البتہ عدت کے اندر بھی اور عدت ختم ہونے کے بعد بھی دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

''طلاق مغلظہ'' یہ ہے کہ تین طلاق دے دے۔ اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ شوہر کا یہ کہنا کہ ''میرا تم سے کوئی تعلق نہیں'' یہ طلاق کنایہ ہے اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ اور دوسری اور تیسری دفعہ کا کہنا لغو ہوگا۔ اور ''میں نے تم کو آزاد کردیا'' کے الفاظ اردو محاورہ میں صریح طلاق کے ہیں۔ اس لئے یہ الفاظ اگر ایک یا دوبار کہے تو ''طلاق رجعی'' ہوگی اور اگر تین بار کہے تو ''طلاق مغلظہ'' ہوگی۔

''آج سے تم میرے اوپر حرام ہو'' کہنے سے طلاق ہوجائے گی:

س: کچھ دن ہوئے میری بیوی والدہ صاحبہ سے لڑکر اپنے میکے چلی گئی اور اکثر وہ میری والدہ سے لڑکر میکے چلی جاتی ہے۔ اس دفعہ میں اسے لینے کے لئے گیا تو اس نے میری والدہ صاحبہ کو میرے سامنے گالیاں دیں تو میں نے وہاں پر اس کے والدین کے سامنے اس کو کہا کہ آج سے تم میرے اوپر حرام ہو۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیں کہ آیا اسے طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوگئی ہے تو ٹھیک۔ اور اگر نہیں ہوئی تو میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ ۷ ماہ کی حاملہ بھی ہے؟

ج: ''آج سے میرے اوپر حرام ہے'' کے الفاظ سے ایک طلاق بائنہ ہوگئی۔ وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہوجائے گی۔ اس کے بعد وہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ اگر آپ کا غصہ اتر جائے تو آپ سے بھی دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ عدت کے اندر بھی عدت کے بعد بھی۔

اگر کسی نے کہا ''تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ، میں تم کو طلاق لکھ کر بھجوادوں گا''

س: کیا بار بار شوہر کے یہ کہنے سے کہ ''تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ، میں تم کو طلاق لکھ کر بھجوادوں گا'' طلاق کا لفظ منہ سے ادا کر کے کہتے ہیں یعنی ''تم چلی جاؤ تو میں تم کو طلاق لکھ کر بھجوادوں گا'' کیا طلاق ہوگئی؟

ج: اگر شوہر طلاق کی نیت سے یہ کہے کہ ''تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ'' تو اس سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد بغیر تجدید نکاح کے دوبارہ میاں بیوی کا تعلق رکھنا جائز نہیں رہتا۔ آپ کے شوہر نے جو الفاظ کہے ہیں، ان سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔

''میں آزاد کرتا ہوں'':

س: آج سے تقریباً دو سال قبل ہم میاں بیوی میں کچھ اختلاف ہوگیا تھا اور میں اپنے میکے پنڈی چلی گئی۔ وہاں میرے شوہر نے میرے والد کے پاس ایک خط لکھا جس میں ان کے الفاظ یہ تھے۔ ''میں نے سوچا ہے کہ میں آج سے آپ کی بیٹی کو آزاد کرتا ہوں اور یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ بچار اور ہوش وحواس میں کیا ہے۔'' اس کے بعد جب میں نے ان سے ملنا چاہا تو انہوں کہلوا دیا کہ آپ اب میرے لئے نامحرم ہیں اور ملنا نہیں چاہتا۔ پھر خاندان کے بزرگوں نے انہیں سمجھانا چاہا تو انہوں نے انہیں کہہ دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں لیکن پھر سب لوگوں کے سمجھانے سے وہ کچھ سمجھ گئے اور ان ہی بزرگوں میں سے ایک مولوی صاحب نے میرے شوہر کو کہا کہ کیونکہ تم نے طلاق کے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں، لہٰذا تم رجوع کرسکتے ہو۔ جب سے اب تک ہم اکٹھے رہ رہے ہیں۔ اور ہماری چند ماہ کی ایک بچی بھی ہے؟

ج: اردو محاورہ میں ''آزاد کرتا ہوں'' کے الفاظ طلاق کے الفاظ ہیں۔ اس لئے مولوی صاحب کا یہ کہنا تو غلط ہے کہ طلاق کے الفاظ استعمال نہیں کئے البتہ چونکہ یہ لفظ صرف ایک بار استعمال کیا اس لئے ایک طلاق واقع ہوئی۔ اور شوہر کا یہ کہنا کہ ''اب آپ نامحرم ہیں'' اس بات کا قرینہ ہے کہ اس نے طلاق بائن مراد لی تھی، اس لئے نکاح دوبارہ ہونا چاہئے تھا۔ بہر حال بے علمی میں جو غلطی ہوچکی ہے اس کی تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے اور فوراً دوبارہ نکاح کرلیں۔

''میں تم کو حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں'':

س: میں نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ ''میں تم کو حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں'' تین بار۔ اس میں ایک بار ان ہی الفاظ کے درمیان طلاق کا لفظ استعمال کیا۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی ہے؟ کیونکہ بیوی خود طلاق مانگ رہی تھی مگر میں دینا نہیں چاہتا تھا۔ اب آپ شریعت کی رو سے بتائیے کہ طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

ج: ''حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں'' کے الفاظ سے طلاق بائن واقع ہوگئی دوبارہ نکاح کرلیا جائے۔

''تو میرے نکاح میں نہیں رہی'':

س: میرے ایک دوست نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کو تین سے زائد مرتبہ کہا ''تو میرے نکاح میں نہیں رہی'' کیا ازروئے شرع طلاق ہوگئی یا کچھ گنجائش ہے؟

ج: ''تو میرے نکاح میں نہیں رہی'' یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں۔ اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے ایک ''طلاق بائنہ'' واقع ہوگئی۔ اور دوسری اور تیسری مرتبہ کہنا لغو ہوگیا۔ اس لئے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

''یہ میری بیوی نہیں'':

س: ایک دن میری بیوی سے لڑائی ہوگئی تو میں نے غصہ میں یہ کہہ دیا کہ ''یہ میری بیوی نہیں ہے، میں اسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتا۔'' میں نے لفظ طلاق کا استعمال نہیں کیا۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگئی۔ یا مجھے کوئی کفارہ ادا

کرنا ہے؟

ج: یہ طلاق کنایہ کے الفاظ ہیں۔ان سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔نکاح دوبارہ کرلیجئے۔

طلاق مغلظہ

تین طلاقیں دینے والا اب کیا کرے:

س: ایسے کسی مسئلہ کی نشاندہی فرمائیں جس میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا گیا ہو کہ میں نے اپنی بیوی کو تیسری مرتبہ طلاق دے دی ہے۔اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر حدیث مبارکہ مع ضروری حوالہ جات وروایات تحریر فرمائیں۔واضح رہے کہ میرا استفسار اکٹھی، یکبارگی یا بیک مجلس تین یا زیادہ طلاقوں کے بارے میں نہیں ہے؟

ج: امام بخاریؒ نے "باب من اجاز طلاق الثلاث" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے رفاعہ قرظی کی بیوی کا واقعہ نقل کیا ہے۔کہ رفاعہ نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں۔اس نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کرلیا اور آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ عورت سے صحبت پر قادر نہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ تم رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ (اس نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا) یہ نہیں ہوگا۔یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت نہ ہو۔

> ((حدثنا سعيد بن عفير قال؛ حدثني الليث، حدثني عقيل عن ابن شهاب قال: اخبرني عروة بن الزبير أن عائشة أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول اللهﷺ فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي وإنما معه مثل الهدبة قال رسول اللهﷺ: ((لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة۔ لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته)) (صحیح بخاری۷۹۱، ج۲)

اسی قسم کا ایک واقعہ فاطمہ بنت قیس کا بھی صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ ان کے شوہر نے تیسری طلاق دے دی تھی۔

تین طلاق کے بعد رجوع کا مسئلہ:

س: ایک وقت میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ہوجاتی ہیں اور پھر سوائے حلالہ کے رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی" یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔لیکن اہلحدیث حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں۔جب آپ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ان کو رجوع کی اجازت دے دی۔

ج: صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ تین طلاقیں خواہ ایک لفظ میں دی گئی ہوں یا ایک مجلس میں، وہ تین ہی ہوتی ہیں۔ابورکانہ کا جو واقعہ آپ نے نقل کیا ہے اس میں بڑا اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں نہیں دی تھیں۔بلکہ "طلاق البتہ" دی تھی۔بہرحال جب دوسری احادیث میں وضاحت موجود ہے اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ دینؒ بھی

اس پر متفق ہیں تو اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اہلحدیث حضرات کا فتویٰ صحیح نہیں۔ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے اس لئے جو شخص شریعت کے حلال وحرام کی پابندی کرنا چاہتا ہو اس کو اہلحدیث کے اس فتویٰ پر عمل کرنا حلال نہیں۔

حلالہ شرعی کی تشریح:

س: کیا حلالہ جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن پاک وحدیث کی رو سے تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

میری والدہ کو میرے والد صاحب نے سوچ سمجھ کر ۳ بار لفظ طلاق دہرا کر طلاق دی اور پھر حلالہ کر کے عدت گزرنے کے بعد نکاح کروالیا۔ حلالہ کچھ اس طرح کیا کہ ایک شخص کو پوری تفصیل سے آگاہ کر کے نکاح کے بعد طلاق دینے پر آمادہ کیا، اس شخص نے نکاح کے دن بغیر ہم بستری کے اسی وقت دروازے کے قریب والدہ کے سامنے کھڑے ہو کر ۳ بار طلاق دے دی اور پھر عدت گزرنے کے بعد ہمارے والد نے ہماری ماں سے دوبارہ نکاح کروالیا اور ایک ساتھ رہنے لگے۔ یہ حلالہ صحیح ہوا یا غلط؟ اس کی روشنی میں والدہ صاحبہ سے دوبارہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟

ج: قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اگر شوہر بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح (صحیح) کرے۔ (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے، تب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ ہے حلالہ شرعی۔

تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا، یہ شرط باطل ہے۔ اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے والے اور کرنے والی پر لعنت فرمائی گئی ہے..... تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

اور اگر وہ صحبت کئے بغیر طلاق دے دے (جیسا کہ آپ نے اپنی والدہ کا قصہ لکھا ہے) تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا، لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ اس عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت یہ ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔۔

طلاق نامہ سے عورت کو لاعلم رکھ کر اس کو ساتھ رکھنا بدکاری ہے:

س: میری بیوی نہایت بدزبان، بدتمیز اور نافرمان ہے۔ ایک دفعہ جب اس نے میری اور میرے والدین کی بہت زیادہ بے عزتی کی تو میں نے غصے میں آکر وکیل کے ذریعہ قانونی طور سے ایک طلاق نامہ تیار کروایا۔ جس میں میں نے وکیل نے اور دو گواہوں نے دستخط بھی کئے تھے اور جس میں صاف اور واضح طور سے درج تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی

اور آج سے میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ طلاق نامہ میں چند ناگزیر حالات کی بنا پر اپنی بیوی کو نہ دے سکا اور آج تک وہ طلاق نامہ میرے پاس محفوظ ہے جبکہ میں بادل نخواستہ اور مجبوراً بیوی کے ساتھ رہ بھی رہا ہوں اور حقوق زوجیت بھی ادا کر رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر بتایئے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور کیا گناہ کبیرہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں؟ اگر اس سلسلے میں کوئی کفارہ ادا کرنا چاہوں تو وہ کیا ہوسکتا ہے؟

ج: جب بدزبان، بدتمیز اور نافرمان بیوی کو آپ نے تین طلاقیں لکھ دیں تو وہ آپ پر اسی لمحہ حرام ہوگئی۔ خواہ اس کو طلاق کا علم ہوا یا نہیں۔ اور تین طلاق کے بعد جو آپ اس سے اجنبی ملاپ کرتے ہیں یہ خالص بدکاری ہے۔ اور گناہ کبیرہ کیا ہوگا؟ کفارہ یہ ہے کہ اس گناہ سے توبہ کریں اور اس کو فوراً اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ حلالہ شرعی کے بعد وہ آپ کے نکاح میں دوبارہ آسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔

طلاق کے بعد بیوی پاس رکھنے سے پیدا ہونے والی اولاد کا حکم:

س: میرے بڑے بیٹے نے اپنی منہ زور اور نافرمان بیوی کو تقریباً سات سال قبل دلبر داشتہ ہو کر عدالت سے تحریری طور پر بمعرفت وکیل ڈاک سے رجسٹری ایک طلاق نامہ روانہ کیا جو اس کے بھائی نے وصول کیا۔ طلاق نامہ کا مضمون انگریزی میں تحریر تھا۔ طلاق نامے میں میرے بیٹے نے اپنی منکوحہ بیوی کو تین دفعہ یعنی ''میں نے تمہیں طلاق دی'' لکھا۔ یہ طلاق میرے بیٹے نے بغیر کسی جبر و دباؤ اور غصے کی حالت میں دی تھی۔ اس وقت اس کی بیوی تقریباً چھ ماہ کے حمل سے تھی۔ اس کی خوشدامن اور دیگر افراد خانہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق حمل کے دوران نہیں ہوئی مگر میں اور دیگر افراد کا کہنا ہے کہ قرآن وسنت کی رو سے طلاق ہوگئی مگر اس کے سسرال والے اس بات کو نہیں مانتے اور اس سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ سے سوال ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اس دوران یعنی تقریباً سات سال سے دونوں بطور میاں بیوی کے رہ رہے ہیں اور اس درمیان ان کی دو بچیاں پیدا ہوئیں تو یہ بچیاں کس زمرے میں آتی ہیں؟ براہ کرم شریعت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

ج: حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کے بیٹے نے اپنی بیوی کو جو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو چکی ہیں۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے پر قطعی حرام ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں تو وہ گناہ اور بدکاری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور ان کے ہاں جو اولاد اس عرصہ میں ہوئی اس کا نسب صحیح نہیں۔ اس کی حیثیت ''ناجائز اولاد'' کی سی ہے۔ ان کو چاہئے کہ فوراً علیحدگی اختیار کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں۔

رجوع کے بعد تیسری طلاق:

س: میری شادی ۹ سال پہلے ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد پہلی بیٹی ہوئی۔ ایک دن گھر سے باہر جاتے ہوئے میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں'' یہ الفاظ میں نے دو مرتبہ کہے اس کے فوراً بعد ہم نے رجوع کرلیا اور اس کے بعد ہمارے ہاں چار بیٹیاں اور ہوچکی ہیں۔

ایک مرتبہ پھر میں نے گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تمہیں طلاق دیتا ہوں۔''

جناب عالی، اس کے بعد ہم نے ایک حافظ صاحب سے معلوم کیا کہ اس طرح طلاق ہوئی یا نہیں؟ تو انہوں نے ہم سے یہی کہا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ ان دو طلاقوں کے بعد فوراً رجوع کرلیا تھا اس لئے وہ مؤخر ہوگئی ہیں۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج: دو طلاقوں کے بعد آپ نے جو رجوع کرلیا تھا وہ صحیح تھا۔ مگر شوہر کو صرف تین طلاقوں کا حق دیا گیا ہے اس لئے ان دو طلاقوں سے رجوع کر لینے کے بعد آپ کے پاس صرف ایک طلاق باقی رہ گئی تھی جب آپ نے یہ تیسری طلاق بھی دے دی تو بیوی قطعی حرام ہوگئی۔ اب دوبارہ نکاح کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ اس لئے اب حلالہ شرعی کے بغیر دونوں ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوسکتے۔ عورت عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرکے دوسرے شوہر سے صحبت کرے، دوسرا شوہر صحبت کے بعد فوت ہوجائے یا ازخود طلاق دے دے اور اس کی عدت بھی گزر جائے تب اگر وہ چاہے تو آپ کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

ایک طلاق کے بعد دوسری تیسری طلاق کب دی جائے:

س: بار اول طلاق دینے کے بعد دوسری و تیسری طلاق دینے کے لئے کتنے وقفہ کی ضرورت ہے؟

ج: زوجہ مدخولہ کے لئے طریقہ طلاق سنی کا یعنی موافق سنت کے یہ ہے کہ اس کو تین طلاق تین طہر میں دیجاویں، لیکن اگر ایک دفعہ میں تین طلاق دیدے گا تب بھی تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی، اور اس طرح طلاق دینے والا مرتکب فعل خلاف سنت کا ہوگا۔[1]

طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں:

س: زید نے ہندہ کو تین اشخاص کے روبرو دو مرتبہ طلاق دی مگر مولوی صاحب نے فرمایا کہ طلاق تحریر ہوگی، اور وہ اولیٰ متصور ہوگی، عدت تاریخ تحریر سے شروع ہوگی، چنانچہ زید نے تحریر طلاق بھی لکھ دی، ایک حیض گزر جانے کے بعد زید نے دوسرا طلاق نامہ لکھ کر روانہ کردیا، اس کے بعد ہندہ کے بھائی نے تجدید نکاح کرنے پر مجبور کیا تو زید نے کہا کہ مقررہ طلاق سے زائد ہوچکی ہے، اب کوئی گنجائش باقی نہیں، بغیر حلالہ کے جائز نہیں ہوسکتا، مگر مولوی صاحب نے تاریخ تحریر سے طلاق

---

[1] فتاوی دارالعلوم ج ۹ ص ۴۸

اولی وثانی کا اعتبار کر کے تجدید نکاح کی رائے دی اسی بناء پر تجدید نکاح ہوگئی، زبانی طلاق دینے کی تاریخ سے طلاق عائد ہوگی اور عدت شروع ہوگی یا تاریخ تحریر سے اور یہ تجدید نکاح درست ہوئی یا نہیں، کیا ان میں تفریق کرادی جائے؟

ج: اس صورت میں طلاق اسی وقت ہوگئی تھی جس وقت زید نے زبانی دومرتبہ طلاق دی تھی، یہ قول غلط ہے کہ بدون تحریر طلاق کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس وقت زید نے زبانی طلاق دی تھی، پھر ایک حیض کے بعد جو زید نے دوسرا طلاق نامہ لکھ کر روانہ کردیا، اس سے غرض زید کی انشاء طلاق جدید تھی تو زید کی زوجہ مطلقہ ثلثہ ہوگئی، پھر بدون حلالہ کے زید سے اس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا، تفریق اور علیحدگی کرادی جائے، جیسا کہ خود زید کے قول سے ثابت ہے اور باوجود تصریح زید کے کہ مقررہ طلاق سے زائد ہوچکی ہے، مولوی صاحب کا تجدید نکاح کرانا اور اس کی اجازت دینا سخت غلطی ہے، البتہ اگر زید کہتا کہ دوسرے طلاق نامہ پر جو طلاق لکھی گئی ہے اس سے اسی سابق دو طلاق کی خبر دینا مقصود ہے، انشاء طلاق جدید مراد نہیں ہے تو پھر حکم تجدید نکاح بلا حلالہ کے صحیح ہوگا، مگر جب کہ خود زید کے قول سے انشاء طلاق جدید ثابت ہے تو پھر کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، کذا فی عامة کتب الفقه ۔[1]

تحریر طلاق کا حکم:

س: میں نے اپنی مخطوبہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نکاح کرلیا، مگر میری مخطوبہ باوجود اس کے میرے انتظار میں بیٹھی رہی، آخر لوگوں کے کہنے سننے سے نکاح کی تیاری ہوئی مگر عین موقع پر اس کے والد نے کہا کہ پہلی زوجہ کو طلاق دے دو، مجھے نہایت رنج ہوا، اور صاف انکار کردیا، ایک روز ایک مولوی نے کہا کہ تم کاغذ لکھ دو تو ان کی زبان بند ہو، اور وقت گزر جائے گا، اور صرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوتی جب تک زبان سے نہ کہی جائے، مولوی کے کہنے پر مجھے یقین ہوا کہ صرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوگی چنانچہ مولوی مضمون بتلاتا تھا اور میں لکھتا تھا، لفظ سہ طلاق کا بھی لکھوایا اور زوجہ کا نام وغیرہ بھی لکھا گیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

ج: طلاق جس طرح زبان سے کہنے سے واقع ہوتی ہے لکھنے سے بھی ہوجاتی ہے پس جب کہ اس مولوی نے باقاعدہ آپ کے قلم سے طلاق نامہ لکھوایا اور آپ نے لکھا تو آپ کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہوگئی، اس مولوی نے آپ کو دھوکہ دیا چنانچہ اس کی تحقیق شامی میں ہے کہ کتابت سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے، ثلث جدهن جدوهزلهن جد الحديث۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنسی اور مذاق سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور بلانیت بھی صریح طلاق واقع ہوجاتی ہے۔[2]

مذاق سے بھی طلاق ہوجاتی ہے:

س: زید کے دوست نے زید سے زید کی بی بی کے بارہ میں مذاق کیا، زید نے مذاقاً تین دفعہ یہ کہہ دیا کہ طلاق دی،

---

[1] فتاوی دار العلوم ج۹ص۵۹ [2] فتاوی دار العلوم ج۹ص۶۱

طلاق دی، طلاق دی، مولوی عبداللہ ٹونکی نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی دوسرے ایک مولوی نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع ہوگئی لیکن رجوع کر سکتے ہو، چنانچہ زید نے رجوع کرلیا، اور جس وقت زید نے لفظ طلاق کہا تھا اس کی نیت طلاق نہ تھی، بلکہ مذاقاً کہا تھا، اور زید نے مشکوٰۃ کے ترجمہ کو دیکھا، اس میں لکھا ہے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں تین بار کہنے سے ایک بار سمجھا جاتا تھا، اس لئے رجوع جائز ہے اور یہی حال حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے زمانہ تک رہا، آیا شرعاً رجوع کرنا زید کو صورت مسئولہ میں جائز ہے؟

ج: چونکہ پہلے سے ذکر زید کی زوجہ ہی کا تھا، لہٰذا الفاظ مذکورہ سے زید کی زوجہ مطلقہ ثلٰثہ ہوگئی، اور صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے اور اضافت صریح کی بھی حاجت نہیں ہے بلکہ قرائن سے واضح ہے کہ زید اپنی زوجہ ہی کی نسبت کہہ رہا ہے کہ طلاق دی اور تین بار لفظ طلاق کہہ کر رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ اور نکاح بدوں حلالہ کے جائز نہیں، **کما قال اللہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعدحتی تنکح زوجا غیره**، اور اجماع صحابہ اس پر ہوگیا ہے کہ مطلقہ ثلٰثہ سے اگرچہ بلفظ واحد ہو، بدوں حلالہ نکاح درست نہیں۔[1]

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

کیا نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی:

س: زید کا نکاح نشہ کی حالت میں قاضی نے پڑھا دیا، بعد دو برس کے نشہ کی حالت میں ایک جلسہ میں تین طلاق دے دی، بعد نشہ زائل ہونے کے نہایت افسوس کر کے اپنے گناہ سے توبہ کی، اب دوبارہ ان کا عقد جائز ہے یا نہیں؟

ج: حالت نشہ میں اگر شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیوے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، **ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیراً لیدخل السکران ولو عبدا اومکرها اوهازلاً اوسفیها اوسکران** درمختار ملخصاً **قوله لیدخل السکر ان فانه فی حکم العاقل زجراً له فلامنا فاة بین قوله عاقل وقوله الآتی اوسکران**، شامی۔ پس اگر شوہر نے تین طلاق دی ہیں تو بلا حلالہ کے مطلقہ ثلٰثہ کا نکاح اس سے نہیں ہوسکتا **قال اللہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره الآیة** اور طریقہ حلالہ کا یہ ہے کہ وہ عورت بعد گزرنے عدت کے جو کہ تین حیض ہیں (اس عورت کے لئے جس کو حیض آتا ہو، اور تین ماہ ہیں، اس کے لئے جس کو حیض نہ آتا ہو) دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص بعد وطی کے طلاق دیوے، اور اس کی عدت گزر جائے اس وقت شوہر اول نکاح کرسکتا ہے۔[2]

س: زید نشہ پی کر اپنی زوجہ کو طلاق طلاق بکتا ہے، اور لوگوں کی مار پیٹ کرنے کی وجہ سے طلاق طلاق کہتا ہوا چلا جاتا

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۹ ص ۴۳ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۹ ص ۶۹

ہے، تین دن کے بعد اپنی بی بی سے قصور کی معافی چاہتا ہے۔ اور طلاق کی وجہ دریافت کرنے پر لاعلمی ظاہر کرتا ہے، غرض کہ حالت نشہ میں متعدد مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق طلاق کہا ہے، یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کونسی ہوئی، مجنون وسکران میں کیا فرق ہے، اردو کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور سکران کی طلاق واقع ہوجاتی ہے حالانکہ دونوں فاتر العقل ہیں؟

ج: شامی میں ہے **وفی التاتا رخانیة طلاق سکران واقع اذا اسکر من الخمر او النبیذ وھو مذھب اصحابنا** پس بموجب اس روایت کے صورت مسئلہ میں زید کی زوجہ مطلقہ ہوگئی، پھر اگر زید نے لفظ طلاق تین مرتبہ یا اس سے زیادہ کہا ہے تو اس کی زوجہ مغلظہ بائنہ ہوگئی، رجعت اس سے درست نہیں، اور نکاح جدید بھی بلا حلالہ کے درست نہیں ہے اور اگر لفظ طلاق دو مرتبہ کہا ہے تو اس میں رجعت عدت کے اندر صحیح ہے اور بعد عدت کے نکاح جدید ہوسکتا ہے، لیکن ظاہر سوال سے زید کا چار دفعہ لفظ طلاق کہنا معلوم ہوتا ہے کہ دو مرتبہ خود بخود حالت نشہ میں لفظ طلاق کہا اور دو مرتبہ لوگوں کی مار پیٹ پر۔

تو اگر فی الواقع ایسا ہی ہے، اور یہ تکرار عبارت نہیں ہے تو اس صورت میں تین طلاق اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی اور رجعت ونکاح جدید بلا حلالہ کے درست نہیں ہے اور گو اس میں شک نہیں کہ مجنون کی طرح سکران بھی فاتر العقل ہے۔ لیکن مقدمہ طلاق میں اس کا یہ سکر جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ بوجہ نشہ کے آسمان کو زمین سے فرق نہ کرے۔ زجر اور توبیخ کی غرض سے غیر قابل اعتبار تصور کیا گیا ہے۔ اور بجائے فاتر العقل کے قائم العقل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ درمختار کی اس عبارت **ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیراً لیدخل السکران،** سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سکران لزوم احکام زجراً بمنزلہ ہوشیار کے اور حکم میں عاقل کے ہے بخلاف مجنون کے یعنی ایسا شخص جس کے دماغ میں خلقی طور پر کوئی نقصان ہو، یا کسی آفت اور صدمہ کی وجہ سے ایک ایسا خلل واقع ہوگیا ہو کہ جس کی وجہ سے بھلے اور برے میں اس کو کوئی امتیاز باقی نہ رہے، نہ کسی کام میں اس کی نظر نفع نقصان پر ہو کہ وہ بحکم حدیث **رفع القلم عن الثلاثة،** اس حکم سے خارج ہے جیسا کہ درمختار کی اس عبارت سے ظاہر ہے پس اس کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں، اور اسی وجہ سے حالت جنون میں مجنون کی طلاق کے متعلق عدم وقوع کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

جبر سے بھی طلاق ہوجاتی ہے:

س: زید اپنے سسر بکر کے پاس دارجلنگ رہتا تھا، عرصہ چار ماہ کا ہوا، اپنے وطن کو بایں وجہ چلا آیا کہ اس کے سسر بکر اور اس کے لڑکے دونوں نے انواع واقسام کی دھمکی جان دے کر محض ایک سادہ کاغذ پر زید سے دستخط کرا کر انگوٹھا لگوالیا ہے او. طلاق دلوادی، ایسی حالت میں زید کا طلاق دینا صحیح ہوا یا نہیں، اور بکر کا طلاق لینا اپنی لڑکی بالغ کی جانب سے شرعاً جائز ہوا یا نہ؟

ج: اگر زید کو مجبور کر کے زبردستی اس سے لفظ طلاق کا کہلا لیا ہے اور اس نے مجبور ہو کر اپنی زوجہ کو طلاق دے دی ہے،

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۸۷

تب تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی، اب کچھ نہیں ہوسکتا، کیونکہ مکرہ کی طلاق بھی عندالحنفیہ واقع ہوجاتی ہے اور اگر زید نے زبان سے طلاق نہیں دی محض سادہ کاغذ پر زید سے دستخط اور انگوٹھا کرالیا ہے۔ اور پھر اس کاغذ پر کسی سے طلاق لکھوالی ہے تو اس صورت میں زید کی زوجہ کو طلاق نہیں ہوئی۔[1]

س: ایک شخص کی شادی ایک عورت سے ہوئی، دین مہر پانچ سو روپیہ ایک اشرفی قرار پایا، اس عورت کے دین مہر میں اس کے شوہر نے اپنا مکان اور اپنی کاشتکاری جو دین مہر کی قیمت کا تھا لکھ دیا، اور اس سے چار پانچ لڑکے بھی ہوئے، اس کے بعد اس کی ماں اپنے گھر لے گئی۔ جب اس کا شوہر رخصتی کے لئے گیا تو لڑکی نہیں آئی، اور دین مہر کا دعویٰ کردیا۔ لڑکی کے وکلاء نے شوہر کے وکلاء سے ظاہر کیا کہ طلاق دلا دی جائے، اور ہم دین مہر معاف کرادیتے ہیں۔ شوہر کو یہ منظور نہ تھا، مگر وکلاء نے اس کو زبردستی دبا کر صلحنامہ پر دستخط کرادیئے اور اس نے اپنی زبان سے طلاق نہیں دی، دوسرے دن عورت اجلاس پر گئی اور پیشکار نے صلحنامہ پڑھ کر سنادیا، اور اس نے کچھ نہیں کہا، اس صورت میں عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

ج: حنفیہ کے نزدیک جبر واکراہ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور استدلال اس کا اس حدیث سے ہے **ثلث جدهن جد وهزلهن جد الحديث**، لیکن اگر شوہر زبان سے طلاق دے اور دوسرے لوگ طلاق نامہ لکھ کر جبراً اس کے دستخط کرالیں، اور اس کو اقرار اس کا نہ ہو کہ یہ طلاق نامہ میں نے لکھوایا ہے۔ تو پھر طلاق واقع نہیں ہوئی۔[2]

نابالغ کی طلاق کا حکم:

س: درباره طلاق صغیره اہل علم ایں جا مختلف شده اند، فریق اول می گوید که کبرسن زوجه وخوف زنا وپشیمانی عورت ووالدین وخوف فسادات زمانه داخل شد ضرورت است پس طلاق صبی واقع است وضرورت حاکم مجاز وقاضی شرعی در فسخ نیست خود صغیر مالک طلاق است از وطلاق گرفته بدیگر جاء نکاح جائز است، فریق ثانی می گوید ضرورت آن باشد که در کتب مصرح است وایں ضرورت است مذکوره درکدام کتاب مصرح نیست، ہرکس مجاز ایجاد ضرورات نیست، وبالفرض اگر ضرورت تسلیم کنیم قضاء قاضی شرط است، برمذہب غیر عمل جائز است، فریق ثانی منکر اند ترک تقلید بایں ضرورت جائز دارند ودلائل ہر فریق مفصل ابلاغ اند، بوقت ضرورت طلاق صبی واقع می شود یا نه، مراد از ضرورت کدام ضرورت است، ہرکس مجاز اختراع ضرورت است یا ہرچه در کتب مصرحه باشد، ضرورات مصرحه فریق اول واقعی ضرورت اند بایں طلاق صبی جائز است وعمل بمذہب غیر جائز است یا نه، قضائے قاضی دریں مسئله شرط است یا ہرکس را اختیار است که از صبی طلاق دہانیده نکاح دیگر نمایند، امثال مایاں مقلداں راترک مذہب باختراع ضرورت از خود جائز است یا ہماں وقت که تصریح در کتب فقه یافته شود وبوقت اشد ضرورت دریں معامله ترک مذہب خود وعمل بمذہب غیر جائز است، چنانچه درباره زوجه مفقود ومعتد الطہر مصرح است تحریر مولوی محمد بخش در امتناع طلاق صغیر صحیح است یاچه؟

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۶۴ ص ۶۵ [2] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۶۴ ص ۶۵

ج: طلاق صبی واقع نیست واومحل ایقاع طلاق نیست لحدیث رفع القلم عن ثلثة الحدیث ولما صرح به الفقهاء قاطبة، وتفریق قاضی کہ درمواقع مخصوصہ دربعض اقوال طلاق کردہ شدہ است آں درحقیقت ایقاع طلاق ازصبی نیست بلکہ تفریق قاضی راحکم طلاق دادہ شد، پس تفریق قاضی دراں مواقع ہم ضروری است بلکہ اصل ہماں است وہماں تفریق قاضی راطلاق نام کردہ اندنہ آنکہ طلاق صبی بدون تفریق قاضی واقع شود، ومواقع تفریق قاضی ہماں است کہ فقہاء تصریح آں فرمودہ اندنہ آنکہ بخلاف مواقع مذکورہ حکم جواز طلاق صبی کنیم وضرورت مجوزہ فریق اول دراں داخل نیست وتفریق قاضی ضروری است کہ ہرکس را اختیار نیست کہ بموقع ضرورت ازصبی طلاق دہانیدہ نکاح ثانی کنندہ وترک مذہب مقلداں راسوائے مواقع کہ فقہاء دراں مواقع بمذہب غیرعمل راتجویز فرمودہ اند جائز نیست۔

پس تحریر مولوی محمد بخش صاحب دربارہ عدم وقوع طلاق صبی صحیح ومعتبراست وتحریر مجوزین طلاق صبی صحیح ومعتبر نیست۔[1]

س: زید حلفاً اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بکر سے عمر خسر بکر نے نہایت جاہلانہ مناقشہ کیا بکر کو جو ایک معزز شخص ہے کچھ کہہ کر مخاطب کیا اور بہت سے الفاظ اسے کہے جس کے باعث بکر پر ایسا غصہ طاری ہوا کہ تمام بدن کانپنے لگا، جس کی بابت یہ مشہور ہے کہ وہ نہایت مورود الغضب مغلوب المزاج شخص بکر نے عمر کو جواب ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا، زید متحیر ہوا کہ یہ کیا جہالت ہے، بکر کو کیا ہوگیا ہے کہ جو شاہراہ پر ایک معزز شخص ہوکر ایسی جہالت کررہا ہے، اسی بحثا بحثی میں عمر خسر بکر نے پانچ سات مرتبہ ایک ایک نقص وعیب کو جتلا کر طلاق مانگی وہ عمر کی طرف دیکھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بکر متحیر مبہوت ہے ایسی مبہوتی میں طلقت طلقت طلقت کہا زید کے ساتھ دیکھنے والے کئی شخص تھے، بعد اس کے بکر کا نشہ اترا، اور آدمی کی طرح باتیں کرنے لگا ورنہ زید کو قطعی یقین تھا کہ بکر کی یہ غضب آلودگی اور مجنونانہ حرکات ہاتھاپائی کی نوبت لائے گی۔ آیا بکر کی اہلیہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں بینوا توجروا۔

اس پر مولوی محمد شبلی مدرس ندوہ نے یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق نہیں پڑی، کیونکہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور عبارت شامی جلد دوم کی وسئل فیمن طلق زوجته ثلاثافی مجلس القاضی وهو مدهوش فاجاب بان الدهش من اقسام الجنون فلا یقع، پیش کی ہے، اس پر حضرت مفتی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے جواب تحریر فرمایا ہے؟

ج: اقول وباللہ التوفیق یہ ظاہر ہے کہ طلاق اکثر غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اور غصہ ہی موجب اور باعث طلاق دینے کا غالباً ہوتا ہے چنانچہ کنایات میں حالت غضب کو قرینہ وقوع طلاق کا بعض کنایات میں کرنا اس کی دلیل بین ہے کہ حالت غضب میں طلاق واقع ہوجاتی ہے اور سوال میں بکر کا کچھ بیان بھی مذکور نہیں ہے، مثلاً یہ کہ میں نہایت غضب سے مدہوش ہوگیا تھا، اور مجھ کو خبر نہیں ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں وغیرہ پھر حکم عدم وقوع طلاق کا کرنا اس صورت میں مشکل ہے اور

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۱۰۴

مدہوش قرار دینا بکر کو اس کی حالت ظاہری کو دیکھ کر درست نہیں ہے، اور باب الطلاق میں احتیاط لازم ہے کہ تحلیل حرام کی طرف مقتضی نہ ہو، اور صورت مذکورہ میں تین طلاق دینا مذکور ہے، لہٰذا حکم یہ ہے کہ بدون حلالہ کے وہ مطلق شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہے۔[۱]

بوقت طلاق ایسا غصہ ہو کہ بدحواس ہو تو کیا حکم ہے:

س: مکرر متعلقہ ماقبل مندرجہ جلد ہذا جناب کے اس جملہ پر کہ سوال میں بکر کا کچھ بیان بھی مذکور نہیں، بکر سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر ایسا غصہ طاری ہوا کہ بدحواسی و دہشت میں تھا، اب کیا حکم وقوع طلاق کے بارے میں ہوگا؟

ج: قاضی تو اس کو نہ مانے گا اور حکم وقوع طلاق کا کرے گا۔ البتہ دیانۃً موافق اختیار شامی طلاق واقع نہ ہوگی اور بندہ کو اس میں تامل ہے کیونکہ باب التعلیق کی عبارت ہر حال میں وقوع طلاق کو چاہتی ہے اور محققین مثل صاحب فتح وخانیہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے اور یہ عبارت احقر کی اور سوال میں بکر کچھ بیان علی سبیل التنزل تھی کہ اختیار شامی کے موافق ہے، جب کہ وہ کہتا ہے کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میری زبان سے کیا نکلا۔[۲]

طلاق معلق

طلاق معلق کا مسئلہ:

س: ۱- میرے میاں نے مجھے میری بہن کے گھر جانے سے منع کیا اور کہا کہ تم وہاں گئیں تو تم مجھ پر طلاق ہو جاؤ گی۔ اور تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔ اور اس کے دوسرے تیسرے دن ہی ہم وہاں چلے گئے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ زبان سے کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ اس طرح بھی طلاق ہو جاتی ہے جبکہ میاں نہیں مان رہے اور کہہ رہے ہیں کہ طلاق دینے کا میں نے وعدہ کیا ہے اور طلاق نہیں دی جبکہ یہی الفاظ جو ابھی لکھے ہیں میرے میاں نے مجھے کہے تھے، کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو اس کا حل کیا ہے؟

ج: آپ کے وہاں جانے کے بعد شوہر نے دو لفظ استعمال کئے ہیں۔ ایک یہ کہ ''اگر تم وہاں گئیں تو مجھ پر طلاق ہو جاؤ گی۔'' اس سے ایک طلاق ہوگئی۔ مگر شوہر عدت کے اندر اگر زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لی یا میاں بیوی کا تعلق قائم کر لے تو رجوع ہو جائے گا۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ دوسرا فقرہ آپ کے شوہر کا جسے انہوں نے تین بار دہرایا، یہ تھا کہ ''میں تمہیں طلاق دے دوں گا'' یہ طلاق دینے کی دھمکی ہے۔ ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی۔[۳]

---

۱ فتاویٰ دار العلوم ج ۹ ص ۱۱۸ ۲ فتاویٰ دار العلوم ج ۹ ص ۱۱۸

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۳

س: ایک شخص نے اپنی بیوی کو لکھ کر طلاق اس طرح دی، ''میں انہیں طلاق بائن دیتا ہوں، تین طلاقوں کے ساتھ یہ سب مسائل میں نے بہشتی زیور میں بغور پڑھ کر حاصل کئے ہیں'' اس کے ساتھ ہی اس شخص نے یہ شرط بھی عائد کردی کہ طلاق کا اطلاق اس وقت ہوگا جب فلیٹ جوکہ بیوی کی ملکیت ہے وہ فروخت کردیا جائے گا۔ واضح رہے کہ شوہر نے پرسکون زندگی گزارنے کے وعدے پر مہر کی رقم معاف کرالی اور اس ضمن میں اپنی بیوی کا حلفیہ بیان مجسٹریٹ کے روبرو دلوایا۔ اس کے فوراً ہی دو تین روز کے وقفہ کے بعد طلاق مندرجہ بالا طریق پر دے دی۔ براہ کرم از روئے شرع وضاحت و رہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ طلاق ہوگئی یا فلیٹ فروخت ہونے کے ساتھ مشروط رہے گی؟ جبکہ فلیٹ بیوی کے نام الاٹ شدہ ہے؟

ج: اگر طلاق اور اس کی شرط ایک ہی جملہ میں لکھی تھی مثلاً یہ کہ ''اگر فلیٹ فروخت کرے گی تو اس کو تین طلاق'' اس صورت میں فلیٹ کے فروخت ہونے پر طلاق ہوگی۔ جب تک فلیٹ فروخت نہیں ہوتا طلاق نہیں ہوگی اور اگر طلاق پہلے دے دی بعد میں وضاحت کرتے ہوئے شرط لگائی تو طلاق فوراً واقع ہوگئی اور بعد کی وضاحت کا کوئی اعتبار نہیں۔[1]

س: ایک شخص نے اپنی والدہ سے غصہ میں آکر کہا کہ اگر میں تیرے پاس آؤں تو مجھ پر عورت طلاق ہوگی اور یہ لفظ اس نے صرف ایک ہی مرتبہ کہا ہے۔ اب وہ شخص اپنی والدہ کے پاس آنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کیا صورت ہوگی؟

ج: اس صورت میں وہ شخص زندگی میں جب کبھی اپنی والدہ کے پاس جائے گا تو بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس کا حکم شرعی یہ ہے کہ عدت کے اندر بغیر تجدید نکاح کے شوہر رجوع کرسکتا ہے۔ البتہ عدت کے بعد عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ شخص والدہ کے پاس چلا جائے، اس سے ایک طلاق رجعی ہوجائے گی۔ اس کے بعد یہ شخص بیوی سے رجوع کرے اور ''رجوع'' سے مراد یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی، یا بیوی کو ہاتھ لگادے، یا اس سے صحبت کرلے۔ زبان سے یا فعل سے رجوع کرلینے کے بعد طلاق کا اثر ختم ہوجائے گا۔ لیکن اس شخص نے تین طلاقوں میں سے ایک طلاق کا حق استعمال کرلیا۔ اب اس کے پاس صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ گیا۔ آئندہ اگر دو طلاقیں دے دیں تو بیوی حرام ہوجائے گی اس لئے آئندہ احتیاط کرے۔[2]

س: کچھ عرصہ قبل زید کی اپنے سسرال والوں سے کسی بات پر ناراضگی ہوگئی۔ کچھ لوگوں نے ان کا میل ملاپ کرانا چاہا، غصہ کی حالت میں زید نے دو اشخاص کی موجودگی میں یہ الفاظ ادا کئے۔ ''جس روز اس (میری بیوی) نے ان کے گھر (لڑکی کے والدین کا) کا ایک نوالہ بھی کھایا اسی دن اس کو تین طلاق'' اس کے بعد ابھی چند دن قبل زید کی اس کے سسرال والوں سے صلح کروادی گئی ہے۔ لیکن زید کی بیوی کو اپنے والدین کے گھر کا کھانا کھانے سے منع کردیا گیا ہے۔

آیا زید کی بیوی اپنے ماں باپ کے گھر کا ساری عمر کچھ نہیں کھاسکتی؟ اور اگر کبھی بھولے سے ہی کھالے تو کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟ کیا یہ شرط کسی صورت میں ختم ہوسکتی ہے، اگر ایسا ممکن ہے تو وہ کیا صورت ہوگی؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۳ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۴

ج: اس شرط کو ختم کرنے کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ زید اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دے۔ طلاق کی عدت ختم ہونے کے بعد عورت اپنے والدین کے گھر کھانا کھا کر اس شرط کو توڑ دے اس کے بعد زید اور اس کی بیوی کا دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔[1]

''اگر والدین کے گھر گئی تو طلاق سمجھنا''

س: میرا سسرال والوں سے جھگڑا ہو گیا تھا میں نے غصے میں اپنی بیوی پر شرط رکھ دی تھی کہ تو میرے بغیر اپنے ماں باپ کے گھر گئی تو میری طرف سے طلاق سمجھنا۔ اب تک وہ نہیں گئی، اگر وہ چلی جائے تو اس پر طلاق ہوگی۔ اب اگر میں خود اجازت دوں تو وہ میرے بغیر جا سکتی ہے کہ نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے تو میں کس طرح رجوع کر سکتا ہوں؟

ج: آپ طلاق واپس نہیں لے سکتے۔ اگر وہ بغیر آپ کے میکے جائے گی تو طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر یہ رجعی طلاق ہوگی۔ آپ کو عدت کے اندر رجوع کا حق ہوگا۔ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ میں نے طلاق واپس لی یا میاں بیوی کا تعلق قائم کر لیا جائے۔[2]

طلاق معلق کو واپس لینے کا اختیار نہیں:

س: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے غصہ میں یہ کہہ دے کہ ''اگر تم نے میری مرضی کے خلاف کام کیا تو تم میرے نکاح سے باہر ہو جاؤ گی'' اگر شوہر اس شرط کو ختم کرنا چاہے تو کیا وہ ختم ہو سکتی ہے اور کس طرح؟ دوسری بات یہ ہے کہ فرض کرو اگر بیوی اس کام کو کر لیتی ہے تو کیا وہ نکاح سے باہر ہو جاتی ہے؟

ج: طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دینے کے بعد اسے واپس لینے کا اختیار نہیں، اس لئے اس شخص کی بیوی اگر اس کی مرضی کے خلاف وہ کام کرے گی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ مگر دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔[3]

کیا دو طلاقیں دینے کے بعد طلاق معلق واقع ہو سکتی ہے:

س: زید نے اپنی بیوی کو کہا ''اگر میری اجازت کے بغیر میکے گئی تو تمہیں طلاق ہے'' مگر چند دنوں کے بعد دوسری وجہ سے دو طلاقیں دے دیتا ہے اور اپنی بیوی سے الگ ہو جاتا ہے اور اپنی مطلقہ بیوی کو میکے بھیج دیتا ہے یا وہ عورت اپنے والدین کے گھر چلی جاتی ہے تو کیا اس عورت کو صرف دو طلاقیں واقع ہوں گی یا وہ طلاق بھی واقع ہو جائے گی جو زید نے اس شرط دی کہ میری بغیر اجازت اپنے والدین کے گھر گئی تو ایک طلاق ہے۔ کیا زید اپنی بیوی کو دوبارہ نکاح میں لا سکتا ہے؟

ج: طلاق معلق نکاح یا عدت میں شرط کے پائے جانے سے واقع ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں دو طلاق کے بعد بیوی کا میکے جانا اگر عدت ختم ہونے کے بعد تھا تو طلاق معلق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر عدت کے اندر تھا اور شوہر نے خود اسے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۶ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۶

بھیجا تب بھی تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ شرط یا اجازت جانے کی تھی اور یہ جانا بغیر اجازت کے نہیں بلکہ اس کے حکم سے ہوا۔ اور اگر عورت عدت کے اندر شوہر کی اجازت کے بغیر چلی گئی تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور حلالہ شرعی کے بغیر دوبارہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[1]

اگر تم مہمان کے سامنے آئی تو تین طلاق:

س: میرے شوہر معمولی سی باتوں پر جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ ایک دفعہ جھگڑے کے دوران کہنے لگے کہ ''اگر تم میرے یا اپنے رشتہ داروں کے سامنے آئیں تو تمہیں میری طرف سے تین طلاق۔'' یہ کہہ کر چلے گئے۔ جبکہ انہیں معلوم تھا کہ مہمان آنے والے ہیں جو کہ ان کے اور میرے دونوں کے یکساں رشتہ دار ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مہمان آگئے اور مجھے مجبوراً ان کے سامنے جانا پڑا۔ آپ یہ تحریر فرمائیں کہ کیا ان کے اس طرح کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور ہمارا ایک ساتھ رہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ میرے شوہر اس سے پہلے بھی اکثر لڑائیوں میں طلاق کا لفظ نکال چکے ہیں۔ برائے مہربانی جواب ضرور عنایت فرمائیں۔

ج: ان الفاظ سے تین طلاقیں ہوگئیں۔ اور اگر وہ اس سے پہلے بھی اکثر لڑائیوں میں طلاق کا لفظ نکال چکے ہیں تو طلاق پہلے ہی واقع ہو چکی ہے۔ بہر حال اب تم دونوں کا تعلق میاں بیوی کا نہیں بلکہ ایک دوسرے پر قطعی حرام ہو۔ حلالہ شرعی کے بغیر دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں۔[2]

''اگر دوسری شادی کی تو بیوی کو طلاق'':

س: ایک لڑکے کی ۱۸ سال قبل اس وقت شادی ہوئی، جب وہ حدود لڑکپن میں تھا۔ اس کے سسر نے اس سے ایسی تحریر پر دستخط لے لئے جس میں تحریر تھا کہ ''اگر دوسری شادی کی تو میری بیٹی کو طلاق ہو جائے گی'' جبکہ وہ لڑکا اس تحریر کو نہ سمجھ سکا تھا۔ ایسی صورت میں اس کے لئے دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟

ج: آپ کے سوال میں دو امر تنقیح طلب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے ''حدود لڑکپن'' کا جو لفظ لکھا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ وہ لڑکا اس وقت ''نابالغ'' تھا تو نابالغ کی تحریر کا اعتبار نہیں، اس لئے دوسری شادی پر طلاق نہیں ہوگی۔ اور اگر اس لفظ سے یہ مراد ہے کہ لڑکا تھا تو بالغ، مگر بے سمجھ تھا تو یہ تحریر معتبر ہے۔ اور دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

دوسرا امر تنقیح یہ ہے کہ آیا تحریر میں یہی الفاظ تھے جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں، یعنی ''اگر دوسری شادی کی تو میری بیٹی کو طلاق ہو جائے گی'' یا تین طلاق کے الفاظ تھے؟ اگر یہی الفاظ لکھے تھے جو آپ نے سوال میں نقل کئے ہیں تو دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کو صرف ایک طلاق ہوگی۔ اور وہ بھی رجعی..... ''رجعی'' کا مطلب یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۷ [2] ایضاً۔

پہلے پہلے شوہر زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی اور بیوی سے رجوع کرلیا یا مطلقہ کو ہاتھ لگا دے یا اس سے میاں بیوی کا تعلق قائم کرلے۔ غرض کہ اپنے قول یا فعل سے طلاق کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلے تو طلاق مؤثر نہیں ہوتی۔ اور نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔ اور اگر عدت ختم ہو جائے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر طلاق کے الفاظ تین مرتبہ استعمال کئے گئے تھے تو اس میں رجوع کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔[1]

''جب تک تمہارے بہن بہنوئی گھر میں رہیں گے تمہیں طلاق رہے گی'':

س: میری ایک سہیلی اپنی دو بچیوں کے ساتھ اپنے شوہر کے گھر میں رہ رہی تھی۔ کچھ عرصہ سے میری سہیلی کی بہن بہنوئی بھی گھر میں ساتھ آکر رہنے لگے جو کہ اس کے شوہر کو ناپسند تھے۔ لیکن سہیلی بہن بہنوئی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھ گیا تو سہیلی کے شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''جب تک تمہارے بہن بہنوئی اس گھر میں رہیں گے، تم پر طلاق رہے گی'' اور ''جب یہ گھر سے چلے جائیں گے تو یہ طلاق ختم ہو جائے گی اور تم دوبارہ میرے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہ سکو گی۔'' برائے مہربانی آپ یہ بتلائیں کہ سہیلی کے بہن بہنوئی کے گھر سے چلے جانے کے بعد کیا میری سہیلی شوہر کے ساتھ دوبارہ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

ج: آپ کی سہیلی کو ایک طلاق ہوگئی۔ اب اگر اس کی بہن اور بہنوئی عدت کے اندر چلے گئے تو گویا شوہر نے طلاق سے رجوع کرلیا اور نکاح قائم رہا۔ اور اگر عدت ختم ہونے کے بعد گئے تو نکاح ختم ہوگیا، دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔[2]

اگر بھائی کے گھر آنے سے طلاق کو معلق کیا تو اب کیا کرے:

س: میں ایک کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا۔ آج سے پانچ سال پہلے ہم دونوں بھائیوں کی آپس میں باتیں ہو رہی تھیں تو باتوں باتوں میں تلخ کلامی ہوگئی اور بہت زیادہ ہوئی۔ اسی دوران بھائی باہر نکل گیا کافی دور جا کر اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کے گھر آؤں تو میری بیوی پر تیرہ دفعہ طلاق ہے۔ اب وہ بھائی عرصہ ۵ سال سے میرے گھر نہیں۔ آیا اب وہ میرے گھر کس صورت میں آسکتا ہے؟ اور ان باتوں کا کیا حل ہے؟

ج: آپ کا بھائی جب بھی آپ کے گھر آئے گا اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اگر وہ اپنی قسم توڑنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ''ایک طلاق بائن'' دے دے۔ پھر جب بیوی کی عدت ختم ہو جائے تو آپ کے گھر چلا جائے۔ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کرلے۔[3]

غیر شادی شدہ اگر طلاق کل کی قسم کھالے تو کیا شادی کے بعد طلاق ہو جائے گی:

س: ایک شخص عاقل بالغ یہ کہہ دے کہ آئندہ میں اگر سگریٹ نوشی کروں تو مسلمان نہیں۔ آئندہ اگر میں سگریٹ نوشی کروں تو مجھ پر (طلاق کل ہے) یعنی دنیا کی تمام عورتیں مجھ پر طلاق ہیں۔ یاد رہے کہ یہ شخص غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اگر یہ

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۷　[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۷۹　[3] ایضاً۔

سگریٹ نوشی ترک نہ کر سکے تو کیا کافر ہو جائے گا یا پھر اس کا نکاح کسی عورت کے ساتھ ہو سکے گا یا نہیں؟

ج: ایسی قسمیں کھانا، کہ فلاں کام کروں تو مسلمان نہیں، نہایت بیہودہ قسم اور گناہ ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہئے مگر اس قسم کو توڑنے سے یہ شخص کافر نہیں ہوگا بلکہ اس کو توبہ کر کے قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ اور یہ کہنا کہ اگر میں فلاں کام کروں تو مجھ پر تمام عورتوں کو طلاق جبکہ وہ شادی شدہ نہیں، تو قسم لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوا۔

البتہ اگر یوں کہا کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس کو طلاق تو نکاح کرتے ہی اس کو طلاق ہو جائے گی لیکن صرف ایک دفعہ طلاق ہوگی۔ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنے پر طلاق نہیں ہوگی۔[1]

''اگر باپ کے گھر گئیں تو مجھ پر تین طلاق'' کہنے کا حکم:

س: میرا اپنے سسر سے جھگڑا ہو گیا۔ اور میں نے گھر آتے ہی بیوی کو کہا کہ ''آج کے بعد تم اگر باپ کے گھر گئی تو تم مجھ پر تین شرط طلاق ہو۔'' خیر اس کے بعد وہ تو باپ کے گھر نہ گئی مگر آج کل سسر صاحب سخت بیمار ہیں اور میں یہ سوال لے کر بڑے بڑے علماء کرام کے پاس گیا ہوں مگر مطمئن نہیں ہوں۔ آپ بتائیے کہ میری بیوی کس طرح باپ کے گھر جائے؟

ج: آپ کی بیوی اپنے والد کے گھر نہیں جا سکتی۔ اگر جائے گی تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کی تدبیر ہو سکتی ہے کہ اس کو ایک بائن طلاق دے کر اپنے نکاح سے خارج کر دیں پھر وہ عدت ختم ہونے کے بعد اپنے باپ کے گھر چلی جائے۔ چونکہ اس وقت وہ آپ کے نکاح میں نہیں ہوگی اس لئے تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی اور شرط پوری ہو جائے گی۔ اب اگر دونوں کی رضامندی ہو تو دوبارہ نکاح کر لیا جائے اس کے بعد اگر اپنے باپ کے گھر آ جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔[2]

حاملہ کی طلاق

''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'':

س: زید نے اپنی بیوی کو چار عورتوں کے سامنے ایک نشست میں تین دفعہ کہا کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' اور عورتوں کو کہا کہ تم گواہ رہنا۔ ایک دفعہ جب طلاق دینے کا کہا تو زید کی ماں نے زید کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد جب ہاتھ ہٹایا تو زید نے پھر دو دفعہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں اور زید کی بیوی چھ ماہ کی امید سے ہے۔ ایسی صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے؟ کیا یہ دوبارہ میاں بیوی بن سکتے ہیں؟

ج: زید پر اس کی بیوی حرام ہو گئی۔ اب نہ تو رجوع جائز ہے اور نہ ہی حلالہ شرعی کے بغیر عقد ثانی ہو سکتا ہے۔ زید کی بیوی کی عدت بچہ کا پیدا ہونا ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جائے گا عدت پوری ہو جائے گی عدت کے بعد زید کی بیوی اگر کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ حالت حمل میں بھی اگر کوئی طلاق دے دے تو واقع ہو جاتی ہے اس لئے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۸۰ [2] ایضاً۔

زید کی بیوی اگر چہ حاملہ ہے پھر بھی زید کے طلاق دینے سے مطلقہ ہوگئی۔

کن الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے اور کن سے نہیں ہوتی

طلاق اگر حرف ''ت'' کے ساتھ لکھی تب بھی طلاق ہو جائے گی:

س: طلاق اگر ''ط'' کے بجائے ''ت'' سے لکھ کر دی جائے تو کیا طلاق ہو جائے گی؟

ج: جی ہاں! ہو جائے گی۔[1]

طلاق کے لئے گواہ ہونے ضروری نہیں:

س: اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین بار منہ سے طلاق دے دے اور ان کے پاس کوئی آدمی نہ ہو تو کیا طلاق ہو جائے گی؟ یا گواہ ضروری ہیں؟

ج: طلاق صرف زبان سے کہہ دینے سے ہو جاتی ہے۔ خواہ کوئی سنے نہ سنے، گواہ ہوں یا نہ ہوں، اور بیوی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔[2]

طلاق کے الفاظ کو سنانا ضروری نہیں:

س: زید نے اپنی بیوی کی نافرمانی، زبان درازی اور مشکوک چلن کردار اور گھریلو جھگڑوں سے بدظن ہو کر اپنے دل میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر تین مرتبہ اپنے منہ سے یہ الفاظ ادا کئے ''میں نے تجھے طلاق دی'' جبکہ زید کی بیوی کو اس طلاق کا قطعی علم نہیں۔ تو ازراہ کرم بتلائیں کہ کیا شرعاً طلاق ہوگئی؟

ج: چونکہ یہ الفاظ زبان سے کہے تھے لہٰذا طلاق ہوگئی، بیوی کو سنانا شرط نہیں۔[3]

''ٹھیک ہے میں تمہیں تین دفعہ طلاق دیتا ہوں، تم بچی کو مار کر دکھاؤ''

س: ''ع'' اور ''س'' میں جھگڑا ہوا ہے۔ ''ع'' نے غصے میں کہا کہ ''میں تمہیں چھوڑ دوں گا تو ''س'' (بیوی) نے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تمہیں اور تمہاری بچی (جو کہ دو سال کی ہے) کو جان سے مار دوں گی۔ تو ''ع'' نے کہا ٹھیک ہے ''میں تمہیں تین دفعہ طلاق دیتا ہوں، تم بچی کو مار کر دکھاؤ'' تو کیا ایسی صورت میں طلاق ہوگئی؟ یا جب بچی کو مارا جائے گا، تب طلاق ہوگی؟ مہربانی فرما کر اس مسئلے میں ہماری رہنمائی کریں۔

ج: طلاق فوراً ہوگئی، بچی کے مارنے پر موقوف نہیں۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ص۳۸۲ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج۵ص۳۸۳ [4] ایضاً۔

طلاق زبان سے بولنے سے یا لکھنے سے ہوتی ہے دل میں سوچنے سے نہیں ہوتی:

س: ہمارا ایک دوست ہے اس کے ساتھ کچھ ایسا واقعہ پیش آیا ہے، اس نے اپنے دل میں ایک کام نہ کرنے کا عہد کیا اور اپنے دل میں کہا کہ ''اگر میں نے یہ کام کیا تو میری بیوی کو طلاق'' مجبوری کی وجہ سے اس نے وہ کام کیا۔ کیا اس کو طلاق ہوگئی؟

ج: طلاق زبان سے الفاظ ادا کرنے یا تحریر کرنے سے ہوتی ہے، دل میں سوچنے سے نہیں ہوتی۔[1]

اگر بے اختیار کسی کے منہ سے لفظ ''طلاق'' نکل گیا تو طلاق واقع نہیں ہوتی:

س: میں اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھ کر نکاح اور طلاق کے الفاظ کو ملا رہا تھا کہ ایسے میں میرے منہ سے نکل جاتا ہے کہ ''طلاق دی''، لیکن یہ الفاظ کہنے کے بعد میں نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا، کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ جب کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ یہ الفاظ منہ تک آتے ہیں مگر دل اور دماغ قبول نہیں کرتا؟

ج: جو صورت آپ نے لکھی ہے اس سے طلاق نہیں ہوئی۔[2]

غصہ میں طلاق ہونے یا نہ ہونے کی صورت:

س: ایک خاوند کے منہ سے غصہ کی حالت میں بلاقصد اپنی بیوی کے لئے طلاق کے الفاظ نکل جائیں تو کیا وہ طلاق ہوجائے گی؟

ج: ''بلاقصد'' کا کیا مطلب؟ کیا وہ کوئی اور لفظ کہنا چاہتا تھا کہ سہواً اس کے منہ سے طلاق کا لفظ نکل گیا؟ یا کہ وہ غصہ میں آپے سے باہر ہوکر طلاق دے بیٹھا؟ پہلی صورت میں اگرچہ دیانتاً طلاق نہیں ہوئی، مگر یہ شوہر کا محض دعویٰ ہے۔ اس لئے قضاءً طلاق کا حکم کیا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں بھی طلاق ہوگئی۔[3]

کیا پاگل آدمی کی طرف سے اس کا بھائی طلاق دے سکتا ہے:

س: ہمارے یہاں ایک شخص جو عقلمند، نوجوان اور بالغ تھا۔ شادی کے بعد اس شخص کا دماغی توازن بگڑ گیا اور بالکل پاگل ہوگیا ہے بعد میں لوگوں نے یہ رائے دی کہ عورت کو طلاق شوہر کا بھائی دے سکتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کے بھائی نے اس عورت کو طلاق دے دی اور اس عورت نے دوسری شادی کرلی۔ اس مسئلے میں پاگل کی طرف سے طلاق کس طرح ہوسکتی ہے؟ کیا اس کے بھائی کی طرف سے طلاق ہوگئی؟

ج: مجنون کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی طلاق نہیں دے سکتا اس لئے وہ عورت ابھی تک اس کے نکاح میں ہے اور اس کا دوسرا نکاح باطل ہے۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۸۳
[2] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۸۴
[3] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۸۴
[4] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۸۵

''میں کورٹ جارہا ہوں'' کے الفاظ سے طلاق کا حکم:

س: میرے شوہر نے ایک مرتبہ لڑائی کے دوران کہا کہ میں عدالت میں جارہا ہوں اور طلاق دوں گا۔ اسی طرح انہوں نے کئی مرتبہ کہا لیکن کبھی طلاق کورٹ میں جاکر نہیں دی۔ کیا ان کے یہ کہنے سے ''میں کورٹ جاکر طلاق دوں گا'' طلاق ہوجائے گی؟

ج: شوہر کے الفاظ سے کہ ''کورٹ میں طلاق دوں گا'' یا یہ کہ ''طلاق دینے کے لئے کورٹ جارہا ہوں'' طلاق نہیں ہوئی۔[1]

کیا سرسام کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے:

س: کیا سرسام کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے؟ جبکہ دینے والے کو اپنا کوئی ہوش نہیں؟

ج: بے ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[2]

خواب میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی:

س: رات میں گہری نیند سورہا تھا۔ خواب میں یاد نہیں کہ کس بات پر بیوی کے ساتھ جھگڑ رہا تھا اور جھگڑے کے وقت گھر میں کافی رشتہ دار، میری والدہ صاحبہ اور سسر صاحب بھی موجود تھے۔ اور میں نے خاص طور پر والدہ اور سسر کو مخاطب کرکے بیوی کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے کہا کہ ''تم لوگ گواہ رہنا، میں اس عورت کو طلاق دیتا ہوں کیونکہ اس سے مجھے کسی طرح کا سکون نہیں مل رہا ہے'' اور اس طرح میں نے تین بار یہ الفاظ دہرائے تو کیا میرے اس طرح کہنے سے طلاق ہوجائے گی؟

ج: مطمئن رہئے۔ خواب کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[3]

''کاغذ دے دوں گا'' کہنے سے طلاق نہیں ہوتی:

س: گاؤں میں جب میاں بیوی لڑتے جھگڑتے ہیں تو میں نے اکثر میاں کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں کاغذ دے دوں گا''۔ واضح رہے کہ یہاں کاغذ سے مراد طلاق ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ان الفاظ کے ادا کرنے سے بیوی کو طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں؟

ج: ''کاغذ دے دوں گا'' کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ طلاق دینے کی دھمکی ہے، طلاق دی نہیں۔[4]

''جا تجھے طلاق، طلاق، جا چلی جا'' کے الفاظ سے کتنی طلاقیں ہوں گی:

س: آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا۔ شوہر نے بیوی سے کہا کہ ''تو خاموش ہوجا ورنہ طلاق دے دوں گا''۔ لیکن وہ برابر ناراض ہوکر شور کرنے لگی اور رونے لگی۔ پھر شوہر نے اس سے کہا ''جا تجھے طلاق، طلاق، جا چلی جا۔'' مولانا صاحب اس ضمن میں واضح کریں کہ کیا طلاق ہوگئی؟ اور یہ ''طلاق'' الفاظ کی ادائیگی دو مرتبہ ہے؟

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۸۵ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۸۶ [4] ایضاً۔

ج: دو طلاقیں تو طلاق کے لفظ سے ہو گئیں۔ اور تیسری ''جا چلی جا'' کے لفظ سے ہوگئی۔ لہٰذا بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔[1]

''ٹھہر وابھی دے رہا ہوں تم کو طلاق'' کہنے سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں:

س: میں اپنی بیوی کی وجہ سے پریشان ہوں، بے انتہا زبان دراز ہے۔ دو چار روز ہوئے پھر جھگڑا ہوا میں نے تنگ آ کر غصہ میں کہا ''ٹھہر وابھی دے رہا ہوں تم کو طلاق''، ''ابھی دیتا ہوں تم کو طلاق'' یہ کہتے ہوئے پین کاپی ڈھونڈنے لگا کیونکہ میرے ذہن میں تھا کہ طلاق لکھ کر دی جاتی ہے۔ الفاظ میں نے دو دفعہ کہے۔ میری بیوی نے فوراً ڈر کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے لکھنے نہیں دیا۔ مہربانی فرما کر مجھے بتائیں طلاق تو واقع نہیں ہوگئی؟ اگر خدانخواستہ طلاق دو دفعہ کہنے سے واقع ہوگئی ہے تو آگے کیا طریقہ کار ہوگا؟ میں اپنے بچوں کی وجہ سے بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔

ج: زبان کے محاورے میں ''ٹھہر وابھی یہ کام کرتا ہوں'' کے الفاظ مستقبل قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ گویا طلاق دی نہیں بلکہ طلاق دینے کا وعدہ کیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں دیتا ہوں۔ اس لئے میرے خیال میں تو طلاق نہیں ہوئی۔ لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ان الفاظ سے دو طلاق واقع ہو گئیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا ہو تو نکاح دوبارہ کر لیا جائے۔ آئندہ طلاق کے لفظ سے پرہیز کیا جائے ورنہ ان اہل علم کے قول کے مطابق ایک طلاق اور دے دی تو بیوی حرام ہو جائے گی۔[2]

خلع

خلع کسے کہتے ہیں:

س: خلع کیا ہے؟ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ زید نے اپنی بیوی گلشن کو شادی کے بعد تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بیوی نے خلع کے لئے کورٹ سے رجوع کیا۔ دو سال کیس چلا اس کے بعد خلع کا آرڈر ہو گیا۔ اور دونوں میاں بیوی علیحدہ ہو گئے۔ لیکن بعد میں دونوں میاں بیوی میں پھر صلح ہو گئی اور بغیر نکاح یا حلالہ کے میاں بیوی پھر بن گئے۔ کیا یہ سب جائز تھا؟

ج: خلع کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بوقت ضرورت مرد کو طلاق دینا جائز ہے اسی طرح اگر عورت نباہ نہ کر سکتی ہو تو اس کو اجازت ہے کہ شوہر نے جو مہر وغیرہ دیا ہے اس کو واپس کر کے اس سے گلو خلاصی کر لے۔ اور اگر شوہر آمادہ نہ ہو تو عدالت کے ذریعہ خلع لے لے۔ اور عدالت کے ذریعہ جو خلع لیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عدالت اگر محسوس کرے کہ میاں بیوی کے درمیان موافقت نہیں ہو سکتی تو عورت سے کہے کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے، اور شوہر سے کہے کہ وہ مہر چھوڑنے کے بدلے اس کو طلاق دیدے، اور اگر شوہر اس کے باوجود بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر کی مرضی

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۸۷ [2] ایضاً۔

کے بغیر خلع کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ خلع سے ایک بائن طلاق ہو جاتی ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان مصالحت ہو جائے تو نکاح دوبارہ کرنا ہوگا۔

طلاق اور خلع میں فرق:

س: اگر عورت خلع لینا چاہے تو اس صورت میں بھی کیا مرد کے لئے طلاق دینا ضروری ہے یا عورت کے کہنے پر ہی نکاح فسخ ہو جائے گا؟ اگر مرد کا طلاق دینا ضروری ہے تو پھر طلاق اور خلع میں کیا فرق ہے؟

ج: طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور اگر مرد کی طرف سے اس کی پیشکش ہو تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے۔ عورت قبول کرلے تو خلع واقع ہوگا ورنہ نہیں۔ جبکہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں، وہ قبول کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ عورت کے خلع قبول کرنے سے اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، طلاق سے ساقط نہیں ہوتا۔ البتہ اگر شوہر یہ کہے کہ تمہیں اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم مہر چھوڑ دو اور عورت قبول کرلے تو یہ معاوضہ طلاق کہلاتی ہے اور اس کا حکم خلع ہی کا ہے۔

خلع میں شوہر کا لفظ ''طلاق'' استعمال کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر عورت کہے کہ میں خلع (علیحدگی) چاہتی ہوں اس کے جواب میں شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا تو بس خلع ہو گیا۔ خلع میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ یعنی شوہر کو اب بیوی سے رجوع کرنے یا خلع کے واپس لینے کا اختیار نہیں۔ ہاں دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔[1]

ظالم شوہر کی بیوی اس سے خلع لے سکتی ہے:

س: میری ایک رشتہ دار کو اس کا شوہر خرچ بھی نہیں دیتا اور نہ طلاق دیتا ہے۔ وہ بہت پریشان ہے کہ کیا کرے؟ وہ بچوں کے ڈر سے کیس بھی نہیں کرتی کہ بچے اس سے چھن نہ جائیں اور تقریباً پانچ سال ہو گئے ہیں۔ اگر وہ چھوڑ دیتا ہے تو دوسری شادی کر کے وہ عزت کی زندگی گزارتی۔ تو آپ یہ بتائیں کہ شرعی رو سے یہ نکاح اب تک قائم ہے کہ نہیں؟ اور وہ اس کے ساتھ رہنا بھی نہیں ہے؟

ج: نکاح تو قائم ہے۔ عورت کو چاہئے کہ شرفاء کے ذریعہ اس کو خلع دینے پر آمادہ کرے اگر شوہر خلع نہ دے تو عورت عدالت سے رجوع کرے اور اپنا نکاح اور شوہر کا نان نفقہ نہ دینا شہادت سے ثابت کرے۔ عدالت تحقیقات کے بعد اگر اس نتیجہ پر پہنچے اگر عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو عدالت شوہر کو حکم دے کہ یا تو اس کو حسن وخوبی کے ساتھ آباد کرو اور اس کا نان ونفقہ ادا کرو یا اس کو طلاق دو' ورنہ ہم نکاح فسخ ہونے کا فیصلہ کر دیں گے۔ اگر عدالت کے کہنے پر بھی وہ نہ تو آباد کرے اور نہ طلاق دے تو عدالت خود نکاح فسخ کر دے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۰ [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۱

عورت کے طلاق مانگنے سے طلاق کا حکم:

س: ایک شادی شدہ عورت اگر ۴-۵ دفعہ اپنے خاوند کو بھری مجلس میں کہہ دے کہ مجھے طلاق دے دو یا طلاق چاہئے تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں۔ اور کیا مرد پر کوئی شرط عائد ہوتی ہے؟ ذرا وضاحت کریں۔

ج: عورت کے طلاق مانگنے سے تو طلاق نہیں ہوتی البتہ اگر عورت بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق مانگے تو ایسی عورت کو حدیث میں منافق فرمایا گیا ہے اور اگر مرد کے ظلم و جور سے تنگ آ کر طلاق مانگے تو وہ گنہگار نہیں ہوگی۔ بلکہ مرد کے لئے لازم ہوگا کہ اگر وہ شریفانہ برتاؤ نہیں کرسکتا تو طلاق دے دے۔ مرد و عورت کے حقوق تو بلاشبہ برابر ہیں (اگرچہ حقوق کی نوعیت اور درجہ کا فرق ہے) لیکن طلاق ایک خاص مصلحت و حکمت کی بنا پر مرد کے ہاتھ رکھی گئی ہے۔ عورت کے سپرد اس کو نہیں کیا گیا۔ البتہ عورت کو خلع لینے کا حق دیا گیا ہے۔[1]

عورت ظالم شوہر سے خلاصی کے لئے عدالت کے ذریعہ خلع لے:

س: میری ایک دوست جو بعض وجوہات کی بنا پر اپنے شوہر سے خلع لینا چاہتی ہے اور بعض مؤثر ذرائع سے کہلوا بھی چکی ہے اس کا شوہر جو بیرون ملک مقیم ہے مسلسل ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کئے جا رہا ہے اور اسے آزاد کرنے کے بجائے مسلسل سات مہینے سے ذہنی کرب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مرد کو بااختیار بنایا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے کسی عورت کی زندگی برباد کئے رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر چیز میں توازن رکھا ہے کیا اللہ کے ہاں ایسے انسانوں کی کوئی پکڑ نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں تاکہ بہت سے کلمہ گو انسانوں کو احساس ہو کہ یہ عمل اسلام میں کتنا ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے؟

ج: جو شوہر اپنی بیویوں سے زیادتی کرتے ہیں وہ بڑے ہی ظالم ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بار بار تاکید کے ساتھ عورتوں سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے اگر زوجین میں موافقت نہ ہو تو عورت کو خلع لینے کا اختیار دیا ہے وہ عدالت سے رجوع کرے اور عدالت اس کو شوہر سے خلع دلوائے۔ یہی توازن ہے جو شریعت نے اس نازک رشتہ میں ملحوظ رکھا ہے۔[2]

خلع سے طلاق بائن ہو جاتی ہے:

س: ایک سوال کے جواب میں آپ نے طلاق اور خلع میں فرق کی یہ تشریح کی کہ خلع قبول کرنے پر مہر ساقط ہو جاتا ہے اور طلاق میں نہیں۔ خلع قبول کرنا عورت کی مرضی پر ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ خلع کے بعد عدت بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر عورت دوبارہ اسی سابقہ شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو بغیر حلالہ شرعی کے نکاح ہو سکتا ہے؟ کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی ہے۔

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۹۱ [2] ایضاً۔

ج: خلع کا حکم ایک بائن طلاق کا ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان ''خلوت'' ہو چکی ہے تو خلع کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی اور سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اگر عورت کے خلع کے مطالبہ پر شوہر نے تین طلاقیں دے دی تھیں تو حلالۂ شرعی کے بغیر دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔[1]

خلع کی ''عدت'' لازم ہے:

س: میری شادی ادلے بدلے کی ہوئی۔ میرے بھائی کی بیوی نے طلاق لے لی۔ میرا شوہر اس طلاق کا بدلہ مجھے ذہنی اذیتوں اور ذلتوں میں دیتا رہتا ہے۔ آٹھ سال ہوگئے مجھے اس کے سلوک سے اور بچوں سے عدم دلچسپی سے کچھ نفرت سی ہوگئی ہے۔ اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ خلع لے کر اور شادی کرلوں تو خلع کی کیا صورت ہوگی؟ کیا خلع کی بھی عدت ہوتی ہے؟

ج: ''خلع'' کے معنی ہیں عورت کی جانب سے علیحدگی کی درخواست۔ عورت اپنے شوہر کو یہ پیشکش کرے کہ میں اپنا مہر چھوڑتی ہوں، اس کے بدلے میں مجھے ''خلع'' دے دو۔ اگر مرد اس کی اس پیشکش کو قبول کرلے تو طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے جس طرح طلاق کے بعد عدت ہوتی ہے، اسی طرح خلع کے بعد بھی لازم ہے۔ عدت کے بعد آپ جہاں دل چاہے عقد کر سکتی ہیں۔[2]

کیا خلع کے بعد رجوع ہو سکتا ہے:

س: خلع کے مبہم ہونے کی صورت میں اگر ایک مفتی کہے کہ ہوگیا اور دوسرا کہے کہ نہیں ہوا اور لڑکی نادم ہو کر نباہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو کیا تجدید نکاح ہو سکتا ہے؟ نیز تجدید نکاح کون کرتا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟

ج: خلع میں اگر شوہر نے تین طلاقیں دے دی تھیں تو دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر صرف خلع کا لفظ یا ایک طلاق کا لفظ استعمال کیا تھا تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے۔ دوبارہ نکاح کرنے کو تجدید نکاح کہتے ہیں۔ جس طرح پہلا نکاح ایجاب وقبول سے ہوتا ہے اسی طرح دوبارہ بھی ایسے ہی ہوگا۔ چونکہ خلع کا علم سب تعلق والوں کو ہو چکا تھا، اس لئے دوبارہ نکاح بھی علی الاعلان ہونا چاہئے۔[3]

خلع کے لئے طے شدہ معاوضہ کی ادائیگی لازمی ہے:

س: میاں بیوی کی ناچاقی کی وجہ سے اگر مرد نے خلع رکھ کر بیوی کو طلاق دے دی اور بیوی نے خلع ادا کرنے کے بغیر شادی کرلی تو شادی حلال ہے یا حرام؟

ج: اگر نقد طلاق دے دی تھی تو عدت کے بعد وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور جو معاوضہ طے ہوا تھا وہ اس کے ذمہ

---

[1] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۹۳ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج۵ ص۳۹۳

واجب الادا ہے۔اور اگر معاوضہ ادا کرنے کی شرط پر طلاق دی تھی تو جب تک معاوضہ ادا نہیں ہو جاتا طلاق نہیں ہوگی۔لہٰذا دوسری جگہ شادی بھی نہیں کر سکتی۔[1]

لڑکی بچپن کا نکاح پسند نہ کرے تو خلع لے سکتی ہے:

س: میں نے اپنی لڑکی شاہدہ کا نکاح منظور احمد کے لڑکے منیر احمد سے بچپن میں کر دیا تھا اس وقت لڑکی کی عمر پانچ سال اور لڑکے کی عمر سات سال تھی۔اب ماشاءاللہ دونوں جوان ہیں۔منیر احمد کی سوسائٹی اور کردار اچھا نہ ہونے کی وجہ سے میری لڑکی نے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے لڑکے والے متواتر زور ڈال رہے ہیں کہ لڑکی کو وداع کرو لیکن لڑکی اس بات پر بالکل راضی نہیں۔اس صورت میں نکاح بحال رہتا ہے یا کہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج: لڑکی کی نابالغی میں جو نکاح لڑکی کے باپ نے کر دیا ہو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کے توڑ دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔اب اگر لڑکا بدکردار ہے تو لڑکی کو وہاں رخصت نہ کیا جائے بلکہ لڑکے سے ''خلع'' لے لیا جائے یعنی اس کو مہر چھوڑنے کی شرط پر طلاق دینے کے لئے کہا جائے۔[2]

بیوی کے نام مکان:

س: اگر کوئی شخص شادی کے بعد اپنی محنت کی کمائی سے ایک مکان بناتا ہے اور وہ اپنی بیوی کے نام کر دیتا ہے اس کے بعد بیوی اس شخص سے خلع چاہتی ہے، قرآن پاک کے حوالے سے بتائیں کہ وہ مکان بیوی کو واپس کرنا ہوگا یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ میری محنت کا مکان ہے وہ مکان واپس کرو، ورنہ خلع نہیں دوں گا۔[3]

ج: وہ خلع میں مکان کی واپسی کی شرط رکھ سکتا ہے اس صورت میں عورت اگر خلع لینا چاہتی ہے تو اسے وہ مکان واپس کرنا ہوگا۔الغرض شوہر کی طرف سے مکان واپس کرنے کی شرط صحیح ہے، اس کے بغیر خلع نہیں ہوگا۔[4]

اگر خاوند بے نمازی ہو تو بیوی کیا کرے:

س: اگر کسی شخص کی بیوی نماز نہ پڑھے تو کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے اور مار بھی سکتا ہے۔اور اگر اس سے بھی باز نہ آئے تو طلاق بھی دے سکتا ہے۔اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند باوجود سمجھانے کے بھی نماز نہیں پڑھتا تو شریعت ایسی عورت کو کیا حقوق دلاتی ہے؟ کیا وہ اپنے شوہر سے مقاطعہ کر سکتی ہے، اس سے بھی اگر باز نہ آئے تو وہ طلاق بھی لے سکتی ہے؟

ج: عورت کو چاہئے کہ نہایت شفقت و محبت سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے اور حسن تدبیر سے اسے نماز روزہ کا عادی بنائے۔لیکن اگر وہ منحوس کسی طرح بھی نہ مانے تو عورت اس سے خلع لے سکتی ہے۔[5]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۴ ۲ ایضاً۔ ۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۴

۴ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۵ ۵ ایضاً۔

حلالہ کی شرعی حیثیت

شریعت کی رو سے حلالہ کا صحیح طریقہ کیا ہے:

س: مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لئے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔شریعت مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے؟

ج: طلاق ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابل مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے، اس لئے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لئے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔مگر یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہو کر اپنے رویہ پر نظر ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو۔اللہ فرماتے ہیں۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

ایسے حالات میں میاں بیوی سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔لعن اللّٰه المحلل و المحلل له۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔اس لئے اندریں حالات اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں۔تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

((لما روى انه قال عليه الصلوٰة والسلام، لاتحل للاول حتى تذوق عسيلة الأخر يذوق عسيلتها (ابوداؤد ج ١ ص٣٢٣، كتاب الطلاق باب المبتوتة لايرجع اليها زوجها.....)) [1]

حلالہ میں طلاق کی شرط عائد کرنا:

س: زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی۔اب وہ اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے،لیکن حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح جائز نہیں۔اس لئے وہ ایک آدمی سے کہتا ہے کہ تو میری بیوی طلاق شدہ سے نکاح کر لے مگر اس سے ہمبستری کر کے اسے طلاق دے دے، وہ آدمی اس بات کو قبول کر لیتا ہے۔کیا اس طریقہ سے حلالہ کرانے کے بعد پہلے خاوند کے لئے بیوی حلال ہو سکتی ہے؟

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۱

ج: ۱- یہ حیلہ اگر ضرورت کی بنا پر کیا جائے تو درست ہے، حضرات فقہاء نے بوقت ضرورت حیلہ کے استعمال کی اجازت دی ہے، اس کی مناسب صورت یہ ہے، دوسرے خاوند سے یہ اقرار کرالیا جائے جسے وہ زبان سے کہہ دے کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں اور ایک دفعہ ہمبستری کر چکوں تو اس عورت کو تین طلاق واقع ہوں گی۔ یا اس عورت کو میری طرف سے تین طلاق۔ تو اس صورت میں ہمبستری کے بعد تین طلاق واقع ہو جائیں گی بعد از عدت وہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔[1]

ج: ۲- حدیث شریف میں ہے۔ **لعن اللّٰہ المحلل و المحلل له۔** یعنی اللہ کی لعنت ہے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا۔ اس کا مطلب ہمارے فقہاء حنفیہ نے یہ لکھا ہے، کہ اگر صراحۃً کسی سے کہا جائے کہ بغرض حلالہ تو نکاح کر لے پھر طلاق دے دے۔ اور وہ اسی شرط پر نکاح کرے اور اگر دل میں ہو اور زبان سے کچھ نہ کہا جائے تو درست ہے، درمختار میں ہے۔

((اما اذا اضمرا ذلك لايكره۔ و كان الرجل ماجوراً لقصد الاصلاح))

(درمختار ج ۲ ص ۷۴۴ باب الرجعۃ)[2]

ترجمہ: اگر دوسرے خاوند نے حلالہ کا ارادہ دل میں کیا یعنی زبان سے نہ کہا۔ تو اس مرد کو ثواب ملے گا۔ بسبب قصد اصلاح کے۔

س: ایک شخص نے بیوی کو تین طلاق دیدیں۔ عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے آدمی سے عورت نے حلالہ کی شرط پر نکاح کر لیا۔ لیکن نکاح کے وقت حلالہ کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا (یعنی نکاح کے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ ہمبستری کے بعد اسے طلاق دے دیں) بلکہ نکاح سے پہلے دونوں فریق کے درمیان یہ شرط طے ہو چکی تھی۔ لیکن نکاح کے وقت اس شرط کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس طرح یہ نکاح دوسرے خاوند کے لئے بلا کراہت حلال ہو جائے گا یا نہیں؟

ج: جب نکاح کے وقت حلالہ کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا تو یہ نکاح بلا کراہت درست ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے۔

((و كره التزوج للثاني تحريماً الخ بشرط التحليل كتزوجتك على ان احللك الخ اما اذا اضمرا ذلك لايكره)) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، باب الرجعۃ ج ۲ ص ۷۴۳، ص ۷۴۴)[3]

ترجمہ: اور مکروہ تحریمی ہے دوسرے خاوند کو نکاح کرنا حلالہ کی شرط پر۔ دوسرا خاوند عورت سے کہے کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ بعد میں طلاق دے دوں گا۔ اگر دوسرا خاوند دل میں حلالہ کا ارادہ کرے لیکن نکاح کے وقت زبان سے کچھ نہ کہے تو یہ صورت مکروہ نہیں۔

ج: حلالہ کی صورت کو عقد نکاح میں بطور شرط کے لگایا جائے تو وہ مکروہ ہے۔ لیکن باوجود کراہت کے نکاح خاوند اول

---

[1] خیر الفتاوی ج ۵ ص ۲۶ [2] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۳۵۹ [3] فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۳۵۹

کے لئے حلال ہو جائے گا۔ اور حلالہ کی غیر مکروہ صورت یہ ہے کہ عقد نکاح میں یہ شرط نہ لگائے کہ تم مجھ سے نکاح کر کے طلاق دے دینا۔ بلکہ نکاح مطلق کیا جائے۔ پھر اگر وہ مرد بعد صحبت کے طلاق دیدے تو اس کی عدت گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔

اور اگر یہ خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دیگا تو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت بوقت عقد نکاح یوں کہے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار ہر وقت مجھ کو رہے گا۔ جب میں چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں گی۔ اور پھر مرد اسی شرط کے ساتھ نکاح کو بوقت عقد قبول کر لے، تو عورت کے قبضہ میں رہے گا کہ شوہر ثانی سے نکاح اور صحبت کے بعد اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔ اور اس کی عدت گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کرے، یہ صورت مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور اختیار بھی عورت کے قبضہ میں رہے گا۔

یہ یاد رہے کہ یہ شرط عورت کی طرف سے پیش ہو اور مرد اس شرط کے ساتھ نکاح کو قبول کرے تب ہی اختیار رہے گا۔ اور اگر مرد کی جانب سے یہ شرط پیش ہوگی تو عورت کو اختیار طلاق نہ رہے گا۔[1]

یہی تفصیلات غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۱۶۹ میں مذکور ہیں۔

نکاح حلالہ میں جماع شرط ہے:

س: اگر مطلقہ ثلاثہ نے کسی مرد سے نکاح کیا مگر وطی سے قبل وہ مرد فوت ہو گیا۔ کیا یہ عورت شوہر اول کے ساتھ تجدید نکاح کرسکتی ہے؟

ج: ۱- حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے۔ بغیر وطی کے یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔[2]

ج: ۲- حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے۔ اور وہ بھی انتشار کی حالت میں ہوتا کہ حلالہ کرنے والے کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے۔ البتہ انزال ضروری نہیں۔ جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کے کرتے وقت صرف دخول حشفہ کر کے بغیر انزال کے جماع ختم کر دے، اور عورت کو طلاق دے دے، تو اب یہ عورت عدت طلاق گزارنے کے بعد پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔[3]

نابالغ سے حلالہ کرانا:

س: ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر 13/14 سال ہے۔ لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے۔ تو کیا اس کے حلالہ سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟

---

۱ امداد المفتیین ج ۲ ص ۵۳۷ ۲ فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۲

۳ فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۳، فتاوی دار العلوم ج ۹ ص ۳۶۱

ج: حلالہ کے لئے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔ صرف جماع پر قادر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔[1]

حلالہ میں کنڈوم کا استعمال:

س: اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم (ساتھی) استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو تو کیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

ج: حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذکر ضروری ہے۔ تا کہ دونوں کو کچھ لذت حاصل ہو۔ انزال کرنا ضروری نہیں۔ لہذا اگر کنڈوم کے ساتھ وہ لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی (جماع) پہلے شوہر کے لئے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں۔[2]

ظہار کا حکم

بیوی کو اپنی ماں، بہن یا کسی اور محرم خاتون کے ساتھ تشبیہ دینا

ظہار کی تعریف:

س: ظہار سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے احکام علم فقہ میں کیا ہیں؟

ج: ظہار کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یوں کہہ دے ''تو مجھ پر میری ماں یا بہن جیسی ہے'' اس کا حکم یہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی، لیکن کفارہ ادا کئے بغیر بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ اور کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے لگا تار روزے رکھے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ محتاجوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے، تب اس کے لئے بیوی کے پاس جانا حلال ہوگا۔[3]

بیوی کو بیٹا کہنے کا حکم:

س: زید اپنی زوجہ کو بیٹا کہہ کر پکارتا ہے، چاہے وہ کسی بھی کام میں مصروف ہو۔ جب بھی زید کو اپنی بیوی کو بلانا مقصود ہو یہی طریقہ اپنایا ہوا ہے جبکہ اس کے سب گھر والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں اور اکثر زید کی سالی زید سے پوچھ لیتی ہے کہ تمہارا بیٹا کہاں ہے، جبکہ بیوی بھی اس کے مخاطب کرنے پر رجوع کرتی ہے۔ یہاں پردیس میں بھی جب اس کو بیوی کا خط ملنے میں دیر ہو جائے تو وہ دوستوں سے یہی کہتا ہے کہ میرے بیٹے کا خط نہیں آیا۔ کیا زید اور اس کی بیوی کا رشتہ قائم رہا یا نہیں؟ اور اس کا کیا کفارہ ہے؟

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۳ [2] فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۲

[3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۶

ج: بیوی کو بیٹا کہنا لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔ مگر اس سے نکاح نہیں ٹوٹا۔ اور توبہ و استغفار کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔[1]

''تمہارا اور میرا رشتہ ماں بہن کا ہے''

س: ایک عورت کے خاوند نے محلے کے تین آدمیوں کو بلا کر ان کے سامنے اپنی بیوی کو کہا کہ ''آئندہ کے لئے تمہارا اور میرا رشتہ ماں، بہن کا ہے'' یہ الفاظ اس شخص نے دو یا تین دفعہ دہرائے۔ اب وہ عورت اپنے دو بچوں کی خاطر اسی گھر میں الگ رہتی ہے اور اس مرد کے ساتھ بول چال گزشتہ پانچ چھ ماہ سے ختم ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے ناراض ہیں۔ ان حالات میں کیا عورت کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

ج: ''تمہارا اور میرا رشتہ ماں، بہن کا ہے'' یہ ''ظہار'' کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی۔ البتہ شوہر کو ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا ہوگا اور کفارہ ادا کئے بغیر بیوی کے قریب جانا حرام ہے اور کفارہ یہ ہے کہ شوہر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔[2]

بیوی شوہر کو اس کی ماں کے مماثل کہے:

س: بیوی نے اپنے شوہر کو کہا کہ اگر تم میرے قریب آئے (میاں بیوی کے تعلقات قائم کئے) تو تم اپنی ماں بہن کے قریب آؤ گے۔ تو ان الفاظ سے ان دونوں کے درمیان نکاح باقی ہے یا نہیں؟

ج: بیوی کے ان بیہودہ الفاظ سے کچھ نہیں ہوا۔ البتہ بیوی ان ناشائستہ الفاظ کی وجہ سے گناہ کی مرتکب ہوئی ہے اس کو ان الفاظ سے توبہ کرنی چاہئے۔[3]

تنسیخ نکاح

تنسیخ نکاح کی صحیح صورت:

س: میری بیوی نے میرے خلاف عدالت سے بمع مہر ۸۰۰۰ روپے کے طلاق حاصل کر لی ہے۔ عدالت میں میرے خلاف اس کی کوئی شہادت موجود نہیں اور نہ ہی عدالت نے شہادت طلب کی ہے میری بیوی کے اپنے بیان میرے حق میں جاتے ہیں اس کے باوجود بھی اس نے عدالت سے اثر و رسوخ کی بنا پر طلاق حاصل کر لی ہے وجۂ طلاق صرف یہ ہے کہ اس کے والدین مجھے پسند نہیں کرتے کیونکہ معمولی ملازم ہوں، حالانکہ اس کے بطن سے ۵ سال اور ۳ سال کے میرے دو بچے بھی ہیں۔ کیا اس کو شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں؟ کیا وہ شرعاً دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

ج: شرعاً صحیح فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ دائر کرنے پر عدالت شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کی شکایات کے بارے میں دریافت کرے۔ اگر وہ عورت کی شکایات کو غلط قرار دے تو عدالت عورت سے اس کے دعویٰ پر

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۷ [2] ایضاً۔ [3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۷

شہادتیں طلب کرے۔ اور شوہر کو صفائی کو پورا موقع دے۔ اگر تمام کارروائی کے بعد عدالت اس نتیجہ پر پہنچے کہ شوہر ظالم ہے اور عورت کی علیحدگی اس سے ضروری ہو تو عدالت شوہر سے کہے کہ وہ اس کو طلاق دے دے۔ اگر اس کے بعد بھی شوہر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور مظلوم عورت کی گلوخلاصی پر راضی نہ ہو تو عدالت ازخود تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دے۔ اگر اس طریقہ سے فیصلہ ہوا ہو تو عورت عدت کے بعد دوسری جگہ عقد کر سکتی ہے۔ اور عدالت کا یہ فیصلہ صحیح سمجھا جائے گا۔

لیکن جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ محض عورت کی درخواست پر فیصلہ کر دیا گیا، نہ عورت سے گواہ طلب کئے اور نہ شوہر کو بلوا کر اس کا موٴقف سنا گیا، ایسا فیصلہ شرعاً کالعدم ہے اور عورت بدستور اس شوہر کے نکاح میں ہے اس کو دوسری جگہ عقد کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔[1]

عدالت کے غلط فیصلے سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوا:

س: کسی شخص کی منکوحہ دوسرے آدمی کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس شخص نے عدالت عالیہ میں جھوٹا نکاح نامہ پیش کر دیا جبکہ شوہر کے عزیزوں نے اصلی نکاح نامہ پیش کیا۔ لیکن اغوا کنندہ عدالت کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ شوہر نے اس مقدمہ میں دلچسپی نہیں لی، نہ اس نے طلاق دی ہے۔ کیا عدالت کے فیصلے کے بعد پہلا نکاح فسخ ہو گیا؟ اور کیا یہ عورت اغوا کنندہ کے پاس بیوی کی حیثیت سے رہ سکتی ہے؟ ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟

ج: عدالت کے غلط فیصلے سے جو عدالت کو فریب دے کر حاصل کیا گیا، پہلا نکاح متاثر نہیں ہوا وہ بدستور باقی ہے۔ جب تک اصلی شوہر اسے طلاق نہیں دے گا، یہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر یہ دونوں اسی حالت میں میاں بیوی کے حیثیت سے رہیں گے تو ہمیشہ کے لئے بدکاری کے مرتکب ہوں گے اور ان کی اولاد شرعاً بے نکاح کی اولاد ہو گی۔[2]

کیا عدالت تنسیخ نکاح کر سکتی ہے:

س: اگر ایک منکوحہ عورت کسی جج کی عدالت سے خاوند سے علیحدگی حاصل کرے اور اس عورت کے اعتراضات اس کے خاوند پر گواہان کی شہادتوں سے درست ثابت ہو جائیں، مگر خاوند عدالت وغیرہ میں شرعی حیثیت سے طلاق نہ دے بلکہ جج کسی عورت کی درخواست منظور کرے اور یوں اس عورت کو چھٹکارا مل جائے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس عورت کو واقعی طلاق ہو گئی یا نہیں؟ یہ کہ بعد عدت طلاق، کیا اس عورت کا نکاح ثانی حلال ہے؟

ج: اگر عدالت معاملہ کی پوری چھان بین اور گواہوں کی شہادت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ عورت واقعی مظلوم ہے اور شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کر رہا اور عدالت کے حکم کے باوجود وہ طلاق دینے پر بھی آمادہ نہیں ہے تو اس کا تنسیخ نکاح کا فیصلہ صحیح ہے۔ اور عورت عدت کے بعد دوسرا عقد کر سکتی ہے اور اگر عدالت نے معاملہ کی صحیح تفتیش اور گواہوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ کیا یا شوہر کی غیر موجودگی میں محض عورت کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ طلاق کے

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۳۹۹ [2] ایضاً۔

قائم مقام نہیں ہوگا اور اس فیصلے کے باوجود عورت کے لئے دوسری جگہ عقد کرنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

شوہر ڈھائی سال تک خرچہ نہ دے، بیوی عدالت میں استغاثہ کرے:

س: میری شادی کو چودہ برس کا عرصہ بیت چکا ہے۔ میرا ایک لڑکا ہے جو کہ ۹ سال کا ہے اور ایک لڑکی تین برس اور چار ماہ کی ہے۔ میری اپنے شوہر سے سات برس پہلے علیحدگی ہوگئی تھی علیحدگی سے میری مراد طلاق نہیں، بلکہ انہوں نے دوسری شادی کر کے گھر بسا لیا تھا۔ ان سات برسوں میں انہوں نے مجھے چار آنے تک نہیں دیئے۔ سات برسوں میں صرف ایک دفعہ چار سال بعد آئے تھے اور صرف پندرہ دن رہ کر چلے گئے۔ اب تین سالوں سے ان کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ اب میرا اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں نے بہت لوگوں سے سنا ہے کہ اگر شوہر ڈھائی سال تک خرچ نہ دے تو نکاح نہیں رہتا۔ آپ مجھے بتائیں کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے؟

ج: یہ تو کسی نے غلط کہا ہے کہ شوہر ڈھائی سال تک خرچ نہ دے تو نکاح نہیں رہتا۔ آپ اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں استغاثہ کریں اور عدالت کا فرض ہے کہ وہ آپ کو نان ونفقہ دلائے یا ایسے شوہر سے آپ کی گلوخلاصی کرائے۔[2]

کیا فیملی کورٹ کے فیصلے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے:

س: اگر ایک عورت ناچاقی کی صورت میں فیملی کورٹ میں نکاح فسخ کا دعویٰ دائر کرتی ہے، جج فیملی کورٹ مقدمے کی سماعت کے بعد عورت کے حق میں ڈگری دے دیتا ہے یعنی عورت کو نکاح ثانی کی اجازت فیملی کورٹ سے مل جاتی ہے تو کیا ازروئے شریعت عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

ج: فیملی کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قواعد کے مطابق ہو تو وہ فیصلہ شرعاً بھی نافذ ہوگا۔ اور اگر مقدمہ کی سماعت میں یا فیصلے میں شرعی قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو شرعی نقطہ نظر سے وہ فیصلہ کالعدم ہے، شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی۔

شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی شکایت پر عدالت، شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے۔ اگر شوہر ان الزامات سے انکار کرے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں یا اگر عورت گواہ پیش نہیں کر سکتی تو شوہر سے حلف لیا جائے، اگر شوہر حلفیہ طور پر اس کے دعویٰ کو غلط قرار دے تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جائے گا اور اگر عورت گواہ پیش کر دے تو عدالت شوہر کو بیوی کے حقوق شرعیہ ادا کرنے کی تاکید کرے۔ اور اگر عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں تو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیا جائے۔ اور اگر وہ طلاق دینے پر بھی آمادہ نہ ہو (جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا) تو عدالت ازخود فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ کرنے والا جج مسلمان ہو، ورنہ اگر جج غیر مسلم ہو (جیسا کہ پاکستان کی عدالتوں میں غیر مسلم جج بھی

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۰۰

[2] ایضاً۔

موجود ہیں) تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔[1]

طلاق سے مکر جانے کا حکم

شوہر طلاق دے کر مکر جائے تو عورت کیا کرے:

س: میری ہمشیرہ کو میرے بہنوئی نے تین بار طلاق دی جس پر ہمشیرہ گھر پر آگئیں۔ اور والدین کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ میرے والدین نے جب میرے بہنوئی سے معلوم کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا میں نے طلاق نہیں دی جبکہ ہمشیرہ بضد ہیں کہ مجھے طلاق دے دی ہے۔ اب آپ مشورہ دیں کہ طلاق کیسے ہوئی؟

ج: اصول تو یہ ہے کہ اگر طلاق میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے، بیوی تو کہے کہ اس نے طلاق دے دی ہے، اور شوہر انکار کرے تو گواہ نہ ہونے کی صورت میں عدالت شوہر کی بات کا اعتبار کرے گی لیکن آج کل لوگوں میں دین و دیانت کی بڑی کمی آگئی ہے۔ وہ طلاق دینے کے بعد مکر جاتے ہیں، اس لئے اگر شوہر دیندار قسم کا آدمی نہیں ہے اور عورت کو یقین ہے کہ اس نے تین بار طلاق دی ہے تو عورت کے لئے شوہر کے گھر آباد ہونا جائز نہیں ہے۔ شوہر کی قانونی کارروائی سے بچنے کے لئے اس کا حل یہ ہے کہ عدالت سے رجوع کیا جائے اور عورت کی طرف سے خلع کیا جائے اور عدالت دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔[2]

شوہر کے مکر جانے پر عورت کے لئے طلاق کے گواہ پیش کرنا ضروری ہے:

س: میرے ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ ''عورت طلاق دینے کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر اس سے انکار کرتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان جب یہ اختلاف ہو تو بیوی اگر قابل اعتماد گواہ پیش کر دے جو حلفاً شہادت دیں کہ ان کے سامنے شوہر نے طلاق دی ہے تو عورت کا دعویٰ درست تسلیم کیا جائے گا۔ ورنہ اس کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اور شوہر کی یہ بات صحیح ہوگی کہ اس نے طلاق نہیں دی۔''

تو محترم فرض کیجئے، عورت کا دعویٰ بالکل صحیح ہو مگر وہ کوئی گواہ پیش نہیں کر سکتی اور مرد صرف اس لئے طلاق سے انکار کر رہا ہو کہ اس کو مہر نہ دینا پڑے یا وہ صرف تنگ کرنے کے لئے ہی انکار کر رہا ہو تو ایسی صورت میں عورت اس شوہر کے پاس واپس جا کر گنہگار نہ ہوگی؟ جبکہ اس نے اپنے کانوں سے طلاق کے الفاظ سن لئے ہیں۔

ج: ماشاء اللہ بہت نفیس سوال ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ نے جس مسئلہ کا حوالہ دیا ہے اس کا تعلق عدالت کے فیصلے سے ہے عورت کے ذاتی کردار سے نہیں۔ جس صورت میں کہ شوہر انکار کر رہا ہے اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہیں تو عدالت یہ

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۰۱

[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۰۴

فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگی کہ عورت کا دعویٰ غلط اور بے ثبوت ہے۔

جہاں تک عورت کے ذاتی کردار کا تعلق ہے تو جب عورت کو سو فیصد یقین ہو کہ شوہر اسے طلاق دے چکا ہے اور اب محض بے دینی کی وجہ سے انکار کر رہا ہے تو عورت کے لئے اس کے پاس واپس جانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسے چاہئے کہ اس کے پاس جانے اور حقوق زوجیت ادا کرنے سے صاف انکار کردے۔ نیز اسے چاہئے کہ اس سے گلوخلاصی کی کوئی تدبیر کرے۔ مثلاً اس کو خلع دینے پر مجبور کرے، بہرحال جب تک اس سے قانونی رہائی نہیں ہو جاتی اس کو اپنے قریب نہ آنے دے اور نہ اس کے گھر میں رہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۳۵۴ جلد۱)[۱]

شوہر اگر طلاق کا اقرار کرے، تو بیوی اور ساس کا انکار فضول ہے:

س: میرا دوست جو کہ شادی شدہ ہے اس کی بیوی سے اس کی کسی بات پر لڑائی ہوگئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا میرے دوست نے باقاعدہ اپنے اور اس کے رشتہ داروں کے سامنے اپنی بیوی کو تین دفعہ طلاق دے دی اور اس کی بیوی بھی دوسرے کمرے میں بیٹھی تھی اور میرا دوست تین دفعہ طلاق دے کر اپنے گھر چلا آیا۔ لیکن بعد میں اس کی بیوی اور اس کی ساس نے کہا کہ ہم نے تین دفعہ نہیں سنا، لہٰذا طلاق نہیں ہوئی۔ اب آپ بتایئے کہ طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟

ج: اگر آپ کے دوست کو اقرار ہے کہ تین دفعہ طلاق دی تھی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ بیوی اور ساس کا انکار فضول ہے۔[۲]

طلاق کی تعداد میں شوہر بیوی کا اختلاف:

س: میرے شوہر مجھے تین بار طلاق کہہ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس ہوگئے اور کہنے لگے تو رورہی ہے میں نے تو دوبار کہا تھا، رجوع کی گنجائش ہے مگر میں نہ مانی۔ بچے گھر بار صرف گناہ کے ڈر سے چھوڑنے گوارا کر لئے مگر وہ بضد ہیں کہ میں نے دوبار کہا ہے۔ میں نے کہا قسم کھائیں تو وہ بولے ایمان سے دوبار کہا ہے اور اگر تو نہیں مانتی تو چلو سب گناہ میرے سر۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ خدایا میں گنہگار نہیں سب گناہ ان کے سر ہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں تو بتائیں گناہ کس کے سر پر ہوگا؟

ج: اگر آپ کو یقین ہے کہ تین بار کہا تھا تو ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہ کیجئے۔ اور ان کے پاس جانے اور حقوق زوجیت ادا کرنے سے صاف انکار کر دیجئے اور ہر حال میں ان سے گلوخلاصی کی کوئی تدبیر کیجئے۔ اور اگر آپ کو یقین نہیں تو گناہ وثواب اس کے ذمہ ہے آپ اس کی بات پر یقین کرسکتی ہیں۔[۳]

---

۱ آپ کے مسائل ج۵ ص۴۰۴

۲ آپ کے مسائل ج۵ ص۴۰۶

۳ ایضاً۔

نامرد کی بیوی کا حکم

نامرد سے شادی کی صورت میں بیوی کیا کرے:

س: ایک نامرد شخص نے نکاح کیا اور عرصہ چار ماہ عورت اس کے پاس رہی اور اس کے مخصوص کمرے میں سوتی رہی۔ لیکن اس کی حیثیت کنواری کی رہی۔ اس کے بعد وہ عورت والدین کے گھر چلی آئی اور لڑکے سے اس کے والدین نے طلاق کا مطالبہ کیا مگر وہ لڑکا رقم بٹورنے کے خیال میں طلاق نہیں دیتا لہٰذا طلاق کی صورت اور حق مہر کی بابت مسئلہ واضح فرمائیں؟

ج: شادی کے وقت عورت کنواری تھی تو عدالت کے ذریعہ نامرد خاوند کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دی جائے گی۔ ایک سال بعد خاوند صحبت پر قادر ہو جائے تو منکوحہ کو رکھے اور اگر ایک سال بعد بھی قادر نہ ہو سکے تو عدالت سے نکاح ختم کرنے کی درخواست دے کر نکاح ختم کرا سکتی ہے۔ عدالت کی تفریق طلاق بائن سمجھی جائے گی اور عورت پر عدت لازم ہوگی اور مرد پر مہر پورا ادا کرنا لازمی ہوگا۔[1]

ایضاً:

س: ایک لڑکا پیدائشی نامرد ہے جس کی تصدیق خود ڈاکٹر اور لڑکا بھی کرتا ہے اور علاج وغیرہ بھی کرایا گیا لیکن معالج نے صرف اس وجہ سے لڑکے کو جواب دے دیا کہ یہ پیدائشی طور پر صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور عورت نے عدالت میں اپنے خاوند پر تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا اور حاکم وقت نے فیصلہ بھی عورت کے حق میں دے دیا کہ یہ عورت بغیر اپنے خاوند سے طلاق لئے کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ جبکہ خاوند سے بار بار طلاق کا اصرار بھی کیا گیا لیکن وہ بضد ہے اور طلاق نہیں دیتا۔ ان تمام صورتوں کے ہوتے ہوئے از روئے شریعت محمدی کیا حکم ہے؟

ج: جب لڑکا پیدائشی نامرد ہے اور اس کی تصدیق ہو چکی ہے کہ اس کا علاج نہیں ہو سکتا تو لڑکے پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو عدالت ان دونوں کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دے، عدالت کا یہ فیصلہ طلاق کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا لڑکی دوسری جگہ (عدت کے بعد) نکاح کر سکتی ہے۔[2]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۰۷ [2] ایضاً۔

عدت کے احکام

عدت کے ضروری مسائل:

س : آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ شریعت میں عورت کو ''عدت'' کس طرح کرنا چاہئے؟ بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں جس عورت کا شوہر مرجائے وہ عورت عدت کے اندر سر میں تیل نہیں ڈال سکتی، خواہ کتنا ہی سر میں درد ہو اور تینوں کپڑے عورت کو سفید پہننے چاہئیں، ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہننا چاہئیں وغیرہ۔ آپ سے گزارش ہے کہ شریعت میں جس طرح عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں؟

ج: عدت کے ضروری احکام یہ ہیں۔

۱- شوہر کی وفات کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ اگر شوہر کا انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہو تو چار قمری مہینے اور اس سے دس دن اوپر گزارے۔ خواہ مہینے انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ کو انتقال ہوا تو ایک سو تیس دن پورے کرے۔

۲- عدت گزارنے کے لئے گھر میں کسی مخصوص جگہ بیٹھنا ضروری نہیں۔ گھر بھر میں جہاں جی چاہے رہے، چلے پھرے۔

۳- عدت میں عورت کو بناؤ سنگھار کرنا، چوڑیاں پہننا، زیور پہننا، خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، مسی ملنا، سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، ریشمی، رنگے اور پھول دار اچھے کپڑے پہننا جائز نہیں۔ ایسے معمولی کپڑے پہنے جن میں زینت نہ ہو۔

۴- سر دھونا اور نہانا عدت میں جائز ہے اور سر میں درد ہو تو تیل لگانا بھی جائز ہے۔ ضرورت کے وقت موٹے دندانوں کی کنگھی کرنا بھی جائز ہے، علاج کے طور پر سرمہ لگانا بھی جائز ہے مگر رات کو لگائے، دن کو صاف کردے۔

۵- عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ اتنی غریب ہے کہ اس کے پاس گزارے کے لئے خرچ نہیں تو پردہ کے ساتھ محنت مزدوری کے لئے جاسکتی ہے، لیکن رات اپنے گھر آکر گزارے اور دن میں کام سے فارغ ہو کر فوراً آجائے۔ بلاضرورت باہر رہنا جائز نہیں۔

۶- اسی طرح اگر بیمار ہو جائے تو علاج کی مجبوری سے حکیم، ڈاکٹر کے پاس جانا بھی جائز ہے۔[۱]

پچاس سالہ عورت کی عدت:

س: بیوہ عورت جس کی عمر پچاس سال سے کم ہے اور بغیر حمل کے ہے اس کی عدت کی مدت کتنی ہوگی اور وہ گھر میں معمولی کام کاج مثلاً جھاڑو دینا یا روٹی پکانا وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں۔ جبکہ اس کے ساتھ بہو بھی رہتی ہے؟

ج: شوہر کی وفات کی عدت حاملہ کے لئے وضع حمل ہے۔ اور جو عورت حاملہ نہ ہو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے خواہ بوڑھی ہو یا جوان یا نابالغ۔ عدت کے دوران گھر کا کام کاج کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔[۲]

کیا شہید کی بیوہ کی بھی عدت ہوتی ہے:

س: اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ شہید کو مردہ کہا جائے بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ مقصد یہ کہ جس طرح ایک عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد عدت کرتی ہے کیا شہید کی بیوہ کو بھی عدت کرنی ضروری ہے؟

ج: شہید کی بیوہ کے ذمہ بھی عدت ہے اور عدت کے بعد وہ دوسری جگہ عقد بھی کر سکتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت کا مطلب آپ نے صحیح نہیں سمجھا کیونکہ جہاں یہ فرمایا ہے کہ ''شہیدوں کو مردہ مت کہو'' وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ''وہ زندہ تو ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی زندگی سے ہماری دنیا کی زندگی مراد نہیں، بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جو ہمارے حواس اور شعور سے بالاتر ہے۔ اس لئے شہیدوں پر دنیا میں وفات پانے والے لوگوں کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا جنازہ پڑھا جاتا ہے، ان کی وراثت تقسیم ہوتی ہے، ان کی بیواؤں پر عدت لازم ہے اور عدت کے بعد ان کو دوسرا نکاح کرنا جائز ہے۔[۳]

بیوہ مرحوم کے گھر عدت گزارے:

س: لڑکی تین ماہ کی حاملہ ہے جبکہ عدت بھی لڑکی نے مرحوم کے گھر نہیں کی بلکہ سوئم والے دن چلی گئی۔ مہر کی رقم بھی لڑکی نے میرے بھائی کے مرنے کے بعد معاف کردی تھی اور اب اگر وہ یہ کہے کہ ہم یہ بھی لیں گے تو اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

ج: مرحوم کی بیوہ کو مرحوم کے گھر پر عدت گزارنا لازم ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکل جانا سخت گناہ ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، مہر اگر وہ بخوشی معاف کر چکی ہے تو اس کا دوبارہ مطالبہ کرنا جائز نہیں۔[۴]

رخصتی سے قبل بیوہ کی عدت:

س: ایک لڑکی کا نکاح ہوا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا شوہر ایک حادثہ میں فوت ہو گیا۔ اب کیا اس عورت کو

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۰۹ ۔ ۲ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۱

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۲ ۔ ۴ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۵

عدت گزارنا ہوگی یا نہیں؟ اور مہر ملے گا، اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

ج: اگر رخصتی سے قبل شوہر کا انتقال ہو جائے تب بھی لڑکی کے ذمہ ''عدت وفات'' چار مہینے دس دن لازم ہے۔ اور وہ پورے مہر کی مستحق ہے، جو مرحوم کے ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا۔ اور وہ شوہر کے ترکہ میں بیوہ کے حصہ کی بھی مستحق ہے۔[1]

حاملہ کی عدت:

س: میری بیٹی کو میرے داماد نے غصے میں آ کر میرے ہی گھر میں میری موجودگی میں طلاق دے دی کیونکہ وہ میری بیٹی کو رکھنے کے لئے تیار نہ تھا۔ ایک مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حاملہ پر طلاق نہیں ہوتی اور جب تک طلاق نہیں ہوتی عدت لازم نہیں۔ جبکہ میرا داماد مصر ہے کہ طلاق ہو جاتی ہے اور عدت لازم ہے اس کو عدت میں رکھا جائے جب تک وضع حمل نہ ہو۔ کیا طلاق ہوگئی اور عدت لازم ہے؟

ج: حمل کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ جب بچے کی پیدائش ہو جائے تو عدت ختم ہو جاتی ہے آپ کے داماد نے اگر ایک یا دو طلاقیں رجعی دی ہیں تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد فریقین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اگر تین طلاقیں دیں تو رجوع نہیں کر سکتا، بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔[2]

رخصتی سے پہلے طلاق کی عدت نہیں:

س: میرے والدین نے میرا ایک جگہ نکاح کرا دیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ میں نے اسے طلاق دے دی ہے اور طلاق دینے کے بعد کہا کہ یہ عورت مجھ سے آزاد ہے میرا اس پر کچھ دعویٰ نہیں۔ کیا وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ کیا عدت بھی لازم ہے؟

ج: رخصتی سے پہلے جب طلاق دی گئی ہے تو آپ کی بیوی کو طلاق بائن ہوگئی اور اس صورت میں عورت پر عدت بھی لازم نہیں ہے، لہٰذا طلاق کے فوراً بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے۔

نابالغ بچی کے ذمہ بھی عدت ہے:

س: میری چھوٹی بہن جو ابھی نابالغ ہے ہم نے اس کا نکاح ایک اچھی جگہ دیکھ کر کیا کہ لڑکی کا نکاح جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی نکاح کو صرف ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ لڑکے کو کسی دشمن نے قتل کر دیا۔ ہم لوگوں نے لڑکی کے بالغ ہونے پر رخصتی رکھی تھی اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا نابالغ لڑکی کا جس کی رخصتی بھی نہ ہوئی ہو، عدت گزارنا ضروری ہے؟

ج: وفات کی عدت نابالغ بچی کے ذمہ بھی لازم ہے۔[3]

---

[1] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۱ [2] ایضاً۔

[3] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۴

طلاق کی عدت میں شوہر کا انتقال ہو جائے:

س: اگر شوہر عورت کو طلاق دے اور عورت کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت طلاق کی عدت کے دن گزارے یا مرنے کی عدت کے دن گزارے؟

ج: اگر عورت طلاق کی عدت گزار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ اور تینوں کا حکم الگ الگ ہے۔

۱- ایک صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو، اس کی عدت وہی وضع حمل ہے۔ بچے کی پیدائش سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی خواہ طلاق دہندہ کی وفات کے چند لمحوں بعد بچہ پیدا ہو جائے۔ عورت کی عدت ختم ہو گئی۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ نہ ہو اور شوہر نے رجعی طلاق دی ہو اور عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے اس صورت میں طلاق کی عدت کالعدم سمجھی جائے گی اور عورت نئے سرے سے وفات کی عدت گزارے گی، یعنی چار مہینے دس دن۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ نہ ہو اور شوہر نے بائن طلاق دی تھی پھر عدت ختم ہونے سے پہلے مر گیا۔ اس صورت میں یہ دیکھیں گے کہ طلاق کی عدت زیادہ طویل ہے یا موت کی؟ ان دونوں میں سے جو زیادہ طویل ہو گی وہ اس کے ذمہ لازم ہو گی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ عورت اس صورت میں طلاق اور وفات دونوں کی عدت بیک وقت گزارے گی۔ ان میں سے اگر ایک پوری ہو جائے اور دوسری کے کچھ دن باقی ہوں تو ان باقی ماندہ دنوں کی عدت بھی پوری کرے گی۔[۱]

پانچ سال شوہر سے علیحدہ رہنے والی کی عدت:

س: زید نے ایک عورت کو طلاق دلائی اور دوسرے دن اس سے نکاح کر لیا۔ زید کا کہنا ہے کہ عورت مذکورہ چار پانچ سال سے اسی شہر میں اپنے شوہر سے دور رہی ہے۔ عدت اس عورت پر واجب وفرض ہے جو شوہر کے ساتھ رہتی ہو؟

ج: زید کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ اس عورت پر عدت نہیں تھی۔ طلاق کے بعد عدت ضروری ہے خواہ عورت شوہر کے پاس رہتی ہو یا عرصہ سے شوہر سے الگ رہتی ہو۔ البتہ جس لڑکی کی رخصتی سے پہلے طلاق ہو جائے اس کے ذمہ عدت نہیں۔ بہر حال زید کو اپنی جہالت سے توبہ کرنی چاہئے اور عدت کے اندر جو اس نے نکاح کیا وہ کالعدم ہے، عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔[۲]

طلاق مغلظہ کے بعد عورت کو گھر رکھنا:

س: ایک شخص نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد بیوی کو اپنے ساتھ رہنے پر راضی کر لیا اور عرصہ دو سال تک ایک ساتھ رہے، لوگوں کی ملامت پر وہ پاک زندگی بسر کرنے پر تیار ہیں، لیکن دریافت کرنا ہے کہ عورت کی عدت ان دو سالوں میں پوری ہو گئی یا نہیں؟ یعنی اب وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے؟

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۳ ۲ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۴

ج: عورت کی عدت تو گزر چکی ہے۔ چونکہ ان دونوں نے میاں بیوی کا تعلق ختم نہیں کیا، دونوں کا علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے اور علیحدگی کے بعد عورت پر نئے سرے سے عدت گزارنا ضروری ہوگا۔ اور جب عدت پوری ہوجائے تب کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔ نکاح کے بعد دوسرے شوہر سے صحبت کرے، صحبت کے بعد دوسرا شوہر ازخود طلاق دے دے، یا مرجائے اور اس کی عدت بھی گزر جائے تب پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ پہلے شوہر کے ساتھ پاک زندگی گزارنے کا کوئی طریقہ نہیں۔[1]

عدت کی کم ازکم مدت:

س: غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گزر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا؟

ج: صاحبین کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لئے کم ازکم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ کم ازکم تین حیض کے لئے نو دن اور دو طُہر کے لئے تیس دن درکار ہوں گے۔ تاہم عورت کی عدت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[2]

حرام کاری میں عدت نہیں ہوتی:

س: ایک مرد عورت عرصہ سے حرامکاری میں مصروف تھے۔ لوگوں کے معلوم ہونے پر انہوں نے حرام کاری کے دوران دو آدمیوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا۔ عدت کے وقفہ کا کوئی خیال نہ رکھا۔ کیا یہ نکاح درست ہے یا باطل؟

ج: نکاح صحیح ہے۔ حرام کاری کی عدت نہیں ہوتی۔[3]

کیا عدت کے دوران عورت ضروری کام کے لئے عدالت جاسکتی ہے:

س: ایک عورت کو جو عدت کے دن گزار رہی ہے عدالت میں طلب کیا جاتا ہے۔ حاکم عدالت کے سامنے اس کو بیان دینا ہے اور ضروری دستاویزات پر دستخط کرنا ہیں نیز عدالت میں اس کی حاضری سے اس کا اور اس کے بچوں کا مالی مفاد بھی وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

ج: اس ضرورت کے لئے عدالت میں جاسکتی ہے شام کو گھر واپس آجائے۔ رات اسی گھر میں گزارنا ضروری ہے۔[4]

کیا دوران عدت عورت کسی عزیز کے گھر جاسکتی ہے:

س: کیا بیوہ اپنے عزیز کے گھر جاسکتی ہے جس میں اور اس گھر میں جہاں عدت گزار رہی ہے، فاصلہ صرف ایک دیوار کا ہے؟

ج: بیوہ ضرورت کی بنا پر دن کو گھر سے باہر جاسکتی ہے۔ مگر رات اپنے گھر رہے اور دن کو بھی شدید ضرورت کے بغیر نہ جائے۔[5]

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۵ ۲ فتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۵۳۷

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۶ ۴ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۷ ۵ ایضاً۔

عدت نہ گزارنے کا گناہ کس پر ہوگا:

س: طلاق دینے کے بعد بیوی کو اس کی ماں کے گھر بھیج دیا تھا۔ طلاق کے بعد اس نے عدت نہیں گزاری اور نہ کسی پر یہ ظاہر کیا تھا کہ طلاق ہوگئی ہے۔ عدت نہ گزارنے کا گناہ کس پر عائد ہوتا ہے؟

ج: عدت طلاق شوہر کے گھر گزارنے کا حکم ہے۔ اس مدت کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہے اس لئے اس کو ماں کے گھر بھیج دینا جائز نہیں تھا۔ طلاق اگر ''رجعی'' ہو تو عورت بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں رہتی ہے، اس لئے اس کو چاہئے کہ خوب زیب وزینت کرے تا کہ شوہر کا دل اس کی طرف مائل ہو اور وہ رجوع کر لے۔

اور طلاق بائن اور موت کی عدت میں عورت پر ''سوگ'' کرنا واجب ہے۔ نہ خوشبو لگائے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ سرمہ لگائے، نہ تیل لگائے، نہ بغیر اضطراری حالت کے شوہر کے گھر سے نکلے۔ اگر عورت نے ان امور کی پابندی نہیں کی تو گنہگار ہوگی اور عدت کے دن پورے ہونے پر عدت بہر حال ختم ہو جائے گی۔ آپ نے چونکہ طلاق کے بعد عورت کو ماں کے گھر بھیج دیا تھا اس لئے آپ بھی گنہگار ہوئے۔ اور اگر عورت نے عدت کی شرائط پوری نہیں کیں تو وہ بھی گنہگار ہوئی۔[۱]

عدتِ وفات میں چوڑیاں پہننا:

س: جس عورت کا شوہر فوت ہوگیا ہو وہ عدت کے دوران چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اگر پہلے سے اس کے ہاتھ میں چوڑیاں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

ج: جس عورت کا شوہر فوت ہوگیا ہو اس کے لئے چار ماہ دس دن زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے۔ اس قسم کے جملہ امور کو ترک کرنا ضروری ہے۔ چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے۔ اس لئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو اُن کا اتارنا لازمی ہے۔[۲]

س: اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی شادی شدہ مرد کا انتقال ہو جائے تو اس کی بیوہ کے ہاتھوں سے چوڑیاں اتار دی جاتی ہیں یا توڑ دی جاتی ہیں۔ آیا اسلامی اصولوں کے مطابق یہ کہاں تک صحیح عمل ہے؟ حدیث میں اس بات کا کہیں ذکر ہے یا نہیں؟

ج: شوہر کے انتقال کے بعد عورت پر چار مہینے دس دن کی عدت لازم ہے۔ اور عدت کے دوران اس کے لئے زیب وزینت ممنوع ہے اس لئے زیور اور چوڑیاں وغیرہ اتار دی جاتی ہیں۔ البتہ اگر چوڑیوں کا اتار لینا ممکن ہو تو ان کو توڑنا غلط ہے۔[۳]

دورانِ عدت کہیں نہیں جاسکتی:

س: ملتان میں رہائش پذیر ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا۔ جس کا سارا کنبہ قبیلہ کمالیہ میں ہے، اگر ساری برادری تعزیت

---

۱ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۷ ۲ الفتاوی حقانیہ ج ۴ ص ۵۵۰

۳ آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۶

کے لئے ملتان اس بیوہ کے پاس جائے تو پریشانی ہوگی۔ اگر وہ اکیلی کمالیہ چلی جائے تو سب کی پریشانی ختم ہو جائے گی۔ کیا اسی مجبوری کی وجہ سے عدت کے دوران دوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ عورت بوڑھی ہے۔ آنکھیں کمزور ہیں۔ ڈاکٹروں نے اپریشن کا مشورہ دیا ہے، کیا عدت کے دوران علاج کے لئے ہسپتال جاسکتی ہے یا نہیں؟

ج: عدت ملتان میں ہی گزاری جائے۔ مذکورہ عذر کی وجہ سے کمالیہ جا کر عدت گزارنا درست نہیں۔ اور آنکھوں کا آپریشن عدت پوری ہونے کے بعد کرائے۔[1]

دوران عدت تعلیم کے لئے جانا:

س: میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ میں گرلز کالج ساہیوال میں ملازمہ ہوں، تو کیا دوران عدت شہر میں یا کالج میں جاسکتی ہوں؟

ج: عدت کے دوران آپ گھر سے باہر نہیں جاسکتی ہیں۔ نہ تعلیم کے لئے اور نہ کسی اور مقصد کے لئے۔[2]

عزت کا خطرہ ہونے کی صورت میں قلب مکانی:

س: ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا۔ اس گھر میں ساس اور نند رہتی ہیں، نند کے پاس غیر مردوں کا آنا جانا ہے، وہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔ اس صورت میں بیوہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ علاوہ ازیں بیوہ کے ہاں دو بچے اپریشن سے ہوئے ہیں اور اب بھی وہ حاملہ ہے۔ اس گھر میں اس کے خرچہ کا بھی انتظام نہیں ہے۔

ان حالات میں کیا ماموں اسے اپنے گھر لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

ج: اگر واقعی عورت مذکورہ کو اس مکان میں رہنے میں عزت کا خطرہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے ماموں کے گھر جاسکتی ہے۔[3]

س: ایک نوجوان عورت کا شوہر انتقال کرگیا۔ تقریباً ایک ہفتہ ہوا ہے، عورت مذکورہ اپنے متوفی شوہر کے گھر پر عدت وفات گزار رہی ہے لیکن شوہر کے خاندان کے بعض لوگ یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ اس بیوہ کا نکاح فلاں فلاں سے کر دیا جائے۔ اس سبب سے عورت کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اپنے والدین کے گھر جاسکتی ہے؟

ج: ایام عدت میں عورت سے نکاح کے سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو حرام ہے۔ عورت کو اس امر کا شدید خوف وخطرہ ہو تو والدین کے مکان میں منتقل ہوسکتی ہے۔[4]

بیوہ عدت میں کہیں جاسکتی ہے؟:

س: بیوہ عورت عدت کے اندر اپنے بھائی یا والدین کے یہاں کسی شادی وغیرہ پر دن دن یا رات کے کچھ حصہ میں جانا

---

[1] خیر الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۸۶ [2] خیر الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۸۴
[3] خیر الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۸۵ [4] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۶

اور پھر رات اپنے گھر واپس آجانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: فقہاء نے بیوہ کو عدت کے اندر دن یا رات کے کچھ حصہ میں باہر جانے کی جو اجازت دی ہے۔ اس کی وجہ نفقہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ضرورت نہ ہو تو پھر وہ مثل مطلقہ کے ہے کہ دورانِ عدت گھر سے نکلنا اور کہیں جانا اس کو درست نہیں۔ درمختار میں ہے۔ حتیٰ لو کان عند ھا کفایتھا صارت کالمطلقة، فلایحل لھا الخروج الخ اور ایسا ہی شامی اور فتح القدیر سے منقول ہے۔

پس بیوہ کو عدت میں بھائی یا والدین کے گھر شادی وغیرہ میں دن کو بھی جانا درست نہیں ہے اور نہ ہی رات کو جاسکتی ہے۔[1]

بیوہ عدت میں کسی غمی میں بھی نہ جائے:

س: ایک عورت عدت میں ہے اس کے بھائی یا قریبی رشتہ دار کی موت ہوگئی۔ کیا وہ وہاں جاسکتی ہے؟

ج: عورت کو عدت میں بلاضرورت مکان عدت سے نکلنا اور کسی شادی غمی میں شریک ہونا درست نہیں ہے۔[2]

عدت میں زیب وزینت نہ کرے:

س: ایک بیوہ عورت عدت کی حالت میں زینت کرنے بلکہ سِفاح (زنا) تک سے باز نہیں آئی۔ اور برملا کہیں کی کہیں چلی جاتی ہے۔ کیا ایسی عورت کا نکاح عدت پوری ہونے سے پہلے ہوسکتا ہے؟

ج: عدت کے اندر نکاح کرنا باطل ہے اور بیوہ کو ایام عدت میں جو کہ چار مہینہ اور دس روز ہے۔ زیب وزینت کرنا اور رنگے ہوئے کپڑے پہننا مثل سرخ وزرد کے۔ اور زیور اور ریشمی کپڑا اور خوشبو وغیرہ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

اسے عدت کے مکان میں رہنا لازم ہے۔ اور اگر کسی ضروری کام کے لئے مکان سے باہر جانے کی مجبوری ہو تو دن میں یا کچھ حصہ رات میں نکلنا درست ہے۔ اور عدت کے اندر نکاح کرنا صحیح نہیں ہے۔[3]

شوہر کے انتقال کے وقت عورت جہاں ہو وہیں عدت پوری کرے:

س: (۱) ایک شخص کا انتقال جو بمقام خورجہ کا رہنے والا ہے لکھنؤ میں ہوا۔ متوفی کا بھائی اس کی بیوہ اور والدہ کو بمقام سدولی جو لکھنو کے قریب ہے وہاں لے گیا۔ اب بیوہ مذکورہ دوران عدت اپنے والدین کے گھر آسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مرحوم کے بھائی کا سدولی سے جو لکھنؤ کے قریب ہے دوسرے شہر میں تبادلہ ہوجائے تو کیا بیوہ اپنے باپ کے گھر جاکر عدت پوری کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) مرحوم کی زوجہ کو عدت کہاں پوری کرنا چاہئے؟

(۴) اگر عورت باپ کے گھر ہو اور شوہر کا انتقال ہوجائے تو عدت کہاں پوری کرے؟

---

[1] فتاوی دارالعلوم ج ۱۰ ص ۲۸۷ [2] فتاوی دارالعلوم ج ۱۰ ص ۳۰۹ [3] فتاوی دارالعلوم ج ۱۰ ص ۳۱۹

ج: (۱) اب وہ بیوہ اپنے باپ کے گھر زمانہ عدت میں نہیں آسکتی۔ وہاں عدت پوری کر کے آئے۔

(۲) اس حالت میں اگر یہاں عدت پوری کرنے کا انتظام ہو سکے تب تو وہاں عدت پوری کرائی جائے۔ مثلاً اس کے پاس کسی کو چھوڑا جائے۔ اور اگر مجبوری ہو تو پھر جو جگہ قریب تر ہو وہاں لے جائے۔

(۳) اصل حکم یہ ہے کہ جس جگہ عورت شوہر کی موت کے وقت موجود ہو وہاں عدت پوری کرے۔ مجبوری کی صورت میں دوسری جگہ جا سکتی ہے، پھر وہاں سے کہیں نہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ عدت میں حتی الوسع سفر سے بچے۔

(۴) اس حالت میں باپ کے گھر میں عدت پوری کرے۔[۱]

س: ایک عورت شوہر سے ڈیڑھ سو میل دور اپنے والدین کے گھر تھی کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا۔ اب برادری کے رواج کے مطابق عدت کے دوران وہ اپنے شوہر کے گھر چلی جائے یا نہیں؟

ج: اب عدت کے دوران جانا جائز نہیں ہے بلکہ والدین کے گھر میں جہاں وہ بوقت موت شوہر تھی عدت پوری کرے۔

((كذا في الدر المختار۔ وتعتد ان اى معتدة طلاق وموت فى بيت وجبت فيه الخ۔))[۲]

س: اگر بیوہ کا کوئی آدمی نگران کار نہ ہو تو کیا بیوہ عدت کے دوران دوسرے شہر، قصبہ یا گاؤں میں جہاں اس کی ضروریات کی پوری نگہداشت ہو سکتی ہے۔ منتقل ہو سکتی ہے؟

ج: عورت کو عدت اسی مکان میں پوری کرنی چاہئے۔ جس میں عدت واجب ہوئی تھی، یعنی جس مکان میں وہ بوقت موت شوہر موجود تھی، رہتی تھی۔ اگر وہ مکان کسی دوسرے کا ہو اور وہ اسے وہاں نہ رہنے دے، یا وہ مکان منہدم ہو جانے یا منہدم ہونے کا ڈر ہو۔ (تب دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے) بحالت موجودہ اس عورت کو اسی مکان میں عدت گزارنا چاہئے۔ اور اس کی ضروریات کا انتظام وہیں کر دینا چاہئے۔[۳]

س: ایک شخص کی وفات بھوپال میں ہوئی تو اس کی زوجہ قبل پورے ہونے عدت کے وہاں سے منتقل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر وہاں عدت پوری کرنے تک رہنے میں کسی قسم کا خوف اور بے اطمینانی نہیں ہے اور سب ضروریات وہاں پوری ہو سکتی ہیں۔ تو اسی جگہ عدت پوری کرنی چاہئے، دوسری جگہ جانا درست نہیں۔ اگر وہاں با اطمینان نہیں رہ سکتی اور ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو اپنے وطن آسکتی ہے۔[۴]

کرایہ کے مکان میں عدت کا حکم:

س: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتے تھے، وہاں ہی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ کیا وہ عورت عدت پوری کرنے کے لئے اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا شوہر کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، عورت

---

۱ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۲۹۳ ۲ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۳۰۳

۳ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۲۹۰ ۴ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۲۸۹

مفلس ہے کھانے پینے کو بھی نہیں؟

ج: اگر عورت کو اس مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے اور اس کو اس کی قدرت وطاقت ہے۔ تو عدت میں دوسرے مکان میں جانا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس کی طاقت کرایہ ادا کرنے کی نہیں ہے تو دوسرے مکان میں جاسکتی ہے۔[1]

بے آسرا عورت کی عدت:

س: ایک عورت عرصہ چھ ماہ سے بیمار تھی، اس عرصہ میں وہ اپنے شوہر کے قریب تک نہیں گئی اسی مدت کے بعد اس کا شوہر انتقال کر گیا اور اس عورت کے پانچ بچے ہیں جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں بالکل بے آسرا ہیں تو کیا اس صورت میں وہ عورت بغیر عدت گزارے دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بغیر نکاح کے ان کے اخراجات وغیرہ کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی؟

ج: چار مہینے دس دن وفات کی عدت شرعاً فرض ہے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ عورت نکاح نہیں کرسکتی بلکہ نکاح کی بات کرنا بھی حرام ہے۔ اگر واقعتاً وہ ایسی نادار ہے تو حکومت اور مسلمان معاشرے کا فرض ہے کہ عدت کی مدت تک اس کی کفالت کرے۔ یا وہ عورت اتنے عرصے تک محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالے۔[2]

دورانِ عدت ملازمت کا حکم:

س: ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا اور اس عورت کے نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کیا وہ اپنے اخراجات کی کمائی کے لئے کہیں جاسکتی ہے؟

ج: بیوہ عورت اپنے اخراجات کے لئے دن کو باہر جاسکتی ہے۔ البتہ رات کے دس بجے سے اس مکان میں رہے جس میں خاوند کی موجودگی میں رہتی تھی۔[3]

ج: ۲- اگر خرچ کا انتظام نہ ہو تو محنت مزدوری اور ملازمت جائز ہے۔ اور اگر خرچ کا انتظام ہو تو ملازمت بھی جائز نہیں۔[4]

س: ایک خاتون کا خاوند بیماری کی وجہ سے کمانے سے معذور ہے، وہ کہیں ملازمت کر کے کماتی ہے، اپنا، خاوند اور بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں ہے، اسی دوران اس کے خاوند کا انتقال ہو جاتا ہے، اب مسئلہ اس کی عدت کا ہے؟ اگر وہ خاتون چار ماہ دس دن نوکری پر نہیں جاتی تو نوکری ختم ہو جاتی ہے اور ظاہری اسباب کے تحت اس کی آمدن بھی بند ہو جاتی ہے۔ اس خاتون کے بہن بھائی بھی اس کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو کیا وہ عدت کی پاسداری کرے یا عدت کے دوران کسب معاش کے لئے نوکری پر جائے؟

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۳۲۸ — [2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۳

[3] خیر الفتاوی ج ۵ ص ۲۸۵ — [4] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۱۷

الجواب باسم ملهم الصواب :

۱- صورت مسئولہ میں جب اس خاتون کے لیے سوائے اپنے گھر سے ڈیوٹی پر نکلنے کے کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے اور بغیر تنخواہ کی کٹوتی کے چھٹی حاصل کرنا بھی ممکن نہیں، یا چھٹی تنخواہ کی کٹوتی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور تنخواہ کی کٹوتی کے بعد گزر بسر مشکل ہے تو ایسی صورت میں اس کا گھر سے نکلنا گویا ایک ضرورت کے تحت ہے، اور معتد بہ ضرورت کی وجہ سے معتدہ کا گھر سے نکلنا جائز ہے۔ لہٰذا مذکورہ خاتون کے لیے مکمل شرعی پردے کے ساتھ ملازمت پر جانا جائز ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جتنا وقت ڈیوٹی کا ہے صرف اتنا وقت ہی اپنے گھر سے باہر رہے، جونہی ڈیوٹی ختم ہوئی فوراً اپنے گھر آ جائے۔ ان حدود وقیود کی رعایت رکھتے ہوئے اگر مذکورہ خاتون گھر سے باہر ملازمت پر جائے گی تو اس کی عدت پر کچھ فرق نہ پڑے گا۔

((قال ابن عابدين رحمه الله: قال في الهداية: وأما المتوفى عنها زوجها فلأنه لانفقة لها فتحتاج إلى أن يهجم الليل ولا كذلك المطلقة: لأن النفقة دارة عليها من مال زوجها))

((قال في الفتح: والحاصل أن مدارحل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة، فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها لايحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها اه۔ وبهذا اندفع قول البحر إن الظاهر من كلامهم جواز خروج المعتدة عن وفاة نهارا ولو كان عندها نفقة، وإلا لقالوا لاتخرج المعتدة من طلاق أو وفاة إلا لضرورة، فإن المطلقة تخرج للضرورة ليلاً أو نهارا اه))

((ووجه الدفع أن معتدة الموت لما كانت في العدة محتاجة إلى الخروج لأجل أن تكتسب للنفقة، قالوا: إنها تخرج في النهار وبعض الليل بخلاف المطلقة والخروج للضرورة فلافرق فيه بينهما كما نصوا عليه فيما يأتي، فالمراد به هنا غير الضرورة، ولهذا بعد ما أطلق في كافي الحاكم منع خروج المطلقة قال: والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها ولا تبيت في غير منزلها، فهذا صريح في الفرق بينهما، نعم! عبارة المتون يوهم ظاهرها ماقاله في البحر، فلو قيدوا حزوجها بالحاجة كما فعل في الكافي لكان أظهر)) (الشامية: ۵۳۶/۳)

((وفي العالمكيرية: المتوفى عنها زوجها تخرج نهارا وبعض الليل ولا تبيت في غير منزلها كذا في الهداية:۔۔۔۔۔۔)) (عالمگیریہ: ۵۳۴/۱)

((وفي الهداية: والمتوفى عنها زوجها تخرج نهارا وبعض الليل ولا تبيت في غير منزلها........ وأما المتوفى عنها زوجها فلأنه لانفقة لها فيحتاج الى الخروج نهاراً لطلب

المعاش، وقد يمتد الى ان يهجم الليل۔ ولا كذلك المطلقة، لان النفقة دارة عليها من مال زوجها.... (الهداية ۸/۱ ۴۳) (مفتی مقبول الرحمٰن کشمیری)

دورانِ عدت سفر کی ممانعت:

س: (۱) آج کل عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی جس کا اصلی وطن لاہور ہے وہ اسلام آباد میں ملازمت کے سلسلہ میں بمعہ بیوی بچوں کے مقیم ہے۔ جب کہ اسلام آباد میں اپنا مکان بھی بنالیا ہے، اب جب اس کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے والدین یا عزیز و اقارب اس کی میت لاہور لے جاتے ہیں، بیوی بچے بھی میت کے ساتھ ہی لاہور چلے جاتے ہیں، بیوی ہفتہ دس دن سسرال میں گزار کر اسلام آباد میں اپنے گھر آجاتی ہے۔

اور بعض اوقات سسرال والے اسے اپنے ہاں لاہور میں عدت پوری کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جبکہ اس کی مستقل رہائش خاوند کے ہمراہ اسلام آباد میں تھی۔ اسے شرعاً عدت کہاں گزارنی چاہئے؟

(۲) بعض لوگ بیرون ملک سال ہا سال سے کام کررہے ہوتے ہیں۔ اس ملک میں انہیں بیوی بچوں سمیت نیشنیلٹی ملی ہوتی ہے۔ اگر اس آدمی کا وہاں انتقال ہوجائے، تو اس کی بیوہ بچوں سمیت اپنے ملک پاکستان میں آکر اس کی تدفین کرتی ہے۔ اور بیس پچیس دن پاکستان میں گزارنے کے بعد واپس اسی ملک میں چلی جاتی ہے۔ عموماً انہیں ایک ماہ کی چھٹی ملتی ہے اور وہ اپنے ملک پاکستان میں عدت اس لئے نہیں گزارتی کیونکہ اسے بمعہ بچوں کے وہاں گزارہ الاؤنس ملتا ہے۔ اپنے ملک میں عدت گزارنے کی صورت میں وہ اس الاؤنس سے محروم رہتی ہے۔

آیا ایسے عذر کے باعث جہاں وہ چاہے عدت گزار سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب

سوال نمبر ایک کے جوابات:

(۱) صورت مسئولہ میں بیوہ کو خاوند کے گھر میں (جو اسلام آباد میں ہے) عدت گزارنا لازم ہے' اس کا میت کے ساتھ چلے جانا اور میت کے والدین یا عزیز و اقارب کا بیوہ کو اپنے ہاں عدت گزارنے پر مجبور کرنا جائز نہیں' سخت گناہ ہے۔

میت کو دوسرے مقام پر منتقل کرنے کا جو آج کل رواج ہوگیا ہے' کئی مفاسد کی وجہ سے درست نہیں' خصوصاً جب کہ اس میں میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے' نیز اس صورت میں عموماً دوبارہ جنازہ پڑھا جاتا ہے حالانکہ نماز جنازہ کا تکرار ناجائز ہے۔

(۲) مذکورہ صورت میں عورت کو اسی ملک میں عدت گزارنا ضروری ہے جس میں وہ خاوند کے ساتھ رہ رہی تھی اور جس ملک کی انہیں شہریت بھی حاصل تھی۔

اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خاوند کی وفات کے ساتھ ہی عورت کی عدت شروع ہو جاتی ہے' لہٰذا اگر میت کو اپنے گھر سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے (جو کہ بجائے خود درست نہیں ث تو عورت کو ساتھ نہیں جانا چاہیے' اگر چلی گئی تو اس پر لازم ہے کہ فوراً خاوند کے گھر واپس آ جائے۔ یاد رہے کہ جب اپنے ملک میں ضروریات زندگی میسر ہوں تو مزید سہولت کے لیے غیر مسلم ممالک میں رہائش درست نہیں۔

في الدرالمختار: ''ومعتدة موت تخرج في الجديدين' وتبيت اكثر الليل في منزلها! لأن نفقتها عليها' فتحتاج للخروج' حتى لوكان عندها كفايتها صارت كالمطلقة' فلا يحل لها لاخروج ''فتح''۔ وجوز في ''القنية'' خروجها لإصلاح مالا بدلهامنه، كزراعة ولا وكيل لها۔ طلقت أومات، وهي ظئرة في غير مسكنها، عادت إليه فورا، لوجوبه عليها۔ وتعتدان، أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه، ولا يخرجان منه، إلا أن تخرج، أو يتهدم المنزل، أو تخاف انهدامه أو تلف مالها، أولا تجدكراء البيت، ونحوذلك من الضرورات، فتخرج لأقرب موضع إليه۔

وفي الشامية :''قوله:''من بيتها'' متعلق بقوله:''ولاتخرج'' والمراد به مايضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ''هداية'' سواء كان مملوكا للزوج أو غيره، حتى لوكان غائبا، وهي في دار بأجرة، قادرة على دفعها، فليس لها أن تخرج، بل تدفع و ترجع إن كان بإذن الحاكم ''بحر'' وذيلعي۔'' (۲۲۸/۵'۲۲۹ ـ دارالمعرفة) والله سبحانه تعالى أعلم۔

(۳) جس گھر میں میاں بیوی باضابطہ رہائش پذیر ہوں' جب شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی پر اسی گھر میں عدت گزارنا واجب ہے بغیر کسی معقول شرعی عذر کے اس گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے (جیسا کہ عبارت نمبرا' ۲ سے معلوم ہوگا) اور اپنے شوہر کے جنازے کے ساتھ جانا بلکہ خود یہ جنازہ لے جانا ہی کوئی شرعی عذر نہیں ہے (إلا أن يكون عذلا شرعيا) لہٰذا شوہر کے جنازے کے ساتھ جانا جائز نہیں۔ عدت پوری کرنے کے بعد عورت اگر اپنے سسرال جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی عورت عدت کا خیال نہ رکھتے ہوئے اس گھر سے باہر چلی گئی تو اگر وہ جگہ سفر شرعی سے کم مسافت پر واقع ہے تو اسے اپنے گھر لوٹ آنا اور وہیں (اپنے گھر میں) عدت پوری کرنا واجب ہے۔ البتہ اگر وہ جگہ سفر شرعی کے برابر یا اس سے زیادہ مسافت پر واقع ہے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو اب اسے وہیں عدت گزارنا واجب ہے (جیسا کہ عبارت نمبر۳' ۴' ۵ سے معلوم ہوگا) اب عدت گزارنے کے لیے شوہر کے گھر لوٹنا جائز نہیں۔ (لہٰذا سوال میں مذکورہ صورت میں بھی اس عورت کو لاہور ہی میں عدت گزارنا واجب ہے' عدت گزارنے سے پہلے اسلام آباد کا سفر کرنا جائز نہیں۔)

(١) قال فی الدر: طلقت أو مانت وهی زائرة فی غیر مسکنها عادت إلیه فوژ الوجو به علیها۔ وتعتدان أبی معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه، ولا تخرجان إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل...... ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موقع إلیه ...... (الدر المختار:٣/٥٣٦)

(٢) وفی الهدایة: وعلی المعتدة أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت لقوله تعالی: "ولا تخرجوهن من بیوتهن" والبیت المضاف إلیها هوالبیت الذی تسکنه، ولهذا لو زارت أهلها وطلقها زوجها کان علیها أن تعود إلی منزلها، فتعتد فیه...... وإن کان نصیبها من دار المیت لا یکفیها فأجرها الورثة من نصیبهم انتقلت، لأن هذا انتقال بعذر...... (الهدایة:٢/٤٢٨'٤٢٩)

(٣) قال فی الدر: وإن کانت تلك أی مدة السفر من کل جانب...... خیرت بین رجوع ومضی، معها ولی أولا فی الصورتین، والعود أحمد، لتعتد فی منزل الزوج۔ وفی الشامیة تحت قوله: "لتعتد" لأنها حیث تساویا فی مدة السفر کان فی العود مرجح وهو حصول الواجب الأصلی، فکان أولی۔ وإنما لم یجب لعدم التوصل إلیه إلا بمسیرة سفر۔ (الدر مع رد المحتار: ٣/٥٣٨)

(٤) وقال أیضا: ولکن إن مرت بما یصلح للإقامة کما فی البحر...... أو کانت فی مصر أو قریة تصلح للإقامة تعتد ثمة إن لم تجد محرما اتفاقا' وکذا إن وجدت عند الإمام ثم تخرج بمحرم إن کان۔ (الدر المختار:٣/٥٣٨' ٥٣٩)

(٥) وفی العالمگیریة: ولو سافر بها ثم طلقها بائنا أو ثلاثا أو مات عنها و بینها وبین مصرها ومقصدها أقل من السفر إن شاء ت مضت وإن شاء ت رجعت سواء کانت فی المصر أو غیره معها محرم أولم یکن، إلا أن الرجوع أولی لیکون الاعتداد فی منزل الزوج۔ وإن کان أحد الطرفین سفرا والأخر دونه اختارت مأدونه...... (العالمگیریة: ١/٥٣٥' ٥٣٦)

(۴) شرعی مسئلہ کی رو سے حکم تو یہی ہے کہ اس بیوہ کو بیرون ملک ہی عدت گزارنی چاہیے' عدت گزارنے سے پہلے پاکستان کا سفر کرنا درست نہیں۔لیکن اس کے باوجود اگر یہ اپنے شوہر کی تدفین کے لیے میت کے ساتھ پاکستان آ جاتی ہے تو اب اسے پاکستان ہی میں عدت گزارنا ضروری ہے۔ جہاں تک مسئلہ ہے مذکورہ الاؤنس سے محرومی کا تو اس کی بحالی کے لیے دوسرے قانونی طریقے اختیار کیے جائیں (مثلاً چھٹی زائد منظور کروالی جائے وغیرہ) اور اگر مذکورہ الاؤنس سے محروم بھی ہو جائے تب بھی دوران عدت واپ جانا ناجائز ہے' کیونکہ وہاں جانا جلب منفعت کے لیے ہے اور دفع مضرت (عدت

کی خلاف ورزی) جلب منفعت سے مقدم ہے۔

(مندرجہ بالا جواب کا مستدل جواب نمبر۲ کی عبارات ہی ہیں) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سوال نمبر۲ کے جوابات:

(۱) اولاً تو یہ رواج ہی غلط ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کیا جاتا ہے بلکہ جس شہر میں انتقال ہوا ہے اسی شہر میں دفن کرنا ضروری ہے۔ تاہم اگر میت کے عزیز میت کو اپنے شہر لے جائیں تو بیوہ کو میت کے ساتھ جانا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوہ اسلام آباد میں ہی عدت گزارے۔ عدت کے بعد لاہور آ جائے۔ اور اگر وہ میت کے ساتھ لاہور آ گئی تو وہ گناہ گار ہوگی اس صورت میں اس کو چاہئے کہ عدت لاہور گزارے تاکہ اسلام آباد جانے کے لیے دوبارہ سفر کرنا نہ پڑے۔

(۲) اس صورت میں اس مرحوم کو اسی ملک میں دفن کرنا چاہئے اگر اس کے اعزہ اس کو پاکستان لے آئے اور بیوہ بھی ساتھ آ گئی تو پھر بیوہ کو پاکستان میں ہی عدت گزارنی چاہئے تاکہ بار بار سفر کرنا نہ پڑے۔

فی الهندية: ولو سافر بها ثم طلقها بائنا او ثلاثا او مات عنها وبينها و بين مصرها ومقصدها اقل من السفر ان شاء ت مضت وان شاء ت رجعت سواء كانت فی المصر او غيره معها محرم او لم يكن الا ان الرجوع اولى ليكون الاعتداد فی منزل ازوج وان كان احد الطرفين سفرا اولآخر دونه اختارت مادونه و ان كان كل واحد منهما سفرا فان كانت فی المفازة مضت ان شاء ت او رجعت بمحرم او غير محرم ولكن الرجوع اولى فان كانت فی مصر لم تخرج بغير محرم وان كان معها محرم لم تخرج عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى وقال تخرج وهو قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى اولا وقوله الآخر اظهر۔ (ج۱ ص۵۳۶) والله اعلم بالصواب

(سید حسین احمد)

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۹۔۵۔۱۴۲۵ھ

(۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر معتدہ کے پاس واپس سفر کے لیے کوئی ہو یا نہ ہو بہرصورت عدت جائے اقامت پر ہی گذارنی ہوگی مگر صاحبین کے ہاں واپس آ کر شوہر کے مکان پر عدت گزارے گی اگر اس کے ساتھ محرم ہو تو، اگر محرم نہیں تو وہیں یہ عدت گزارے جب کہ وہاں پر کسی قسم کا خوف وعزت کا ڈر نہ ہو۔ **قال فی شرح التنوير ان مرت بما يصلح للاقامة كما فی البحر وغيره زاء فی النهر وبينه وبين مقصدها سفرا كانت فی مصر او قربة تصلح**

للاقامة تعتد ثم ان لم تجد محرما اتسفاقا و کذا ان وجدت عندالامام (رد المحتار ج۲ ص ٦٧٦)

اور اگر شوہر کا گھر جائے اقامت سے مسافت سفر ۸۷ کلومیٹر سے کم ہو تو بیوی شوہر کے گھر آ کر عدت گذارے اور اگر مسافت سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت پر ہی عدت پوری کرے قال فی شرح التنویر ابانها اومات عنها فی سفر ولو فی مصر لیس بینها وبین فی مصرها درة سفر رجعت ولو بین مصرها الخ تعتدثم (رد المحتار ج۲ ص ٦٧٦)

(۴) اس صورت میں جب اس کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور قانوناً چھٹی بھی ایک مہینے کی ہے اور گزارہ الاؤنس سے ہی عورت کا خرچہ چلتا ہے تو اس عورت کو دوسرے ملک میں جا کر عدت گزارنا صحیح ہے۔ وتعتد ان ای معتدة طلاق وموت الخ ولا یخرجان منه الا ان تخرج او یتهدم المنزل او تلف مالها ونحو ذلك من خورات فتخرج (در محتار) ای معتدة الوفاة کما دل علیه ما بعد الخ (ردالمحتار ج۲ ص ۸۵۴) مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے نہ جانے سے نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو عدت اسی جگہ گزارے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعظم۔

(۵) صورت مسئولہ میں عورت جس گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی گھر میں عدت گزارے گی۔ البتہ جس گھر میں عورت خاوند کے ساتھ رہتی تھی۔ اگر عورت اس سے نکالنے پر مجبور کی گئی یا خاوند کے گھر کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو یا خاوند جس گھر میں رہ رہا ہو۔ وہ کرائے کا گھر ہے اور عورت اس کرائے کی ادائیگی سے لاچار ہو یا اس گھر میں میت یا دوسرے خوف آمیز ذرائع کی وجہ سے خوف وحشت کا خطرہ ہو یا دوسرے ضروریات کے پیش نظر وہ خاوند کے گھر کو تبدیل کر سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی خاوند کے گھر سے قریب گھر میں رہنے کی کوشش کرے گی۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اگر عورت سے سسرال کے گھر میں کسی ضرورت کے تحت رہنے پر مجبور ہو تو وہاں پر عدت گزارنا مرخص رہے گا۔

> وتعتدان ای معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا أن تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد کراء للبیت ونحو ذالك من الضرورات فتخرج لا أقرب موضع الیه۔ قال ابن عابدین لوخافت باللیل من امر المیت الجوت ولا أحد معها لها التحول لوالخوف شدیدا و الا فلا۔ (درالمختار مع ردالمختار ج۲ ص ٦٢١)

(٦) صورت مسئولہ کے مطابق جس گھر میں شوہر فوت ہو چکا ہو۔ اگر خاوند کی لاش اس گھر سے منتقل کر کے کسی دوسری جگہ پر تدفین کے لیے لے جائی جائے۔ اور اس کے ساتھ بیوی' بچے بھی ساتھ آئے۔ اور تدفین کے بعد عورت شوہر کے اس گھر میں عدت گزارنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ جہاں شوہر فوت ہو چکا ہو اور جہاں پر عورت کے نان ونفقہ اور دوسرے حوائج کی تکمیل ہو۔ تو وہاں عدت گزارنے کے لیے جانا مرخص ہوگا۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اگر عورت اپنے خاوند کی رہائشی وطن میں حوائج کی تکمیل کی بنیاد پر چلی جاتی ہے۔ جہاں پر عورت کے لیے امن ہو اور اس کے مال حال کی حفاظت ہوتی ہے تو

یہ جائز ہے۔

والدليل على ذالك:

وان كانت اى مدة سفر من كل جانب خيرت بين رجوع و مضى معها ولى أولا۔ والعود أحمد لتعتد فى منزل الزوج و لكن أن مرت بما بصلح للاقامة كما فى البحر قال ابن عابدين بأن تأمن فيها على نفسها مالها وتجد ماتحتاج به۔ (در المختار مع ردالمحتار۔ ج۲ ص۶۲۲)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے، اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزت وافتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُخروی سعادت اور نجات کیلئے بھی بہترین توشہ ہے، اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں، افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے، پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تزوجوا الودود الولود فانی مكاثر بكم الأمم۔)) (ابوداؤد، نسائی)

(ترجمہ) ''تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو۔ جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

یہی وجہ ہے کہ جب ضبطِ تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علماء حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی، بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل اور ذرائع کا حصول اور استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیت الٰہی پر موقوف ہے، قرآنِ مجید میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَه اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۴۹:۵۰)

(ترجمہ) ''اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی

قدرت والا ہے۔''

اس آیت کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افراد انسانی چند اقسام میں منقسم ہیں:۔

(ا) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاء کرامؑ میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ حضرت لُوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زیتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (لیا، صفوریا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے، آپؑ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نعشان، زمران، نعشیق اور شیوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے۔ قاسمؓ، طاہرؓ وطیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخر الذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں۔ جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوعِ انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرہ کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن مرتے دم تک اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، عربی میں اسے ''عقیم'' اور اردو میں ''بانجھ'' کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیتِ الٰہی، کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے (بچے کی پیدائش کی) صلاحیت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو دنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ ''اہل طبائع'' کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل کا بھی اثر رہتا ہے، اگرچہ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیر نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی اسباب کو مدنظر رکھنا ہوگا تا کہ اصل مسئلہ کے فہم و ادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ جملہ ضروری اور موقوف علیہ امور

اور وسائل وذرائع کے اختیار کر لینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً:-

(ا) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو، عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں، کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن ''رحم'' میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مدت تک ''رحمِ مادر'' میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ پہچان لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا عمر بھر بچے کی نعمت سے محروم رہے، جوڑے کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی اُمیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صورتیں:

بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقہ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی ناامیدی نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارہویں مرتبہ کامیاب ہوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹروں کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دس افراد کے بارے میں کامیابی ہوئی ہے اور باقی نوے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوئی۔ اس قلیل اندازے میں کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لاعلاج ہیں۔ بہر حال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں:-

(۱) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متضاد مادہ کی علیحدگی کے لیے علاج کیا جائے تاکہ اصلاح کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، ازروئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے۔

(۳) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص ''رحم'' میں ہو یعنی ''رحمِ مادر'' میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقہ علاج:

''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' کے ذریعہ آخر الذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ

تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن ''رحمِ مادر'' میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی آپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳، اکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک جائزہ کی ''تجرباتی رپورٹ'' سے اس طریقہ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے جیسا کہ اخبار لکھتا ہے:-

''آج سے آٹھ سال قبل نیوزی لینڈ کی ایک ۲۷ سالہ عورت ماگریٹ نے مئی ۱۹۷۹ میں پانچ پونڈ کی ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے اس کے شوہر کے نطفہ کو لیبارٹری میں ''بیٹری ڈش'' تکنیک کے ذریعہ ''امبری وٗ'' کی شکل دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر ''یوٹیرس'' کی مدد کے تمام غذائیت حاصل کی اور پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش آپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی۔''

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہو رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقۂ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور اب پاکستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو اس طریقۂ تولید کے مطابق صفِ اول میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:-

> ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہئے، یہ ایک جدید طریقہ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں شتر بے مہار کی طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدہ کی جگہ اس کے نقصان کیا ہوں گے؟

اگرچہ تجربہ کی رو سے اس جدید عمل تولیدی میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک لیجانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ

ایک حقیقت واقعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطورِ تمہید پیش خدمت ہے:-

سدِ ذرائع اور اسلام:

اسلامی نقطۂ نظر سے کسی شے کے حکم میں اس کے اسباب وعوامل طریقہ کار یا نتائج کا بہت زیادہ اثر رہتا ہے، اسلام کسی شے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدِ نظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہولیکن اس ظاہری حسن کے باوجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اس ذریعہ اور مقدمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاء کرام کے ہاں یہ حکم ''سدا لذرائع'' کے نام سے متعارف ہے، علماء کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، خاص کر حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، قرآن وحدیث کی رو سے اس قاعدہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے قاعدہ کی وضاحت:

مثلاً صحابہ کرامؓ جب رسول اللہ ﷺ کی نظرِ شفقت اور توجہ دلاتے وقت ''راعنا'' کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یا رسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنیٰ مراد لیتے تھے جو منصبِ نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا:-

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ﴾ (سورۃ البقرۃ نمبر۱۰۴)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! تم راعنا کا لفظ مت کہا کرو اور اسکی جگہ لفظ انظرنا کہہ دیا کرو۔''

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت:

ایسا ہی رسول اللہ ﷺ کو قریش مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے، آپؐ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریش مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کئے ہیں جو بناءِ ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا:-

''میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنادوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ وفساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی

وجہ سے آپؐ نے قریش مکہ کی تعمیر کو اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔ اس قاعدہ کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' کے طریقۂ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے؟ تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا:

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے، دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم وتربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا، اور دواعی زنا کی حرمت اور ممانعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جس سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقۂ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگر چہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقۂ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا چیز ہے؟ کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند نا قابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور نا قابل ہو اور عورت بہ نفس نفیس یا خاوند کے مشورہ سے حسین، قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تا کہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس تجربہ سے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمایئے:۔

> ''آج کل امریکین کیلی فورنیا کے علاقہ ''رسکوڈیڈو'' میں روبرٹ گراہم نے عالی ظرف نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے بڑے فنکار، سائنسدان، موسیقار، فلسفی اور بیشمار اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کے نطفوں کو یخ بستہ کر کے محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کٹیلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں جو ''امبری'' سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل وخرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں۔''

ظاہر ہے کہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگر چہ قضاء (الولد للفراش وللعاھر حجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اس شخص کے نطفہ سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے، تو یہ بچہ کبھی بھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دیانۃً یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا:

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو

ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہو جائے گا، کیونکہ بغیر قیمت کے میسر نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید وفروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنالیں۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی:

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرہ کے اندر نکاح کے لیے خاص صورتیں موجود ہیں' زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون یا فطرت ایک اہم سبب ہے۔ اگر چہ یورپی درندوں کے ہاں اخلاق سوز برائیوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے۔ لیکن زیرِ نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہو جائے گی اور ایک نوجوان عورت کیلئے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفاء کرے گا، یوں اس کے بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز سمجھا جائے گا۔

افزائش نسل انسانی کے فارم:

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہوسکتی ہوں تو پھر جس ملک کو افرادی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ ظرف اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کر لئے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نامعلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم وملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا اُمید کی جاسکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائشِ نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہاء یہ نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضا کار عورتوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید وفروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہو کر زمانۂ جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی۔

مرد بھی بچے پیدا کرسکیں گے:

س: جب ایک نطفہ بغیر رحمِ مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے

پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جا سکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو در کنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک عورت بچے کی جو تربیت کر سکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے یا نکاح قائم رہے حقِ حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اص میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تابلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

زنا کاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا:

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال لے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کر لیں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا:

جب اس جدید طریقہ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق و ریسرچ کسی خاص حد تک منتہی نہ ہوئی تو عین ممکن ہے کہ انسانی مادہ تولید کسی بندریہ یا کُتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن ماں کا یہ پیارا رشتہ پھر بندروں اور کُتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزلی، کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کتیا یا بندریہ کا بچہ کہلائے۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شرع ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا۔[1]

❀❀❀

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۵ ص ۵۹۵ تا ص ۶۰۴

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات ونتائج

ایک خبر ہے کہ کمشنر فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) نے حیدر آباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس ''بانگ بے ہنگام'' پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی ودینی حلقے ابتداء ہی سے اظہار ناراضگی کررہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی وعقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جاچکی ہے اور اب تک ڈالی جارہی ہے۔ طویل مشاہدات وتجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی وشرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہوکر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انا کی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرہ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت ومرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم وتربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط ومستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کرسکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہوکر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہوکر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج وخطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی ومعاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھارہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم وملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ:

یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے۔ انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق وشرافت سے عاری بنادیا تو

دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کرلیا۔ فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مبصر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاطِ حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کررہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کررہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطاء کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لارہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت:

مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آرہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافہ آبادی کو روکا جاسکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور خالصۃً ایک دفاعی مسئلہ بنادیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملادیا جائے ہم لحظہ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب ونتائج سے بے پرواہ ہوکر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت

کے لئے چیلنج اور قومی وملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی وقومی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر وترقی کا صحیح راستہ:

ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بناء پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب وتمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مؤمنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پرفریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ وتحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں۔ ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقاوسلامتی کا ضامن ہوسکتا ہے۔

ثبوت نسب

حمل کی مدت:

س: عورت کے شکم میں بچے کی میعاد کتنی ہے، ٦ ماہ، ٧ ماہ، ٨ ماہ، یا کہ صحیح وقت ٩ ماہ ہے؟ میرے گھر میں ساڑھے پانچ ماہ بعد بچہ پیدا ہوگیا، میں چھٹی کاٹ کر واپس یو۔اے۔ای میں پہنچا تو ساڑھے پانچ ماہ بعد ہی معلوم ہوا کہ بچہ پیدا ہوگیا اور ٹھیک تندرست صحت مند۔ خدارا مجھے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں کہ آیا یہ بچہ صحیح جائز ہے یا ناجائز؟

ج: جو بچہ عقد کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو وہ شرعاً جائز سمجھا جاتا ہے۔ چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے والا بچہ شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا جس بچے کی پیدائش نکاح کے چھ مہینے سے پہلے ہوئی ہو اس کا نسب اس نکاح کرنے والے سے ثابت نہیں۔ آپ بچے کی پیدائش کا حساب نکاح کی تاریخ سے لگائیں۔ اپنی چھٹی سے واپسی کی تاریخ سے نہیں۔

ایضاً:

س: حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بچہ چھ ماہ سے پہلے پیدا نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دو برس پیٹ میں رہ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ شادی کے دو مہینے بعد شوہر صاحب کسی دوسرے ملک چلے گئے۔ ٹھیک پندرہ مہینے بعد انہیں خط وصول ہوا کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ساس اور گھر کے دوسرے افراد نے اعتراض کیا کہ یہ ہمارا پوتا نہیں ہے جبکہ بچہ کا باپ کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ کیونکہ جب میں باہر جا رہا تھا تو بیوی مجھے بتا چکی

تھی کہ وہ حمل سے ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ نہ بتاتی تو شاید بدظن ہو جاتا۔ سوال پھر یہ ابھرتا ہے کہ اگر وہ خاتون خانہ اپنے شوہر کو نہ بتاتیں تو کیا بچہ حرامی کہلاتا؟ اسی طرح کے اور بھی بہت سے مسئلے ہیں یعنی شوہر کے انتقال کے پندرہ مہینے بعد بچہ پیدا ہوا جسے حرامی کہتے ہیں۔

ج: مدت حمل زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔ دو سال کے اندر جو بچہ پیدا ہو وہ اپنے باپ ہی کا سمجھا جائے گا۔ اس کو ناجائز کہنا غلط ہے۔

ناجائز اولاد صرف ماں کی وارث ہوگی:

س: روزمرہ زندگی میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی لڑکی کسی دوسرے لڑکے سے منہ کالا کرتی ہے تو اس گناہ کو چھپانے کے لئے دونوں کی شادی کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ شادی کے چوتھے یا چھٹے ماہ ان کے ہاں جو پہلا بچہ پیدا ہوگا، اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ یاد رہے کہ گناہ کرنے کے بعد ان کی باقاعدہ شادی بھی ہوئی ہے۔

ج: زنا کی اولاد کا نسب غیر قانونی باپ سے ثابت نہیں ہوتا، خواہ عورت نے اس مرد سے شادی کر لی ہو۔ اس مرد کی اولاد صرف وہ ہے جو نکاح سے پیدا ہوئی۔ وہی اس کی وارث ہوگی۔ ناجائز اولاد اس کی وارث نہیں صرف اپنی ماں کی وارث ہوگی۔

''لعان'' کی وضاحت:

س: ایک صاحب کا استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ''اگر شوہر، بیوی پر تہمت لگائے تو بیوی ''لعان'' کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر تہمت لگائے تو ''حد قذف'' جاری ہو سکتی ہے۔'' مہربانی فرما کر ''لعان'' اور ''حد قذف'' کی وضاحت فرمائیں؟

ج: ''قذف'' کے معنی ہیں کسی پر بدکاری کی تہمت لگانا۔ اور ''حد قذف'' سے مراد ہے وہ سزا جو ایسی تہمت لگانے والے کو دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن پر بدکاری کی تہمت لگائے اور اپنے دعویٰ پر چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر اسی کوڑے کی سزا جاری ہوگی۔ اسی کو ''حد قذف'' کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے یا اس سے پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو عورت اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ کر سکتی ہے۔ عدالت میں شوہر چار مرتبہ قسم کھائے کہ میں نے اپنی بیوی پر جو الزام لگایا ہے میں اس میں سچا ہوں۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں اس الزام میں جھوٹا ہوں، اس کے بعد عورت چار مرتبہ حلف اٹھائے کہ اس نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے یہ اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹے اگر یہ اپنے الزام میں سچا ہو۔ اس طرح میاں بیوی کا عدالت میں قسمیں کھانا ''لعان'' کہلاتا ہے۔ یہ ''لعان'' مرد کے حق میں ''حد قذف'' یعنی تہمت تراشی کی سزا کے قائم مقام ہوگا اور عورت کے حق میں ''حد زنا'' کے قائم مقام ہوگا۔ جب وہ دونوں

''لعان'' کر چکیں تو عدالت ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کردے۔ لعان کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہوگئے۔ اب ان دونوں کا اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکے گا جب تک ان میں سے ایک اپنے آپ کو جھوٹا تسلیم نہ کرلے۔ ہاں! اگر شوہر تسلیم کرلے کہ اس نے جھوٹا الزام لگایا تھا۔ یا عورت تسلیم کرلے کہ اس کا الزام صحیح تھا تو دونوں کے درمیان لعان کی حرمت باقی نہیں رہے گی۔ اور دونوں دوبارہ نکاح کرسکیں گے۔ اگر مرد نے بچے کے نسب کی نفی کی تھی تو ''لعان'' کے بعد یہ بچہ شوہر کا تصور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ''بن باپ'' کا بچہ سمجھا جائے گا۔ اور اس کا نسب صرف عورت سے ثابت ہوگا۔

نازیبا الزامات کی وجہ سے لعان کا مطالبہ:

س: ایک شخص ہے جو اپنی بیوی سے ناراض ہوجاتا ہے۔ بیوی اپنے والدین کے گھر چلی جاتی ہے۔ دوست احباب اسے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو لے آؤ وہ جواباً کہتا ہے کہ میں اسے نہیں لاؤں گا اور وہ اپنی بیوی پر مختلف نازیبا الزامات عائد کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی بیوی سے راضی ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔ بتائیں کہ اس کا بیوی کے ساتھ رہنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: اس قسم کے نازیبا الزامات سے نکاح تو نہیں ٹوٹا، اس لئے میاں بیوی ایک ساتھ ضرور رہ سکتے ہیں، لیکن اس کے یہ الفاظ تہمت کے ضمن میں آتے ہیں، اور ایسے الفاظ پر بیوی اپنے شوہر کے خلاف ''لعان'' کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ اور اگر یہ بیوی کے علاوہ کسی دوسرے پر ایسے نازیبا الزامات لگاتا تو ''حد قذف'' (تہمت تراشی کی سزا اسی درے) جاری ہوتی۔

شادی کے چھ مہینے کے بعد پیدا ہونے والا بچہ شوہر کا سمجھا جائے گا:

س: میری کزن کی شادی یکم مارچ کو ہوئی اور اس کے ہاں ١٣ ستمبر کو بیٹا پیدا ہوا آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ یہ بیٹا جائز ہوا کہ ناجائز؟ کیونکہ سب لوگ میری کزن کو بہت باتیں کررہے ہیں؟

ج: بچے کی ولادت کم سے کم چھ مہینے میں ہوسکتی ہے، اس لئے شادی کے چھ مہینے بعد جو بچہ پیدا ہو وہ شوہر ہی کا سمجھا جائے گا اور کسی کو اس کے ناجائز کہنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر شوہر یہ کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں تو قرآن کریم کے حکم کے مطابق عورت کے مطالبہ پر اس کو عدالت میں ''لعان'' کرنا ہوگا۔

ناجائز بچہ کس کی طرف منسوب ہوگا:

س: پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں اس بچے کی ماں اچھی طرح جانتی ہے کہ اس پیدا ہونے والے بچے کا حقیقی والد کون ہے؟ اگر بچہ حرام کا ہو تو کیا بچے کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا، جس کے بارے میں اسے کچھ پتا نہیں؟

ج: جو بچہ کسی کے نکاح میں پیدا ہوا وہ اسی کا سمجھا جائے گا۔ جب تک کہ وہ شخص اس بچے کا انکار کرکے اپنی بیوی سے ''لعان'' نہ کرے، زانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر منکوحہ کے یہاں ناجائز بچہ پیدا ہو تو اس عورت کے شوہر کی طرف منسوب ہوگا۔ اور غیر منکوحہ کا بچہ قانوناً کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

پرورشِ اولاد

یتیم بچے کا نفقہ:

س: ایک بچے کا باپ فوت ہوگیا اور وہ خود کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس بچے کا خرچہ ماں کے ذمہ ہوگا یا کسی اور کے؟

ج: جس بچے کی حالت صغر میں باپ فوت ہوجائے اور وہ بچہ کمانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا جملہ خرچہ ماں کے ذمہ لازم ہوگا۔[1]

کس عمر تک بچوں کی پرورش لازم ہے:

س: اگر کوئی شخص بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے بچوں کی پرورش والدہ کے ذمہ ہوگی یا والد کے؟ نیز بچے اور بچی کی کس عمر تک پرورش کا حق لازم ہے؟

ج: طلاق کے بعد بچہ سات سال کی عمر تک اپنی والدہ کے پاس رہتا ہے۔ اس کے بعد بچے کا والد اس کو لے سکتا ہے۔ اور لڑکی جوان ہونے تک یعنی نو برس کی عمر تک والدہ کے پاس رہتی ہے۔ جوان ہونے کے بعد باپ اسے لے سکتا ہے۔[2]

ماں کے بعد نانی کو حق پرورش ہے:

س: چار سالہ بچی جس کی ولادت اور پرورش ننھیال میں ہوئی۔ اس کی والدہ نے فوت ہونے سے پہلے اسے نانی کے سپرد کردیا تھا۔ اب لڑکی کا باپ اسے جبراً لے جانا چاہتا ہے۔ اگر وہ نانی کے پاس رہے تو کس عمر تک؟ اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہوگا یا نہیں؟

ج: لڑکی نابالغہ بالغہ ہونے تک نانی کی پرورش میں رہے گی اور صورت مسئولہ میں حق حضانت نانی کو ہے بشرطیکہ کوئی امر مسقط حق حضانت نہ ہو، اور لڑکی کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ لازم ہوں گے۔

((قال الشامي واما النفقة على الولد اذالم تتبرع بها فهل لها الرجوع بها على الاب قيل نعم الخ وقال في الدر المختار ثم اى بعد الام ام الام الخ وفيه ايضاً في مقام آخر والام والجدة لاب وام احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ الخ))

نمبر۲:- حق پرورش نانی کا ہے بشرطیکہ کوئی امر مسقط حق حضانت نہ ہو۔ باپ نانی سے اس لڑکی کو بالغ ہونے تک نہیں لے سکتا۔[3]

---

[1] فتاویٰ حقانیہ ج ۵ ص ۳۱
[2] آپ کے مسائل ج ۵ ص ۴۲۴
[3] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۸۴

ماں نانی اور خالہ کے بعد حق پرورش پھوپھی کو ہے پھوپھا کو بالکل نہیں:

س: ایک لڑکا بعمر ڈیڑھ سالہ یتیم ہے، اس کے خاندان کا کوئی وارث موجود نہیں ہے۔ فقط اس لڑکے کی تائی موجود ہے، اور اس کے تایا کے دو داماد عظیم داد خاں اور چھوٹے خاں ہیں۔ بوقت مرنے کے اس لڑکے کی والدہ وصیت کر گئی تھی کہ عظیم داد خاں وغیرہ تم میرے بچہ کی پرورش کرنا۔ چنانچہ برضامندی عظیم داد خاں وغیرہ وہ لڑکا اپنی تائی کے پاس رہتا تھا۔ اب اس لڑکے کو اس کی پھوپھی کا لڑکا اس کی تائی سے زبردستی لے گیا ہے اور اس کے مال کو برباد کرنا چاہتا ہے، اس لڑکے کی کفالت کا زیادہ مستحق کون ہے؟

ج: اس بچہ کی پھوپھی اگر موجود ہو تو ماں، نانی، خالہ وغیرہ کے بعد پرورش کا حق پھوپھی کو ہے، لیکن اگر پھوپھی موجود نہ ہو تو پھوپھی کے بیٹے کو کچھ حق اس بچہ پر نہیں ہے **كما في الدر المختار۔ ولا حق لولد عم وعمة وخال وخالة لعدم المحرمية وفي ردالمحتار ولا لابن العمة في حضانة الغلام** الخ پھر شامی نے اس میں یہ بحث کی ہے کہ اگر چہ محرمیت یہاں نہیں ہے لیکن جس صورت میں کچھ اندیشہ فتنہ کا نہ ہو وہاں حقِ حضانت باقی ہے، مثلاً ابن العم کو لڑکے نابالغ کا حق حضانت حاصل ہے، لڑکی نابالغہ کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح پھوپھی کے پسر کو نابالغہ دختر پر حق نہیں ہے مگر نابالغ لڑکے پر حق ہے، پس اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صورت موجودہ میں پھوپھی کا بیٹا احق ہے اس کی پرورش کے لئے۔[1]

حق پرورش ماں کو ہے اور نفقہ باپ پر ہے:

س: زید کی بیوی بدچلن ہے، اس لئے زید نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، دو لڑکے جن کی عمر ساڑھے پانچ سال اور ساڑھے تین سال ہے زید کے پاس رہنے چاہئیں یا زید کی بیوی کے پاس، اگر زید کی بیوی کے پاس رکھے جائیں تو ان کے خرچہ کا کون ذمہ دار ہوگا؟

ج: حق پرورش ان بچوں کی والدہ کو حاصل ہے لڑکی کے لئے حق پرورش بلوغ تک ہے، اور لڑکے کے لئے سات برس ہیں، اور نفقہ ان کا باپ کے ذمہ ہے، لیکن ماں کی بدچلنی کی وجہ سے اگر بچیوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ماں کا حق ساقط ہے پھر اگر اور کوئی حاضنہ پرورش کنندہ مثل خالہ پھوپھی وغیرہ نہیں ہے تو باپ لے سکتا ہے۔[2]

نانی کی موجودگی میں باپ کے چچا کے پوتے کو حق پرورش نہیں ہے:

س: مسماۃ محمودہ بیگم نے انتقال کیا اور اس نے دو پسر نابالغ ایک شیر خوار اور دوسرا بعمر چھ سال اور ایک دختر نابالغہ بعمر پانچ سالہ چھوڑی، اور یہ تینوں اپنی نانی کے پاس بحق حضانت زیر پرورش ہیں۔ اب ڈیڑھ سال کے بعد محمد عابد باپ نابالغان کا فوت ہوگیا۔ متوفی نے اپنی حیات میں اولاد مذکور کے خورد ونوش میں کچھ نہیں دیا اور نہ آئندہ کے لئے کوئی

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۸۴ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۹۰

انتظام کیا۔ اب ایک شخص عبدالباسط متوفی کے باپ کے چچا کا پوتا اور ایک شخص بہاؤالدین ماموں متوفی کہ جوخسر بھی ہوتا ہے کہ بعد انتقال زوجہ اولیٰ متوفی نے عرصہ ایک سال کا ہوا، اس کی دختر سے نکاح کرلیا تھا کہ جو حاملہ ہے۔ اب جو سہام حصہ نابالغان میں متروکہ والدین سے پہنچیں ان کا محافظ اور متصرف وولی مال متوفی کے باپ کے چچا کا پوتہ ہے یا ماموں متوفیٰ کا کہ جوخسر بھی ہے، یا نابالغوں کے نانا اور نانی، کون ہوسکتا ہے اور شرعاً صرف خوردونوش یتیموں کے مال میں سے جائز ہے یا نہیں؟

ج: حق پرورش ان بچوں کا اس صورت میں ان کی نانی ہی کو ہے، جن کی پرورش میں وہ ہیں۔ اور ولایت نابالغوں کے مال کی باپ کو ہوتی ہے یا باپ کے وصی کو یا دادا کو یا اس کے وصی کو یا قاضی وحاکم کو یا جس کو وہ مقرر کردے۔ اور باپ کے چچا کا پوتہ یا ماموں ولی نابالغوں کے مال کے نہیں جیسا کہ شامی میں ہے **واماماعدالاصول من الوصية كالعم والاخ او غيرهم كالام ووصيها وصاحب الشرطة لايصح اذنهم له لانهم ليس لهم ان يتصرفوا فی ماله تجارة فكذ الا يملكون الاذن له فيها والاولون يملكون التصرف فی ماله الخ** اس سے معلوم ہوا کہ سوائے باپ دادا وغیرہ کے چچا یا اس کی اولاد یا بھائی کو نابالغ کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ اور شامی جلد ثالث کتاب الوقف میں ہے کہ یتیم کے مال میں اگر صلحائے اہل محلہ کوئی تصرف ایسا کریں جس میں نابالغ کا نفع ہو یا اس کو ضرورت ہو تو جائز ہے اس بناء پر نانا، نانی جن کی پرورش میں وہ نابالغان ہیں تصرف مال نابالغان میں موقع ضرورت میں کرسکتے ہیں اور ان کے لئے کوئی چیز خرید سکتے ہیں اور تصرف بیع وشراء کا کرسکتے ہیں، پس نابالغوں کے حصہ کا مال ان کے نانا، نانی ہی کے سپرد کردینا مناسب ہے اور ان کو یہ جائز ہے کہ نابالغوں کے خوردونوش کے لئے ان کے حصہ میں سے صرف کریں اور حسب ضرورت تصرف بیع وشراء کریں۔ ردالمختار جلد ثالث کتاب الوقف میں ہے **قلت وذكرو امثل هذا فی وصی اليتيم وانه لوتصرف فی ماله احد من اهل السكة من بيع اوشراء جازفی زماننا للضرورة وفی الخانية انه استحسان وبه يفتیٰ۔ الخ**

نابالغ کی پرورش کے حقدار:

س: ایک نابالغہ یتیم بچی کی پرورش دوسال سے جب سے والدین فوت ہوئے ہیں اس لڑکی کی بڑی بہن کے ذمہ ہے، اور خالہ زاد بہن بھی متکفل ہے۔ اب اس لڑکی کو اپنے قبضہ میں لینے کے لئے حقیقی ماموں نے دعویٰ عدالت کیا ہے اس صورت میں ولایت نکاح اور ولایت پرورش کا حق کس کو ہے؟

ج: نابالغہ کا حق پرورش ماں، نانی، دادی کے بعد اس کی بہن کو ہے، بہن کی موجودگی میں ماموں کو حق پرورش نہیں ہے اور اختیار نکاح کا بھی بصورت نہ ہونے عصبات کے ماں وغیرہ کے بعد بہن کو ہے، ماموں کو کچھ اختیار اور ولایت نکاح نابالغہ کی اس صورت میں نہیں ہے، درمختار میں ہے۔

((فان لم یکن عصبة فالو لایة للام الخ للاخت الخ ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال))[۱]

ج: نابالغان کا حق حضانت یعنی حق پرورش اس صورت میں ان کی والدہ کو ہے، اور ولی نکاح نابالغان کا ان کا بھائی علاتی ہے جو کہ بالغ ہے، اور حصہ جائداد وغیرہ جو نابالغان کا ہے وہ ان کی والدہ کے پاس رکھا جائے۔[۲]

ج: اس لڑکے نابالغ کے مال اور نکاح کی ولایت آپ (والد) کو ہے، اور حق پرورش سات برس کی عمر تک والدہ کے بعد اول نانی کو اس کے بعد دادی کو اس کے بعد بہنوں کو ہے، پس اگر نانی بچہ کی موجود ہے اور وہ اس کو اپنی پرورش میں رکھنا چاہتی ہے تو آپ سات برس کی عمر ہونے پر اس کو لے سکتے ہیں، اور اگر نانی بچہ کی موجود نہیں ہے تو حق پرورش بچہ مذکور کا اس کی دادی اور بہنوں کو ہے، ان کے حضانت میں نانا اور ماموں کو حق پرورش نہیں ہے بلکہ نانا اور ماموں کا درجہ حق پرورش میں باپ وغیرہ کے عصبات کے بعد ہے اور پرورش کرنے والی لڑکے کو آپ کی اجازت سے بھوپال لے جا سکتی ہے۔[۳]

حق پرورش ماں کو ہے اور حق ولایت عصبات کو:

س: زید نے زوجۂ اول مرحومہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ اور زوجۂ ثانیہ موجودہ سے تین لڑکے نابالغان چھوڑ کر انتقال کر گیا، نابالغہ ثلاثہ کا حق پرورش اور جائداد و نکاح کا ولی کون ہے؟

ج: حق پرورش نابالغان کا ان بچوں کی والدہ کو ہے اور ولایت نکاح عصبات کو ہوتی ہے، لہٰذا اس صورت میں اگر دادا ان نابالغوں کا موجود نہیں تو ان کا نکاح کا ولی ان کا علاتی بھائی ہے، اور جائداد کی ولایت بھائی کو نہیں ہے، اس صورت میں حکام جس کو منتظم مقرر کر دیں وہ انتظام کرے۔[۴]

حق پرورش نانی کو ہے اور ولایت نکاح تایا کو ہے:

س: ایک لڑکی بعمر تخمیناً گیارہ بارہ برس کی اپنی نانی حقیقی کے پاس رہتی ہے اس وجہ سے کہ اس کے والدین مر چکے ہیں، البتہ اس لڑکی کا تایا زندہ ہے، اس صورت میں حق پرورش لڑکی مذکورہ کا اور ولایت نکاح کی کس کو ہے؟

ج: اس صورت میں حق پرورش لڑکی کا اس کی نانی کو ہے حیض آنے تک یعنی بالغہ ہونے تک وہ نانی کے پاس رہے گی اور تایا اس کو نہیں لے سکتا، البتہ ولایت اور اختیار نکاح نابالغہ کا اس کے تایا کو ہے جبکہ اس سے قریب تر کوئی عصبہ موجود نہیں اور یہ ولایت اور اختیار لڑکی کے عدم بلوغ تک ہے بعد بالغہ ہونے کے کسی ولی کا جبر اس پر نہیں ہو سکتا خود لڑکی بالغہ کی اجازت ورضاء سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔[۵]

پرورش کا خرچ:

س: خرچ پرورش کس کے ذمہ ہے اور کس قدر اور کتنی مدت تک؟

---

۱ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۹۳ ۲ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۰۱
۳ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۰ ۴ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۰۲ ۵ فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۰۲

ج: اگر خود اس لڑکی کا مال موجود ہے تو اس میں سے اس کا خرچہ لیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نہیں ہے یعنی اس کے باپ نے کچھ نہیں چھوڑا تو والدہ وغیرہ کے ذمہ ہے اور ترتیب اس کی کتب فقہ میں مذکور ہے۔ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے ذمہ اس کا نفقہ ہے اس کے ذمہ یہ خرچ پرورش کا ہے اور مدت حضانت مذکر کے لئے سات برس ہے اور مؤنث کیلئے بلوغ یعنی حیض کا آنا ہے۔

نان ونفقہ کے احکام

شوہر کی مرضی سے میکے میں بھی رہے گی تو نفقہ پائے گی:

س: ایک شخص کا نکاح ایک جوان عورت سے ہوا تخلیہ ہوا مگر شوہر حق ادا نہ کر سکا' بلکہ صاف لفظوں میں بی بی سے کہا کہ مجھے بیماری ہے میں رنگون جاتا ہوں اپنی دوا کر کے بہت جلد آؤں گا، بعد ایک ہفتہ کے رنگون چلے گئے اور پانچ برس میں واپس آئے، اور عورت زمانۂ نکاح سے تا ایندم اپنے میکہ میں ہے تو نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں، اور عورت خلع چاہتی ہے تو مہر وزیور وغیرہ شوہر سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

ج: شرعاً نکاح صحیح ہوگیا اور چونکہ اب قضاۃ اسلام نہیں ہیں جو تاجیل وتفریق کریں، اس لئے بدون طلاق دینے شوہر کے علیحدگی نہ ہوگی اور خلع اگر کرنا چاہیں تو زوجین کی رضامندی سے ہوسکتا ہے، خلع کے بعد عورت اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہو جائے گی، اور خلع سے مہر وغیرہ ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر عورت خلاف مرضی اپنی شوہر کے اپنے میکہ میں نہیں رہی بلکہ شوہر کی مرضی واجازت سے رہی تو نفقہ اس کا بذمہ شوہر لازم ہے **وھذا کلہ فی کتب الفقہ**۔[1]

شوہر کی مرضی کے خلاف میکے رہنے سے خرچہ کا حق نہیں:

س: اگر کوئی عورت خاوند سے لڑائی جھگڑا سے تنگ آ کر میکے چلی جائے تو کیا خاوند پر اس کے اخراجات کا حق ہے؟

ج: جب کہ وہ عورت شوہر کے گھر سے خلاف مرضی شوہر کے اپنے باپ کے گھر چلی گئی، نفقہ اس کا ساقط ہوگیا، اگر وہاں رہتے ہوئے شوہر اس کو نفقہ نہ دے گا تو گنہگار نہیں ہے۔ اور اگر دیدے تو یہ شوہر کا احسان ہے۔[2]

گذشتہ سالوں کے اخراجات کی ادائیگی شوہر پر واجب نہیں:

س: زید اپنی زوجہ کو سسرال میں رکھتا تھا اور کل خرچہ اس کا اس کے والدین اٹھاتے تھے، زید نے کبھی کچھ نہیں دیا، اب اس کے والدین اس سے خرچہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: مذکورہ بالا اخراجات جو زوجہ زید کے والدین نے اپنی لڑکی پر صرف کئے ہیں ان کے مطالبہ کا حق اس کے والدین کو نہیں ہے۔[3]

---

[1] فتاوئی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۲۹ [2] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۲ [3] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۳

خسر سے عدت کے نفقہ کا مطالبہ درست نہیں:

س: (م) شوہر (ز) اپنی زندگی میں اپنے باپ کے ساتھ اکٹھا رہتا تھا، اب بعد انتقال (م) کے (ز) اپنے خسر سے اپنے زمانہ عدت کے نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ نیز بعد وفات (م) (ز) کے لڑکا پیدا ہوا، اور پندرہ ماہ زندہ رہ کر فوت ہوگیا، اس کا پندرہ ماہ کا خرچ لے سکتی ہے یا نہیں؟

ج: زمنکوحہ م کی اپنے خسر سے مطالبہ نفقہ عدت وغیرہ کا نہیں کرسکتی، اگر م نے کچھ ترکہ مملوکہ اپنا چھوڑا ہے مہر اپنا اس ترکہ شوہری میں لے سکتی ہے، اور حصہ میراث اپنا اور اپنے پسر کی طرف سے جو اس کو پہنچا وہ لے سکتی ہے۔[1]

نفقہ اور سامان جہیز کا حکم:

س: زید نے ہندہ زوجۂ خود کو بوجہ تنہائی کے چھ برس سے اپنی خوشی سے اس کے میکے میں چھوڑ آیا، اور ایک ماہ کا نان نفقہ دے کر کہا کہ آئندہ اسی طرح دیتا رہوں گا، مگر بعد اس کے اس نے کچھ نہیں دیا، اور اب اس نے طلاق دیدی تو اب ہندہ اپنا مہر اور نان نفقہ میکے میں رہنے کی مدت کا اور بعد اس کے زمانہ عدت کا نان نفقہ اور سامان جہیز وغیرہ جو اس کے والدین نے دیا تھا پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

ج: اس صورت میں ہندہ اپنا مہر اور نفقہ والدین کے گھر رہنے کی مدت کا اور نفقہ عدت کا لینے کی مستحق ہے، شوہر سے مطالبہ اس کے لینے کا کرسکتی ہے، اور سامان جہیز جو اس کو والدین سے ملا ہے وہ اس کی مالک ہے اس کو بھی لے سکتی ہے **هكذا في كتب الفقه**۔[2]

زوجہ کا حق سکنیٰ:

س: زید نے زردین مہر کل معجل اپنی زوجہ کو ادا کردیا، مسماۃ ہندہ حقوق زوجیت ادا نہیں کرتی، اور بخانہ شوہر کے بھی آنے سے انکار کرتی ہے۔ اس صورت میں زید مسماۃ ہندہ زوجۂ خود کو بخانہ اپنے سکونت پذیر کر کے حقوق زوجیت ادا کرنے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں؟

ج: زید کو بیشک یہ حق ہے کہ اپنی زوجہ کو علیحدہ مکان میں رکھے اور زوجہ کے ذمہ اس کی اطاعت اور ادائے حق شوہری لازم ہے، ورنہ وہ عورت ناشزہ اور نافرمان ہے، فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ اگر زوجہ بے وجہ شوہر کے گھر نہ جائے تو نفقہ اس کا بذمہ شوہر نہیں رہتا۔[3]

بلا وجہ شوہر کے مکان میں عورت نہ جائے تو وہ شرعاً نافرمان ہے:

س: ایک شخص بہ مثبت اقرار نامہ بدیں الفاظ اپنی شادی کراتا ہے کہ میں اپنے خسر کے ہمراہ رہوں گا، اگر کسی قسم کی

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۴ [2] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۵ [3] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۸

ناچاقی ہوجائے تو مکان اسی محلہ میں کرایہ پر لے کر رہوں گا، اس شادی کو تین سال ہوگئے، ایک لڑکا بھی بعمر دو سال موجود ہے اب داماد اور خسر میں اتنا تنازعہ ہوگیا کہ نبھاؤ مشکل ہے، اس غرض سے داماد گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا، اور آئندہ اس محلہ میں رہنا نہیں چاہتا، دوسرے محلہ میں مکان کرایہ پر لیا ہے لڑکی اس مکان میں جانے سے انکار کرتی ہے، اس صورت میں لڑکی خاوند سے نان نفقہ پانے کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہ اور لڑکا اپنی ماں کے ہمراہ ہے؟[1]

ج: اگر عورت اس مکان میں شوہر کے ساتھ بلاوجہ نہ جائیگی، تو ناشزہ ہوگی، اور شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق نہ ہوگی **هكذا في الدر المختار** وغیرہ اور لڑکا ماں کے پاس ہی رہے گا۔

بچہ اور بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے:

س: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کا مہر ادا کردیا اور ہندہ کو اس کے والدین کے یہاں پہنچا دیا، ہندہ کے ہمراہ ایک چھوٹا بچہ ہے، زید نہ اس کی پرورش کرتا ہے اور نہ ہندہ کو نان نفقہ دیتا ہے، کوئی حق زوجیت ادا نہیں کرتا اور گھر رکھنے سے انکار کرتا ہے، اور طلاق بھی نہیں دیتا، اس صورت میں ہندہ کے گزر اوقات کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

ج: نالش کر کے شوہر سے نان ونفقہ مقرر کرائے یا وہ طلاق دے گا یا نفقہ دے گا، شریعت کا یہ حکم ہے کہ حاکم شوہر سے زبردستی نفقہ دلوائے۔[2]

والدین کا نفقہ اولاد کے ذمہ:

س: زید کے دو لڑکے ہیں زید اپنے لڑکوں سے کہتا ہے کہ تم اپنی کمائی میں سے میرا حصہ جدا کردو، شرعاً زید اور اس کی بیوی ضعیف ونادار ہیں، بیٹوں کے مال میں سے کچھ حصہ زید واس کی زوجہ کا ہے یا نہیں، لڑکے کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی قوت بازو سے کمایا ہے، آپ کا ہماری کمائی میں کچھ حصہ نہیں، کیا حکم ہے؟

ج: ماں باپ کا جبکہ محتاج وضعیف ونادار ہوں، ان کا نفقہ اولاد کے ذمہ واجب ہے، پس دونوں کے ذمہ ماں باپ کا خرچ لازم ہے بقدر حاجت پوشاک وخوراک کے لئے ان کو دیویں، اور کوئی حصہ علاوہ نفقہ کے لازم نہیں ہے، **ويجب على موسرٍ النفقة لاصوله الفقراء ملخصادر مختار۔**[3]

جب تک نکاح باقی ہے بیوی کو نفقہ کا حق حاصل ہے:

س: زید عرصہ چار سال سے افریقہ چلا گیا، اور اپنی منکوحہ عورت کو چھوڑ گیا تین سال تک اس نے اپنی منکوحہ کی خبر تک نہ لی، ناچار بمعرفت وکیل نان نفقہ کے لئے نوٹس دیا تو اس نے دوسو روپیہ بھیجدیا، اب سنا جاتا ہے کہ وہ اس جگہ خمر خواری میں مشغول ہے اور کوئی عورت بھی بغیر نکاح کے رکھی ہوئی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے وطن کو کبھی جانا ہی نہیں، اور نہ وہ اب خرچ دیتا ہے نہ آباد کرتا ہے نہ چھوڑتا ہے، ایسی صورت میں عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۸ [2] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۱۹ [3] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۴۱

ج: اقول وباللّٰہ التوفیق مذہب حنفیہ اس بارہ میں یہ ہے کہ بدون طلاق دینے شوہر کے اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج نہ ہوگی، نفقہ کے لئے حکام کی طرف رجوع کرے اور حکام شوہر کو مجبور کریں کہ عورت کی خبر گیری کرے اور نفقہ دے ورنہ طلاق دیدے، خود حاکم تفریق نہیں کراسکتا۔

((قال فی الدر المختار ولایفرق بینھما بعجزہ عنھا بانوا عھا الثلاثۃ ولا بعدم ایفائہ لوغائباً حقھا ولوموسراً وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتقررھا بغیبۃ ولوقضیٰ بہ حنفی لم ینفذ الخ والتحقیق فی الشامی))[1]

بیوی اپنے شوہر کو گھر میں آنے سے روکنے کا حق نہیں رکھتی:

س: اگر زوجہ اپنے شوہر کو خدا کا واسطہ دے کر یہ کہے کہ تو میرے پاس مت آ، یا اس گھر میں مت آ، حالانکہ گھر اس کے شوہر کا ہو، تو ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: زوجہ کو یہ حق نہیں کہ وہ شوہر کو اس کے گھر میں آنے سے روکے اور منع کرے، اور نہ شوہر کو اس میں عورت کا کہنا ماننا ضروری ہے، عورت کو کچھ اختیار نہیں ہے کہ وہ خدا کا واسطہ دے کر ایسا کہے اور اس کو یہ کہنا درست نہیں ہے۔[2]

مطلقہ جب اپنے باپ کے گھر چلی جائے تو عدت کا نفقہ نہیں ہے:

س: ایک شخص نے اپنی عورت کو تین دفعہ طلاق دیدی اور عورت اپنے خاوند کے گھر نہیں رہی اپنے والدین کے گھر پر چلی گئی، اب وہ عدت کا نفقہ طلب کرتی ہے، کیا وہ مستحق نفقہ کی ہے یا نہیں؟

ج: اگر عورت مطلقہ شوہر کے گھر سے چلی جائے اور عدت وہاں پوری نہ کرے تو نفقہ اس کا بذمۂ شوہر لازم نہیں ہے کذا فی الشامی۔[3]

شوہر کے خلاف ماں باپ کے یہاں رہ کر نفقہ کی مستحق نہیں:

س: ایک عورت بلا رضامندی شوہر اپنے والدین کے پاس رہ کر نان ونفقہ طلب کرتی ہے باوجودیکہ شوہر اس کو بلانے گیا اور وہ نہ آئی، آیا ایسی حالت میں وہ اپنا نان ونفقہ شرعاً پاسکتی ہے یا نہیں؟

ج: ایسی حالت میں عورت نان ونفقہ کی مستحق نہیں ہے جب تک وہ شوہر کے گھر نہ آئے گی اس کو نفقہ نہ ملے گا، البتہ اگر باجازت شوہر وہاں یعنی والدین کے گھر رہی یا کوئی وجہ شرعی اور عذر شرعی نہ آنے کا ہو تو اس وقت وہ نفقہ پاسکتی ہے۔[4]

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۲۲ [2] ایضاً۔ [3] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۲۴

[4] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۲۶

نافرمان بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں:

س: زید کے دو بیبیاں ہیں، پہلی بی بی سے آٹھ اولاد پانچ ذکور تین اناث، اور دوسری بی بی سے صرف ایک اولاد ذکور ہے، پہلی بی بی نہایت شریف وفادار خدمت گذار، فرمانبردار خوش اخلاق ونیک نفس ونیک بخت ہے، اور دوسری بی بی سخت بدخلق وبدزبان، بے وفا، باغی وسرکش ہے جو اپنے شوہر کی برائی، بدنامی وبربادی کی ہمیشہ خواہاں وجویاں رہتی ہے، اور ازوقت عقد تا ایندم شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہے، اگرچہ زید نے اس پر کبھی کسی قسم کی سختی وغیرہ نہیں کی، کیونکہ زید نہایت نیک نفس ونیک مزاج ہے، مگر وہ زوجہ اپنی اعزہ کی صلاح بدو نیز اپنی ذاتی وخلقی کج خلقی وسرکشی کی وجہ سے باوجودیکہ زید کی خواہش وفہمائش اور نصیحت وپند کی وہ اپنی سرکشی ونافرمانی سے باز نہیں آتی اور ساتھ نہیں رہتی تو ایسی صورت میں اس کا نان ونفقہ دینا زید پر واجب ہے یا نہ، اور کیا زید کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد اس سرکش وبیوفا زوجہ سے لے لے، اس معاملہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: ایسی عورت نافرمان کا نفقہ جو کہ شوہر کے پاس نہ جائے اور باوجود طلب شوہر کے جانے سے انکار کرے اور عدولِ حکمی شوہر کی کرے شوہر کے ذمہ سے ساقط ہے جیسا کہ درمختار میں ہے **لا نفقة لاحد عشر مرتدة الخ وخارجة من بيته بغير حق وهى الناشزة حتىٰ تعود۔** اور حق پرورش بچہ کا والدہ کو سات برس تک ہے، اب اگر وہ لڑکا سات برس کا پورا ہوگیا ہے تو اس کا باپ اس کو اس کی والدہ سے لے سکتا ہے، اور جب تک وہ لڑکا والدہ کے پاس رہے گا اس کا خرچہ باپ کو دینا ہوگا بشرطیکہ اس لڑکے کی ملک میں کچھ مال نہ ہو، اور اگر اس کے پاس مال ہے تو اس کے مال میں سے اس کا خرچ دیا جائے گا۔[1]

گذشتہ نفقہ بغیر قضائے قاضی واجب نہیں:

س: زید نے ہندہ کو یہ الفاظ کہے (ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور ہم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اگر اسی سال مذکورہ میں ہندہ نے قرض لے کر حوائج ضروریہ میں صرف کیا ہے تو ادا کی کیا صورت ہے؟

ج: کتب فقہ میں ہے کہ پچھلا نفقہ بدون قضاء یا رضاء کے شوہر کے ذمہ دین نہیں ہوتا، لہٰذا ماضی کا نفقہ شوہر سے وصول نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر وہ خوشی سے دیدے تو دوسری بات ہے، درمختار میں ہے **والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء اوالرضاء** الخ **فقط**[2]

گذشتہ چودہ سال کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں:

س: مسماۃ گجرا دختر فاطمہ کو اس کے شوہر کلن نے چودہ برس سے اپنے پاس نہیں رکھا اور نہ روٹی کپڑا دیا اور بار گجرا کا اس کی والدہ نے برداشت کیا، لہٰذا ایسی حالت میں چودہ برس کا خرچہ اور زرمہر شوہر کلن سے دلایا جائے گا یا نہیں؟

---

[1] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۲۶ [2] فتاوی دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۳۰

ج: درمختار میں ہے والنفقة لا تصير ديناً الا بالقضاء او الرضاء الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ گذشتہ کا نان ونفقہ عورت بلا قضاء یا رضاء کے نہیں لے سکتی اور مہر مؤجل کا مطالبہ بعد طلاق یا موت کے ہوسکتا ہے ابھی مطالبہ مہر کا شوہر سے نہیں ہوسکتا ہے۔[1]

غائب مفقود الخبر کے ذمہ بیوی کا نفقہ:

س: سلیمان کی شادی عائشہ کے ساتھ ہوئی، سلیمان شادی سے ایک ماہ بعد افریقہ چلا گیا جس کو ستائیس برس کا عرصہ ہوا، زوج نے افریقہ سے زوجہ کے لئے نان ونفقہ وخط نہیں بھیجا، مگر زوج کا افریقہ میں زندہ ہونے کا یقین ہے، زوجہ میں افریقہ جانے کی طاقت نہیں، زوجہ کا نفقہ کس کے ذمہ ہے، اور زوجہ کو دوسرا نکاح کرنا اس صورت میں درست ہے یا نہیں؟

ج: جب کہ سلیمان زندہ ہے اور مفقود الخبر بھی نہیں ہے تو بدون سلیمان کے طلاق دینے کے اس کی زوجہ عائشہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی اور نفقہ عائشہ کا ذمہ سلیمان کے واجب ہے کما في الدر المختار فتجب للزوجة على زوجه الخ ولو هي في بيت ابيها اذا لم يطالبها الزوج بالنقلة الخ به يفتى الخ فقط۔[2]

عنین کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے:

س: ایک شخص عنین نے دھوکہ دے کر ایک عورت باکرہ سے نکاح کیا اور خلوت اول میں وہ ہاتھ نہیں لگا سکا، کیا وہ نکاح جائز ہے اور عورت کو ایسے شخص پر حقوق زوجیت حاصل ہوں گے یعنی اس سے وہ مہر اور نان ونفقہ لے سکتی ہے اور اس کے ورثہ میں حصہ پاسکتی ہے اور درصورت علیحدگی عدت لازم آتی ہے یا نہیں؟

ج: یہ نکاح صحیح ہے، اور نفقہ زوجہ کا بذمۂ شوہر لازم ہے اور بعد خلوت کے اگر علیحدگی ہو تو پورا مہر بذمۂ شوہر لازم ہے اور عدت بھی واجب ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد وہ عورت حصہ پائے گی۔[3]

❀❀❀

---

[1] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۳۰ [2] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۳۰ [3] فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص ۱۳۱

عورتوں کا
بناؤ سنگھار کرنا

عورتوں کا بناؤ سنگھار کرنا

زینت کے لئے پیشانی کے بال چننا:

س: عورتوں کو زینت اور کشادگی کی غرض سے پیشانی ماتھے کے بال چننا اور مردوں کی طرح کا لباس پہننا کیسا ہے؟

ج: عورت کے سر کے بال حکم میں ویسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھی کے بال، جس طرح مردوں کو داڑھی چننا جائز نہیں اسی طرح عورت کو سر کے بال چننا جائز نہیں ہے، اور زینت اگر چہ عورتوں کے لئے جائز ہے۔ لیکن اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو بگاڑنا زینت نہیں ہے۔ اور عورتوں کو مردوں کی طرح کا لباس پہننا تشبیہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نصاب الاقساب میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ دیئے ہیں، انہوں نے فرمایا اُسے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ اور پھر ایسی حرکت نہ کرنا چاہئے۔ تو ان سے پوچھا گیا کہ اگر اس نے شوہر کی اجازت سے ایسا کیا ہو؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہئے۔

آپ سے پوچھا گیا اس کے عدم جواز کی کیا دلیل ہے، انہوں نے فرمایا مردوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے جائز نہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کے مشابہ بنتی ہیں ان پر خدا لعنت کرتا ہے۔

اس لئے عورتوں کے لئے سر کے بال اسی طرح ہیں جیسے مردوں کے لئے داڑھی، تو جس طرح مردوں کو داڑھی کتروانا درست نہیں اسی طرح عورت کو سر کے بال کاٹنا درست نہیں ہے۔[۱]

عورت کا بھنویں بنوانا شرعاً کیسا ہے:

س: میری ایک دوست یہ کہتی ہے کہ بھنویں بنانا گناہ کی بات نہیں ہے کیونکہ چھوٹے بچے کے بال آٹے سے رگڑ کر اتارے جاتے ہیں تو بڑے ہو کر بھنوؤں کے بال اتارنا غلط بات تو نہیں ہوئی؟

ج: حدیث شریف میں ایسی عورت پر لعنت آئی ہے پھر یہ گناہ کیوں نہ ہوگا۔

---

[۱] مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۹۵

((عن ابن عمرؓ قال لعن النبی ﷺ الواصلة والمستوصلة والو اشمة والمستوشمة))

(صحیح بخاری ص۸۷۹ ج۲)

ترجمہ: ''حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر اور جسم گوندنے اور گوندوانے والی پر''۔

عورتوں کا فیشن کے لئے بال اور بھنویں کٹوانا:

س: کیا شریعت میں جائز ہے کہ عورتیں اپنی بھنویں بنائیں اور دوسروں کو دکھائیں اور اصلی بھنویں منڈوا کر سرمہ یا کسی اور کالی چیز سے نقلی بنائیں یا کچھ کم وبیش بال رہنے دیں۔

آج ملک بھر میں کم از کم میرے خیال کے مطابق ۷۵ فیصد پڑھی لکھی عورتیں بال کٹوا کر گھوم رہی ہیں، اور ان کے سروں پر دوپٹے نہیں ہوتے اگر کسی کے پاس دوپٹہ ہو بھی تو گلے میں رسی کی مانند ڈالا جاتا ہے، اور اگر ان سے کہیں کہ یہ اسلام میں جائز نہیں تو جواب ملتا ہے کہ اب ترقی کا دور ہے اس میں سب کچھ جائز ہے، اور پھر مرد بھی تو بال کٹواتے ہیں، اور ہم مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں اور مغربی لوگ بھی تو بال کٹواتے ہیں جو ہم سے زیادہ ترقی کر چکے ہیں؟

ج: اس مسئلہ کا حل واضح ہے کہ ایسی عورتوں کو نہ خدا اور رسول کی ضرورت ہے نہ دین اسلام کی، ان کو ''ترقی'' کی ضرورت ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اس کو ہر کام میں اللہ ورسول کے حکم کو دیکھنا لازم ہے۔

س: میرے چہرے اور بازوؤں پر کافی گھنے بال ہیں کیا ان بالوں کو صاف کرسکتی ہوں اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

ج: صاف کرسکتی ہیں۔

س: میری بھنویں آپس میں ملی ہوئی ہیں میں بھنویں تو نہیں بناتی ہوں مگر بھنویں الگ کرنے کے لئے درمیان سے بال صاف کردیتی ہوں کیا میرا یہ عمل درست ہے؟

ج: یہ عمل درست نہیں۔

س: اکثر جب بال بڑھ جاتے ہیں تو ان کی دو نوکیں نکل آتی ہیں جن کی وجہ سے بال جھڑنے لگتے ہیں ایسی صورت میں بالوں کی نوکیں کاٹنا کیا گناہ ہے؟

ج: اس صورت میں نوکیں کاٹنے کی اجازت ہے۔

عورت کو پلکیں بنوانا کیسا ہے:

س: لڑکیاں جو آج کل پلکیں بناتی ہیں کیا یہ جائز ہے اور میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ عورت کو جسم کے ساتھ لوہا لگانا حرام ہے کیا یہ درست ہے؟

ج: پلکیں بنانے کا فعل جائز نہیں آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے بنانے والی پر بھی اور بنوانے والی پر بھی۔

((عن ابی ریحانة قال نهی رسول اللهﷺ عن عشر عن الوشروا لوشم والنتف...... (رواه ابوداؤدوالنسائی)(مشکوٰۃ ص۳۷۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوریحانہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے بالوں کے ساتھ بال جوڑنے سے جسم پر گندوانے سے اور بال نوچنے سے الخ.....''

چہرے اور بازوؤں کے بال کاٹنا عورت کے لئے کیسا ہے:

س: کیا خواتین کے لئے چہرے، بازوؤں اور بھنوؤں کے درمیان کا رواں صاف کرنا گناہ ہے؟ جواب مدلل دیجئے گا؟

ج: محض زیبائش کے لئے تو فطری بناوٹ کو بدلنا جائز نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بال نوچنے اور نچوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے (مشکوٰۃ شریف ص۳۸۱) البتہ اگر عورت کے چہرے پر غیر معتاد بال اگ آئیں تو ان کے صاف کرنے کی فقہاء نے اجازت لکھی ہے اسی طرح جن بالوں سے شوہر کو نفرت ہو ان کے صاف کرنے کی بھی اجازت دی ہے (ردالمحتار **کتاب الحظر والاباحة**) (مگر اس سے سر کے بال کٹوانے کی اجازت نہ سمجھ لی جائے)۔

س: کیا بڑھتے ہوئے ناخن مکروہ ہوتے ہیں؟

ج: جی۔

عورت کو سر کے بالوں کی دو چوٹیاں بنانا کیسا ہے:

س: مسئلہ یوں ہے کہ میں کالج کی طالبہ ہوں اور اکثر دو چوٹی باندھ لیتی ہوں لیکن ایک دن میری سہیلی نے مجھے بتایا کہ دو چوٹی کا باندھنا سخت گناہ ہے اور مجھے قبر کے مردے کا حال بتایا کہ جس کے پیروں کے انگوٹھے میں بال بندھ گئے تھے۔ میں نے تصدیق کے لئے اپنی خالہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی کہا کہ یہ گناہ ہے اور مزید یہ بھی بتایا کہ میک اپ کرنا، ٹائیٹ کپڑے اور فیشن ایبل کپڑے پہننا بھی گناہ ہے اور ساتھ میں وہی واقعہ جو کہ میری سہیلی نے سنایا تھا، سنا اس دن سے آج تک میں دو چوٹی نہیں باندھتی لیکن میری دوسری سہیلی کا کہنا ہے کہ یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں وہ اصرار بھی کرتی ہے کہ میں دو چوٹی باندھوں۔ برائے مہربانی مجھے اسی ہفتہ کے صفحہ میں جواب دے کر اس پریشانی سے نجات دلائیں۔ میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔

ج: اس مسئلہ میں ایک اصولی قاعدہ سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمان کو ایسی وضع قطع اور لباس کی ایسی تراش خراش کرنے کی اجازت نہیں جس میں کافروں یا فاسقوں اور بدکاروں کی مشابہت پائی جائے۔ اگر کوئی شخص (خواہ مؤمن مرد ہو یا عورت) ایسا کرے گا تو اس کو کافروں کی شکل وصورت محبوب ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی موجب ہے۔ دو چوٹیوں کا فیشن بھی غلط ہے۔

بیوٹی پارلرز کی شرعی حیثیت:

س: (الف) ہمارے شہر کراچی میں بیوٹی پارلرز کی بہتات ہے، اسلام میں ان بیوٹی پارلرز کے بارے میں کیا احکام ہیں؟ شہر کے مصروف کاروباری مراکز میں مرد کاروباری حضرات کے ساتھ بیوٹی پارلرز کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ برائے مہربانی شرع کے لحاظ سے ان بیوٹی پارلرز کیلئے کیا حکم ہے۔تحریر کریں؟ کیا مرد اور عورت ساتھ ساتھ کاروبار کر سکتے ہیں؟

(ب) کیا خواتین کا بیوٹی پارلرز کا کام سیکھنا اور اس کو بطور پیشہ اپنانا اسلام میں جائز ہے؟

(ج) بیوٹی پارلرز میں جس انداز سے خواتین کا بناؤ سنگھار کیا جاتا ہے کیا وہ اسلام میں جائز ہے؟ کیونکہ بیوٹی پارلرز سے واپس آنے کے بعد عورت اور مرد میں فرق معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے بیوٹی پارلرز میں خواتین کے بال جس انداز سے کاٹے جاتے ہیں کیا وہ شرع کے لحاظ سے جائز ہیں؟

(د) بعض بیوٹی پارلرز کی آڑ میں لڑکیاں سپلائی کرنے کا کاروبار بھی ہوتا ہے شرع کے لحاظ سے ایسے کاروبار کیلئے کیا حکم ہے۔جس سے ملک میں فحاشی پھیلنے لگے؟

ج: خواتین کو آرائش وزیبائش کی تو اجازت ہے۔ بشرطیکہ حدود کے اندر ہو۔لیکن موجودہ دور میں بیوٹی پارلرز کا جو'پیشہ' کیا جاتا ہے اس میں چند در چند قباحتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے یہ پیشہ حرام ہے اور وہ قباحتیں مختصراً یہ ہیں۔

اول-بعض جگہ مرد اس کام کو کرتے ہیں اور یہ خالصتاً بے حیائی ہے۔

دوم-ایسی خواتین بازاروں میں حسن کی نمائش کرتی پھرتی ہیں۔ یہ بھی بے حیائی ہے۔

سوم-جیسا کہ آپ نے نمبر ۳ میں لکھا ہے بیوٹی پارلر سے واپس آنے کے بعد مرد وعورت اور لڑکے اور لڑکی میں امتیاز مشکل ہوتا ہے۔ حالانکہ مرد کا عورتوں اور عورت کا مردوں کی مشابہت کرنا موجب لعنت ہے۔

چہارم-جیسا کہ آپ نے نمبر ۴ میں لکھا یہ''مراکز حسن''فحاشی کے خفیہ اڈے بھی ہیں۔

پنجم-عام تجربہ یہ ہے کہ ایسے کاروبار کرنے والوں کو (خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں) دین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا ہے۔اس لئے یہ ظاہری زیبائش باطنی بگاڑ کا ذریعہ بھی ہے۔

عورتوں کا بال کاٹنا شرعاً کیسا ہے:

س: کیا کٹے ہوئے بالوں اور باریک دوپٹوں جیسے کہ آج کل چل رہے ہیں۔ جارجیٹ وغیرہ کے دوپٹے ان میں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ کٹے ہوئے بالوں کا بھی بتائیں کیونکہ آج کل زیادہ تر لڑکیوں کے بال کٹے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑتی ہیں؟

ج: عورتوں کو سر کے بال کاٹنا جائز نہیں بال کاٹنے کا گناہ الگ ہوگا مگر نماز ہوجائے گی، سر کا دوپٹہ اگر ایسا باریک ہے کہ اندر سے بدن نظر آتا ہے تو اس سے نماز نہیں ہوگی۔

بغیر عذر عورت کو سر کے بال کاٹنا مکروہ ہے:

س: میرے سر کے بالوں کے سرے پھٹ جاتے ہیں جس سے بال بڑھنا بھی رک جاتے ہیں، اور بال بدنما بھی معلوم ہوتے ہیں، جس کے لئے بالوں کو ان کے سروں پر سے تراشنا پڑتا ہے تاکہ تمام لٹیں برابر رہیں اور پھٹے ہوئے سرے بھی ختم ہو جائیں۔ کیا بالوں کی حفاظت کے نظریئے سے ان کو کبھی کبھار ہلکا سا تراش لینا جائز ہے؟

ج: بغیر عذر کے عورت کو سر کے بال کاٹنا مکروہ ہے۔ آپ نے جو عذر لکھا ہے یہ کافی ہے یا نہیں۔ مجھے اس میں تردد ہے۔ دیگر اہل علم سے دریافت کر لیا جائے۔

خواتین کا نائن سے بال کٹوانا:

س: اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام میں خواتین کا بال کٹوانا جائز نہیں کیا خواتین کا نائن سے بال کٹوانا جائز ہے؟

ج: خواتین کو سر کے بال کٹانا مطلقاً ناجائز ہے خواہ عورت ہی سے کٹائیں اور اگر کسی نامحرم سے کٹائیں گی تو دوہرا جرم ہوگا۔

عورتوں کو بال چھوٹے کروانا موجب لعنت ہے:

س: آج کل جو عورتیں اپنے سر کے بال فیشن کے طور پر چھوٹے کرواتی یا لڑکوں کی طرح بہت چھوٹے رکھتی ہیں۔ ان کے لئے اسلام میں کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

ج: حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں"۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۰ بحوالہ بخاری) یہ حدیث آپ کے سوال کا جواب ہے۔

((عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ لعن اللّٰہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال)) (مشکوٰۃ ص ۳۸۰)

ترجمہ: "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر"۔

عورت کو آڑی مانگ نکالنا:

س: میں نے اکثر بڑی بوڑھی خواتین سے سن رکھا ہے کہ لڑکیوں یا عورتوں کو آڑی مانگ نکالنا اسلام کی رو سے جائز نہیں۔ وہ اس لئے کہ جب عورت کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے بالوں کی بیچ سے مانگ نکالی جاتی ہے۔ اور آڑی مانگ نکال نکال کر عادت ہو جاتی ہے اور پھر بیچ کی مانگ نکالنے میں مشکل ہوتی ہے۔ آپ فرمایئے قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا یہ بات درست ہے؟

ج: ٹیڑھی مانگ نکالنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں اس کا رواج گمراہ قوموں کی تقلید سے ہوا ہے۔ اس لئے یہ واجب الترک ہے۔

کیا عورتوں کو زیبائش کی اجازت ہے؟:

س: آجکل کاسمیٹک (میک اپ) پاکستان میں عام ہے اور اس سلسلے میں ہم یورپ سے مقابلہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کروڑوں روپے ہم ان اشیاء کیلئے زرمبادلہ کی صورت میں خرچ کرتے ہیں اور اب حال یہ ہے کہ گھریلو بجٹ میں ایک کثیر رقم صرف میک اپ کے لوازمات کیلئے رکھتے ہیں۔ یہ سب اشیاء یورپین ملکوں سے آتی ہیں۔ اس میں روغن، چکنائی کا عنصر لازمی جزو ہے۔ جبکہ یہ ممالک ''سور'' کا استعمال آزادانہ کرتے ہیں اور اس میں ہر چیز کو عام اور مخصوص طریقے پر استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے پاکستانی بھائی بہن یورپ کی بنی ہوئی اشیاء خصوصاً (میک اپ) بڑے فخر سے استعمال کرتے ہیں بلکہ اگر یہ کہوں کہ اس کے لئے باقاعدہ ٹائم ٹیبل کے ساتھ ماہرین کی خدمات، جب تک اہل خانہ خود اس میں ماہر نہ ہو جائیں، حاصل کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہم لوگ اس احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہیں اسلام نے خوش پوشی کی تعلیم دی ہے۔ عورتوں کے لئے بناؤ سنگھار کے لئے ایک خصوصی حد مقرر کی ہے خوشبویات مسلمانوں کے لباس کا ایک حصہ ہیں۔ پھر ایسا کیوں ہے؟ یہ وبا کہاں سے پھوٹتی ہے؟ اور پاکستان میں اس کا منبع یا مارکیٹ کہاں ہے اور پھر ان کے اشتہارات ٹی وی، ریڈیو، سینما گھر پر کیوں ہوتے ہیں؟ ارباب حکومت اسکا نوٹس کیوں نہیں لیتے؟ ایک طرف اسلامی نظام لانے کی بات ہو رہی ہے۔ دوسری طرف غیر ملکی اشتہارات کی بھرمار ہے۔ اہل علم، اہل قلم اور دوسرے اکابرین ملت اس پر لکھیں۔ بات کریں سمجھیں سمجھائیں اور ہر کوشش کریں یہ ایک اپیل ہے۔ خدا کامیاب فرمائے۔

ج: آپ کے جذبات لائق قدر ہیں، عورتوں کو زیب وزینت کی اجازت ہے مگر اس کا بھی کوئی سلیقہ ہونا چاہئے، مگر ہمارے یہاں زیبائش وآرائش میں جو غلو کیا جاتا ہے یہ لائق اصلاح ہے، ایک غریب خاندان، غریب معاشرہ اور غریب ملک کے لئے یہ چونچلے کسی طرح بھی زیب نہیں دیتے۔ جتنا زرمبادلہ ان لغویات پر صرف کیا جاتا ہے اس کو ملک کی فلاح وبہبود اور ترقی پر خرچ کیا جا سکتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں میں دین تو کمزور ہوا ہی تھا۔ عقل وتدبیر کی کمزوری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ اجتماعی سوچ تو بالکل ہی مفقود ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ مار کھاتے ہیں۔

لڑکیوں کے بڑے ناخن:

س: لڑکیوں کو ناخن لمبے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: شرعی حکم یہ ہے کہ ہر ہفتہ نہیں تو پندرھویں دن ناخن اتار دے، اگر چالیس روز گزر گئے اور ناخن نہیں اتارے تو گناہ ہوا۔ یہ ہی حکم ان بالوں کا ہے جن کو صاف کیا جاتا ہے۔ اس حکم میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔

عورتوں کیلئے **بلیچ** کریم کا استعمال جائز ہے:

س: سوال یہ ہے کہ عورتوں کے منہ پر کالے بال ہوتے ہیں۔ جس سے منہ کالا لگتا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے مونچھیں نکلی

ہوئی ہوں اس کے لئے ایک کریم آتی ہے جس کو لگانے سے بال جلد کی رنگت جیسے ہو جاتے ہیں اور لگتا نہیں ہے کہ چہرے پر بال ہوں۔ اس کو بلیچ کرنا کہتے ہیں تو کیا اس طرح بال کے رنگ کو بدلنے سے گناہ ہوتا ہے؟ اگر چہرہ سفید ہو اور بال کالے ہوں تو چہرہ برا لگتا ہے اس لئے لڑکیاں اور عورتیں بلیچ کرتی ہیں تو کیا یہ کرنا گناہ ہے؟

ج: عورتوں کے لئے چہرے کے بال نوچ کر صاف کرنا یا ان کی حیثیت تبدیل کرنا جائز ہے۔

بال صفا پاؤڈر مردوں کو استعمال کرنا:

س: غیر ضروری بالوں کو دور کرنے والا پاؤڈر جو ہے آیا یہ صرف خواتین استعمال کریں یا کہ اس کو مرد حضرات بھی زیر استعمال لا سکتے ہیں؟

ج: مردوں کے لئے اس کا استعمال مکروہ اور نامناسب ہے۔

بالوں کی صفائی:

س: پاکیزگی کتنے دن میں لیوے، مسنون و بہتر کیا ہے؟

ج: افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن صفائی حاصل کرے، یعنی ناخن تراشے، زیر ناف اور بغل کے بال کی صفائی کے بعد غسل کرے۔ زیر ناف اور بغل کے بال کی پاکیزگی ہر ہفتہ نہ کر سکے تو پندرہ بیس دن میں کرے، انتہائی مدت چالیس دن ہے۔ چالیس روز گزر جائیں اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔ فتاوی شامی میں ہے۔

((ویستحب (حلق عانة وتنظیف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والافضل یوم الجمعة، وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکه وراء الاربعین (قوله وکره ترکه) ای تحریما۔ بقول المجتبی، ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔))[1]

ترجمہ: اور زیر ناف بال صاف کرنا اور اپنا بدن غسل کے ذریعہ پاک صاف کرنا ہر ہفتہ میں ایک بار مستحب ہے اور جمعہ کا دن صفائی کے لئے افضل ہے۔ اور پندرہ دن میں ایک مرتبہ صفائی کرنا جائز ہے۔ اور چالیس دن سے زیادہ زیر ناف بالوں کی صفائی اور غسل نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ چالیس دن کے بعد اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا، اور وعید کا مستحق ہوگا۔

((وعن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ کان یأخذ اظفاره ویحفی شاربه کل جمعة۔ ویحلق العانة فی عشرین یوماً، وینتف الابط فی اربعین یوماً))

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے اور بیسویں روز زیر ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۴۰۵)[2]

---

[1] درمختار ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب الحظر، باب البیع [2] فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۲۳۹

نیل پالش لگی ہونے سے غسل اور وضو نہیں ہوتا:

س: آج کل خواتین خصوصاً وہ خواتین جو اس دور میں تھوڑی سی یہ کوشش کرتی ہیں کہ دنیا والوں کے ساتھ چل سکیں۔ تھوڑا بہت فیشن کر لیتی ہیں مثلاً نیل پالش وغیرہ لگا لیتی ہیں۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ نیل پالش لگانے سے وضو ہو جاتا ہے؟ نماز اس سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا وضو کے بعد نیل پالش لگا کر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ کیونکہ سنا یہ ہے کہ نیل پالش لگانے سے وضو نہیں ہوتا۔ جب وضو نہیں ہوگا تو انسان پاک کیسے ہوسکتا ہے؟ لہٰذا اس سوال کا جواب مہربانی فرما کر دیجئے کیونکہ بہت دنوں سے مجھے یہ الجھن رہنے لگی ہے کہ نیل پالش لگا کر نماز ادا نہیں کی جاسکتی یا اس کی وجہ سے انسان ناپاک ہو جاتا ہے تو وہ کیا وجوہات ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان ناپاک ہو جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

ج: وضو میں جن اعضاء کا دھونا ضروری ہے اگر ان پر ایسی چیز لگی ہوئی ہو جو پانی کو جسم کی کھال تک پہنچنے سے روکے تو وضو نہیں ہوتا۔ یہی حکم غسل کا ہے۔ نیل پالش لگی ہوئی ہو تو پانی ناخن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے نیل پالش لگی ہوئی ہونے کی صورت میں وضو اور غسل نہیں ہوتا۔ عورتیں فیشن کے طور پر نیل پالش اور سرخی لگاتی ہیں' حالانکہ ان چیزوں سے عورت کے حسن و زیبائش میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ذوق سلیم کو یہ چیزیں بدمذاقی معلوم ہوتی ہیں' اور جب ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی توفیق بھی سلب ہو جائے تو ان کا استعمال کسی سلیم الفطرت مسلمان کو کب گوارا ہوسکتا ہے؟ عورتوں کو زیب و زینت کی اجازت ہے مگر اس کا بھی کوئی سلیقہ ہونا چاہئے، یہ تو نہیں کہ جس چیز کا بھی فیشن چل نکلے آدمی اس کو کرنے بیٹھ جائے۔

کیا سرمہ آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہے:

س: ہم نے بزرگوں سے سنا ہے آنکھوں میں سرمہ لگانا سنت ہے، جبکہ ٹی وی کے ایک پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ علم طب میں سرمہ لگانا نقصان دہ ہے۔ اگر یہ واقعی سچ ہے اور حضور اکرم ﷺ کے نزدیک بھی سرمہ لگانا اچھی بات ہے اور وہ واقعی سنت ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا فعل کیسے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ برائے مہربانی اس بارے میں بھی بتائیں۔

ج: سرمہ لگانا بلاشبہ سنت ہے' ڈاکٹر صاحب کی نئی تحقیق تجربہ کی روشنی میں غلط ہے' کاش ڈاکٹر صاحب لوگوں کو بتائیں کہ ٹی وی کی شعاعیں آنکھوں کیلئے کس قدر نقصان دہ ہیں۔

عورتوں کا کان' ناک چھدوانا:

س: قرآن وسنت کی روشنی میں بتایئے کہ لڑکیوں کے کان ناک چھدوانے کی رسم کہاں تک ثابت ہے؟ یا یہ محض ایک رسم ہے۔

ج: خواتین کو بالیاں وغیرہ پہننا جائز ہے اور اس ضرورت کے لئے کان ناک چھدوانا بھی جائز ہے۔

کیا جوان مرد کا ختنہ کروانا ضروری ہے:

س: اگر کسی مسلمان بچہ کا ختنہ کسی بناء پر (جو وہ خود ہی جانتے ہوں) والدین نے نہ کرایا تو کس کو گناہ ہوگا؟

(۱) ختنہ کے لئے کیا کرنا پڑے گا؟

(۲) کیا وہ مسلمان ہوگا یا نہیں یعنی کہ عام مسلمان کی طرح؟

ج: ختنہ کرنا صحیح قول کے مطابق سنت اور شعار اسلام ہے' اگر والدین نے بچپن ہی میں نہیں کرایا تو والدین کا یہ تساہل لائق ملامت ہے' مگر خود اس شخص پر ملامت نہیں' جوان ہونے کے بعد بھی اگر یہ شخص تحمل رکھتا ہے تو اس کو کرالینا چاہئے اور اگر تحمل نہیں تو خیر معاف ہے۔ اور آج کل تو سرجری نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ ختنہ کے ناقابل تحمل ہونے کا سوال ہی نہیں۔ باقی ختنہ نہ ہونے کے باوجود بھی یہ شخص مسلمان ہے' جبکہ یہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام کو دل و جان سے مانتا ہے۔

کیا بچے کے پیدائشی بال اتارنے ضروری ہیں:

س: سنا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے جسم کو پاک کیا جاتا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ اس کے بال بھی جب تک پورے سر سے صاف نہ کردیں بالوں میں غلاظت رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے بالوں کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہوجاتا ہے جسے پھر دھونا ضروری ہوجاتا ہے تو کیا یہ بات صحیح ہے اور اگر کسی بچی (عورت) کے بال بچپن میں نہ صاف ہوئے ہوں اور وہ لڑکی ۵-۶ سال کی ہوجائے یہ ایسی عمر ہے جس میں بالوں سے گنجا کرنا برا مانا جاتا ہے تو پھر ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

ج: پیدائش کے بعد بچے کو نہلایا جاتا ہے اس نہلانے سے اس کے بال بھی پاک ہوجاتے ہیں البتہ پیدائشی بال اتار دینا سنت ہے۔

جسم پر گودنا شرعاً کیسا ہے:

س: موجودہ دور میں یہ ایک طریقہ معاشرہ میں رائج ہوا ہے کہ لوگ مصنوعی مشین سے ہاتھوں پر نام لکھتے ہیں یا کسی درندہ یا درخت کی تصویر بناتے ہیں کیا اس پر کچھ گناہ بھی ملتا ہے اور اس کے ساتھ وضو ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

ج: بدن گودنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

((ان رسول اللہ ﷺ .... لعن الواشمة والمستوشمة)) (صحیح بخاری ص۸۷۹ ج۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے جسم گودنے والی اور جسم گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

عورت کو مردوں والا روپ بنانا:

س: ہمارے خاندان میں ایک عورت ہے جس نے بچپن سے مردانہ چال ڈھال اختیار کی ہے' مردانہ لباس پہنتی ہے' مردوں جیسے بال رکھتی ہے' الغرض خود کو مرد کہتی ہے اور اگر خاندان کا کوئی مرد اس کو عورت کہتا ہے تو جھگڑا کرتی ہے' اس کے علاوہ یہ عورت روزے اور نماز سخت پابندی سے ادا کرتی ہے' اور خود کو لوگوں کے سامنے ایک دیندار اور صحیح مرد پیش کرتی ہے' اور حقیقت میں وہ دیندار بھی ہے' آپ مجھے بتائیں کہ کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے اس عورت کی عمر اب چالیس سال

کے برابر ہوگی؟

ج: عورت کو مرد کی اور مرد کو عورت کی مشابہت حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے:

((عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ ﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔)) (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

سیاہ خضاب اس نیت سے لگانا کہ لوگ اسے جوان سمجھیں:

س: میں نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' کے مطالعہ کے دوران پڑھا ہے کہ مرد حضرات کا داڑھی کو خضاب اس نیت سے لگانا کہ لوگ انہیں جوان سمجھیں بہت سخت گناہ ہے' اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص داڑھی کو خضاب لگاتا ہے کہ جوان نظر آئے اس کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ پہلے پہل داڑھی میں خضاب فرعون نے لگایا تھا۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے سفید بالوں کی بزرگی دی ہے یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر تفصیل بیان فرمائیں قرآن وسنت کی روشنی میں کیونکہ میرے کچھ بزرگ ایسا کرتے ہیں اور میں ان کی بزرگی کے باعث ان کو منع نہیں کرسکتا' مبادا وہ اس کو اپنی شان میں گستاخی سمجھیں' ویسے بھی یہ وباعام ہوگئی ہے۔ میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے داڑھی میں مہندی لگانے کی اجازت ہے' کیونکہ جنگ احد میں حضور ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا مگر خضاب لگانا بہت سخت گناہ ہے۔

ج: امام حجۃ الاسلام غزالیؒ نے جو مسئلہ لکھا ہے کہ وہ صحیح ہے سیاہ خضاب کرنا اکثر علماء کے نزدیک ناجائز ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

((عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ)) (ابوداؤد ص ۲۲۶ ج ۲)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا آخری زمانے میں لوگ اس سیاہی سے خضاب لگائیں گے ان کی مثال کبوتر کے پوٹے کی طرح ہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے''۔

سر کے بال گوندنے کا شرعی ثبوت:

س: ۲۵ جولائی تا ۳۱ جولائی کے اخبار جہاں ''کتاب وسنت کی روشنی میں'' ''عورت کے کھلے سر کے بال'' پڑھا اس دن سے ہم عجیب شش وپنج میں مبتلا ہیں کیونکہ ہم تو بچپن سے یہ سنتے آرہے ہیں کہ بال باندھ کر رکھنا چاہئیں اور ۸ تاریخ کے

''آپ کے مسائل اور ان کے حل'' میں بھی آپ نے عالیہ امیر کے سوال کے جواب میں صرف یہ لکھا ہے کہ دو چوٹیوں کا فیشن برا ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ چوٹی باندھنا ہی برا ہے۔ کیونکہ اس مراسلہ سے تو ہم یہ بھی مطلب اخذ کر سکتے ہیں کہ چوٹی باندھنا ہی برا ہے۔ وہ کچھ یوں تھا۔

جو احادیث شریف ذیل میں تحریر کر رہی ہوں۔ ان کی رو سے عورت کو چٹیا' گت' جوڑا یا چونڈا رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے بالوں کو جوڑنے والے اور جوڑنے والی پر لعنت کی ہے۔ احادیث شریفہ یہ ہیں: نمبر ۸۷۴' ۸۷۵' ۸۷۶' ۸۷۷ (منقول از جلد سوئم صحیح بخاری شریف)

آج کل بالوں کا جو فیشن ہے' کیا وہ شرعی حیثیت رکھتا ہے' ان احادیث شریف کی رو سے عورت کے بال کھلے ہوئے کمر اور شانوں پر پڑے ہونے چاہئیں۔ حافظ صاحب یہ مسئلہ بہت اہم ہے' آپ وضاحت کر کے شکوک رفع کریں۔ حافظ صاحب کا جواب یہ تھا'' آپ نے کافی وضاحت کر دی ہے۔ اب ہماری وضاحت کی ضرورت نہیں''۔

اب ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ ذرا وضاحت سے جواب دیں کیونکہ اس جواب سے ہماری تشفی نہیں ہوئی ہے۔ ویسے ہم نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی ہمارے گھروں میں زیادہ تر خواتین بال باندھ کر ہی رکھتی ہیں تو یہ بال باندھنے کا فیشن کہاں سے مسلمانوں میں آ گیا کیونکہ اس لحاظ سے تو ہم ایک طرح سے گناہ میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ایسے لوگوں پر۔ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور مسلمان خواتین کو سیدھا راستہ دکھائیں۔

ج: عورتوں کے سر کے بال گوندھنا نہ صرف جائز بلکہ امہات المومنین اور صحابیاتؓ کی سنت ہے صحیح مسلم (ص ۱۴۹، ج ۱) میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کی حدیث ہے۔

((عن ام سلمة قالت يارسول الله انى امرأة اشد ضفر رأسى افانقضه لغسل الجنابة قال لا انما يكفيك ان تحثى علىٰ راسك ثلاث حثيات ثم تفيضين عليك المآء فتطهرين))

(صحیح مسلم ص ۱۴۹ ج ۱)

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں سر کے بال گوندتی ہوں۔ کیا غسل جنابت کے لئے مجھے سر کے بال کھولنے چاہئیں؟ فرمایا' نہیں! بس اتنا ہی کافی ہے کہ سر پر تین چلو پانی ڈال لیا کرو (جن سے بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں) پھر پورے بدن پر پانی بہا لیا کرو''۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۹' ج ۱)

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم فرمایا تھا سر کے بال کھول لو اور کنگھی کر لو۔

((عن عبيد بن عمير قال بلغ عائشة ان عبدالله بن عمر يأمر النساء اذا اغتسلن ان ينقضن

رءوسھن فقالت یا عجبا لابن عمر هذا یأمر النساء اذا اغتسلن))(صحیح مسلم ص۱۵۰ ج۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ غسل کے لئے اپنے گندھے ہوئے بال کھول لیا کریں۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا' ابن عمر پر تعجب ہے وہ عورتوں کو غسل کے لئے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ سر کے بال مونڈ لیں''۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امہات المؤمنین اور صحابیات کے سر گندھے ہوئے ہوتے تھے۔ اخبار جہاں کی مراسلہ نگار نے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے ان کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں' وہ ایک دوسرے مسئلہ سے متعلق ہیں جاہلیت کے زمانے میں دستور تھا کہ جن عورتوں کے سر کے بال کم ہوتے وہ اوپر سے بال جوڑ لیتی تھیں تا کہ ان کے بال زیادہ ہو جائیں اور بعض عورتیں بال جوڑنے کے اس فن میں مہارت رکھتی تھیں۔ ایسی عورتوں پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جو سر کے بال زیادہ کرنے کے لئے اوپر سے بال جڑوائیں یا جوڑیں۔

کیا نو مسلم کا ختنہ ضروری ہے:

س: ایک آدمی جس کی عمر تقریباً ۵۰ سال ہے پہلے وہ عیسائی تھا اب وہ اللہ کے فضل و کرم سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ہے' چونکہ وہ پہلے غیر مسلم تھا اس نے ختنہ نہیں کروایا۔ اب وہ مسلمان ہے۔ اب اس کے لئے ختنہ کروانا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

ج: ختنہ کا حکم تو بڑی عمر کے شخص کیلئے بھی ہے شرط یہ ہے کہ وہ اس کا متحمل ہو اگر اس کا متحمل نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ختنہ کا حکم کب ہوا:

س: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ایک کتاب کا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا نے لکھا کہ حضرت ابراہیم کی ختنہ ننانوے سال کی عمر میں ہوئی تو پھر انہوں نے اپنی اولاد کو اس امر کا حکم فرمایا۔ آیا اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ نہیں۔ بہر حال اب آپ برائے مہربانی ذرا وضاحت سے اس مسئلہ کو بیان فرمائیں؟

ج: جب سب سے پہلے یہ حکم حضرت ابراہیمؑ کو ہوا تو ظاہر ہے کہ اس سے پہلے حکم نہیں ہوگا' آپ کو اس میں اشکال کیا ہوا۔

اخلاقِ حسنہ کا بیان

حدیث: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ مؤمن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں رات نماز میں کھڑے رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پا لیتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱، از ابوداؤد)

تشریح:

اچھی خصلت وعادت جسے نصیب ہو جائے تو اسے دنیا اور آخرت کی خیر مل گئی، اچھے اخلاق کا اللہ جل شانہ کے یہاں بہت وزن ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے، کہ ''قیامت کے دن سب سے زیادہ بھاری چیز جو مؤمن کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔'' لفظ ''اچھے اخلاق'' کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کی تشریح میں ہزاروں صفحات کی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق کے حقوق واجبہ ادا کرنا چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کا اکرام کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے محفوظ رکھنا، اور آگے پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لئے پسند کرے دوسروں کے لئے وہی پسند کرنا، مشورہ صحیح دینا، بدزبانی سے بچنا، حیاء اور شرم اختیار کرنا، مخلوق کی حاجتیں پوری کرنا، سب کے ساتھ خوبی کا برتاؤ کرنا، بے جا غصہ نہ کرنا حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا، یہ اور اسی طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جن کو حسن اخلاق کا مفہوم شامل ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سب سے بہتر کیا چیز ہے جو انسان کو عطا کی گئی، حضور اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایسی چیز حسن اخلاق ہے۔ (بیہقی)

حدیث: حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوگا جب تک اپنے (مؤمن) بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۴ از بخاری ومسلم)

تشریح:

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کون سا ایمان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا کہ تو اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کے لئے بغض رکھے اور اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں لگائے رکھے، میں نے عرض کیا اس کے بعد کیا کروں؟ فرمایا کہ تو لوگوں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان کے لئے وہی ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھے کہ جو اپنے لئے پسند ہو وہ سب کے لئے پسند ہو، اور جو اپنے لئے اچھا نہیں سمجھتا اس کو دوسروں کے لئے بھی برا سمجھے، مثلاً اگر اپنے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو تو یہ خیال کرے کہ میں قرض چاہتا ہوتا تو جلد سے جلد وصول کرتا، لہٰذا اس کے لئے اسی کو پسند کروں اور جلد ادا کردوں اسی طرح اگر کسی پر اپنا قرض چاہتا ہو تو یہ سوچے کہ اگر مجھ پر کسی کا قرض ہوتو میں مہلت کا خواست گار رہتا، لہٰذا مجھے چاہئے کہ اس کے لئے وہی پسند کروں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، لہٰذا اس کو مہلت دوں اور مطالبہ میں سختی نہ کروں، اسی طرح ہر موقع پر اور ہر معاملہ میں سوچ لیا کرے۔

درحقیقت اگر لوگ صرف اسی ایک حدیث پر عمل کرلیں تو کبھی تعلقات میں کشیدگی نہ ہو اور سب آرام سے زندگی گزار دیں۔

چھوٹوں پر رحم کرنا:

((وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا یامر بالمعروف ولم ینه عن المنکر)) (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے اور امر بالمعروف نہ کرے اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۳، از ترمذی)

تشریح:

اس حدیث پاک میں چار چیزوں کی بڑی اہمیت کے ساتھ تاکید فرمائی اول چھوٹوں پر رحم کرنا، دوم: بڑوں کا اکرام کرنا، سوم: امر بالمعروف، چہارم نہی عن المنکر ان چیزوں کی اہمیت حضور اقدس ﷺ نے ایک خاص انداز میں ارشاد فرمائی، اور یہ کہ جو شخص ان چیزوں پر عمل نہ کرے وہ ہم میں سے یعنی مسلمانوں کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

یتامیٰ کی پرورش:

((وعن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ خیر بیت فی المسلمین بیتٌ فیه یتیم یحسن الیه وشر بیت فی المسلمین بیتٌ فیه یتیم یساء الیه)) (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۳ از ابن ماجہ)

((وعن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الساعی علی الارملة والمساکین کالساعی فی سبیل اللّٰہ واحسبه قال کالقائم لایفترو کالصائم لا یفطر))

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لئے مال کمانے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص فی سبیل اللہ یعنی جہاد میں محنت اور مشقت کے ساتھ لگا ہوا ہو راوی کہتے ہیں مجھے یاد پڑتا ہے کہ (اس کے ساتھ) یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص (راتوں رات نماز میں) کھڑا رہے جس میں سستی نہ کرے اور جیسے کوئی شخص (لگاتار) روزے رکھا کرے اور درمیان میں بے روزہ نہ رہے۔ (مشکوٰۃ ۴۲۲ از بخاری ومسلم)

تشریح:

ان روایات سے بیواؤں اور مسکینوں اور یتیموں کی خدمت کے فضیلت معلوم ہوئی۔ اپنے کسی رشتہ دار کے یتیم بچے ہوں یا کسی دوسرے مسلمان کے، ان کی پرورش اور نگہداشت اور دلداری کی طرف بہت فکر کے ساتھ توجہ کرنی چاہئے۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ کام صرف اللہ کے لئے کیا تو اس کے لئے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ گزرے گا چند نیکیاں ملیں گی اور جس نے کسی یتیم بچی یا بچہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا جو اس کے پاس رہتا ہو تو میں اور وہ جنت میں اس طرح سے ہوں گے، لفظ ''اس طرح سے'' فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں (بیچ والی اور شہادت کی انگلی) ملالیں۔ (احمد وترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر، اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (احمد)

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے رخساروں پر سیاہی آ گئی ہو قیامت کے دن ان دونوں انگلیوں (یعنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی شہادت کی انگلی) کی طرح (قریب قریب) ہوں گے پھر اس عورت کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سیاہ رخساروں والی عورت سے وہ عورت مراد ہے جو صاحب حیثیت اور خوبصورت تھی، اپنے شوہر سے بیوہ ہوگئی اور اس نے اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے اپنے نفس کو (دوسرا نکاح کرنے سے) روکے رکھا، یہاں تک کہ وہ بچے بڑے ہو کر اس سے جدا ہو گئے، (یعنی خدمت کے محتاج نہ رہے) یا وفات پا گئے۔ (ابوداؤد)

والدین کے ساتھ حسن سلوک:

((وعن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من احب ان یمد اللّٰہ فی عمرہ ویزید فی رزقہ فلیبرو الدیہ ولیصل رحمہ)) (رواہ البیہقی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور دوسرے رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴، از بیہقی)

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے، بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی درازی عمر اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے، جو لوگ ماں باپ کی خدمت کی طرف توجہ نہیں کرتے، آخرت کے ثواب سے محروم ہوتے

ہیں، دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں، ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے، ان کو وہ نصیب نہیں ہوتی۔

((وعن ابی امامة رضی اللّٰہ عنه ان رجلا قال یارسول اللّٰہ ماحق الوالدین علیٰ ولد هما قال هما جنتك و نارك)) (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت اور تیری جہنم ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۱، ابن ماجہ)

تشریح:

اس حدیث سے ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی، جب ایک شخص نے ماں باپ کے حقوق کے بارے میں سوال کیا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (مختصر طریقہ پر یہ سمجھ لے کہ) وہ دونوں تیری جنت ہیں اور تیری دوزخ ہیں، یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہو اور ان کی خدمت کرتے رہو اور ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا۔

حسن سلوک میں ماں کا زیادہ خیال رکھا جائے:

((وعن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رجل یارسول اللّٰہ من احق بحسن صحابتی؟ قال امك قال ثم من؟ قال امك، قال ثم من؟ قال امك قال ثم من قال ابوك وفی روایة قال امك ثم امك ثم امك ثم اباك ثم ادنا ك ثم ادناك ادناك)) (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ (رشتہ داروں میں) میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ اس کے جواب میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری والدہ حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں، سائل نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری والدہ، اس نے دریافت کیا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، سوال کرنے والے نے عرض کیا پھر کون؟ آپ ﷺ فرمایا تمہارا باپ، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے والدہ کے بارے میں تین بار فرمایا کہ تیرے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے، پھر فرمایا کہ باپ کے بعد رشتہ داروں میں جو سب سے زیادہ قریب تر ہو، اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور اس قریب تر رشتہ والے کے بعد جو رشتہ میں سب سے زیادہ قریب تر ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۸، از بخاری و مسلم)

تشریح:

اس حدیث پاک میں حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ماں کو بتایا ہے کیونکہ وہ حمل اور وضع حمل اور پرورش کرنے اور بچہ کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے سب سے زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ سے بھی حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ اپنی حاجتوں کے لئے وہ کسب معاش نہیں کرسکتی۔ باپ تو باہر نکل کر کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے، لہٰذا حسن سلوک میں ماں کا حق باپ سے مقدم رکھا گیا، ماں کے بعد باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اور اس میں رشتہ داری کی حیثیت کو معیار بنایا کہ جس کی رشتہ داری جس قدر قریب تر ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کا اس قدر اہتمام کیا جائے۔

''فضائل صدقات'' میں ہے کہ اس حدیث شریف سے بعض علماء نے استنباط کیا ہے، کہ حسن سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصے ہے اور باپ کا ایک حصہ، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ اولاد کے لئے ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے، حمل کی، جننے کی، دودھ پلانے کی۔

اسی وجہ سے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ احسان اور سلوک میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے، اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کرسکتا تو ماں کے ساتھ سلوک کرنا مقدم ہے، البتہ اعزاز اور ادب و تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مقدم ہے۔

ماں باپ کو ستانے کا گناہ اور دنیا میں وبال:

((وعن ابی بکرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم کل الذنوب یغفر اللّٰه منها ماشاء الا عقوق الوالدین فانه یعجل لصاحبه فی الحیٰوة قبل الممات)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کے ستانے کے علاوہ تمام گناہ ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ شانہ جس کو چاہتے ہیں معاف فرما دیتے ہیں اور ماں باپ کے ستانے کا گناہ ایسا ہے کہ اس گناہ کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ موت سے پہلے دنیا والی ہی زندگی میں سزا دے دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۱ عن البیہقی فی الشعب)

تشریح:

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ظلم اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا ارتکاب کرنے والا دنیا میں سزا پانے کا زیادہ مستحق ہو، ان دونوں گناہوں کے مرتکب کو دنیا میں سزا دے دی جاتی ہیں (لیکن اس سے آخرت کی سزا ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ) اس کے لئے آخرت کی سزا بھی بطور ذخیرہ رکھ لی جاتی ہے۔ (جب آخرت میں پہنچے گا تو وہاں بھی سزا پائے گا) (مشکوٰۃ)

رشتہ داروں سے حسب مراتب حسن سلوک کیا جائے:

((عن ابی رمثة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال انتهیت الیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه واله واصحابه وسلم فسمعته یقول بر امك واباك واختك واخاك ثم ادناك وادناك))

(اخرجه الحاکم فی المستدرك)

ترجمہ: حضرت ابورمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو اپنی ماں کے ساتھ اور اپنے باپ کے ساتھ اور اپنی بہن کے ساتھ اور اپنے بھائی کے ساتھ حسن سلوک کر' ان کے بعد جو رشتہ دار زیادہ قریب ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک کر۔

(مستدرک ص ۱۵۱' ج ۴)

تشریح:

اس حدیث پاک میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمانے کے بعد بہن بھائی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور فرمایا کہ "ثم ادناك وادناك" یعنی ان کے بعد دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو' اور ان میں قریب تر پھر قریب تر کا دھیان کرو۔

قطع رحمی کا وبال:

((وعن عبداللّٰہ بن ابی اوفیٰ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول لا تنزل الرحمة علیٰ قومٍ فیهم قاطع رحم)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

فائدہ: جس طرح صلہ رحمی سے اللہ پاک کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح قطع رحمی کی وجہ سے اللہ پاک جل شانہ اپنی رحمت روک لیتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف قطع رحمی کرنے والے سے بلکہ اس پوری قوم سے رحمت روک لی جاتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص قطع رحمی کرتا ہے تو دوسرے لوگ اس کو صلہ رحمی پر آمادہ نہیں کرتے بلکہ خود بھی اس کے جواب میں قطع رحمی کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں۔

((وعن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الرحمة شحنة من الرحمٰن فقال اللّٰہ من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته)) (رواہ البخاری، کذا فی المشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لفظ رحم لیا گیا ہے لفظ رحمٰن سے (جو اللہ جل شانہ کا نام ہے) پس اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ (اے رحم) جس نے تجھے جوڑے رکھا

(یعنی تیرے حقوق ادا کیے) میں اس کو (رحمت کے ساتھ) اپنے سے ملالوں گا اور جس نے تجھے کاٹ دیا میں اس کو (اپنی رحمت سے) کاٹ دوں گا (یعنی رحمت کے دائرے سے الگ کردوں گا۔)

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۹، از بخاری)

فائدہ: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ **لایدخل الجنة قاطع رحم** یعنی قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (بخاری)

پڑوسیوں کے حقوق:

((وعن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رجل یارسول اللّٰہ ان فلانة تذکر من کثرة صلاتها وصیامها وصدقتها غیرانها توذی جیرانها بلسانها قال هی فی النار قال یارسول اللّٰہ ان فلانة تذکر من قلة صیامها وصدقتها وصلٰوتها وانها تصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی بلسانها جیرانها قال هی فی الجنة)) (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں) میں تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے، یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے، پھر اس شخص نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور روٹی کے کچھ ٹکرے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح:

انسان کو اپنے گھر والوں کے بعد سب سے زیادہ اور تقریباً روزانہ اپنے پڑوسیوں سے واسطہ پڑتا ہے' پڑوسیوں کے احوال واخلاق مختلف ہوتے ہیں ان کے بچے بھی گھر آجاتے ہیں، بچوں بچوں میں لڑائی بھی ہوجاتی ہے، پڑوس کی بکری اور مرغی بھی گھر میں چلی آتی ہے، ان چیزوں سے ناگواری ہوجاتی ہے، اور ناگواری بڑھتے بڑھتے بغض وکینہ وقطع تعلقات تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور ہر فریق ایک دوسرے پر زیادتی کرنے لگتا ہے، اور غیبتوں اور تہمتوں بلکہ مقدمہ بازیوں تک نوبت آجاتی ہے، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مرد اور عورتیں تیز مزاج اور تیز زبان ہوتے ہیں، بغیر کسی وجہ سے اپنی بدزبانی کی وجہ سے لڑائی کا سامان پیدا کردیتے ہیں۔

عورتوں کی بدزبانی اور تیز کلامی تو بعض مرتبہ اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ پورا محلہ ان سے بیزار رہتا ہے، اسی طرح

کی ایک عورت کے بارے میں حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ بڑی نمازن ہے خوب صدقہ کرتی ہے، نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے، لیکن اس سب کے باوجود اس میں ایک یہ بات ہے کہ اپنی بدزبانی سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے، دیکھو! پڑوسیوں کے ستانے کے سامنے نماز روزوں کی کثرت سے بھی کام نہ چلا، اس کے برخلاف ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا جو فرض پڑھ لیتی تھی، فرض روزہ رکھ لیتی تھی، زکوٰۃ فرض ہوئی تو وہ بھی دے دی نفلی نماز روزہ اور صدقہ کی طرف اس کو خاص توجہ نہ تھی، لیکن پڑوسی اس کی زبان سے محفوظ تھے، جب اس کا تذکرہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو جنتی فرمایا۔

راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹانا:

((وعن ابی برزۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قلت یانبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علمنی شیئاً انتفع به قال اعزل الاذی عن طریق المسلمین)) (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو برزہؓ نے بیان فرمایا: کہ حضور اقدس ﷺ سے میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی مجھے کوئی چیز بتا دیجئے جس پر عمل کر کے نفع حاصل کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دیا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۸ از مسلم)

تشریح:

اس حدیث پاک سے اس عمل کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوئی کہ راستوں میں جو کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی مل جائے جس سے پاؤں پھسل جانے، ٹھوکر لگنے، راستہ تنگ ہو جانے یا کانٹا وغیرہ چبھ جانے کا اندیشہ ہو اس چیز کو ہٹا دیا جائے، دیگر روایات میں بھی اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اس کا ایک درخت کی ٹہنی پر گزر ہوا جو راستہ میں پڑی تھی یہ دیکھ کر اس نے کہا میں اس کو مسلمانوں کے راستہ سے ضرور ہٹا دوں گا (چنانچہ اس کو ہٹا دیا) لہٰذا وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو اس سبب سے جنت میں مزے سے کروٹیں لیتے ہوئے دیکھا کہ اس نے راستہ سے ایک درخت کاٹ دیا تھا جو راہ گیروں کو تکلیف دیتا تھا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے سامنے تمہارا مسکرانا صدقہ ہے، اور بھلائی کا حکم کرنا، صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور بھٹکے ہوئے کو راہ دکھانا صدقہ ہے، اور کمزور بینائی والے کی مدد کرنا صدقہ ہے، اور راستے سے پتھر، کانٹا، ہڈی دور کر دینا صدقہ ہے، اور اپنے ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جن کے ذریعہ وہ اُٹھتا بیٹھتا ہے اور ہاتھ پاؤں موڑتا ہے، اور چیزیں پکڑتا ہے اور ان جوڑوں کے شکریہ میں روزانہ صدقہ کرنا واجب ہے) سو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمد للہ کہا اور لا الہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ کہا اور استغفر اللہ کہا اور لوگوں کے راستہ سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹادی، یا بھلائی کا حکم دیا یا برائی سے روک دیا، اور (یہ سب مل کر یا ان میں سے ایک ہی عمل) تین سو ساٹھ کے عدد کے برابر ہو گیا تو وہ اس دن اس حال میں چلتا پھرتا ہوگا کہ اس نے اپنی جان کو دوزخ سے بچالیا ہوگا۔ (مسلم)

پردہ پوشی کا اجر وثواب:

((وعن عقبة بن عامر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم من رای عورۃ فسترھا کان کمن احیٰی موؤدۃ۔)) (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی عیب کی بات دیکھی پھر اس کو چھپالیا (تو ثواب کے اعتبار سے) وہ شخص ایسا ہے جیسے کسی زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴، از احمد والترمذی)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں عیب پوشی کا ثواب بتایا ہے، اسلام سے پہلے یعنی جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے لوگ اس بات کو بہت ناگوار سمجھتے تھے کہ ان کے گھر میں لڑکی پیدا ہو جائے اگر لڑکی پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی تو شرم کے مارے چھپے چھپے پھرتے تھے اور بہت سے ظالم ایسے بھی تھے کہ لڑکی پیدا ہو جاتی تو اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے، جو گڑھے کے اندر مٹی میں دب کر مر جاتی تھی، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا:

((واذا الموءودۃ سئلت۔ بای ذنب قتلت))

(اور جب وہ دفن کی ہوئی لڑکی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی)

اس بات کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھو کہ حضور اقدس ﷺ نے عیب پوشی کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی عیب کی بات دیکھی پھر اس کو چھپایا اور کسی پر ظاہر نہ کیا، تو اس کو اتنا بڑا ثواب ملے گا، جیسے اس نے اس لڑکی کو زندہ کر دیا، جو قبر میں زندہ دفن کر دی گئی تھی، اس ثواب کو اس انداز میں بتانے میں ایک دقیق اور باریک حکمت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ یہ کہ جب کسی شخص کا کوئی عیب ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اس رسوائی کے مقابلہ میں مرجانا بہتر سمجھتا ہے، پس جس شخص نے اس کے عیب کی پردہ پوشی کی، گویا کہ اس نے اس کو زندہ کر دیا، رسوائی سے بچانا اس کو دوبارہ زندگی دینے کے مترادف قرار دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو (مصیبت کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑے، اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرمائیں گے، اور جس نے کسی مسلمان کی بے چینی دور کردی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے اس کی ایک پریشانی دور فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

بہت سے لوگوں کو یہ مرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، پھر جب کسی کا کوئی عیب معلوم ہوجاتا ہے، تو اس کو اچھالتے ہیں اور رسوا کرنے کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، یہ سخت گناہ کی بات ہے اور اس کا بہت بڑا وبال ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑے گا اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے اس کو رسوا کردے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر میں عیب کا کام کرے۔ (مشکوٰۃ)

آپس میں صلح کروادینے کا ثواب:

((وعن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجة الصیام والصدقة والصلٰوة قال قلنا بلیٰ قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقة)) (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتادوں جو (نفلی) روزوں اور صدقہ اور نماز کے درجہ سے افضل ہے، ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں بگاڑ کی اصلاح کردینا اور آپس میں بگاڑ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۸، از ابوداؤد وترمذی)

تشریح:

ایک ساتھ رہنے والوں میں کبھی کبھی رنجش ہوجاتی ہے اور اس رنجش کو جلدی ہی دور نہ کیا جائے تو بڑھتے بڑھتے بہت دور تک پہنچ جاتی ہے، کینہ اور بغض دلوں میں جگہ پکڑ لیتی ہے، اس لئے جلد سے جلد صلح کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے سب سے زیادہ اچھی اور سیدھی بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی ہر ایک دوسرے سے جا کر خود مل لے اور سلام کرے، اس میں پہل کرنے والے کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔

مسلمان کی مزاج پرسی:

((وعن انس رضیَ اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء فاحسن الوضوء وعاد اخاہ المسلم محتسباً بوعد من جھنم مسیرة ستین خریفاً)) (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور ثواب سمجھ کر مسلمان بھائی کی عیادت کرے تو اسے جہنم سے اتنا دور کر دیا جائے گا جتنی دور کوئی ساٹھ سال چل کر پہنچے۔ (ابوداؤد)

تشریح:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی یہ ندا دیتا ہے کہ تو خوش رہے اور تیرا یہ چلنا بابرکت ہو اور تو نے جنت میں گھر بنالیا۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کو عیادت کرے تو تمام دن شام تک ستر ہزار فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اور اگر شام کو مسلمان کی عیادت کرے تو صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اور اس کے لئے (اس عمل کی وجہ سے) جنت میں ایک باغ ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

بیمار کی مزاج پرسی کو عیادت کہتے ہیں اوپر کی حدیث میں اسی کا ثواب بتایا ہے۔ پاس جاؤ تو اس کی زندگی باقی رہنے کے بارے میں اسے امید دلاؤ (یعنی اس سے ایسی باتیں کرو جس سے اسے اچھا ہوجانے کی امید بندھے، اور وہ یہ سمجھے کہ میں اچھا ہوکر ابھی اور زندہ رہوں گا، اس کے سامنے ناامیدی کی باتیں نہ کرو) کیونکہ یہ چیز (اللہ کی تقدیر میں سے) کسی کو تو ہٹا نہیں سکتی، البتہ اس سے مریض کا دل خوش ہوجائے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حسن اخلاق سے متعلق ایک جامع حدیث:

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ مت بڑھاؤ اور آپس میں بغض نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، اور ایک شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو، (پھر فرمایا) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے کسی کی حالت میں چھوڑے، نہ اسے حقیر جانے۔ (اس کے بعد) تین بار اپنے مبارک سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے (پھر فرمایا کہ) انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ مسلمان کے لئے مسلمان کا سب کچھ حرام ہے اس کا خون بھی، مال بھی، آبرو بھی۔ (صحیح مسلم ص ۱۷ ج ۲)

تشریح:

یہ مبارک حدیث بڑی عظیم الفوائد اور جامع حکم ونصائح پر مشتمل ہے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ آپس میں حسد نہ کرو۔

حسد کا وبال:

حسد بری بلا ہے جو حاسد ہوگا لامحالہ اپنے دل ودماغ کا ناس کر کے رہے گا، قرآن مجید میں حاسد کے حسد سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، (ومن شر حاسد اذا حسد)

ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو، کیونکہ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حسد حرام ہے۔ حسد کے حرام ہونے کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جس کو اللہ نے جو کچھ دیا ہے حکمت کے بغیر نہیں دیا، اب جو حسد کرنے والا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت فلاں شخص کے پاس نہ رہے تو درحقیقت یہ اللہ پر اعتراض ہے کہ اس نے اس کو کیوں نوازا؟ اور حکمت کے خلاف اس کو دوسرے حال میں کیوں نہ رکھا، ظاہر ہے کہ مخلوق کو خالق کے کام میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں ہے اور نہ مخلوق اس لائق ہے کہ اس کو یہ حق دیا جائے ہم اپنے دنیاوی انتظام اور خانگی امور میں روزانہ ایسے کام کرگزرتے ہیں، جو ہمارے بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں، اگر ہمارے بچے ہمارے کام میں دخل دیں تو ہم کو کس قدر برا معلوم ہوتا ہے، پھر اللہ رب العزت **فعال لمایرید** کی تقسیم میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟

جب کسی کو حسد ہوجاتا ہے تو جس سے حسد کرتا ہے اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوجاتا ہے، اس کی غیبت کرتا ہے اور اس کو جانی و مالی نقصان پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے، جس کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں میں گھر جاتا ہے، پھر ایسے شخص کو اول تو نیکی کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا، اور اگر کوئی نیکی کرگزرتا ہے تو چونکہ وہ آخرت میں اسے ملے گی جس سے حسد کیا ہے تو نیکی کرنا نہ کرنا برابر ہوگیا، ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ پہلی امتوں کا مرض یعنی حسد تم تک آپہنچا ہے، اور بغض تو مونڈ دینے والا ہے، میں نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت سید عالم ﷺ نے بغض کو دین کا مونڈنے والا فرمایا، تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح استرا بال کو مونڈتا چلا جاتا ہے اور چھوٹے بڑے بال کو علیحدہ کردیتا ہے اسی طرح بغض کی وجہ سے سب نیکیاں ختم ہوتی چلی جاتی ہیں، حاسد دنیا و آخرت میں اپنا برا کرتا ہے، نیکیوں سے بھی محروم رہتا ہے، اور کوئی نیکی ہو بھی جاتی ہے تو حسد کی آگ اسے راکھ بنا کر رکھ دیتی ہے، دنیا میں حاسد کے لئے حسد ایک عذاب ہے، جس کی آگ حاسد کے سینہ میں بھڑکتی ہے اور جس سے حسد کیا جاتا ہے، اس کا کچھ نہیں بگڑتا ہے۔

کیا اچھا کلمۂ حکمت ہے جو کسی نے کہا ہے:

((کفٰی بالحاسد انه یغتم وقت سرورك))

ترجمہ: حاسد سے انتقام لینے کے خیال میں پڑنے کی ضرورت نہیں، یہی انتقام کافی ہے کہ تم کو خوشی ہوتی ہے تو اس خوشی کی وجہ سے اسے رنج پہنچتا ہے۔

اسلامی آداب:

((وعن عمر بن ابی سلمة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال کنت غلاماً فی حجر رسول اللّٰه صلی اللّٰه

تعالٰی علیه وسلم و کانت یدی تطیش فی الصفحة فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم سم الله و کل بیمینك و کل مما یلیك)) (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ میں (بچپن میں) حضور اقدس ﷺ کی گود میں (پرورش پاتا) تھا (ایک مرتبہ جو ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو) میرا ہاتھ پیالہ میں (ہرطرف) گھوم رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھا اور داہنے ہاتھ سے کھا اور جو حصہ تجھ سے قریب ہے اس میں سے کھا۔ (مشکوۃ المصابیح ص۳۶۳ (بخاری ومسلم)

تشریح:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ بھی ان مبارک ہستیوں میں ہیں، جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا، ان کا نام ہند تھا، ام سلمہ (یعنی سلمہ کی ماں) کنیت ہے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن عبدالاسدؓ بھی اسلام قبول کرنے میں سابقین اولین میں سے تھے، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ گیارہویں مسلمان تھے، حضور اقدس ﷺ کی توحید والی دعوت سے مکہ کے مشرکین بہت برگشتہ تھے، اور جوشخص اسلام قبول کرلیتا تھا اسے بہت سی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔

کھانے پینے کے آداب:

رحمت کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا۔

کھانے کی برکت ہے، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا۔) (ترمذی)

بسم اللہ الرحمٰن پڑھ کر کھاؤ۔

داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔

اپنے پاس سے کھاؤ (یعنی برتن کے چاروں طرف ہاتھ نہ مارو، اپنی طرف سے کھاؤ۔ (بخاری ومسلم)

بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھاؤ نہ پیو، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

جوشخص جس برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لئے برتن استغفار کرتا ہے۔ (ترمذی)

جب تمہارے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو جو (تنکا وغیرہ) لگ جائے اس کو ہٹا کر لقمہ کھالو اور شیطان کے لئے مت چھوڑو۔

جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لو، تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم)

برتن کے درمیان سے نہ کھاؤ، بلکہ کناروں سے کھاؤ، کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ (ترمذی)

آپس میں ایک ساتھ مل کر کھایا کرو اللہ کا نام لے کر کھاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لئے برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار دو، اس سے تمہارے قدموں کو آرام ملے گا۔ (دارمی)

اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو۔

اور جب پینے لگے تو بسم اللہ کہو، اور جب پی کر منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد اللہ کہو۔ (ترمذی)

جو شخص (پانی وغیرہ کوئی چیز) پلانے والا ہو وہ سب سے آخر میں خود پینے والا ہے۔ (مسلم)

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کھانا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسماء بنت یزید سے کھانے کو فرمایا۔ انہوں نے کہا اس وقت خواہش نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو (ابن ماجہ) یعنی بھوک ہونے کے باوجود یہ نہ کہو کہ خواہش نہیں ہے۔

جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور (اس میں سے) پڑوسیوں کا خیال کرلو (مسلم) یعنی ان کو بھی ہدیۃً سالن بھیج دو، تمہارے پانی بڑھا دینے سے پڑوسیوں کو سالن مل سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے میز پر اور چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھانا نہیں کھایا۔ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ دستر خوان پر کھاتے تھے۔ (بخاری شریف)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو، اور دو آدمیوں کا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ (مسلم) یعنی اس طرح کام چل سکتا ہے اور گزارہ ہوسکتا ہے، کسی مہمان یا حاجت کے آنے سے تنگ دل نہ ہوں، خوشی کے ساتھ شریک کرلیا کریں۔

اگر کچھ لوگ مل کر کھجوریں کھا رہے ہوں تو ان کے بارے میں فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایک لقمہ میں دو کھجوریں نہ لے، جب تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے (بخاری ومسلم) کھجوروں کی طرح اور کوئی چیز مل کر کھا رہے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے تو (بدبو جانے تک) مسجد سے علیحدہ رہے، یا فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ (بخاری مسلم)

کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھیں، اگر شروع میں بھول جائیں تو یاد آنے پر بسم اللہ اولہ وآخرہ پڑھ لیں۔ (ترمذی)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز (چکنائی وغیرہ) لگی ہو جس کو دھویا نہ ہو، اور پھر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے (مثلاً زہریلا جانور کاٹ لے) تو یہ شخص اپنے نفس کے علاوہ ہرگز کسی کو ملامت نہ کرے (ترمذی) کیونکہ اس شخص کو اپنی ہی سستی اور غفلت کی وجہ سے تکلیف پہنچی۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پرانی کھجوریں کھا رہے تھے اور اس میں سے کیڑے ڈھونڈ کر نکالتے جاتے تھے (ابوداؤد) معلوم ہوا کہ کیڑوں کے ساتھ کھجور یا کوئی پھل یا دانے وغیرہ کھانا جائز نہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے (تو جو کچھ برتن میں ہے مثلاً شوربہ، دودھ، چائے وغیرہ) اسی میں مکھی کو پوری طرح ڈبو دے پھر اس کو پھینک دے، کیونکہ اس کے ایک بازو میں شفا ہے اور دوسرے بازو میں مرض ہے (بخاری) ایک روایت میں ہے کہ اس کے ایک بازو میں زہر ہے اور دوسرے میں شفا ہے اور وہ زہر والے بازو کو پہلے ڈالتی ہے شفا والے کو ہٹا کر رکھتی ہے۔ (شرح السنہ)

دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنے مرض والے بازو کے ذریعہ بچاؤ کرتی ہے (یعنی شفا والے بازو کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے) لہٰذا اس کو پوری طرح ڈبو دو (تاکہ مرض کا علاج بھی ہو جائے۔) (ابوداؤد)

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے یہ مرض کا علاج بتایا ہے اور اس کھانے کو کھالینے کا حکم نہیں دیا اگر طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائیں۔

آنحضرت ﷺ نے زیادہ کھانے کو ناپسند فرمایا، اور فرمایا کہ زیادہ کھانا شوم ہے، یعنی اس شخص کے پیچھے ایسی علت لگی ہوئی ہے، جس سے اسے ہر جگہ تکلیف ہوگی اور لوگ بری نظر سے دیکھیں گے۔ (بیہقی)

حضور اقدس ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

جب کوئی کھانا بہت گرم ہو تو اسے ڈھانک کر رکھ دیں۔ یہاں تک کہ اس کی بھاپ کی تیزی ختم ہو جائے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا برکت کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ (دارمی)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ اکڑوں بیٹھے ہوئے کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ (بخاری)

دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے قدموں پر بیٹھنے کو اکڑوں بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک مجلس میں کھانے والے زیادہ ہو گئے تو آنحضرت ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے (کیونکہ اس میں تواضع بھی ہے اور اہل مجلس کی رعایت بھی، اس سے ان کے لئے جگہ نکل آتی ہے۔) (ابوداؤد)

دسترخوان اٹھانے سے پہلے نہ اٹھو۔

اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ کھانا کھا رہے ہو تو جب تک وہ کھانا کھاتا رہے اپنا ہاتھ نہ روکو، اگرچہ پیٹ بھر چکا ہو تاکہ اسے شرمندگی نہ ہو، اگر کھانا چھوڑنا ہی ہو تو عذر کر دو۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

مشکیزے میں منہ لگا کر مت پیو۔ (بخاری)

لوٹے، گھڑے، یا صراحی یا بوتل وغیرہ کو منہ لگا کر پینا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔

برتن میں نہ سانس لو نہ پھونک مارو۔ (ترمذی)

کھڑے ہو کر مت پیو۔ (آب زمزم مستثنیٰ ہے) (مسلم)

برتن میں پھٹی، ٹوٹی جگہ منہ لگا کر نہ پیو۔ (ابوداؤد)

ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے (بخاری) کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے۔

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا، دل کو بھایا تو کھالیا، پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا۔ (بخاری)

حضرت حذیفہؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں کھائیں پئیں۔ (بخاری ومسلم)

پہننے اور اوڑھنے کے آداب:

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے تہبند کو تکبر کے طور پر اتراتے ہوئے گھسیٹا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے۔ (بخاری ومسلم)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹخنے سے نیچے جو تہبند (پاجامہ وغیرہ) کا حصہ ہوگا، وہ دوزخ میں ہوگا، (بخاری) یعنی ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا دوزخ میں لے جانے کا سبب ہے، یہ مردوں کے لئے ہیں، عورت ٹخنے ڈھکے رکھیں البتہ اتنا نیچا کپڑا عورت بھی نہ پہنیں جو زمین پر گھسٹتا ہو۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی آستین پہنچے تک تھی۔ (ترمذی)

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو، کیونکہ یہ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوتے ہیں (یہ مردوں کو ترغیب دی گئی ہے) اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ (ترمذی)

حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپیوں پر پگڑی ہونے کا فرق ہے (ترمذی) یعنی پگڑی باندھنے کی صورت میں اس کے نیچے ٹوپی بھی ہونی چاہئے۔ (مرد اس کا اہتمام کریں)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ جب پگڑی باندھتے تو عمامہ کا شملہ مونڈھوں کے درمیان ڈال دیتے تھے۔ (ترمذی)

ایک مرتبہ سرور عالم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو پگڑی پہنائی تو اس کا کنارہ سامنے کی طرف اور دوسرا کنارہ پیچھے کی طرف ڈال دیا۔ (ابوداؤد) یعنی پگڑی کے دونوں طرف ایک ایک شملہ کردیا، اور ایک کو آگے اور ایک کو پیچھے ڈال دیا پگڑی کے مسائل مردوں سے متعلق ہیں۔

اور فرمایا رحمۃ للعالمین ﷺ نے کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور پہنو (لیکن) اس حد تک کہ فضول خرچی اور غرور (یعنی شیخی پن) کی ملاوٹ نہ ہو۔ (مسند احمد)

یہ بھی فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم (پہننا) حلال ہے اور مردوں پر حرام کردیا گیا۔

اور فرمایا کہ جس نے (دنیا میں) نام ونمود کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جب تم (کپڑے) پہنو اور جب تم وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کیا کرو۔ (ابوداؤد)

مرد عورت کا اور عورت مرد کا لباس نہ پہنے، کیونکہ اس سے خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

جوتا پہنتے وقت پہلے داہنے پاؤں میں جوتا ڈالو، اور جب جوتے اتارو تو پہلے بایاں پاؤں نکالو۔ (بخاری)

ایک جوتا پہن کر نہ چلو، دونوں جوتے اتاردو، یا دونوں پہن لو۔ (بخاری)

مہمان کے متعلق آداب:

معلم الاخلاق ﷺ نے فرمایا۔

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے۔ مہمان کے لئے اچھا یعنی پر تکلف کھانے کا اہتمام ایک دن اور ایک رات ہونا چاہئے اور مہمانی تین دن تک ہے، اس کے بعد صدقہ ہوگا۔

اور مہمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ وہ تنگ ہو جائے (یہ سب بخاری شریف سے لیا گیا ہے)۔

جس کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ (مگر شرعی عذر بجا ہے)

اور جو شخص بغیر دعوت کے (کھانے کے لئے) داخل ہوگیا، وہ چور بن کر اندر گیا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (ابوداؤد)

حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مرد (رخصت کرتے وقت) مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے۔ (ابن ماجہ)

سلام کے آداب:

سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا۔

اللہ جل شانہ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو (دوسرے کا انتظار کئے بغیر) خود سلام میں پہل کرے۔ (بخاری)

اسلام کا بہترین کام یہ ہے کہ کھانا کھلاؤ اور ہر مسلمان کو سلام کرو، جان پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری) عورتیں عورتوں میں اس کا لحاظ رکھیں کہ سلام میں جان پہچان کو معیار نہ بنائیں بلکہ مسلمان ہونے کو دیکھیں اور مرد، مردوں میں اس کا خیال کریں۔

بات کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ (ترمذی)

سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور تھوڑی تعداد والی جماعت بڑی جماعت کو، اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری)

یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو (مسلم) (ہندو، سکھ، یہود و نصاریٰ اور مرزائی سب کافر اسی حکم میں ہیں)

جب ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کرلیا اور (ذرا دیر کو) درمیان میں درخت یا پتھر یا دیوار کی آڑ آ گئی، پھر اسی وقت دوبارہ ملاقات ہوگئی تو وہ دوبارہ سلام کرے (ابوداؤد) یعنی یہ نہ سوچے کہ ابھی آدھا منٹ ہی تو سلام کو ہوا ہے، اتنی جلدی دوسرا سلام کیوں کروں۔

جب کسی کے گھر میں داخل ہوتو وہاں کے لوگوں کو سلام کرے۔

اور جب وہاں سے جانے لگےتو ان کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (بیہقی)

جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے اور گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (ترمذی)

جب کوئی شخص کسی کا سلام لائے تو یوں جواب دو علیك و علیه السلام۔ (ابوداؤد)

مریض کی عیادت کی تکمیل یہ ہے کہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جائے۔

اور تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ کرلیا جائے۔ (احمد)

جب دو مسلمان ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ضرور ان کی بخشش کردی جاتی ہے۔ (ترمذی)

مجلس کے آداب:

معلم انسانیت سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔

مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (یعنی مجلس میں جو باتیں سنیں ان کا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔) (ابوداؤد)

کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھ جاؤ، اور بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والوں کو جگہ دینے کے لئے مجلس کشادہ کرلیں۔ (بخاری)

جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں آہستہ سے باتیں نہ کریں، کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا، (بخاری) (کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اس حکم میں ہے۔)

کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے بیٹھ جائے۔ (ترمذی)

مجلس میں سب لوگ متفرق نہ بیٹھیں بلکہ مل مل کر بیٹھیں۔ (ابوداؤد)

جب کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو جگہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام کے لئے ذرا سا کھسک جاؤ۔ (بیہقی)

ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار وہ مجلس ہے جس میں قبلہ رو ہوکر بیٹھا جائے (طبرانی) عورتیں بھی اس کا خیال کریں، جب کوئی عورت مجلس میں آئے تو اس کے لئے ذرا سی کھسک جائیں۔

چھینک اور جمائی کے آداب:

رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا۔

جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو چاہئے کہ الحمدللہ کہے۔ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے)

اور الحمدللہ سننے والا ساتھی جواب میں یرحمك اللّٰه کہے۔ (اللہ آپ پر رحم فرمائے) (بخاری)

اور چھینکنے والا یھدیکم اللّٰه ویصلح بالکم کہے۔ (اللہ آپ کو ہدایت پر رکھے اور سب حالات سدھار دے) (بخاری)

ہمارے پیارے رسول ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو آپ ہاتھ یا کپڑے سے چہرہ مبارک ڈھانک لیتے تھے اور چھینک کی آواز بلند نہ ہونے دیتے تھے۔ (ترمذی)

اور فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب تم کو جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دو، کیونکہ، (جمائی کے سبب منہ کھل جانے سے) شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

لیٹنے اور سونے کے آداب:

فرمایا سرور دو عالم ﷺ نے کہ:

اس طرح چت نہ لیٹو کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہو۔ (مسلم)

اوندھا ہو کر لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ (ترمذی)

کسی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس پر (دیوار یا جنگلہ وغیرہ) کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ (ترمذی)

جب بستر پر جانے لگو تو اس کو جھاڑ لو۔

اور باوضو داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لو۔ (بخاری)

بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے، لہٰذا جب سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔ (بخاری)

جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو۔ (ابوداؤد)

فرمایا رسول اکرم ﷺ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو ہرگز اپنا ہاتھ (پانی وغیرہ) برتن میں داخل نہ کرے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے لگے تو تین بار اپنی ناک جھاڑ دے، کیونکہ شیطان اس (کی ناک) بانسہ میں رات گزارتا ہے۔ (بخاری)

خواب کے آداب:

فرمایا سید الکائنات فخر موجودات خاتم الانبیاء ﷺ نے کہ:

جب اپنا پسندیدہ خواب دیکھو تو اسی سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

اور جب برا خواب دیکھو تو تین بار بائیں طرف تھتکار دو اور کسی سے بیان نہ کرو، اور کروٹ بدل دو اور تین بار اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھو، اور اس خواب کے شر سے پناہ مانگو ایسا کرنے سے یہ خواب ضرر نہ دے گا۔ (مسلم)

سفر کے آداب:

سفر کو روانہ ہوتے وقت چار رکعت (نفل نماز) پڑھ لینا چاہئے۔ (مجمع الزوائد)

ہمارے پیارے رسول سرور عالم ﷺ جمعرات کے دن سفر میں جانے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

اور تنہا سفر کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

بلکہ اگر دو آدمی ساتھ ہوں تب بھی سفر کرنے سے منع فرمایا۔

اور اس کی ترغیب دی کہ کم از کم تین آدمی ساتھ ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اور چار ساتھی ہوں تو بہت ہی اچھا ہے۔ (ابوداؤد)

اور فرمایا کہ جب سفر میں تین آدمی ساتھ ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (ابوداؤد)

اور فرمایا کہ سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو ان لوگوں کا خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ نہ ہو۔ (مسلم)

آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں جاکر دو رکعتیں پڑھتے، پھر (کچھ دیر بعد) لوگوں سے ملاقات کے لئے وہیں تشریف فرما رہتے (بخاری) اس پر مرد عمل کریں۔

اور فرمایا کہ سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو، جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا کہ کسی دوسرے عمل کے ذریعہ اس کے ساتھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے ہاں اگر کوئی شہید ہوجائے تو وہ آگے بڑھ جائے گا۔ (بیہقی)

سفر میں جن لوگوں کے پاس کتا یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ (رحمت کے) فرشتے نہیں ہوتے۔ (مسلم)

عورتوں اور لڑکیوں کے لئے مخصوص آداب:

مردوں سے علیحدہ ہوکر چلیں۔

راستوں کے درمیان سے نہ گزریں بلکہ کناروں پر چلیں۔ (ابوداؤد)

چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

جو عورت شان (بڑائی) ظاہر کرنے کے لئے سونے کا زیور پہنے گی تو اس کو (اس کی وجہ سے) عذاب ہوگا۔ (ابوداؤد)

عورت کو اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتے رہنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

اور یہ بھی فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ عورت کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو نہ آئے (یعنی بہت ہی معمولی خوشبو ہے۔) (ابوداؤد)

باریک کپڑا نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)

اگر دوپٹہ باریک ہو تو اس کے نیچے موٹا کپڑا لگالیں۔ (ابوداؤد)

بجنے والا زیور نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)

جو عورتیں مردوں کی شکل وصورت اختیار کریں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری)

(ماخوذ از تحفۂ خواتین)

قربانی کے مسائل

نوٹ:- قربانی کے مسائل ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ج ۵ ص ۱۷۳ تا ص ۲۳۹ سے ماخوذ ہیں۔

قربانی کس پر واجب ہے؟:

س: قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ مطلع فرمائیں۔

ج: قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہوتی ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں، یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان، پلاٹ وغیرہ۔

قربانی کے معاملہ میں اس مال پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں۔ بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔ اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں جس شخص پر قربانی لازم نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس پر قربانی واجب ہوگئی۔

قربانی صاحب نصاب پر ہر سال واجب ہے:

س: قربانی جو کہ سب سے پہلے اپنے اوپر واجب ہے اور پھر دوسروں پر، کیا ایک دفعہ کرنے سے واجب پورا ہو جاتا ہے یا ہر سال اپنے اوپر کرنی واجب ہوتی ہے؟

ج: قربانی صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی طرح ہر سال واجب ہوتی ہے۔ قربانی کے واجب ہونے کے لئے نصاب پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

قربانی کے واجب ہونے کی چند اہم صورتیں:

س: میرے پاس کوئی پونجی نہیں ہے اگر بقرعید کے تین دنوں میں کسی دن بھی میرے پاس ۲۶۲۵ (دو ہزار چھ سو پچیس)

روپے آجائیں تو کیا مجھ پر قربانی کرنا واجب ہوگی؟ (آج کل ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کے دام بحساب پچاس روپے فی تولہ ۲۶۲۵ روپے بنتے ہیں۔)

ج: جی ہاں! اس صورت میں قربانی واجب ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ اور قربانی کے درمیان کیا فرق ہے؟ سو واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہے۔ اور قربانی بھی صاحب نصاب ہی پر واجب ہے۔ مگر دونوں کے درمیان دو وجہ سے فرق ہے۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کیلئے شرط ہے کہ نصاب پر سال گزر گیا ہو، جب تک سال پورا نہیں ہوگا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ لیکن قربانی کے واجب ہونے کیلئے سال کا گزرنا کوئی شرط نہیں بلکہ اگر کوئی شخص عین قربانی کے دن صاحب نصاب ہوگیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ جبکہ زکوٰۃ سال کے بعد واجب ہوگی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ نصاب نامی (بڑھنے والا) ہو، شریعت کی اصطلاح میں سونا، چاندی، نقد روپیہ، مال تجارت اور چرنے والے جانور ''مال نامی'' کہلاتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس ان چیزوں میں سے کوئی چیز نصاب کے برابر ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی مگر قربانی کیلئے مال کا نامی ہونا بھی شرط نہیں۔ مثال کے طور پر کسی کے پاس اپنی زمین کا غلہ اس کی ضروریات سے زائد ہے اور زائد ضرورت کی قیمت ۲۶۲۵ روپے کے برابر ہے چونکہ یہ غلہ مال نامی نہیں اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، چاہے سال بھر پڑا رہے۔ لیکن اس پر قربانی واجب ہے۔

س: میری دو بیٹیوں کے پاس پندرہ سولہ سال کی عمر سے دو تولے سونے کے زیور ہیں وہ اس کی مالک ہیں وہ ہماری زیر کفالت ہیں ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہم ان کی طرف سے قربانی کر سکیں۔ کیا ان بیٹیوں پر قربانی واجب ہے؟ اگر فرض ہے تو وہ قربانی کس طرح کریں؟ جبکہ ان کے پاس نقد پیسے نہیں؟ واضح رہے کہ دو تولے زیور کے دام تقریباً سات ہزار روپے بنتے ہیں۔

ج: اگر ان کے پاس کچھ روپیہ پیسہ بھی رہتا ہے تو وہ صاحب نصاب ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ اور قربانی دونوں واجب ہیں۔ اور اگر روپیہ پیسہ نہیں رہتا تو وہ صاحب نصاب نہیں اور ان پر زکوٰۃ اور قربانی بھی واجب نہیں۔

س: ہماری شادی کو ۴۱ سال ہوگئے لیکن میری بیوی نے صرف دو بار قربانی کی۔ کیونکہ میرے پاس اس کی طرف سے قربانی کرنے کے پیسے نہیں تھے۔ لیکن اس کے پاس اس تمام مدت میں کم و بیش تین چار تولے سونے کے زیور رہے ہیں۔ کیا میری بیوی پر اس تمام مدت میں ہر سال قربانی فرض تھی کیونکہ اس تمام مدت میں ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت بہر حال تین چار تولے سونے سے کم رہی۔ اگر فرض تھی تو کیا ۳۹ سال کی قربانیاں اس کے ذمے واجب الادا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ اس سے کیسے عہدہ برآ ہو؟ واضح رہے کہ ہم لوگ ہمیشہ اس خیال میں رہے کہ قربانی اس پر واجب ہے جس کے پاس کم از کم ساڑھے سات تولے سونا ہو (نوٹ- ابھی کچھ زمانہ پہلے تک خالص چاندی کا روپیہ ہوتا تھا جس کا وزن ٹھیک ایک

تولہ ہوتا تھا۔ جس کے پاس ۵۲ روپے اور ایک اٹھنی ہوتی وہ بتوفیق الٰہی تین چار روپے کی بھیڑ بکری لاکر قربانی کردیتا تھا۔ آج کل کے گراں اور ہوشربا نرخوں نے یہ مسائل عوام کے لئے مشکل بنادیئے ہیں)؟

ج: یہاں بھی وہی اوپر والا مسئلہ ہے۔ اگر آپ کی اہلیہ کے پاس زیور کے علاوہ کچھ روپیہ پیسہ بھی بطور ملک رہتا تھا تو قربانی واجب تھی اور زکوٰۃ بھی، جس کے ذمہ قربانی واجب ہو اور وہ نہ کرے تو اتنی رقم صدقہ کرنے کا حکم ہے۔

س: میری ایک شادی شدہ بیٹی جس کے پاس پندرہ سال کی عمر سے دوتین تولے سونے کا زیور رہا ہے اور شادی کے بعد اور زیادہ ہی ہے۔ اس کی طرف سے نہ میں نے کبھی قربانی کی نہ اس نے خود کی اور نہ شوہر اس کی طرف سے کرتا ہے۔ ایسے میں کیا میری اس بیٹی پر ۱۵ سال کی عمر سے قربانی فرض ہے اور وہ بھی تمام سالوں کی قربانیاں ادا کرے؟

ج: اوپر کا مسئلہ من وعن یہاں بھی جاری ہے۔

س: چند ایسے لوگ ہیں جن کے پاس نہ ۲۶۲۵ روپے ہیں نہ سونا ہے نہ چاندی ہے۔ لیکن ان کے پاس ٹی وی ہے، جس کے دام تقریباً دس ہزار روپے ہیں۔ ایسے لوگوں پر قربانی فرض ہے کہ نہیں؟

ج: ٹی وی ضروریات میں داخل نہیں بلکہ لغویات میں شامل ہے۔ جس کے پاس ٹی وی ہو اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے اور اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

س: میں زیادہ تر مقروض رہا اس لئے میں نے بہت کم قربانی کی ہے۔ جبکہ میرے اور اخراجات ایسے ہیں کہ میں ان میں تھوڑا بہت ردوبدل کر کے قربانی کرسکتا ہوں۔ قرض اپنی جگہ پر ہے جس کو رفتہ رفتہ ادا کرتا رہتا ہوں تو کیا میرا ایسی حالت میں قربانی کرنا صحیح ہوگا؟

ج: ان حالات میں یہ تو ظاہر ہے کہ قربانی آپ پر واجب نہیں، رہا یہ کہ قربانی کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کے حالات ایسے ہیں کہ آپ اس قرضہ کو بسہولت ادا کرسکتے ہیں تو قرض لے کر قربانی کرنا جائز بلکہ بہتر ہے ورنہ نہیں کرنی چاہیے۔

س: سنا ہے کہ نابالغ بچوں پر قربانی فرض نہیں۔ میرا ایک نابالغ نواسہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے قربانی کرسکتا ہوں؟ قربانی صحیح ہوگی؟

ج: اگر آپ کے ذمہ قربانی واجب ہے تو پہلے اپنی طرف سے کیجئے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو نابالغ نواسے کی طرف سے بھی کرسکتے ہیں۔ مگر نابالغ کے بجائے اپنے مرحوم بزرگوں کی طرف سے کرنا بہتر ہوگا۔

س: میرا ایک شادی شدہ بیٹا عرب میں رہتا ہے۔ اس نے نہ ہم کو قربانی کرنے کے لئے لکھا اور نہ قربانی کرنے کے لئے پیسے بھیجے۔ کیونکہ ہم والدین نے اس کی محبت میں اس کی طرف سے بکرا قربان کردیا۔ یہ قربانی صحیح ہوئی یا غلط؟

ج: نفلی قربانی ہوگئی۔ لیکن واجب قربانی اس کے ذمہ رہے گی۔

س: یا بجائے بکرے کے اس بیٹے کی طرف سے اس کی بے خبری میں گائے میں ایک حصہ لے لیا۔ کیا اس کی طرف سے اس طرح حصہ لینا صحیح ہوا؟ اگر غلط ہوا تو گائے کے باقی حصہ داروں کی قربانی صحیح ہوئی یا غلط؟

ج: چونکہ نفلی قربانی ہو جائے گی، اس لئے گائے میں حصہ لینا صحیح ہے۔

صاحبِ نصاب عورت پر قربانی واجب ہے:

س: کیا عورت کو اپنی قربانی خود کرنی چاہئے یا شوہر کرے؟ اکثر شوہر حضرات بہت سخت ہوتے ہیں اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں تنگ دست رکھتے ہیں، ایسی صورت میں شرعی مسئلہ بتائیے؟

ج: عورت اگر خود صاحب نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ ورنہ مرد کے ذمے بیوی کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔ گنجائش ہو تو کردے۔

صاحبِ نصاب لڑکے، لڑکی پر قربانی واجب ہے:

س: والد محترم اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ پہلی بیوی سے ماشاء اللہ سے پانچ بہن بھائی ہیں۔ جس میں تین لڑکیاں بھی ہیں جب کہ دونوں جوان بھائی اور ایک بہن برسر ملازمت ہیں۔ سوتیلی ماں کی دو چھوٹی بچیاں ہیں جو اسی گھر میں الگ الگ کمرے میں رہتی ہیں۔ والد محترم نے دو بکروں کی قربانی کی اور دونوں بیٹے، ایک بیٹی نے گائے میں حصہ لیا جو کہ تینوں غیر شادی شدہ ہیں۔ اپنی کمائی سے انہوں نے گائے میں حصہ لیا تھا جب کہ دونوں نوجوان بھائی کما رہے ہیں اور والد بھی اچھی خاصی انکم لا رہے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ ہونے کے باوجود غیر شادی شدہ لڑکی کا قربانی کرنا جائز ہے؟ باپ بیٹے اور بیٹی سب نے مل کر پانچ قربانیاں کی ہیں کیا ایک گھر میں پانچ قربانی کرنا جائز ہے؟

ج: اگر، باپ بیٹے اور بیٹیاں سب برسر روزگار اور صاحب نصاب ہیں تو ہر ایک کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے اس لئے گھر میں اگر پانچ قربانیاں ہوئیں تو ٹھیک ہوا۔ کیونکہ ہر عاقل بالغ مرد عورت پر مالک نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہے چاہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

مشترک خانہ داری میں قربانی کا حکم:

س: ہم پانچ بھائی ہیں، تمام شادی شدہ ہیں اور والدین کے ساتھ اکٹھا رہتے ہیں۔ تمام برادران جو کماتے ہیں، والد صاحب کو دیتے ہیں صرف جیب خرچ اپنے پاس رکھتے ہیں تو اس صورت میں ہم پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اب تک والدین اپنی قربانی کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے لیکن اس دفعہ ہم شش و پنج میں پڑ گئے کیونکہ والد صاحب کے پاس تقریباً تیس ہزار روپیہ سرمایہ ہے۔ براہِ کرم از روئے شرع ہمارے لئے کیا حکم ہے والدین کا قربانی کرنا کافی ہے یا ہم بھی کریں گے؟

ج: آپ کے والد صاحب کو چاہئے کہ آپ پانچوں بھائیوں کی طرف سے بھی قربانی کیا کریں بلکہ پانچوں کی بیویوں

کے پاس بھی زیورات اور نقدی وغیرہ اگر اتنی ہو کہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو ان کی طرف سے بھی قربانیاں ہونی چاہئیں۔ بہرحال گھر میں جتنے افراد صاحب نصاب ہوں گے ان پر قربانی واجب ہوگی اور اگر کمانے کے باوجود مالک نصاب نہیں تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔

کیا مقروض پر قربانی واجب ہے:

س: کیا مقروض پر قربانی واجب ہے؟ جب کہ مقروض خود کو پابند شریعت بھی کہتا ہو اور قرض کی رقم قربانی کے لئے خریدے جانے والے جانور سے بھی کم ہو؟

ج: اگر قرض ادا کرنے کے بعد اس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو تو قربانی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

قربانی کے بدلہ میں صدقہ وخیرات کرنا:

س: اگر باوجود استطاعت کے قربانی نہ کی تو کیا کفارہ دے؟

ج: اگر قربانی کے دن گزر گئے، ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا ہمیشہ گناہ گار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور پھر اجماع صحابہؓ اس پر شاہد ہیں۔

صاحب نصاب پر گزشتہ سال کی قربانی:

س: کیا صاحب نصاب عورت پر پچھلے سالوں کی بقرعید کی قربانی دینی ضروری ہے جب کہ وہ ان سالوں میں صاحب نصاب تھی۔ اگر ضروری ہے تو ایک بکرے کی قیمت ۵۰۰ اگر اوسط قیمت طے کر لیں تو ہر سال کی اتنی ہی رقم کسی غریب کو یا مدرسے یا مسجد کس کو دیں؟ بقرعید کی قربانی واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

ج: اس کے ذمہ قربانی واجب ہے اور قربانی کرنا ہی ضروری ہے اس کی رقم دینا جائز نہیں لیکن اگر قربانی نہ کی ہو تو جتنے سالوں سے قربانی واجب تھی اور ادا نہیں کی تھی ان سالوں کا حساب کر کے (ایک حصہ کی قیمت جتنی بنتی ہے) وہ رقم ادا کرے اور یہ رقم کسی فقیر پر صدقہ کرنا واجب ہے۔

نابالغ بچے کی قربانی اسکے مال سے:

س: زید کا انتقال ہوا اس کے تین بچے ہیں عمر، بکر، فاطمہ اور وہ تینوں بالغ نہیں ہیں اور ان کا رشتہ دار یعنی اس کے اوپر خرچہ کرنے والا ان کا چچا شعیب ہے اب ان کا وارث تو وہی ہوا۔ اب شعیب کو شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ ان کے مال

سے زکوٰۃ یا قربانی وغیرہ دے؟

ج: امام ابوحنیفہؒ کے ہاں نابالغ بچے کے مال پر نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ قربانی واجب ہے۔ اس لئے ولی کو ان کے مال سے زکوٰۃ اور قربانی کی اجازت نہیں۔ البتہ ان کے مال سے ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔ اور ان کی دیگر ضروریات پر خرچ کرے۔

گھر کا سربراہ جس کی طرف سے قربانی کرے گا ثواب اسی کو ملے گا:

س: گھر کا سربراہ قربانی کرتا ہے کیا جو لوگ گھر میں ہیں اس کی کفالت میں ہیں ان کو کوئی ثواب ملے گا؟ ایک سال گھر کے سربراہ نے اپنے نام سے قربانی کی تو دوسرے سال وہ اپنے لڑکے، لڑکی یا بیوی کے نام سے قربانی کرے تو ثواب ملے گا؟ اور صحیح ہے یا نہیں؟

ج: گھر کا سربراہ اگر قربانی کرتا ہے تو قربانی کا ثواب صرف اسی کو ملے گا دوسرے لوگوں کو نہیں اگرچہ وہ اس کی کفالت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

گھر کا سربراہ اگر اپنی طرف سے قربانی کرنے کے بجائے اپنے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو جس کی طرف سے قربانی کر رہا ہے اس کی طرف سے قربانی صحیح ہو جائے گی اور ثواب بھی اسی کو ملے گا چاہے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے اس پر قربانی واجب ہو یا نہیں لیکن گھر کے سربراہ کے سلسلہ میں دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر سربراہ پر بھی قربانی واجب ہے تو اب سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے مستقل قربانی کرے اور نہ کرنے کی صورت مین گنہگار ہوگا، کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے سے اپنا ذمہ ساقط نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سربراہ پر شرعی طور پر قربانی واجب تو نہیں ہے لیکن وہ کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس صورت میں جس کی طرف سے قربانی کی ہے اس کی طرف سے قربانی صحیح ہوگی اور گھر کے سربراہ پر چونکہ قربانی واجب نہیں تھی اس لئے اس کو مستقل قربانی کی ضرورت نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کیا مرحوم کی قربانی کے لئے اپنی قربانی ضروری ہے:

س: میں نے سنا ہے کہ اگر اپنے کسی مرحوم عزیز کے نام سے قربانی کرنا چاہیں تو پہلے اپنے نام سے قربانی کریں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک سال تو میں نے اپنے نام سے قربانی کر دی دوسرے سال کسی عزیز کے نام سے قربانی کر سکتا ہوں یا جب بھی اپنے مرحوم عزیز کے نام سے قربانی کرنا چاہوں تو ساتھ مجھے اپنے نام سے بھی قربانی کرنی پڑے گی۔ اگر اتنی گنجائش نہ ہو تو؟

ج: اگر آپ کے ذمہ قربانی واجب ہے تو اپنی طرف سے کرنا تو ضروری ہے۔ بعد میں گنجائش ہو تو مرحوم کی طرف سے بھی کر دیں۔ اور اگر آپ کے ذمہ قربانی واجب نہیں تو مرحوم کی طرف سے کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے خواہ نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ اور مرحوم والدین کی طرف سے قربانی:

س: جس صاحب حیثیت شخص پر قربانی فرض ہے۔ وہ اپنی طرف سے قربانی کے ساتھ اپنی بیوی، مرحوم والدین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المؤمنین اپنے مرحوم دادا، دادی کی طرف سے بھی قربانی کرے تو کیا جائز ہے؟ اور کیا ثواب ان کو پہنچ جائے گا؟

ج: گنجائش ہو تو اپنے مرحوم بزرگوں کی طرف سے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ضرور قربانی کی جائے۔ بہت ہی مبارک عمل ہے۔ ان سب کو انشاء اللہ ثواب پہنچے گا۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کا قربانی کرنا:

س: اگر کوئی شخص زکوٰۃ تو ادا نہیں کرتا، لیکن قربانی کرتا ہے تو اس کی قربانی قبول ہوگی یا نہیں؟

ج: اگر خلوص سے قربانی کرے تو قربانی کا ثواب ہوگا اور زکوٰۃ نہ دینے کا وبال الگ ہوگا اور اگر محض گوشت کھانے یا لوگوں کے طعنہ سے بچنے کے لئے قربانی کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ثواب بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ مخلوق یا دکھلاوے کے لئے عمل کرنے کی وجہ سے مزید عذاب ہوگا۔

واجب نہ ہونے کے باوجود قربانی کا ثواب ملے گا:

س: ہمارا خاندان پانچ افراد پر مشتمل ہے۔ محدود آمدنی ہے بڑے بھائی کا اپنا چھوٹا موٹا کاروبار ہے اور میری ۱۰۰۰ تنخواہ ہے جس میں ۸۰۰ ملتی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں تباہ حال ہو کر مشرقی پاکستان سے آئے ہیں، کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے ہیں، صرف ضرورت کی اشیاء موجود ہیں جو کچھ کماتے ہیں وہ تمام خرچ ہو جاتا ہے، اس سے بچت مشکل ہے، نہ ہی سونا چاندی ہے۔ کیا میرے تمام حالات کے تحت مجھ پر قربانی فرض ہے اور کیا اس طرح ۱۰ روپے روزانہ جمع کر کے اس سے جانور لانا اور اس کی قربانی کرنا جائز ہے؟ قربانی کن حالات میں جائز ہے؟

ج: قربانی اس شخص کے ذمہ واجب ہے جس کے پاس ضروری استعمال کی اشیاء اور ضروری اخراجات سے زائد نصاب کی مالیت ہو یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر۔ آپ نے جو حالات تحریر فرمائے ہیں ان کے مطابق آپ کے ذمہ قربانی واجب نہیں لیکن اگر آپ کچھ رقم پس انداز کر کے قربانی کر دیا کریں تو بہت اچھی بات ہے، راقم الحروف کو رقم پس انداز کرنے کی عادت تو کبھی نہ پڑی البتہ اس خیال سے قربانی ہمیشہ کی کہ جب ہم اپنے اخراجات میں کمی نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت کے معاملہ میں ناداری کا بہانہ کیوں کیا جائے۔ الغرض اگر آپ قربانی کر دیں گے تو آپ کو پورا ثواب ملے گا۔

قربانی کے بجائے پیسے خیرات کرنا:

س: ۱- اگر کوئی شخص قربانی دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ قربانی کے پیسوں سے قربانی دینے کے بجائے کسی مستحق شخص کی

خدمت کرے، جس کو واقعتاً ضرورت ہو تو کیا قربانی کا ثواب مل جائے گا، یا قربانی کا ثواب صرف قربانی سے ہی ملتا ہے؟ یاد رہے کہ قربانی دینے والا ویسے اس غریب شخص کی خدمت نہیں کر سکتا؟

ج: جس شخص کے ذمہ قربانی واجب ہو، اس کے ذمہ قربانی کرنا ہی ضروری ہے، غریبوں کو پیسے دینے سے قربانی کا ثواب نہیں ہوگا بلکہ یہ شخص گناہ گار ہوگا۔ اور جس کے ذمہ قربانی واجب نہیں اس کو اختیار ہے خواہ قربانی کرے یا غریبوں کو پیسے دے دے۔ لیکن دوسری صورت میں قربانی کا ثواب نہیں ہوگا۔ صدقہ کا ثواب ہوگا۔

س: ۲- اکثر دیکھنے میں آتا ہے عید قربان کے موقع پر مسلمان قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں اور یوں اکثر لوگ گوشت زیادہ یا خراب ہونے کی وجہ سے نالیوں میں ضائع کر دیتے ہیں مختصر یہ کہ یوں ہی پھینک دیتے ہیں کیا اگر کوئی انسان چاہے تو قربانی کے جانور جتنی رقم کسی شخص کو بطور امداد دے سکتا ہے کیا یہ اسلامی نقطۂ نظر سے درست ہے؟

ج: قربانی اہل استطاعت پر واجب ہے۔ قربانی کے بجائے اتنی رقم صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہیں ہوتا۔ بلکہ قربانی کرنا ہی ضروری ہے گوشت کو ضائع کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے خود نہ کھا سکے تو دوسروں کو دیدے۔

❀ ❀ ❀

ایام قربانی

قربانی کتنے دن کر سکتے ہیں:

س: قربانی کے بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قربانی سات دن تک جائز ہے حالانکہ ہم لوگ صرف ۳ دن قربانی کرتے ہیں، وضاحت فرمائیں کہ تین دن کر سکتے ہیں یا سات دن بھی کر سکتے ہیں؟

ج: جمہور ائمہ کے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں، امام شافعی چوتھے دن بھی جائز کہتے ہیں، حنفیہ کو تین دن ہی قربانی کرنی چاہئے۔

قربانی دسویں، گیارہوں اور بارہویں ذی الحجہ کو کرنی چاہئے:

س: قربانی کس دن کرنی چاہئے؟

ج: قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہیں۔ ان میں جب چاہے قربانی کرسکتا ہے، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

شہر میں نماز عید سے قبل قربانی کرنا صحیح نہیں:

س: شہر میں زید نے نماز عید سے پہلے صبح ہی قربانی کی۔ یہ قربانی ہوئی یا نہیں؟

ج: یہ قربانی نہیں ہوئی، لہٰذا اگر اس پر قربانی واجب تھی تو قربانی کے دنوں میں دوسری قربانی کرنا اس پر واجب ہوگا۔

قربانی کرنے کا صحیح وقت:

س: براہ کرم قربانی کرنے کا صحیح وقت، نماز سے پہلے ہے یا بعد میں۔ اس پر روشنی ڈالئے؟

ج: جن بستیوں یا شہروں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کردی تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہے۔ البتہ چھوٹے گاؤں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں، یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہوسکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (درمختار) قربانی رات کو بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں (شامی)

قربانی کے جانور

کن جانوروں کی قربانی جائز ہے:

س: بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ کن کن جانوروں کی قربانی کر سکتے ہیں؟

ج: بھیڑ، بکرا، دنبہ ایک ہی شخص کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔ بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ گائے، بیل، بھینس دو سال کی، اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔ اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی درست ہے۔ ہاں! سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی) خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (شامی) اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں۔ اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں پر نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی)

جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی، درمختار) اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں۔ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہو گیا تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے۔ (درمختار وغیرہ)

بکرا ایک سال کا ہونا ضروری ہے:

س: بکرے کے دو دانت ہونا ضروری ہے۔ یا تندرست توانا بکرا دو دانت ہوئے بغیر بھی ذبح کیا جاسکتا ہے یا یہ حکم صرف دنبے کیلئے ہے؟

ج: بکرا پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک دن بھی کم ہوگا تو قربانی نہیں ہوگی۔ دو دانت ہونا اس کی علامت

ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر عمر میں سال سے کم ہے لیکن اتنا موٹا تازہ ہے کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

کیا پیدائشی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے:

س: چند جانور فروش یہ کہہ کر جانور فروخت کرتے ہیں کہ اس کی ٹانگ وغیرہ کا جو عیب ہے، یہ اس کا پیدائشی ہے یعنی قدرتی ہے۔ جبکہ عیب دار جانور عقیقہ و قربانی میں شامل کرنے کو روکا جاتا ہے؟

ج: عیب خواہ پیدائشی ہو، اگر ایسا عیب ہے جو قربانی سے مانع ہے، اس جانور کی قربانی اور عقیقہ صحیح نہیں ہے۔

گابھن جانور کی قربانی کرنا:

س: اگر گائے کی قربانی کی اور وہ گائے گابھن تھی لیکن ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ گابھن ہے یا نہیں؟ لیکن جب قربانی کی تو پیٹ سے بچہ نکلا تو بتائیں کہ وہ قربانی ہوگئی ہے یا دوبارہ کریں؟

ج: گابھن گائے وغیرہ کی قربانی جائز ہے، دوبارہ قربانی کرنے کی ضرورت نہیں، بچہ اگر زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر لیا جائے اور اگر مردہ نکلے تو اس کا کھانا درست نہیں اس کو پھینک دیا جائے، بہر حال حاملہ جانور کی قربانی میں کوئی کراہت نہیں۔

اگر قربانی کے جانور کا سینگ ٹوٹ جائے:

س: کسی شخص نے قربانی کی بکری خریدی۔ اس میں یہ عیب ہے کہ اس کا دایاں سینگ آدھا ٹوٹا ہوا ہے۔ کیا اس کی قربانی درست ہے؟

ج: سینگ اگر جڑ سے اکھڑ جائے تو قربانی درست نہیں۔ اور اگر اوپر کا خول اتر جائے یا ٹوٹ جائے مگر اندر سے گودا سالم ہو تو قربانی درست ہے۔

کیا خصی جانور عیب دار ہو جاتا ہے:

س: پیش امام صاحب کا کہنا ہے کہ کسی جانور کا خصی کرنا گناہ ہے۔ چونکہ یہ نسل کشی میں شامل ہے۔ یہ جانور اپنے مقصد حیات میں ناکارہ کرا دیا گیا، یہ ایک طرح کا عیب ہو گیا۔ انسان نے صرف اپنے مزے کیلئے گوشت بہتر ہونے کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: آپ کے امام صاحب کی بات غلط ہے۔ خصی جانور کی قربانی آنحضرت ﷺ نے کی ہے۔ جس سے جانور خصی کروانے کا جواز اور اس قسم کے جانور کی قربانی کرنے کا جواز دونوں معلوم ہو جاتے ہیں۔

خصی بکرے کی قربانی دینا جائز ہے:

س: یہ کہا جاتا ہے کہ قربانی کا جانور بے عیب ہونا چاہئے۔ لیکن ہمارے ہاں عام رواج ہے کہ خصی بکرے کی قربانی دی جاتی ہے۔ اب کیا اس بکرے کا خصی ہونا عیب نہیں؟

ج: بکرے کا خصی ہونا عیب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی قیمت دوسرے بکرے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے خصی

بکرے کی قربانی بلاشبہ جائز ہے۔

قربانی کے جانور کے بچہ ہونے پر کیا کرے:

س: قربانی کے جانور کے ذبح کرتے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آئے تو اس کا کیا کرنا چاہئے؟

ج: قربانی کے جانور کے اگر ذبح کرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوگیا یا ذبح کرتے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آیا تو اس کو بھی ذبح کردینا چاہئے۔

قربانی کا جانور گم ہوجائے تو کیا کرے:

س: ایک شخص نے قربانی کرنے کیلئے بکرا خریدا۔ لیکن وہ گم ہوگیا۔ بقرعید کے چوتھے یا پانچویں دن وہ مل گیا تو اب اس کا کیا کرے؟

ج: جس شخص پر قربانی واجب تھی اگر اس نے قربانی کا جانور خرید لیا پھر وہ گم ہوگیا یا چوری ہوگیا یا مرگیا تو واجب ہے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ اگر دوسری قربانی کرنے کے بعد پہلا جانور مل جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کی بھی قربانی کردے۔ لیکن اس کی قربانی اس پر واجب نہیں۔ اگر یہ غریب ہے جس پر پہلے سے قربانی واجب نہ تھی، نفلی طور پر اس نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا پھر وہ مرگیا یا گم ہوگیا تو اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں۔ ہاں! اگر گمشدہ جانور قربانی کے دنوں میں مل جائے تو اس کی قربانی کرنا واجب ہے۔ اور ایام قربانی کے بعد ملے تو اس جانور کا یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع صفحہ ۶۶، جلد ۵)

ذبح کرنے اور گوشت سے متعلق مسائل

بسم اللہ کے بغیر ذبح شدہ جانور کا حکم:

س: شہر میں جو جانور مذبح خانہ سے ذبح ہوکر آتے ہیں ان میں سے شرعی ذبح شاذ و نادر ہی کوئی ہوتا ہے ورنہ اکثر بغیر کلمہ پڑھے یا تکبیر کہہ کے زمین پر لٹاتے ہی چھری پھیر دی جاتی ہے یہ احقر کا چشم دید مشاہدہ ہے اور اس بارے میں قصاب حضرات بھی تقریباً معذور ہیں اس لئے کہ اکثر ان میں سے نماز روزہ سے ناواقف اور احکام شریعت سے غافل ہیں اور شرعی ذبیحہ کی پابندی کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے؟

ج: اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے وہ ذبیحہ تو حلال ہے اور اگر کوئی جان بوجھ کر بسم اللہ نہیں پڑھتا اس کا ذبیحہ حلال نہیں اور جس شخص کو معلوم ہو کہ یہ ذبیحہ حلال نہیں اس کے لئے اس کا کھانا اور پینا بھی حلال نہیں۔ بہرحال متعلقہ ادارے کا فرض ہے کہ وہ شرعی طریقہ پر ذبح کرائے اور اس کی نگرانی بھی کرے کہ شرعی طریقہ پر ذبح کیا جاتا ہے یا نہیں۔

مسلمان قصائی ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھتے ہوں گے؟

س: دیکھنے میں آیا ہے کہ قصائی نماز جمعہ تک ادا نہیں کرتے اور گوشت میں مصروف نظر آتے ہیں۔قرآن پاک میں ہے کہ جس چیز (جانور) پر اللہ کا نام ذبح کرتے وقت نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔لہٰذا ہمیں شک ہے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ جانور ذبح کرتے وقت تکبیر نہیں کہتے ہوں گے۔قصائیوں سے منہ لگتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کیونکہ یہ انتہائی بداخلاق ہوتے ہیں آخر گوشت سے کب تک اجتناب کیا جاسکتا ہے؟ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ آیا قصائی غیر مسلم نہ ہو؟ یا اگر ہم کسی پڑوس یا رشتہ دار کے ہاں گوشت کھاتے ہیں تو ہمیں نہیں علم کہ یہ کہاں سے ذبح شدہ ہے۔اگر قصائی غیر مسلم ہو یا مسلمان بھی ہو، تو بھی تکبیر پڑھتا ہے یا نہیں اور رشتہ داروں سے پوچھنا جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے اول انہیں خود بھی علم نہیں ہوگا۔ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

ج: ذبح کرنے والے عموماً مسلمان ہونے کی بنا پر ان کے بارے میں یہی گمان رکھنا چاہئے کہ وہ ذبح کے وقت تکبیر پڑھتے ہوں گے ایسے احتمالات جو آپ نے لکھے ہیں قابل اعتبار نہیں البتہ اگر یقینی طور پر کسی قصائی کا جان بوجھ کر قصداً بسم اللہ نہ پڑھنا معلوم ہو جائے تو پھر اس کا ذبیحہ نہیں کھانا چاہئے۔

آداب قربانی:

س: قربانی کرنے کے کیا آداب ہیں؟

ج: قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو دودھ اور بال یا ان کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (بدائع) قربانی سے پہلے چھری کو خوب تیز کرلے اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرے اور ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت کے ٹکڑے کرنے میں جلدی نہ کرے جب تک پوری طرح جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ (بدائع)

قربانی کا مسنون طریقہ:

س: قربانی کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ج: اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا افضل ہے۔اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے بھی ذبح کرا سکتا ہے، مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے۔زبان سے کہنا ضروری نہیں۔البتہ ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔

قربانی کا جانور کسی طرح لٹانا چاہئے:

س: قربانی کا جانور ذبح کے وقت کس طرح لٹانا چاہئے؟ جانور کا سر قطب کی جانب ہو اور گلا کعبہ کی جانب یا جانور کا سر کعبہ کی جانب ہو اور گلا قطب کی جانب یعنی ذبح کرنے والے کا منہ کس جانب ہو؟

ج: جانور کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے، ویسے جس طرح بھی ذبح کرنے میں سہولت ہو، کوئی حرج نہیں۔

بائیں ہاتھ سے جانور ذبح کرنا خلاف سنت ہے:

س: کیا بائیں ہاتھ سے جانور ذبح کرنا جائز ہے؟

ج: جائز ہے مگر خلاف سنت ہے۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو تو پھر خلاف سنت بھی نہ ہوگا۔

بغیر دستے کی چھری سے ذبح کرنا:

س: کیا بغیر دستے کی چھری کا ذبیحہ جائز ہے؟

ج: خالص لوہے کی یا کسی بھی دھات کی بنی ہوئی چھری کا ذبیحہ جائز ہے اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ چھری میں اگر لکڑی نہ لگی ہو تو ذبیحہ مردار ہو جاتا ہے۔

عورت کا ذبیحہ حلال ہے:

س: ہماری امی، نانی اور گھر کی دوسری خواتین بذات خود مرغی وغیرہ ذبح کرلیا کرتی ہیں، میں نے کالج میں اپنی سہیلیوں سے ذکر کیا تو چند نے کہا کہ عورتوں کے ہاتھ کا ذبیحہ مکروہ ہوتا ہے بعض نے کہا کہ حرام ہو جاتا ہے براہِ کرم بتائیں کہ عورت کا طعام کی نیت سے جانور اور پرندوں (حلال) کو ذبح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

ج: جائز ہے، آپ کی سہیلیوں کا مسئلہ غلط ہے۔

مشین کے ذریعہ ذبح کیا ہوا گوشت صحیح نہیں:

س: کیا مشین کے ذریعہ سے ذبح کیا ہوا گوشت حلال ہے؟

ج: مشینی ذبیحہ کو اہل علم نے صحیح قرار نہیں دیا اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

سر پر چوٹ مار کر مشین سے مرغی ذبح کرنا غلط ہے:

س: آج کل ملک میں ''آٹو میٹک پلانٹ'' پر مرغیوں کا جو ذبح کیا جاتا ہے اور پھر ڈبوں میں پیک کر کے سپلائی کیا جاتا ہے تو عرض یہ ہے کہ ذبح کا یہ طریقہ میرے خیال میں غیر اسلامی ہے کیونکہ پہلے تو اس کے سر پر چوٹ لگا کر بے ہوش کیا جاتا ہے پھر ذبح کیا جاتا ہے آیا یہ طریقہ صحیح ہے اور یہ گوشت حلال ہوتا ہے یا حرام؟ اس لئے کہ میں نے لندن کی شائع کردہ ایک کتاب میں اس کے متعلق پڑھا تھا پہلے لندن میں بھی یہی نظام رائج تھا لیکن مسلمانوں اور یہودیوں کے کہنے پر یہ نظام بند کر دیا گیا اور اب مرغیوں کو زندہ ذبح کیا جاتا ہے۔

ج: ذبح کا یہ طریقہ غلط ہے اگر سر پر چوٹ مار کر ذبح کرنے میں جانور کو راحت ہوتی اور یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خود تعلیم فرماتے جن لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے وہ گویا اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ذہین اور عقلمند ثابت کرنے جارہے ہیں۔ اگر پاکستان میں یا کسی اور مسلمان ملک میں یہ

طریقہ رائج ہے تو فوراً بند کرنا چاہئے۔

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت حلال نہیں ہے:

س: یہاں پر گوشت یا مرغی کے گوشت کے پیکٹ ملتے ہیں جو کہ یورپ یا دیگر غیر ممالک (جو کہ مسلم ممالک نہیں ہیں) سے آتے ہیں معلوم نہیں انہوں نے کس طرح ذبح کیا ہوگا ذبح پر تکبیر پڑھنا تو درکنار کیا ایسا گوشت وغیرہ ہم مسلمان استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: جس گوشت کے بارے میں اطمینان نہ ہو کہ وہ حلال طریقہ سے ذبح کیا گیا ہوگا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یورپ اور غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت حلال نہیں ہے۔

قربانی کا گوشت

قربانی کے گوشت کی تقسیم:

س: قربانی کے گوشت کی تقسیم کس طرح کرنی چاہئے؟

ج: جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے۔ اندازہ سے تقسیم نہ کریں۔ افضل ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل و عیال کیلئے رکھا جائے، ایک حصہ احباب و اعزہ میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرے اور جس شخص کے عیال زیادہ ہوں وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں۔ اجرت علیحدہ سے دینی چاہئے۔

قربانی کے بکرے کی رانیں گھر میں رکھنا:

س: قربانی کے لئے حکم ہے کہ جانور صحت مند خوبصورت ہو اور ذبح کرنے کے بعد اس کو برابر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے جب کہ اس وقت یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ قربانی کے بعد بکرے کی ران وغیرہ مکمل اپنے لئے رکھ لیتے ہیں اور بعد میں ہوٹلوں میں روسٹ کرا کر لے جاتے ہیں بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بکرے کی دونوں ران مع کمر کے رکھ دی جاتی ہیں۔ اس مسئلہ پر ۔۔یث اور شریعت کی رو سے روشنی ڈالیں تا کہ قربانی کرنے والوں کو صحیح علم ہو جائے؟

ج: افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک فقراء کے لئے، ایک دوست احباب کے لئے اور ایک گھر کے لئے لیکن اگر سارا تقسیم کر دیا جائے یا گھر میں رکھ لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ قربانی صحیح نیت کے ساتھ کی تھی صرف گوشت کھانے یا لوگوں میں سرخروئی کے لئے قربانی نہیں کی تھی۔

قربانی کا گوشت شادی میں کھانا:

س: ہمارے محلے میں ایک صاحب نے گائے کی قربانی تیسرے دن کی اور چوتھے دن انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور قربانی کا آدھے سے زیادہ گوشت دعوت شادی میں لوگوں کو کھلا دیا، کیا ان کی قربانی ہوگئی؟

ج: اگر قربانی صحیح نیت سے کی تھی تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگئی اور قربانی کا گوشت گھر کی ضرورت میں استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایک تہائی صدقہ کردے، ایک تہائی دوست احباب کو دے۔ ایک تہائی خود کھائے۔

کیا سارا گوشت خود کھانا جائز ہے:

س: بقرعید پر ہمارے گھر قربانی ہوتی ہے تو میرے بھائی اس کے تین حصے کرتے ہیں ایک گھر میں رکھ لیتے ہیں۔ دو حصے محلے اور رشتہ داروں میں تقسیم کردیتے ہیں جب کہ ہمارے محلے میں اکثر لوگ سارا گوشت گھر ہی میں کھا لیتے ہیں۔ محلے اور رشتہ داروں میں ذرا سا تقسیم کردیتے ہیں اور کئی دن تک کھاتے ہیں۔ ضرور بتایئے گا کہ کیا ایسے لوگوں کی قربانی ہوجاتی ہے؟

ج: آپ کے بھائی جس طرح کرتے ہیں وہ بہتر ہے۔ باقی سارا گوشت اگر گھر پر کھالیا قربانی جب بھی صحیح ہے۔ بشرطیکہ نیت قربانی کی ہو صرف گوشت کھانے کی نہ ہو۔

قربانی کے گوشت کا اسٹاک جائز ہے:

س: شرعی احکام کے مطابق قربانی کے گوشت کی تقسیم غرباء مسکین عزیز و اقارب اڑوس پڑوس اور جو مستحق ہو ان میں کی جائے لیکن عام طور پر یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ اکثر گھروں میں بقرعید کی قربانی کے گوشت کا کچھ حصہ تو تقسیم کردیا جاتا ہے اور زیادہ بچا ہوا گوشت فریج ڈیپ فریزر میں بھر کر رکھ دیا جاتا ہے اور اپنے استعمال کے ساتھ ساتھ نیاز نذر میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ گوشت آئندہ بقرعید تک استعمال آتا رہتا ہے جب کہ زیادہ عرصہ فریج اور فریزر میں رہنے سے اس کی ماہیت اور ذائقہ بھی بے حد خراب ہوجاتا ہے اور اسے دیکھنے اور کھانے میں کراہیت آتی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں شرعی طور پر مطلع فرمادیجئے کہ کیا بقرعید کا گوشت آئندہ بقرعید (ایک سال) تک اسٹاک کیا جاسکتا ہے؟

ج: افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصہ کئے جائیں ایک حصہ گھر کے لئے ایک دوست احباب کے لئے اور ایک فقراء و مساکین کے لئے لیکن اگر کوئی شخص سارا گھر میں رکھ لیتا ہے یا ذخیرہ کرلیتا ہے تب بھی جائز ہے اور جب گوشت کا رکھنا جائز ہوا تو اس کا استعمال کسی بھی جائز مقصد کے لئے صحیح ہے۔

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا:

س: کیا قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے؟

ج: دیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ نذر کی قربانی نہ ہو۔

منت کی قربانی کا گوشت:

س: میری والدہ صاحبہ نے میری نوکری کے سلسلے میں منت مانی تھی کہ اگر میرے بیٹے کو مطلوبہ جگہ نوکری مل گئی تو میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گی بحمد اللہ نوکری مل گئی خدا کا شکر ہے لیکن کافی عرصہ گزر گیا ابھی تک منت پوری نہیں کی اس میں سستی اور دیر ضروری ہوئی ہے لیکن اس میں ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں، صرف یہ مطلوب ہے کہ اس کا طریقہ کار کیا ہو جو صحیح اور عین اسلامی ہو۔ اس میں اختلاف رائے یہ ہے کہ جس جانور کی قربانی کی جائے اس کا گوشت رشتہ داروں، گھر کے افراد کے لئے جائز ہے یا یہ پورا کا پورا غریب و مسکین یا کسی دارالعلوم مدرسہ کو دے دینا چاہئے؟

ج: آپ کی والدہ کے ذمہ قربانی کے دنوں میں قربانی واجب ہے اور اس گوشت کا فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہے۔ منت کی چیز غنی اور مالدار لوگ نہیں کھا سکتے جس طرح کہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مالداروں کے لئے حلال نہیں۔

عقیقہ

عقیقہ کی اہمیت:

س: اسلام میں عقیقہ کی کیا اہمیت ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر عقیقہ کئے مر گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ج: عقیقہ سنت ہے۔ اگر گنجائش ہے تو ضروری کر دینا چاہئے۔ نہ کرے تو گناہ نہیں صرف عقیقے کے ثواب سے محرومی ہے۔

عقیقہ کا عمل سنت ہے یا واجب:

س: بچہ پیدا ہونے کے بعد جو عقیقہ کیا جاتا ہے اور بکرا صدقہ کیا جاتا ہے یہ عمل سنت ہے یا واجب؟

ج: عقیقہ سنت ہے لیکن اس کی میعاد ہے ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن اس کے بعد اس کی حیثیت نفل کی ہوگی۔

بالغ لڑکے لڑکی کا عقیقہ:

س: عقیقہ کس عمر تک ہوسکتا ہے بالغ مرد و عورت خود اپنا عقیقہ اپنی رقم سے کر سکتے ہیں یا والدین ہی کر سکتے ہیں؟ بڑی لڑکیوں یا بالغ عورت کا عقیقہ میں سر منڈانا چاہئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کتنے بال کاٹے جائیں اور کس طریقے پر؟

ج: عقیقہ سنت ہے۔ اس سے بچے کی الابلا دور ہوتی ہے۔ سنت یہ ہے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال اتارے جائیں، ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کر دی جائے اور لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ اسی دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ اگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو بعد میں کر دے۔ مگر ساتویں دن کے بعد بعض فقہاء کے قول کے مطابق اس کی وہ حیثیت نہیں رہ جاتی۔ بڑی عمر کے لڑکوں لڑکیوں کا عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ عقیقہ کیلئے ان کے بال اتارنے چاہئیں۔

عقیقہ کے جانور کی رقم صدقہ کر دینا:

س: کیا بچی کے عقیقے کیلئے خریدی جانے والی بکری کی رقم اگر کسی ضرورت مند اور غریب رشتہ دار کو دیدی جائے تو عقیقے کی سنت پوری ہو جائے گی؟

ج: اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ البتہ صدقہ اور صلہ رحمی کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

بچوں کا عقیقہ ماں اپنی تنخواہ سے کر سکتی ہے:

س: ماں اور باپ دونوں کماتے ہیں باپ کی تنخواہ گھر کی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہے اور ماں کی تنخواہ پوری بچتی ہے جو کہ سال بھر جمع ہوتی ہے تو کیا ماں اپنے بچوں کا عقیقہ اپنی تنخواہ میں سے کر سکتی ہے؟ دوسرے الفاظ میں یہ کہ کیا بچوں کا عقیقہ ماں کی کمائی میں سے ہوسکتا ہے جبکہ والد زندہ ہیں اور کماتے ہیں اور گھر کا خرچہ بھی چلاتے ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ دونوں سوالوں کے جواب کتاب وسنت کی روشنی میں دیکر ممنون فرمائیں گے؟

ج: بچوں کا عقیقہ اور دوسرے اخراجات باپ کے ذمہ ہیں اگر ماں ادا کر دے تو اس کی خوشی ہے اور شرعاً عقیقہ بھی صحیح ہوگا۔

اپنے عقیقہ سے پہلے بچی کا عقیقہ کرنا:

س: میرا خود کا عقیقہ نہیں ہوا تو کیا پہلے مجھے اپنا عقیقہ کرنے کے بعد بچی کا کرنا چاہئے؟

ج: آپ اپنی بچی کا عقیقہ کر سکتی ہیں۔ آپ کا عقیقہ اگر نہیں ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قرض لے کر عقیقہ اور قربانی کرنا:

س: میری مالی حالت اتنی نہیں ہے کہ میں اپنی تنخواہ میں سے اپنے بچوں کا عقیقہ یا قربانی کر سکوں جبکہ دونوں فرض ہیں۔ کیا میں بینک سے قرضہ لے کر ان دونوں فرضوں کو پورا کر سکتا ہوں؟ یہ قرض میری تنخواہ سے برابر کٹتا رہے گا جب تک قرضہ پورا نہ اتر جائے؟

ج: صاحب استطاعت پر قربانی واجب ہے اور عقیقہ سنت ہے۔ جس کے پاس گنجائش نہ ہو اس پر نہ قربانی واجب ہے نہ عقیقہ۔ آپ سودی قرض لے کر قربانی یا عقیقہ کریں گے تو سخت گنہگار رہوں گے۔

عقیقہ امیر کے ذمہ ہے یا غریب کے بھی:

س: عقیقہ سنت ہے یا فرض اور ہر غریب پر ہے یا امیروں پر بھی ہے اور اگر غریب پر ضروری ہے تو پھر غریب طاقت نہیں رکھتا تو غریب کے لئے کیا حکم ہے؟

ج: عقیقہ سنت ہے، اگر ہمت ہو تو کر دے، ورنہ کوئی گناہ نہیں۔

کن جانوروں سے عقیقہ جائز ہے:

س: جن جانوروں میں سات حصے قربانی ہوسکتی ہے ان میں سات عقیقے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا لڑکے کے عقیقے میں گائے

ہوسکتی ہے اور کن جانوروں سے عقیقہ ہوسکتا ہے، کیا بھینس بھی ان میں شامل ہے؟

ج: جن جانوروں کی قربانی جائز ہے ان سے عقیقہ بھی جائز ہے۔ بھینس بھی ان جانوروں میں شامل ہے اسی طرح جن جانوروں میں سات حصے قربانی کے ہوسکتے ہیں ان میں سات حصے عقیقہ کے بھی ہوسکتے ہیں اور ایک لڑکے کے عقیقہ میں پوری گائے بھی ذبح کی جاسکتی ہے۔

لڑکے کے عقیقہ میں دو بکروں کی جگہ ایک بکرا دینا:

س: کوئی شخص اگر لڑکے کے لئے دو بکروں کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا وہ لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکرا کرسکتا ہے؟

ج: لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو حصے دینا مستحب ہے لیکن اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

لڑکے اور لڑکی کے لئے کتنے بکرے عقیقہ میں دیں:

س: لڑکے اور لڑکی کے لئے کتنے بکرے ہونے چاہئیں؟

ج: لڑکے کے لئے دو۔ لڑکی کے لئے ایک۔

تحفہ کے جانور سے عقیقہ جائز ہے:

س: کیا تحفہ میں ملی ہوئی بکری کا عقیقہ میں استعمال کرنا جائز ہے؟

ج: تحفہ میں ملی ہوئی بکری کا عقیقہ جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ رکھنا:

س: کیا عید قربان پر قربانی کے ساتھ عقیقہ بچوں کا بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک گائے لے کر ایک حصہ قربانی اور چھ حصے چار بچوں (دو لڑکے دو لڑکیاں) کا عقیقہ ہوسکتا ہے؟

ج: قربانی کے جانور میں عقیقے کے حصے رکھے جاسکتے ہیں۔

شوہر کا بیوی کی طرف سے عقیقہ کرنا:

س: یہ بتائیں کہ شوہر اپنی بیوی کا عقیقہ کرسکتا ہے یا یہ بھی شادی کے بعد والدین پر فرض ہے کہ بیٹی کا عقیقہ خود کریں جبکہ وہ دس بچوں کی ماں بھی ہے؟

ج: عقیقہ فرض ہی نہیں ہے بلکہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے بشرطیکہ والدین کے پاس گنجائش ہو۔ اگر والدین نے عقیقہ نہیں کیا تو بعد میں کرنے کی ضرورت نہیں اور شوہر کا بیوی کی طرف سے عقیقہ کرنا جبکہ وہ دس بچوں کی ماں بھی ہو لغو حرکت ہے۔

ساتویں دن عقیقہ دوسری جگہ بھی کرنا جائز ہے:

س: عقیقہ کرنا کیا سات دن کے اندر ضروری ہے؟ اور کیونکہ یہاں قطر میں رشتے دار وغیرہ نہیں ہیں تو کیا ہم یہاں رہتے

ہوئے اپنے والدین کو پاکستان میں لکھ سکتے ہیں کہ وہ وہاں عقیقہ کر دیں؟

ج: عقیقہ ساتویں دن سنت ہے اگر ساتویں دن نہ کیا جائے تو ایک قول کے مطابق بعد میں سنت کا درجہ باقی نہیں رہتا۔ اگر بعد میں کرنا ہو تو ساتویں دن کی رعایت رکھنی چاہئے۔ یعنی بچے کی پیدائش کے دن سے پہلے دن عقیقہ کیا جائے مثلاً بچہ کی پیدائش جمعہ کی ہو تو عقیقہ جمعرات کو ہوگا۔ پاکستان میں بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔

کئی بچوں کا ایک ساتھ عقیقہ کرنا:

س: اکثر لوگ کئی بچوں کا عقیقہ ایک ساتھ کرتے ہیں جب کہ بچوں کے پیدائش کے دن مختلف ہوتے ہیں، قرآن اور سنت کی روشنی میں فرمائیں کیا عقیقہ ہو جاتا ہے؟

ج: عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن سنت ہے اگر گنجائش نہ ہو تو نہ کرے، کوئی گناہ نہیں، دن کی رعایت کے بغیر سب بچوں کا اکٹھا عقیقہ جائز ہے مگر سنت کے خلاف ہے۔

مختلف دنوں میں پیدا شدہ بچوں کا ایک ہی دن عقیقہ جائز ہے:

س: اگر گائے کا عقیقہ کریں تو اس میں سات حصے ہونے چاہئیں؟ اور بچوں کی پیدائش مختلف ایام میں ہو تو ایک دن میں گائے کرنا چاہئے یا نہیں؟

ج: ایک دن تمام بچوں کا عقیقہ کرنا چاہے تو مختلف تاریخوں میں پیدا ہونے والوں کا ایک دن عقیقہ کیا جاسکتا ہے اور تمام جانور یا گائے ایک ساتھ ذبح کرسکتا ہے۔ یعنی جائز ہے البتہ مسنون عقیقہ ساتویں دن کا ہے۔

اگر کسی کو پیدائش کا دن معلوم نہ ہو تو وہ عقیقہ کیسے کرے:

س: کہتے ہیں کہ عقیقہ پیدائش کے ساتویں دن ہونا چاہئے اگر کوئی اپنا عقیقہ کرنا چاہئے اور اس کو اپنی پیدائش کا دن معلوم نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

ج: ساتویں دن عقیقہ کرنا بالاتفاق مستحب ہے اسی طرح دار قطنی کی ایک روایت کے مطابق چودھویں دن بھی مستحب ہے جبکہ امام ترمذی کے نقل کردہ ایک قول کے مطابق اگر کسی نے ان دنوں میں عقیقہ نہیں کیا تو اکیسویں دن بھی کر لینا مستحب ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص ساتویں دن، چودھویں دن اور اکیسویں دن کے علاوہ کسی اور دن عقیقہ کرے تو نفس عقیقہ ہو جائے گا البتہ اس کا وہ استحباب اور ثواب جو کہ ساتویں دن، چودھویں دن اور اکیسویں دن کرنے میں تھا وہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر بعد میں کرے تو ساتویں دن کی رعایت رکھنا بہتر ہے یاد نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

عقیقہ کے وقت بچے کے سر کے بال اتارنا:

س: کیا عقیقہ کے وقت بچہ کے سر کے بال اتارنا ضروری ہے جب کہ دو چار ماہ بعد عقیقہ کیا جارہا ہو؟

ج: ساتویں دن بال اتارنا اور عقیقہ کرنا سنت ہے۔ اگر عقیقہ نہ کیا تو بال ساتویں دن اتار دیں۔ بعد میں جانور ذبح کرتے وقت پھر بال اتارنے کی ضرورت نہیں۔

نصیحت نامہ

تصنیف جناب مولانا مولوی غلام رسول صاحب مرحوم و مغفورؒ

دلا غافل نہ ہو یکدم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے ۔ باغیچے چھوڑ کر خالی زمیں اندر سمانا ہے

تیرا نازک بدن بھائی جو لیٹے سیج پھولوں پر ۔ ہوویگا اک دن مردار یہ کرموں نے کھانا ہے

اجل کے روز کو کر یاد کر سامان چلنے کا ۔ زمیں کے فرش پر سونا جو اینٹوں کا سرہانا ہے

نہ بیلی ہو سکے بھائی نہ بیٹا باپ تے مائی ۔ کیا پھرتا ہے سودائی عمل نے کام آنا ہے

جہاں کے شغل میں شاغل خدا کی یاد سے غافل ۔ کریں دعویٰ کہ یہ دنیا میرا دائم ٹھکانا ہے

غلط فہمید ہے تیری نہیں آرام اس پُل پر ۔ مسافر بے وطن ہے توں کہاں تیرا ٹھکانا ہے

کہاں وہ ماہِ کنعانی کہاں تخت سلیمانی ۔ گئے سب چھوڑ یہ فانی اگر نادان و دانا ہے

عزیزا یاد کر وہ دن جو ملک الموت آویگا ۔ نہ جاوے ساتھ تیرے کوئی اکیلے تو نے جانا ہے

نظر کر دیکھ خویشوں میں جو ساتھی کون ہے تیرا ۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اکیلے کو دبانا ہے

فرشتہ روز کرتا ہے منادی چار کونوں پر ۔ محلاں اُچیاں والے تیرا گوریں ٹھکانا ہے

نظر کر ماڑیاں خالی کہاں وہ ماڑیاں والے ۔ سبھی کوڑا پسارا ہے دغا بازی کا بہانا ہے

غلام اک دم نہ کر غفلت حیاتی پر نہ ہو غُرہ ۔ خدا کی یاد کر ہر دم جو آخر کام آنا ہے